اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

جناب مفتوں کوٹوی

کاش اپنے ساتھیوں کے دلوں میں ہو یہ خیال — پڑھ لکھ کے ہم کو کرنا ہے پیدا کوئی کمال
ایسا کمال جس کی نہ دنیا میں ہو مثال — ناکامیوں کا ہوگا اسی جوش سے زوال
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

مہنگائی کے سبب ہے ہر اک سمت ہائے وائے — بچوں کو دودھ۔ ہم کو میسر نہیں ہے چائے
کپڑے، کتابیں، کاپیاں کوئی کہاں سے لائے — سستا اناج ہو تو مٹے سب کی ہائے ہائے
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

ہڑتالیں، اور فساد، یہ ہنگامے، شور و شر — گھیراؤ، توڑ پھوڑ۔ یہ "بند" آتش و شرر
یہ نفع خوری، دھوکہ دہی، توبہ، الحذر — پیدا ہو ایسے لوگوں کے دل میں خدا کا ڈر
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

گزرے یہ سال اپنا خدا کی پناہ میں — دل اہلِ ملک کا رہے بڑھنے کی چاہ میں
جو بھی قدم اُٹھے وہ ترقی کی راہ میں — پورا ہو اپنا کام ہر اک واہ واہ میں
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

اپنی زبان پر نہ کبھی جھوٹ لائیں ہم — چھوٹے بڑے کے فرق کو یکسر مٹائیں ہم
آپس میں ربط و ضبط و محبت بڑھائیں ہم — نفرت سے بغض و کینہ سے دامن بچائیں ہم
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

ہم کاش کامیاب ہوں ہر امتحان میں — راہیں ترقیوں کی رہیں اپنے دھیان میں
ہر سمت شہرت اپنی ہو دنیا جہان میں — ہم سے اضافہ اور ہو بھارت کی شان میں
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

کرنا شرارتیں نہیں اچھا، خطا بھی ہے — حسنِ عمل بغیر کوئی کچھ بڑھا بھی ہے
اپنا بھلا بھی اس میں ہے سب کا بھلا بھی ہے — مفتوں کی آرزو بھی یہی ہے دعا بھی ہے
اللہ ہم سبھی کو مبارک کرے یہ سال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

پڑوس میں رہنے والے عزیزوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر شریف آدمی اچھا پڑوسی ہوتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں جو شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا ہے اس کی شرافت میں شبہ نہیں۔ پڑوسی چاہے کوئی ہو، اس کا کوئی مذہب ہو، وہ کوئی زبان بولتا ہو، غریب ہو، امیر ہو، کالا ہو، گورا ہو، کوئی کام کرتا ہو، کسی جگہ سے آیا ہو، بہرحال پڑوسی ہے اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کرنا چاہیے۔ اس کے کام آنا چاہیے۔ ضرورت کے وقت اس کی مدد کرنی چاہیے۔ پڑوسی کسی پریشانی میں پھنس جائے تو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس کے غم میں شریک اور اس کی خوشی میں شامل ہونا چاہیے۔

اگر پڑوسی سے کوئی غلطی ہو جائے یا کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تب بھی اس سے بدلہ نہیں لینا چاہیے، اس کو معاف کر دینا چاہیے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"جو شخص اپنا غصہ نکال لینے کی طاقت رکھتا ہو اور پھر ضبط کر جائے اس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان و اطمینان سے بھر دیتا ہے۔"

ہم کتنے ہی اچھے کام کریں، لیکن اگر پڑوسی کو تکلیف پہنچائیں، اس کو پریشان کریں، اس سے لڑیں، اس کا مال چھینیں تو ہم اچھے انسان اور مسلمان نہیں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے:

"قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، وہ مومن نہیں ہو سکتا جس کی بدی سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔"

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

احمد جمال پاشا (مرحوم)

(لوک کہانی)

تین بیڈھب بکرے

ایک دن تین بیڈھب بکرے پہاڑ کی طرف چل دیے۔ وہ ہری ہری دوب کی تلاش میں تھے تاکہ اسے کھا کھا کر موٹے ہو سکیں۔ وہ ایک دریا کے پاس پہنچے۔ دریا کے پار ایک خوبصورت چشمہ تھا اور وہاں اتنی اچھی گھاس تھی جو انھوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ دریا کے اوپر ایک لکڑی کا پل تھا جس کے نیچے ایک بدصورت بونا دیو رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگ پل پار کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جیسے ہی وہ پل پر کسی آدمی کے قدموں کی دھپ دھپ سنتا۔ اچھل کر نکلتا اور پل پر سے گزرنے کی کوشش کرنے والے کو نگل جاتا۔

تینوں بیڈھب بکرے بونے دیو سے ڈرتے تھے لیکن وہ چشمہ کے کنارے کی ہری ہری گھاس کھانے کے لیے بیتاب تھے۔

کچھ دیر بعد سب سے چھوٹے بیڈھب بکرے نے کہا۔" سب سے پہلے وہ پل پار کرنے کی کوشش کرے گا۔

"دھپ، دھپ، دھپ، سب سے چھوٹے بیڈھب بکرے کے کھروں سے آواز نکل رہی تھی۔ وہ لکڑی کے پل پر چلتا چلا جا رہا تھا۔

دھپ دھپ سن کر بونے دیو نے اپنا بدصورت اور خوفناک سر نکالا۔ وہ اتنا بدصورت تھا کہ سب سے چھوٹا بیڈھب بکرا مارے گھبراہٹ کے تقریباً گرتے گرتے بچا۔ بونا دیو گرجا۔ پل کے اوپر کون دھڑ پڑ کر رہا ہے؟

سب سے چھوٹے بیڈھب بکرے نے آہستہ سے کہا۔" یہ صرف میں ہوں۔ سب سے چھوٹا بیڈھب بکرا۔ میں اپنے آپ کو موٹا تازہ بنانے کے لیے چشمے تک جا رہا ہوں۔

بونا دیو غرّایا۔" تو پھر میں تمھیں ہڑپ کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔

طبار یک نمدہ نرم گھاس

سب سے چھوٹے بیڈ صب بکرے نے مہین آواز میں کہا "ارے نہیں۔ مہربانی کرکے جناب مجھے ہڑپ نہ کیجیے۔ میں ابھی بہت ہی چھوٹا ہوں آپ اس وقت تک انتظار کیجیے جب تک کہ دوسرا بیڈ صب بکرا نہ آجائے جو مجھ سے کہیں زیادہ موٹا ہے۔"

بونے دیو نے کہا

"بہت اچھا۔ !تم دور ہو۔ میں دوسرے بیڈ صب بکرے کے آنے کا انتظار کروں گا۔!"

اس طرح سب سے چھوٹے بیڈ صب بکرے نے پُل پار کرلیا اور چشمے کے پاس پہنچ کر ہری ہری تازہ دوب چرنے لگا۔

تب دوسرے بیڈ صب بکرے نے کہا "اب وہ پُل پار کرنے کی کوشش کرے گا۔

"دھپ، دھپ، دھپ، دھپ" دوسرے بیڈ صب بکرے کے کھُروں کی آواز لکڑی کے پُل پر آنے لگی۔

بونے دیو نے اپنا بدصورت سر باہر نکال کر جھانکا۔ وہ اتنا بدصورت تھا کہ دوسرا بیڈ صب بکرا مارے ڈر کے تقریباً گرتے گرتے بچا۔

بونا دیو گرجا۔ کون میرے پُل کے اوپر دھڑ بڑ کر رہا ہے؟"

دوسرے بیڈ صب بکرے نے نسبتاً کچھ نرم آواز میں کہا۔" میں اپنے آپ کو موٹا تازہ بنانے کے لیے چشمے تک جا رہا ہوں۔"

بونا دیو گرجا۔ تو پھر میں تمھیں آ رہا ہوں ہڑپنے۔"

دوسرے بیڈ صب بکرے نے کچھ نسبتاً نرم آواز میں کہا۔

"میں بہت بڑا نہیں ہوں۔ میں بہت موٹا نہیں ہوں۔ تیسرے بیڈ صب بکرے کے آنے کا انتظار کیجیے۔ وہ بہت بڑا اور بہت موٹا ہے۔"

بونے دیو نے کہا۔ "دور ہو! میں تیسرے بیڈ صب بکرے کے آنے کا انتظار کروں گا۔!

تو پھر دوسرے بیڈ صب بکرے نے پُل پار کیا اور چشمے کے پاس جاکر میٹھی ہری تازہ گھاس چرنے لگا۔

تب پھر آخر میں سب سے بڑا بیڈ صب بکرا پُل پار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس کی داڑھی بڑی لمبی سی تھی اور اس کے بڑے بڑے سینگ تھے۔

"دھپ، دھپ، دھپ، دھپ، کھٹر بٹر، کھٹر بٹر، کھٹر بٹر، کھٹر بٹر" سب سے بڑے بیڈ صب

بکرے کے کھُروں کی لکڑی کے پُل پر آوازیں آرہی تھیں۔

بونے دیو نے اپنا بدصورت سر نکالا۔ وہ اتنا بدصورت تھا کہ سب سے بڑا بیڈھب بکرا بھی مارے گھبراہٹ کے تقریباً گرتے گرتے بچا۔ لیکن اس نے اپنی گھبراہٹ ظاہر نہیں ہونے دی۔ وہ صرف پُل کے تختے پر زور زور سے کھُر مارتا رہا۔ "کھٹر پٹر، کھٹر پٹر، کھٹر پٹر، دھَپ، دھَپ، دھَپ، دھَپ، کھٹاک، کھٹاک، کھٹاک۔"

بونا دیو گرجا۔ کون میرے پُل کے اوپر کھٹر پٹر کھٹر پٹر کر رہا ہے۔!! سب سے بڑے بیڈھب بکرے نے انتہائی بلند آواز میں اور بڑے اکھڑ پن کے ساتھ بونے دیو سے بھی تیز آواز میں گرج کر کہا۔

"میں ہوں سب سے بڑا بیڈھب بکرا۔!!

بونا دیو گرجا۔! "تو پھر میں تمھیں ہڑپ کرنے آرہا ہوں۔!"

سب سے بڑے بیڈھب بکرے نے اپنے سینگ گھماتے ہوئے کہا۔ نہیں! تم نہیں! میں تمھیں ہڑپ کرنے آرہا ہوں۔!"

اس نے پھر اور بھی زیادہ آواز کے ساتھ اپنے قدم بڑھائے۔ کھٹ، پٹ، کھٹ پٹ، دھڑپڑ دھڑپڑ، دھڑاپ، دھڑاپ اس کے بعد سب سے بڑے بیڈھب بکرے نے اپنے بڑے سینگوں پر بونے دیو کو اٹھا کر پُل پر سے نیچے دریا میں پھینک دیا۔

بدصورت بونا دیو دریا کی تہہ میں گرا۔ اتنے زور کا پانی میں چھپاکا ہوا اور اس کا سر زمین میں گھس گیا اور پھر وہ اوپر دوبارہ نہ نکل سکا۔ اس طرح بدصورت بونے دیو کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد سے لوگ بلا کھٹکے پُل کے اوپر سے آنے جانے لگے۔ دوبارہ کبھی پُل کے نیچے سے سر نکال کر بدصورت بونا دیو نہیں گرجا!۔

"میرے پُل کے اوپر کون دھڑپڑ کر رہا ہے۔!"

تب تینوں بیڈھب بکرے پہاڑی کے کنارے چشمے کے پاس ہنسی خوشی رہنے لگے۔ وہ میٹھی ہری دوب چرتے اور وہ واقعی بہت ہی موٹے تازے ہو گئے۔

منور نوری خلیق　　　قسط اوّل
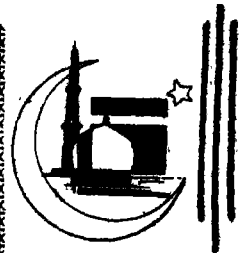
حضرت یحییٰ علیہ السّلام اپنے والد حضرت زکریا علیہ السّلام کی دُعا کا نتیجہ تھے، جو انھوں نے بیت المقدس کی محراب میں عبادت کرتے ہوئے مانگی تھی جس کے جواب میں انھیں "یحییٰ" نامی فرزند کی بشارت دی گئی گویا کہ ان کا نام بھی خدا تعالےٰ نے خود ہی منتخب کر دیا تھا۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ تمھارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے، جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی جب اس نے پست آواز میں اپنے پروردگار کو پکارا اور التجا کی کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں ضعیفی سے کمزور اور سر سفید ہونے لگا ہے، اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں، میری بیوی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولادِ یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔ اے میرے پروردگار تو اسے خوش اطوار بنانا۔"

(سورۃ مریم آیت نمبر۶)

یہ دعا ایک پیغمبر نے اپنی جائداد کے وارث کے لیے نہیں مانگی تھی۔ ظاہر بات ہے ان کے پاس کوئی جائداد تھی ہی نہیں، بلکہ ان کی تمنّا تھی کہ ان کے علم کا کوئی وارث ہو، وہ خود بہت بلند درجے کے نبی تھے، بیت المقدس کے متولی تھے، جنھوں نے عمر بھر بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے کوششیں کی تھیں۔ اب ان کی تمنّا تھی کہ خدا کے سچے دین اور بندگانِ خدا کی ہدایت

کرنے کے لیے کوئی اُن کے بعد اُن ہی کی اولاد میں سے ہو اس لیے جونہی انھوں نے دعا مانگی خدا نے قبول فرمائی اور ان کی پکار کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اے زکریا! ہم تجھے ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے قبل ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔" (سورۃ مریم آیت نمبر۷)

گویا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اس نام کے پہلے انسان تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ عام بچوں سے مختلف فطرت کے مالک، لغویات سے دور رہنے والے بچے تھے۔ نہ انھیں کھیل کود سے غرض تھی نہ ہنگاموں کی پروا۔ ان کے ہم عمر بچے انھیں بلاتے بھی تو نہ جاتے بلکہ اکثر تنہا غور و فکر کرتے۔ ایک بار کسی نے کہا "یحییٰ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو۔"

انھوں نے جواب دیا۔ "ہمیں خدا نے کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔"

"پھر تمھیں خدا نے کس لیے پیدا کیا ہے؟" کسی نے دریافت کیا۔

"یہ بات میرا خدا ہی جانتا ہے۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا۔

پھر کوئی انھیں اپنی طرف راغب نہ کر سکا۔ لگتا تھا جیسے انھیں نہ بیرونی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے نہ کسی ہدایت کی بلکہ اللہ تعالےٰ خود ان کی ہدایت و تعلیم کا اہتمام کر رہا تھا۔ اس طرح کچھ وقت گزرا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کچھ سمجھ آئی تو ان کا انداز بدلا، لیکن اب بھی سب سے مختلف کیفیت نظر آئی۔ وہ عبادت کرتے اور کبھی کبھی عبادت کرتے کرتے گریہ کرنا شروع کر دیتے۔ اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام تو کچھ نہ کہتے، لیکن ان کی والدہ مضطرب ہو جاتیں۔ بارہا عبادت کرتے کرتے کئی کئی یوم گزر جاتے۔ کبھی وہ گھر کے باہر رہتے یا گوشہ نشین ہو جاتے اور جب کبھی بات کرتے تو ہدایت اور علم کی کرتے تھے اور لوگ اس کمسن لڑکے کو تعجب سے دیکھتے اور حضرت زکریا علیہ السلام سے کہتے "بیت المقدس کے دانا سردار! آپ کا فرزند تو آپ سے بھی زیادہ دانا ہے۔"

اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے "وہ خود کچھ نہیں کہتا۔ ہاں خدا جو کہلوانا چاہتا ہے بس وہی کہتا ہے۔"

الغرض حضرت یحییٰ علیہ السلام بچپن سے ہی مدبر اور سنجیدہ تھے۔ ان کی تمام تر صفات کو قرآن پاک کی چند آیات میں اس طرح واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ہم نے ان کو لڑکپن میں ہی دانائی عطا فرمائی تھی۔ ہم نے اپنے پاس سے انھیں

شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ پس جس دن وہ پیدا ہوئے، جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت ہے۔"

(سورۃ مریم آیت نمبر ۱۵)

اس طرح ان کا بچپن سب بچوں سے مختلف تھا اور انھیں کمسنی سے ہی فضیلت عطا کی گئی تھی۔ تاریخ سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کب اور کس عمر میں نبوت بخشی گئی، لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے انھیں نوعمری کے زمانہ میں ہی اس منصب پر فائز کیا اور پہلی بار وحی نازل ہوئی تو انھیں پانچ ہدایات دی گئیں، جن کے لیے حکم دیا گیا کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں سے بھی کرائیں۔ اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام نہ جانے کس مصلحت کے تحت ان کے اعلان سے گریز کرنے لگے اور خود زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے لگے، لیکن زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ایک دن انھوں نے شہر میں منادی کرائی اور کہا "بنو اسرائیل، بیت المقدس میں جمع ہو جائیں، وہاں انھیں بھلائی اور خیر کی باتیں بتائی جائیں گی۔" اس اعلان کو سننے کے بعد بنو اسرائیل ہیکل میں جمع ہونا شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کافی ہجوم ہوگیا۔ اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام منبر پر آئے اور بلند آواز سے بولے "بنی اسرائیل کے معززین! تم سب جانتے ہو کہ میں یحییٰ بن زکریا ہوں۔ آج میں نے تم سب کو اس مقصد کے لیے بلایا ہے کہ تمھیں بتا سکوں کہ خداوندِ عالم نے مجھے میری اور تم سب کی بھلائی اور خیر کے لیے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے اور سختی کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ ان امورِ خمسہ پر خود بھی عمل کروں اور تم سے بھی کراؤں۔"

اتنی بات سننے کے بعد بنی اسرائیل حیرت سے کبھی انھیں اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ابھی تک حضرت زکریا علیہ السلام زندہ تھے، جو انھیں خدا کے احکام سے آگاہ کیا کرتے تھے، لیکن یہ لوگ تو ان کی بات بھی نہ مانتے تھے، کہاں ایک نوعمر لڑکا انھیں طلب کرکے خدا کے احکام کا اعلان کرنے والا تھا۔ وہ لوگ جتنی بھی حیرت کرتے کم تھا، مگر ابھی وہ کچھ کہہ نہ پائے تھے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"وہ پانچ باتیں یہ ہیں، انھیں غور سے سننا اور ہمیشہ ان پر عمل کرنا۔"

خدا واحد ولاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرنا۔ اس کی نظروں میں سب سے بدترین کام شرک ہے۔ تم سب جان لو کہ شرک کی مثال ایسی ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے قیمت دے کر خریدا، اس کے لیے آرام اور چین کی ہر چیز مہیا کی، لیکن وہ غلام آقا کے گھر میں رہتے اور اس کا دیا کھاتے ہوئے خدمت کسی اور کی کرنے لگے اور جو کچھ کمائے مالک کے سوا کسی اور کو دے دے، اب تم خود غور کرو کہ ایسا آقا اپنے ناسپاس غلام کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ بس سمجھ لو کہ مشرک اس احسان فراموش غلام کی طرح ہے۔ لہٰذا تم کبھی شرک مت کرنا اور اسی خالق و مالک کی اطاعت کرنا جس نے تمھیں پیدا کیا اور رزق عطا کیا۔ کیوں کہ عبادت کے قابل بس وہی ہے

۲۔ خدائے بزرگ و برتر کا دوسرا حکم میرے تمھارے اور سب کے بارے میں یہ ہے کہ بڑی پاکیزگی کے ساتھ نماز ادا کرو اور یہ بات یاد رکھو کہ حالتِ نماز میں جس طرح تم کسی اور طرف توجہ نہ دوگے اور خدا کی طرف دھیان رکھوگے تو خدا بھی تمھاری طرف ہی متوجہ رہے گا۔

۳۔ خدا کا تیسرا حکم ہے کہ روزہ رکھو کیونکہ خدا کے نزدیک روزہ کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی محفل میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہو اور اس کے ہاتھ میں مشک کی بھری تھیلی ہو جس کی خوشبو ساری محفل کو مست کر رہی ہو اور سب اس خوشبو کو پسند کر رہے ہوں۔ خدا تعالےٰ روزہ دار کی منہ کی بُو کو اس مشک سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔

۴۔ میرے رَبّ کا چوتھا حکم یہ ہے کہ اپنے مال میں سے صدقہ دو کیوں کہ صدقہ دینے والوں کی مثال اس مال دار انسان کی طرح ہے جسے اچانک دشمنوں نے آگھیرا ہو اور اسے پکڑ کر مقتل کی طرف لے جا رہے ہوں، تب اچانک وہ انسان اپنا تمام مال پیش کر کے ان سے کہتا ہے کہ سب کچھ لے کر مجھے چھوڑ دو اور وہ دشمن اس کا مال لے کر اسے آزاد کر دیتے ہیں۔ پس خوب جان لو کہ ہر شخص کا مال صدقہ ہے جسے خدا کی راہ میں دے کر وہ انسان مصیبتوں سے بچ جائے گا۔ تمھیں بھی چاہیے کہ صدقہ دو اور مصائب سے بچ جاؤ۔

۵۔ پانچواں اور آخری حکم یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ خداوندِ عالم کی تسبیح کرتے رہو۔ جو لوگ صبح و شام خدا کی حمد کرتے ہیں۔ ان کی حفاظت شیطان سے اس طرح کی جائے گی جس طرح کسی چلتے ہوئے انسان کو اچانک کوئی لشکر گھیر لیتا ہے، وہ شخص اس سے بچ کر بھاگتا ہے،

لیکن اس لشکر کا ہر سپاہی اسے پکڑنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا ہے تب اچانک اس شخص کو سامنے ایک مضبوط قلعہ نظر آتا ہے وہ بھاگ کر اس میں چھپ جاتا ہے۔ پس خدا کی تسبیح کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مضبوط قلعہ کے اندر محفوظ ہونا۔

یہ پہلی تبلیغ تھی جو حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے کی۔ اس وقت بنی اسرائیل اپنے سامنے کھڑے ہوئے نو عمر لڑکے کو حیرت سے تک رہے تھے۔ کسی نے حضرت زکریا علیہ السلام کو پکارا اور بولا "بیت المقدس کے معزز کاہن! آج تیرا فرزند کیسی باتیں کر رہا ہے؟"

کوئی بولا "یحییٰ! آج تو کیسی بات کر رہا ہے پہلے تو کبھی ایسی نہ کی تھی۔"

کسی تیسرے نے کہا "ارے بھائی! ہیکل (بیت المقدس) کا کاہن بننے اور سرداری حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے لہٰذا اسے آزما رہا ہے۔"

اس سوچ کا اظہار ہوا تو کچھ لوگ ہنسنے لگے۔ اس وقت بیت المقدس سے باہر کھڑے ہوئے بہت سے لوگوں کی کیفیت اندر والوں سے مختلف تھی وہ چیخنے چلانے لگے "ارے اسے ہیکل سے باہر نکالو، ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی باتیں کس طرح کرتا ہے۔ لو کہانت اور عزت حاصل کرنے کا نرالا انداز ہے، کیا بوڑھا باپ کم تھا ہدایات دینے کے لیے جو اس نے بھی شروع کر دیا۔"

یہ باتیں کرنے والے چلا رہے تھے، اور ایک ہنگامہ مچ رہا تھا۔ ایسے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام انھیں افسوس کے سے انداز میں دیکھ رہے تھے۔ جنھیں بھلائی اور خیر کی دعوت دے رہے تھے وہی ان کے دشمن بن گئے تھے۔

پیارے بچو! حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بعد بنی اسرائیل کی ریاست دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ یہودیہ اور سامریہ! اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے جنھیں بھلائی اور خیر کی دعوت دی تھی وہ یہودیہ تھے جن کا بادشاہ حد درجہ عیاش تھا اور ہر برائی اعلانیہ کرتا تھا۔ مختلف تاریخوں اور زبانوں میں اس کے مختلف نام ملتے ہیں اسی کو ہیرودیس کہتے ہیں، اسی کو انیاتیم کہا جاتا ہے اور اسی کو حداد بن حداد کہتے ہیں۔ بہرحال سب نے یہودیہ کی ریاست کے اس بادشاہ کا کردار ایک ہی پیش کیا ہے کہ وہ ظالم، خوشامدی اور عیاش تھا۔ جس کے سبب تمام علاقے میں [illegible] کی حالت تھی۔ ایسے میں بیت المقدس کا متولی جوان سب کے مذہبی معاملات [illegible]

بیٹھ جاتے، انھیں من مانی کرنے دیتے، لیکن جنھیں خدا تعالیٰ منصب نبوت پر فائز کرتا وہ باقاعدہ ان کی برائیوں کے خلاف آواز اٹھاتے اور ان ہی کے ہاتھوں قید و قتل ہوتے یا مصائب کا شکار ہو جاتے۔

اب یہی مذہب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ملا تھا تو ایسے میں ایک مطلق العنان بادشاہ اور اس کی بگڑی ہوئی قوم کے عیبوں سے نقاب اٹھانا معمولی بات نہ تھی لہٰذا ابھی انھوں نے صرف ہدایت کی ابتدا کی تھی کہ یہ لوگ بگڑ گئے۔ اس وقت کوئی نفس بھی نیکی کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ اس وقت ان سب کے دلوں میں بس یہی بات تھی کہ زکریاؑ کے نو عمر لڑکے نے اپنے باپ کی ضعیفی سے فائدہ اٹھا کر بیت المقدس کا متولی بننے کے لیے یہ طریقہ سوچا ہے۔ اس سوچ کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام نے انھیں ہر طرح ہدایت کرنی چاہی، لیکن ان کی آنکھوں پر غفلت اور دلوں پر جہالت کے پردے پڑ گئے تھے کہ وہ اُن کی کہی ہوئی پانچ باتوں کا مذاق اڑاتے اور جہاں انھیں دیکھتے غیض و غضب کا انداز اختیار کر لیتے لہٰذا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے لیے ان تمام ہنگاموں سے دور ویرانہ پسند کر لیا اور عبادت کرنے لگے۔

اس وقت تک حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید نہیں کیا گیا تھا، لیکن مخالفت ان کی بھی شروع ہو گئی تھی بلکہ ایک طرح سے ان دونوں باپ بیٹوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام زیادہ تر بیت المقدس میں ہی رہے، لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ویرانہ پسند کر لیا اور خدا کی عبادت کرنے لگے۔ اس طرح سے آبادی کو چھوڑا کہ ان سے ملنے کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام ہی ان کے پاس آئے اور جب اُن سے ویرانے میں رہنے کی وجہ دریافت کر کے اپنی بیقراری کا اظہار کیا تو وہ بولے۔

"پدرِ عظیم! میں نے اس ویرانے کو خود اپنے لیے منتخب نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے الگ رہ کر اس کی تسبیح کر رہا ہوں کیونکہ میرے رَب نے مجھے آگاہ فرما دیا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک وسیع میدان ہے جو خدا کے خوف اور اس کی عبادت کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا۔"

(باقی آئندہ)

پیامی بچّوں سے: یاد رکھیے صرف وہی مضامین جلد شائع ہوتے ہیں جو کاغذ کے ایک طرف صاف صاف اور ایک سطر چھوڑ کر لکھے گئے ہوں۔ بعض پیامی کاغذ کے ایک طرف مضمون اور دوسری طرف لطیفے یا کچھ اور لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسی صورت میں صرف ایک چیز چھپ سکتی ہے۔ (ادارہ)

سردی آئی

خالد محمود

سردی آئی سردی آئی
کوٹ اور سوئٹر پہنو بھائی
سردی کا بھی خوب مزا ہے
رات بڑی اور دن چھوٹا ہے
دن کو مل کر سب ہم جولی
کھیل رہے ہیں آنکھ مچولی
رات کو ڈو ڈو کمبل تانے
جاڑا لیکن ہار نہ مانے
جیسی گرمی ویسی سردی
دلّی نے تو حد ہی کر دی

سردی آئی سردی آئی
کوٹ اور سوئٹر پہنو بھائی

کھانے پینے کا ہے زمانہ
گڑیا دستر خوان لگانا
کچا پکا ـــــ اُلّم غلّم
چنّو منّو کھاتے ہر دم
بابا ہو ہو میں ہیں اوّل
الّو پٹّو مولوٹ الحمل
سونے کے ہیں کچھ متوالے
اٹھی آئیں شال سنبھالے

جھولے میں لیٹے ہیں بالے
گڈّو ہیں بستر کے حوالے
گڑیا نے بھی اوڑھی چادر
یاد کیا ہر لیسن فرفر
ان کو نہیں للچاتا بستر
نظریں جمی ہیں ساڑھے چھے پر
ساڑھے چھے پر سوئیاں آئیں
غائب ہونے لگی پرچھائیں
ٹیبل واچ پیام ہوئی
ٹک ٹک ٹک ٹک شام ہوئی
شام ہوئی اور ٹی وی کھولا
ٹی وی نے بھی بدلا چولا
ٹی وی کا وہ حال نہیں ہے
وکرم اور بیتال نہیں ہے

سردی آئی سردی آئی
کوٹ اور سوئٹر پہنو بھائی
سو جاؤ اب رات ڈھلی ہے
صبح سویرے اٹھنا بھی ہے

اسلم منزل جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

فہمیدہ طاہر

ٹیما اور ٹینی نے گھونسلا بنایا

ایک باغ میں فاختہ کا ایک جوڑا رہتا تھا۔ ان کے دو بچّے تھے ان کے نام ٹینی اور ٹیما تھے پہلے تو دونوں اپنے ماں باپ کے ساتھ درختوں کے بیچوں بیچ اڑتے تھے کیوں کہ وہ ننھے منّے تھے جب ذرا سیانے ہوئے تو دونوں لمبی اڑانوں پر چلے جاتے اونچا اڑ کر قلابازیاں کھاتے ہوا میں لمبے غوطے لگاتے کبھی پَر سمیٹ کر ہوا میں تیرنے لگتے کبھی پہاڑوں پر اونچے درختوں پر بیٹھ کر جنگلوں اور ندی نالوں کے نظارے کرتے رہتے کبھی خوبصورت وادیوں میں کسی شاخ پر بیٹھ کر بہت خوش ہوتے کبھی ندی کی گنگناتی موجوں کے ساتھ مل کر گیت گاتے پھول کھلتے تو ٹہنی ٹہنی پر بیٹھ کر پھولوں سے کھیلتے وہ بڑے ہو گئے اور وادی وادی گھوم کر خوب چاک و چوبند ہو گئے۔ ماں اُن سے بہت پیار کرتی البتہ باپ انھیں ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا مگر وہ دونوں ہنس کر ٹال دیتے۔ وہ دونوں خود بھی دانہ دنکا چن کر کھاتے اور والدین کے لیے بھی لے آتے۔ ماں تو خود بھی بڑی باہمت تھی دانہ خود جا کر کھاتی اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی لے آتی۔ اسی طرح دن گزرتے گئے۔ یہ خاندان ہنسی خوشی اس باغ میں رہتا تھا ان کا گھونسلہ ایک درخت پر تھا جو بہت اونچا تھا۔ دن بھر تو رزق کے لیے دوڑ دھوپ کرتے رہتے مگر رات کو اطمینان سے سب لوگ گھونسلے میں آ کر آرام کرتے۔

ان کی ماں اکثر دانہ دنکا رکھ لیتی کہ کل کھائیں گے ٹیما اور ٹینی اس پر ماں سے کہتے امی جان پنچھی اور درویش دانہ دنکا جمع کر کے کبھی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ہر روز انھیں خود رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور محنت کرنا ہمارا فرض ہے مگر رزق

[illegible] ہے۔ماں اُن کی اِن باتوں سے بہت خوش ہوتی اور پوچھتی کہ بڑے میاں اور
بھی تم یہ باتیں کہاں سے سیکھتے ہو تو وہ جواب دیتے کہ جو لوگ زندگی کے سفر میں ہمت
جرأت اور عالی حوصلگی کا مظاہرہ کر کے اونچی اڑانیں اڑتے ہیں وہ نت نئے تجربے سیکھتے ہیں
اور اچھی باتیں سیکھ جاتے ہیں ہمارے ابو تو بس اس باغ میں گھوم پھر کے واپس گھر آجاتے
ہیں اور پھر سارا دن اور ساری رات سو کر گزار دیتے ہیں۔"

ایک دن شام کے وقت تمام لوگ گھونسلے میں بیٹھے تھے کہ ٹینی اور ٹیما کی امی نے اُن کے
ابو سے کہا کہ "کھلے آدمی بارش .... طوفان اور آندھیوں کے دن آرہے ہیں۔ ہمیں کسی محفوظ
جگہ پر منتقل ہو جانا چاہیے۔" ابو نے کہا "ابھی بہت دن ہیں دیکھا جائے گا" ٹیما اور ٹینی نے
ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔ پھر تو یہ حال ہو گیا کہ روز شام میاں بیوی کا
جھگڑا ہوتا کہ کسی محفوظ جگہ پر منتقل ہو جانا چاہیے میاں کہتا کہ بہت دن ہیں دیکھا جائے
گا مگر ٹیما اور ٹینی آرام سے سو جاتے صبح اٹھتے ناشتہ کرتے اور پھر اپنے روزمرہ کے
کاروبار پہ چلے جاتے۔ ایک شام تو اُن کی امی نے کہا کہ سارے باغ کی طرف دیکھو باغ
میں بسنے والی ساری خلقِ خدا یہاں سے چلی گئی ہے مگر ہم ہیں کہ ابھی اسی جگہ بیٹھے
ہیں۔ سرد ہوائیں بھی چلنے لگی ہیں۔ کُہرا بھی پڑنے لگا۔ کبھی کبھی بادلوں کے ٹکڑے
بھی آسمان پر منڈلانے لگتے ہیں۔ اب تو ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے وہ دونوں
جھگڑتے رہے مگر ٹیما اور ٹینی دونوں اطمینان سے سو گئے آخر اُن کے والد نے کہا "تو
میرے پیچھے پڑی رہتی ہے تیرے بچے بھی جوان ہو گئے ہیں ان کو بھی کچھ کرنا چاہیے"
مگر بیوی نے صرف اتنا ہی جواب دیا کہ "اگر باپ کمر باندھ لے تو بچے خود بخود ساتھ ہو
جاتے ہیں تم ہمت تو کرو.... آغاز تو کرو پھر بچے ہیں، میں ہوں سب مل کر کہیں
جگہ تلاش کریں گے جو محفوظ بھی ہو اور نزدیک بھی ہو۔ کیوں کہ وطن سے دور رہ کر
بھی پریشانی ہوتی ہے" مگر میاں لمبی تان کر سوئے رہے۔ خراٹے بھرتے رہے۔
سنی اَن سنی ایک کر دی۔

ایک دن صبح سویرے جب سردی بلا کی تھی زمین پر درختوں پر، پودوں پر
[illegible] پر برف جم رہی تھی تو نہ جانے کہاں سے بادلوں کے ٹکڑے آگئے اور
[illegible] آسمان پر گھٹا ٹوپ بادل چھا گئے سرد ہوا چلنے لگی۔ باغ میں اور کوئی

تھا سب یہاں سے نقل مکانی کر کے محفوظ جگہوں پر جا چکے تھے ٹیما اور ڈ
نا یہ صورتِ حال دیکھ کر گھبرا گئی اور رونے لگی میاں کو تب ہوش آیا وہ گھبرا گ
ور موسم کا حال دیکھ کر رنگ اڑ گیا سخت پریشان ہوئے اور کہنے لگے ہائے
قسمت میں نے بہت دیر کر دی۔ اب ہم تباہ ہو جائیں گے، لگا آسمان کی طرف منہ
دعائیں مانگنے "یا اللہ اب رحم کر اب تیرے سوا کوئی مددگار نہیں ہائے میری قسمت"
ٹیمی نے کہا۔ "ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کو قسمت نہیں کہتے ابو محنت اور ہمت سے کام
کرنا چاہیے۔ نتیجہ خدا پر چھوڑنا چاہیے۔ خدا نے آپ کی دعا قبول کر لی اب فوراً تیاری
دیر نہ کریں دیکھیے بوندیں بھی پڑنے لگی ہیں فوراً اٹھیں ورنہ اس گھونسلے کے ساتھ
ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ سب لوگ فوراً اڑے ٹیما اور ڈینی آگے پورے زور سے
اڑ رہے تھے۔ بارش تیز ہو رہی تھی کہ وہ ایک پہاڑ پر پہنچے اور ایک غار کے اندر
چلے گئے اندر فرسٹ کلاس گھونسلہ بنا ہوا تھا یہ ٹیما اور ڈینی نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا
ماں نے دونوں کو گلے سے لگا لیا۔ باپ نے بھی بہت پیار کیا دونوں بچے بولے جب
آپ دونوں جھگڑنے میں مصروف رہتے تھے ان دنوں ہم دونوں بھائی گھونسلہ بنانے
میں مصروف تھے جھگڑنے اور باتیں کرنے کی بجائے کام کرنا زیادہ بہتر ہے باہر
آندھی طوفان اور بارش نے قیامت برپا کی ہوئی تھی اور وہ غار کے اندر اپنے گھونسلے
میں بالکل محفوظ تھے اور امن و امان میں تھے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

جناب! بے بی بڑھ نہیں رہی ہے کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ یہ بڑھنے لگے!
یہ تو بہت ہی آسان ہے، بے بی کا نام مہنگائی رکھ دیجیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بڑھے گی کہ روکے نہ رکے!!

ڈاکٹر۔ ہائیں یہ کیا!
میں نے تو و لک ذریعے دانتوں سے ناخن کترنے کی عادت چھڑوانے کے لیے کہا تھا!!
خاتون! علاج ہو چکا۔ اب آپ کو ان دانتوں سے کوئی شکایت نہیں ہوگی!!
دانت کا ڈاکٹر

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
بچوں کے ذاکر صاحب	۶/۰۰
ٹوٹے کھلونے	۵/-
اندھے کا بیٹا	۴/۵۰
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جھرد	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۲/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰

کتاب	قیمت
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۲/۰۰
سلامہ وصمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
ممیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھونوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰

کتاب	قیمت
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسول	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی ؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہیو چیو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	[illegible]/۵۰

علامہ دانش کے سفرنامے

بھوتوں کی بستی

معراج

علامہ دانش ان دنوں بھوتوں کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے۔ اتفاق سے ان ہی دنوں اوسٹریلیا کے اخباروں میں ایک دل چسپ خبر شائع ہوئی۔ وہاں ایک ویران بستی پر بھوتوں نے ڈیرا جما رکھا تھا۔ اس کی تصدیق کئی لوگوں نے کی تھی۔ علامہ نے ہمیں ایک اخبار کا تراشہ پڑھنے کے لیے دیا۔ اس میں یوں لکھا تھا:

بھوتوں کی بستی

جنوبی اوسٹریلیا میں دریائے کوپر کے کنارے ایک بستی جارج ٹاؤن آباد تھی۔ دریا کے دونوں طرف بہت اونچے اونچے درخت تھے اور اس کی وادی بے حد سرسبز اور شاداب تھی۔ لوگوں نے وہاں مویشیوں کے فارم قائم کر رکھے تھے۔ بدقسمتی سے دریا نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ اس کے کنارے بسنے والے گاؤں جارج ٹاؤن کے لوگ پانی کی تلاش میں اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہوں پر منتقل ہونے لگے۔ کچھ ہی دنوں بعد یہ بستی بالکل ویران ہو کر رہ گئی۔ جو جانور وہاں باقی

رہ گئے تھے۔ وہ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ آخر بھوک پیاس سے وہیں مرگئے۔ ہزاروں جانوروں کے ڈھانچے وہاں بکھرے پڑے ہیں۔ ایک خشک تالاب کے اِرد گرد سیکڑوں جانوروں کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ پیاس سے مرگئے تھے۔ ان کا گوشت تو کب کا گل سڑ چکا تھا۔ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے اور چمڑا رہ گیا ہے۔

بعض مکانات مٹی میں دفن ہو چکے ہیں، بعض گر چکے ہیں لیکن کچھ مکانات ابھی تک بالکل صحیح سالم حالت میں موجود ہیں۔ ان کے رہنے والے جو میز، کرسیاں، کتابیں، کپڑے اور دوسری چیزیں جس طرح چھوڑ کر گئے تھے وہ جوں کی توں موجود ہیں۔ پہلے ان مکانات میں انسان رہتے بستے تھے، مگر اب وہاں چوہوں، اُلّوؤں اور پہاڑی کوّوں کا بسیرا ہے۔ غرض پورا ماحول بے حد دہشتناک ہے۔ کچھ عرصے بعد یہ افواہ سنی گئی کہ یہاں بھوتوں نے اپنا ڈیرا جما لیا ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ یہ بھوت چیختے چلّاتے ہیں اور انسانوں کی طرح بولتے ہیں۔

کچھ عرصے قبل ایک سفید فام (گورا) شخص سونے چاندی کی تلاش میں اس بستی میں پہنچا۔ کچھ دنوں بعد وہ گرتا پڑتا واپس ایک آبادی میں پہنچا۔ وہ ڈر کے مارے پاگل سا ہو رہا تھا۔ اس نے بہت مشکل سے بھوتوں کے متعلق کچھ بتایا وہ کچھ عرصے بخار میں مبتلا رہ کر چل بسا۔

اس کا افسر بہت دلیر آدمی تھا۔ وہ اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے وہاں گیا۔ اس کا بھی بھوتوں سے واسطہ پڑا۔ بھوتوں نے اسے اتنا ڈرا دیا کہ وہ بہت دن تک بیمار رہا۔ آخر وہ اپنی ملازمت چھوڑ کر انگلستان چلا گیا۔

ہمارے اخباری نمائندوں کی ایک جماعت اس خبر کی سچائی معلوم کرنے کے لیے جارج ٹاؤن پہنچی۔ وہاں کا ماحول بے حد دہشت ناک ہے۔ دن کے وقت تو وہاں بالکل سناٹا طاری رہتا ہے۔ انھوں نے رات کے وقت بھوتوں کے چیخنے چلّانے کی آوازیں سنیں۔ وہ بھی دہشت زدہ ہو کر وہاں سے واپس لوٹے۔ میں نے اخبار علاّمہ کو واپس دے دیا۔

علاّمہ نے اخبار کو اپنے بیگ میں رکھا اور بولے، ”میرا ارادہ ہے کہ اوسٹریلیا جاؤں اور خود اُن بھوتوں کے متعلق تحقیقات کروں۔“

اگلے ہفتے ہم اوسٹریلیا پہنچے۔ جو کچھ اخبار میں لکھا ہوا تھا، وہ حرف بہ حرف درست نکلا۔ ویران اور غیر آباد مکانات دیکھ دیکھ کر وحشت ہونے لگی۔ جگہ جگہ ہڈیوں کے ڈھیر اور ڈھانچے دیکھ دیکھ کر

طبیعت اور بھی زیادہ پریشان ہوئی۔ میں نے وہ تالاب بھی دیکھا، جس کے پاس سینکڑوں جانور بھوک پیاس سے مر گئے تھے اور ان کے ڈھانچے ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔

دن کا وقت تو جیسے تیسے گزر گیا۔ رات آئی تو ڈر کے مارے میری بُری حالت تھی۔ کپتان مرشد نے پوچھا، "کیا بھوتوں کو دیکھنے کے لیے نہیں چلو گے؟"

میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا، "مجھے معاف ہی رکھیے۔ مجھے بھوتوں سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔"

جب مرشد، آزونا اور علامہ دانش چلے گئے تو اور بھی زیادہ دہشت محسوس ہونے لگی۔ میں جہاز سے باہر نکلا، سوکھی جھاڑیاں اور گھاس پھونس اکٹھی کی اور چائے بنانے لگا۔ کچھ دیر بعد جب میں چائے پی رہا تھا تو کسی نے بہت آہستہ سے لیکن صاف اور واضح آواز میں کہا، "وہ سب مر گئے۔"

میرا رُواں رُواں خوف سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا لیکن میرے پاؤں تو مَن مَن بھر کے ہو گئے تھے۔

پھر کسی نے بہت دردناک آواز میں کہا، "پانی، پانی، اللہ کے لیے مجھے پانی پلا دو۔"

جواب میں کوئی قہقہہ مار کر ہنسا۔ پھر کسی نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا، "آہ، وہ سب مر گئے۔ مر گئے۔ مر گئے۔"

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی تو نہیں تھا۔ پھر کسی نے میرے سر کے بالکل اوپر چیخ مار کر کہا، "ہائے! سب مر گئے۔ مر گئے۔"

میں نے اوپر نگاہ ڈالی، وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ دور آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

مجھے پاگل بنانے کے لیے یہ بہت کافی تھا۔ میں نے خوف اور دہشت سے ایک چیخ ماری اور اپنے ساتھیوں کی تلاش میں دیوانوں کی طرح دوڑا۔ میں نے پوری قوت سے آواز دی، "تم کہاں ہو؟ مرشد، آزونا، علامہ!"

کسی نے بہت قریب سے جواب دیا، "مر گئے۔ سب مر گئے۔ مر گئے۔" پھر کوئی سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔ میں کمزور اعصاب کا وہمی آدمی نہیں ہوں لیکن اس وقت خوف اور دہشت سے میرا حال بہت بُرا تھا۔ میں مدد کے لیے چیختا چلّاتا ہوا دوڑتا چلا گیا۔ راستے میں میں ان جانوروں کے ڈھانچوں سے ٹکرا گیا جو تالاب کے کنارے پڑے تھے۔ میں تالاب میں جا گرا اور بہت سے ڈھانچے

میرے اوپر آگرے۔ گرتے وقت میرے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہوگیا۔
جب مجھے ہوش آیا تو میرے سب ساتھی میرے پاس موجود تھے۔ انھوں نے ہی مجھے تالاب سے نکالا تھا۔ میں نے مختصر لفظوں میں اپنی کہانی سنادی۔ مرشد ہنس کر بولا، "یہ سب تمھارا وہم ہے۔ ہم بھی یہاں بہت دیر سے گھوم پھر رہے ہیں، ہمیں تو کوئی بھوت ملا نہیں۔" اس کی تسلی آمیز باتوں سے میرے دل کو بھی ڈھارس ہوئی۔ میں نے کہا، "تم سب میرے ساتھ چلو۔ پھر خود ہی تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میں سچ کہتا ہوں یا جھوٹ؟"
ہم اس جگہ پہنچے جہاں میں نے چائے بنائی تھی۔ اچانک کسی نے بہت گھٹی گھٹی ہوئی آواز میں کہا، "پانی، پانی، مجھے تھوڑا سا پانی پلادو۔" کوئی سامنے کے مکان سے قہقہہ مار کر ہنسا۔ پھر کسی نے چیخ ماری اور دردناک آواز میں کہا، "سب مرگئے، آہ مرگئے، مرگئے۔"
ہمارا افریقی ملازم تو اچانک ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ بے چارہ بہت دیر سے بڑی ہمت کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن بھوتوں کی چیخ و پکار کی تاب نہ لاسکا۔ میں اس کی تیمارداری میں مصروف ہوگیا۔ کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا۔ مرشد تعجب سے بولا، "یہ بات تو بہت عجیب ہے!"
وہ جلدی سے جہاز میں گھس گیا اور وہاں سے بارہ بور کی رائفل اٹھا کر لایا۔ علامہ تیزی سے بولے، "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"
مرشد بولا، "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ درجن بھر گولیاں کھا کر بھوت کیا کہتے ہیں؟"
علامہ بولے، "بے وقوف مت بنو، بھوتوں پر ان گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔"
مرشد بولا، "یہ بھی دیکھا جائے گا۔"
کسی نے اسی وقت عین ہمارے سر کے اوپر سے چلا کر کہا، "مرگئے، آہ سب مرگئے۔" کپتان مرشد آواز کی سمت میں اندھا دھند گولیاں چلانے لگا۔
کسی نے بڑی خوف ناک چیخ ماری لیکن بھوت کا نام و نشان تک نظر نہیں آیا۔ میرے جسم پر ٹھنڈے پسینے کی دھاریں بہنے لگیں۔
کپتان مرشد نے کہا، "میں بھوتوں کو دیکھے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"
اس نے اپنی بندوق میں گولیاں بھریں اور گاؤں کی طرف چلا۔ میں مرشد کے ساتھ ساتھ ہی رہا۔ راستے میں وہی دہشت ناک آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ کبھی کوئی نزدیک سے بولتا، کبھی

آوازیں دور سے آئیں۔ کبھی یوں لگتا کہ جیسے بد روحیں ہر طرف منڈلاتی پھر رہی ہوں۔ آخر ہم ان ٹوٹے پھوٹے مکانات تک جا پہنچے۔ کپتان مرشد نے ٹارچ کی روشنی میں ایک مکان کے اندر دیکھا۔ وہاں پر چوہے، چمگادڑیں اور مکڑیوں کے جالوں کے سوا کچھ بھی تو نہیں تھا۔ علامہ دانش بولے، "تم نے روشنی کر کے بھوتوں کو بھگا دیا ہے۔ اب ذرا اس ٹارچ کو تھوڑی دیر کے لیے بجھا دو۔"

کپتان مرشد نے علامہ کی ہدایت پر عمل کیا اور ٹارچ بجھا دی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اندھیرے میں مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

کوئی پانچ منٹ بعد ہمارے قریب ہی کوئی قہقہہ مار کر ہنسا۔ کپتان مرشد نے اسی سمت میں ٹارچ سے روشنی پھینکی لیکن افسوس ذرا سی دیر ہو گئی تھی۔ ایک سایہ سا ہوا میں تیرتا ہوا کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ مرشد نے فوراً اس طرف ایک فائر داغ دیا۔ باہر سے بہت سی چیخیں اور شور سنائی دیا۔ شاید بھوت ہماری بے بسی کا مذاق اڑا رہے تھے۔

میں نے آہستہ سے کہا، "میرا خیال ہے کہ بہت ہو چکا ہے۔ اب ان بھوتوں کا پیچھا چھوڑ و واپس چلو۔"

علامہ بھی میرے ہم خیال تھے۔ لیکن کپتان مرشد بہت عزم سے بولا، "واہ جی، اتنا رُپیہ پیسہ خرچ کرکے ہم ان بھوتوں سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ تم میں سے جو کوئی جانا چاہے، وہ بہت شوق سے واپس جائے۔ میں تو ان بھوتوں سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

علامہ دانش نے کئی دفعہ بڑبڑاتے ہوئے کہا، "کہ یہ سب کیا اسرار (راز) ہے؟"

مرشد نے مجھ سے کہا، "تم یہ ٹارچ سنبھال کر آگے آگے چلو۔"

میری تو جیسے جان ہی نکل گئی لیکن مجھے کپتان مرشد کا حکم ماننا پڑا۔ ہم ایک کمرے میں پہنچے۔ وہاں پیانو رکھا ہوا تھا۔ جوں ہی میں نے کمرے میں قدم رکھنا چاہا۔ کوئی چیز بہت تیزی سے باہر کی طرف نکلی۔ اس نے بہت زور سے میرے منھ پر چانٹا مارا، میں لڑکھڑا کر گرا اور ساتھ ہی ٹارچ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

مرشد نے جلدی سے ٹارچ اُٹھا کر اس کی روشنی میرے اوپر پھینکی اور پوچھا، "یہ کیا چیز تھی؟"

میں نے ہکلاتے ہوئے کہا، "میں خود نہیں جانتا، بس اتنا ضرور ہوا کہ کسی نے بہت زور سے میرے منھ پر چانٹا مارا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرا چہرا گیلا ہو رہا ہے۔ علامہ دانش نے ٹارچ کی روشنی میں میرا چہرہ دیکھا اور بولے، "ارے تمھارے منھ پر تو خون لگا ہوا ہے۔" مرشد نے جلدی جلدی کپڑے سے میرا منھ پونچھا۔ سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ میرے چہرے پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔

ہم نے کمرے میں قدم رکھا تو ہماری نظر بس خون میں لت پت چوہے پر پڑیں۔

وہ مسکرا کر بولا، "ایک بات تو معلوم ہو گئی۔ وہ یہ کہ تمھارے چہرے پر جو خون لگا ہوا تھا وہ اس چوہے کا تھا۔"

پھر وہ علامہ سے مخاطب ہوا، "علامہ صاحب! کیا بھوت چوہے بھی کھاتے ہیں؟" علامہ دانش جھنجھلا کر بولے، "ارے بھئی! مجھے کیا معلوم کہ بھوت کیا کھاتے ہیں اور کیا نہیں کھاتے! مجھے آج تک کسی بھوت سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

کپتان مرشد ہنس کر بولا، "کیا آپ بھوت سے ملنا پسند فرمائیں گے؟"

مجھے محسوس ہوا کہ کپتان مرشد بھوتوں کی حقیقت جان چکے ہیں۔ مرشد نے کہا، "ذرا ایک منٹ ٹھیرئیے۔" پھر اس نے ٹارچ میرے ہاتھ میں تھمادی اور بولا، "جوں ہی میں آواز دوں تم ٹارچ کی روشنی چوہے پر پھینکنا۔

دیکھو ایک منٹ کی تاخیر بھی کام بگاڑ سکتی ہے۔ بھوت ہاتھ سے نکل جائے گا اور ہم دیکھتے رہ جائیں گے۔"
اب پھر انتظار کا دور شروع ہوا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ہم دم سادھے کھڑے رہے۔ اچانک مرشد نے آواز دی، "ٹارچ جلاؤ۔ جلدی۔"
میں نے ٹارچ کی روشنی مُردہ چوہے پر پھینکی۔ دھائیں، مرشد کی بندوق سے گونج دار آواز نکلی۔ ہم دوڑتے ہوئے مکان سے باہر نکلے۔ وہاں مُردہ چوہے کے برابر ایک پہاڑی کوّا پڑا تھا۔
علامہ ہنس کر بولے، "تم بھوت کو مارنے گئے تھے یا پہاڑی کوّے کو؟"
مرشد طنزیہ لہجے میں بولا، "اجی قبلہ، میں نے بھوت پر گولی چلائی تھی اور آپ کا بھوت یہی ہے۔"
میں نے کہا، "اب تم پہیلیاں تو نہ بجھواؤ۔ مجھے تو تمھاری باتوں سے الجھن سی ہونے لگی ہے۔"
کپتان مرشد ہنس کر بولا، "ارے بھولے بادشاہ! یہی تو وہ بھوت ہے، جس سے ڈر کر تم بے ہوش ہو گئے تھے۔ کیا تم نے پہاڑی کوّوں کو بولتے نہیں سنا ہے؟" سدھائے ہوئے پہاڑی کوّے توتوں سے زیادہ بہتر اور صاف بول سکتے ہیں۔"
اب ساری بات صاف ہو گئی تھی۔ ہم اپنی حماقتوں پر دل کھول کر ہنسے۔ علامہ دانش قہقہہ لگا کر بولے، "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔"
جب ہم جہاز پر پہنچے اس وقت بھی قہقہے لگا رہے تھے۔ آزونا ہمارا حال دیکھ کر بہت فکر مند ہوا۔ وہ سمجھا کہ ہم سب پاگل ہو گئے ہیں۔ اپنی ہنسی پر بہت مشکل سے قابو پا کر مرشد نے آزونا کو سب بات بتا دی۔ وہ بھی بھوتوں کی حقیقت جان کر قہقہے لگانے لگا۔ وہ جہاز کے کیبن میں گیا اور چائے بنا کر لایا۔ کافی دیر بعد ہماری ہنسی اور قہقہوں کا طوفان تھما۔
علامہ بولے، "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ جسے ہم بے حد پُر اسرار راز سمجھتے تھے حقیقت میں وہ کچھ بھی نہ تھا۔ البتہ کچھ باتیں میری سمجھ میں بھی نہیں آئیں۔ پہاڑی کوّا دن کا جانور ہے۔ اس میں کس طرح اُلوؤں اور چمگادڑوں کی طرح رات کو دیکھنے اور دن میں اندھے پن کی خاصیت پیدا ہو گئی؟ ممکن ہے کہ کبھی کوئی سائنس داں اس راز پر سے پردہ اٹھا دے۔" اگلے دن ہم ان پہاڑی کوّوں کی تلاش میں نکلے۔ اندھیرے کونوں کھدروں میں ہم نے بہت سے کوّوں کو اونگھتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے دو تین کوّوں کو پکڑ کر روشنی میں لا کر چھوڑ دیا۔ ان کی آنکھیں روشنی میں چندھیاں گئیں اور وہ

اندھوں کی طرح ہوگئے۔

علامہ نے کہا، "جب لوگ یہاں آباد ہوئے اور بستیاں بنا کر رہنے لگے تو وہ لوگ یہ کوّے بھی اپنے ساتھ لائے ہوں گے۔ کچھ کوّے لوگوں نے اپنے گھروں میں پال رکھے تھے۔ یہ توتوں کی طرح انسانی آواز کی نقل اُتار سکتے ہیں اور بہت جلدی بولنا سیکھ جاتے ہیں۔ جب دریائے کوپر خشک ہوگیا تو لوگ یہاں سے ہجرت کر گئے۔ شاید دو تین لوگ یہاں کسی وجہ سے رہ گئے۔ وہ پیاس سے مرنے لگے تو کسی نے پکارا، "پانی۔ پانی، اللہ کے واسطے مجھے پانی پلا دو۔" کوئی اور شخص سب لوگوں کی تباہی پر سسکیاں بھر کر رو دیا اور بولا ہو گا، "مر گئے۔ آہ مر گئے، سب مر گئے۔"

اب اتفاق دیکھیے کہ ان کوّوں نے یہ آخری الفاظ یاد کر لیے۔ وہ یہی لفظ بار بار دہراتے رہے۔ پھر انھوں نے انڈے دیے۔ ان سے بچے نکلے، انھوں نے بھی یہ سبق یاد کر لیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے پہاڑی کوّوں کی ساری آبادی ان الفاظ کی نقل کرنے لگی۔ ان کوّوں کو ان باتوں کا مطلب تو معلوم نہیں تھا، مگر جس سفید فام شخص نے انھیں سنا، اس کے حواس گم ہو گئے۔ یہی حال اس کے افسر کا ہوا۔"

کپتان مرشد قہقہہ لگا کر بولا، "اور یہی حال تمھارا ہوا۔ آرزو نا تو خیر سے ہے ہی وہمی۔"

میں نے جھینپ کر کہا، "مجھ ہی پر کیا موقوف ہے، یہاں تو بڑے بڑے پہلوانوں کا پتّا پانی ہو جاتا ہے۔"

یوں علامہ دانش کی ہر بات کی تہ تک پہنچنے کی عادت اور مُرشد کی بہادری کے سبب یہ راز سب پر ظاہر ہو گیا۔

کششِ ثقل!

مرسلہ: عامر منصور

کششِ ثقل نیوٹن نے دریافت کی تھی غالباً اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ نیوٹن اس سے درختوں سے سیب گرا یا کرتا تھا۔ آج کل سیڑھی پر چڑھ کر توڑ لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ کوئی شخص حکومت کی کرسی پر بیٹھ جائے تو اس کے لیے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لوگ زبردستی اٹھاتے ہیں۔ یہ کششِ ثقل کے باعث ہے۔

(ابنِ انشا)

شمعِ راہ

ایک دن رسولؐ مسجد میں تشریف لائے اور صحابہؓ کو اکٹھا کر کے فرمایا ہمیں اندازہ ہو گیا ہے کہ اب ہم زیادہ دن دنیا میں نہ رہیں گے۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ کسی شخص کا ذرا سا بھی حق ہمارے ذمے نہ رہے۔ اگر ہم نے کسی سے قرض لیا ہو اور وہ ابھی تک ادا نہ ہوا ہو تو وہ اپنا قرض ہم سے لے لے۔ اگر کسی کو ہماری وجہ سے کسی طرح کی تکلیف پہنچی ہو تو وہ اپنا بدلہ لے لے۔

ایک صحابیؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ایک بار آپؐ جہاد کے لیے جانے والے مجاہدوں کی قطاریں درست کرا رہے تھے۔ آپؐ میرے قریب تشریف لائے تو میری کمر پر چھڑی ماری۔ میں چاہتا ہوں آپ سے اس کا بدلہ لوں۔

ہمارے حضورؐ نے فرمایا کہ تم بدلہ لے سکتے ہو۔

صحابی بولے: یا رسول اللہ! جس وقت آپؐ نے چھڑی ماری تھی تو میرا بدن ننگا تھا اور آپؐ نے قمیص پہنی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپؐ کا بدن بھی ننگا ہو۔

تم اپنا بدلہ اتار لو۔ یہ فرما کر آپؐ نے اپنی قمیص اتار دی اور وہ صحابی حضورؐ کی طرف بڑھے۔

سب سانس روکے آنسو بھری آنکھوں سے حضورؐ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ صحابی جو چھڑی مار کر اپنا بدلہ لینا چاہتے تھے، حضورؐ کے بالکل پاس پہنچ چکے تھے کہ اچانک انھوں نے چھڑی ہاتھ سے پھینک دی اور دوڑ کر مُہرِ نبوت کو چوم لیا۔ پھر وہ سیدھے کھڑے ہوئے اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں یہ گستاخی کیسے کر سکتا تھا کہ حضورؐ کے پاک جسم پر چھڑی مارتا۔ میں نے تو یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ میں مُہرِ نبوت پر بوسہ دینا چاہتا تھا۔ میرے دل میں مدت سے یہ ارمان تھا اور میرے نزدیک کوئی ایسی ترکیب نہ تھی کہ حضورؐ قمیص اتارتے اور میں اپنا ارمان پورا کر سکتا۔

تاریخ کے جھروکوں سے

حافظ شیرازیؒ

فارسی زبان کا سب سے بڑا غزل گو

خواجہ شمس الدین نام اور حافظ تخلص۔ آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں ایران کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے اور ۷۹۱ ہجری کو شیراز ہی میں انتقال کیا۔ فارسی زبان کے ایک بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کی غزلیں لوگوں میں اپنی سادگی، رنگینی اور تاثیر کی وجہ سے بے حد پسند کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں دنیا کے عظیم ترین شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس کا ثبوت ان کے دیوان کی شرحوں سے ملتا ہے جو کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حافظؒ کو ان کے کلام کی وجہ سے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ لوگ ان کے کلام سے فال بھی نکالتے اور رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کے کلام کی اسی خوبی کی بنا پر ہی انھیں "لسان الغیب" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

سعدیؒ شیرازی

مشرق کا جلیل القدر معلمِ اخلاق

جناب مشرف الدین شیخ سعدیؒ تقریباً آٹھ سو برس پہلے شیراز (ایران) میں پیدا ہوئے اور سوا ۱۲۰ سال کی عمر پا کر وہیں انتقال کیا۔ آپ

نے چودہ حج کیے اور بارہ سال تصوف کی اشاعت اور تبلیغ بھی کی، لیکن آپ کو شہرت شاعر کی حیثیت سے ملی۔ آپ کی دو تصانیف "گلستان" (نثر کی کتاب) اور "بوستان" (شاعری کی کتاب) بہت زیادہ مشہور ہیں۔ یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ آپ نے ان دو کتابوں کے علاوہ غزلوں کا دیوان، قصائد اور چند نظموں کے مجموعے طیبات اور ہزلیات کی صورت میں بھی لکھے۔ آپ کا مزار شہر شیراز کے مشرقی جانب واقع ہے۔

منّے! دیکھو تم اگر پہلی پوزیشن لاتے
تو آج تمھاری تصویر بھی اخبار میں آتی
امّی! میں اسی لیے تو پہلی پوزیشن نہیں
لایا کہ کہیں تصویر نہ چھپ جائے، جو جائز
نہیں ہے۔

انسپکٹر صاحب! میں ڈاکٹر ہوں، کسی
کے گھر چوری میرا
سکتا ہے
ڈاکٹر صاحب! نہ آپ تازہ ہوا کا
مشورہ دیتے
کر سکتا۔

بچّوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت
سب سے بڑے انسانؐ	۲/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/-
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/-
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	۲/۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/۰
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۹/۰
حضرت طلحہؓ	۳/۰
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/۰
حضرت ابوذر غفاریؓ	۳/۰
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/۰
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۳/۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰
حضرت محمدؐ (ہندی)	-/۶۰
ہمارے نبیؐ (ہندی)	۰/۴۰
امیر خسروؒ	۳/۰
دس جنتی	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰
اسلام کیسے پھیلا دوم	۶/۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
اللہ کے صفی	۲/۰
حضرت نظام الدین اولیاؒ	۲/۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰

کتاب	قیمت
ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل)	۴/۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (دوم)	۴/۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے ؟	۳/۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
رسول پاکؐ	۶/۰
اللہ کا گھر	۳/۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰
اللہ کے خلیل	۳/-
تحسین القرآن	۴/۵۰
منہاج القرآن	۴/۵۰
ارکانِ اسلام	۲/۵۰
عقائدِ اسلام	۳/۵۰
چار یار	۴/۵۰
آں حضرتؐ	۳/۰
خلفائے اربعہ	۷/-
نبیوں کے قصے	۵/
ہمارے رسولؐ	۴/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰
ہمارے نبیؐ	۳/۰
سرکار دوعالمؐ	۳/۰

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

ناهید رضوی

زندگی اور موت

مہم جوئی ان کا مشغلہ تھا۔ ایک پہاڑ کی چوٹی کو سر کرتے ہوئے وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق ہو گئے تھے۔

وہ ایک سرد، تاریک اور دھندلی صبح تھی۔ تین بجے تھے جب فلورین اپنے دوست کریگ پارسلے کے گھر پہنچا تھا۔ فلورین تیس سالہ فضائی اور خلائی انجینئر تھا اور گھر پر اپنی بیوی اور بیٹی کو سوتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا۔

۲۵ سالہ کریگ پارسلے ایک ٹیکنیشن تھا جو محکمۂ موسمیات میں کام کرتا تھا۔ اُس نے بھی فلورین کے آنے پر اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اُس کی بیوی آہٹ سن کر جاگ نہ جائے۔ اُس نے اپنے اور فلورین کے لیے خود ہی ناشتا تیار کیا اور ناشتے کے دوران میں وہ دونوں آج کے پروگرام سے متعلق باتیں کرنے لگے۔

یہ ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء کا ذکر ہے۔ وہ لوگ ماؤنٹ گارفیلڈ سلسلے کی ایک مغربی چوٹی سر کرنے جا رہے تھے۔ چونکہ یہ اُن کے لیے بہت معمولی کام تھا، اس لیے اُنھوں نے اپنی بیویوں کو بھی اپنے پروگرام سے مطلع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ دونوں کو کوہ پیمائی کا مسلسل تجربہ تھا۔

فلورین اپنے خاندان کے ساتھ ۱۹۷۹ء میں ایک کمیونسٹ ملک سے فرار ہو کر امریکہ آیا تھا۔ وہ رومانیہ

میں کوہ پیمائی کی امدادی ٹیم کا ممبر تھا۔ کریگ پار سلے کیلیفورنیا نژاد تھا اور اسکول کے زمانے ہی سے کرتی کھیل اُسے پسند تھے۔

جب وہ لوگ پہاڑ کے قریب پہنچے تو مطلع ابر آلود تھا اور درجۂ حرارت ایک سینٹی گریڈ۔ گو یا حالات ایسے نہیں تھے کہ کوہ پیمائی کی جاتی مگر وہ لوگ فیصلہ کرکے آئے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ موسم مزید بگڑنے کی بجائے ایسا ہی رہے گا۔

پتھروں پر لڑکھڑاتے ہوئے وہ لوگ اُس طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے اُنھیں اُوپر چڑھنا تھا۔ اس وقت صُبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ اُنھوں نے اپنی رسیاں کھول لی تھیں وہاں رسیّوں کی مدد سے آدھ میل اُوپر آچکے تھے۔ جس چٹان پر وہ چڑھ رہے تھے وہ بہت ڈھلوان اور ہموار تھی۔ اُنھیں اس پہاڑ کی جس خطرناک چوٹی پر پہنچنا تھا' اس کی اُونچائی ۸۹۹ ۳ فٹ تھی۔ کریگ آگے چل رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے شگافوں میں اپنے مضبوط ہاتھوں کی اُنگلیاں اور اپنے مخصوص جوتوں کی نوک پھنسا کر چڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ ۱۶۵ ۱ فٹ کی بلندی تک آگیا تھا۔ وہ چٹان میں مخصوص کیلیں' جنھیں کوہ پیما استعمال کرتے ہیں۔ ٹھونک ٹھونک کر اور اُن میں اپنی رسّی محفوظ طریقے سے پھنسا کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رُک کر اُس نے نیچے آتے ہوئے فلورین کو آواز دی اور کہا کہ اب وہ چڑھنا شروع کر دے۔ فلورین وہاں تک پہنچ کر اُس سے آگے چلنے لگا۔ وہ لوگ باری باری ایک دوسرے کے آگے پیچھے اس خطرناک پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔

اچانک پہلے بُوندیں پڑنا شروع ہوئیں پھر تیز بارش ہونے لگی جس سے فلورین فکرمند ہو کر سوچنے لگا کہ اگر بارش جاری رہی تو کہیں اُنھیں واپس نہ جانا پڑ جائے۔ اُس وقت دِن کے گیارہ بجے تھے اور وہ لوگ ابھی آدھے راستے میں تھے۔

فلورین' کریگ سے ۶۰ فٹ اُوپر' چٹانوں سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کندھوں کے قریب ایک شگاف میں اس نے ایک کیل ٹھونک کر اُس میں سِکّے کی جسامت کے برابر وہ ہُک اٹکا دیا جس میں رسّی پھنسا دی جاتی ہے۔ اگر اس کیل کو صحیح طرح ٹھونک دیا جائے تو وہ پانچ سو پونڈ وزن سہار سکتی ہے لیکن جس شگاف میں فلورین نے وہ کیل ٹھونکی تھی' اُسے وہ زیادہ محفوظ نہ لگا۔ وہ اِس کی بجائے' پاؤں کے قریب ایک بہتر شگاف میں کیل ٹھونکنے کی غرض سے جُونہی نیچے جُھکا' اُوپر لگی ہوئی کیل ڈھیلی ہو گئی۔ اپنا توازن بگڑتے دیکھ کر فلورین نے بہ آوازِ بلند کریگ سے کہا، "دیکھو! ہوشیار!"

تب وہ چٹانوں سے ٹکراتا ہوا یُوں پیچھے کی طرف گرا کہ اُس کا سر نیچے کی جانب تھا۔

کریگ نے دہشت سے اپنے دوست کو گرتے اور چیختے دیکھا۔ اُس کے اور فلورین کے درمیان اب بھی ۶۰ فٹ کا فاصلہ تھا۔ فلورین وہاں سے ۱۲۰ فٹ

پھر جا گرا۔ گویا کریگ سے بھی ۱۰ فٹ نیچے تک۔ اگر کریگ اُسے روکنے کی کوشش کرتا تو اُسے ایک زبردست جھٹکا لگتا جو ممکن ہے اُسے پہاڑ کے دامن میں جا پھینکتا۔ اچانک رسّی کھنچ گئی اور کریگ بھی پیٹ کے بل نیچے گرنے لگا۔ خود کو ہتھیلیوں کی مدد سے روکنے کی کوشش میں اُس کی ہتھیلیاں بُری طرح چھل گئیں۔

فلورین چٹانوں سے ٹکرائے بغیر دوبارہ تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "کیا نیچے گر کر مرتے ہوئے مجھے شدید کرب برداشت کرنا ہوگا۔"

فلورین کی طرح کریگ نے بھی سب سے پہلے اپنے پاؤں ہی جمانے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے جسم سے ٹکرا کر ایک چھوٹی سی چٹان نے اُسے کپڑے کی گڑیا کی طرح گھما دیا۔ پھر اُس کا سر زور سے آگے کی طرف ٹکرا اور وہ ہموار چٹان پر کوئی اُبھار یا شگاف تلاش کرنے لگا جسے پکڑ سکے، حالانکہ اُس کی انگلیوں کے سارے جوڑ کُھل گئے تھے۔

فلورین کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح خود کو گرنے سے روک لے۔ اُس نے اپنے سیدھے پاؤں سے ایک چھوٹے سے اُبھرے ہوئے پتھر کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن اِس کوشش میں اُس کی ٹانگ مُڑتی چلی گئی۔ نیچے اُس نے چھ انچ چوڑا ایک اور تھم اُبھار دیکھتے ہوئے سوچا "یہ جان بچانے کا آخری موقع ہے"؛ اُس نے گھٹنے کو زور سے چٹان پر ٹکراتے ہوئے اپنے گرنے کی رفتار کم کی۔ اور دونوں ہاتھوں سے اُس پتھر

جھول گیا۔ اپنے لٹکتے ہوئے متحرک پیروں سے نیچے اُس نے دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں پانی کا ایک تالاب ہے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کریگ کے گرنے کا انتظار کرنے لگا کہ وہ آئے اور لُڑھکتا ہوا کھائی میں جاگرے۔ چانک اُسے احساس ہوا کہ رسّی کا کھنچاؤ ختم ہوگیا ہے اور ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ پھر اُس نے ہیخ کی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا کریگ محض ایک بازو کی مدد سے ایک پتھر سے لٹکا ہوا تھا۔ انگلی کے برابر اُبھار پر ایک بازو کی مدد سے یوں لٹک جانا واقعی ایک معجزہ تھا۔

کریگ اپنے بازو میں انتہائی شدید تکلیف محسوس کررہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے ایک مضبوط کیل کو یک شگاف میں اٹکا کر اُسی ہاتھ سے اُسے ٹھونکا اور ں میں اپنی سیفٹی بیلٹ اٹکادی۔ اُس وقت تک فلورین ود کو چٹان سے چپکا چکا تھا۔ اُس نے ایک ٹانگ اور یک بازو سے چٹان کو تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ئی جگہ کیلیں گاڑ دی تھیں۔ وقتی طور پر دونوں کوہ پیما محفوظ ہوگئے تھے۔

وہ جس جگہ لٹکے ہوئے تھے وہاں سے گر کر اُن کی موت یقینی تھی۔ فلورین نے اپنی سیدھی ٹانگ میں چانک درد کی ایک تیز لہر محسوس کی اور اُس میں سے خون بہتا دیکھا گھٹنوں پر سے حفاظتی پیڈ ہٹا کر دیکھنے پر سے معلوم ہوا کہ گوشت پھٹ گیا ہے اور اندر کی ہڈی نظر آنے لگی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہڈی اُس کے ٹخنے سے ٹوٹ کر موزے سے باہر نکل آئی ہے۔ بے اختیار چیختے ہوئے اُس نے کہا: "میری ٹانگ اور ٹخنہ ٹوٹ چکا ہے کریگ!"

کریگ پھسلتا ہوا فلورین کے قریب آیا تو فلورین کو احساس ہوا کہ اُس کا دوست اُس سے بھی زیادہ زخمی حالت میں ہے۔ کندھے کے علاوہ کریگ کی سیدھی کلائی اور دونوں ٹخنے بھی ٹوٹ چکے تھے اور باہر نکل آنے والی ہڈیاں خون اور مٹّی سے بھری ہوئی تھیں۔

اُس وقت موسم بہت خراب ہوگیا تھا۔ بارش مسلسل ہورہی تھی اور درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے گر گیا تھا۔ اُن کی بیویاں اُن کے بارے میں نہیں جانتی تھیں کہ وہ کہاں ہیں اور اگر یہ لوگ پہاڑ پر چند گھنٹے اور رہ جاتے تو سردی اور خون کے ضائع ہوجانے کے سبب ان کی موت یقینی تھی۔

"میں نیچے جارہا ہوں تاکہ سڑک پر پہنچ کر C-B ریڈیو کے ذریعے مدد طلب کرسکوں۔" فلورین نے کریگ سے کہا اور رسّی اپنی کمر کے گرد لپیٹ لی جو کریگ نے ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔ نیچے تک پہنچنے کے لیے فلورین کو چھ کیلیں گاڑ کر پاؤں رکھنے کی جگہ بنانا پڑی۔ اُس وقت اُس کی ٹانگ درد سے پھٹی جارہی تھی۔ نیچے پہنچنے میں اُسے ڈھائی گھنٹے لگے پھر وہ اُس تالاب کے قریب اترا جو اُسے اوپر سے دکھائی دیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اپنی پیاس بجھائی اور نیچے دیکھا مگر وہاں تو بہت گہری ڈھلان تھی۔ گویا اُسے اپنے تین ہاتھ پاؤں پر دوبارہ واپس جانا پڑتا۔ بہرحال وہ وقت

ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے اپنی اُس ٹانگ کا زیادہ خوف تھا جو زخمی نہیں تھی اور جس کی مدد سے اُسے آگے بڑھنا تھا۔

وہ بار بار گر رہا تھا اور ہر بار تکلیف سے اُس کی چیخ نکل جاتی تھی۔ اُسے یہ بھی ڈر تھا کہ وہ کہیں بے ہوش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو اُسے موت سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اُس کے ذہن میں اگر کوئی خیال تھا تو بس یہی کہ حرکت کرتا رہے اور ہار نہ مانے۔ اُس کی صحیح ٹانگ کے عضلات چٹخنے لگے اور وہ پہلے سے زیادہ گرنے لگا۔ اب وہ ہاتھ پاؤں پر جانوروں کی طرح چلنے کی بجائے محض کھسک کھسک کر آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک وہ پھر تیز رفتاری سے پھسلنے لگا لیکن خوش قسمتی سے چٹان کے کنارے پر اپنا سیدھا پاؤں جمانے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک طویل سانس لے کر چٹان پر آہستگی سے پھسلنے کے لیے وہ ایک لمحے کو رُکا۔ پھر یوں ہوا کہ نیچے کھسکتے ہوئے اچانک اُس کا سیدھا ٹخنہ مُڑ گیا اور وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو کر ایک طرف گر پڑا۔ پھر یونہی نیچے کی طرف گھسٹتے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے۔ دن چوتھے پہر میں داخل ہوگیا اور سورج کی روشنی دھندلا گئی۔

اُدھر چلنے سے معذور کر یک بیٹھ کر اُسی چٹان پر پھسلنے لگا۔ رگڑ کھا کر پتلون کئی جگہ سے پھٹ گئی اور کولہوں سے خون رسنے لگا۔ کچھ دُور لُڑھکنے کے بعد اچانک وہ خود کو بے انتہا تھکا ہوا محسوس کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ آنکھیں بند کرلے اور آرام سے لیٹ جائے۔

- ہمارا میں ایک شہر "تیگازا" پورے کا پورا نمک کا بنا ہوا ہے۔
- پانی کا درجۂ حرارت اُبلنے سے پہلے اُبلتے ہوئے پانی سے زیادہ ہوتا ہے۔

فلورین جس وقت سڑک پر پہنچا، گہرا اندھیرا چھا چکا تھا اور سردی بہت شدید تھی مگر وہ اُس جگہ نہیں تھا جہاں انھوں نے صبح ٹرک چھوڑا تھا۔ یہ سوچ کر وہ وہیں گر گیا کہ وہ اس قابل نہیں کہ ٹرک کی تلاش میں اُس مقام تک گھسٹ سکے۔ تب اُسے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ٹرک کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک ٹانگ پر لڑکھڑاتا، مدد کے لیے پکارتا سڑک کی طرف بڑھا مگر ٹرک گزر چکا تھا۔ وہ چند منٹ وہیں پڑا رہا پھر اُس نے ایک اور ٹرک کی آواز سنی۔ وہ پھر چیخا مگر یہ ٹرک بھی اُس کی آواز سُنے بغیر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ تیسری گاڑی نظر آنے پر وہ اپنے جسم کی تمام بچی کچی قوت سمیٹ کر چیختا ہوا آگے کی جانب اُچھلا اور اُس نے ہاتھ ہلا کر گزرتی ہوئی گاڑی رکوا لی۔ اُس میں سے چار آدمی باہر آئے۔

"ہم لوگ پہاڑ کی چڑھائی پر حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔" اُس نے کمزور آواز میں کہا۔ "میرا ساتھی اب تک اُوپر ہے اور اسے فوری مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ لوگ فلورین کو ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع ایک چھوٹے سے قصبے میں لے آئے۔ اُس نے امدادی ٹیم کے لوگوں کو اچھی طرح اُس جگہ کے بارے میں سمجھا دیا جہاں

کرگیک مدد کے انتظار میں تنہا پڑا تھا۔ اس کے بعد اُسے اسپتال پہنچادیا گیا۔

پہاڑ پر بارش اندھیرے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ کرگیک کو سخت نیند آنے لگی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ جان بچانے کے لیے اُسے جاگتے ہی رہنا چاہیے۔ اس خیال سے وہ ایک قریبی غار میں کھسک گیا۔ یہاں وہ بارش اور سردی سے کسی حد تک محفوظ تھا۔ غار خشک گھاس پھوس سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے بہ مشکل کچھ گھاس اکٹھی کی، واٹر پروف ماچس میں سے ایک دیا سلائی نکال کر جلائی اور آگ جلائی۔ غار میں بھر جانے والی حرارت نے اُسے بہت سکون دیا اور سو جانے کی خواہش ایک بار پھر پہلے سے زیادہ شدّت سے ابھری مگر "تمھیں جاگتے رہنا چاہیے"، اُس کے اندر آواز گونجی۔ اُس وقت رات کے نو بجے تھے اور باہر خوفناک اندھیرا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے آواز سُنی۔ کوئی اُس کا نام لے کر پکار رہا تھا: "کرگیک! کیا تم اوپر ہو؟"

"میں یہاں ہوں!" وہ چیخا۔ وہ لوگ اس سے چوتھائی میل کے فاصلے پر تھے۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد انھوں نے اُسے کھوج لیا اور وہیں گرم جاکیٹ، پلاسٹک، گرم پانی کی بوتلیں اُس کے گرد رکھ کر اسے سلیپنگ بیگ میں لپیٹا اور اسٹریچر پر ڈال کر لے آئے۔ یوں کٹھن اور دشوار صورتِ حال اپنے انجام کو پہنچی۔

کرگیک کے زخم گہرے تھے اور انھوں نے ٹھیک ہونے میں فلورین سے زیادہ وقت لیا۔ اُس نے پانچ دن اسپتال کے بستر پر گزارے اور چھ ہفتوں تک اُس کی دونوں ٹانگوں اور ایک ہاتھ پر پلاسٹر بندھا رہا۔ اُس کے اتنی جلدی صحت یاب ہو جانے پر اُس کا ڈاکٹر بہت حیران تھا۔ کرگیک نے آیندہ پہاڑوں پر چڑھنے سے توبہ کر لی تھی۔ وہ کہنے لگا تھا، "میں زمین سے چھ فٹ سے زیادہ بلندی پر کبھی نہیں جاؤں گا۔"

فلورین کے ٹوٹے ہوئے پیر کے متعلق ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ اسے شاید کبھی حرکت نہ دے سکے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ وہ آیندہ کبھی کوہ پیمائی نہیں کر سکے گا لیکن اُس کے لیے یہ ساری باتیں غیر اہم اور بیکار تھیں۔ اُس کے بہترین دوست اور خوب صورت یادیں کوہ پیمائی سے وابستہ تھیں اور ان سب کو فراموش کر دینا اُس کے بس میں نہ تھا۔

چھ ماہ بعد جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو مختلف ورزشوں کے ذریعے خود کو پھر سے تیار کرنے لگا اور ۱۹۸۴ء کے موسمِ بہار میں فلورین ایک بار پھر کیلیفورنیا کے مشرقی کوہستانی سلسلے ماؤنٹ وہاٹنی پر ۱۴۴۹۵ فٹ کی بلندی تک چڑھا۔ وہ کہتا ہے: "انسان کو حوصلہ اور ہمت کبھی نہیں ہارنا چاہیے۔" اور یہ سچ بھی ہے۔ حوصلے، ہمت اور قوّتِ ارادی نے اُسے اور اس کے ساتھی کو موت کے مُنہ سے بچایا تھا۔

آہِ مظلوم

محمد سعید عباس

ساتھیو! کل خوب زور کی بارش ہوئی جب دھوپ نکلی، تو میں نے دیکھا کہ ایک ننھا سا پرندہ بجلی کے تاروں پر بیٹھا اپنے پر سکھا رہا ہے۔ ابھی میں اُسے دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے کوئی چیز آئی اور اُس کے سر پر لگی اور وہ تاروں سے زمین پر آ گیا۔

"آہا عابد دیکھا میرا نشانہ، ایک وار سے سیدھا زمین پر آ گرا ہے۔" ایک آواز اُبھری۔

"ہاں یار افضال واقعی، تمھارا نشانہ بہت اچھا ہے۔" افضال کے دوست عابد نے کہا۔

افضال اور عابد میرے ہی محلے کے لڑکے تھے۔ مجھے اُن پر غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کر گیا کیوں کہ میں ان سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی افضال بہت شریر لڑکا تھا اور لڑنے بھڑنے میں بھی تیز تھا عابد بھی اُسی کی طرح تھا۔ غلیل لے کر پرندوں کو مارنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

"ارے شاید پرندہ مر گیا ہے۔ چلو اس کی ٹانگوں میں پتھر باندھ کر بجلی کے تاروں سے لٹکا دیتے ہیں۔" افضال نے کہا۔

"ہاں یار! تم نے بہت اچھی ترکیب بتائی ہے۔ اسے دیکھ کر اور پرندے ضرور آئیں گے اور ہم دونوں اُن کو نشانہ بنائیں گے بہت مزہ آئے گا۔" عابد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" افضال نے جواب دیا۔

جب میں نے اُن دونوں کی باتیں سنیں تو مجھے اور بھی غصہ آیا اور میں آگے بڑھا تاکہ اس ننھے سے پرندے کو ان ظالموں کے عذاب سے بچاؤں۔ میں ابھی پرندے کی طرف قدم اٹھا ہی

رہا تھا کہ وہ پرندہ یک لخت اُڑ گیا اور سامنے والے درخت پر جا بیٹھا۔ اسے درخت پر بیٹھے دیکھ کر مجھے عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"ارے یہ تو اُڑ گیا۔ شاید اُسے ٹھیک سے چوٹ نہیں آئی تھی" عابد نے افضال کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، جو ہاتھ میں ڈھلگے سے بندھا ہوا پتھر لیے کھڑا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ وہ بہت زخمی ہے اُڑ کر زیادہ دُور تک نہیں جا سکے گا، ٹھہرو میں دیکھتا ہوں" افضال نے پیڑ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

میں نے دیکھا کہ وہ پرندہ وہاں سے اُڑ کر سامنے موجود ایک مکان کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ وہ شاید ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے افضال کو نظر نہیں آرہا تھا۔ افضال اس مکان کی چھت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں پرندے کو ڈھونڈتے رہے اور پھر دوسرے پرندوں کا شکار کرنے کے لیے درخت کے نیچے آگئے۔ درخت کے نزدیک ہی بجلی کے تاروں کا جال سا بنا ہوا تھا یہ مختلف مکانوں میں بجلی پہنچاتے تھے۔

افضال نے بجلی کے ایک تار پر بیٹھے ہوئے پرندے کو نشانہ بنایا اور پھر میں نے افضال کی چیخ سنی۔

میں نے دیکھا کہ افضال سڑک پر پڑا ہے اور اس کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ لوگ بجلی والوں کو بُرا کہہ رہے تھے کہ بجلی کے بوسیدہ تاروں کی وجہ سے اکثر انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کی گفتگو ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ اچانک ایک تار ٹوٹ کر افضال پر گرا اور افضال اُچھل کر دُور جا پڑا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ اچھا ہوا اگر تار افضال سے چمٹ جاتا تو اس کا بچنا ممکن نہیں تھا۔ افضال کی جان تو بچ گئی، لیکن اسے چوٹ بہت آئی تھی۔ محلے کے ایک ہمدرد آدمی نے افضال کو ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا اور تھوڑی دیر بعد زخمی افضال اسپتال کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

ٹیکسی جانے کے بعد میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو مجھے عابد کہیں نظر نہ آیا۔ سڑک پر دونوں غلیلیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے غلیلیں اٹھا کر قریبی نالے میں پھینک دیں اور گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں، میں سوچ رہا تھا۔ افضال کو تو اپنی شرارت کی سزا مل گئی لیکن انھیں کون سزا دے گا جن کی غفلت سے خطرناک بجلی کے تار بارش کے بعد موت کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔

ہنسو اور ہنساؤ

ایک کنجوس سڑک پر رقم گنتا ہوا جا رہا تھا۔ راستے میں اُسے ڈاکو نے روک لیا۔

ڈاکو:۔ جو کچھ ہے نکال دو، ورنہ گولی مار دوں گا۔

کنجوس:۔ مار دو گولی۔ رقم نہیں دے سکتا کیونکہ وہ میں نے اپنے بڑھاپے کے لیے بچا رکھی ہے۔

نصراللہ شیخ ——————

جج:۔ تم قبول کرتے ہو کہ تم نے کپڑے کی ایک دکان میں پانچ دفعہ چوری کی؟ کیا چرایا تم نے؟

چور:۔ ایک ساری حضور!

جج:۔ لیکن ایک ساری کے لیے پانچ دفعہ چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

چور:۔ حضور! چار بار ساری میری بیوی کو پسند نہیں آئی تھی۔

مشتاق احمد ——————

ڈاکٹر:۔ (مریض سے) اجمل صاحب! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ایک بڑی خبر سنانے والا ہوں لیکن میرے پاس آپ کے لیے ایک خوش خبری بھی ہے۔

مریض:۔ ڈاکٹر صاحب! خوش خبری بعد میں سنائیے گا۔ بُری خبر کون سی ہے؟

ڈاکٹر:۔ بُری خبر یہ ہے کہ ہمیں آپ کی دونوں ٹانگیں کاٹنا پڑیں گی اور اچھی خبر یہ ہے کہ اگلے بیڈ پر جو مریض ہے، وہ آپ کے جوتے خریدنا چاہتا ہے۔

امینہ یونس ——————

ایک عورت:۔ (بھکاری بچّے سے) تمھیں شرم نہیں آتی بھیک مانگتے ہوئے۔ تمھاری عمر کے بچّے تو اسکول جاتے ہیں۔

بھکاری بچہ:۔ وہاں بھی گیا تھا۔ کسی نے ایک پیسا بھی نہیں دیا۔

فیصل یونس ——————

"تم دھوکے باز ہو" وکیلِ صفائی نے چیخ کر کہا۔

"تم اوّل درجے کے جھوٹے ہو" وکیلِ استغاثہ نے جواب دیا۔

"آرڈر... آرڈر..." جج نے کہا "وکلا کی شناخت

ملتی ہے مقدمے کی کارروائی شروع ہو جانا چاہیے۔"

سراج شریف ______

استاد (شاگردوں سے) جو بچہ مجھ سے ایسا سوال پوچھے گا

جس کا جواب مجھے نہ آتا ہو، میں اُسے دس روپے

انعام دوں گا۔"

بہت سے بچوں نے مختلف سوالات پوچھے لیکن

ماسٹر صاحب نے اُن سب کے جواب دے دیے۔

آخر ایک بچے نے سوال پوچھا۔

"سر! ایک نہر میں بطخیں تیر رہی ہیں۔ آگے والی

بطخ کہتی ہے، میرے پیچھے پانچ بطخیں ہیں۔ پیچھے

والی کہتی ہے میرے آگے پانچ بطخیں ہیں۔ درمیان

والی کہتی ہے، میرے آگے بھی تین بطخیں ہیں اور

پیچھے بھی تین۔ بتائیے یہ کیسے ممکن ہے؟"

استاد نے بہت سوچا اور ہار کر دس روپے بچے کو

دیتے ہوئے پوچھا: "چلو تم بتاؤ؟"

شاگرد نے معصومیت سے جواب دیا "سر! درمیان

والی بطخ جھوٹ بول رہی ہے۔"

محمد آفتاب ______

ایک دوست (دوسرے دوست سے) یار! تمھاری گھڑی ریڈیو

سے ملی ہوئی ہے یا ٹیلی وژن سے؟

دوسرا دوست: یہ نہ ریڈیو سے ملی ہے نہ ٹیلی وژن سے۔ یہ

مجھے سسرال سے ملی ہے۔

شہباز علی ______

تین کچھوے ایک ریستوران میں گئے اور کافی کا

آرڈر دیا۔ ابھی کافی آئی نہیں تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ ایک

کچھوے نے دوسرے سے کہا "ذرا جلدی سے گھر جا کر

چھتری لے آؤ، ہم تمھارا انتظار کریں گے۔"

کچھوے نے کہا "ٹھیک ہے۔ مگر میری کافی مت

پی جانا۔" یہ کہہ کر وہ چھتری لینے چلا گیا۔ جب اُسے گئے ہوئے

دو سال ہو گئے تو اُس کے ساتھی کہنے لگے "بے چارہ

اب نہیں آئے گا۔ اب ہم اس کی کافی پی سکتے ہیں۔"

اُسی وقت دروازے کے قریب سے آواز آئی۔

"اگر تم نے میری کافی چھوئی تو میں چھتری لینے نہیں جاؤں گا۔"

عاصف ریحان ______

سب سے اچھا لطیفہ

ایم شیخ ظفر شہزاد ______

شاگرد: جناب جو کام میں نے کیا نہ ہو اُس کی سزا مجھے

نہیں ملنی چاہیے۔

اُستاد: یقیناً، ہرگز نہیں۔

شاگرد: آج میں نے ہوم ورک نہیں کیا۔

ایک نو فٹ لمبا آدمی فٹ پاتھ پر بیٹھے پھل فروش

کے پاس گیا اور کہنے لگا "بھائی! ایک سیر انگور دے دیجیے۔"

پھل فروش نے جواب دیا "بے وقوف! بیٹھ کر دیکھو،

یہ انگور نہیں تربوز ہیں۔"

شاہزیب مہاجر ______

سوال جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

کالے دھبے

س : عمر ۱۸ سال ہے۔ میرے چہرے پر دانے بہت ہیں، دوسرے یہ کہ میرے جسم کے کسی حصے میں بھی چوٹ لگ جاتی ہے تو بعد میں اُس جگہ کالا دھبا پڑ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے میرے چہرے پر بھی کالے دھبے ہیں؟
جاوید گلزار

ج : آپ کو اپنے خون کا ضرور امتحان کرانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ اس کی قوت انجماد غیر متوازن ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے پیٹ میں بڑے کیڑے (کیچوے) ہوں۔ اچھا ہے کہ مناسب دوا سے پیٹ صاف کرلیا جائے۔ آپ کے لیے صافی فائدے مند ہو سکتی ہے۔ چائے کے دو چمچے برابر صافی رات کو نیم گرم پانی میں گھول کر پینا شروع کر دیں۔

دل کی تکلیف

س : عمر ۱۰ سال ہے۔ میں درجہ پنجم کا طالب علم ہوں۔ جب بھی دوڑتا ہوں تو سینے میں درد ہوتا ہے، سانس پھولنے لگتا ہے۔ ازراہ کرم کوئی علاج تجویز فرمائیے تاکہ میں اس بیماری سے نجات حاصل کر سکوں۔
عمران صدیق

ج : آپ کو کسی ماہر سے اپنے دل کا معائنہ کرانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو ٹائی فائڈ ہوا ہو اور اُس کا علاج صحیح نہ ہوا ہو اور اُس کی وجہ سے قلب پر اثر ہو گیا ہو۔ بچپن میں اگر گٹھیا کا بخار اور جوڑوں کا درد ہو جائے تو اس سے بھی قلب میں خرابی آجاتی ہے۔

سفید بال

س : عمر ۱۳ سال ہے۔ میرے سر کے بال کافی مقدار میں سفید ہو رہے ہیں۔ آپ کوئی ایسا علاج بتائیے، جس سے میرے بال سفید ہونے سے رُک جائیں یا سیاہ ہو جائیں۔
محمد ماجد

ج : بعض حالات میں یہ صورت پیدائشی (موروثی) ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے والد صاحب کو بھی ایسا ہی ہو اور ان کے بال بھی اس عمر میں سفید ہو گئے ہوں۔ افسوس ہے کہ میں اس کا کوئی علاج تجویز نہیں کر سکتا۔ آپ کو چاہیے کہ غم نہ لگائیں اور قدرت پر چھوڑ دیجیے۔

دم گھٹتا ہے

س : عمر ۲۵ سال ہے۔ کبھی کبھی گلے میں بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ سانس رُکتا ہے، جیسے دم گھٹتا ہو۔ آپ ازراہ کرم مجھے اس کا علاج بتایئے۔ طاہر خاں

ج : ایسا لگتا ہے کہ آپ خود تقریریں جھاڑتے ہیں اور خوب بولتے ہیں۔ زیادہ بولنا اچھی بات تو نہیں ہے۔ ایک پرانی بات ہے کہ پہلے تولو پھر بولو! بولنے سے پہلے خوب سوچنا چاہیے۔ خوامخواہ بولنے سے عزت خراب ہوتی ہے۔ ہاں ذرا اپنے گلے کا معائنہ کرائیے ممکن ہے کہ دا ج ڈرگ یعنی گلا ٹانسلز بڑھ گئے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو نیم کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر چھان کر اور ذرا نمک ملا کر اس پانی سے غرارے کریں۔

چہرے پر رُواں

س : میرے چہرے پر رُواں بہت ہے۔ اس سے نجات کی ترکیب بتایئے۔
سیما سحر

ج : آٹے کا سخت پیڑا بنا کر اُسے رول کی طرح چہرے پر ملنے سے رُواں اُس پر لگ کر اُتر جاتا ہے لیکن اگر رُواں زیادہ مستحکم ہے تو اُسے چھیڑنا نہیں چاہیے۔ چھیڑنے سے یا کاٹنے سے یہ رُواں بال بن سکتا ہے اور پریشان کن ہو سکتا ہے۔

بائنٹے

س : یہ ایک عام سی بات ہے کہ کبھی کبھی ہاتھ اور زیادہ تر پیر کی انگلیوں میں گانٹھ پڑ جاتی ہے۔ ایک دم سے انگلی میں درد شروع ہو جاتا ہے اور کچھ دیر بعد پھر وہ گانٹھ گھل جاتی ہے اور پھر آرام ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی پوری ٹانگ یا بازو بھی اس عمل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے اور اس عمل کو کیا کہتے ہیں؟ عمران جہانگیر شیخ، رضوان جہانگیر شیخ

ج : ہاں اسے بائنٹے آنا یا باؤٹا آنا کہتے ہیں۔ اینٹھن بھی کہہ لیجیے۔ زیادہ تر یہ کیفیت اُن عورتوں اور مردوں کو ہوتی ہے جو آرام طلب ہوتے ہیں، ہلتے ہی نہیں۔ نہ حرکت نہ برکت۔ ہاں اُس کی

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسم میں حیاتین ب کم ہو جاتے ہیں۔ اس کمی کو اچھی غذا سے پورا کرنا چاہیے۔ گوبھی اور بند گوبھی میں بکثرت حیاتین ب ہوتے ہیں۔ دوسری سبزیوں میں بھی ہوتے ہیں۔

بعض بچے ضرورت سے زیادہ غذا کھا جاتے ہیں اور ورزش نہیں کرتے۔ وہ سست ہو جاتے ہیں۔ موٹے بھی ہو جاتے ہیں۔ مٹاپا صحت نہیں ہے۔

سر میں خشکی

س : عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے سر میں بے حد خشکی ہے۔ بال بھی بہت گرتے ہیں۔ از لطفکم علاج بتائیے۔

سلمیٰ ناز

ج : ایک تو یہ کہ سر کو صاف رکھنا چاہیے۔ ممکن ہو تو روز ہی غسل کر لینا چاہیے۔ غالباً آپ کے سر میں خشکی (بفا = ڈینڈرف) ہے۔ روغن کیلا ۶۰ گرام اور دوائے خارش سفید ۳۰ گرام دونوں کو ملا لیں اور سر میں لگائیں۔ رات لگائیں صبح دھولیں۔ چند روز میں خشکی رفع ہو جائے گی۔

تھوک یا ہاضم رطوبت

س : عمر ۱۵ سال ہے۔ مجھے تھوک بہت آتا ہے۔ دن کے وقت تو زیادہ نہیں آتا لیکن رات کو مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے اور بار بار تھوکنے کے لیے اُٹھنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے میں صحیح طرح سو بھی نہیں سکتا۔ براہ مہربانی اپنے مشورے اور علاج سے نوازیے۔

محمد یوسف

ج : آپ کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے آپ کا ہاضمہ تو خراب نہیں ہے۔ بالعموم معدہ جب تھک جاتا ہے تو ایسی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ مُنھ میں جو گلٹیاں ہوتی ہیں وہ ہاضم رطوبت پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم نوالہ منھ میں چباتے ہیں تو یہ رطوبت غذا کے ساتھ مل جاتی ہے۔ نوالے کو نرم بھی کرتی ہے اور ہضم میں مدد دیتی ہے۔ اگر غذا جلد جلد کھائی جائے تو یہ رطوبت غذا میں پوری طرح نہیں ملتی اور اس کے بغیر غذا معدے میں چلی جاتی ہے۔ وہاں اس رطوبت کا مطالبہ ہوتا ہے تو منھ کی گلٹیاں رطوبت پیدا کرتی ہیں اور آپ اسے تھوکتے رہتے ہیں۔

موزے

خواجہ عابد نظامی

سنو بچو! اک روز کا واقعہ — کہ اس واقعے میں سبق ہے بڑا
ہمارے پیمبر علیہ السلام — جو لاریب ہیں انبیا کے امام
جو ہیں حق تعالیٰ کے پیارے حبیب — جو ہیں سب سے بڑھ کر خدا کے قریب
وہ اللہ کے آخری ، ہیں نبی — نہ آئے گا بعد ان کے اب کوئی بھی
وہ اک دن تھے جنگل میں ٹھیرے ہوتے — صحابہؓ بھی تھے پاس بیٹھے ہوئے
کہ سرکارؐ نے یہ ارادہ کیا — کہ موزے تو پیروں میں پہنیں ذرا
ابھی ایک موزہ اٹھایا ہی تھا — کہ لوگوں نے دیکھا عجب ماجرا
وہاں کوا اِک آیا اُڑتا ہوا — اٹھا لے گیا موزہ وہ دوسرا
بلندی پہ جونہی وہ کوا گیا — تو پھینکا وہ موزہ شہِ دینؐ کا
گرا تھا وہ موزہ بہت ہی قریب — صحابہؓ نے دیکھا یہ منظر عجیب
کہ موزے میں چھوٹا سا اِک سانپ تھا — خطرناک موذی تھا بِس کا بھرا
یہ دیکھا تو فرمایا سرکارؐ نے — خدا کی خدائی کے مختار نے

کہ آئندہ جب موزہ پہنو کبھی
اسے جھاڑنا تم نہ بھولو کبھی

آزاد گیلانی

خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں شہر بغداد میں ایک تاجر رہا کرتا تھا۔ اس نے تجارت سے بہت رُپے کمائے لیکن وہ ایمان دار نہیں تھا۔ وہ ہر شخص سے یہی کہتا کہ تجارت کرو۔ اسی میں فائدہ ہے۔ نوکری کرنے سے آدمی کبھی دولت نہیں پیدا کر سکتا۔

لوگوں نے تاجر کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ تب اس نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم لوگ تجارت نہیں کرسکتے ہو تو کم از کم اپنا سرمایہ لگاؤ، تاکہ گھر بیٹھے منافع ہو۔ چند لوگ اس کی باتوں میں آگئے۔ انھوں نے تاجر سے دریافت کیا کہ کتنا منافع ہوتا ہے۔ تاجر نے جواب دیا کہ ہر تیسرے مہینے رقم دُگنی ہو جاتی ہے، یعنی ایک رُپیہ کے دو رُپے۔ یہ سن کر چند لوگوں نے گھر میں جو کچھ رُپے تھے، لاکر تاجر کو دے دیے۔ ان میں ایک بڑھیا بھی تھی، جس کے پاس صرف ایک رُپیہ تھا۔ اس نے تاجر کو ایک رُپیہ دیتے ہوئے کہا کہ میں حساب کرکے منافع لوں گی۔ تاجر نے کہا کہ میں چار سال کے بعد واپس آؤں گا اور تمھیں دس ہزار رُپے دوں گا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتی ہوں، بلکہ میرا جو منافع ہو وہی دینا۔

تاجر رُپے لے کر روانہ ہوگیا۔ وہ ایران، ترکی، ہندستان اور چین وغیرہ کا سفر کرنے کے چار سال کے بعد بغداد واپس پہنچا۔ اُس نے آتے ہی ان لوگوں کو بلاکر منافع دینا شروع کر دیا، جنھوں نے تجارت کے لیے اُسے رُپے دیے تھے۔ جب بڑھیا کی باری آئی تو اُس نے رُپے لینے سے انکار کر دیا۔ حالاں کہ تاجر اُسے پچیس ہزار رُپے دے رہا تھا۔ سوائے بڑھیا کے سبھی لوگ بہت خوش تھے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں پچاس ہزار رُپے سے کم نہیں لوں گی۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ بڑھیا کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ آخر بڑھیا انصاف کے لیے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئی۔

خلیفہ نے پوری کہانی سُن کر فیصلہ کیا کہ تاجر کو ۶۵ ہزار ۵ سو ۳۶ رُپے (۶۵۵۳۶) بڑھیا کو دینے ہوں گے۔ تاجر بہت بوکھلایا، لیکن خلیفہ کے سامنے کچھ کہنے سننے کی ہمت نہیں پڑی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ رُپے ابھی ادا کیے جائیں۔ اس لیے تاجر نے بڑھیا کو رُپے ادا کر دیے۔

خلیفہ نے تاجر کو بتایا کہ تم نے کہا تھا کہ ہر تیسرے مہینے دوگنا منافع دوگے۔ تم چار سال کے بعد

واپس آئے ہو، یعنی سولہ سہ ماہی گزارنے کے بعد (ہر تیسرے مہینہ کو ایک سہ ماہی کہتے ہیں)۔
پہلے سہ ماہی پر دو رُپے ہوئے۔ پھر اس طرح سولہ تک دو سے ضرب دیتے چلے جاؤ تو یہی رقم بنے گی جو
میں نے بڑھیا کو دلائی ہے۔ حساب اس طرح ہے۔

(۱)	۱ × ۲ = ۲	(۹)	۲۵۶ × ۲ = ۵۱۲
(۲)	۲ × ۲ = ۴	(۱۰)	۵۱۲ × ۲ = ۱۰۲۴
(۳)	۴ × ۲ = ۸	(۱۱)	۱۰۲۴ × ۲ = ۲۰۴۸
(۴)	۸ × ۲ = ۱۶	(۱۲)	۲۰۴۸ × ۲ = ۴۰۹۶
(۵)	۱۶ × ۲ = ۳۲	(۱۳)	۴۰۹۶ × ۲ = ۸۱۹۲
(۶)	۳۲ × ۲ ۶۴	(۱۴)	۸۱۹۲ × ۲ = ۱۶۳۸۴
(۷)	۶۴ × ۲ = ۱۲۸	(۱۵)	۱۶۳۸۴ × ۲ = ۳۲۷۶۸
(۸)	۱۲۸ × ۲ = ۲۵۶	(۱۶)	۳۲۷۶۸ × ۲ = ۶۵۵۳۶

مریخ ۔ ہمارا قریبی سیارہ

ندیم یوسف

خلا نورد سرخ سیارے پر اترنے کے لیے زمین سے اس تکونے خلائی جہاز کے ذریعے سفر کر کے مریخ کے قریب پہنچیں گے۔ خلائی جہاز سے مریخ پر اترنے کے لیے وہ خلائی جہاز پر موجود ایک اور چھوٹے جہاز پر، جو "شٹل لینڈر" کہلاتا ہے گا سوار ہو کر مریخ کی سطح پر اتریں گے۔ بڑا خلائی جہاز انھیں اتار کر کسی انسان کے بغیر زمین پر لوٹ آئے گا۔

یہ اتوار ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء کی شام تھی جب ریاست ہائے متحدہ امریکا کے کئی ہزار لوگوں کو ایک حیرت انگیز واقعے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شام جب لوگوں نے اپنے اپنے ریڈیو کھولے تو انھیں ایک عجیب و غریب خبر سننے کو ملی۔ ریڈیو پر یہ کہا جا رہا تھا کہ سیارہ مریخ پر رہنے والی مخلوق زمین تک پہنچ گئی ہے اور اس نے دنیا کے لوگوں پر زہریلی گیسوں سے حملہ کر دیا ہے۔ ریڈیو پر ان سڑکوں اور مقامات کے نام بھی بتائے جا رہے تھے جہاں شدید خطرہ تھا اور لوگوں کو ان مقامات پر جانے سے منع کیا جا رہا تھا۔ جو لوگ گاڑیوں میں سوار تھے اور ریڈیو سن رہے تھے انھوں نے اپنی گاڑیوں کا رُخ خطرے والی سڑکوں سے دُور محفوظ مقامات کی جانب کر لیا تھا۔ کئی علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ حیران و پریشان تھے، مگر یہ

بے چینی صرف ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہو گئی جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ تو صرف ایک ڈراما تھا۔ انگریزی کے نامور ادیب ایچ جی ویلز نے اپنے مشہور سائنسی ناول "دی وار اوف دی ورلڈز" (THE WAR OF THE WORLDS) میں مریخی باشندوں کے زمین پر حملے کا فرضی منظر پیش کیا تھا اور اس دن ریڈیو پر اسی ناول کو ڈرامائی شکل میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اس پروگرام کو اس قدر مہارت سے پیش کیا گیا کہ بہت سے لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی مریخ پر بھی کوئی عقل مند مخلوق موجود ہے۔

نظامِ شمسی کے سب سیاروں میں مریخ (MARS) ہم میں سب سے زیادہ جستجو پیدا کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مریخ پر بھی انسان وغیرہ رہتے ہیں؟ سائنسی کہانیاں لکھنے والے مصنفوں نے مریخ پر زندگی کے وجود کو خاص طور پر اپنا موضوع بنائے رکھا ہے۔ آیئے ہم سیارہ مریخ کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

چوتھا سیّارہ

مریخ بھی ایک سیارہ ہے یعنی ہماری زمین کی طرح یہ بھی سورج کے گرد گھومتا ہے۔ یہ ہمارے نظامِ شمسی کا چوتھا سیّارہ ہے۔ اس کا مدار خلا میں ہماری زمین کے مدار کے باہر ہے اور سیارہ زہرہ کے بعد مریخ ہمارا قریب ترین پڑوسی سیارہ ہے۔ زمین کے مقابلے میں مریخ سورج سے تقریباً ڈیڑھ گنا زیادہ دُور ہے۔ اس کا سورج سے اوسط فاصلہ ۲۳ کروڑ کلو میٹر کے قریب ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکر چھے سو ستاسی دِنوں میں لگاتا ہے۔ اس لیے مریخ کا ایک سال ہمارے تقریباً دو سالوں کے برابر ہے۔

مریخ ہماری زمین سے کافی چھوٹا ہے۔ اس کا قطر چھے ہزار آٹھ سو کلو میٹر کے قریب ہے جب کہ ہماری زمین کا قطر تقریباً بارہ ہزار آٹھ سو (۱۲۸۰۰) کلو میٹر ہے۔ اس طرح مریخ کا قطر زمین کے مقابلے میں آدھا ہے۔ مریخ کی کمیت ہماری زمین سے تقریباً نو گُنی کم ہے۔ وہاں پر کشش کی قوّت تقریباً تین گنی کم ہے۔ اگر آپ کا زمین پر وزن ساٹھ پونڈ ہو تو مریخ پر آپ کا وزن صرف ساڑھے بائیس پونڈ رہ جائے گا۔

مریخ اور زمین میں بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں۔ زمین اپنے محور کے گرد ایک چکر چوبیس

گھنٹوں میں مکمل کرتی ہے۔ مریخ کو اپنی محوری گردش میں چوبیس گھنٹے اور سینتیس منٹ لگتے ہیں۔ اس لیے مریخ کا ایک دن ہمارے ایک دن سے ۳۷ منٹ ہی بڑا ہوتا ہے۔ مریخ اور زمین دونوں کے محور تقریباً برابر زاویے پر جھکے ہوئے ہیں، اس لیے وہاں بھی ہماری زمین کی طرح موسم ہوتے ہیں، یعنی سردی، گرمی، بہار وغیرہ۔ لیکن چوں کہ مریخ کا ایک سال ہمارے سال کا دوگنا ہے لہٰذا وہاں ہر موسم کی مدت زمین کے مقابلے میں دوگنی ہوگی۔

مریخ کی سطح

اگر ہم ایک تاریک رات میں مریخ کو دیکھیں تو وہ ہمیں سرخ نظر آتا ہے۔ یہ سرخی مائل رنگ سیارے کی سطح کا اصلی رنگ ہے۔ دُور بین سے مریخ کو دیکھنے پر وہ ہمیں نارنجی رنگ کی ایک گول ٹکیا جیسا دکھائی دیتا ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ ایک ایسے صحرا کی طرح لگتا ہے جس کی ریت یا مٹی نارنجی رنگ کی ہے۔ کہیں کہیں گہرے رنگ کے دھبے بھی دکھائی دیتے ہیں جو مریخی سال کے مختلف اوقات میں ہلکے بھورے سے سبز رنگ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مریخ کی جانب بھیجے جانے والے خلائی جہازوں کی کھینچی ہوئی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریخ کی سطح پر کئی اونچے اونچے پہاڑ، قدیم آتش فشانوں کے دہانے اور گہری اور وسیع وادیاں ہیں۔ ہماری زمین کے تو تین چوتھائی حصے پر بڑے بڑے سمندر پھیلے ہوئے ہیں، مگر مریخ پر سمندروں یا دریاؤں کا نام و نشان تک نہیں۔ البتہ مریخ کے دونوں قُطبَین (قُطب یَین) پر برف کے تودے دیکھے گئے ہیں جو وہاں کی سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں اور گرمیوں میں غائب ہوجاتے ہیں، یعنی مریخ پر پانی بہت ہی کم مقدار میں ہے۔

کیا مریخ پر ہوا ہے؟

مریخ پر ہوا موجود تو ہے، مگر بہت کم مقدار میں ہے۔ مریخ کا کرۂ ہوائی بہت پتلا ہے۔ وہاں کی ہوا زمین پر موجود ہوا کے مقابلے میں دو سو گنی ہلکی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم جیسے جیسے بلندی کی طرف جائیں ہوا بہت لطیف یا ہلکی ہوتی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مریخ کی سطح پر ہوا اتنی لطیف ہے جتنی زمین سے تقریباً انیس کلو میٹر (کوہ ہمالیہ کی اونچائی سے دوگنا) بلندی پر ہوتی ہے، مگر مزے دار بات یہ ہے کہ جو تھوڑی بہت ہوا وہاں موجود ہے وہ سانس لینے کے

قابل نہیں ہے، کیوں کہ اس کا زیادہ تر حصّہ صرف کاربن ڈائی آکسائڈ گیس پر مشتمل ہے اور آکسیجن بہت ہی کم مقدار میں ہے۔
سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ مریخ پر آندھیاں اور گرد و غبار کے طوفان بھی آتے رہتے ہیں۔ مریخی کرۂ ہوائی میں کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بادل بھی دیکھے گئے ہیں۔

کیا مریخ پر نہریں موجود ہیں؟

دُور بین سے مریخ کو دیکھنے پر اس کی سطح پر بہت سی غیر واضح لکیریں سی نظر آتی ہیں۔ جب شروع شروع میں لوگوں نے مریخ کا دُور بین سے مطالعہ کیا تو انھوں نے خیال کیا کہ یہ لکیریں بہتی ہوئی "نہروں" کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس انکشاف کے بعد سنسنی پھیل گئی۔ مصنّفوں اور اخبار نویسوں کو ایک دل چسپ مشغلہ ہاتھ آگیا اور انھوں نے خوب خوب کہانیاں لکھ ڈالیں۔ انھوں نے کہا کہ مریخ پر ضرور "انسان" موجود ہیں جنھوں نے نہریں بنا کر آب پاشی کا اتنا بڑا منصوبہ تیار کیا ہے۔ یوں اس خیال کی ابتدا ہوئی کہ اس سیارے پر کوئی زندہ مخلوق رہتی ہے، مگر سائنس دانوں نے جلد ہی پتا چلا لیا کہ یہ لکیریں وغیرہ "نہریں" ہرگز نہیں ہیں۔ اب خلائی جہازوں نے مریخ کی جو تصویریں روانہ کی ہیں ان میں کسی قسم کے مصنوعی نشانات وغیرہ نظر نہیں آتے، جن سے یہ پتا چلے کہ یہ کسی مخلوق کے کیے ہوئے کام ہیں۔

مریخ پر زندگی

ہم جان داروں کے زندہ رہنے کے لیے ہوا (آکسیجن) اور پانی انتہائی ضروری ہیں۔ لوگ مریخ کے بارے میں سوچتے ہیں کہ وہاں تو ہوا بھی ہے اور قطبین پر برف کی شکل میں پانی بھی موجود ہے، اس لیے وہاں زندگی موجود ہونی چاہیے۔ مریخ پر زندگی کے وجود پر بحث بہت دل چسپ رہی ہے، جو سو سال سے زیادہ عرصے سے جاری ہے اور اس بارے میں بہت سی الٹی سیدھی باتیں بھی لکھی جاتی رہی ہیں، مگر یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہم جیسے انسانوں یا ہمارے جانوروں وغیرہ سے ملتی جلتی کوئی جان دار شے مریخ پر موجود نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہاں پر آکسیجن بہت ہی کم مقدار میں ہے، دوسرے یہ کہ وہاں پانی بھی (برف کی شکل میں) بہت کم ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مریخ پر درجہ حرارت کافی کم رہتا ہے اور رات کے وقت تو نقطۂ انجماد (۰°C)

صفر درجہ سینٹی گریڈ سے بھی بہت نیچے گر جاتا ہے۔ اگر وہاں کوئی مخلوق ہو بھی تو رات کو وہ سردی سے جم جائے گی۔ ہماری زمین بہت خوش قسمت ہے کہ یہاں پر وہ تمام چیزیں مناسب طور پر موجود ہیں جو زندگی کے لیے لازمی ہیں۔

مریخ کی جانب روانہ کیے جانے والے خلائی جہازوں نے جو معلومات زمین پر بھیجی ہیں اور وہاں کی جو تصویریں لیں، اُن سے وہاں کسی قسم کی زندگی کا پتا نہیں چلا ہے۔ احتیاطاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مریخ پر کوئی جان دار شے ہو بھی تو وہ ہماری زمین پر رہنے والوں سے بالکل مختلف ہو گی۔ کسی ذہین مخلوق کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں شاید وہاں کچھ ایسی نباتات موجود ہوں جو ہمارے ہاں کی کائی (پودوں کی ایک بہت معمولی اور سادہ قسم) سے ملتی جلتی ہو، مگر اس کا امکان بھی بہت کم ہے۔

مریخ کے دل چسپ چاند

مریخ پر زندگی کے وجود پر بحث کو چھوڑیے اور بھی تو دل چسپ باتیں ہیں۔ مثلاً مریخ کے دو عجیب و غریب چاندوں کو لیجیے جو اتنے ننھے منے سے ہیں کہ چھوٹی دُور بین سے بھی نظر نہیں آتے۔ یہ ہمارے چاند سے بالکل مختلف ہیں۔ انھیں اگست ۱۸۷۷ء میں ایک امریکی ماہر فلکیات نے دریافت کیا تھا۔ مریخ کے یہ چاند فوبوس (PHOBOS) اور ڈیموس (DEIMOS) کہلاتے ہیں۔ فوبوس کا قطر صرف ۲۳ کلو میٹر ہے اور ڈیموس کا قطر صرف ۱۳ کلو میٹر ہے۔ ذرا سوچیے کہ ہمارے چاند کا قطر تو ساڑھے تین ہزار کلو میٹر کے قریب ہے۔ ہمارا چاند اُن چاندوں سے ہزاروں گنا بڑا اور لاکھوں گنا زیادہ بھاری ہے۔

مریخ کے یہ چاند اس سے بہت قریب ہیں۔ ہمارا چاند ہم سے پونے چار لاکھ کلو میٹر سے بھی زیادہ دُور ہے۔ فوبوس کا مریخ کی سطح سے فاصلہ صرف چھے ہزار کلو میٹر ہے اور ڈیموس تقریباً بیس ہزار کلو میٹر دُور ہے۔ ہمارا چاند تو زمین کے گرد ایک ماہ میں ایک چکر لگاتا ہے مگر مریخ کے یہ چاند بڑی تیزی سے گھومتے ہیں۔ فوبوس تو تقریباً ساڑھے سات گھنٹے میں ایک چکر لگا لیتا ہے اور ڈیموس کو ایک چکر لگانے میں تقریباً تیس گھنٹے لگتے ہیں۔

مریخ کے چاندوں کا نظارہ

اگر ہم مریخ پر پہنچ کر اس کے چاندوں کو دیکھ سکتے تو ہمیں بہت ہی دل چسپ نظارہ دکھائی دیتا، کیوں کہ فوبوس مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی چاند کو مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے؟ یقیناً نہیں، مگر مریخ پر آپ یہ حیران کُن تماشا دیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھی دن میں دو مرتبہ، کیوں کہ فوبوس مریخ پر ایک دن میں دو مرتبہ طلوع ہوتا ہے اور دو مرتبہ غروب۔ ڈیموس بھی کچھ کم دِل چسپ نہیں۔ یہ مشرق سے جب ایک دفعہ طلوع ہو جاتا ہے تو پھر مسلسل تقریباً تین دن اور تین راتوں تک آسمان پر نظر آتا رہتا ہے اور پھر مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ یہ ساڑھے پانچ دِنوں میں صرف ایک مرتبہ ہی طلوع ہوتا ہے۔ مزے دار بات یہ بھی ہے کہ یہ چاند ہلال سے لے کر بدر تک تمام شکلیں فوراً بدلتے ہیں۔ کتنا خوب صورت ہوگا یہ منظر۔

انسان مریخ پر

مریخ کے بارے میں یہ دل چسپ باتیں جان کر آپ ضرور مریخ پر جانا چاہیں گے، تاکہ اس کے ننھے منّے چاندوں کو دیکھ سکیں اور اگر وہاں کوئی مخلوق موجود ہو تو اس سے ملاقات بھی کر سکیں، مگر آپ کو شاید معلوم ہو کہ انسان ابھی تک مریخ پر نہیں پہنچا ہے۔ جدید ترین آلات سے لیس کئی خلائی جہازوں کو مریخ کی تحقیقات کے لیے کام یابی سے استعمال کیا جا چکا ہے، لیکن ابھی تک انسان نے خود کسی راکٹ میں بیٹھ کر مریخ پر اُترنے کی کوشش نہیں کی۔

کیا انسان مریخ پر جا سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے، کیوں نہیں! انسان مدّتوں سے چاند اور تاروں کی سیر کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ انسان چاند پر جا پہنچا ہے اور اب دوسرے سیّاروں پر پہنچنے کی تیاری کر رہا ہے۔ مریخ کی مہم اتنی آسان نہیں۔ اس میں کھربوں رُپے خرچ ہوں گے اور خلابازوں کو مہینوں تک خلا میں سفر کرنا پڑے گا۔ پھر انسانی جانوں کی سلامتی کا بھی پورا پورا خیال رکھنا پڑے گا۔ اس لیے سائنس داں بڑی احتیاط سے اس مہم کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر ہی کوئی بڑا قدم اٹھائیں گے۔ مریخ پر جا کر ہی اس بات کا حتمی فیصلہ ہو سکے گا کہ وہاں پر زندگی (کسی بھی شکل میں) موجود ہے یا نہیں۔ ان شاء اللہ اس صدی کے ختم ہونے تک یا اگلی صدی کی ابتدا

میں انسان مریخ پر پہنچ جائے گا۔ کاش ہم مسلمان سائنسی ترقی میں سب سے آگے ہوتے تاکہ دوسری قوموں سے پہلے مریخ پر پہنچ سکتے۔

مریخ کو آسمان پر کیسے دیکھ سکتے ہیں؟

مریخ پر ہم ابھی جا تو نہیں سکتے، مگر ہم رات کے آسمان پر اُسے ضرور دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سرخ سیارہ سال کی اکثر راتوں کو مختلف اوقات میں آسمان پر نظر آتا ہے، چوں کہ مریخ اور زمین دونوں سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں اس لیے کبھی تو مریخ اور زمین ایک دوسرے کے کافی قریب ہوتے ہیں اور کبھی بہت دُور۔ تقریباً ہر دو سال کے بعد مریخ ہماری زمین کے قریب آجاتا ہے خوش قسمتی سے یہ پچھلے سال یعنی جولائی ۸۶ء کے مہینے میں زمین کے قریب آگیا تھا۔ یہ اُسے دیکھنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ مریخ گزشتہ سال (جولائی، اگست ۱۹۸۶ء) سورج غروب ہونے کے بعد ایک سرخ ستارے کی طرح مشرق میں دکھائی دیتا تھا، رات بھر آسمان پر چمکتا تھا اور صبح کے وقت مغرب میں ڈوب جاتا تھا۔

ہر پندرہ یا سترہ سالوں کے بعد سیارہ مریخ ہماری زمین سے قریب ترین مقام سے گزرتا ہے۔ اس وقت یہ ہم سے تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ کلو میٹر (یا ساڑھے تین کروڑ میل) دُور ہوتا ہے۔ اُن دنوں مریخ رات کے وقت آسمان پر بہت چمک دار سرخ رنگ کے ستارے جیسا نظر آتا ہے۔ اس وقت یہ اتنا روشن ہو جاتا ہے کہ تمام ستاروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور ایک تاریک رات میں صاف آسمان پر ایک چھوٹے سے لال انگارے کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی لیے پرانے زمانے کے لوگ اس سیارے کو آسمان پر خون کا ایک قطرہ کہتے تھے اور انھوں نے اس کا نام اپنے جنگ کے دیوتا کے نام پر (MARS) یعنی مریخ رکھا تھا۔) خوش قسمتی سے یہ موقع بھی اب چند ہی سالوں میں آنے والا ہے اور آپ اس اہم موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیے گا۔

پیامیوں کے لیے خوشخبری

اب ہر ماہ "بچوں کی کوششیں" کے صفحات میں مضمون نگار کا فوٹو بھی شائع ہوگا۔ اپنے مضمون کے ساتھ اپنا پاسپورٹ سائز فوٹو بھی بھیجیے۔

بچّہ اور چاند

وحیدہ نسیم

اے چاند آ زمیں پر
اے چاند آ زمیں پر

سُن لے یہ میرا کہنا — تاروں میں چھوڑ رہنا
مجھ کو نہیں ہے بھاتا — بادل میں تیرا چھُپنا
بادل ہٹا کے آ جا — کرنیں لُٹا کے آ جا
یہ سب مرے کھلونے — ہیں کتنے ننھّے مُنّے
یہ پیاری پیاری گڑیاں — کافور کی یہ چڑیاں
لکڑی کی ایک موٹر — بیٹھا ہے جس میں شوفر
آ جا میں تجھ کو دے دوں — یا ساتھ مِل کے کھیلوں
یہ کھیل سب ہمارے — تاروں سے بھی ہیں پیارے
یہ میرا ہے بچھونا — راتوں کو اس پہ سونا
یہ صاف صاف چادر — ہے بادلوں سے بڑھ کر

اے چاند آ زمیں پر
اے چاند آ زمیں پر
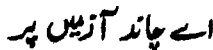
بشریٰ سجاد

روم اور نیرو

روم کا جابر و سنگدل بادشاہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا درباری سوچ رہے تھے کہ نہ جانے اب کونسی مصیبت آنے والی ہے؟ کیونکہ جب کبھی بادشاہ ایسی گہری سوچ میں گم ہوتا کوئی نہ کوئی ظلم کا کھیل تفریح کے لیے ضرور سوچتا تھا۔

اچانک محل میں بادشاہ کی آواز گونجی: "میں روم کو دوبارہ تعمیر کرواؤں گا"

"کیا!" درباری حیران ہو گئے۔ ایک درباری نے عرض کیا "جناب عالی! روم تو پہلے ہی خوب تعمیر شدہ ہے اس کی مزید تعمیر کیا معنی؟"

"مزید تعمیر نہیں" بادشاہ نے کہا "اس کو تباہ کر کے دوبارہ تعمیر کراؤں گا" بادشاہ نے زور سے جواب دیا۔

ایک درباری نے آہستہ سے کہا کہ لوگ کہاں جائیں گے۔ غرض کہ درباریوں نے ہزار ہا خدشات کا اظہار کر کے بادشاہ کو اس عمل سے روکنے کی کوشش کی، لیکن بادشاہ اپنی بات پہ قائم رہا اور درباریوں کو دھمکی دی کہ جو اس بات کی مخالفت کرے گا اس کا یہ فعل بغاوت سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنی خاص فوج کو حکم دیا کہ رات کے اندھیرے میں شہر کے مختلف حصوں

میں آگ لگادی جائے تاکہ مکمل طور پر شہر تباہ ہو جائے اِس طرح نئے سرے سے شہر کی تعمیر ہوگی اور مجھے ایک دل فریب تفریح دیکھنے کو بھی ملے گی۔

حکم کی تعمیل ہوئی لوگ آگ لگتے ہی جو اسی میں جان بچانے کے لیے گھروں سے نکل کر بھاگے، لیکن کوئی گھرانا اپنے کنبے کے مکمل افراد کے ساتھ محفوظ مقامات پر نہ پہنچ سکا کسی کا باپ کسی کی ماں کسی کی بہن کسی کا بھائی، ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور کئی لوگ آگ میں جُھلس گئے ادھر یہ قیامت خیز افراتفری کا منظر تھا دوسری طرف بادشاہ روم نے اپنے محل میں چاروں طرف تاریکی کا راج کر رکھا تھا اور محل کے سارے دروازے کھول دیے گئے تاکہ شہر کا منظر فلم کی روشن اسکرین کی طرح نظر آئے اور بادشاہ اس خوفناک سین کو بغیر کسی دِقّت کے دیکھ سکے۔ اس لُطف کو مزید بڑھانے کے لیے اُس نے محفلِ موسیقی کا بھی انتظام کیا تھا بادشاہ خود بھی بانسری بجا رہا تھا۔

آگ محل تک پہنچ گئی تو بادشاہ خفیہ راستے سے نکل گیا۔ پورا شہر جل کر خاکستر ہوگیا۔ ہزاروں انسان جیتے جی موت کے مُنہ میں چلے گئے۔

اُس ظالم حکمران کا نام نیرو تھا۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے: "روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا" یہ مقولہ اسی واقعے کی یاد دلاتا ہے روم کے جل جانے کے بعد شہر کی دوبارہ تعمیر کے لیے نیرو نے دولت کو پانی کی طرح بہانا شروع کیا، لیکن رعایا اب اِسی ظالم بادشاہ کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ نیرو کے خلاف بغاوت شروع ہوئی تو بغاوت کی خبر سُن کر نیرو رعایا کو سمجھانے یونان سے واپس روم آیا لیکن غصے سے بھرے ہوئے عوام نے اُس کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ نیرو بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے ملازم کے ساتھ اُس کے گاؤں چلا آیا، لیکن یہاں بھی باغیوں نے اُس کا گھیراؤ کر لیا۔ آخرکار وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن دوسروں کے جسموں کو اذیت دینے والے کھیلوں کے شوقین بادشاہ کے لیے خود کو موت کے گھاٹ اُتارنا مشکل ہو گیا، جب کہ اُس نے اپنی اذیت پسند فطرت کو تسکین دینے کے لیے "میکسم تھیٹر" کی بنیاد رکھی تھی جہاں صرف اذیت کے مناظر سے تسکین حاصل کرنے والے جذبے کی تکمیل کے لیے روزانہ کئی لوگوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔

جب نیرو خود پر خنجر اُٹھانے لگا تو اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ آخر اُس کے بے حد وفادار ملازم نے آگے بڑھ کر خود ہی خنجر اُس کی گردن میں گھونپ دیا۔

فخرالدّین رازی

فلسفے اور منطق سے حقائقِ دین کو ثابت کرنے والا

ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسین اسلام کے مشہور ترین علمائے دین و مفسرین میں سے ایک سربرآوردہ عالم تھے۔ وہ ۱۱۴۹ء کو "رے" میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۹ء میں انتقال کیا۔ ان کے والد ضیاء الدین ابو القاسم اپنے شہر کے خطیب تھے، اسی لیے بیٹے کا لقب ابن الخطیب ہوگیا۔

ادب اور دینیات کی تحصیل سے فراغت کے بعد فخر الدّین خوارزم چلے گئے جہاں وہ معتزلہ کے خلاف مناظروں میں مسلسل مشغول رہے، اہلِ مناظروں کے سبب انھیں ملک چھوڑنا پڑا۔

رازی جب ماوراءالنہر پہنچے تو وہاں بھی انھیں ایسی ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ "رے" واپس آکر انھوں نے شہاب الدین غوری سے تعلقات استوار کیے، جس نے ان پر اعزازات اور دولت کی بارش کر دی۔

۱۱۸۴ء میں جب وہ بخارا جانے کے ارادے سے ماوراءالنہر جاتے ہوئے کچھ عرصے کے لیے سرخس میں ٹھہرے تو وہاں کے ایک طبیب نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے پاس ٹھہرالیا۔ اظہارِ تشکر کے طور پر انھوں نے بو علی سینا کی 'کلیات' کی شرح لکھی لیکن بخارا میں انھیں حسبِ توقع سرپرستی نہ ملی تو وہ ہرات چلے گئے جہاں غزنہ کے غوری سلطان غیاث الدین نے انھیں شاہی محل ہی میں عوام کے

بلکہ لندن کے ایک ماہر فن کار نے دنیا کی سب سے چھوٹی کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی لمبائی اور چوڑائی نصف ملی میٹر ہے۔ اس کتاب کے صفحات اُلٹنے کے لیے بال کی طرح باریک نوک استعمال کی جاتی ہے اور خورد بین سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کی باقاعدہ جلد بندی بھی کی گئی ہے۔

لیے ایک مدرسہ کھولنے کی اجازت دے دی۔

بعد ازاں سمرقند، ہندوستان اور دیگر مقامات کی سیاحت کے بعد رازی ہرات میں اقامت گزیں ہو گئے اور عمر کا بڑا حصہ یہیں گزارا۔ ہرات میں وہ شیخ الاسلام کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اس زمانے میں اُن کی شان و شوکت عروج پر تھی، چنانچہ تین سو سے زائد شاگرد ان کی زیرِ تربیت تھے۔

اُن کی ذکاوت، ذہانت، ان کے زبردست حافظے، ضابطہ پسند ذہن اور قابلِ رشک عقل و فکر نے انھیں ایک ایسا معلم بنا دیا تھا جسے سارے وسطِ ایشیا میں شہرت حاصل ہوئی۔ رازی بہترین خطیب تھے، حد درجہ متقی اور دین کے ماننے والے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی وصیت میں بھی لکھا: "میں نے علم کلام کے تمام طریقوں اور فلسفے کی تمام راہوں کو آزمایا، لیکن انھیں اطمینان بخش نہ پایا، نہ مجھے ان سے سکونِ قلب حاصل ہوا جبکہ یہ دولت مجھے تلاوتِ قرآن میں ملی۔"

رازی نے فارابی کا غائر مطالعہ کیا تھا اور ابنِ سینا کی "اشارات" کی شرحیں بھی لکھی تھیں۔ فلسفے کے گہرے علم نے انھیں اس قابل بنا دیا تھا کہ مسائلِ فلسفہ اور مسائلِ دین میں مطابقت کر سکیں، لیکن ایسا کرتے وقت انھوں نے اپنی آزادیٔ رائے کو قائم رکھا۔ چنانچہ بعض مقامات پر وہ ہمیں ابنِ سینا کی سخت مخالفت بھی کرتے نظر آتے ہیں۔

رازی نے مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کے دفاع میں غیر معمولی انہماک دکھایا، جس کی وجہ سے ان کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔ معتزلہ کے علاوہ انھیں کرامیہ سے بھی واسطہ پڑتا تھا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رازی ایک بہت بڑے فلسفی اور علم الکلام کے عالمِ بے بدل تھے۔ بعد میں آنے والے علماء، جن میں خصوصیت سے امام ابنِ تیمیہ شامل ہیں، اُن سے متاثر ہوئے۔

رازی کی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جن کا زیادہ تر تعلق علم کلام، فلسفہ، فقہ اور تفسیر سے ہے۔

خالدہ حبیبی

ہوم ورک

واقعہ کچھ یوں ہے کہ میری بڑی بہن میں شاید بندر والی رگ پائی جاتی ہے یعنی اُن کو درختوں پر چڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ کوئی درخت ایسا نہ تھا جو اُن سے بچ گیا ہو۔ آج سے تقریباً دو سال قبل گرمیوں کی چھٹیوں میں میری بہن اور ہماری دو تین دوستوں نے مل کر ٹائم ٹیبل تیار کیا اور ساتھ ہی طے کیا کہ ہوم ورک مل کر کرنا ہے۔

دوسرا دن تھا ہم سب اپنے بیگ اُٹھائے ہوئے تھے۔ میری بہن کی رگِ شرارت پھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے مشورہ دیا کہ ہوم ورک کسی اونچی جگہ اور ٹھنڈی جگہ بیٹھ کر کیا جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ درخت پر بیٹھ کر ہوم ورک کریں گے۔

ہمارا مختصر سا قافلہ درختوں کا سروے کرنے لگا کہ کس درخت پر ہم سب مناسب طریقے سے بیٹھ

سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اور میری دوست
نے ایک درخت پسند کیا۔ تب اللّٰہ کا نام لے کر سب
سے پہلے ہماری بہن صاحبہ نے ہمارے بیگ لے
جانے شروع کیے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے ہم نے
اُوپر چڑھنا شروع کیا۔ ہماری بہن تو چوٹی پر پہنچ گئیں
کیونکہ وہ اس معاملے میں کافی مہارت رکھتی تھیں۔ اُن کے
بعد اُن کی دوست تھیں اور درمیان میں میں تھی۔
ہم نے اپنے بیگ کھولے، کاپیاں، پین
نکال کر کام کرنے کے لیے تیار ہوئے ہی تھے کہ اچانک
میری دوست کا بیگ دھڑام سے نیچے گرا۔ ہم سب
گھبرا گئیں، لیکن ہم سب نے سکون کا سانس لیا کہ ہماری
دوست درخت پر ہی ہے، صرف بیگ نیچے گرا ہے۔
ہم نے اُسے کتاب دی کہ تم یہ پڑھو اور پھر سے کام کی
طرف متوجہ ہوئے۔ ابھی دو تین لفظ ہی لکھ پائے تھے کہ
اُوپر والی شاخ پر بیٹھی دوست نے ٹانگ کو ہلایا اور خیر
سے میرا بیگ بڑے خوب صورت انداز میں ہوا میں
قلابازیاں کھاتا ہوا دوسرے بیگ کے برابر لیٹ گیا۔
اس طرح ہم بھی نہتے ہو گئے۔ اس کے بعد ہم سب کی
کاپیاں، پنسلیں بڑے اچھے انداز میں قلابازیاں کھاتی
ہوئی زمین پر لیٹتے گئیں، لیکن ہماری بہن صاحبہ بڑے
اطمینان سے چوٹی پر بیٹھی مطالعے میں مصروف تھیں۔
وہ ہم سب سے زیادہ عقل مند تھیں کہ اُنھوں نے اپنے
بیگ کو موٹے سے شاخ کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور
ناول پڑھنے میں مگن تھیں۔

ہم سب کو بڑا غصہ آیا ان کی اس حرکت پر۔ ہم نے
کہا: "آپ نے ہمیں مشورہ دیا تھا، درختوں پر ہوم ورک
کرنے کا، اب ہمارے بیگ نیچے گر گئے ہیں، ہم کیا کریں
ہمیں بھی کہانیاں دو، ورنہ ہم سب کچھ امی کو بتائیں گے۔"
کافی احتجاج کے بعد اُنھوں نے ہمیں ایک ایک
کہانی عنایت کی اور ساتھ ہی تاکید کی کہ خاموشی سے
پڑھنا اور ہم سب نے خاموشی سے پڑھنا شروع کیا۔
تھوڑی دیر بعد ہمیں ایک گرج دار آواز آئی، یہ آواز ہمارے
ابا حضور کی تھی۔
"باپ رے باپ مارے گئے۔" ہماری بہن آہستہ
سے بولیں۔ ان کا بیگ خطرے کے نشان کی طرح لٹک
رہا تھا۔ اُس کو دیکھ کر ابا جان نے اُدھر کا رُخ کیا تھا۔
اُنھوں نے ہمیں فوری طور پر اُترنے کا حکم دیا تھا۔
ہم کانپتے کانپتے نیچے اُترے تو ابا حضور نے کہا:
"تمھارے پڑھنے کے لیے کیا صرف درخت رہ گئے تھے
اور وہ بھی کہانیاں پڑھنے کے لیے، باقی بیگ تو نیچے ہیں
اور کہانیوں والا بیگ باندھ رکھا ہے؟"
پھر جو ہمیں شامت نے گھیرا ہے نہ پوچھیے تو بہتر
ہے۔ چونکہ ہم سب میں چھوٹے ہیں اس لیے ہمارے
شامت کچھ زیادہ ہی ہم پر مہربان رہی۔

ذہانت

مہروز اقبال

کندھے پر بستہ لٹکائے اظہر گنگناتا ہوا جیسے ہی گلی میں داخل ہوا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ گھر کا بند دروازہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ہر روز اس کی امی دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کرتی تھیں۔ یہ آج ضرور امی کی طبیعت خراب ہے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور بڑی بے رحمی سے بے قصور دروازے کو پیٹ کر اپنا غصہ اتارنے لگا۔ اچانک ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا اور ایک مضبوط ہاتھ نے اسے ڈرائنگ روم میں گھسیٹ کر اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔

گھر میں اس نے جو بھیانک منظر دیکھا اس سے تو اظہر کے ہوش ہی اڑ گئے۔ ہال کے فرش پر اس کی امی بے ہوش پڑی تھیں۔ سر سے خون رس رس کر سیاہ بالوں کو سرخ کر رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس کے قریب ایک ہٹا کٹا آدمی ہاتھ میں ریوالور دبائے اور چہرے پر کالی نقاب چڑھائے کھڑا تھا۔ اسی دیوہیکل شخص نے اظہر کو اندر گھسیٹ کر دروازہ بند کیا تھا۔

ایک مرتبہ ماسٹر صاحب نے کلاس میں لڑکوں سے پوچھا "کون کون جنت میں جانا چاہتا ہے" سب لڑکوں نے ہاتھ اٹھا دیا لیکن ایک لڑکا اسی طرح بیٹھا رہا۔ ماسٹر صاحب نے پوچھا، کیوں تم جنت میں جانا نہیں چاہتے۔ لڑکے نے جواب دیا۔ نہیں، اماں نے کہا ہے کہ اسکول سے سیدھے گھر آنا۔

مجاہد حسین (کانپور)

باپ بیٹے سے :۔ بیٹا تم جغرافیہ یاد نہیں کر رہے ہو۔
بیٹا :۔ ابا جان میں نے جغرافیہ یاد کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ دادا کہتے ہیں کہ عنقریب دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔

جمال اشرف چھتری والا، یمنی نگر

اظہر کے کچھ ہوش ٹھکانے آئے تو اس نے موٹے آدمی سے کہا۔ "تم کون ہو اور تم نے میری امی کا یہ حال کیوں کیا؟"

"اپنی چونچ قابو میں رکھ بے وقوف لڑکے ورنہ تیرا حشر تیری ماں سے بھی بھیانک ہوگا! پولیس میری تلاش میں ہے بس اس وقت تک یہاں ٹھہروں گا جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا۔"

"پولیس ابھی اس علاقے میں نہیں آئی آپ کسی محفوظ مقام پر کیوں نہیں چلے جاتے!"

"اپنا اچھا برا میں خوب سمجھتا ہوں بے وقوف لڑکے۔ مجھے مشورہ دینے کی کوشش مت کر! اگر تو اپنی ماں کی خیریت چاہتا ہے تو وہی کر جو میں کہوں۔"

اظہر بھیگی بلی بنا خاموش ہوگیا البتہ اس کا ذہن اس درندے سے نجات پانے کے لیے راکٹ کی سی تیزی سے کام کرنے لگا۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کیا جائے کہ نقاب پوش ہلکی آواز میں دھاڑا "یہ باورچی خانہ کہاں ہے"

اظہر خود کار ٹرالی کی طرح باورچی خانے کی طرف چل دیا اور نقاب پوش پیچھے۔ اس نے اظہر کو تو باورچی خانے کے باہر ہی روک دیا اور خود بھوکے بلے کی طرح مٹر پلاؤ اور شامی کباب چٹ کرنے لگا جو اظہر کی امی نے اپنے لیے اور اظہر کے لیے بنائے تھے۔

بظاہر اظہر کو نقاب پوش سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ ابا جلدی سے گھر آجائیں، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ مغرب سے پہلے ہرگز نہیں آسکتے۔ بے بسی کے عالم میں وہ کبھی دور ہال کی طرف دیکھتا اور کبھی اس موٹے بھالو پر ایک نظر ڈال لیتا جو بڑے مزے سے اس کا کھانا ہڑپ کر رہا تھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ اظہر کو لوجیسے خزانہ ہی ہاتھ آگیا۔ فون پر جو بھی ہوگا وہ اس سے کہہ دے گا کہ پولیس کو فوراً یہاں بھیج دے۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ریسیور اٹھاتا نقاب پوش دھم دھم کرتا اس کے پیچھے لپکا۔ اظہر کو زور دار دھکا لگا۔ وہ گیند کی طرح لڑھکتا ہوا ایک کونے میں جاگرا۔ پھر اسے

اٹھا کر اپنی بھونڈی آواز میں بولا۔ "رانگ نمبر"
اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کے بعد جیب
سے ایک تیز چاقو نکال کر ٹیلی فون کا تار کاٹ
دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سہمے ہوئے
اظہر کی طرف بڑھا اور اس کے گال پر دو
کرارے چانٹے مار کر اس کا منہ سیب کی
طرح سرخ کر دیا۔ "زیادہ چالاک بننے کی کوشش
مت کر بے وقوف لڑکے۔ تیری ذرا سی
غلطی سے تو اپنی اور اپنی ماں کی جان سے
ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ چل اب اٹھ کھڑا ہو۔" اس
نے اظہر کو ایک اور ٹھوکر ماری اور باورچی خانے
میں جا کر بچا ہوا کھانا اڑانے لگا اور اظہر کو
دروازے پر کھڑا رہنے کا حکم دیا۔

نقاب پوش کی مار سے اظہر کا جسم پھوڑے
کی طرح دکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے ذہن
میں بجلی کی طرح ایک خیال کوندا۔ وہ چونکہ دہلیز
پر کھڑا تھا جب کہ نقاب پوش دو میٹر کے فاصلے
پر تھا۔ اگر وہ اچانک دروازہ بند کر دے تو
نقاب پوش باورچی خانے میں قید ہو جائے
۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نقاب پوش اظہر
کا ذہن پڑھ رہا ہے۔ اظہر کی طرف ریوالور لہراتے
ہوئے وہ غرایا۔ "اگر ذرا بھی ہلنے کی کوشش
کی تو گولی تیرے بھیجے میں اتار دوں گا۔"
اظہر [illegible] اپنی جگہ کھڑا رہا۔

جب نقاب پوش سارا کھانا چٹ کر چکا تو
اچانک محلہ پولیس کی سیٹیوں سے گونج اٹھا۔ اظہر
کو پھر ایک امید کی کرن نظر آئی۔ "میری بات
غور سے سن لڑکے۔" نقاب پوش کے لہجے
میں نرمی آگئی۔ "اگر پولیس یہاں آئے تو ہال کے
دروازے کو تالا ڈال دینا اور پولیس کو بتانا کہ گھر
میں تم تنہا ہو اور ہال کی چابی تمہارے پاس
نہیں ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ جب
تم پولیس سے بات کرو تو تمہارا منہ ہال
کی طرف ہونا چاہیے۔ تاکہ میں تمہارے چہرے
کو دروازے کی درز سے دیکھ سکوں کہ تم پولیس
کو کوئی اشارہ تو نہیں کر رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم
نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا تو میں تمہاری
ماں کو ہلاک کر دوں گا۔"

ابھی اس کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے
کہ کسی نے بیرونی دروازہ دھڑ دھڑ پیٹنا شروع
کر دیا۔ اظہر نے نقاب پوش کی ہدایات کے
مطابق ہال کے دروازے میں آہستہ سے تالا ڈال
دیا اور بیرونی دروازہ کھول دیا۔ وہ واقعی پولیس
والے تھے۔ ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اظہر
خود ہال کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ "ہم مکان
کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" ایک پولیس انسپکٹر نے
کہا۔ "یہاں ایک خطرناک مفرور مجرم کی
تلاش ہے۔"

"لیکن جناب!" اظہر نے کہنا شروع کیا۔ "گھر میں میں اکیلا ہوں اور مکان کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے ابّو اور امّی کو مجھ پر بالکل بھروسا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں بہت شریر ہوں، اکیلے میں گھر کی چیزیں توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا اس لیے وہ مجھے گھر میں تنہا نہیں چھوڑتے۔ آج انھیں نہایت ہی ضروری کام سے جانا پڑ گیا اس لیے مجھے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

گفتگو کے دوران اظہر نے ایک لمحے کے لیے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا اور پھر نظریں اوپر کر لیں اس نے پاؤں کے انگوٹھے کو اس طرح جنبش دی جیسے لکھ رہا ہو "مجرم یہاں چھپا ہے!"

پولیس انسپکٹر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اظہر کو بتایا کہ اس نے مطلب سمجھ لیا ہے اور مکان کو گھیرے میں لے لیا جائے گا، پھر بولا "اچھا اب ہم چلتے ہیں رات کو آ کر تمھارے ابّا سے تمھاری سفارش کریں گے کہ تم بالکل شریر نہیں ہو۔"

پولیس کے جانے کے بعد اظہر نے بیرونی دروازہ بند کر کے ہال کا تالا کھول دیا۔

"شاباش لڑکے تم نے بڑی سمجھ داری کا ثبوت دیا۔" نقاب پوش نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ اظہر ہال کے دروازے پر کھڑا تھا۔ نقاب پوش بیرونی دروازے کی درز سے جھانک کر پولیس کو دیکھنے لگا۔ اظہر نے بجلی کی سی تیزی سے ہال کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ نقاب پوش نے پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اظہر کھڑکی کی طرف بھاگا اور گلی میں کھڑے ہوئے ایک سپاہی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ جلد ہی پولیس نے بیرونی دروازہ توڑ کر نقاب پوش کو گرفتار کر لیا۔ پولیس نے فوراً ڈاکٹر کو بلوایا جس نے اظہر کی امّی کو دیکھا اور دوا وغیرہ دی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی امّی کو ہوش آ گیا۔ جب پولیس انسپکٹر نے اظہر کی امّی کو ان کے بچّے کی ہوشیاری بتاتے ہوئے اظہر کی تعریف کی تو اظہر کی امّی نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا "ہاں میرا بچّہ بہت ذہین اور عقل مند ہے مجھے اس پر فخر ہے۔ اس کے ابّو کہتے ہیں یہ بڑا ہو کر ضرور ایسے کارنامے انجام دے گا، جس سے ملک و قوم کا سر بلند ہوگا۔"
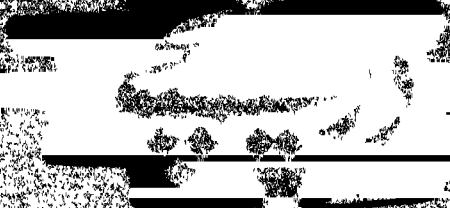
انگلی سے پانی کے چند قطرے ٹپکے۔ ان قطروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تان سین نے جواب دیا کہ "مہابلی! اتنی!" یعنی سنگیت کا علم تو سمندر کے پانی جتنا زیادہ ہے اور میں تو اس علم سے برائے نام ہی واقف ہوں!" اکبر تان سین کے انکسار پر بے حد خوش ہوا اور تان سین کو سمراٹ سنگیت کے خطاب سے نوازا۔ کارلائل نے کہا تھا کہ "اگر ہم اپنے آپ کو کمتر ثابت کرتے ہیں تو خود کو برا محسوس ہوتا ہے اور اگر اپنی تعریف بیان کرتے ہیں تو دنیا کو برا لگتا ہے مگر بہتر یہی ہے کہ انسان دوسروں کے جذبات کا احترام کرے!" حدیث بھی یہی ہے کہ: "محفل میں وہاں بیٹھو جہاں سے اٹھائے جانے کا امکان نہ ہو!" یعنی کسی مجلس میں سب سے آگے بڑھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنا اچھا نہیں۔ میر انیسؔ نے کیا اچھا شعر کہا ہے ؎

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

وضع داری!

ایک بار پنڈت نہرو قدرے علیل ہوئے۔ ڈاکٹروں کی ہدایت تھی کہ پنڈت جی چند دن قطعی آرام کریں۔ ان ہی دنوں خواجہ احمد عباس اپنے کسی کام سے بمبئی سے دہلی گئے۔ انھوں نے پنڈت جی کی عیادت کے لیے پنڈت جی کے سکریٹری سے ملاقات کا وقت لیا۔ خواجہ صاحب پنڈت نہرو کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو پنڈت جی باہر ہی ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھے۔ خواجہ صاحب کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر پنڈت جی کھڑے ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے فوراً بڑھ کر پنڈت جی کو ان کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ارے ارے آپ کھڑے نہ ہوں، ڈاکٹروں نے آپ کو آرام کے لیے کہا ہے۔" "ڈاکٹروں کے کہنے سے کیا میں اپنے آداب بھلا دوں گا!" یہ پنڈت جی کا جواب تھا۔ ہائے! ایسے وضع دار بزرگ آج کہاں ہیں!

میر انیس
ایک مقبول شاعر

میر انیس (۱۸۰۲ء - ۱۸۷۴ء)

اردو زبان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس کے ذریعہ ہر مطلب اور مضمون ادا کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہو یا نبی کریمؐ کی نعت، زمانے کے حالات ہوں یا جنگی واقعات کا بیان اردو زبان ہر قسم کے موضوع کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی۔ اردو شاعری کی ایک اہم قسم مرثیہ بھی ہے مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کا تذکرہ ہوتا ہے عام طور پر مرثیے کے ذریعہ شاعر حضرت امام حسینؓ کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے اردو شاعری میں مرثیہ کی صورت میں بھی بہت بڑا ادبی ذخیرہ موجود ہے یوں تو بہت سے شاعروں نے مرثیہ کی صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر کیا ہے لیکن اس میدان میں دو شاعروں نے خاص طور پر نام پیدا کیا ان میں سے ایک میر ببر علی انیس اور دوسرے مرزا سلامت علی دبیر ہیں ان دونوں شاعروں کا زمانہ ایک ہی ہے۔

میر ببر علی انیس ایک بڑے علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۱۲۱۶ھ میں فیض آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام میر خلیق تھا جو اپنے زمانے کے نامور شاعر تھے اور امام حسینؓ کی شان میں کثرت سے نظمیں لکھا کرتے تھے میر خلیق مشہور شاعر میر حسن کے بیٹے تھے۔

میر انیس کے تمام آبا و اجداد سیدنا امام حسینؓ کی یاد میں مرثیے لکھنے کے سلسلہ میں خاص شہرت حاصل کر چکے تھے۔ جب میر انیس کی باری آئی تو وہ اپنی شاعرانہ خوبیوں کی بدولت اپنے تمام بزرگوں سے بازی لے گئے ان کو امام حسینؓ کی شان بیان کرنے پر بڑا ناز تھا اس لیے کہتے ہیں۔

عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

میر انیس شروع میں مرثیہ نہیں کہتے

تھے ایک دن ان کے والد میر خلیق نے
ان کے عمدہ شعر سنے تو کہنے لگے کہ تم نے
دنیا کو خوش کرنے کے لیے بہت شاعری
کرلی ہے اب ایسی شاعری کرو جس سے
دین اور دنیا دونوں سنور جائیں میر انیس
نے اسی دن سے عہد کرلیا کہ میں امام حسینؓ
کی شان بیان کرتے ہی زندگی گزاردوں
گا میر انیس نے اپنا عہد پورا کرکے دکھایا
اور تمام زندگی امام حسینؓ اور حضور محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک گھرانے
کے بزرگوں کی شان بیان کرتے زندگی
بسر کردی انھوں نے اس میدان میں اتنی
عمدہ شاعری پیش کی کہ زمانہ مدتوں ان
کی عظمت کو سلام کرتا رہے گا۔

جس طرح میر انیس کا کلام لاجواب
تھا اسی طرح اُن کا پڑھنا بھی بے مثال تھا
اُن کی صورت نہایت پاکیزہ تھی قد و قامت
متاثر کرنے والا تھا اور پھر آواز میں ایسی
تاثیر تھی کہ جو اُن کا کلام مشاعرے میں
سنتا ہمیشہ کے لیے ان کے گن گانے لگتا
جس روز میر انیس کو مرثیہ سنانا ہوتا تھا
اس روز ہزاروں انسانوں کا ہجوم ہوتا
سب سانس روک کر اُن کی شاعری سنتے
اور دل کھول کر ان کی تعریف کرتے میر انیس
لفظوں کے استعمال کا بہت اچھا سلیقہ
رکھتے تھے ان کے شعر پڑھیں تو یوں محسوس
ہوتا ہے کہ جیسے فنکار نے قیمتی ہیرے جڑ
دیئے ہوں نمونہ کے طور پر ایک بند پیش
خدمت ہے۔

آئے حسینؓ یوں کہ عقاب آئے جس طرح
کافر پہ کبریا کا عقاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح

...... جب میر انیس کی شہرت پھیلی
تو ہندستان کے مختلف شہروں سے تقاضے
ہونے لگے کہ انیس وہاں آکر اپنا کلام
سنائیں لیکن میر انیس لکھنؤ چھوڑ کر اور
کہیں جانے کو تیار نہ ہوئے لکھنؤ کے
عوام اور امرا نے آپ کو بڑی عظمت
اور وقار سے نوازا تھا اور اتنا کچھ دیا تھا
کہ آپ کے خاندان کی گزر اوقات بڑی
شان و شوکت سے ہونے لگی تھی مقبولیت
کا یہ حال تھا کہ شہر میں جس طرف نکل جاتے
ان سے ملاقات کرنے کی خواہش رکھنے
والوں کا ہجوم جمع ہوجاتا اس لیے آپ کو
گوارا نہیں تھا کہ اس محبت اور خلوص کے
شہر چھوڑ کر کہیں اور جائیں آپ نے اپنا
عہد اس وقت تک نبھایا جب تک انگریزوں
نے لکھنؤ کی سلطنت پر قبضہ نہ کرلیا۔
انگریزوں کے قبضہ کرتے ہی صورتِ حال

بدل گئی وہ محفلیں اُجڑ گئیں جن میں شعرو
ادب کے تذکرے ہوتے تھے نوابوں کے
وہ دربار ویران ہو گئے جہاں اہلِ علم کو
انعامات سے نوازا جاتا تھا قدر دانی
کی شمع بجھنے لگی تو علم و حکمت کے پروانے
بھی اس علاقے کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

میر انیس لکھنؤ سے نکلے تو پہلے
عظیم آباد اور پھر حیدر آباد دکن کا رخ کیا
حیدر آباد دکن کے عوام اور رئیس آپ
سے بہت عقیدت رکھتے تھے آپ جب
حیدر آباد پہنچے تو ان لوگوں کو یوں محسوس
ہوا جیسے منہ مانگی مراد مل گئی ہو اس شہر
میں آپ کی بہت زیادہ قدر ہوئی اور
آپ کو ماننا پڑا کہ یہ شہر محبت کرنے میں
لکھنؤ سے بھی بازی لے گیا ہے آپ کا جتنا
عرصہ حیدر آباد میں قیام رہا روزانہ پچھلے پہر
یا رات کو کوئی نہ کوئی بڑی مجلس سجائی جاتی
شاہی حکم کے مطابق آپ کے کلام سنانے کا عام
اعلان کیا جاتا آپ کا کلام سننے کے لیے کسی
بہت بڑی جگہ کا انتخاب کیا جاتا اور شہر
کے پڑھے لکھے اصحاب کو سننے کی دعوت
دی جاتی مگر مجمع اس قدر زیادہ ہوتا کہ
دور دور تک سننے والے دکھائی دیتے
جگہ نہ ملتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور فخر کرتے کہ
ہم نے میر انیس کو دیکھا اور ان کی زبان سے
ان کا کلام سنا ہے ایسے ہی ایک موقع پر
آپ نے امام حسینؑ کی تلوار کی تعریف کرتے
ہوئے اپنی طویل نظم میں سے یہ اشعار سنائے
تو عوام تڑپ اٹھے۔

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے
کھینچتے ہی چار ٹکڑے دو بارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آپ کا کلام سنانے کا انداز اس قدر
دلکش اور توجہ کے قابل تھا کہ پھر کوئی ایسا
رنگ نہ جما سکا آپ مجمع میں اپنا کلام سنانے
سے پہلے تنہائی میں مشق کیا کرتے تھے
ایک بڑا سا آئینہ سامنے رکھ کر بیٹھ جاتے
اور اپنے لبوں کے ہلنے اور ہاتھوں کے
حرکت کرنے کا جائزہ لیتے کہ کون سا انداز
پُر تاثیر ہو سکتا ہے لباس بہت عمدہ ہوتا
آواز میں بڑی چاشنی تھی یہی وجہ تھی کہ جب
اس قدر تیاری کے بعد مجلس میں آکر اپنے
پُر اثر اشعار سناتے تو یوں نظر آتا جیسے
آپ نے سننے والوں پر جادو کر دیا ہو
بعض اوقات آپ کا انداز اور لہجہ اتنے
پُر اثر ہو جاتے کہ لوگ سانس روک لیتے
اور بے تابی سے منتظر رہتے کہ آپ آگے کیا

(باقی صفحہ ۷۱ پر)

مناظر عاشق ہرگانوی

جان بچی بھئی جان بچی

ایک احاطے میں بہت سی مرغیاں اور ان کے بچے رہتے تھے۔

ایک دن ان مرغیوں کا مالک ایک ولایتی مرغ لے آیا۔ وہ بھی انھیں کے ساتھ رہنے لگا۔

مرغ کافی بڑا اور خوبصورت تھا۔ سبھی مرغیاں اور ان کے بچے اس کی عزّت کرتے تھے۔

لیکن مرغ بے حد مغرور تھا۔ وہ کسی سے بھی باتیں کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ دن بھر پروں کو ہوا میں اڑاتے ہوئے وہ مٹر گشتی کیا کرتا تھا۔

ایک دن اس نے سوچا، ان معمولی مرغیوں اور ان کے بچوں کے ساتھ رہنے سے اس کی شان کم ہوتی ہے۔ کوئی اچھی جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ مجھ جیسے شان دار مرغ کے لیے شان دار ساتھیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مرغ کے ذہن میں جب یہ بات بیٹھ گئی تو ایک رات جب چاندنی چھٹکی ہوئی تھی وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

مرغ کو راستے میں ایک گائے ملی۔ گائے نے پوچھا اتنی رات گئے کدھر جانا ہو رہا ہے؟"

"اچھے ساتھی کی تلاش میں" مرغ نے کہا۔

"مجھ سے کام چلے گا؟" گائے نے پوچھا۔

"نہیں! میں اپنے جیسا شان دار اور حسین ساتھی ڈھونڈ رہا ہوں" مرغ نے جواب دیا۔

"خوب صورت کام اور اچھے برتاؤ سے ہی کوئی شان دار اور حسین مانا جاتا ہے۔" گائے بولی

لیکن مرغ کو گائے کی نصیحت اچھی نہیں لگی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی سمجھ سے یہ نصیحت

مارواڑی کالج، بھاگلپور (بہار)

اونچی تھی اسی لیے پتے نہیں پڑی۔

مرغ آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور چلنے پر ایک بکری ملی۔ اس نے بھی وہی سوال کیا۔ "اتنی رات گئے، کدھر جانا ہو رہا ہے؟"

مرغ بولا "کسی اچھی جگہ کی تلاش میں۔"

بکری بولی "پورب ہو یا پچھم، سب سے اچھا اپنا گھر ہوتا ہے۔"

لیکن بکری کی بات بھی مرغ کو اچھی نہیں لگی۔ وہ جنگل کی طرف چل پڑا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک لومڑی ملی۔ مرغ کو لومڑی کافی حسین لگی۔ چند لمحے کی بات چیت میں ہی وہ لومڑی سے متاثر نظر آنے لگا۔

لومڑی اپنی چکنی چپڑی باتوں کا جال پھینک کر مرغ کو اسیر کر چکی تو اسے اپنے گھر لے آئی۔

گھر پہنچ کر لومڑی اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔

مرغ کی توجہ ادھر ہی تھی۔ اس نے سنا، لومڑی اپنی ماں سے سرگوشی میں کہہ رہی تھی "آج کے کھانے کے لیے یہ مرغ کیسا رہے گا؟"

لومڑی کی بات سن کر مرغ کے ہوش اڑ گئے۔

وہ بے تحاشا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

راستے میں بکری اور گائے نے اس سے پوچھنا چاہا کہ کیوں بھئی۔ اتنے خوف زدہ ہو کر کیوں بھاگے جا رہے ہو۔

مگر اسے تو اپنے احاطے میں مرغیوں اور بچوں کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی۔ وہ آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔ "جان بچی بھئی جان بچی — اپنا گھر ہی سب سے اچھا — اچھا کام اور اچھا برتاؤ سب سے حسین۔"! ● ●

(بقیہ صفحہ ۶۹ کا)

کہنے والے ہیں میر انیس نے شاعری کی مختلف اقسام میں اپنی خوبیوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ ایک شعر پیش خدمت ہے۔

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو ●

فارسی۔ عباس یمینی شریف
اردو ترجمہ۔ افتخار اعظمی

میں یارِ مہرباں ہوں
دانا و خوش بیاں ہوں
کرتی ہوں بات بچّو
دیکھو تو بے زباں ہوں
میں سر بسر محبت
خدمت کی داستاں ہوں
رہتی ہوں میں زمیں پر
رفعت میں آسماں ہوں
مجھ سے نہ دور بھاگو
بچّو! میں بے زیاں ہوں
یوں تو کتاب ہوں میں
سمجھو تو امتحاں ہوں
غافل نہ مجھ سے ہونا
میں یارِ مہرباں ہوں

لوہار چال مرول ناکا۔ بمبئی

کوثر انصاری

وقت

بچّو! وقت کی قیمت جانو
جو پل بھی ہے غنیمت جانو
اس کو اپنی دولت جانو
بیش بہا اک نعمت جانو
ہاتھ آئے جب، جتنا، جو کچھ
بچّو! وہ بھی عنایت جانو
ساتھ چلو اب اس کے تم بھی
حرکت میں ہے برکت جانو
اس پر جس نے قابو پایا
مل گئی ایک حکومت جانو
قبضۂ قدرت دیکھو، سمجھو
بس میں ہے ساری خلقت جانو
کوثر اس کی عنایت تم پر!
جاگ اٹھی ہے قسمت جانو

E/29۔ سہراب، کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی۔
سات بنگلہ۔ اندھیری (ویسٹ) بمبئی ۵۸

رئیس الدین رئیس

لوری

سو جا منی سو جا
سپنوں میں تو کھو جا
آجا سناؤں تجھ کو کہانی
ایک ننھا راجا ایک تھی رانی
ایک گڑیا تھی اُن کی سیانی
چندا جیسی تھی پیشانی
سو جا منی سو جا

باتیں کرتی بھولی بھالی
عادت بھی دنیا سے نرالی
جیسے اِک پھولوں کی ڈالی
سو جا منی سو جا

جیسے میری گڑیا تو ہے
تجھ میں پھولوں کی خوشبو ہے
پریوں جیسی تجھ میں خو ہے
آنکھوں میں تیرے جگنو ہے
سو جا منی سو جا

جگنے کو تو عمر پڑی ہے
دن لمبا ہے رات بڑی ہے
سو جا منی سو جا
سپنوں میں تو کھو جا

مصائب نازل ہوں گے جب؟

۱۔ سرکاری مال کو ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
۲۔ لوگ مساجد میں جاکر شور کرنے لگیں۔
۳۔ نشہ آور اشیاء کھلے عام استعمال ہونے لگیں۔
۴۔ امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جانے لگے۔
۵۔ شوہر بیوی کا مطیع اور والدین کا نافرمان بن جائے۔
۶۔ آدمی اپنے دوستوں سے بھلائی کرے اور والدین کے ساتھ ظلم کرے۔
۷۔ زکات مسلمانوں کو جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
۸۔ قوم کا گھٹیا ترین شخص اس کا لیڈر بن جائے۔

درود شریف کی فضیلت

۱۔ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔
۲۔ گناہوں سے مغفرت ہوتی ہے۔
۳۔ اعمال پاک ہو جاتے ہیں۔
۴۔ درجات بلند ہوتے ہیں۔
۵۔ خدا کے یہاں توسّل حاصل ہوتا ہے۔
۶۔ پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے کا اجر ملتا ہے۔

حافظ ظفر احمد صدیقی لکھنوی
جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (یوپی)

ارشد کے گھر میں تین روز قبل ہی فون لگا تھا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ مسرت کا وہ عالم تھا کہ بار بار محبت بھری نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی پیار سے ہاتھ پھیرتا اور کبھی ریسور اٹھاکر خواہ مخواہ کان سے لگاکر خوش ہوتا۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہ کچھ دوستوں کے فون نمبر اس کی ڈائری میں تحریر ہیں۔ کچھ سوچ کر وہ بجلی کی سی پھرتی سے اٹھا اور ڈائری لے آیا۔ اوراق پلٹ کر نمبر دیکھے۔ اسے اپنے جگری دوست سلیم کا فون نمبر مل گیا۔

سلیم کو فلمیں دیکھنے کا بے انتہا شوق تھا۔ فلم دیکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اپنا جیب خرچ وہ فلموں پر ہی ضائع کر دیتا۔ قیمتی وقت برباد کرتا سو الگ۔ گھر پر سو سو بہانے بناتا اور فلمیں دیکھتا۔ ارشد نے سوچا کیوں نہ سلیم کو بے وقوف بنایا جائے مسکراتے ہوئے اس نے جلدی جلدی نمبر ڈائل کیے اور ریسور کان سے لگاکر انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد دوسری طرف فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو ــــــ میں سلیم بول رہا ہوں" سلیم کی آواز ابھری۔

"ہیلو سلیم ــــــ میں ارشد ہوں"۔ ارشد نے خوشی سے چہکتی آواز میں جواب دیا

"اوہ ــــــ کہو دوست کیا حال ہے؟" سلیم نے پوچھا۔

"حال ٹھیک ہے ــــــ یہ بتاؤ فلم دیکھو گے؟"

"ارے نیکی اور پوچھ پوچھ" سلیم چہکا۔ "بتاؤ کب دکھا رہے ہو؟"

"ابھی کا شو دیکھ لو" ارشد نے ہنسی روکی میں دو ٹکٹ لایا ہوں۔ فوراً امپیریل پکچر

۱۴۴۸ احاطہ عبدالرزاق، لبھی گلی، متصل ناولٹی سینما، دہلی ۱۱۰۰۰۶

ہال پہنچو"

"میں فوراً روانہ ہوتا ہوں" سلیم کے لہجے میں مسرت ناچ رہی تھی۔ "تم ملو گے نا؟"

"ضرور" ارشد نے بمشکل تمام اپنا قہقہہ روکا اور خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اور پھر سلیم کی خوشی اور مقررہ مقام پر پہنچ کر تنہا پریشان ہونے کا تصور کر کر کے خوب ہنسا۔ اس کی نظروں میں سلیم کا غصے سے سرخ ہوتا چہرہ رقصاں تھا۔

اگلے دن وہ اسکول پہنچا۔ سوچ رہا تھا کہ سلیم کا خوب خوب مذاق اڑائے گا تمام جماعت کے سامنے اس کے احمق بن جانے کی داستان مزے لے لے کر سنائے گا ـــــــ مگر اسکول میں سلیم کی غیر حاضری کی اطلاع پا کر اس کے تمام منصوبوں پر اوس پڑ گئی۔ اس نے دو تین لڑکوں سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی مگر ہر ایک نے لاعلمی ظاہر کی۔ البتہ قادر نے وجہ بتائی جسے سن کر وہ دنگ رہ گیا۔

"کل سلیم فلم دیکھنے گیا تھا کہ لیٹروں نے اسے لوٹ لیا" قادر بتا رہا تھا اور اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" کافی دیر بعد چونک کر اس نے پوچھا۔

"پکچر ہال پر وہ غالباً تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ فلم شروع ہو چکی تھی اس لیے باہر سناٹا تھا۔ کہ چند لٹیرے آئے اور بہانے سے اُسے ایک طرف لے گئے۔ وہاں اسے خوب مارا پیٹا اور جو کچھ اس کے پاس تھا چھین لیا۔ ارشد کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا کیا چیز چھینی؟" اس کی آواز کانپ گئی۔

"کلائی سے گھڑی اتار لی، پرس میں کچھ رقم تھی لے لی، اور تمہیں یاد ہو گا کہ نویں جماعت میں پاس ہونے پر اس کے بھائی نے اسے باہر کا بہت قیمتی پین دیا تھا۔" "ہاں ہاں" ارشد بے تابی سے بولا۔ وہ پین اسے بہت عزیز تھا۔ ہر لمحے اسے اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس وقت بھی پین اس کی جیب میں تھا۔ وہ بھی چھین لیا اور گزشتہ ماہ جو اس نے نئے جوتے خریدے تھے۔ وہ بھی اتروا لیے" قادر نے تفصیل بتائی اور ارشد سر پکڑ کر رہ گیا۔ دوست کی حالت

پر اس کا دل رو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ فوراً سلیم کے گھر کی طرف چل دیا ـــــ اور اس کے والدین سے ملاقات کرنے کے بعد وہ اس کے کمرے میں پہنچا۔ دروازے پر ہی اپنے پیارے دوست کی حالتِ زار دیکھ کر وہ کانپ گیا۔

سلیم کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ پر پلاسٹر تھا۔ چہرہ نیل زدہ اور متورّم تھا۔ جسم کا جو حصّہ نظر آرہا تھا، وہاں موجود گہرے گہرے نیل اور زخموں کے نشان چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ سلیم نے بہت ظلم سہا ہے ـــــ ارشد نے یوں ہونٹ کاٹے جیسے اِن زخموں میں ہونے والی تکلیف خود اسی کو ہو رہی ہو۔

"سلیم" رُندھے گلے سے ارشد نے پکارا۔ سلیم نے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"ارشد ـــــ کل تم نے بہت انتظار کرایا اور دیکھو اس انتظار کی کتنی سخت سزا مجھے جھیلنی پڑی"۔ اس کی آواز سے شدید درد و تکلیف کا احساس ہو رہا تھا اس کے لبوں سے کراہ سی نکلی۔ ارشد تڑپ کر اس کے قریب گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر رو دیا۔

"سلیم ـــــ میرے دوست مجھے معاف کر دو۔ کل میں نے تمھارے ساتھ مذاق کیا تھا مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا معمولی سا مذاق اتنی بھیانک شکل اختیار کرلے گا اور تمھیں اس کی اس قدر خوفناک سزا بھگتنی ہوگی۔"

ارشد" سلیم کراہ کر بولا" یہ تو میری قسمت میں لکھا تھا ـــــ تم آنسو پونچھ ڈالو"

"سلیم میں شرمندہ ہوں" وہ اشک آلود آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا" یقین کرو مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ تمام تکلیفیں مجھے ہو رہی ہیں۔ دراصل یہ سزا تمھیں نہیں مجھے ملی ہے"۔

"تمھیں تمھارے معمولی مذاق کی سزا ملی ارشد اور مجھے میرے جنون کی۔" سلیم آہ بھر کر بولا۔" تم نے انگریزی کا مقولہ سنا ہوگا 'ہر چیز کی زیادتی بری ہوتی ہے' ـــــ یہ مقولہ آج مجھ پر پورا اتر رہا ہے دوست ـــــ

فلموں کی دیوانگی نے مجھے یہ دن دکھایا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ یہ جنون اور دیوانگی ترک کردوں گا۔" سلیم نے ہاتھ سے کانوں کو چھوا۔

ارشد بغور اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا اور پھر آنسو پونچھ کر مستحکم لہجے میں گویا ہوا۔

"میں بھی توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ فون کا غلط استعمال نہ کروں گا اور نہ ہی کسی سے ایسا تباہ کن مذاق کروں گا"۔ ارشد کی آواز آنسوؤں میں پھنسی جارہی تھی۔ سلیم نے غور سے اس کی نم آنکھوں کو دیکھا اور ماحول کے بوجھل پن کو دور کرنے کی خاطر مسکرا کر بولا۔

"کان پکڑو" ارشد جواباً مسکرایا اور دونوں کان پکڑ کے زور زور سے وِرد کرنے لگا۔

"توبہ ——— توبہ" جواب میں سلیم نے دوبارہ کان پکڑے اور ایک بار پھر دونوں ایک ساتھ بول پڑے۔

"ہماری توبہ"۔ کہہ کر دونوں ہنس دیے۔ ان کے چہرے سچی خوشی کے احساس سے جگمگا رہے تھے۔

پیامی ادبی معمّا نمبر ۳۴ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل:۔ (۱) شفقت۔ سب سے بڑے انسان صفحہ ۲۶۔ (۲) نزدیک: سب سے بڑے انسان صفحہ ۲۸۔ (۳) رنج۔ ننگ ٹیبال صفحہ ۳۲۔ (۴) لوگوں۔ حضرت طلحہؓ صفحہ ۱۶۔ (۵) صفائی۔ نیلا ہیرا صفحہ ۳۹۔ (۶) سنبھلنے۔ پہاڑ کی چوٹی پر صفحہ ۴۵۔ (۷) کمانے۔ پیام تعلیم جنوری ۸۷ء صفحہ ۵۸۔ (۸) گھڑے۔ پیام تعلیم مئی ۸۷ء صفحہ ۶۱۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۵ خوش نصیب
فی کس ۲۰ روپے تقسیم کیے گئے

(۱) یاسمین جہاں صدیقی۔ مکان نمبر ۱۷۔ نئی دہلی ۲۵ (۲) بینا پروین۔ دیوبند۔ سہارن پور (۳) شائستہ خلیل۔ ۹۵/۸ سیکٹر ۸ نئی دہلی ۱۵ (۴) عبدالجلیل ویشالی (بہار) (۵) ارشد احمد عبدالرزاق۔ مصطفےٰ آباد۔ جلگاؤں۔ ایم۔ ایس

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۸ خوش نصیب
فی کس ۶/۲۵ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) شہزادہ پرویز۔ نمبر ۱ بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ ۷۳ (۲) ایس اے جلیل احمد عمر عربی ہائی اسکول۔ کرنول (۳) ابوبکر۔ ایم۔ سی۔ ہدولنکار ٹو ہاؤس ترونیچی۔ پی او۔ (۴) نور عائشہ۔ حاجی محمد صدیق شاہجہاں پور (۵) عبدالعزیز گولی پورہ۔ امراوتی۔ (۶) عفت خلیل۔ ڈی۔ آئی۔ زیڈ ایریا۔ بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱۔ (۷) ابونعمان مبارک پور، اعظم گڑھ۔ (۸) نابش انور [illegible] نئی دہلی۔

محمد ہارون حاجی

ایک دریا کا تحفہ

ایک بہت گھنے جنگل میں دریا کے کنارے ایک جھونپڑی تھی اس جھونپڑی میں ایک بوڑھا لکڑہارا اور اس کی بیوی رہتے تھے مگر ان کے کوئی بچہ نہ تھا۔ ایک دن لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا اس وقت لکڑہارن کپڑے لے کر دریا پر گئی جب وہ کپڑے دھونے دریا کے کنارے بیٹھی تو اُسے ہنسی کی آواز سنائی دی اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا پھر اس نے دریا کی طرف نظر ڈالی تو اسے دریا میں سے ہنسی کی آواز آتی سنائی دی اسے ایسا لگا کہ دریا کا پانی خوشی سے اُچھل رہا ہے اور زور زور سے ہنس رہا ہے لکڑہارن حیران دیکھتی رہ گئی اتنے میں اس نے دیکھا ایک بہت بڑا سُرخ اور چمکدار سیب اس کی طرف بہتا ہوا آرہا ہے وہ کنارے پر جھکی اور جیسے ہی پانی نے سیب کو اس کی طرف بڑھایا اس نے لپک کر اسے اٹھالیا لکڑہارن خوشی سے کھل اٹھی اتنا خوبصورت سیب اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سیب کافی وزنی تھا اس میں سے بڑی اچھی خوشبو آرہی تھی۔

لکڑہارن نے جلدی جلدی کپڑے دھوئے اور سیب کو لے کر گھر گئی جب لکڑہارا گھر واپس آیا تو لکڑہارن نے اسے دریا کا خوبصورت تحفہ دکھایا اور کہا آج ہم کھانا کھانے کے بعد سیب کھائیں گے۔ کھانا کھانے کے بعد لکڑہارے نے بڑی چھری سے سیب کو کاٹا ابھی وہ سیب کاٹ ہی رہا تھا کہ اس میں سے ہنسی کی آواز آنے ہی سیب کے دو حصے ہوئے دونوں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت بچہ اندر بیٹھا ہوا

کرانہ شاپ۔ جامع مسجد پورہ۔ آزاد چوک مانا (اکولہ)

اور زور زور سے ہنس رہا ہے بچے نے اپنے دونوں ہاتھ لکڑہارے کی طرف پھیلا دیے بچہ خوب گورا گورا اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس کے سر کے بال سنہری اور گال انار کی طرح سرخ تھے ایسا پیارا بچہ دیکھ کر لکڑہارا اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے وہ سمجھے کہ دریا نے ان کو یہ تحفہ دیا ہے لکڑہارن نے دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھا لیا دونوں نے باری باری اس کو پیار کیا اور اپنا بچہ سمجھ کر اس کی پرورش کرنے لگے اس کا نام سیبومیاں رکھا وہ بہت ہی ذہین اور سمجھ دار تھا وہ ماں باپ کا بڑا ادب کرتا ان کی ہر بات مانتا ان کو کبھی ناراض نہ کرتا جب وہ ذرا بڑا ہوا تو ایک دن اس نے اپنی ماں سے پوچھا "ماں ہم لوگ اس جنگل میں اکیلے کیوں رہتے ہیں ماں نے کہا بیٹے پہلے ہم شہر میں رہتے تھے شہر سے قریب ہی ایک جزیرہ ہے اس جزیرہ میں ایک بہت ظالم دیو رہتا ہے وہ ہمیشہ لوگوں کو ستاتا رہتا ہے اور شہر میں آکر لوٹ مار کرکے چلا جاتا ہے ہمارا بھی گھر بار سب اس نے لوٹ لیا اس لیے ہم اس جنگل میں آکر بس گئے سیبومیاں کو دیو پر بہت غصہ آیا مگر ابھی تو سیبومیاں بہت چھوٹے تھے کہنے لگے "ماں میں بڑا ہو کر ضرور اس دیو کو سزا دوں گا ماں میں بڑا کب ہوں گا" ماں بولی "بیٹا تم بہت جلدی بڑے ہو جاؤ گے" ماں اکثر اس کو دیو کی کہانیاں سنایا کرتی اور سیبومیاں دیو کو سزا دینے کے بارے میں سوچتے رہتے آخر وہ وقت بھی آگیا جب سیبومیاں ایک خوبصورت مضبوط اور طاقت ور جوان ہو گئے اب وہ باپ کے ساتھ خود بھی لکڑیاں کاٹنے جنگل میں جایا کرتے اور ڈھیر ساری لکڑیاں کاٹ کر لاتے جس سے ان کو خوب پیسے ملتے محنت کا کام کرنے سے سیبومیاں کے ہاتھ اور پاؤں بالکل فولاد کی طرح سخت ہو گئے تھے ایک دن سیبومیاں نے ماں سے کہا "ماں آج میں دیو سے بدلہ لینے جا رہا ہوں میں ضرور لوگوں کو اس کے ظلم سے بچاؤں گا اور اس کو خوب سزا دوں گا" ماں نے بہت ساری روٹیاں پکائیں اور اس میں خوب گھی لگایا پھر ایک تھیلی میں روٹیاں باندھیں اور سیبومیاں کو دریا کے کنارے لے گئی۔ اور دریا سے بولی اے ہنستے کھیلتے دریا یہ تمھارا تحفہ ہے تم اس کی حفاظت کرنا سیبومیاں بھی دریا سے رخصت ہوئے اور ماں سے بولے "ماں میری فکر نہ کرو جلدی ہی آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا" باپ نے چلتے وقت اسے ایک ڈنڈا دیا سیبومیاں نے ایک ڈنڈا لیا اس پر روٹیوں کی تھیلی باندھی ڈنڈے کو کندھے

پھر روانہ ہو گیا چلتے چلتے وہ دوسرے جنگل کے کنارے پہنچ گیا
بڑا خوفناک کتا دیکھا جو سیبو میاں کو دیکھتے ہی زور زور سے
سکتے سے کیا ڈرتے۔ کتا بولا "یہ حصہ میری سلطنت کا ہے تم یہاں کیا
میں تمہاری سلطنت لینے نہیں آیا مجھے تو بہت دور دیو کے ملک میں جانا ہے
رہ کر کیا کروں گا" یہ کہہ کر سیبو میاں نے پوٹلی کھولی روٹی نکالی کتے کو دی
کتے نے ایسی مزے دار روٹی کبھی نہ کھائی تھی روٹی کھا کر وہ
"چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"
سیبو میاں کتے کو ساتھ لے کر آگے بڑھے تھوڑی دور چلنے کے بعد ان کا گزر
ملک میں ہوا ایک بہت بڑا بندر درخت کی شاخ پر جھول رہا تھا ان لوگوں کو
زور سے چلایا کون ہو تم یہ ملک میرا ہے تم یہاں سے نہیں گزر سکتے سیبو
بھئی ہم تمہارے ملک پر قبضہ کرنے نہیں آئے ہیں ہمیں تو دیو کے جزیرے میں
مہربانی کر کے ہمیں یہاں سے گزر جانے دو پھر سیبو میاں نے پوٹلی کھولی ایک
کر بندر کو دی بندر مزے لے کر کھانے لگا جب وہ روٹی ختم کر چکا تو بولا
میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اب سیبو میاں کتے اور بندر کو لے کر آگے
آگے کتا تھا اس کے پیچھے بندر اچھلتا کودتا جا رہا تھا۔ اتنے میں آواز آ
لوگ تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ تم میری سرحد میں داخل ہو گئے سیبو
ادھر دیکھنے لگے۔ دیکھا تو اوپر درخت پر ایک کبوتر بیٹھا ہے سیبو میاں
تمہاری ریاست میں رہنے نہیں آئے ہیں ہمیں یہاں سے گزر جانے دو ہم
جزیرے میں جانا چاہتے ہیں" پھر انھوں نے پوٹلی کھولی اور سب کو ایک ایک
کبوتر بھی روٹی کھا کر بہت خوش ہوا اور بولا "اچھا چلو میں بھی
میاں اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے آخر کار یہ لوگ
جزیرہ دکھائی دے رہا تھا سمندر میں ایک کشتی دکھائی دی
جیسے ہی کشتی قریب آئی سیبو میاں لپک کر اس پر سوار ہو
پر چڑھ گیا کتا کشتی چلانے لگا بندر نے بادبان کو تھام لیا
کے سروں پر اڑتا ہوا چلنے لگا اس طرح یہ لوگ دیو

کشتی سے کود کر چٹان پر چڑھ گئے وہاں سے بڑے بڑے پتھر جمع کر کے ان دونوں نے دیو کے قلعہ پر برسانا شروع کر دیے پتھر قلعہ کی دیوار سے ٹکراتے تو بڑی زور کی آواز پیدا ہوتی شور سُن کر دیو نے کھڑکی کھولی کہ معلوم کرے یہ شور کیسا ہے جیسے ہی دیو نے اپنی گردن باہر نکالی کبوتر اس پر جھپٹا اور چونچ مار کر دیو کی آنکھیں زخمی کر دیں دیو نے بڑی خوفناک چیخ ماری اس کی چیخ سن کر بے شمار دیو قلعے سے باہر نکل پڑے مگر بندر اور کتے نے پتھر کی ایسی زوردار بارش کی کہ جو سامنے آتا پتھر کھا کر گر پڑتا اور پھر اٹھ نہ سکتا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام دیو مارے گئے۔

سردار کی آنکھیں زخمی تھیں وہ ڈرتے ڈرتے کھڑکی کے پاس آیا اور بولا "تم لوگ کیا چاہتے ہو میں اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھا سکتا کہیں کبوتر میری آنکھیں نہ نکال لے میں قلعہ سے باہر نہیں آسکتا کہ کتا مجھے سمندر میں ڈبو دے گا اور بندر مجھے پتھر مار کر زخمی کر دے گا بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کروں" سیبو میاں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ "تم واپس کشتی میں چلے جاؤ" اور وہ تینوں کتا بندر اور کبوتر کشتی میں چلے گئے سیبو میاں نے دیو سے کہا "وہ تمام خزانہ جو تم نے شہر والوں سے لوٹا ہے واپس کردو ہم چلے جائیں گے اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے" دیو نے تمام خزانہ سیبو میاں کے حوالے کر دیا سیبو میاں تمام خزانہ کشتی میں بھر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر واپس آئے جن لوگوں سے دیو نے یہ مال چھینا تھا ان کو بلا کر ان کو مال دے دیا پورے ملک میں سیبو میاں کا نام مشہور ہو گیا ان کی بہادری اور ایمانداری کا چرچا دور دور تک پھیل گیا اس کے بعد کبھی کسی دیو نے اس شہر پر حملہ نہیں کیا اور نہ کسی کا مال لوٹا لوگ آرام سے رہنے لگے۔

ترجمہ: عبدالاول نعمانی

ایران کا ایک عظیم دانشور اور حکیم

ابو علی سینا

ابو علی سینا

ہزاروں سال پہلے ایران کے کسی شہر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے اس کا نام حسین رکھا۔ حسین نے پانچ سال کی عمر سے علم حاصل کرنا شروع کیا اور بہت سے شہروں میں جاکر علم حاصل کیا۔ حسین کتابوں کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اپنے لیے ایک چھوٹا سا کتب خانہ بنا لیا۔ حسین جس جگہ کوئی تازہ کتاب دیکھتا خرید لیتا اور موقع نکال کر اس کو پڑھتا اور اپنے کتب خانے میں محفوظ کر لیتا۔ وہ محنت مطالعے سے تھوڑے ہی دنوں میں ایک ماہر حکیم ہو گیا اور بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ اب لوگ اسے ابو علی سینا کہنے لگے، کوئی شخص بھی جو کسی مشکل بیماری میں مبتلا ہوتا اس کے پاس جاتا اور علاج کراتا۔

ابو علی سینا ایک بہت ہی مہربان اور دردمند حکیم تھا۔ بیماروں کا علاج مفت کرتا تھا۔ اسی زمانے میں ایران کا بادشاہ سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایران کے تمام حکیم علاج کے سلسلے میں ناامید ہو گئے سب نے جواب دے دیا۔ آخر کار ابو علی سینا دعوت دی گئی، ابو علی سینا بادشاہ کے پاس پہنچا اور ۲ دن میں بادشاہ کی بیماری دور کر دی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ابو علی سینا کو اجازت دے دی کہ وہ سلطنت کے بڑے بڑے کتب خانوں سے فائدہ حاصل کرے۔ اب کیا تھا! دانش مند اور جوان ابو علی سینا رات دن مطالعہ کرتا جس چیز کے بارے میں پڑھتا اس پر غور کرتا اور اس کی تہہ میں پہنچ کر معلومات فراہم کرتا۔

ابو علی سینا نے اپنے مطالعے اور تجربے کی بنا پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ایران کے اس دانش مند کی کتابیں بہت سی زبانوں میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اور اب بھی دنیا کے بڑے بڑے ادارے یونیورسٹیاں اور دنیا کے بڑے بڑے دانش مند اس کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

ایران کے اس عظیم طبیب اور دانشور نے اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی قبر ہمدان میں ہے۔

۸۷/۷۱/۹/ جے آزاد پارک وارانسی

● رحیمو: (فضلو نوکر کی شکایت مالک سے کرتے ہوئے) صاحب! فضلو آپ کو گدھے کی برابر بھی نہیں سمجھتا۔

فضلو: نہیں صاحب! یہ جھوٹا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں۔

● عامر: میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔

فیروز: اور میرے گلے میں درد ہو رہا ہے۔

عامر: چلو تم میرا سر دباؤ۔ میں تمھارا گلا دباتا ہوں۔

شائستہ ناہید عرف شنالوں نگینہ۔ ضلع بجنور

● پہلا شاعر: (سپاہی سے) حضور اس نے مجھے سرِ عام جھنجوڑا۔

دوسرا شاعر: اور اس نے مجھے رسی کی طرح مروڑا۔

پہلا: اس نے میرا منھ توڑا۔

دوسرا: اس نے میرا سر پھوڑا۔

پہلا: جھوٹ بولتا ہے نگوڑا۔

سپاہی بولا: جاؤ ہم نے تم دونوں کو چھوڑا۔

محمد شعیب۔ نئی دہلی ۲۵

● ایک آدمی (نجومی سے) میری قسمت میں اولاد ہے یا نہیں۔

نجومی: (ہاتھ دیکھ کر) بھئی اولاد تو آپ کی تقدیر میں نہیں ہے۔ البتہ آپ کی لڑکی کے ضرور اولاد ہوگی۔

اسرا عزیز ۵/۶۸-۱-۶ سیف آباد، حیدرآباد ۴

● ایک پاگل آدمی ڈاکٹر صاحب کے یہاں گیا اور بولا ڈاکٹر صاحب دیکھیے نا۔ مجھے کوئی بہت بڑا مرض ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بولے آخر بتاؤ تو کیا بات ہے؟ وہ قدرے تفکر بھرے انداز میں بولا۔ جب میں چلتا ہوں تو میرا ایک پیر آگے اور ایک پیر پیچھے ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بولے میں ابھی دوائی دیئے دیتا ہوں۔ لو۔ یہ کل چار ٹابلیٹ ہیں دو ٹابلیٹ سونے کے بعد کھانا اور دو اٹھنے سے پہلے۔

عالیہ پروین بگھوری (نالندہ (بہار)

● شوہر کو جلدی تھی کہ بیگم بولیں: یہ چائے تو پی لو۔

شوہر:۔ آکر پی لوں گا۔

بیوی:۔ یہ جوتے۔

شوہر:۔ وہ بھی آکر کھا لوں گا

رضوان احمد۔ اسلام پور (بنگال)

● مہمان : میزبان سے "اپنے بیٹے کو سمجھائیں وہ میری جوتی میں پانی لارہا ہے"

میزبان . ارے وہ تو میرا بھتیجا ہے ۔ میرا بیٹا تو وہ ہے جو آپ کی ٹوپی میں پانی لارہا ہے"

● دو دوست سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک کی نظر ایک کیلے پر پڑی۔

پہلا بولا : بھائی کیلے کو اٹھالو ۔

دوسرا : گری ہوئی چیز کو نہیں اٹھاتے ۔

تھوڑی دور جاکر دوسرا دوست پھسل کر گر گیا "مجھے اٹھاؤ" وہ چیخا ۔

پہلا دوست : گری ہوئی چیز کو نہیں اٹھاتے۔

وسیم راجہ ۔ محلہ چاہ خزانخاں رام پور (یوپی)

● بیٹا : ماں سے "کیا دوزخ میں اسکول ہوتے ہیں ؟"

ماں : "وہاں اسکول کا کیا کام "

بیٹا : "تو پھر لوگ وہاں جانے سے کیوں ڈرتے ہیں"

● استاد : شاگرد سے "سنتری کسے کہتے ہیں"

شاگرد : "سنگترے کی بہن کو کہتے ہیں"

نوید انجم ۔ محلہ گولر گھٹی ۔ رام نگر (نینی تال)

● ایک آدمی نے درزی کو کپڑا دیا تو درزی نے کہا اتنا ہی کپڑا اور لاؤ ۔

آدمی بولا : میں پہلے درزی کے پاس گیا تھا تو اس نے کم کپڑا مانگا ۔ تم زیادہ مانگ رہے ہو ۔

درزی نے کہا : اچھا اس کا لڑکا کتنا بڑا ہے۔

آدمی : ۱۶ سال کا ۔

درزی : جبھی تو ، میرا لڑکا تو ۱۸ سال کا ہے۔

● استاد واجد سے : بتاؤ وزیر خارجہ کا کیا مطلب ہے ؟

واجد : سر! وہ وزیر جو وزارت سے خارج کردیا گیا ہو ۔

محمد فیض ۔ محلہ چاہ خزانخاں رام پور (یوپی)

● ایک مسخرے نے ایک روز دعا مانگی کہ یا اللہ اگر آج ایک روپیا کہیں سے مجھے مل جائے تو میں اس میں سے آٹھ آنے تیرے نام کے بھی نکال دوں گا ۔ اتفاق کی بات ہے اسی شام کو ایک رئیس نے اسی مسخرے کو اپنے پاس بلایا اور ایک روپیا اس کو انعام دیا مسخرہ روپیا لے کر بہت خوش ہوا اور باہر آگیا مگر وہ کھوٹا تھا بازار میں صرف آٹھ آنے کا چلا چنانچہ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا واہ اللہ تم نے ذرا بھی اعتبار نہ کیا اپنے حصے کے آٹھ آنے پہلے ہی نکال لیے ۔

شبنم معروف ۔ پاٹا نالہ لکھنؤ ۔

● منا : باجی سے ، بارش کا پانی کہاں جاتا ہے

باجی : جو پہلے ہی غصے میں بھری بیٹھی تھی بولیں ، "میرے سر میں "

منا : معصومیت سے ، تب ہی آپکی ناک بہتی رہتی ہے ۔

سیما سیتو ۔ بمبئی

● جج (ملزم سے)، تمھاری آخری خواہش کیا ہے۔

ملزم :۔"جناب آم کھاؤں گا۔"

جج :۔"یہ آم کا موسم نہیں ہے۔"

ملزم :۔"جب تک انتظار کر لوں گا۔"

● استاد (جانوروں کے متعلق پڑھاتے ہوئے) بتاؤ ارشد سارس اکثر اپنی ایک ٹانگ پر کیوں کھڑا رہتا ہے؟

ارشد (سوچ کر)، اس لیے جناب کہ اسے معلوم ہے کہ اگر اس نے دوسری ٹانگ بھی اٹھالی تو گر جائے گا۔

رضوی اسلم۔ محلّہ گورکھٹی، رام نگر (نینی تال)

● استاد: (شاگرد سے) وسیم تم بار بار پیچھے دیکھ کر نقل کیوں کر رہے ہو۔

وسیم: جناب میں نقل نہیں کر رہا ہوں پرچے پر لکھا ہے پیچھے دیکھیے۔

● بیٹا: (ماں سے) امی آپ کپڑوں پر استری کیوں کرتی ہیں۔

ماں: بیٹے اس لیے کہ کپڑوں کی شکنیں ختم ہو جائیں۔

بیٹا: (معصومیت سے) تو پھر آپ دادی جان کے چہرے پر بھی استری کر دیں۔

صبیحہ شاہد۔ محلّہ لوہاری سرائے۔ نگینہ (بجنور)

پیامِ تعلیم کیلنڈر ۱۹۸۸ء

عبدالمجید آنیکل ضلع بنگلور					جنوری اپریل جولائی	فروری اگست	مارچ نومبر	مئی	جون	ستمبر دسمبر	اکتوبر
۲۹	۲۲	۱۵	۸	۱	جمعہ	پیر	منگل	اتوار	بدھ	جمعرات	ہفتہ
۳۰	۲۳	۱۶	۹	۲	ہفتہ	منگل	بدھ	پیر	جمعرات	جمعہ	اتوار
۳۱	۲۴	۱۷	۱۰	۳	اتوار	بدھ	جمعرات	منگل	جمعہ	ہفتہ	پیر
•	۲۵	۱۸	۱۱	۴	پیر	جمعرات	جمعہ	بدھ	ہفتہ	اتوار	منگل
•	۲۶	۱۹	۱۲	۵	منگل	جمعہ	ہفتہ	جمعرات	اتوار	پیر	بدھ
•	۲۷	۲۰	۱۳	۶	بدھ	ہفتہ	اتوار	جمعہ	پیر	منگل	جمعرات
•	۲۸	۲۱	۱۴	۷	جمعرات	اتوار	پیر	ہفتہ	منگل	بدھ	جمعہ

یاد رکھنے کی باتیں

● طالب علم سمندر کا پانی پینے والے کی مثل ہے کہ جس قدر پیتا ہے زیادہ پیاس لگتی ہے
امام غزالیؒ

● جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام اعضا گناہ میں پڑ جاتے ہیں تکلف کی زیاتی محبت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔
امام غزالیؒ

● کمینوں کی دولت تمام مخلوق کے واسطے مصیبت ہے۔
امام غزالیؒ

● محتاج کو مہلت دینے میں کوئی احسان نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف ہے۔
امام غزالیؒ

● مروّت یہ ہے کہ تو اپنے وعدے کو پورا کرے
امام حسینؓ

● دوسروں کے مال کی حرص نہ کرنا سخاوت ہے۔
امام جعفر صادقؒ

● اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھ لینا جہالت ہے بلکہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے۔
امام غزالیؒ

● بہت زیادہ آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔
امام جعفر صادقؒ

● گناہ ناسور ہے اگر ترک نہ کرو تو برابر بڑھتا رہے گا۔
امام جعفر صادقؒ

● آدمی کی نیک بختی اس میں ہے کہ اس کا دشمن عقل مند ہے۔
امام جعفر صادقؒ

● دل صاف نہیں تو تمام جسم میں فساد برپا ہو گا۔
امام غزالیؒ

● ظالم کے مرنے سے ملول ہونا ظلم میں شامل ہوتا ہے۔
امام غزالیؒ

● حماقت کیا ہے کمینوں کا اتباع اور گمراہوں کی اطاعت۔
امام حسینؓ

● صبح کو عزت حاصل کرنے کے لیے بازار ضرور جایا کرو یعنی تجارت کیا کرو۔
امام جعفر صادقؒ

● خاموشی بجائے خود ایک عبادت ہے۔
امام غزالیؒ

● دوسروں کے مال کی طمع نہ کرنا بھی داخل سخاوت ہے۔
امام جعفر صادقؒ

● جو زبان پر قابو نہ رکھے گا وہ پشیمان ہو گا۔
امام جعفر صادقؒ

● تین چیزیں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں حرص، حسد اور غم۔
امام غزالی

● زبان دل کی کھیتی ہے اس میں اچھی تخم ریزی کرو۔
امام شافعیؒ

● اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری تعریف کریں تو نیک کام کرو۔
امام حسینؓ

دلچسپ اور عجیب

تین حیرت انگیز چشمے :-

- - - - - سری لنکا میں ایک ایک ہی جگہ سے تین چشمے نکلتے ہیں لیکن ان میں سے پہلے چشمے کا پانی سرد ہوتا ہے دوسرے کا نیم گرم اور تیسرے چشمے کا پانی بہت گرم ہوتا ہے۔

ہاتھی کے پیٹ کا پانی صاف ہوتا ہے

ہاتھی اپنے پیٹ میں پانی جمع کر لیتا ہے اور بوقت ضرورت نکال کر تمام جسم پر چھڑکتا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پیٹ کے اندر سے نکلا ہوا پانی بہت صاف ستھرا ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کی بو نہیں ہوتی۔

دودھ دینے والا درخت

آسٹریلیا جنوبی امریکہ اور برازیل میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جس کا رس بالکل دودھ کی طرح ہوتا ہے وہاں کے باشندے اسے دودھ کی طرح استعمال کرتے ہیں لیکن زیادہ دیر تک رکھنے سے اس کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے یہ درخت چٹانوں میں اُگتا ہے اس کی شاخوں میں شگاف ڈال کر دودھ نکالا جاتا ہے۔

● اُلّو کی آنکھیں اس کے جسم پر اس طرح لگی ہیں کہ اپنی نظر کو گھمانے کے لیے اسے اپنا سر گھمانا پڑتا ہے۔

● جاوا میں بسنے والے ایک قبیلے میں شادی اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک دولہا اور دلہن کے سروں پر پرانے جوتے تڑا تڑ نہ مارے جائیں۔

● ہاتھی کے دانت زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ میٹر لمبے اور ان کا وزن لگ بھگ تیس کلو ہوتا ہے۔

● دنیا میں اسپین ایک ایسا ملک ہے جو کپڑے پر اخبار نکالتا ہے۔

● دنیا میں عُقاب ایک ایسی چڑیا ہے جو ہاتھی جیسے جانور کو لے کر اڑ جاتا ہے۔ اور یہ سعودی عرب میں پایا جاتا ہے۔

● فارس کا بادشاہ ہر سال ایک دوسرے کو تحفہ میں جوتا ضرور پیش کرتے تھے۔

● شہد کی مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔

● کچھوا کان نہ ہونے کے باوجود سنتا ہے۔ اور دانت نہ ہونے کے باوجود کاٹتا ہے۔

● گلہریوں کی ایک قسم ایسی بھی ہوتی ہے جو اڑ سکتی ہے۔

پیامی بچیوں کے لیے

گوشت کی روٹی

اشیا: قیمہ تین پاؤ۔ دو ابلے ہوئے آلو (کچومر بنا کر) پودینہ کٹا ہوا دو بڑے چمچے۔ ڈبل روٹی کا چورا ایک بڑا چمچہ۔ مکھن ایک بڑا چمچہ۔ لیموں کا رس ایک بڑا چمچہ۔ نمک، ایک بڑا چمچہ۔ پسی ہوئی کالی مرچ، ایک چائے کا چھوٹا چمچہ۔ پیاز کا رس آدھا بڑا چمچہ۔ لونگ اور دارچینی آدھا بڑا چمچہ (پسی ہوئی) انڈا پھینٹا ہوا ایک عدد

ترکیب: تمام اشیا اچھی طرح ملا کر ایک ایسے ڈبے میں ڈال دیں جو اندر سے چکنا ہوا اور اسے ہلکی آنچ والی بھٹی، جس میں بسکٹ وغیرہ بناتے ہیں، میں رکھ دیں اور ایک گھنٹے تک اس میں رکھیں۔ ہر پانچ منٹ کے بعد تھوڑے سے مکھن اور گرم پانی کی آمیزش سے ہلاتے رہیں پھر باہر نکال کر اس میں سے دو بڑے چمچے گریوی گاڑھا شوربہ نکال لیں اور اس میں دو بڑے چمچے آٹا ملا کر خوب آمیزش کریں اور آگ پر رکھ کر آہستہ آہستہ ہلائیں یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے اس میں نمک، کالی مرچ اور لیموں کی قاشیں ملا لیں اس سے پہلے اگر اس میں دودھ بالائی اور تھوڑا سا پانی بھی ملا دیں تو یہ گریوی اور بھی زیادہ ذائقہ دار ہو جائے گی جب یہ گریوی استعمال کرنی ہو تو اسے دوبارہ گرم کر لیں۔ لیکن ڈبے والے گوشت کے ٹکڑے کو خوب ٹھنڈا کرنے کے بعد چھری سے کاٹ کاٹ کر قاشیں بنا لیں اور کھاتے وقت اس کے ساتھ پلیٹ میں پودینے کے پتے اور ٹماٹر کے ٹکڑے بھی سجا لیں۔

راحت رحمان خاں،

کڑاہی گوشت

اشیا: بغیر ہڈی کا گوشت ایک کلو۔ دہی ایک پاؤ۔ گرم مسالا پسا ہوا چائے کے دو چمچے نمک حسب ذائقہ۔ گھی ایک پاؤ۔

ترکیب: گوشت صاف کر کے اس کی بوٹیاں بنا لیں۔ پھر دہی میں گرم مسالا اور نمک ڈال کر گوشت کو اس میں ڈال دیں۔ تقریباً چار گھنٹے تک گوشت کو دہی میں ڈالے رکھیں اور کانٹے سے گوشت میں اچھی طرح سوراخ کریں۔ پھر کڑاہی میں گھی ڈال کر تل لیں۔ جب یہ سرخ ہو جائے اور گل جائے تو اتار لیں اور پھر ڈش میں ڈال کر اس کے اوپر پیاز اور ٹماٹر ڈال دیں۔ لیجیے سہت مزیدار کڑھائی گوشت تیار ہے۔

روبی ملک،

بڑا آدمی

کسی زمانے میں ایک نواب صاحب تھے۔ انھیں شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن وہ گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں بندوق لیے ہوئے ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھا لکڑہارا کھڑا تھا۔ اس کے سامنے لکڑیوں کا ایک گٹھر پڑا تھا۔ لکڑہارے نے نواب صاحب کو دیکھا تو کہا۔

"بھائی! ذرا میرا گٹھر اٹھوا دو" لکڑہارے کی اس بے تکلفی پر نواب صاحب کو غصہ آگیا۔ انھوں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ آدمی پہچان کر بات کیا کرو میں اس علاقے کا نواب ہوں۔

یہ کہہ کر نواب صاحب آگے گئے۔ اتفاقاً ایسا ہوا کہ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود انھیں کوئی شکار نہ ملا۔ بھوک اور پیاس سے ان کا برا حال تھا۔ لیکن اس جنگل میں بہت تلاش کے باوجود انھیں کھانے پینے کو کچھ نہ ملا۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک گانو میں پہنچے۔ گانو کے کنارے ہی انھیں ایک چھوٹا سا جھونپڑا نظر آیا۔ اندر چراغ کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ نواب صاحب کے آواز دینے پر اندر سے وہی لکڑہارا نکلا۔ اسے دیکھ کر نواب صاحب بہت نادم ہوئے۔ لیکن پیاس کی شدت نے انھیں کچھ سوچنے نہ دیا اور انھوں نے لکڑہارے سے کہا۔

"بھائی بھوک پیاس سے جان نکل رہی ہے۔ تھوڑا پانی پلا دو"

لکڑہارے نے جلدی سے اپنی چادر بچھا دی اور جو کچھ روکھا سوکھا موجود تھا۔ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ نواب صاحب نے مجبوراً دو چار لقمے کھائے اور ٹھنڈا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ چلتے وقت انھوں نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر لکڑہارے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنا انعام سمجھ کر رکھ لو" لیکن لکڑہارے نے روپیا لینے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"میں اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں۔ وہ بہت رحیم و کریم ہے۔ انسان کو جو کچھ ملتا ہے

وہ اللہ کا دیا ہوتا ہے۔ یہ سن کر نواب صاحب کو بہت ندامت ہوئی۔ انھیں لکڑ ہارے کے ساتھ اپنے برتاؤ پر بہت افسوس ہوا۔ انھوں نے سوچا کہ میں نے اپنے بڑے پن میں اسے حقیر جان کر اس کا گٹھر تک نہیں اٹھایا اس کے باوجود اس نے خاطر مدارت کی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں حقیر ہوں اور یہ لکڑ ہارا ہی بڑا آدمی ہے۔

محمد اسرار الحق

شیخانہ خرد بہار شریف (نالندہ) بہار

●●●●●●●●●●●●●●●●

چور اور سپاہی

●●●●●●●●●●●●●●●●

ایک روز ایک چور، چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ سپاہی چور کو تھانے کی طرف لے چلا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ ٹھٹھرے ہوئے جا رہے تھے۔ راستے میں چور نے کہا۔

"حضور، سردی لگ رہی ہے، اجازت (اجازت) ہو تو اپنے گھر جا کر کمبل لے آؤں؟"

سپاہی نیا نیا تھا، اس نے خیال کیا۔ چور سچ کہہ رہا ہے۔ ٹھنڈ بہت زیادہ ہے۔ کہیں اکڑ کر مر نہ جائے۔ کہا ٹھیک ہے جاؤ لیکن بہت جلدی آنا۔ چور سامنے والی عمارت میں چلا گیا۔

جب بہت دیر ہوگئی اور چور نہ لوٹا تب سپاہی کو احساس ہوا کہ وہ دھوکا کھا گیا ہے۔

اس دن سے وہ سپاہی دن رات اس چور کی تلاش کرتا رہا۔

اتفاق سے ایک سال بعد اس سپاہی نے اس چور کو پھر پکڑ لیا۔ اسی عمارت کے سامنے پہنچ کر چور نے پھر وہی الفاظ کہے "حضور، سردی لگ رہی ہے۔ اجاجت (اجازت) ہو تو گھر جا کر کمبل لے آؤں" سپاہی نے جواب دیا "مجھے کیا تم پھر بے وقوف بنا دوگے؟ اس دفعہ تم یہیں ٹھہرو، میں کمبل لینے جاتا ہوں۔"

ایم آفتاب عالم

شیخانہ خرد بہار شریف (نالندہ)

میرے پسندیدہ اشعار

محبت پر نہ ہرگز فتح پائی ابن آدم نے
کہ نفرت آج بھی انسان سے انسان کرتے ہیں۔

عزم کامل ہو تو منزل کا پتا چلتا ہے
ڈھونڈنے والوں کو کہتے ہیں خدا ملتا ہے۔

تجسس کی اگر دھن ہو نکل آتی ہیں تدبیریں
جو آزادی کی خواہش ہو تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں۔

فضل اکبر۔ سیف آباد۔ حیدرآباد۔ ۴

پسندیدہ اشعار

مجھے دل دیا تو تڑپ بھی دے جو ہو دوسروں کا شریک غم
مجھے ایسے دل کی طلب نہیں جو کسی کے کام نہ آسکے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی میں گزار دے

یارب کسی سے چھین کر مجھ کو خوشی نہ دے
جو دوسروں پہ بار ہو وہ زندگی نہ دے

عظیم نشاط
محلّہ قاضی سرائے I نگینہ (بجنور)

شراب خانہ عبادت خانہ

مے خانہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس میں سے کچھ ایسے مدہوش نکل رہے تھے جو شراب کے نشے میں مست تھے جب لوگ ان کو دیکھتے تھے تو نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے۔ کچھ مدّت کے بعد میخانہ کی عمارت منہدم ہو گئی اور اسی میکدہ کی زمین پر ایک عبادت خانہ تعمیر ہو گیا۔ اس عبادت خانے سے جب لوگ نکلتے تھے تو انھیں بڑی عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ میخانہ بھی اینٹ پتھر سے بنا تھا اور عبادت خانہ بھی چونے اور مٹی کی تعمیر تھا لیکن ایک عمارت کو نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور دوسری عمارت کو قابل احترام سمجھا جاتا ہے انسان کی حالت بھی بالکل ایسی ہی ہے اگر وہ نیک کام کرتا ہے تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور برائی کرنے والے پر چاروں طرف سے انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں اے انسان اپنی ہستی کی قدر کر، عزت اور ذلت دونوں چیزیں تیرے سامنے ہیں تو جسے چاہے اختیار کرے۔ خواہ میخانے کی طرح اپنے آپ کو ذلت میں ڈال دے۔ یا عبادت خانہ کی طرح اپنے آپ کو قابل احترام بنالے یہ سب کچھ تیرے اختیار میں ہے۔

سجاد حسین
سجاد منزل۔ ہاؤسنگ کالونی۔ کٹھکل

دُعا

عرش بریں کے والی، دونوں جہان والے
سن لے صدا ہماری کون و مکاں والے
قرآن بھی ہے تیرا لوح و قلم بھی تیرے
شمس و قمر کی تابش دنیا کو ہے سجائے
صدقے ہیں مصطفےٰ کے جنت کو نام کردے
تعلیم کا خزانہ سینوں میں سب کے بھر دے
ماں باپ کی دعائیں استاد کی دعائیں
خدمت کریں سدا ہم ایسا ہمیں بنادے
بھولیں نہ ہم کبھی بھی تا دم ترا فسانہ
مقبول کر دعا یہ دونوں جہان والے

عبدالغفار مومن گلی بنکاپور لکشمیشور

ایک جگہ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ مشہور و معروف شعرائے کرام موجود تھے۔ مصرع کچھ یوں تھا۔

"غم نہ کر کہ تیرے رنج کا خوگر میں ہوں"

ایک آدمی بہت زیادہ جھوم رہا تھا جب بھی کوئی شاعر آکر اپنا کلام سناتا وہ آدمی مصرع ختم ہونے سے پہلے "میں ہوں" کا اضافہ کرکے مصرع مکمل کر دیتا۔ چنانچہ ایک شاعر کو شرارت سوجھی۔ اس نے مائک پر بلند آواز سے کہا۔

"ناریل جس کے ہاتھ لگا وہ بندر ......"

حسبِ معمول اس آدمی نے جھوم کر کہا "میں ہوں"

رحمت اللہ دیوریا (یوپی)

ماں

ماں! دنیا کی سب سے قیمتی شے ہے۔ ماں ہر ایک کی ہوتی ہے۔ ماں میں امیدیں سپنے بسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ماں ایک پیار ہے۔ جیسے دنیا میں سب سے اونچا مقام حاصل ہے محبت ہے۔ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ ماں کا پیار دو کانوں میں نہیں ملتا اور نہ ترازو میں تولا جا سکتا ہے۔

ماں کا پیار ماں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ لاکھ کوئی اس کا پیار جتانے کی کوشش کرے وہ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ ماں کا پیار سچا ہوتا ہے ماں آخر ماں ہی ہوتی ہے۔ ہر چیز سے پیاری ماں ہوتی ہے۔

سمیرا ابراہیم السو لکر ٹیم پالا۔ رائے گڑھ

توبہ کب تک قبول ہو سکتی ہے؟

توبہ کے معنی ہیں پلٹ جانے کے۔ بُرائی سے بھلائی کی طرف۔ انسان اپنی زندگی میں گناہ کرتا ہے تو وہ خدا کے نزدیک گنہ گار بندہ ہو گیا۔ گناہ کے بعد جب توبہ کر لیتا ہے تو خدا اسے معاف کر دیتا ہے۔ انسان کو موت سے پہلے توبہ کر لینا چاہیے۔ مرنے والے کو یہ یقین ہو جائے کہ ابھی میری زلیست ہے زندگی کا بھروسا ہے تو ایسا سوچنے کے بعد آدمی گناہ سے باز آئے اور نیک کام کرے تب توبہ قبول ہوتی ہے۔ ورنہ دم اکھڑ جانے کے بعد موت کا پورا الیقین ہو گیا اور موت کے سامنے آجانے سے ایک اضطرار کی حالت پیش آئی ہو اس وقت کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے توبہ ان ہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو گناہ کرتے ہی جھٹ پٹ توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ مرتے دم تک بُرائیاں کرتے رہیں اور جب موت بالکل سامنے آجاتی ہے تو توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دوزخی آدمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اگر ساری دنیا تیرے لیے ہو تو اس کو دے کر اپنی جان چھڑائے گا۔ وہ کہے گا "ہاں" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں اس سے بھی زیادہ آسان امر تجھ سے چاہتا تھا۔ تیرے باپ آدم کی پیٹھ میں تجھ سے اقرار لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا مگر تو نے نہیں مانا شرک کیا اور گنہ گار رہا۔ جس چیز سے رغبت ہے اس

چیز کا خرچ کرنا سب سے زیادہ ثواب ہے۔

_______ عابدہ بیگم ہبلی
گدگ، دھارواڑ (کرناٹک)

مسجد میں چوری

کسی گانو میں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام محمود تھا۔ محمود ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ امیر خاندان سے تھا۔ اس کے محلے میں ایک مسجد تھی۔ وہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا تھا۔ مسجد کے لوگ اس کو چاہتے تھے اس کو مسجد کا صدر بھی بنایا گیا۔ چند سالوں تک مسجد میں صدارت اچھی طرح کرتا رہا جس کی آمدنی بھی دوگنی ہوگئی۔ اب محمود کا دل پلٹ گیا اور اس نے مسجد سے قرآن اور دوسرے سامان کو چرانا شروع کیا۔ خدا نے یہ سب کچھ دیکھا اور اس پر عذاب نازل کیا۔ اس کا حال خراب ہونا شروع ہوا۔ اس کے رشتے دار اس کے خلاف ہوگئے۔ کھیت اور مکان میں حصہ نہیں دیا۔ اس کا مسجد میں نام تک نہیں لیا گیا۔ آخر میں اس کی موت ہوئی اس کی میت میں بہت کم لوگ تھے۔ ایسے کام کرنے والے کا یہی حال ہوتا ہے اس سے لوگوں کو سبق لینا چاہیے۔

بچوں سے میری یہ گزارش ہے کہ مسجد تو اللہ کا گھر ہے اس کی دیکھ بھال کرو۔ اس کی دیکھ بھال کرنے سے آپ کو اور آپ کے ماں باپ کو بہت بڑا انعام ملے گا۔ مسجد کی دیکھ بھال کرنے سے اللہ آپ کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔

_______ محمد محبوب
بورسٹا رنگن پیٹھ۔ نسور راپور، گلبرگہ

پہیلیاں

(۱) سر کاٹا تو امن　　پیر کاٹے تو پیالہ
کہہ گئے امیر خسرو　　رنگ ہے اس کا کالا

(۲) میں کالی ہوں، میں بھاری ہوں
میں ہوں سب کی ہتھیاری
بوجھو بچو، نام بتاؤ
کسی سے نہ میں ہاری

انیس احمد جلیل احمد چرنا کھٹی مالیگاؤں

[illegible]

۱۔ ہل ہلتا دھی جمتا۔ دل ترستا۔ ہاتھ نہیں پہنچتا۔
۲۔ چڑھ چوکی پہ بیٹھی رانی۔ سر پر آگ بدن پہ پانی۔
۳۔ چینی پیالہ ٹوٹا کوئی جوڑتا نہیں
راجا بنسی مرے کوئی روتا نہیں
سیتل پاٹی بچھی کوئی سوتا نہیں
۴۔ ہری تھی من بھری تھی سوا لاکھ موتی جڑی تھی
بادشاہ نے ماری چھڑی بیتاب ہوکر گری تھی
۵۔ چار بھائی چار رنگ۔ پھول کھلا ایک رنگ
(پان۔ کتھا۔ چونا۔ چھالیہ)

۶۔ آپا کی ہتھیلی میں۔ ہُو ہو کے بیج ۔
۷۔ سامنے آئے کو دے دو۔ مارا جائے نہ زخمی ہو۔
۸۔ سہری مسجد سفید خانے اس میں بیٹھے سندی دوانے
۹۔ ایک صندوق کے بارہ (۱۲) خانے ۔
ایک ایک خانے میں تیس تیس (۳۰) دانے

۱۰۔ چار لنگ چار پلنگ ۔ چار سرے دانیاں
تنبیر بٹیر لڑنے لگے بطخیں دیں لوریاں
۱۱۔ اتنی سی بٹیا۔ سوا گز کی چٹیا
۱۲۔ اتنی سی بٹیا۔ بادشاہ کو جھکائے

اسرا عزیز۔ حیدر آباد

[illegible]

وقت دولت ہے

انگریزی کی مثل ہے TIME IS MONEY یعنی وقت دولت ہے ۔غور کیا جائے تو یہ مثل حرف بحرف صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واقعی وقت ایک انمول رتن ہے اور یہ ایک ایسی گراں قدر چیز ہے جس کی قیمت کا اندازہ لگانا امرِ محال ہے۔ وقت کی قدر و قیمت کو جاننے والے ہی وقت کو اچھے اور تعمیری کاموں میں صرف کرتے ہیں اور جن کو وقت کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی۔ وہ لوگ وقت کو فضول اور بیکار مشاغل میں گنوا دیتے ہیں ۔ وقت کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتا وقت کی ناپائیداری پر یہ مصرع صادق آتا ہے ؎

جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا

گزرے ہوئے وقت پر افسوس بے سود ہے۔ گزرا ہوا لمحہ لوٹ کر واپس نہیں آتا۔ انسان کی زندگی میں گوناگوں سنہرے مواقع بھی آتے ہیں۔ ان سے بر محل فائدہ نہ اٹھانے والے لوگ کفِ افسوس مل کر رہ جاتے ہیں لیکن
"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"
وقت کی پابندی، نامور لوگوں کا شعار ہے۔ باکمال لوگ وقت کی پابندی کر کے ہی مرتبۂ کمال تک پہنچتے ہیں ۔جو طالب علم وقت کی پابندی کا خیال رکھتا ہے وہ ترقی کے مدارج طے کرتا ہے۔ باضابطہ زندگی کے معنی یہ ہیں کہ آدمی وقت پر کھائے، وقت پر سوئے اور وقت پر جاگے۔ وقت کا صحیح استعمال ہماری زندگی میں ڈسپلن لاتا ہے اور کسی کام میں نظم و ضبط اور ڈسپلن کامیابی کی ضمانت ہے۔ وقت کے بارے میں اس مصرع کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا چاہیے۔

"گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

محمد نعیم ابن محی الدین اکرمی
جامعہ اشرفیہ بھٹکل

دنیا کے مختلف ممالک اور ان کی کرنسیاں

ملک کا نام	کرنسی	ملک کا نام	کرنسی
پاکستان	روپیہ	افغانستان	افغانی
بنگلہ دیش	ٹکا	ایران	ریال
عراق	دینار	آسٹریلیا	ڈالر
بلجیم	فرانک	انگلستان	پونڈ
مراقش	درہم	جین	ین
ڈنمارک	کرون	نکاراگوا	کورڈوبا
ناروے	کرونر	اٹلی	لیرا
ارجنٹائنا	پیسو		

میرے پسندیدہ اشعار

(۱) وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں رشتے سارے
ساتھ کل تک تھے سبھی مگر آج کوئی نہیں

خدا جانے تمہارے نام سے کیسی محبت ہے
کسی کا نام لوں لب پہ تمہارا نام آتا ہے

عبدالغفار —— ایم ایس (رکھشکل)

پیام تعلیم کا خصوصی شمارہ

پیامی بچوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پیام تعلیم کا اپریل ۱۹۸۸ء کے شمارہ "بچوں کی کوششیں" نمبر ہوگا۔ اس نمبر میں زیادہ تر بچوں کے لکھے ہوئے مضامین، نظمیں، معلومات اور لطیفے تصاویر کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔ اس خصوصی شمارے کے لیے اپنے مضامین اور تصویریں ۱۵ر فروری ۱۹۸۸ء تک بھجوایئے۔ تاخیر سے ملنے والے مضامین شامل نہیں کیے جائیں گے۔

ایڈیٹر ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 36

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۲ر فروری ۱۹۸۶ء

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اُسے ھی نمبر وار لکھیے

1- یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ___ انسانوں کے لیے شفیق بنایا تھا۔ تمام/سارے/سب
2- اسماءؓ نے سارا ___ کہہ سنایا۔ ماجرا/قصّہ/واقعہ
3- ہاں ___ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کا یہ نام اصلی ہے۔ شاہین/یاسمین/ناہید
4- حمزہ گنجے نے اپنی بات ___ کردی اور ہائے ہائے کرنے لگا۔ پوری/ختم/مکمل
5- ___ میں سے ایک ہلکی مگر شاندار آواز آئی۔ مکان/گھر/کمرے
6- ایک ___ کے لیے سب سے زیادہ اہم سوجھ بوجھ ہے عقل و تدبیر ہے۔ سردار/بادشاہ/وزیر
7- یہ اپنے دوست سے ملنے گیا تھا اور پورے ___ برس کے بعد لوٹا تھا۔ چھے/سات/آٹھ
8- اس نے ___ کی غیر حاضری میں ایک مکان لیا اور بہت سی کتابیں جمع کیں۔ ارسطو/افلاطون

صرف آخر کے ڈیڑھ سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۱۸ اور ۳۰ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی اَدبی مُعمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معما کا ٹوکن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 36 ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ٹوکن

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 36

میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔

نام ....

پتا ....

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
[illegible]	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
مہاتما گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا مجرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
[illegible] نہرو	۴/۰۰
[illegible]	۳/۰۰
[illegible]	۲/۰۰
[illegible]وں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
جنگل کی بستی	۳/۵۰
[illegible] جوتے	۳/۰۰
[illegible]	۴/۵۰
[illegible]ت	۲/۰۰
[illegible] کے دو نکتے	۱/۵۰
[illegible] کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
[illegible] کی بیوی	۲/۵۰
[illegible] فرشتہ	۴/۵۰
[illegible] ہیرا	۴/۵۰
[illegible] کھیتی	۲/۵۰
[illegible] کی کہانی	۲/—
[illegible] ہار	۴/۵۰
[illegible]	۲/۵۰

کتاب	قیمت
آؤ دعا کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۔ ۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۲/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تا کے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰
جیت کس کی ؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدمدانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو جپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شمشیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
اردو خوشخطی اول	۱/۵۰
اردو خوشخطی دوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی سوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی چہارم	۲/۵۰

کتاب	قیمت
ریڈیو فیچر	۲/۵۰
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۲/۰۰
ہمارے تہوار	۹/۵۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	۶/۰۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۴/۰۰
جلوہ غالب	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک چھچھوندر کی تیل میں	۱/۵۰
تابیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/۰۰
پہیلیاں	۰/۸۰
جھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چڑیاں	۳/۰۰
ہمارا دین اول	۷/۰۰
تیار رہو	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں اول	۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment

Regd. No. D(SE)-043

January 1988

PAYAM-I-TALEEM

Monthly

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025

Regd. with R.N.I. at No.10537/64

نئی دہلی
پیام تعلیم
Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar

ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم نادرسعید زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۲/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت ۱/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار — سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھیں گے
قیمت : ۴/۵۰
اناڑی — عصمت چغتائی
قیمت ۳/-
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہوگئی، لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے عراق کی قید سے آزادی دلائی تھی۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۲/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ہیں جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دلّی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۶ — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳ — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

ماہنامہ

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

فروری ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۲

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: 30/-
بیرون ملک سے: نو ڈالر بذریعہ ہوائی جہاز، بارہ ڈالر
فی پرچہ ایک ڈالر

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

بچوں سے باتیں

• پیام تعلیم کا سالنامہ کیا شائع ہوا کہ تعریفی خطوط کے ڈھیر لگ گئے، کیا بچے، کیا بچیاں، کیا بڑے بزرگ، سب ہی نے پسند کیا، ہماری محنت ٹھکانے لگی، ہمارے حوصلے بڑھے۔ اب ہم "بچوں کی کوششیں نمبر" کی تیاری کر رہے ہیں اپنے مضامین اور کہانیاں جلد از جلد بھیجئے اور ہاں اپنے دوستوں سے بھی مضامین لکھوائیے۔

• اکتوبر ۱۹۸۶ء میں ہم نے بچوں اور بڑوں کی ممتاز ادیبہ صالحہ عابد حسین سے آپ کا تعارف کروایا تھا۔ ہم بڑے دکھ کے ساتھ آپ کو یہ افسوس ناک خبر دے رہے ہیں کہ آپ کی مقبول ادیبہ ۸ جنوری ۱۹۸۸ء کی شب میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون... اس شمارے میں ہم اکتوبر ۱۹۸۶ء والا تعارفی مضمون آپ کی معلومات کے لیے دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ بچے ان کے لیے انھوں نے کتنے بڑے بڑے کام کیے ہیں [illegible]
[illegible] یہ ہم آپ کو بعد میں بتائیں گے۔

صالحہ عابد حسین

سات شادیاں

تم نے سات شہزادیوں، سات پریوں، سات خیلاؤں، سات دیویوں سات بیگموں، اور سات بادشاہوں کی کہانیاں تو سنی ہوں گی ۔ اچھی، بری، جھوٹی، سچی، آؤ تمہیں ایک سچی کہانیاں سنائیں۔ سات شادیوں کی۔ مگر یہ کسی بادشاہ، راجا مہاراجا، یا نواب، سیٹھ ساہوکار، بزنس مین، برلا ٹاٹا کی کہانی نہیں ہے ۔ یہ تو ایک عالم فاضل پروفیسر صاحب کی کہانی ہے جو کئی اسکولوں اور ایک یتیم خانہ کے منتظم بھی تھے ۔ ان کے دل میں قوم کا درد تھا ۔ بچوں سے محبت تھی ۔ انسانوں سے محبت تھی ۔ ان کے لڑکے تو دو تھے مگر لڑکی ایک ہی تھی۔ سکینہ ماں باپ اسے بہت چاہتے تھے ۔ اسے اعلیٰ تعلیم دلائی گھرداری کے کام سکھائے ۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت کرنا سکھایا۔

جب سکینہ بڑی ہوئی تو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ تم جانو شادی بیاہ چیز ہی ایسی ہے ۔ سن کر ہی جوش آجاتا ہے ۔ قصہ کہانیوں میں پڑھ کر بھی اور دیکھ کر بھی۔ امیر غریب سبھی اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ شامیانے لگتے ہیں ۔ روشنی ہوتی ہے ۔ اور بھی طرح طرح کے کھانے بھی پکتے ہیں۔ بھاری جہیز اور بری بنتی ہے ۔ سیکڑوں پیٹ بھرے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے ۔ اور ہزاروں غریب لوگ جن کو ایک وقت کھانا نہیں ملتا ۔ ویسے ہی بھوکے رہ جاتے ہیں ۔ اس کا کسی کو دھیان نہیں آتا ۔ مگر سب لوگ ایسے نہیں ہوتے ہمارے پروفیسر صاحب نے طے کیا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی بہت سادگی سے کریں گے ۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی چھ بہنوں کی بھی ۔ یعنی سات شادیاں ۔ سمجھے تم وہ [illegible] کے ساتھ اس کی غریب، سہیلیوں اور یتیم خانہ کی لڑکیوں کی بھی ۔ [illegible]

عابد ولا، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بھلا کی ان کے گھر سے۔

ان کی بیوی نے سات لڑکیوں کا جہیز تیار کیا۔ سات دولھاؤں کے جوڑے بنوائے۔ سکینہ بھی خوش تھی۔ کیوں نہ ہوتی۔ ہم نے بتایا تا کہ انھوں نے اسے ایم اے تک پڑھایا تھا اور تہذیب و تمیز کی تعلیم بھی دی تھی۔ اسے انسانوں سے اور خصوصاً بچوں سے محبت کرنا سکھایا تھا۔ سکھایا کیا ہوگا۔ ماں باپ کی زندگی اور مثال سے بچے خود ہی اچھی اچھی باتیں سیکھ لیتے ہیں۔ وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ بھائیوں سے لڑائی بھی ہوتی تو ماں پیار بھری نصیحت ہی کرتیں۔ ایسے میٹھے انداز میں جیسے دعائیں دے رہی ہوں۔

سکینہ پڑھائی میں تیز تھی۔ ایم اے اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا تھا۔ تم جانو لڑکی وہ بھی اکلوتی۔ کئی بھائیوں کی بہن۔ بڑے مشہور اور ہردلعزیز آدمی کی بیٹی۔ اس کے لیے پیسے کی تو کمی تھی نہیں۔ شادی کا وقت آیا۔ عزیزوں۔ پڑوسیوں۔ دوستوں — سب کو امید تھی کہ خوب دھوم دھڑکا ہوگا۔ شان سے شادی ہوگی۔ بہت عمدہ جہیز دیا جائے گا، اور کھئی ہم مفت میں مزے لوٹیں گے — مرغا، شیرمال، کباب، پلاؤ، متنجن — سبھی کچھ کھانے کو ملے گا۔

مگر — مگر — شادی میں لوگ گئے تو دیکھا کہ شامیانے تو بہت سے ہیں، اور بھئی لوگ بھی بہت ہیں۔ روشنی بھی ہے — مگر یہ کیا۔ ایک کی جگہ کتنے بہت سے دولھا بیٹھے ہیں۔ ارے شیخ صاحب کے تو ایک ہی لڑکی ہے۔ ہاں مگر انھیں یہ پتہ نہ تھا کہ وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی غریب سہیلیوں اور پڑوسی یتیم خانے کی لڑکیوں کو (جن کے وہ سرپرست بھی تھے) اپنی ہی بیٹیاں سمجھتے ہیں۔ اور انھوں نے چھ جوان نیک کی مگر غریب لڑکیاں انتخاب کیں۔

جب نکاح پڑھائے گئے تو کسی کو پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کون سا دولھا شیخ صاحب کا ہے اور کون دوسری لڑکیوں کے — اور شادی کے بعد جب لڑکیاں رخصت ہونے لگیں تو لوگوں نے دیکھا کہ سب کو بہت سی چیزیں، جو کام کی ہوتی ہیں، معمولی چیزیں جہیز میں دی گئیں۔ ایسی جو نئی زندگی شروع کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں — سب کو ایک سا جہیز دیا گیا۔

[illegible]

مل کر وہ بالکل اسی طرح رو رہی تھیں جس طرح اپنے ماں باپ سے مل کر لڑکیاں رخصت ہوتے وقت روتی ہیں۔ ہاں ان میں ایک لڑکی ایسی بھی تھی جس کی آنکھوں میں آنسو ضرور تھے مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ سمجھ گئے نا۔ یہ شیخ صاحب کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی جسے اس وقت سچی خوشی ہو رہی تھی کہ وہ ایسے بڑے باپ، جس کا دل اتنا بڑا ہے۔ کی بیٹی ہے۔ اور واقعی یہ تھی بھی انتہائی فخر اور خوشی کی بات!

لڑکیاں رخصت ہونے لگیں تو شیخ صاحب نے نہایت محبت سے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر کھرّائی ہوئی آواز میں کہا ——— آج میں سات یتیموں کے فرض سے ادا ہو رہا ہوں ——— یہ سنا تھا کہ سب لڑکیاں بیتاب ہو کر ان سے لپٹ گئیں ——— بابا ——— بابا ———

تو بھئی ——— آج کے سچے بادشاہ ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں جو یوں سات بیٹیاں بیاہتے ہیں ——— بیٹیاں جو سچ مچ اپنے اخلاق کی وجہ سے شہزادیاں ہی ہوتی ہیں۔

دودھ کا حوض

یوسف ناظم

دلی میں رہنے والے اور وہاں آنے جانے والے سبھی جانتے ہیں کہ دلی میں ایک جگہ ایسی بھی ہے جس کا نام حوضِ خاص ہے۔ ہم بھی دلی میں کئی بار جا چکے ہیں اور حوض خاص کا بھی سفر کیا ہے۔ ایک نہیں کئی مرتبہ لیکن ہمیں وہاں کوئی حوض نظر نہیں آیا۔ حوض ہوتا تو ضرور دکھائی دیتا۔ حوض کے مسئلے پر ہم نے کافی غور و خوض کیا لیکن کوئی مفید نتیجہ بر آمد نہیں ہوا۔ تاریخ ہم نے پڑھی نہیں۔ آثارِ قدیمہ سے ہمیں دلچسپی ضرور ہے لیکن صرف اس حد تک کہ آثارِ قدیمہ کی عمارتوں کے ارد گرد جو بھی گائیڈ ہوتے ہیں ہم ان کی بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ ایک ہی مقام پر اگر دو تین بار جانا پڑے تو ہر مرتبہ گائیڈ ایک نئی داستان سناتا ہے۔ پتا نہیں وہاں کی داستان بدل جاتی ہے یا گائڈ بدل جاتا ہے۔ حوض خاص کے محلے میں ہمیں کوئی گائیڈ کیا، گائیڈ کے قسم کی کوئی شے نظر نہیں آئی۔ ایک دکان پر ہم نے پوچھا کہ حوض خاص کہاں ہے تو نہ صرف دکان دار بلکہ دکان پر جو دو چار گاہک کھڑے تھے وہ بھی ہنس پڑے اور ان میں سے ایک نے کہا آپ حوض خاص میں تو کھڑے ہی ہوئے ہیں۔ اس بات پر ہمیں وہ لطیفہ یاد آ گیا جس میں یہ داستان بیان کی گئی ہے کہ ایک صاحب نے اپنے گھر کے وسیع احاطے میں ۳ حوض بنوائے اور جو بھی ان سے ملنے آتا وہ اسے سمجھاتے کہ پہلا حوض گرم پانی کے لیے ہے، دوسرا حوض ٹھنڈے پانی کے لیے ملاقاتی

اور تیسرا حوض کس لیے ہے تو وہ بتاتے کہ یہ خالی رہے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کبھی نہانے کو جی ہی نہ چاہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ لطیفہ تم پہلے سن چکے ہو۔ ہم نے تو یہ لطیفہ صرف اس لیے سنایا کہ جب ہم سے کہا گیا کہ آپ حوض ہی میں کھڑے ہیں تو ہمیں خیال آیا کہ شاید یہ وہی تیسرا حوض ہوگا جو خالی رکھا گیا تھا۔

اصل قصہ یہ ہے کہ محلّوں کے نام وہاں کی کسی خصوصیت کی بنا پر مشہور ہو جاتے ہیں اور ہر شہر میں ایسا ہونا ضروری ہے۔ خود بمبئی میں ایسی کتنی جگہیں ہیں جن کا نام آج عجیب عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ ایک جگہ ہے دھوبی تلاب (دھوبی تلاؤ) اب وہاں جاؤ تو صرف ۱۰، ۱۰ منزلہ اونچی عمارتیں ہیں، دو تین بڑے بڑے سینما ہال ہیں۔ سو دو سو دکانیں ہیں اور اتنی گہما گہمی ہے کہ اکیلا آدمی بھی کھو جائے۔ اب وہاں دھوبی گھاٹ کہاں سے آئے گا۔ ہوگا کوئی سو پچاس سال پہلے۔ ایسا نہیں ہے کہ بمبئی میں اب لوگوں کے کپڑے دھلتے ہی نہیں ہیں۔ اب بھی دھلتے ہیں اور ہر شخص دھوبیوں کے رحم و کرم ہی پر زندگی گزارتا ہے اور ہر سال اس کے دو چار جوڑے کپڑے ضرور دھوبی گما دیتے ہیں لیکن اب یہ کپڑے سوائے دھوبی تالاب کے ہر جگہ دھلتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اس محلے کا نام یہاں سے دُھل جائے۔ بمبئی میں ایسے کئی محلّے موجود ہیں۔ حیدر آباد میں بھی ایسی کتنی ہی جگہیں ہوں گی کہ بس ان کا نام ہی نام ہے یہ نام کیوں ہے کسی کو بھی پتا نہیں۔ فرصت بھی کسے ہے کہ کوئی پوچھے اور فرصت ہو بھی تو ضرورت کیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ حوض خاص اگر کسی حوض کا نام رکھنا ہی تھا تو اس حوض کا رکھا جاتا جو کسی زمانے میں اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ اس میں پانی نہیں، دودھ ہی دودھ ہوگا۔ وہ قصہ تو تمھیں یاد ہی ہوگا کہ ایک بادشاہ نے یہ سوچا تھا کہ شہر میں ایک دودھ کا حوض بھی ہونا چاہیے اور جونہی یہ خیال ان کے دماغ میں آیا انھوں نے پہلے تو ایک حوض بنوا دیا اور جب حوض بن کر سائیں سائیں کرنے لگا تو بادشاہ نے ایک دن شام کے وقت یہ اعلان کروا دیا کہ کل صبح شہر کا ہر شخص اپنے اپنے گھر سے ایک لوٹا دودھ لائے اور حوض میں انڈیل دے۔ اس زمانے میں اتنی مہنگائی نہیں تھی اور تقریباً ہر شخص کے گھر میں گائیں بھینس ہوا کرتی تھیں۔ جن کے گھر میں کوئی دودھ دینے والا جانور نہیں ہوتا وہ بھی گوالوں سے دودھ

خریدتا ہی تھا۔ اس زمانے میں لوگ صرف دودھ پیا کرتے تھے بروک بانڈ کی چائے نہیں پیتے تھے اسی لیے ان لوگوں کی صحت آج کل کے لوگوں کے مقابلے میں بہتر ہوا کرتی تھی وہ لوگ صبح سویرے اٹھ بھی جایا کرتے تھے یہ نہیں کہ ۸ بجے تک پڑے خرّاٹے لے رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے اسی لیے حوض میں دودھ کا لوٹا انڈیلنے کا وقت صبح ہی کا مقرر کیا تھا تاکہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے حوض بھر جائے۔ ہم یہ کہہ رہے تھے کہ گو دودھ سب کے پاس ہوتا تھا لیکن بہرحال اس پر پیسے خرچ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں لوگ بھی ایمان دار ہوا کرتے تھے (مشہور تو یہی ہے) لیکن جیسا کہ تمھیں معلوم ہے شاہی اعلان کے بعد ہر شخص نے اپنے دل میں یہ سوچا کہ اگر اتنے بڑے حوض میں اس نے دودھ کی جگہ ایک لوٹا پانی ڈال دیا تو اس کا ڈالا ہوا پانی تو ہوا ہو جائے گا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ اس نے دودھ ڈالا ہے یا پانی۔ اس زمانے میں اس قسم کے کام یوں ہی انجام پاتے تھے مطلب یہ کہ نگرانی کے لیے فوج کے سپاہی وغیرہ نہیں مامور کیے جاتے تھے۔ پولس تو شاید ہوتی ہی نہیں تھی۔ (اگر یہ لوگ نگرانی کے لیے ہوتے بھی اور اگر لوگ واقعی اپنے اپنے لوٹوں میں دودھ لاتے بھی تو یہ دودھ شاید ہی حوض تک پہنچ پاتا)۔ بہرحال ہوا یہ کہ جب دوسرے دن صبح لوگوں نے اس خالی حوض کو بھرا تو پورے حوض میں پانی ہی پانی تھا۔ اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ یہ ہوا حوض خاص بلکہ خاص الخاص ـــــ دودھ کے تعلق سے یہ دنیا کا دوسرا منصوبہ تھا جو ناکام ہوا۔ اس سے پہلے مصر میں فرہاد نے شیریں کے محل تک دودھ کی ایک نہر کے پہنچانے کی اسکیم بنائی تھی جو فیل ہو گئی۔ اس کے کئی سال بعد دودھ کے حوض کی اسکیم فیل ہوئی۔ ہم سوچتے ہیں کہ دودھ کا یہ حوض اگر بن بھی جاتا تو کس کام آتا۔ دودھ تو چند گھنٹوں کا مہمان ہوتا ہے۔ ٹھیک سے گرم نہ کرو تو پھوٹ جاتا ہے۔ حوض کا دودھ کو کس طرح گرم کیا جا سکتا تھا اس سے ظاہر ہے کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ پھر سوال یہ بھی ہے کہ ہر گھر میں بھینس ہی کا دودھ تھوڑے ہی آتا ہوگا کسی کے گھر میں گائے کا، کسی کے یہاں بکری کا اور کسی کے پاس بھیڑ کا۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں اونٹنی کا دودھ بھی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہو اب یہ سارے دودھ ایک ہی حوض میں جمع ہو جاتے

تو اس دودھ کا کیا حشر ہوتا۔ بادشاہ سلامت نے یہ بات بالکل نہیں سوچی کہ مچھلیاں حوض پر الگ جمع ہو تیں۔ دودھوں نہانے کی بات ہم نے سنی ضرور ہے لیکن دودھ سے بھی بھلا کوئی نہاتا ہے۔ پہلے دودھ سے نہاؤ پھر پانی سے نہاؤ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن بھر بس نہاتے ہی رہو۔ دودھ سے نہانے کے بعد کوئی شخص دوسروں کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ دودھ کی مہک کوئی عطر کی خوشبو تو ہے نہیں کہ لوگ سونگھ کر خوش ہوتے رہیں۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ اچھا ہی ہوا جو دودھ کا حوض بن نہیں سکا۔ یہ حوض تو مچھلیوں کے کام کا بھی نہ ہوتا۔ آج تک کوئی مچھلی دودھ میں نہیں تیر سکی ہے۔ مچھلی بھی آخر سمجھ دار مخلوق ہوتی ہے۔ وہ ماہئ بے آب ہو کر زمین پر سسکنا تڑپنا پسند کرے گی لیکن دودھ میں ہرگز ہرگز نہیں تیرے گی۔ ہاں اگر حوض بن جاتا اور لوگ اپنے اپنے بچوں کے ساتھ تماشا دیکھنے آتے اور کوئی بچہ اس حوض میں گر جاتا تو اس کے البتہ مزے ہو جاتے اور بچے کے حوض میں گرتے ہی کتنے ہی لوگ اسے ڈوبنے سے بچانے کے لیے اس دودھ کے حوض میں کود پڑتے۔ اپنے گھر سے تو لاتے ایک لوٹا دودھ لیکن پی جاتے گھڑا بھر دودھ۔ کیا تعجب جھگڑے بھی ہوتے۔ کچھ لوگ تو یہ بھی شبہ کرتے کہ ماں نے اپنے بچے کو جان بوجھ کر حوض میں گرا دیا تھا۔ ظاہر ہے اتنا سارا دودھ اس بچے کو اپنے گھر میں تو پینے کو نہیں مل سکتا تھا۔ ایک حوض سے کتنے مسئلے پیدا ہو جاتے۔ اچھا ہی ہوا جو یہ حوض نہیں بنا۔ کہیں یہ وہی حوض تو نہیں ہے جو دلی میں حوض خاص کے نام سے چلا آ رہا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دودھ کے حوض کی کہانی دلی کی ہے ہی نہیں۔ دلی میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہوا جسے دودھ کا اتنا شوق ہو۔ یہ شوق تو صرف اسی کو ہو سکتا ہے جس کے دودھ کے دانت ہی نہ گرے ہوں۔

معراج

راشد ملازمت کے لیے کسی دوسری جگہ جا رہا تھا۔ اس کے والد نے کہا، "میرے بیٹے، تم نے ہمیشہ میری دل و جان سے خدمت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تمھیں اس نیکی کا صِلہ ضرور دیگا۔ میں تمھیں اسی کے سپرد کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے بیس اشرفیاں راشد کو دیں اور اسے اللہ حافظ کہا۔ راشد نے یہ رقم اپنی جیب میں رکھی اور سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔

شام کے وقت وہ شہر کے قریب پہنچ گیا۔ اتفاق سے اسی وقت بادل اُمڈ آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی قریب ہی ایک قبرستان تھا۔ راشد بارش سے بچنے کے لیے ایک مقبرے میں چلا گیا۔ اس نے روٹی کھائی اور مقبرے کے ایک کونے میں لیٹ کر سو گیا۔

آدھی رات کے وقت اس کی آنکھ کھلی۔ بارش تھم چکی تھی۔ اور چاند کی دھیمی دھیمی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مقبرے سے کچھ دور دو آدمی ایک قبر کو کھود رہے تھے۔

راشد سمجھ گیا کہ یہ کفن چور ہیں۔ وہ دل مضبوط کر کے ان کے پاس پہنچا اور بولا، "تم اس لاش کی بے حرمتی کیوں کر رہے ہو؟"

ایک آدمی غصہ سے بولا، "یہ شخص ہماری بہت سی رقم کھا گیا ہے جس کا انتقام ہم یوں لیں گے کہ اس کی لاش کو قبرستان سے باہر پھینک دیں گے تاکہ کتے اسے کھینچتے پھریں اور دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔"

راشد بولا، "اللہ کے لیے تم یہ ظلم نہ کرو۔ میرے پاس کل بیس اشرفیاں ہیں۔ یہ میں تمہیں دے دونگا۔"

دونوں آدمیوں نے کچھ دیر تک مشورہ کیا۔ آخر ایک بولا، "ہمیں منظور ہے"۔

راشد نے اپنی کل رقم نکال کر ان آدمیوں کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ دونوں بدفطرت شخص راشد کی سادہ لوحی پر (بھولپن) ہنستے ہوئے چلے گئے۔

صبح ہوئی تو راشد پھر اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ جنگل میں سے گزرتا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں مگن چلا جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی، "میاں صاحبزادے ذرا ٹھہرنا"۔ راشد ٹھہر گیا۔ ایک شخص اس کے قریب آیا اور بولا، "کہو بھائی، کہاں کا ارادہ ہے"؟

راشد مسکرا کر بولا، "جہاں بھی قسمت لے جائے۔ ہم مسافروں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ جہاں دانہ پانی مل گیا وہیں بسیرا کر لیا۔"

اجنبی مسافر قہقہہ مار کر بولا، "بھئی بہت خوب۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ اگر تم منظور کرو تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں"؟

راشد بولا، "مجھے آپ کی رفاقت منظور ہے۔"

دونوں ہی نیک فطرت تھے، اس لیے وہ جلد ہی گہرے دوست بن گئے۔ راشد کو معلوم ہو گیا کہ اس کا دوست بہت سمجھ دار ہے۔ وہ دنیا کے ہر حصہ میں گھوم پھر چکا ہے اور اسے ہر چیز کی پوری پوری معلومات حاصل ہیں۔ دوپہر کے

وقت وہ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ۔ایک غریب بڑھیا ان کے پاس سے گزری۔ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر پڑی ۔ بڑھیا کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ درد سے چلانے لگی ۔اجنبی فوراً اس بڑھیا کے پاس پہونچا۔ اس نے کہا، "بڑی بی ، اگر میں تمھاری ٹانگ ٹھیک کر دوں تو تم مجھے کیا معاوضہ دوگی "؟

بڑھیا کراہتے ہوتے بولی ، " مجھ غریب کے پاس کیا ہے جو میں تمھیں دے سکوں ؟"

احسان بولا ، چلو تم مجھے یہ کھجور کے پتّے ہی دے دینا جو تمھارے ہاتھ میں ہیں ۔" یہ کہہ کر اس نے بڑھیا کی ٹانگ پر تیل کی مالش کی ۔ اور ذرا سی دیر میں اس کی ٹانگ بالکل ٹھیک ہو گئی ۔

راشد نے پوچھا، " تم ان پتّوں کا کیا کروگے ؟"

احسان قہقہہ لگا کر بولا، "میں ان کی جھاڑو بناؤں گا۔ تم نے دیکھا میں کیسا عجیب انسان ہوں ؟"

دن بھر چلتے رہے۔ شام کے وقت وہ ایک سرائے میں پہونچے ۔جب رات

ہوئی تو ایک پتلیوں والا پتلیوں کا تماشا دکھانے لگا۔ بہت سے لوگ اس کے گرد اکھٹے ہو گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ سب سے آگے ایک پہلوان اپنے کتے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ تماشا شروع ہوا۔ یہ کسی دربار کا منظر تھا۔ راجہ اور رانی تخت پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کتا چھلانگ مار کر اسٹیج پر چڑھ گیا۔ اس نے رانی کو کمر سے پکڑ لیا۔ نازک بدن والی رانی ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ غریب پتلیوں والے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اسے رانی سے بے حد محبت تھی۔

جب سب لوگ چلے گئے تو اجنبی مسافر کٹھ پتلیوں والے کے پاس آیا اور بولا، "تم کوئی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری رانی کو بالکل ٹھیک کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر اجنبی مسافر نے تھیلے میں سے تیل کی بوتل نکالی اور رانی کے جسم پر مالش کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد رانی نہ صرف ٹھیک ہو گئی بلکہ اپنے ہاتھ پاؤں خود ہلانے لگی۔ اب اس کے ہاتھ پاؤں ہلانے کے لیے ڈوریاں کھینچنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

رانی نے مسافر کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ننھے منے ہاتھوں میں تاج تھام کر التجا کرنے لگی۔ "اللہ کے لیے آپ میرے خاوند اور اور درباریوں کو بھی میری طرح بنا دیجیے۔ تاکہ وہ بھی آسانی سے چل پھر سکیں۔"

پتلیوں والا بھی یہ منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اس نے بھی درخواست کی، "آپ مجھ سے جو چاہے لے لیجیے۔ لیکن میری پتلیوں کو رانی جیسا بنا دیجیے۔"

مسافر بولا، "مجھے منظور ہے۔ تم اس کام کے معاوضے میں مجھے اپنا خنجر دے دینا۔" یہ کہہ کر مسافر نے سب پتلیوں پر تیل مل دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ زندہ انسانوں کی طرح حرکت کرنے لگیں۔ سب گڈے اور گڑیاں خوشی کے مارے ناچنے لگے۔ انھیں دیکھ کر لوگوں کے پاؤں بھی تھرکنے لگے۔ کچھ دیر بعد سرائے میں موجود سب لوگ ناچ رہے تھے۔

یہ ہنگامہ رات بھر جاری رہا۔ صبح کے وقت راشد اور مسافر ان لوگوں سے رخصت ہوئے۔ ان کا راستہ اب بلند پہاڑوں پر سے گزرتا تھا۔ وہ اسی پہاڑی راستے پر چلتے رہے۔ ایک خوب صورت راج ہنس ان کے سر پر منڈلا رہا تھا

مسافر نے نشانہ لے کر خنجر پھینکا جو ہنس کے جسم میں پیوست ہوگیا اور وہ تڑپتا ہوا نیچے آکر گرا۔ مسافر نے راج ہنس کے دونوں پر کاٹ لیے اور بولا، "میں ان پروں کا پنکھا بناؤں گا۔ تم نے دیکھا میں کتنا عجیب انسان ہوں؟"

وہ پہاڑ عبور کرکے اس کے دوسری طرف پہنچے۔ وہاں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ اس کے درمیان میں سنگ مرمر کا بنا ہوا قلعہ موتی کی طرح جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ راشد اور اسکا ساتھی ایک سرائے میں ٹھہر گئے، "سرائے والے نے کہا "اس شہر کا بادشاہ بے حد رحم دل اور نیک انسان ہے۔ اس کی بیٹی بے حد خوب صورت ہے لیکن وہ اتنی ہی سنگ دل اور ظالم بھی ہے۔ یہ ظالم ڈائن اب تک ہزاروں نوجوانوں کی بھینٹ لے چکی ہے۔ اس نے اعلان کر رکھا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں تین چیزیں سوچے گی جو شخص انھیں بتادے گا، وہ اس سے شادی کرلے گی۔ اگر کوئی شخص اس کی سوچی ہوئی چیزوں کا نام نہ بتا سکے گا تو وہ اس کا سر قلم کرادے گی۔ اب تک ہزاروں لوگ آچکے ہیں لیکن کوئی بھی زندہ واپس نہ جاسکا۔"

اسی وقت باہر گلی میں کچھ شور سنائی دیا۔ انھوں نے جھانک کر دیکھا شہزادی کا جلوس گزر رہا تھا۔ شہزادی زرق برق لباس پہنے ہوئے سفید گھوڑے پر سوار بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

راشد نے کہا "میں شہزادی سے ضرور شادی کروں گا۔" سب لوگوں نے اسے اپنے ارادے سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ لیکن راشد پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اگلے دن راشد نے غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کے سامنے اس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا "نوجوان، اب بھی وقت ہے تم اپنے ارادے سے باز آؤ۔ ورنہ تم جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

راشد نے کہا، "حضور میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے جو ارادہ کیا ہے۔ میں اسے ضرور پورا کرونگا۔ ورنہ اس کوشش میں اپنی جان دے دونگا۔"

بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا۔ وہ بولا، "نوجوان، تم کل دربار میں آجانا شہزادی

تم سے جو سوال پوچھے گی، تم اسکا جواب دے دینا۔ اگر تم نے ٹھیک جواب دیدیا، تو شہزادی اگلے دن دوسرا سوال پوچھے گی۔ اگر تم جواب نہ دے سکے تو تمھارا سر قلم کروا دیا جائے گا۔"

راشد سرائے میں پہنچا۔ اس نے اجنبی ساتھی سے ساری بات بیان کی۔ مسافر بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس نے کہا، تم یقین کرو کہ مجھے تم سے دلی محبت ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج ہم خوب کھائیں پیئں اور مزے کریں۔ اللہ جانے کہ پھر دوبارہ ملنا نصیب ہو یا نہ ہو۔" رات کے وقت اجنبی مسافر نے اپنے ہاتھ سے قہوہ بنایا اور چپکے سے ایک پیالے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ یہ قہوہ پیتے ہی راشد بے ہوشی کی نیند سونے لگا۔ مسافر نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ جب رات گہری ہو گئی، اس نے راج ہنس کے پر نکالے اور انھیں مضبوطی سے اپنے بازوں پر باندھ لیا۔ پھر اس نے کھجور کے پتے اپنے ہاتھ میں لیے۔ خنجر اپنی کمر سے باندھا اور کھڑکی سے باہر کود گیا۔ وہ اُڑتا ہوا شاہی محل میں پہنچ گیا۔ اور شہزادی کے کمرے کے باہر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

شہر پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کے بارہ بجے شہزادی کے کمرے کی کھڑکی کھلی اور وہ باہر نکلی اور اُڑتی ہوئی ایک اونچے پہاڑ کی طرف چلی۔ مسافر بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ وہ سب کی نظروں سے اوجھل تھا۔ آخر سفر ختم ہوا۔ شہزادی ایک غار میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسافر بھی غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر دور تک ایک تنگ راستہ چلا گیا تھا۔ اس کے آخر میں ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ اس پر ایک بہت بدصورت جادوگر بیٹھا ہوا تھا۔ شہزادی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ مسافر ان میں سے کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

شہزادی نے کہا، "ایک نوجوان مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ میں اپنے ذہن میں کیا سوچوں جو وہ بتا نہ سکے۔"

جادوگر نے کہا، "تم اس سے بہت ہی آسان سی بات پوچھ ڈالو، مثلاً جوتے۔" صبح ہونے سے ذرا پہلے شہزادی وہاں سے روانہ ہوئی۔ مسافر

مسافر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ شہزادی اپنے محل میں داخل ہو گئی۔ اور مسافر نے اپنے بازوؤں سے پر الگ کیئے اور پلنگ پر لیٹ گیا۔

صبح کے وقت جب راشد جاگا تو اسی وقت مسافر نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے کہا، "آج میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا ہے انھوں نے کہا ہے کہ جب شہزادی سوال پوچھے کہ میں نے کیا سوچا ہے؟ تم جلد فوراً کہنا 'جوتے'۔" راشد بولا، "مجھے تمھارا خواب سچا معلوم ہوتا ہے۔ ضرور اللہ نے میری امداد کے لیے یہ اشارہ کیا ہے۔"

راشد اپنے دوست کو اللہ حافظ کہہ کر محل میں پہنچا۔ اس روز محل وزیروں امیروں اور درباریوں سے بھرا ہوا تھا۔ شہزادی بھی زرق برق لباس پہنے ہوئے بادشاہ کے برابر ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے راشد سے پوچھا، "بتاؤ میں اپنے ذہن میں کیا سوچا ہے؟"۔

راشد نے فوراً کہا، "جوتے!"

یہ سن کر شہزادی کا رنگ فق ہو گیا اور وہ گرتے گرتے بچی۔ راشد کا جواب بالکل درست نکلا تھا۔ دربار اگلے دن تک کے لیے برخاست کر دیا گیا۔ راشد نے خوش خبری اپنے دوست کو سنائی۔ وہ بھی بے حد خوش ہوا۔ مسافر نے اس رات

بھی قہوے میں بے ہوشی کی دوا ملا کر پلا دی جس کے اثر سے راشد سو گیا۔
مسافر نے پھر شہزادی کا پیچھا کیا۔ اس دفعہ جادوگر نے کنگن پوچھنے کے لیے کہا۔ سرائے میں پہنچ کر مسافر آنکھیں بند کر کے پلنگ پر لیٹ گیا۔ صبح کے وقت راشد بیدار ہوا۔ اسی وقت مسافر بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا، "رات میں نے خواب میں پھر انھیں بزرگ کو دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ آج جب شہزادی سوال کرے کہ میں نے اپنے ذہن میں کیا سوچا ہے؟، تو تم فوراً کہنا 'کنگن'!"
راشد محل میں پہنچا۔ دربار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ شہزادی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔
شہزادی نے سوال کیا، "بتاؤ کہ میں نے اپنے ذہن میں کیا سوچا ہے"
راشد فوراً بولا، "کنگن!"
یہ سنتے ہی شہزادی کرسی سے نیچے گر پڑی۔ راشد کا جواب صحیح تھا۔ دربار میں شور مچ گیا۔ اور لوگ خوشی کے مارے ناچنے لگے۔ اب تیسرا سوال باقی رہ گیا تھا۔ دربار اگلے روز تک کے لیئے برخاست کر دیا گیا۔
اس رات بھی مسافر نے بے ہوشی کی دوا قہوے میں ملا کر راشد کو پلائی، اور وہ بے ہوشی کی نیند سو گیا۔ رات بے حد تاریک تھی۔ بادل چھایا ہوا تھا اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ شہزادی کے کمرے کی کھڑکی تیز دھماکے سے کھلی۔ وہ جادوگر کے غار کی طرف اُڑنے لگی۔ اجنبی مسافر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اس نے شہزادی کو کھجور کے پتوں سے اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئی۔ وہ بہت مشکل سے جادوگر کے غار تک پہنچی۔
شہزادی نے کہا، "آج تو بادلوں اور بارش کی بوچھاڑ نے مجھے زخمی کر دیا۔ ایسے طوفانی موسم میں، میں کبھی باہر نہیں نکلی۔"
جادوگر نے اسے بھیڑیئے کی کھوپڑی میں ڈال کر شراب پیش کی، جسے پی کر شہزادی نے کہا، "وہ میرے دو سوالوں کا جواب دے چکا ہے۔ اگر کل بھی اس نے صحیح جواب دے دیا تو میں جادو سیکھنے کے لیے کبھی یہاں نہ آسکوں گی۔"

جادوگر نے اسے تسلی دی۔ اور کہا، "اب تم اس سے میرے سر کے متعلق پوچھنا۔ یہ ایسا سوال ہے جو وہ کبھی نہیں بتا سکتا۔"

شہزادی واپس جانے کے لئے تیار ہوئی۔ جادوگر اسے الوداع کہنے کے لیے غار کے باہر تک آیا۔ شہزادی محل کی طرف اڑنے لگی۔ جادوگر غار کے اندر جانے کے لیئے مڑا۔ اجنبی مسافر نے جادوگر کی داڑھی پکڑ کر اس کا سر اونچا کیا۔ اور خنجر کا بھرپور ہاتھ مارا۔ جادوگر کا سر کٹ کر الگ ہو گیا۔ مسافر نے سر کو کپڑے میں لپیٹا۔ اور سرائے کی طرف اڑنے لگا۔

اگلی صبح جب راشد بیدار ہوا تو مسافر نے کہا، "کل رات اچانک میری آنکھ کھل گئی کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک نورانی صورت والے بزرگ کھڑے ہیں۔ میں انھیں دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو خواب میں نظر آتے رہے ہیں۔ انھوں نے یہ تھیلا مجھے دیا اور کہا "جب شہزادی پوچھے کہ میں نے کیا سوچا ہے، تو تم یہ تھیلا شہزادی کے سامنے پھینک دینا۔"

یہ کہہ کر اجنبی نے وہ تھیلا راشد کو دیدیا راشد اپنے دوست کو الوداع کہہ کر دربار میں پہنچا۔ اس دن دربار میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ بادشاہ نیا لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ ادھر شہزادی سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوئے تھی اور بہت کمزور اور بیمار نظر آ رہی تھی۔ اس نے مری ہوئی آواز میں پوچھا، "بتاؤ میں نے اپنے دل میں کیا سوچا ہے؟"

اس کے جواب میں راشد نے تھیلے کا منہ کھولا اور اسے شہزادی کی طرف پھینکا۔ جادوگر کا سر لڑھکتا ہوا شہزادی کے قدموں میں جا گرا۔ درباری دہشت زدہ ہو کر چلانے لگے۔ راشد بھی بہت خوف زدہ ہوا۔ شہزادی آہستہ سے بولی، "تمھارا جواب درست ہے۔" یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو کر کرسی سے نیچے گر پڑی۔ درباری خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ ہر طرف مبارک باد کا شور ہونے لگا۔ اسی دن شہزادی کا نکاح راشد سے ہو گیا۔ اس خوشی کے موقع پر پورے ملک میں جشن منایا گیا۔ شام کے وقت اجنبی مسافر بھی راشد سے ملنے کے لئے آیا۔ اسے

راشد کو کھجور کے پتے اور مقدس پانی کی شیشی دی اور کہا، "تمھاری بیوی پر جادو کا اثر ہے۔ تم اسے کھجور کے پتوں سے اتنا مارنا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر یہ پانی اسے پلا دینا۔ وہ ہوش میں آجائے گی اور اس پر جادو کا جو اثر ہے وہ جاتا رہے گا۔"

راشد نے مسافر کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے اپنی بیوی کو کھجور کے پتّوں سے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ پھر راشد نے مقدس پانی شہزادی کے اوپر چھڑکا۔ شہزادی ہوش میں آگئی۔ وہ اب جادو کے اثر سے آزاد ہو گئی تھی۔

اگلی صبح مسافر راشد سے ملنے کے لئے آیا۔ وہ اب اس سے رخصت ہونا چاہتا تھا۔ راشد نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی۔ مسافر نے کہا، "تم نے ایک لاش کو بے حرمتی سے بچایا تھا۔ میں تمھاری وہی نیکی ہوں۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب میں زیادہ دیر تک تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔" یہ کہہ کر مسافر راشد سے گلے ملا اور اسے اللہ حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ راشد شہزادی کے ساتھ رہنے لگا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ کچھ عرصہ بعد بوڑھے بادشاہ نے سلطنت کی ذمہ داری راشد کے سپرد کر دی۔ راشد ہوشیاری اور دانائی سے حکومت کرنے لگا۔

شمس کنول

دریچے

باادب بانصیب!

شیخ سعدی کی بیان کی ہوئی ایک حکایت سنیے:

میں نے ایک مکتب کا حال دیکھا، اس کا ملّا چڑچڑا، کرخت بات چیت کرنے والا، بدخو، آزار پسند طبیعت کا گستاخ اور سنگ دل تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں جو اس کے سامنے درس لیتے تھے ان کو ذرا سی خطا پر سخت سزا دیتا تھا۔ کمسن شاگردوں میں نہ بات کرنے کی ہمت تھی اور نہ ہنسنے کی جرأت۔ مکتب کے سرپرستوں نے آخر اس ملّا کو مارا اور بھگا دیا۔ اس کے مقام پہ ایک نیک، پارسا، بے ضرر، رحمدل، کم گو اور سیدھے سادے انسان کو استاد مقرر کر دیا۔ کسی کو تکلیف پہنچانے یا سزا دینے کا خیال اس کے دل میں آتا ہی نہ تھا۔ پہلے تو بچوں کے دلوں سے استاد کا ڈر نکلا اور جب شاگردوں نے استاد کو فرشتہ جیسا پایا تو ہر شاگرد شیطان بن گیا۔ استاد کی نیکی یہ رنگ لائی کہ شاگرد علم بھول گیا اور علم حاصل کرنے کے اوقات میں وہ کھیل کے پیچھے لگے۔ تختی پر لکھنا بھول گئے اور اپنی اپنی تختی ایک دوسرے کے سر پر مارنے لگے۔ دو ہفتے بعد اس مکتب کی طرف سے میرا گزر پھر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس پچھلے ملّا کو پھر راضی کر لیا گیا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا۔ میں نے لاحول پڑھی کہ اس شیطان کو پھر ان معصوم فرشتوں کا معلّم بنا دیا گیا ہے۔ اس پر ایک خوش مزاج اور زمانہ شناس بوڑھے انسان نے میری بات سنی۔ ہنسا اور بولا۔

"ایک بادشاہ نے مکتب میں اپنے بیٹے کو بٹھایا اور ایک چاندی کی تختی اس کی بغل میں دی اور اس تختی کے سرے پر سونے سے یہ لکھ دیا کہ استاد کا ظلم باپ کی محبت سے اچھا ہے!"

کل کا شاگرد استاد کی قمچی دیکھ کر کانپتا تھا، آج کا استاد شاگرد کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر لرزتا ہے۔ کل کا شاگرد گنی ہوتا تھا، آج کا شاگرد محض حروف شناس ہوتا ہے۔ کل کا شاگرد کسب و طلب، ادب و لحاظ کا قائل تھا۔ آج کا شاگرد بے ادب بے نصیب ہے۔ کل بادشاہ بھی اپنے بیٹے کے استاد کے سامنے جھک جایا کرتا تھا آج کا شاگرد اپنے استاد کو اپنے سامنے جھکا دیتا ہے۔

گاندھی جی کی نظر میں استاد کی بڑی اہمیت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ "میرا ہمیشہ سے یہی خیال ہے کہ شاگرد کے لیے سچا نصاب اس کا استاد ہی ہے" اور سچ تو یہ ہے کہ باادب شاگرد ہی کو اچھا استاد ملتا ہے۔

آدمی میں گر نہیں علم و ہنر عقل و ادب!
ہے وہ چوپائے سے بدتر یوں بشر ہونے کو ہے!

آمنہ گل صحافت

عجائبات کیا ہوتے ہیں؟ اس کی کوئی خاص تشریح نہیں بس یہ سمجھ لیں کہ جو چیزیں عجائب گھر میں رکھنے کے قابل ہوں انھیں عجائبات کہا جا سکتا ہے۔ اگر وہ جسامت کے لحاظ سے اتنی بڑی ہوں کہ انھیں رکھنے کے لیے عجائب گھر کے احاطہ میں کافی جگہ نہ ہو تب بھی وہ محکمہ آثارِ قدیمہ یا عجائب گھر یا اس قسم کی دوسری کسی انتظامیہ کی نگرانی میں رہنی چاہییں تاکہ وہ لاپروائی کا شکار نہ ہوں

مصر میں خوفو بادشاہ کا ہرم

سکندریہ (مصر) میں روشنی کا مینار
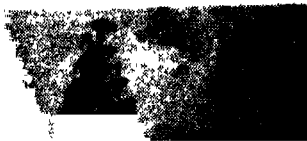
یا انھیں کسی اور وجہ سے نقصان نہ پہنچے یعنی انھیں یادگارِ ماضی کے طور پر پوری احتیاط کے ساتھ بچایا اور قائم رکھا جا سکے۔

ویسے تو دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنھیں عجائبات کا نام دیا گیا یا دیا جا سکتا ہے چاہے وہ اپنی نوعیت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں لیکن یہ بات بھی کچھ عجیب ہی ہے کہ زیادہ تر صرف فنِ تعمیر کے نادر نمونوں کو ہی عجائبات کا نام دیا جاتا رہا۔ ان میں سات عجائبات ایسے ہوئے ہیں جن کی انفرادی حیثیت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھی اور تسلیم کی گئی

اگرچہ ان میں سے ایک کے سوا باقی چھے کے چھے مختلف وقتوں میں ناگہانی حادثات کا شکار ہو گئے اور ان کا وجود قائم نہ رکھا جا سکا یہ باقی بچ جانے والا نادر عجوبہ اہرام مصر میں سب سے بڑا خوفو بادشاہ کا ہرم ہے باقی چھے عجائبات جو اب موجود نہیں ان کے نام مخازن علوم اور تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔
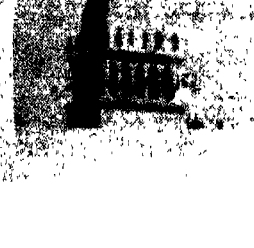
ا... بابل عراق کے متعلق باغات یہ باغات بادشاہ نبوچد نضر نے آج سے تقریباً دو ہزار پانچ سو سال قبل اپنی ملکہ کی تفریح کے لیے بنوائے تھے یہ اونچے ستونوں کے اوپر تعمیر کردہ چھت پر درخت اور پودے اگا کر قائم کیے گئے تھے جس وجہ سے انھیں فضا میں معلق یعنی لٹکے ہوئے باغات کہا جاتا تھا۔

ان میں سے بیشتر عجائبات ناپید ہو چکے ہیں

۲۔ اولمپیا یونان میں ذی اس کا خوبصورت مجسمہ رومن اسے مشتری دیوتا کہتے تھے اور یونانیوں کے نزدیک اس کا نام ذی اس تھا دونوں قوموں کے نزدیک یہ دیوتاؤں کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا یہ چالیس فٹ اونچا خوب صورت مجسمہ یونان کے سنگ تراش فڈی اس نے آج سے تقریباً ۲ ہزار چار سو سال قبل بنایا تھا۔

اسے اولمپک کھیلوں کے مقام کے قریب نصب کیا گیا تھا اس کے پورے جسم پر سونے اور ہاتھی دانت کی تہیں چڑھائی گئی تھیں آنکھیں قیمتی نگینوں کی بنی ہوئی تھیں۔ جسامت میں بڑے مجسموں میں اسے دنیا کا خوب صورت ترین مجسمہ قرار دیا گیا یہ ۴۷۶ء میں آگ سے تباہ ہو گیا

۳۔ ایفیس ترکی میں آرٹیمس کا مندر جو سکندر اعظم کے دور حکومت میں یونان کی چند دیوی کے اعزاز میں دوسرے کئی مندروں کے ساتھ تعمیر ہوا یہ تقریباً ۲ ایکڑ رقبے میں چار سو فٹ لمبا مندر تھا جس

کے ساٹھ فٹ اونچے سو سے زیادہ ستون تھے اس کے معبد میں ڈائیانا یعنی چندا دیوی کا مجسمہ نصب تھا پوجا کرنے والے اس قدر بیش قیمت چڑھاوے چڑھاتے تھے کہ یہ مندر جلد ہی دولت سے مالامال ہوگیا۔ ۲۶۲ء میں وحشی ڈاکوؤں نے اسے لوٹ لیا اور تباہ و برباد کردیا۔ اس مندر کے گہرے سبز رنگ کے سنگِ مرمر کے آٹھ ستون آج بھی استنبول ترکی کی سینٹ صوفیا کی مسجد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۴۔ ایشیا مائنر یونان میں ہیلی کارنسس کا مقبرہ یہ مقبرہ بادشاہ موسولس کی بیوہ ملکہ آرٹیمیسیا نے ۳۵۳ قبل از مسیح میں بنوایا تھا۔ یہ ایک سو چالیس فٹ اونچا تھا اس کی چوٹی پر پورے سائز کی ایک رتھ بگھی کے ساتھ جتے اور بھاگتے ہوئے انداز کے گھوڑوں کا نمونہ نصب تھا جس میں بادشاہ موسولس اور ملکہ آرٹیمیسیا کی مورتیوں کو سوار دکھایا گیا تھا کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے کے وقت تک یہ مقبرہ موجود تھا جو بعد میں ایک زلزلے سے تباہ و برباد ہوگیا۔ مجسموں کے بچے کھچے ٹکڑے برطانیہ کے ایک عجائب گھر میں پڑے ہیں۔

۵۔ رہوڈس یونان کا دیو ہیکر مجسمہ یہ قدیم یونان کے بڑے مجسموں میں سے ایک ہیلیوس دیوتا کا کانسی کا بنا ہوا مجسمہ تھا جسے بعد میں اپولو یعنی سورج دیوتا بھی کہا جاتا رہا۔ یہ سو فٹ اونچا تھا اور اسے ۲۸۰ قبل از مسیح میں بنایا گیا اور رہوڈس کی بندرگاہ کے دہانے پر نصب کیا گیا تھا۔ تکمیل کے صرف ۵۶ سال بعد یہ مجسمہ ایک زلزلے سے تباہ ہوگیا۔ غالباً اس کے ملبے سے جنگی ہتھیار بنا لیے گئے لہٰذا اس کے بچے کھچے ٹکڑے بھی موجود نہیں۔

۶۔ سکندریہ مصر کا روشنی کا مینار یہ سکندریہ کے نزدیک فاروز کے جزیرے پر واقع تھا جو یونانی بادشاہ ٹولمی فلاڈیلفس کے عہدِ حکومت ۲۴۰ قبل از مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا۔ عام قیاس کے مطابق یہ تقریباً ۶۰۰ فٹ بلند تھا لیکن شاید اس کی بلندی سو فٹ سے زیادہ نہیں تھی اس سے بحری جہاز رانی میں مدد لی جاتی تھی۔ یہ روشنی کا مینار چودھویں صدی عیسوی میں ایک زلزلے سے تباہ ہوگیا۔

۷۔ اہرامِ مصر میں سب سے بڑا خوفو بادشاہ کا ہرم یہ سات عجائبات میں قدیم ترین عجوبہ ہے جس کا وجود آج تک قائم ہے اور شاید مزید کئی ہزار سال تک قائم رہے گا۔ مصر کے چھوٹے بڑے تقریباً ستر اہرام میں خوفو بادشاہ کے مقبرے پر مشتمل سب سے بڑا ہرم ہے۔ یہ تقریباً تیرہ ایکڑ رقبے پر قائم ہے جس کا ہر پہلو ۷۵۶ فٹ ہے۔ بیس لاکھ چھوٹے بڑے پتھروں پر مشتمل اس ہرم کی چوٹی تقریباً ۴۸۱ فٹ بلند ہے کچھ پتھر تیس ٹن وزن کے ہیں لیکن زیادہ تر ڈھائی ٹن کے کہے جاتے ہیں

کے ساحل کے ساتھ ساتھ تقریباً گیارہ سو کلومیٹر کے فاصلے سے اکٹھے کر کے لائے گئے تھے۔ دوسرے تمام اہرام سے قطع نظر صرف اس ایک بڑے ہرم کے پتھروں کو بلندی پر چڑھانے اور نصب کرنے کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ غلام اور مزدور تقریباً بیس برس تک کام کرتے رہے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کے لیے اس کے گرد سفید چونے کے پتھروں کی ایک فصیل بنائی گئی تھی جو سورج کی روشنی میں چمکتی تھی بعد میں اس میں سے بہت سارے پتھر نکال کر دوسری عمارات کو آراستہ کرنے کے لیے استعمال کر لیے گئے۔

شفیقہ فرحت

ذاکر صاحب

برسوں پہلے کی بات ہے علی گڑھ یونی ورسٹی کا یونین ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ جس طرف بھی نظر ڈالیے سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ گویا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو۔ مگر بے آواز۔ علی گڑھ کے وہ لڑکے جن کے قہقہے چھیتیں اور فقرے ہوش اڑادیں دم بخود اس لڑکے کی تقریر سن رہے تھے جس کا نام ذاکر حسین خاں تھا اور علی گڑھ کے در و دیوار گواہ ہیں کہ انھوں نے آج تک اس سے بہتر تقریر کسی بی۔ اے کے طالب علم کی نہیں سنی۔ تقریر میں جوش تھا مگر لہجے میں دھیما پن زبان خوبصورت تھی نظریے واضح اور دلائل ٹھوس۔ اور یہ لڑکا یونین کا صدر چن لیا گیا۔ اس دن علی گڑھ یونی ورسٹی کے البیلے طلبہ کو کیا خبر تھی کہ جسے آج وہ اپنا صدر چن رہے ہیں ایک دن بھارت ورش بھی اس کو اپنا صدر بنا کے ان کے انتخاب کی داد دے گا۔

صوبہ آندھرا پردیش کے صدر مقام حیدر آباد میں ۱۸۹۷ء میں ذاکر حسین کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد کا نام فدا حسین تھا ان کا آبائی وطن تو قائم گنج ضلع فرخ آباد (اتر پردیش) تھا مگر ملازمت کے سلسلے میں وہ اس زمانے میں حیدر آباد میں مقیم تھے ذاکر حسین کی پیدائش کے چند سال بعد وہ مع اپنے خاندان کے واپس وطن آ گئے۔ لہٰذا ذاکر حسین کی تعلیم اتر پردیش ہی میں ہوئی۔

ذاکر حسین بچپن سے ہی بے حد ذہین تھے ذرا سی دیر میں سبق یاد کر لیتے اور پھر سارا وقت اِدھر اُدھر کی کتابیں اور رسالے پڑھنے میں صرف کرتے مگر درجے میں ہمیشہ اوّل ہی آتے اسکول ہی میں نہیں اپنا یہ مقام انھوں نے ہر امتحان اور ہر کام میں برقرار رکھا۔ اسی لیے ان کے بہت ہی عزیز دوست اور ساتھی رشید احمد صدیقی نے اپنی کتاب "ذاکر صاحب" میں لکھا ہے:

"ذاکر صاحب نے طالب علمی کے زمانے سے آخر عمر تک کوئی کام ایسا نہیں کیا جو دوسرے

ای-۱۸۶/۱۲، پروفیسر کالونی بھوپال

درجے کا ہو۔

جب ذاکر حسین نویں درجہ میں پہنچے تو کتابوں کے ساتھ ساتھ اخباروں کا بھی شوق پیدا ہو گیا۔ اس زمانے میں یعنی ۱۹۱۰ء میں وہ اٹاوہ (یوپی) کے اسلامیہ ہائی اسکول میں پڑھتے تھے اور ہوسٹل میں رہا کرتے تھے۔ اٹاوہ اس وقت چھوٹا شہر تھا وہاں انگریزی کا صرف ایک اخبار "پائینر" لکھنؤ سے دوپہر کی گاڑی سے آتا تھا۔ ذاکر صاحب اتنا انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ اخبار اسٹیشن سے گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ہوسٹل پہنچے۔ وہ ریل کے آنے کے وقت خود اسٹیشن پہنچ جاتے اور اخبار لے کر دوڑتے ہوئے ہوسٹل آتے۔ لڑکے پہلے ہی سے ان کے منتظر ہوتے۔ وہ سب کو خبریں پڑھ کے سناتے اور ساتھ ہی ساتھ اردو ترجمہ بھی کرتے جاتے۔

اخبار کے مطالعے کی وجہ سے بچپن ہی سے وہ سیاسی اور سماجی کاموں میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں ترکی اور اٹلی کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اہل ہند ترکی سے ہمدردی رکھتے تھے اور مختلف طریقوں سے اس کی امداد کر رہے تھے۔ ذاکر حسین اور ان کے ساتھیوں نے بھی ترکی کی مدد کے لیے روپے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اب سوال یہ تھا کہ روپے آئے کہاں سے؟ سب سے پہلا کام تو انھوں نے یہ کیا کہ خود گوشت کھانا چھوڑ دیا اور ہوسٹل کے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے پر مجبور کیا تاکہ اس طرح سے جو بھی روپے پس انداز ہو ترکی بھیج دیا جائے۔

مگر اس طرح سے تو کوئی بڑی رقم اکٹھا نہیں ہو سکتی تھی ایک ترکیب ان کے ذہن میں آئی جس پر بڑی پابندی سے انھوں نے عمل کرنا شروع کیا۔ مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد وہ بڑی پُر جوش اور بڑی پُر درد تقریر کرتے اور اپنی بے پھندنے کی ترکی ٹوپی پھیلا کر مظلوم ترکوں کے لیے چندہ مانگتے۔ پلک جھپکتے ہی ٹوپی بھر جاتی۔ تب وہ سیدھے پوسٹ آفس جاکر سارا روپیہ منی آرڈر کے ذریعے ترکوں کی مدد کے لیے بھیج دیتے۔

اٹاوہ سے میٹرک کا امتحان پاس کر کے وہ ۱۹۱۳ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے اور یہیں سے ۱۹۱۸ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ کالج کا یہ دور ان کے لیے بڑی رنگینیوں اور دلچسپیوں کا دور ثابت ہوا۔ ذہانت کے ساتھ ظرافت کی بھی ذاکر حسین کے یہاں کمی نہیں تھی۔ لہٰذا ہر وقت ساتھیوں سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ مگر ہنسی دل لگی میں بھی کبھی متانت اور شرافت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور نہ کبھی کسی کی دل آزاری کی۔

علی گڑھ کالج میں استاد کی جگہ آپ کو ایم۔ اے کرنے سے پہلے ہی مل گئی تھی۔ ایم۔ اے کرنے

کے بعد جب جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کالج کی ملازمت چھوڑ کر جامعہ ملیہ اسلامیہ چلے آئے۔

ڈاکٹریٹ (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی ڈگری آپ نے جرمنی سے لی۔ آپ چاہتے تو اعلا سے اعلا درس گاہ میں بڑے اچھے مشاہرے پر آپ کو ملازمت مل سکتی تھی۔ مگر خدمتِ خلق کا جذبہ کچھ ایسا حاوی تھا کہ جرمنی سے واپس لوٹنے پر آپ نے جامعہ ملیہ میں ہی قلیل مشاہرے پر کام کرنا پسند کیا۔ جامعہ میں انھوں نے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جانب خاص طور پر توجہ دی تعلیم کے نئے نئے اور دلچسپ طریقے اختیار کیے۔ اور اپنے خونِ جگر سے جامعہ کی آبیاری کر کے اسے اس بلندی پر پہنچا دیا کہ یہ چھوٹی سی درس گاہ آج ایک عظیم الشان یونی ورسٹی بن چکی ہے۔

جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ دس سال علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ کہا جاتا ہے کہ علی گڑھ نے ذاکر حسین کو اور ذاکر حسین نے علی گڑھ کو بنایا اور یہ بات سچ بھی ہے طالب علمی کے زمانے میں علی گڑھ کے مباحثے اور علمی مقابلوں اور سیاسی سرگرمیوں نے ذاکر صاحب کی صلاحیتوں کو نکھارا اور انھیں کمال تک پہنچایا۔ ذاکر حسین نے وائس چانسلر کے زمانے میں علی گڑھ یونی ورسٹی کی فلاح و بہبودی کے لیے جو کچھ کیا وہ کوئی اور نہیں یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ علی گڑھ کو نئی زندگی ملی۔

۱۹۵۷ء میں وہ صوبہ بہار کے گورنر نامزد کیے گئے۔ ۱۹۶۲ء میں بھارت کے نائب صدر اور پھر ۱۹۶۷ء میں صدر جمہوریہ کے ممتاز عہدے پر فائز ہوئے۔ عہدہ ان کا چاہے جو کچھ بھی رہا ہو۔ مگر وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ایک استاد اور ماہرِ تعلیم ہی سمجھتے رہے آپ بہت سے تعلیمی اداروں اور کمیٹیوں کے رکن اور صدر رہے اور طریقۂ تعلیم کے بنیادی اصول مرتب کیے۔ تعلیمی مسائل پر بھی کئی اہم لیکچر دیے اس لیے ان کی اصلی شہرت ماہرِ تعلیم کی حیثیت سے ہی ہے اور یہی ان کی خدمات کا دائرہ بھی ہے۔

نیر علوی

عقلمند استاد

بچو! آپ نے گاما پہلوان اور بھولو پہلوان کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ یہ دونوں ہندستان پاکستان کے مشہور پہلوان ہوئے ہیں۔ کشتی اور پہلوانی پرانے زمانے سے مسلمانوں کا پسندیدہ کھیل چلا آ رہا ہے۔ آج بھی امریکہ اور یورپ میں فری اسٹائل کشتی کے مقابلے بہت اہتمام سے ہوتے ہیں۔ پاکستان ہندستان اور جاپان میں پرانی طرز کی کشتی لڑی جاتی ہے۔ جس میں صاف ستھرے داؤ پیچ سے کام لیا جاتا ہے۔

اب ہم آپ کو پرانے زمانے کا ایک قصہ سناتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے دربار میں دوسرے بڑے فن کاروں کے علاوہ ایک پہلوان بھی تھا وہ بہت طاقتور اور ماہر تھا جو بھی اس کے مقابلے میں آتا یہ پہلوان اسے مار گراتا تھا۔ بادشاہ اور درباری اس کی عزت کرتے تھے۔ یہ نامی پہلوان نوجوانوں کو کشتی لڑنے کا فن سکھایا کرتا تھا۔ اس دوران اس نے ایک نوجوان کو اپنا شاگرد بنایا اور اسے وہ سارے داؤ پیچ سکھا دیے جو اسے آتے تھے مگر احتیاط کے طور پر ایک داؤ پوشیدہ رکھا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ یہ مشہور پہلوان بوڑھا ہو گیا اور اس کا شاگرد اپنے وقت کا سب سے بڑا پہلوان بن گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے استاد کے احسان کو مانتا جس نے اسے اس قابل بنایا تھا لیکن وہ اپنی کامیابیوں سے مغرور ہو گیا اور اس غرور میں وہ استاد کی عزت اور احترام بھی بھول گیا۔

ایک روز اس نے بادشاہ کے دربار میں یہ بڑ ہانکی کہ میرا استاد بزرگی میں تو مجھ سے زیادہ ہے لیکن طاقت اور کشتی لڑنے کے فن میں میں نے اسے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

بادشاہ کو یہ بات بری لگی۔ اس نے سوچا کہ کیسا بدتمیز آدمی ہے کہ اپنے استاد کی برائی کر رہا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاگرد اور استاد میں مقابلے کا انتظام کیا جائے تاکہ فیصلہ ہو سکے کہ ان میں کون بڑا ہے۔ شاگرد خوش تھا کہ اب اسے دنیا سے اپنی قوت منوانے کا موقع ملے گا۔ اس کو یقین تھا کہ بوڑھے استاد کو پچھاڑنا مشکل نہیں ہوگا۔

ایک بہت بڑے میدان میں اکھاڑہ تیار کیا گیا۔ لوگ دور دور سے یہ مقابلہ دیکھنے آئے تھے۔ ایسی کشتی انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بادشاہ اور اس کے سارے وزیر وہاں موجود تھے۔

کشتی شروع ہونے کا اعلان ہوا تو شاگرد اور استاد میدان میں اترے۔ نوجوان شاگرد طاقت کے نشے میں جھومتا ہوا استاد کے سامنے آیا۔ یوں لگتا تھا کہ اگر لوہے کا پہاڑ بھی اس کے سامنے ہو تو وہ اسے اکھاڑ پھینکے گا۔ جب کہ استاد وقار اور اعتماد سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا میدان میں آیا تھا۔ اس سے پہلے اس کو کبھی کسی نے ہارتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

دونوں پہلوان اکھاڑے میں ایک دوسرے کے سامنے آئے تو چاروں طرف نعروں کا زبردست شور بلند ہوا۔ انھوں نے ہاتھ ملایا۔ کشتی شروع ہوئی۔ پلک جھپکتے میں استاد نے اپنا خفیہ داؤ مارا۔ جو اس نے نالائق شاگرد کو نہیں سمجھایا تھا اور اسے سر سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ ہزاروں تماشائی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ملک کا سب سے طاقت ور پہلوان ان کے سامنے چت پڑا ہوا تھا اور بوڑھا پہلوان اس کے سینے پر سوار تھا۔

ہر طرف سے واہ واہ کے نعرے بلند ہوئے بادشاہ نے بوڑھے پہلوان کو بھاری انعام دیا اور بدتمیز شاگرد کو خوب لعنت ملامت کی۔ تماشائیوں نے بھی اس نالائق پہلوان کو بہت شرمندہ کیا چاروں طرف اپنا مذاق اڑتا دیکھ کر وہ بولا۔ استاد صرف اس لیے جیت گئے ہیں کہ انھوں نے مجھے یہ داؤ نہیں سکھایا تھا جو انھوں نے میرے خلاف استعمال کیا ہے۔

استاد نے جواب دیا۔ میں نے تجھے اپنا شاگرد تو بنا لیا تھا۔ لیکن میں تیری فطرت سے بھی واقف تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ تو ایک دن ضرور مقابلے میں آئے گا۔ لہٰذا میں نے ایک داؤ محفوظ رکھا جو آج میرے کام آیا۔

بادشاہ اور اس کے وزیر بوڑھے پہلوان کی اس عقل مندی سے بہت خوش ہوئے اور بدتمیز شاگرد سے تمام خطاب اور اعزاز واپس لے لیے گئے۔

بچوں کے مقبول ادیب

عبدالواحد سندھی اللہ کو پیارے ہو گئے

کراچی۔ توصیف چغتائی صاحب نے یہ افسوس ناک خبر دی کہ مولانا عبدالواحد سندھی ۳ جنوری ۸۸ء کو انتقال کر گئے۔ آپ سندھ کے ایک گاؤں "ہالے جی شریف" میں پیدا ہوئے۔ درس و تدریس کی ابتدا جامعہ ملیہ اسلامیہ سے شروع کی۔ یہیں آپ نے نہایت آسان زبان میں بچوں کے لیے لگ بھگ ۲۵ کتابیں لکھیں جو آج بھی بچوں میں خاصی مقبول ہیں مکتبہ پیام تعلیم نے مولانا مرحوم کی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں جن میں سے اکثر آپ کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ ادارہ پیام تعلیم مولانا عبدالواحد سندھی کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور مولانا صاحب کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

ٹیلی ویژن

محمد بدیع الزماں
ریٹائرڈ اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
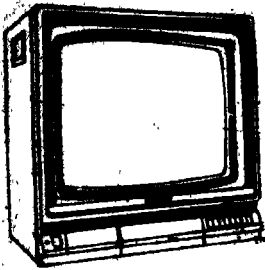
بجلی کے تاروں کے ذریعے آواز یا تحریری پیغامات کو اپنی سماعت سے دور تک پہنچانے کی کوششیں ٹیلی ویژن کی ایجاد سے بہت قبل کامیاب ہو چکی تھیں۔ ۱۸۷۶ء میں امریکہ کے گراہم بیل بجلی کے تاروں کے ذریعے ایک جگہ سے دُنیا کے کسی بھی حصّے میں آواز پہنچانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اُن کی اسی ایجاد کو ٹیلیفون کا نام دیا گیا۔ اِس سے بھی بہت قبل ۱۸۳۲ء میں امریکہ کے ہی سیموئیل مورس نے الفاظ یا تحریری پیغامات کو بجلی کے تاروں کے ذریعے آواز کی طرح ایک جگہ سے کہیں بھی بھیجنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اُن کی اِس ایجاد کو ہم ٹیلیگراف کہتے ہیں۔ اُنھوں نے حروفِ تہجّی کو نقطہ (ڈاٹ) اور خط (ڈیش) کو مختلف طریقوں سے ملا کر مرکّب الفاظ بنائے اور اُنھیں بطور علامت استعمال کرنے کا طریقہ ایجاد کیا جسے ہم "مورس الفابٹ" کہتے ہیں۔ ہم جب بھی کہیں ٹیلیگرام بھیجتے ہیں یا کسی کا بھیجا ہوا ٹیلیگرام موصول کرتے ہیں اُن کے پیغامات انہی "مورس الفابٹ" میں تار گھروں سے بھیجے جاتے یا موصول ہوتے ہیں۔ تار گھر والے اپنی موصول شدہ علامات کو اُس زبان کے الفاظ میں لکھ کر، جس زبان میں وہ بھیجے گئے ہیں ہمیں بھیجتے ہیں۔

ٹیلیفون یا ٹیلیگراف دونوں میں آواز یا تحریری پیغامات بھیجنے یا موصول کرنے والے کے درمیان رابطہ بجلی کے تاروں کے ذریعے قائم رہتا ہے مگر آواز کی دنیا میں ٹیلیفون سے بھی بڑا کارنامہ اٹلی کے مارکونی کا تھا جس نے ۱۸۹۶ء میں وائرلیس (بے تار) ریڈیو ایجاد کیا۔ اور اس طرح دنیا کے کسی بھی ریڈیو اسٹیشن سے بیک وقت آواز بغیر کسی براہِ راست رابطہ کے دنیا کے کسی بھی حصّے میں پہنچائی جانے لگی۔ اس طرح آواز کو وائرلیس کے ذریعے نشر کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی کوششیں تو کامیاب ہو چکی تھیں مگر ابھی تصویر کو وائرلیس ہی کے ذریعے دوسروں کو دکھایا جانا باقی تھا۔ مگر سائنس داں اِس کوشش میں مصروف تھے۔ ٹیلی ویژن کی ایجاد اسی کوشش اور تفتیش کا نتیجہ ہے۔

... پھلواری شریف پٹنہ

ٹیلی ویژن نام ہے لاسلکی (وائرلس) کے ذریعے ان واقعات یا اشیاء کو مشاہدہ کرنے کا جو فاصلے یا حجاب کی وجہ سے آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ متحرک تصاویر کو ٹرانس میٹ کرنے (بھیجنے) کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے کلوزڈ (گھیرا ہوا) سرکٹ ٹیلی ویژن جس میں تصاویر کی ترسیل (ٹرانسمیشن) "لائنوں" کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ دوسرے طریقے کو "براڈکاسٹ ٹیلی ویژن" کہتے ہیں۔ ہم اپنے ٹیلی ویژن سیٹوں پر جو متحرک تصاویر دیکھتے اور ساتھ ساتھ آواز بھی سنتے ہیں اسی کو "براڈکاسٹ ٹیلی ویژن" کہا جاتا ہے۔ "براڈکاسٹ ٹیلی ویژن" میں تصاویر ریڈیو کی شعاعوں کے ذریعے ہی ہم تک پہنچ پاتی ہیں۔ "مگر کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن" ہو یا "براڈکاسٹ ٹیلی ویژن دونوں حالتوں میں روشنی کی شعاعوں کو ٹیلی ویژن کیمرہ کی مدد سے پہلے بجلی کی لہروں میں تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر ایک "ریسیور" میں "کیتھوڈرے ٹیوب" کے پردے پر دوبارہ ان تصویروں کو تبدیل کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کی لغت میں "لائن" سے مخصوص معنی مُراد لیے جاتے ہیں۔ "کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن" میں لائن سے مُراد تار یا کیبل ہے جو ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہی "کلوزڈ سرکٹ" میں تصویر کو سکرین پر لاتا ہے۔ مگر براڈکاسٹ ٹیلی ویژن" میں لائن سے مُراد "اسکیننگ" یعنی تقطیع ہے۔ ہمارے ٹیلی ویژن سٹ کے سکرین پر جو تصویر ہم دیکھتے ہیں وہ قبل اس کے کہ مکمل تصویر بن کر ہمارے سامنے آئے اُسی سکرین پر سکنڈوں میں کئی سو بار "اِسکین" کر چکتے ہیں جسے ہم بظاہر نہیں دیکھ پاتے۔ ایسی بات نہیں کہ ٹیلی ویژن اسٹیشن سے جو تصویر ٹرانس میٹ کی جاتی ہے وہ سیدھے ہمارے اسکرین پر آجاتی ہے وہ کئی سو بار یعنی کئی سو لائن میں "اِسکین کر چکنے کے بعد مکمل اور صحیح تصویر بن پاتی ہے۔

براڈکاسٹ ٹیلی ویژن کے ٹرانسمیٹر سے بیک وقت آواز، تصویر اور "ہم وقت سگنل" (اشارات) ٹرانس میٹ کیے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس جو ٹیلی ویژن سٹ ہیں اُس میں ٹیلی ویژن اسٹیشن سے بھیجے جانے والی آواز اور تصویریں دو الگ الگ آتی۔ ایف ایمپلیفائر میں داخل ہو کر ڈیٹیکٹر کے ذریعے مختلف مرحلوں سے گزرتے ہوئے ہمارے سکرین پر آتی ہیں۔ اور اس طرح ہم اُن سارے واقعات کا مشاہدہ آواز کے ساتھ کرتے ہیں۔

ٹیلی ویژن میں سب سے اہم کیتھوڈ رے ٹیوب ہے اس کے اجزاء میں خصوصی طور پر ایک برقی بندوق ہوتی ہے جس سے بجلی کی شعاعیں نکلتی ہیں اور یہ شعاعیں سطح اور عمودی انحراف کی پلیٹوں سے ہوتی ہوئی ایک روشن پردے پر تصاویر بن کر سامنے آجاتی ہیں۔ کامرشیل (تجارتی) نقطۂ نگاہ سے کیتھوڈ رے ٹیوب ۱۸۹۷ء میں فرڈیننڈ براؤن ۱۸۵۰-۱۹۱۸ کی کوششوں سے منظرِ عام پر آیا۔ مگر اس کا تعلق بجلی کے ذریعے تصاویر بھیجنے کا نہیں تھا۔ جسے پہلے پہل روسی سائنسداں پروفیسر بورس روزن نے ۱۹۰۷ء میں سینٹ پیٹرس برگ (موجودہ لینن گراڈ) میں استعمال کیا اور اس میں اُسے کامیابی بھی ہوئی۔

ٹیلی ویژن کے ذریعے تصاویر بھیجنے کی تحقیق و تفتیش کو اسکاٹ لینڈ کے جان لاگی بیئرڈ نے ۱۹۲۵ء میں مکمل کر لیا تھا اور وہی اس کے موجد مانے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اس کا سب سے پہلا پبلک مظاہرہ ۲۷ جنوری ۱۹۲۶ء کو کیا جس میں اُنھوں نے میکانکی اسکیننگ سسٹم کا ترقی یافتہ آلہ استعمال کیا۔

سائنس کی دنیا میں تحقیق کسی ایک مرحلہ پر کبھی نہیں رکتی۔ چنانچہ بیئرڈ کی اس ایجاد کے بعد بھی جاپان کے ایک سائنسداں ٹاکایاناگی بجلی کے ذریعہ چالیس لائن کی الیکٹرونک تصویر ۱۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو جاپان کے ایک ٹکنیکل کالج میں کیتھوڈ رے سے ٹرانس میٹ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ آج جتنے مرحلوں سے گزر کر تصاویر ہمارے ٹیلی ویژن سٹ کے سکرین پر پہنچتی ہیں وہاں تک پہنچنے میں بہت سے سائنسدانوں نے یکے بعد دیگرے اپنی اپنی تحقیق اور اپنے اپنے تجربوں سے اضافہ کیا ہے۔

بیئرڈ نے سب سے پہلی ٹیلی ویژن سروس ۳۰ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بی۔ بی۔ سی کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے شروع کی اور اپنے بنائے ہوئے ٹیلی ویژن سیٹوں کو، جس کا نام اُنھوں نے بیئرڈ ٹیلی ویژن سٹ رکھا، مئی ۱۹۳۰ء میں فروخت کرنا شروع کیا جس کی قیمت صرف چھبیس پاؤنڈ یعنی قریب پانچ سو روپے رکھا۔ انہی دنوں اُن کی ایجاد کردہ ٹیلی ویژن سیٹوں کو حکومت برطانیہ نے منظوری دے دی اور اس طرح بیئرڈ کو قانونی طور پر اس کا موجد مان لیا گیا۔ بیئرڈ نے ۱۹۳۵ء تک صرف تیس

...پہلا پبلک ٹرانسمیشن کیا۔ بیرڈ کا انتقال ۵۸ سال کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں ہوا۔

دنیا میں سب سے زیادہ لائن پر تصاویر کی ترسیل ۴۰۵ لائن پر لندن میں نومبر ۱۹۳۶ء کو کی گئی۔ اُس وقت تک برطانیہ میں کل ایک سو ٹیلی ویژن سیٹ ہی تھے۔

بحر اوقیانوس کے دونوں طرف کے بر اعظموں کے درمیان پہلے پہل جولائی ۱۹۶۲ء میں ٹیلی ویژن سروس خلائی سیارہ "ٹیلیسٹار ایک" کے ذریعہ امریکہ اور فرانس کے مابین شروع کی گئی۔ اور سب سے پہلا "لائو" ٹیلی ویژن براڈ کاسٹ دانکھوں دیکھا براڈکاسٹ اُسی وقت سے شروع ہوا جب کہ تصویر اور آواز ایک ساتھ آنے لگیں۔

دنیا میں سب سے چھوٹا ٹی۔ وی۔ سیٹ جاپان کا "سیکو ٹی۔ وی۔ رسٹ واچ" ہے جسے دسمبر ۱۹۸۲ء میں تیار کیا گیا اس کا سکرین ۳۰۵ میلی میٹر اور وزن اسی (۸۰) گرام ہے۔ سب سے چھوٹا رنگین ٹی۔ وی۔ سیٹ بھی جاپان ہی نے بنایا ہے جس کا وزن ۶۰۰ گرام اور سکرین ۳۸۱ میلی میٹر ہے۔

ٹیلی ویژن کی اِس ایجاد سے صرف یہی نہیں کہ ہم کھیل تماشے یا قصہ کہانی دیکھتے اور سنتے ہیں تعلیمی سرگرمیوں میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ آج اسکولوں اور کالجوں میں اس کے ذریعے زندگی کے ہر شعبے پر موثر تعلیم دینے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ کھیتی میں لگے کسانوں کو براہ راست اچھی پیداوار کے طریقے اور اُن کا عملی مظاہرہ بتایا اور دکھایا جاتا ہے۔

آج ہم اُن سارے سائنسدانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس کی ایجاد سے ہماری زندگیاں اتنی خوشگوار اور بامقصد بنادی ہیں۔

ہمیں یہ بتاتے ہوئے بڑا دکھ ہو رہا ہے کہ بچّوں کی مقبول ادیبہ

صالحہ عابد حسین

۸ جنوری ۸۸ء کو اللہ کو پیاری ہوگئیں

نام۔ مصداق فاطمہ، صالحہ خاتون، قلمی نام صالحہ عابد حسین، والد کا خواجہ غلام الثقلین، وطن پانی پت (ہریانہ) تاریخ ولادت ۱۸ اگست ۱۹۱۳ء۔

اردو کے مشہور شاعر خواجہ الطاف حسین حالی کی وہ نظم تو آپ نے سنی ہوگی "اے ماؤ بہنو بیٹو دنیا کی زینت تم سے ہے"۔ صالحہ عابد حسین، حالی کی پوتی مشتاق فاطمہ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ ان کے والد خواجہ غلام الثقلین بہت بڑے عالم اور وکیل تھے۔ صالحہ عابد حسین کم عمری میں ہی والد کے سایے سے محروم ہوگئیں۔ ہوش سنبھالا تو صرف والد کا ذکر سنا اُن کی تصویر دیکھی۔ بس! والد کی کمی شروع میں ان کی والدہ اور چچا خواجہ غلام السبطین نے پوری کی بعد میں بڑے بھائی خواجہ غلام السیدین نے۔ خواجہ غلام السیدین اردو اور انگریزی کے ممتاز ادیب اور ماہر تعلیم تھے۔

صالحہ عابد حسین کو لکھنے پڑھنے کا شوق شروع ہی سے تھا ان کے زمانے میں لڑکیوں کو تعلیم کی وہ آسانیاں حاصل نہیں تھیں جو آج ہیں۔ لیکن قسمت سے پیدا ہوئی تھیں حالی کے خاندان میں جہاں لڑکیوں کی تعلیم کو بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے زیادہ تر تعلیم گھر پر حاصل کی۔ کچھ دنوں اسکول میں بھی پڑھا اور مڈل کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس کے بعد

بی اے آنرز بھی اردو میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا اردو فارسی بہت اچھی جانتی ہیں عربی، انگریزی اور ہندی سے بھی واقفیت ہے۔ مطالعہ کا بہت شوق ہے اور اب بھی جب کہ اُن کی آنکھیں کمزور ہوگئی ہیں پھر بھی وہ کئی کئی گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام کرتی ہیں۔

ان کی شادی ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر عابد حسین سے ہوئی جو ممتاز ادیب، عالم اور فلسفی تھے۔ ان کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ سے تھا۔ صالحہ عابد حسین نے ڈرامے لکھے ہیں افسانے، ناول اور تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔ انگریزی سے اردو میں کتابیں بھی ترجمہ کی ہیں۔

صالحہ عابد حسین نے بڑوں کے ساتھ بچوں کے لیے بھی بہت سی مزے مزے کی کہانیاں لکھی ہیں جامعہ میں رہنے کی وجہ انھیں جامعہ اور جامعہ کے بچوں سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ان کے اپنے کوئی بچے نہیں ہیں مگر ان کے بہت سے بچے ہیں جنھیں انھوں نے اپنے پاس رکھا ان کی پرورش کی ہے ان کو تعلیم دی ہے پیامی بچوں کو بھی تو وہ اپنے بچے ہی کہتی ہیں۔

ان کی صحت بچپن سے خراب رہی ہے مگر صحت کی خرابی کے باوجود وہ ہمیشہ خود کو کاموں میں مصروف رکھتی ہیں اور بیماری کو ہمت اور حوصلے سے برداشت کرتی ہیں۔ کام کا شوق، احساسِ فرض اور با اصول زندگی ان کی شخصیت کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

صالحہ عابد حسین ریڈیو پر تقریریں بھی کرتی ہیں اور ڈرامے بھی ڈائریکٹ کرتی ہیں۔ انھوں نے پچاس کے قریب بڑوں اور بچوں کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں چند سال پہلے پدم شری کا اعزاز بھی ملا ہے اور ادبی انعاموں کا تو حساب ہی نہیں۔

ان کو سفر کا بہت شوق ہے انھوں نے ہندستان کی بھی سیر کی ہے ایران، عراق، یورپ امریکہ اور کینیڈا کے سفر بھی کیے ہیں۔ اور اب اس عمر میں بھی وہ سفر کے لیے تیار رہتی ہیں۔ پریم چند حالی اور اقبال انھیں بہت پسند ہیں۔ گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو سے عقیدت ہے۔

ان کو اپنے مذہب اسلام، اپنے وطن ہندستان، اپنے صوبے ہریانہ اپنے شہر پانی پت اور اپنی زبان اردو سے بڑی محبت ہے۔ مگر دوسرے مذاہب، دوسرے ملکوں، دوسرے صوبوں اور دوسری زبانوں کو نہ صرف پسند کرتی ہیں بلکہ ان کا احترام بھی کرتی ہیں۔

پیام تعلیم میں ایک مدت سے لکھ رہی ہیں اور ان کا نام پیامی بچوں کے لیے نیا نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

منورہ نوری خلیق

دوسری اور آخری قسط

یہ جواب سُن کر حضرت زکریا علیہ السلام خود بھی رونے اور قوم کے لیے دعا کرنے لگے۔

اس طرح سب سے الگ تھلگ رہتے اور عبادت کرتے ہوئے کچھ وقت گزر گیا اور غالباً یہی زمانہ تھا جب انھیں خدا کی طرف سے حکم ملا کہ اس قوم کو ایک اور نبی کی بشارت سنائیں جو اصلاح و ہدایات کے لیے آنے والا ہے۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام ارد گرد کے علاقوں میں جانے اور اعلان کرنے لگے۔

"لوگو! عنقریب ایک پیغمبر خدا کی طرف سے تمھاری اصلاح کے لیے آنے والا ہے۔ میں تمھیں اس کی خبر دیتا ہوں، وہ تمھیں خدا کی جانب بلائے گا۔"

اس نئی خبر کو سننے کے بعد وہی لوگ جو ہدایات اور "امورِ خمسہ" سُن کر بھڑک اٹھے تھے۔ پھر باتیں بنانے لگے کوئی بولا: "دیکھو اس بار زکریاؑ کے فرزند نے اہمیت اور عزت حاصل کرنے کا نیا انداز اختیار کیا ہے۔"

کوئی بولا: "یحییٰؑ کو صرف ہمارے عیش اور آرام سے دشمنی ہے، وہ ہمیں سکون اور چین سے نہیں دیکھ سکتا لہٰذا نئی نئی باتیں کرتا ہے۔"

پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: "ارے بھئی بات صرف اتنی ہے کہ شاید زکریاؑ کے اس فرزند نے وہ پرانی پیش گوئیاں سُن لی ہیں جو موسیٰؑ نے بہت پہلے کی تھیں اور کہا تھا کہ اسرائیل کے بیٹوں کے لیے ایک ایسا نبی آئے گا جو بیماریوں سے نجات دلانے اور مُردوں کو زندہ کرنے کی قوت لے کر آئے گا۔ پس اب یقین کر لو کہ یحییٰؑ نے پہلے خود اسی کے ہونے کا دعویٰ کیا اور پانچ ہدایات دیں ہم نے یقین نہ کیا تو اب دوسرے انداز سے وہی باتیں کر رہا ہے۔"

یہ سُن کر ان کی اکثریت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئی لیکن ان کی کوئی مخالفت اللہ کے نبی کو اس اعلان سے نہ روک سکی جس کا حکم خدا نے دیا تھا۔ وہ مسلسل انھیں نیکی اور بھلائی کی ہدایت بھی دیتے اور ایک اور پیغمبر کے آنے کا اعلان بھی کرتے۔ اس

طرح آہستہ آہستہ یہ باتیں ملکِ شام کے کئی علاقوں میں پہنچ گئیں اور اس خاص جگہ (دمشق) میں تو باقاعدہ یہی تذکرے ہونے لگے اور یہودی ان کے دشمن بنتے گئے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہ منادی بار بار کی تو بنو اسرائیل کے معززین اور صاحبِ علم لوگ بھی توجہ دیے بغیر نہ رہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بادشاہ کے خاص مصاحب کے جاتے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کے کانوں تک یہ بات پہنچادی کہ زکریاؑ کا فرزند خود بھی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک اور نبی کی خبر بھی دیتا ہے جس کے بعد بہت سے لوگوں کی ایک جماعت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ نیز نیکی اور بدی کا اعلان کر کے وہ مسلسل لوگوں کو خوفزدہ کر رہا ہے جس سے ان لوگوں کا سکون غارت ہو جاتا ہے جن کے گھر کے چند لوگ اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

ایسے میں تمام صورتِ حال کو سامنے رکھ کر ان معززین اور مصاحبین نے ان سے ملنے اور گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک دن بہت سے دانشوروں کا گروہ ان کی خدمت میں پہنچا۔ ان دنوں بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کسی علاقہ میں حق کی منادی، خدا تعالے کے پانچ حکم اور ایک اور نبی مسیح کی خبر دے رہے تھے۔

ان سب دانشوروں نے رُک کر یہ باتیں سنیں پھر ایک نے آگے بڑھ کر کہا "یحییٰؑ بن زکریاؑ تم کون ہو؟"

یہ سوال سُن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک نگاہ ان سب کو دیکھا اور بولے "تعجب ہے کہ میرا نام بھی لیتے ہو اور میرے باپ کا بھی پھر بھی دریافت کرتے ہو کہ میں کون ہوں؟"

اس جواب کو سُن کر قوم کے یہ دانشور کھسیانے سے ہو گئے۔ پھر ایک نے کہا "دراصل ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا تم وہ مسیح ہو جس کی خبر صالحین دیتے رہے ہیں؟"

"نہیں میں مسیح نہیں ہوں، بلکہ مسیح کی خبر دینے والا ہوں۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام بولے۔

"تو کیا تم وہ نبی ہو جس کی خبر موسیٰؑ نے دی تھی؟" کسی نے پوچھا۔

"نہیں، میں وہ نبی بھی نہیں ہوں جس کی خبر موسیٰؑ نے دی تھی۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام بولے۔

"پھر تم کون ہو؟" معززین نے حیران ہو کر انھیں دیکھا پھر بولے "اور کیوں جگہ جگہ منادی کر کے لوگوں کو ڈراتے ہو؟"

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس گروہ کو دیکھا اور اپنی راہ پر چلتے ہوئے جواب دیا: "تم لوگوں کے لیے بس اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ میں وہ آواز ہوں جو حق کی اشاعت کے لیے بلند کی گئی ہے اور وہ اعلان کرتا ہوں جو حق کی جانب سے ہے"

یہ کہہ کر اپنی راہ پر چلتے ہوئے وہ پھر حق کی منادی کرنے لگے، لوگوں کو ہدایات دینے اور ایک اور نبی کی آمد کی خبر دینے لگے۔

یہ دانشور اور علماء دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس طرح کچھ وقت اور گزر گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی منادی علاقے علاقے گونجنے لگی، تب اس شہر کے لوگوں نے سوچا کہ کیوں نہ انھیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیا جائے جو کہنا ہے کہتے رہیں گے وہ اس تدبیر پر غور فکر کرتے اور بحث کرتے رہے اور ایک بار پھر ان کا ایک وفد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ صاحب ایمان لوگ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، ان لوگوں نے آگے بڑھ کر اپنا مدعا بیان کیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا: "میں صرف وہاں جاؤں گا جہاں کا حکم میرے رب نے مجھے دیا ہے اور وہاں قیام کروں گا جہاں کا حکم میرا رب مجھے دے گا۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ پھر لوگوں کو ہدایات دینے اور خدا کے احکام انھیں سنانے لگے۔ اس وفد سے ملاقات کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہ علاقہ چھوڑنا تھا لہٰذا وہ حق کی منادی کرتے ہوئے آگے روانہ ہو گئے۔ اس طرح بنو اسرائیل ہر بار ناکام ہوئے اور زیادہ سے زیادہ ان سے خائف رہنے لگے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خدا کے احکام سناتے ہوئے علاقہ علاقہ پھرنے لگے یہاں تک کہ وہ خاص دارالحکومت تک پہنچ گئے جہاں کے لوگ بادشاہ کی عیاشیوں کی پیروی کرنے اور برائیوں کو حوصلہ دینے والے تھے۔

بادشاہ ہیرودیس یا ہداد کے لیے ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنی بھاوج سے تعلق رکھتا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنی سوتیلی بیٹی کو اپنی ملکہ بنانا چاہتا تھا۔ ایسے میں اس کے دربار میں چند لوگ وہ بھی تھے جو حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مانتے اور خدا سے ڈرتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ یہ شادی کرنے سے قبل بیت المقدس کے متولی اور مذہبی امور کے نگراں سے فتویٰ طلب کرے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے یا انھیں خدا نے وہاں جانے کا حکم دیا تو انھوں نے بھرے دربار میں جاکر تبلیغ کا فرض ادا کیا بالکل اسی طرح جیسے صدیوں قبل فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام نے اعلانِ حق کیا تھا۔ انھوں نے بھی تمام باطل معبودوں کو جھوٹا ٹھہراتے ہوئے خدائے واحد کے ازلی و ابدی ہونے کا اعلان کرکے ان پانچ ہدایات کو دہرایا جو خدا نے انھیں دی تھیں اور جن کی منادی وہ بار بار کر رہے تھے۔ جب وہ ان پانچوں احکام خداوندی کی تفصیل بتا چکے تو دربار میں موجود چند لوگوں نے واقعی دل سے ان خوبیوں کو محسوس کیا لیکن اکثریت پہلو بدل رہی تھی۔

بادشاہ کے حضور میں ہر دم حاضر رہنے اور اس کی منشا و مرضی کے مطابق فتوے صادر کرنے والا دمشق کا سب سے بڑا عالم شامان بھی یہاں موجود تھا۔ چونکہ اسے علم کی یہ باتیں گوارا نہ تھیں لہٰذا اس نے بادشاہ کے کان میں کچھ کہا۔ اس سے بولنے کی اجازت لی اور پھر بولا۔ "یحییٰ بن زکریاؑ! ہمارا قابلِ فخر بادشاہ ہیرودیس یہ جاننا چاہتا ہے کہ تم جو مذہب و علم کی باتیں بناتے ہو اور تمھارا باپ مذہبی امور کا نگراں اور بیت المقدس کا متولی ہے کیا سوتیلی بیٹی کو ملکہ بنانے کی اجازت دیتے ہو؟"

اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے رُخ پر تلخی اور ناگواری چھا گئی۔ انھوں نے غصے سے کہا۔ "کیا تم سب اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے فرزند نہیں ہو؟"

اہلِ دربار نے زور سے کہا۔ "ہم اسرائیل کے فرزند ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔"

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دریافت کیا۔ "کیا تم سب موسیٰ کی شریعت کی پابندی نہیں کرتے؟"

اہلِ دربار نے پھر اتنے ہی زور سے کہا۔ "ہم موسیٰ کی شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور ہمیں اس بات پر فخر ہے۔"

یہ سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان سب کو اور پھر ہیرودیس بادشاہ کو دیکھا اور سوال کیا۔ "کیا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ سوتیلا باپ اپنی بیٹی کو ملکہ بنالے؟"

اس وقت ہیرودیس کے درباری عالم شامان کا سر بھی جھک گیا اور درباری بھی سکتے کے عالم میں آگئے۔ بادشاہ بھی لاجواب رہ گیا اور سونے کی بُت بنی ہوئی ملکہ بھی پیچ و تاب کھا کر رہ

گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السّلام کے بعد صدیاں گزر گئی تھیں لیکن ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی گدڑی پوش نے دربار میں آکر اس طرح بادشاہ کو للکار دیا ہو۔

وہ سب سرنگوں ہی تھے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اسرائیل کے فرزندو! تم ان پیغمبروں کی اولاد ہو جو حق پر تھے اور حق لانے تھے۔ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ تمھارے اسلاف تھے اور موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر نے تمھیں ایک مطلق العنان عیاش بادشاہ سے نجات دلائی تھی، جسے سب فرعون کہتے تھے جو تمھارے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور بیٹیوں کو اپنی خدمت اور تسکینِ نفس کے لیے روک لیتا تھا۔ تم صدیوں اس ظلم کا شکار رہے پھر خدائے عزوجل نے تمھیں آزادی اور عزت جیسی نعمت سے نوازا۔ تم میں صالحین پیدا کیے، لیکن کچھ ہی وقت گزرا تو تم پھر انھی برائیوں میں ملوث ہو گئے اور ہدایت کرنے والوں کو قتل کرنے لگے اور اب انتہا یہ ہو گئی کہ تم شریعت و دین سب بھول کر خود اپنی عزت اپنے ہاتھوں برباد کرتے ہو، آج تمھارا بادشاہ سوتیلی بیٹی سے شادی کا خواہش مند ہے اور تم اجازت دے رہے ہو، مجھے بتاؤ اس بادشاہ میں اور فرعون میں کیا فرق ہے؟"

اس لمحہ ہر نفس دل سے اپنی اور اپنی حکومت کی برائیوں کو محسوس کر رہا تھا، لیکن ملکہ غصے سے دیوانی ہو رہی تھی، اس کا انداز اور خود حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی تقریر بادشاہ کو پاگل کر رہی تھی اُس نے چلا کر کہا "یحییٰ بن زکریاؑ کو گرفتار کر لو۔"

اس وقت بھی حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے اسے دینِ حق کی دعوت دی، برائی سے روکا لیکن اس کی حالت اور حکم سب کو خوفزدہ کر رہا تھا۔ لہٰذا سپاہیوں نے آگے بڑھ کر انھیں گرفتار کر لیا۔ اس وقت اگرچہ ان کے معتقدین جذباتی ہو رہے تھے، ان پر ایمان لانے والے گلی گلی نعرے لگا کر ان کی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے، لیکن بادشاہ بھلائی اور خیر کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے والے اس شخص کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ لہٰذا ان کا سر قلم کرنے کا حکم صادر کیا گیا۔

اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی عمر تیس برس تھی۔ تاریخ سے یہ وضاحت نہیں ہوتی کہ حضرت زکریا علیہ السّلام کو پہلے شہید کیا گیا یا حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو بہر حال ان دونوں کی شہادت کا زمانہ ایک ہی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو بابلس میں دفن کیا گیا۔
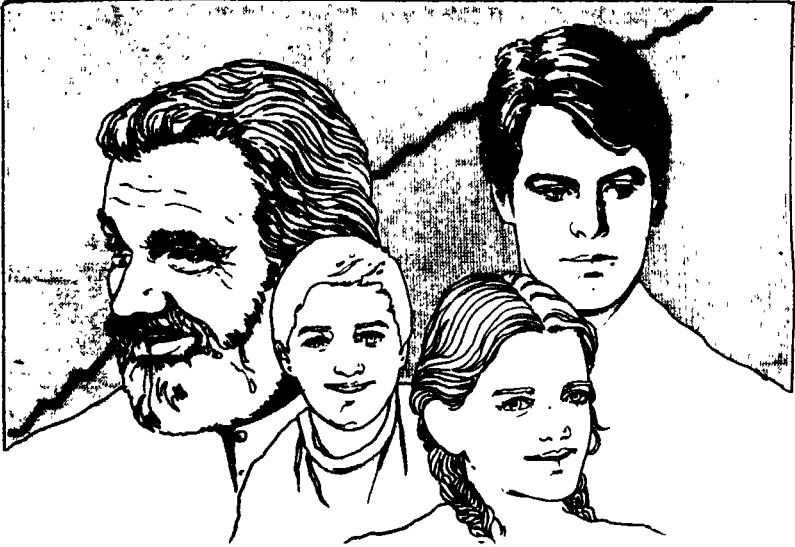
عبوری بجٹ

سید کاشان جعفری

ابّی نے اپنی گھریلو سلطنت میں وزیرِ مالیات کا چارج سنبھال لیا اور اس کے ساتھ ہی ہم اپنے آپ کو بُری طرح بے بس اور پرکٹا پرندہ سمجھنے لگے۔ جسے پر کاٹ کر آزاد چھوڑ دیا گیا ہو، لیکن اب کچھ بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا، وہ اتفاقِ رائے سے ہی تو وزیرِ مالیات منتخب ہوئے تھے۔

دادا حضور سے لے کر انکل، آنٹی، ممّی، بھائی جان، باجی، دانش، ارسلان اور یہاں تک کہ ننھی آفرین سب ہی پریشان تھے۔ اُن سب کے ووٹوں سے منتخب ابّی وزیرِ مالیات کی ذمے داری سنبھالتے ہی ووٹوں کی سہولت اور آسانیوں کی بات فراموش کر بیٹھے، لیکن خود ان کے ٹھاٹ نرالے تھے۔ انھوں نے دیگر افرادِ خانہ کے ضروری اخراجات پر قینچی چلا کر بھرطور اپنے لیے آسائشیں فراہم کر لی تھیں۔

کٹوتی کی سب سے بڑی مد بچوں پر پڑ رہی تھی، ان کے کھیل کھلونوں اور رسائل کو بجٹ سے بالکل ہی خارج کر دیا گیا تھا۔ بچوں نے اس کٹوتی پر احتجاج کیا تو نہایت شان بے اعتنائی کے ساتھ جواب ملا: مہنگائی کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے، آمدنی بڑھتے ہی ساری

چیزیں بحال کر دی جائیں گی۔

بچّے (آخر بچّے ہیں وہ بھلا اس بے تکے
جواب سے کیوں کر مطمئن ہوتے انھوں نے
متحد ہو کر انقلاب لانے کا پروگرام بنانے کا
ارادہ کر لیا۔ وہ اتنی آسانی سے اپنی دلچسپیوں کی
کٹوتی برداشت کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے
تھے۔ انھوں نے بڑی محنت سے ایک
یادداشت مرتب کی اور ابّی جان یعنی وزیرِ
مالیات کی خدمت میں پیش کر دی، مگر وائے
ناکامی، اس یادداشت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

ہم سب بھائی بہنوں میں حنیف بھائی
سب سے بڑے تھے۔ انھوں نے چھوٹے
بھائی بہنوں کو جمع کر کے اطمینان دلایا کہ وہ ان
کے ساتھ ہیں اور اپنا حق منوائے بغیر چین
سے نہیں بیٹھیں گے۔

جمعہ کا دن تھا سب ہی کی چھٹی تھی اور
گھر پہ ہر فرد موجود تھا۔ گھریلو مسائل پر غور و
فکر کرنے کے لیے بڑے بوڑھوں، بزرگوں
کی ایک میٹنگ ناشتے کے بعد ہونا قرار پائی۔
حنیف بھائی ہم سب چھوٹوں کو ساتھ لے کر
وہاں پہنچ گئے اور بولے: ہمارا بھی ایک مسئلہ
ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اپنے محترم ابّی حضور کو
اپنے ووٹوں سے منتخب کر کے وزیرِ مالیات
بنوایا، ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ وہ وزیرِ مالیات
بن کر ہماری ضروریات کا پورا پورا خیال کریں
گے، مگر وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہی انھوں
نے مہنگائی کے نام پر ہمیں پہلے والی سہولتوں
سے بھی محروم کر دیا۔ کھیل اور تفریح ہماری عمر
کا تقاضا ہے اس لیے ہر حال میں ہمیں یہ سہولتیں
ملنی چاہئیں۔

امّی جان بھی شاید موقع کی منتظر تھیں
حنیف بھائی کی بات ختم ہوتے ہی انھوں
نے اپنی شکایت پیش کرتے ہوئے کہا کہ
انھیں پہلے ہر دوسرے ماہ ایک نیا جوڑا مل
جایا کرتا تھا۔ جب کہ تقاریب اور تہواروں کے
لیے خصوصی جوڑے ملا کرتے تھے، اب نئے
بجٹ میں مہنگائی کی آڑ لے کر سال بھر میں
صرف دو نئے جوڑے یعنی عیدالفطر اور
عیدالاضحیٰ کے موقعوں کے لیے رکھے گئے
ہیں اور باقی کو ختم کر دیا گیا۔ یہ بہت بڑی حق
تلفی ہے۔

بچّوں اور امّی کی شکایت گھر کے اسپیکر
یعنی محترم دادا حضور نے سُنی اور اپنے بڑے
لائق و فائق بیٹے وزیرِ مالیات کو اپنی صفائی
پیش کرنے کے لیے کہا۔

ابّی نے اپنی ڈائری نکالتے ہوئے کہا
"اعتراض کرنا بہت آسان کام ہے بلکہ اس
سے آسان کام تو اور کوئی ہے ہی نہیں لیجیے

آپ ہر ماہ کی آمدن اور اخراجات ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے کئی کٹوتیاں کی ہیں، مگر اس کے باوجود اخراجات آمدنی سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابھی سال کے چھ ماہ باقی ہیں اور ساٹھ روپیہ ماہانہ کے حساب سے اب تک ایک سو اسّی روپے بجٹ سے زیادہ خرچ ہو چکے ہیں۔ اس خسارے کو پورا کرنے کے لیے سوچ رہا ہوں کہ مزید کسی مد میں کٹوتی ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

دادا جان نہایت انہماک سے ڈائری پڑھنے لگے۔ انھیں اس میں کہیں بھی کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ حنیف بھائی بھی ان کے ساتھ بیٹھے ڈائری کے اندراجات دیکھ رہے تھے،

اچانک ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انھوں نے ڈائری میں ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے پوچھا: "دادا جان! یہ منسٹر انٹرٹینمنٹ کیا ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے ابّی جان خود ہی بول اٹھے "ضروری نہیں کہ اس مد کے اخراجات کی تفصیل بتائی جائے۔ منسٹر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی آسانی کے لیے الگ سے کچھ رقم خرچ کر سکے۔"

"لیکن اخراجات کی تفصیل تو ہونی چاہیے تاکہ دوسرے اراکین کو مطمئن کیا جا سکے۔" دادا جان نے کہا۔

اُن کی بات سن کر ابّی نے شرمندگی سے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔ پھر وہ سر جھکائے نگاہیں نیچی کیے جواب میں بولے "پہلے میں جو سگریٹ لیا کرتا تھا وہ پانچ روپے کا پیکٹ تھا۔ اب دوسرے برانڈ کا سگریٹ سات روپے کا پیکٹ آتا ہے، یہ اضافی رقم وہی ہے۔"

یہ سنتے ہی دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا: "اچھا ساٹھ روپے ماہانہ خسارے کی وجہ تمھارے سگریٹ کا نیا برانڈ ہے۔ اگر تم اپنا پہلے والا ہی برانڈ استعمال کرو تو یہ خسارہ ختم ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد آگے نظر پڑی اُردو اخبار، انگریزی اخبار... حنیف بھائی نے دادا جان کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے کہا: "گھر میں اُردو اخبار سب پڑھتے ہیں۔ اس سال سے انگریزی اخبار بھی لیا جانے لگا ہے اور اسی انگریزی اخبار کے لیے ہم بچّوں کے رسالوں کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ اگر انگریزی اخبار بند کر دیا جائے تو نہ صرف ہمارے رسائل بحال ہو جائیں گے بلکہ کچھ رقم بھی بچ جائے گی۔"

اس پر چھوٹے چچا نے کہا: "انگریزی اخبار تو میں بھی پڑھتا ہوں۔"

دادا جان نے ان کی دلیل کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: "گھر میں کل تین افراد انگریزی اخبار پڑھتے ہیں، جب کہ بچّوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کی ذہنی جلا اور تفریح کے لیے بچّوں کے رسائل ضروری ہیں۔ تم تینوں انگریزی اخبار کا شوق اپنے دفاتر یا پھر لائبریری سے پورا کر لیا کرو۔"

دادا جان کے اس فیصلے پر ابّی کا سر مزید جھک گیا۔ دادا جان نے مزید کہا: "اگر تم اپنا بجٹ متوازن نہیں بنا سکتے اور تمھیں یہ کام پسند نہیں ہے تو تم خوشی سے استعفیٰ دے دو۔ کوئی اور یہ ذمّے داری سنبھال لے گا۔"

سب نے دادا حضور کے خیال کی تائید کی اور آیندہ جمعے کو نئے وزیرِ مالیات کے انتخاب کا فیصلہ کر لیا گیا۔

ہمارے گھرانے میں سب مل ملا کر بائیس افراد ہیں۔ گھر کا سارا انتظام باہمی رفاقت اور ایک دوسرے کے تعاون سے چلتا ہے۔ ہر نئے سال کے موقع پر ایک صدر اور ایک وزیرِ مالیات منتخب کیا جاتا ہے۔ جب کہ خاندان کے سب سے بڑے بزرگ ہونے کے ناتے محترم دادا جان حضور کو اسپیکر کا عہدہ تاحیات تفویض کیا گیا ہے۔ امّی جان کو تمام داخلی امور میں اہمیت حاصل ہے اور یہ ان امور کو اس قدر خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں کہ کبھی کسی کو ذرّہ برابر بھی شکایت نہیں ہوئی۔

تمام افرادِ خانہ کو اب ایک نئے وزیرِ مالیات کی تلاش تھی۔ دادا جان کا خیال تھا کہ اس بار کسی نوجوان طالب علم لڑکے کو یہ

امریکہ کی دریافت

یوں تو برِاعظم امریکہ کی دریافت کا سہرا کولمبس کے سر باندھا جاتا ہے لیکن کولمبس کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے ہی دوسرے ممالک کے کچھ لوگ بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ چینیوں کا کہنا ہے کہ ان کے ملاّح کولمبس سے بہت پہلے امریکہ کے اس علاقے کو دریافت کر چکے تھے جسے آج کل کیلیفورنیا کہا جاتا ہے۔

جنوبی سمندر کے جزائر میں بسنے والے قدیم باشندے آج بھی اپنے ان آباؤ اجداد کے گیت گاتے ہیں جو سفید فام لوگوں کی آمد سے بہت پہلے دور دراز سے جنوبی امریکہ پہنچے تھے۔

امریکہ کے قدیم باشندے جنھیں ریڈ انڈین کہا جاتا ہے، ایک خیال کے مطابق ایشیا سے وہاں پہنچے تھے۔ تاہم ان ساری باتوں کے باوجود کہا یہی جاتا ہے کہ امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا تھا۔

عہدہ دے کر اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

ہمارے دونوں چچا یعنی چچا توقیر اور چچا خاور وزارتِ مالیات کا قلمدان حاصل کرنے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ اس طرح وہ گھر کے ہر فرد پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کر سکیں۔ ویسے تو یہ عہدہ سراسر فائدے ہی فائدے کا عہدہ تھا۔ سودے سلف اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ میں کچھ نہ کچھ ہاتھ کی صفائی دکھانے کا موقع مل ہی جاتا ہے۔

بائیس افراد کے اس گھرانے میں ہم بچوں کی تعداد دو کم ڈیڑھ درجن یعنی سولہ عدد ہے۔ اسی وجہ سے ہم بچوں کے گروپ کو فیصلہ کن قوت کا مالک سمجھا جاتا یعنی جو بھی اُمیدوار بچوں کے سارے ووٹ لینے میں کامیاب ہو جائے اُسی کا وزیرِ مالیات منتخب ہو جانا یقینی تھا۔

دونوں چچاؤں نے اپنے اپنے حق میں کنویسنگ شروع کر دی۔ دونوں اپنے اپنے طور اپنے اپنے ڈھنگ سے بچوں کو اپنے حق میں ووٹ دینے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اس ترغیب میں لالچ کا سہارا بھی کھل کر لیا جا رہا تھا۔ جب کہ بچے اپنا ووٹ کسی بھی لالچ اور ترغیب کے بغیر خوب سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہتے تھے۔

ہم کسے وزیرِ مالیات منتخب کریں۔ کس کے حق میں اپنا قیمتی ووٹ استعمال کریں، اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے ایک میٹنگ کا اہتمام کیا گیا اور حنیف بھائی سے درخواست کی کہ وہ ہم میں سب سے بڑے ہونے کے ناتے ہماری رہنمائی کریں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ ہمیں کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے میں آسانی ہو۔

وہ بولے ”اس بار ہمیں دھوکا نہیں کھانا ہے۔ پُرفریب نعروں کے جال میں پھنس کر بن پانی کی مچھلی کی طرح بعد میں تڑپنا نہیں ہے ہمارا وزیرِ خزانہ وہی ہوگا اور اُسی کو ہمارا ووٹ ملے گا جو ہماری دلچسپیوں کا خیال رکھے۔ جو بچوں کی ضروریات کو سمجھتا اور انھیں اہمیّت دیتا ہو۔“

آفرین درمیان ہی میں بات کاٹ کر بولی ”حنیف بھائی اس بار تو آپ ہی یہ ذمّے داری قبول کر لیں۔“

”یہ تجویز تو بڑی اچھی ہے، میں اس کی پُرزور تائید کرتا ہوں۔“ ارسلان نے کھڑے ہو کر کہا۔

پھر دانش، الماس، قیصر، ذیشان، اختر، یاسمین اور اشعر سب ہی نے حمایت

کا اعلان کر دیا۔ یوں حنیف بھائی کو اپنا نام
انتخاب کے لیے پیش کرنا ہی پڑا۔ چونکہ انھیں
ہم سارے بھائی بہنوں کی مکمل حمایت حاصل
تھی اس لیے وہ اپنے قریب ترین اُمیدوار
بڑے چچا کے مقابلے میں آٹھ قیمتی ووٹوں
کی اکثریت سے فتحیاب ہوئے۔

حنیف بھائی نے قلمدانِ وزارت
سنبھالتے ہی چھ ماہ کی مدت کے لیے عبوری
بجٹ تیار کیا۔ اس بجٹ کی سب سے بڑی
خوبی یہ تھی کہ ہم بچوں کی دلچسپی والی تمام چیزیں
بحال ہو گئی تھیں۔ ہمارے رسائل بھی دوبارہ
آنے لگے تھے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ
اُنھوں نے کٹوتی نہ کی ہو۔

حنیف بھائی نے ہم سب بھائی بہنوں
کو ایک جگہ جمع کر کے کہا کہ "آپ نے مجھے
جو ذمے داری سونپی ہے اُسے میں ہر طرح
پوری کرنے اور نبھانے کی کوشش کروں گا،
مگر یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب ایک اچھی ٹیم
کی طرح آپ مجھ سے تعاون کریں۔"

سب نے تعاون کرنے کا یقین دلایا تو
انھوں نے کہا: "ہمارے ہاں بجلی اور ٹیلیفون کا
بل بہت زیادہ آتا ہے۔ اگر آپ لوگ ٹی وی
کا صرف منتخب پروگرام دیکھیں اور بقیہ وقت
تک اسے بند رکھیں تو نہ صرف بجلی کی بچت

*

ایک شخص نے اپنے مکینک دوست
سے کہا: "یار! میں نے اس روز تم سے
کہا تھا کہ گھر آکر میرے گھر کی گھنٹی درست
کر دینا مگر تم نہ آئے۔"
دوست نے جواب دیا: "بھئی، اللہ جانتا
ہے میں تو چار بار آیا اور بار بار گھنٹی بجائی
مگر کسی نے دروازہ ہی نہیں کھولا، اب
میں کیا کرتا!"

علی رضا۔ حیدرآباد

ہوگی بلکہ بل کی رقم میں بھی کمی ہو جائے گی۔ ایسی ہی
بچت آپ ضرورت کے وقت ہی اے سی
کھول کر، لائٹ جلا کر، بھی کر سکتے ہیں۔ میں نے
دیکھا ہے اور آپ بھی یقیناً اچھی طرح جانتے
ہیں کہ ہمارے گھر میں اچھے بھلے روشن کمروں
میں دن کے اوقات میں بھی لائٹیں جلتی رہتی
ہیں، اسی طرح فون کے استعمال میں بھی سمجھداری
سے کام لیں اور بہت ہی مختصر بات کریں۔ فون
کی ایجاد کا مقصد بہت ضروری بات کو دور دراز
جگہ پہنچانے کے لیے تھا، مگر ہم ضروری بات
کرنے کی بجائے دوستوں اور سہیلیوں سے
دنیا بھر کی فالتو باتیں کرتے ہیں جس کی وجہ
سے بل زیادہ آتا ہے۔ اس کے بعد گیس کا بجر

ہے۔ میں نے اکثر کچن میں دیکھا ہے کہ خواہ مخواہ چولھا جل رہا ہے۔ یہ طریقہ نہ صرف گیس کے زیاں کا ہے بلکہ پیسے کی بربادی کا بھی آپ لوگ میرے ساتھ تعاون کرتے ہوئے بجلی، فون اور گیس کے بلوں میں کمی لائیں تاکہ اس سے بچنے والی رقم آپ کی دلچسپیوں پر خرچ ہو سکے۔"

حنیف بھائی کی اس تجویز کا سب نے بیک زبان خیر مقدم کیا اور کہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت سے بجلی، گیس اور ٹیلیفون کے بلوں کو کم کرنے کا آغاز کر دیں گے۔

اس کے بعد انھوں نے ابّی جان کے سگریٹ نوشی کے خرچ کو بھی نصف کر دینے کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم سب مل کر اُن سے درخواست کریں گے کہ وہ اسے بالکل ہی ترک کر دیں کیوں کہ یہ مضر صحت ہے۔ انگریزی اخبار بھی بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کیوں کہ وہ صرف گھر کے تین افراد کے لیے آتا ہے اور یہ تین افراد اس کا شوق اپنے دفتر یا لائبریری میں پورا کر لیا کریں گے۔ ان کٹوتیوں سے جو رقم حاصل ہوئی اُسے امّی اور آنٹی کے لباسوں کے لیے خرچ کیا گیا

چھ ماہ بعد جب حنیف بھائی نے نئے سال کا میزانیہ پیش کیا تو گزشتہ سال کے خسارے کی رقم ایک سو اسّی روپے پورے کرنے کے بعد بھی بارہ سو روپے سالانہ کی بچت یعنی منافع ظاہر ہو رہا تھا۔ اس بجٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہمارے ابّی جان سگریٹ نوشی بالکل ترک کر چکے تھے۔

دادا جان کہہ رہے تھے "اسی وجہ سے تو میں نوجوان طالب علم کو وزیر مالیات بنانے کے حق میں تھا۔ وزیر خزانہ اُسے ہونا چاہیے جو کسی کو ناراض کیے بغیر اپنی ذہانت، متانت اور ذمے داری سے ضروری و غیر ضروری کا فرق جانتا ہو اور اسے دوسروں سے منوانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور وہ آمدنی کے پانچ حروف کے مطابق پانچ ہزار روپے کی آمدنی میں سے خرچ کے تین حروف کی طرح تین ہزار روپے خرچ کر کے دو ہزار روپے بچانے کی اہلیت رکھتا ہو۔"

ہم سب حنیف بھائی کی انتظامی صلاحیتوں پر خوش ہو رہے تھے۔ سارے خاندان میں ان کی صلاحیتوں کی دھوم مچ رہی تھی اور کئی عزیز تو ان کے پاس مشورے کے لیے بھی آئے

کمپیوٹر

غلام حسین میمن

موجودہ ایک صدی کے دوران مشینوں نے انسان کا بڑا ساتھ دیا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آج کا دور مشینی دور ہے۔ انہی مشینوں میں ایک نام کمپیوٹر کا ہے۔ کمپیوٹر انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی گنتی یا حساب کرنے والا ہے۔

کمپیوٹر آپ کی دی ہوئی معلومات پر بھروسا کر کے مختلف نتائج اخذ کرتا ہے۔ کمپیوٹر کو دی جانے والی معلومات کو "پروگرام" اور اس طریقے کو "پروگرامنگ" کہتے ہیں۔

کمپیوٹر کے استعمال میں پروگرامنگ کا بڑا دخل ہوتا ہے کیونکہ آپ کا کمپیوٹر شروع میں ایک سادے کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔ ہاں آپ اسے پروگرامنگ کی شکل میں مختلف مواد مہیا کر کے اپنے لیئے مفید بنا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ نظامِ شمسی کے بارے میں اپنے کمپیوٹر کو وقتاً فوقتاً معلومات دیتے گئے۔ کمپیوٹر ان تمام معلومات کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لے گا اور جب آپ اس سے نظامِ شمسی کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ تمام معلومات ایک ساتھ پیش کر دے گا۔ کمپیوٹر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی خاص موضوع پر معلومات کے لیے انسان ورق گردانی کرنے والے دقت اور وقت طلب مرحلے سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور ایک بٹن دباتے ہی کمپیوٹر آپ کی مطلوبہ معلومات چند سیکنڈ میں اسکرین پر پیش کر دیتا ہے۔

الیکٹرانک کمپیوٹر کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا آغاز آج سے ۵۰ سال قبل ہوا۔ پہلا جدید کمپیوٹر ۱۹۴۴ء میں بنایا گیا تھا جسے امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں تیار کیا گیا۔ اسے مارک اول کا نام دیا گیا۔ مارک اول ایک بہت بڑا کمپیوٹر تھا۔ اس کے پرزے کام کرتے ہوئے بہت شور کرتے تھے۔ یہ ۵ سیکنڈ میں ۴۸ اعداد تک جمع کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

جنگِ عظیم دوم کے دوران کمپیوٹر کے استعمال کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ جنگ کے دوران دشمن کے خفیہ اشاروں کو پڑھنے کے کام بھی آتا تھا۔ اس کے علاوہ لڑاکا طیاروں کے ڈیزائن میں بھی اس سے مدد لی گئی۔

۱۹۴۷ء میں سائنس کی دنیا میں ایک نئی ایجاد نے انقلاب برپا کر دیا۔ اور یہ ایجاد ٹرانزسسٹر کی تھی۔ اسے امریکہ کی ایک تجارتی کمپنی کے سائنس دانوں نے مل کر ایجاد کیا تھا۔ اس ایجاد نے کمپیوٹر کے حجم کو مختصر اور وزن کے کم کرنے میں بے حد مدد دی۔ ایک کمپیوٹر ہی کیا ٹرانزسسٹر کی ایجاد سے سائنس کی دوسری اشیاء میں بھی حجم اور وزن میں کمی کی یہی وجہ ہے جبھی ریڈیو، ٹیلی وژن اور کیلکولیٹرز بہت چھوٹے اور کم قیمت ہو گئے ہیں۔

کمپیوٹر سے بڑے بڑے پیچیدہ اور وقت طلب مسائل حل کرائے جا سکتے ہیں۔ حال ہی میں کمپیوٹر سے مونالیزا کے

بارے میں معلومات دریافت کی گئیں۔ کمپیوٹر میں جب مونا لیزا کی تصویر اور لیونارڈو ڈاونچی (مصور، جس نے شاہکار مونا لیزا بنایا) کی تصویر ڈالی گئی اور پوچھا گیا کہ مونا لیزا کون تھی؟ تو صدیوں کے اس سوال کو کمپیوٹر نے منٹوں میں حل کر دیا۔ دی گئی تصویروں کی مدد سے کمپیوٹر نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

"مونا لیزا کوئی نواب زادی نہیں تھی بلکہ لیونارڈو ڈاونچی جس نے تصویر بنائی، اس کا اپنا تخلیق کردہ پورٹریٹ ہے جس میں اس نے اپنی داڑھی صاف کر کے اسے نسوانی شکل دی ہے۔ دونوں کی آنکھیں۔ ناک، رخسار اور ابرو ایک جیسے ہیں"۔

نیو یارک میں ہونے والے اس انکشاف کو موجودہ صدی میں آرٹ کا سب سے بڑا انکشاف قرار دیا گیا ہے۔

کمپیوٹر صنعت و تجارت، طیاروں، ریلوے گودیوں، ٹریفک انجینیرنگ، کھیتی باڑی غرض ہر پیشے سے تعلق رکھنے والے کے لئے اہم ہے۔

جنگ کی صورت میں اس سے جنگی چالیں سمجھنے کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فرصت کے اوقات میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر مختلف کھیل کھیل سکتا ہے۔ آپ کو فرمائشی گانے بھی سنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مختلف دھنیں ترتیب دے سکتا ہے۔

مختلف زبانوں کے تراجم کے سلسلے میں بھی اسی سے مدد لی جاتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں شادی بیاہ کے دفاتر میں یہ نیک فرض کمپیوٹر ہی سرانجام دے رہا ہے۔ مختلف امراض کی تشخیص میں کمپیوٹر ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔

غرض ہر شعبۂ زندگی میں کمپیوٹر ہمارے لیے آج اہم ضرورت بنتا جا رہا ہے۔

۱۔ جہاں کہیں ہے جدھر کدھر ہے
آگ اُدھر ہے، دُھواں اُدھر ہے

۲۔ دور پہاڑوں پار سے آئے
گھر میں آ کر گھل مل جائے

۳۔ اِک ڈبے میں میٹھے دانے
جب کھولا تو پڑے چبانے

۴۔ سَر پر ڈال کے تپتی دھول
بیج سے نکلا فوراً پھول

۵۔ کبڑی ماں نے بچے پالے
دھکے دے کر گھر سے نکالے

۶۔ جس نے بھی وہ ساز بجایا
خود نہ سنا اوروں کو سنایا

۷۔ جس کے پاؤں کے نیچے آئے
کانوں کو وہ ہاتھ لگائے

جوابات: (۱) حقہ۔ (۲) نمک (۳) انار۔ (۴) مکئی کا دانہ (۵) تیر کمان۔ (۶) خراٹے۔ (۷) جائے نماز۔

میٹھے بول

م۔ادیب

انصار، مال دار والدین کا بڑا لاڈلا بیٹا تھا۔ اس کی پرورش بڑے ناز سے کی گئی تھی۔ اس کی ہر جائز اور ناجائز خواہش پوری کی جاتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس کو اسکول میں داخل کردیا گیا۔ اس کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ وقت پر اسکول جاتا۔ وقت پر واپس آتا، لیکن اس میں ایک بڑا عیب تھا۔ وہ لوگوں سے بڑے بُرے انداز میں گفت گو کرتا تھا۔ ہر ایک سے بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔ گھر کے چھوٹے بڑے اس سے ناخوش رہتے تھے اور اسکول کے تمام ساتھی بھی اسی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔

انصار اپنے دوستوں کو خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ کھانے پینے میں تو وہ اس کے ساتھ شریک رہتے تھے، لیکن اس کے بعد وہ کسی بہانے سے ایک ایک کرکے اس کے پاس سے کھسک جاتے اور وہ اکیلا رہ جاتا۔ اس کو بڑا دُکھ ہوتا تھا کہ اپنے دوستوں پر اس قدر روپیہ خرچ کرتا

ہے، پھر بھی کوئی اس سے زیادہ ملنا پسند نہیں کرتا، لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ صرف اس کی گندی زبان کی وجہ سے ہر ایک اس سے نفرت کرتا ہے۔

ایک دن انصار کہیں جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک درخت پر بہت سے کوّے جمع ہیں اور کائیں کائیں کا شور مچا رہے ہیں۔ شریر لڑکے ان پر پتھر پھینک رہے ہیں اور راستہ چلنے والے نفرت سے ان کوّوں کی طرف دیکھتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ انصار وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ دیکھا سڑک کے کنارے ایک میدان میں شامیانہ لگا ہُوا ہے۔ وہاں کرسیاں اور صوفے بچھے ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر بیٹھے ہیں۔ درمیان میں پرندوں کا ایک تاجر چاندی کا ایک خوش نُما پنجرہ لیے کھڑا ہے۔ پنجرے میں ایک نہایت ہی خوب صورت پرندہ بڑی سُریلی آواز میں بول رہا ہے۔ اور اس کی دل کش آواز پر لوگ بہت خوش ہو رہے ہیں۔ انصار نے دیکھا کہ وہاں اس پرندے کو نیلام کیا جا رہا ہے اور خریدار ایک سے بڑھ کر ایک دام لگا رہے ہیں۔ انصار کو بڑا تعجب ہُوا کہ اس ننھے سے پرندے کی اتنی زیادہ قیمت لگ رہی ہے۔ اس سے نہ رہا گیا اور پاس ہی کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھ بیٹھا کہ اتنے ننھے سے پرندے کے اس قدر اونچے دام کیوں لگ رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا: "مُنّے میاں! اس کے چھوٹے سے جسم کو کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ دیکھو کہ اس آواز میں کیسا جادُو ہے کہ سننے والے جھوم رہے ہیں۔ یہ اس کے میٹھے بول ہی تو ہیں جن کی وجہ سے دام بڑھتے بڑھتے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں"۔

تھوڑی دیر تک تو انصار یہ تماشا دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ کوّوں سے لوگوں کی نفرت اور اس ننھے سے پرندے سے لوگوں کی چاہت کی کیا وجہ ہے۔ ذرا غور کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ مجھ سے لوگوں کی نفرت کا یہی سبب ہے کہ میری زبان خراب ہے۔ اگر میں بھی اچھی باتیں کیا کروں تو لوگ مجھے پسند کرنے لگیں گے۔

■ ایک دفعہ ملاّ کی بیوی ان سے کسی بات پر سخت ناراض ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ مُلاّ کو مزہ چکھایا جائے۔ چناں چہ اس نے ہڈیوں کا شوربا جو مُلاّ روزانہ صبح کو پیتے تھے کھولتا ہوا ان کے سامنے لاکر رکھ دیا کہ ان کا منہ جلے گا تو مزہ آئے گا اور پھر کبھی وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں گے، مگر مُلاّ نے اس کو پاس بٹھاکر باتوں میں لگا لیا اور وہ ایک لمحے کے لیے بھول گئی کہ شوربا گرم ہے چناں چہ جب مُلاّ نے محبت سے اس کو شوربا پینے کو کہا تو وہ پیالا اُٹھاکر پینے لگی، لیکن جیسے ہی شوربا ہونٹوں سے لگا، اس نے جھٹ میز پر رکھ دیا، پھر بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ملاّ نے آنسو دیکھ کر پوچھا، "آنکھوں میں آنسو کیسے؟"

"کچھ نہیں، ذرا اماّں مرحومہ یاد آگئی تھیں۔ وہ بھی خدا بخشے اسی طرح شوربا پیا کرتی تھیں۔"

اب مُلاّ نے پیالا اُٹھاکر ایک گھونٹ پیا تو ان کا منہ جل گیا اور آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اس پر بیوی نے پوچھا "خیر تو ہے یہ رو کیوں رہے ہیں؟"

مُلاّ نے جواب دیا، "اس بات پر رو رہا ہوں کہ تمھاری ماں خود تو مر کر جنت کو سدھار گئیں، مگر تم کو زندہ چھوڑ گئیں کہ میری زندگی جہنم بنا گئیں۔"

پیام تعلیم کا خصوصی شمارہ

پیامی بچوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پیام تعلیم کا اپریل ۸۸ء کے شمارہ "بچوں کی کوششیں" نمبر ہوگا۔ اس نمبر میں زیادہ تر بچوں کے لکھے ہوئے مضامین، نظمیں، معلومات اور لطیفے تصاویر کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔ اس خصوصی شمارے کے لیے اپنے مضامین اور تصویریں ۱۵ فروری ۸۸ء تک بھجوائیے، تاخیر سے ملنے والے مضامین شامل نہیں کیے جائیں گے۔

ایڈیٹر، ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

■ ایک دوست: (دوسرے سے) جانوروں کے ناخن کیوں اتنے لمبے ہوتے ہیں؟

دوسرا دوست: بڑے بے وقوف ہو اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔ ان کے پاس نیل کٹر جو نہیں ہوتا۔

مرسلہ: طارق محمود

■ ایک شخص رات کو دیر سے گھر آنے کا عادی تھا وہ تھکا ہارا پہنچتا اور پہلے اپنے دائیں پاؤں کا جوتا اُتار کر دھڑام سے فرش پر مارتا، پھر بائیں پاؤں کا جوتا اُتار کر اسی طرح پٹختا اور سو جاتا۔ نیچے کی منزل پر ایک بوڑھا شخص رہتا تھا وہ یہ انتظار کرتا تھا کہ کب وہ شخص آئے اور جوتے پٹخ کر سوئے تاکہ وہ خود بھی سو سکے۔ اس کے آنے سے پہلے سونے میں بوڑھے کو اپنی نیند اُچاٹ ہونے کا اندیشہ رہتا تھا۔ آخر ایک روز بوڑھا اس سے ملا اور کہا کہ میں آپ کا انتظار کرتے کرتے تنگ آجاتا ہوں۔ آپ جوتے خاموشی سے اُتارا کریں۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور آیندہ خاموشی سے جوتے اُتارنے کا وعدہ کر لیا۔ دوسری رات وہ تھکا ہوا گھر پہنچا اور اپنی عادت کے مطابق اُس نے جُوتا اُتار کر فرش پر دے مارا۔ یک لخت اسے اپنا وعدہ یاد آگیا۔ اس نے دوسرا جوتا آہستہ سے فرش پر رکھا اور سو گیا۔ صبح جب وہ نیچے اُترا تو اُسے وہ بوڑھا شخص ملا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور سرخ تھیں۔ وہ بولا، "جناب، میں رات بھر جاگتا رہا۔ اس انتظار میں کہ دوسرے جوتے کی آواز کب آتی ہے۔"

مرسلہ اکبر حیات اکبر

■ کرائے دار سے مالک مکان نے کہا "یہ بہت ہی عالی شان مکان ہے۔ اس کا ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہے اور ایک سال کا کرایہ پیشگی دینا ہوگا۔"

"لیکن اس میں اصطبل نہیں ہے۔" کرائے دار نے کہا۔

"اصطبل؟ وہ کس لیے؟" مالک مکان نے حیرت سے کہا۔

"اُس گدھے کے لیے جو ان شرائط پر مکان لے گا۔"

مرسلہ: حجاب گل

■ بیوی: میں تمھارے لیے بہت میٹھے انگور لائی تھی۔

بیمار شوہر: تو کیا ہوا انھیں؟

بیوی: وہ اتنے میٹھے تھے کہ میں راستے ہی میں کھا گئی۔

■ گاڑی کا پچھلا کمپارٹمنٹ خالی ہونے کے باوجود وہ شخص کھڑا ہی رہا۔ کئی اسٹیشن گزر گئے، لیکن وہ بدستور کھڑا ہی رہا۔ ایک مسافر نے اس سے کہا،

"ڈبے میں اتنی جگہ ہے، تم بیٹھ کیوں نہیں جاتے؟"

اس پر اس نے جواب دیا،

"جناب! میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے اور بغیر ٹکٹ گاڑی میں بیٹھنا منع ہے۔ میں قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔"

مرسلہ: نسیم اختر

عجوبے

اس گھر کی کہانی جہاں بہت سے عجوبے رہتے تھے
لیکن جب اسی گھر میں ایک نئے عجوبے نے قدم
رکھا تو...؟

نادیہ ندیم

اجی بس پوچھیے مت! کون سا فنکار ہے جو ہمارے گھر میں نہیں۔ گلوکار، اداکار، ادیبہ (مابدولت)، جوڑو کرانے کے ماہر، شاعر ... غرض یہ کہ بڑے بڑے فنکار ہیں ہمارے ہاں۔ اب دیکھیے ہمارے یہ شاعر بھائی کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان کا تخلص دکھی ہے حالانکہ چوبیس گھنٹے ان کے پورے بتیس دانت محل کے چوکیداروں کی طرح نکلے رہتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ شعر خود نہیں کہتے بلکہ دوسروں کے شعر چوری کر کے اپنے نام سے منسوب کر لیتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی اور بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ بڑی دلیری سے بلاجھجک اپنی تعریف خود کر سکتے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے موصوف بڑے اسٹائل سے آئینے کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے اچانک ہم سے کہنے لگے۔

"نادیہ! بھئی تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہمارے بال کتنے اچھے ہیں۔ پتا ہے لوگ راستے میں روک روک کر پوچھتے ہیں کہ آپ کون سا تیل استعمال کرتے ہیں"۔

"اور آپ مسکرا کر کہتے ہیں مٹی کا تیل"۔ ہم نے لقمہ دیا۔

"پلیز دکھی بھائی! آپ ہمیں اپنی کوئی تازہ غزل نہ سنا دیجیے گا"۔ ہم نے پہلے سے ان کو وارننگ دی۔

"بھئی کمال ہے۔ یعنی حد ہوتی ہے بد ذوقی کی بھی۔ اتنا بڑا شاعر تمہارے پاس خود چل کر اپنے اشعار سنانے آیا اور ایک تم ہو کہ پہلے ہی سے منع کر رہی ہو۔ تم لوگوں کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں اس گھر میں پیدا ہو گیا ورنہ تم سب میری ایک جھلک دیکھنے کو ترستے اور میرے آٹو گراف لینے کے لیے میری کار کے پیچھے پیچھے بھاگتے"۔

انھوں نے حسب معمول اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ ہم ان کی بات کا جواب دیتے بڑے زور سے آواز آئی "دھڑام"۔ میں اور دکھی بھائی فوراً اس کمرے کی طرف بھاگے۔ وہاں کا تو منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ ایک طرف جوڈو کراٹے کے شوقین بھائی جو اپنے آپ کو "بروس لی" کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ فرش پر چت پڑے تھے اور دوسری طرف اداکار بھائی جو خود کو ہالی ووڈ کے اداکاروں سے کم نہیں سمجھتے' زمیں بوس تھے۔ صورت حال ابھی تک ہماری سمجھ سے بالاتر تھی لیکن تھوڑی دیر بعد جب دونوں کے حواس بحال ہوئے تو پتا چلا کہ بروس لی بھائی اپنے کمرے میں جوڈو کراٹے کی مشق کر رہے تھے۔ جیسے ہی انھوں نے فلائنگ کک لگانے کی کوشش کی تو ان کی وہ کک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اداکار بھائی کے منہ پر پڑی اور پھر جو ہوا وہ ہمارے سامنے تھا۔ دکھی بھائی بھلا اس موقع پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ فوراً کہنے لگے عرض کیا۔

دن میں تارے نظر آ گئے ان کو
جوڈو کراٹے کا شوق ہے جن کو

ان کا یہ شعر کمرے میں داخل ہوتی ہوئی امی نے بھی سن لیا بس پھر دکھی بھائی کی شامت آ گئی۔

"خوب شعر کہا برخودار! یعنی حد کر دی تم نے نالائقی کی۔ یہاں دونوں بھائی بے چارے گرے پڑے ہیں اور تمھیں موقع کی مناسبت سے شعر سوجھ رہے ہیں۔ کوئی "ارشاد" کہے نہ کہے تمھیں "عرض" ضرور کرنا ہے۔ جاؤ جلدی سے ان کے لیے پانی لے کر آؤ"۔ امی نے غصے سے دکھی بھائی کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور بے چارے دکھی بھائی شعر پر داد ملنے کی بجائے ڈانٹ ملنے پر گردن جھکائے کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے دن ہم بڑے انہماک سے کہانی لکھنے میں مصروف تھے کہ اداکار بھائی تیزی سے ہمارے کمرے میں آئے ان کے پیچھے دکھی بھائی بھی تھے۔ ہمارے پاس آتے ہی اداکار بھائی رونی سی صورت بنا کر بولے "دیکھو باجی! دکھی بھائی مجھے سیر کرانے کے لیے لے جا رہے ہیں"۔

"بھئی اس میں منہ پھلانے والی کون سی بات ہے۔ ہمیں کوئی زبردستی سیر کرانے کو لے کر جائے تو ہم تو فوراً تیار ہو جائیں"۔ ہم نے حیرانی سے کہا۔

"اور کیا ایک تو میں سیر کرانے لے جا رہا ہوں اوپر سے یہ لاٹ صاحب نخرے دکھا رہے ہیں"۔ دکھی بھائی برہمی سے بولے۔

"جی نہیں' مجھے پتا ہے راستے میں آپ مجھے اپنی غزل اور اشعار سنائیں گے۔ میں ہرگز ہرگز آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا"۔ اور اس سے پہلے کہ ہم ان کے جھگڑے کا کوئی فیصلہ کرتے آپی بندوق کی گولی کی طرح دندناتی ہوئی اندر آئیں۔ "بھئی کسی نے میرا کالا دوپٹا دیکھا ہے؟" آپی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے دیکھا ہے"۔ اداکار بھائی جلدی سے بولے۔

"کہاں ہے؟ جلدی بتاؤ نا' مجھے ویسے ہی بہت دیر ہو چکی ہے"۔ آپی نے بے تابی سے کہا۔

"آپ کا وہ کالا دوپٹا تو بروس لی بھائی نے اپنی کمر میں بلیک بیلٹ کے طور پر باندھا ہوا ہے"۔ اداکار بھائی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا.........ہائے اللہ وہ تو میرا بالکل نیا دوپٹا تھا۔ ابھی پوچھتی ہوں اس بروس لی کے خالو سے"۔ آپی پیر پٹختی ہوئے کمرے سے نکل گئیں اور اداکار اور دکھی بھائی، بروس لی بھائی کی پٹائی کا "آنکھوں دیکھا حال" دیکھنے کے لیے آپی کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ابھی ہم اس ہنگامے سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ گلوکار بھائی جو اپنے آپ کو مائیکل جیکسن اور تان سین کا استاد سمجھتے ہیں بڑے افسردہ سے کمرے میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں مٹکے کے کچھ ٹوٹے ہوئے ٹکڑے تھے۔ ہم سے ان کی اداسی دیکھی نہ گئی۔ مگر ہمارا پوچھنا تو غضب ہو گیا موصوف الٹا ہم ہی پر برس

پڑے۔

"تم سب میری خوب صورت آواز سے جلتے ہو"۔ ان کی آواز نہایت ہی باریک ہے اس لیے حضرت مٹکے میں منہ ڈال کر گاتے ہیں تاکہ آواز کچھ بھاری ہو جائے۔

"اب یہ دیکھو"۔ انہوں نے مٹکے کے ٹکڑے ہوا میں لہراتے ہوئے کہا "بروس لی صاحب نے جوڈو کراٹے کا ایک ہاتھ مار کر میرا مائیک توڑ دیا"۔ انہوں نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"مگر کیوں؟"۔ "آخر کوئی وجہ تو ہو گی"۔ ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

"اب یہ تم انہی سے پوچھنا میں تو جا رہا ہوں نیا مٹکا لینے"۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

شام کو ہم بڑے خوش گوار موڈ میں لان میں بیٹھے بچوں کے رسالہ کا مطالعہ کر رہے تھے کہ بروس لی بھائی چائے کا کپ ہاتھ میں لیے لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ ہم نے موقع پا کر آخر ان سے پوچھ ہی لیا کہ انہوں نے تان سین بھائی کا مٹکا کیوں توڑا؟

ہمارا سوال سن کر پہلے تو انہوں نے حیرانی سے ہمیں دیکھا پھر کہنے لگے۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟ ارے بھئی مٹکا توڑنا تو بہت ضروری تھا اسے تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

"واہ بھئی خوب کہی آپ نے ایک تو ان کا مٹکا توڑا اوپر سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے"۔ ہم نے تعجب سے پوچھا۔

"اور کیا! غالباً اس نے تمہیں پوری بات نہیں بتائی۔ ہوا یوں کہ صبح میں آپی سے پٹ کر .... مم .... مم .... میرا مطلب ہے ان کو کالا دوپٹا واپس کرنے کے بعد تان سین کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ موصوف کا منہ مٹکے میں پھنسا ہوا ہے اور ان کے گلے سے کچھ عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی ہیں۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے جوڈو کراٹے کا ایک ہاتھ مار کر ان کا سر مبارک آزاد کرا دیا۔ اب ذرا تم ان کی احسان فراموشی دیکھو الٹا مجھ پر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے میرا مٹکا توڑ دیا' میں ابھی راگ درباری گاتا اور میرا سر خود بخود مٹکے سے آزاد ہو جاتا"۔ اور اس سے پہلے کہ ہم اس دلچسپ واقعے پر اپنی ہنسی نکالتے' اداکار بھائی ایسے اچھلتے ہوئے لان میں داخل ہوئے جیسے گھاس پر کانٹے اگ آئے ہوں۔ آتے ہی کہنے لگے۔ "کچھ سنا تم لوگوں نے کل شام کی فلائٹ سے نوید بھائی آ رہے ہیں"۔ "کیا واقعی ....؟" میں نے اور بروس لی بھائی نے کورس کے انداز میں کہا لیکن دوسرے دن اس وقت بڑی مایوسی ہوئی جب امی ابو نے ہم سب بہن بھائیوں کو ایئرپورٹ لے جانے سے انکار کر دیا۔ ہم سب نے بڑی آئیں' بائیں' شائیں کی' مگر بے سود۔ امی ابو کے جانے کے بعد ہم بڑی بے چینی سے نوید بھائی کا انتظار کر رہے تھے۔ کمرے میں خلافِ توقع گہری خاموشی تھی مگر یہ خاموشی اس وقت ٹوٹی جب ایک نقاب پوش کھڑکی کے راستے اندر داخل ہوا۔ ہم سب گھبرا کے کھڑے ہو گئے۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے سب اپنی جگہ آرام سے بیٹھ جائیں"۔ اس نے چہرے سے نقاب ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں' موٹی موٹی خوفناک آنکھیں اور ہمارے سر کے بالوں سے بھی گھنی داڑھی تھی۔ ہم سب کا تو خوف کے مارے خون خشک ہو گیا۔ وہ بڑے آرام سے پستول لہراتا ہوا اداکار بھائی کے پاس آیا۔ "تو آپ ہیں ہالی وڈ کے مایہ ناز اداکار ..... اور آپ ہیں بروس لی کے استاد"۔ اس نے پستول لہراتے ہوئے منجھلی سے کہا۔

"اوہو! یہاں تو گلوکار اور ادیب صاحب بھی ہیں"۔ اس نے پہلے ثاقب اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی شاعر صاحب بھی تو ہمیں تشریف رکھتے

ہیں"۔

"لل۔۔۔۔۔۔ لل لیکن آپ کو یہ سب کیسے علم ہوا؟" دکھی بھائی نے پوری قوت جمع کر کے حیرانی سے پوچھا۔

"شاعر صاحب! ہم جب کہیں چوری کرنے جاتے ہیں تو وہاں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ خیر تم اس الجھن میں نہ پڑو ذرا جلدی سے اپنے تازہ اشعار تو سناؤ"۔ اس نے دکھی بھائی سے فرمائش کی۔

دکھی بھائی کی زندگی میں شاید یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے شعر سنانے کی فرمائش کی تھی لہٰذا انہوں نے اپنی پوری قوت جمع کر کے کہا' عرض کیا ہے۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

"کہ کہیں کچھ اٹھا نہ لیں" یہ انہوں نے غالباً دل میں کہا ہو گا۔ اچانک چور ہم سے مخاطب ہوا۔

"ادیبہ صاحبہ! آپ جلدی سے ہمیں گرما گرم چائے پلا دیں پھر ہم سوچیں گے کہ کون سی چیزیں ہم یہاں سے اپنے گھر منتقل کر سکتے ہیں"۔ اس نے کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ہم نہایت سعادت مندی سے اٹھے اور کچن کی طرف روانہ ہو گئے جو کمرے کے سامنے ہی تھا۔ کمرے میں دکھی بھائی چور کو اشعار سنا رہے تھے اور ہم سوچ رہے تھے کہ چور کو کس طرح پکڑوایا جائے۔ ہم نے اکثر جاسوسی کہانیوں میں پڑھا تھا کہ ہوشیار لوگ اپنی سمجھ داری سے بڑے بڑے چوروں کو پکڑوا دیتے ہیں' یکایک ہمارے کند ذہن میں بھی ایک ترکیب آ گئی۔ ہم دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئے اور جیسے ہی چور نے ہم سے چائے لینا چاہی ہم نے گرما گرم چائے کی پوری ٹرے اس پر الٹ دی۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹا۔ اداکار بھائی نے چور کو ولن سمجھتے ہوئے ایک مکا رسید کیا۔ بروس لی بھائی بھلا کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے انہوں نے بھی چور کے سر پر جوڈو کراٹے کا ایک بھرپور ہاتھ دے مارا اور بے چارا چور بڑی شان سے لہراتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ ابھی ہم پولیس کو فون کرنے ہی والے تھے کہ امی اور ابو باتیں کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک اجنبی شخص کو بے ہوش دیکھ کر انہوں نے سوالیہ انداز سے ہماری طرف دیکھا' لیکن ہمارے بولنے سے پہلے ہی اداکار بھائی نے الف سے لے کر ی تک پوری روداد نمک مرچ لگا کر سنا دی۔

اچانک ہمیں نوید بھائی کا خیال آیا' "ابو! نوید بھائی آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئے؟" "بھئی یہی بات تو ہمیں پریشان کر رہی ہے کہ نوید آج آیا کیوں نہیں"۔ ابو نے چور کی طرف بڑھتے ہوئے کہا'

"موصوف کی حالت تو دیکھو لگتا ہے برسوں سے شیو نہیں کی" ابو نے یہ کہتے ہوئے چور کی داڑھی کو ہلکا سا جھٹکا دیا مگر یہ کیا داڑھی تو ابو کے ہاتھ میں آ گئی۔

"ارے بیگم یہ تو نوید ہے"۔ ابو نے چلاتے ہوئے امی سے کہا جو گم صم ایک طرف کھڑی ہوئی تھیں۔ امی کے ساتھ ہم سب بہن بھائی بھی چند قدم آگے بڑھے۔ اس وقت تک ابو' چور میرا مطلب ہے کہ نوید بھائی کی مونچھیں بھی اتار چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو پتا چلا کہ انہوں نے سرپرائز دینے کے لیے ہی سب کچھ کیا تھا۔

"انکل میری توبہ ہے جو آئندہ ان عجوبوں کے ساتھ کوئی مذاق کروں"۔ اور نوید بھائی کے اس جملے کے ساتھ ہی پورا کمرا ہم سب کے ملے جلے قہقہوں سے گونج اٹھا۔

جناب بچے نے مجھے رات
پھر سونے نہیں دیا اس لیے ...
پھر تو کل سے اسے بھی
اپنے ساتھ لیتے آئیں تاکہ وہ آپ
کو یہاں بھی سونے نہ دے
سیٹھ جی! آپ نے وعدہ
کیا تھا کہ جس دن آپ مجھ سے خوش ہوں
گے اسی دن میری تنخواہ بڑھا دیں گے
ارے بے وقوف! تم خود سوچو اگر
کوئی مجھ سے تنخواہ بڑھانے کے لیے کہے
گا تو کیا میں خوش ہوں گا!
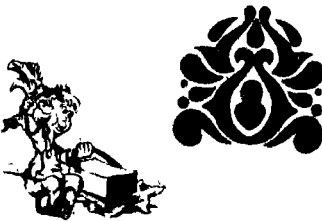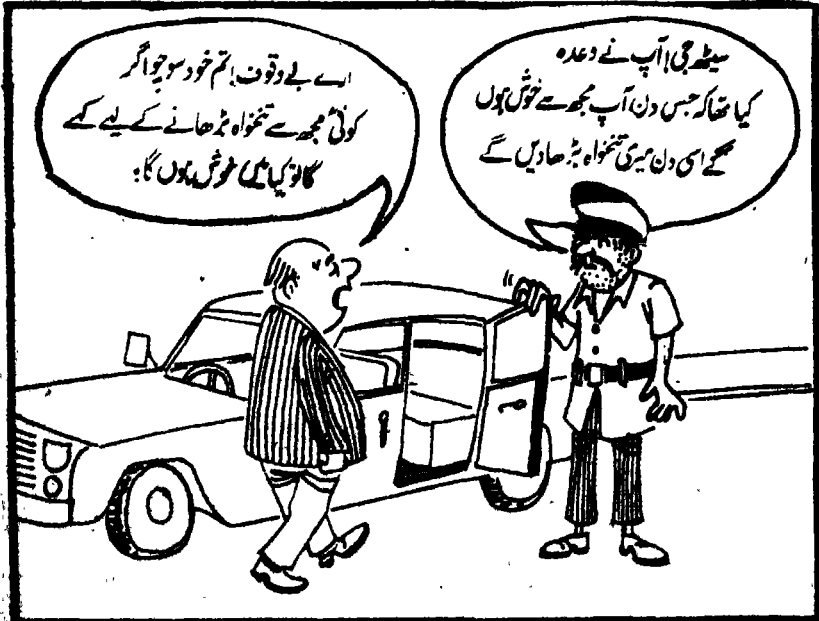
بُوجھو تو جانیں

عبدالغنی شمس

مرے دوست کا نام بچّو بتاؤ

ترقی کی راہیں دکھاتا ہے مجھ کو　　جہاں میں مہذّب بناتا ہے مجھ کو

وہ ہر علم و دانش سکھاتا ہے مجھ کو

مرے دوست کا نام بچّو بتاؤ

نئی سوچ کی کھڑکیاں کھولتا ہے　　وہ ہر بات کو عقل میں تولتا ہے

نہیں ہے زباں، پھر بھی وہ بولتا ہے

مرے دوست کا نام بچّو بتاؤ

مرے پاس گھنٹوں وہ رہتا ہے اکثر　　بناتا ہے وہ آدمی کا مقدر

مجھے ناز ہے اس کی اس دوستی پر

مرے دوست کا نام بچّو بتاؤ

کبھی آنسوؤں سے رُلاتا ہے مجھ کو　　کبھی دیر تک یہ ہنساتا ہے مجھ کو

کبھی نقشِ حیرت بناتا ہے مجھ کو

مرے دوست کا نام بتلاؤ بچّو

نہ بوجھو تو پھر ہاتھ میں اِک قلم لو

بڑے میاں مکتب گئے

عشرت رحمانی

ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ جب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنی ساری دولت بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ اس نے سوچا اب مجھے روپے پیسے کی کیا ضرورت ہے۔ جتنے دن کی زندگی رہ گئی ہے وہ اپنے ایک ایک بیٹے کے پاس تھوڑے تھوڑے دن رہ کر آرام سے گزار لوں گا۔

پہلے بڑے میاں اپنے بڑے بیٹے کے گھر گئے اور اس کے پاس رہنے لگے۔ شروع شروع میں تو بڑے میاں کی بڑے بیٹے نے بہت خدمت اور خاطر مدارات کی اور کہا "آپ کو آرام پہنچانا اور خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔"

مگر تھوڑے دنوں کے بعد وہ اپنے باپ سے بیزار ہو گیا۔ اب وہ اس کا ادب کرتا نہ خدمت بلکہ

کبھی کبھی تو وہ اور اس کی بیوی اس کو برا بھلا بھی کہتے۔ بڑے میاں کو وقت پر کھانا کپڑا تک نہ ملتا۔
آخر بڑے میاں اپنے بڑے بیٹے کے سلوک سے تنگ آ گئے اور دوسرے بیٹے کے پاس چلے گئے۔ وہاں بھی چند روز اچھے گزرے اور پھر بڑے کی طرح چھوٹا بیٹا بھی بیزار ہو گیا۔ اس کی بیوی بھی بڑے میاں کے ساتھ بدزبانی کرتی اور کہتی، "ہم پہلے ہی مشکل سے گزر بسر کر رہے ہیں۔ اب آپ نے آ کر ہمیں اور بھی پریشان کر دیا ہے۔" بے چارے بڑے میاں وہاں سے بھی اکتا گئے اور منجھلے بیٹے کے پاس چلے گئے مگر اس کے بڑے سلوک سے بھی تھوڑے ہی دنوں میں پریشان ہو کر سب سے چھوٹے بیٹے کے پاس چلے گئے۔ وہاں سے بھی تنگ ہو کر نکلنا پڑا۔ بے چارے بوڑھے باپ کو کسی ایک بیٹے کے پاس بھی چین نہ ملا۔ چاروں بیٹے باپ کی جائداد والے اور خوش حال ہونے کے باوجود ان کو اپنے پاس رکھنے سے بچتے تھے۔ کوئی کہتا، میرا گھر چھوٹا ہے تو کسی کا کہنا تھا کہ میرے بیوی بچوں کا خرچ اتنا ہے کہ میں آپ کو اپنے پاس رکھنے سے مجبور ہوں۔"

بڑے میاں غریب نے اپنی ساری دولت دینے کے بعد چاروں بیٹوں کی الگ الگ خوشامد کی مگر کسی کو ان کے بڑھاپے پر بھی ترس نہ آیا اور نہ اس کا خیال کیا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے سب ان کے باپ کا دیا ہوا ہے۔

ایک دفعہ چاروں بیٹے اکٹھے ہوئے اور سب نے مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ بڑے میاں کو قریب کے ایک گاؤں کے مکتب بھیج دیا جائے اور چوں کہ وہ ان پڑھ ہیں لہٰذا اُن سے کہا جائے کہ آپ پڑھنا لکھنا سیکھ آئیں تو ہمارے بچوں کو پڑھایا کریں۔ کہہ دیا جائے کہ صبح کو جائیں اور رات کو واپس آئیں۔ اس طرح ان سے ہم میں سے ہر ایک کو دن بھر کے لیے چھٹکارا مل جائے گا۔ جب بڑے میاں سے ان کے بڑے بیٹے نے یہ بات کہی تو انھوں نے کہا، "بیٹا، بھلا میں اتنا بوڑھا ہو کر کیسے پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے تو آنکھوں سے اچھی طرح سجھائی بھی نہیں دیتا۔ مجھے تو ایک کونے میں ایک پلنگ اور روٹی کا ٹکڑا دے دیا کرو۔ میں پڑا رہوں گا۔" مگر بیٹوں نے ان کی ایک نہ سنی اور بوڑھے باپ کو مجبور کر کے دور ایک گاؤں کے مکتب میں بھیج دیا۔

بڑے میاں غریب گھر سے نکل کر گاؤں کے مکتب روتے دھوتے چل دیے۔ راستے میں ان کو ایک امیر آدمی گھوڑا گاڑی میں سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس نے بڑے میاں کو گرتے پڑتے اور روتے جاتے ہوئے دیکھ کر گاڑی روکی اور پوچھا، "آپ اس حال میں کہاں جا رہے ہیں اور رو

کیوں رہے ہیں؟"

بڑے میاں نے جواب دیا "مکتب جا رہا ہوں۔"

امیر آدمی نے تعجب سے پوچھا "اس عمر میں اور مکتب جاؤ گے۔ یہ تمہارے گھر میں آرام سے بیٹھنے کے دن ہیں۔"

بڑے میاں نے امیر آدمی کو شروع سے آخر تک اپنی ساری کہانی سنائی تو اس نے کہا، "بڑے میاں، مکتب جانے کا خیال بے کار ہے۔ تمہاری اولاد نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے اور تمہارے سارے احسان اور باپ ہونے کا حق بھی بھلا دیا۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ وہ چاروں بہت نالائق ہیں۔ مگر غم نہ کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا اور تم دیکھو گے کہ وہی نالائق بیٹے تمہاری جان و دل سے خدمت کریں گے۔ تم کو اچھے سے اچھا کھلائیں گے اور عمدہ کپڑے پہنائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی گاڑی میں سے ایک بڑا سا ریشمی رومال نکال کر لایا اور اس میں کچھ چیزیں بھر کر ایک بڑی سی پوٹلی بنا کر اسے مضبوطی سے باندھا پھر ایک بڑا سا صندوق گاڑی میں سے نکالا اور وہ پوٹلی اس صندوق میں رکھ کر اسے قفل لگا دیا اور بڑے میاں کو اس قفل کی چابی دے کر

ان کے کان میں چُپکے چُپکے کچھ کہا۔ بڑے میاں اس کی باتیں سُن کر مسکراتے رہے اور خوشی خوشی صندوق سَر پر رکھ کر امیر آدمی کا شکریہ ادا کر کے اس کو دُعائیں دیتے بڑے بیٹے کے گھر روانہ ہو گئے۔

جب بڑے میاں بیٹے کے گھر پہنچے تو اتفاق سے اُس وقت چاروں بھائی وہیں موجود تھے اور اپنے بوڑھے باپ کو گھر سے نکالنے اور مکتب بھیجنے کی ترکیب سے خوب ہنس ہنس کر خوش ہو رہے تھے۔ جب ان چاروں نے باپ کو سَر پر ایک بڑا سا صندوق رکھے گھر میں آتے دیکھا تو کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ آپ مکتب گئے یا نہیں اور یہ صندوق کہاں سے لائے۔ وہ سب کے سب سمجھ گئے کہ بڑے میاں کہیں سے یہ دولت لائے ہیں۔ چناں چہ ان کے سَر سے صندوق جلدی سے اُتار کر نیچے رکھنے کے بعد ایک ایک نے ان کی خاطر مدارات شروع کر دی۔

ایک کہتا، "ابا جان، آپ تو بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آرام کریں۔"

دوسرا کہتا، "آپ آرام سے لیٹ جائیں، میں آپ کے پاؤں دباتا ہوں۔"

بڑے میاں نے سب کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں بالکل نہیں تھکا ہوں۔ تھوڑی دُور ہی چل کر واپس آ گیا۔"

اب چاروں میں سے ہر ایک نے ان پر زور دیا کہ آپ میرے گھر چلیں۔ بڑے بیٹے نے کہا، "نہیں ابا جان، اب کہیں نہیں جائیں گے، میں سب سے بڑا ہوں۔ میرا حق زیادہ ہے۔ اب ابا جان میرے پاس رہیں گے۔"

بڑے میاں نے جب یہ خاطر تواضع دیکھی تو دل میں اللہ پاک کا شکر ادا کیا اور اس امیر آدمی کو دعائیں دیتا رہا جس نے اس کو یہ ترکیب بتائی تھی۔ بڑے بیٹے اور اس کی بیوی نے بڑے میاں کی خوب منت سماجت کر کے مزے دار کھانے پکا کر کھلائے۔ کھانا کھانے کے بعد بڑے میاں نے کہا،

"میرے بچّو! اپنی جوانی میں میں نے کچھ دولت جمع کر کے ایک جنگل میں دفن کر دی تھی کہ گھر میں رکھنے سے چوری کا ڈر نہ رہے۔ مجھے اس کا خیال ہی نہ رہا تھا۔ آج گاؤں کو جاتے ہوئے اُدھر سے جو گزرا تو یاد آیا۔ زمین کھودی تو صندوق جوں کا توں رکھا ملا۔ اب یہ میری زندگی تک یونہی بند رہے گا۔ میرے مرنے کے بعد اسے کھولنا اور تم میں جو بچّہ مجھے زیادہ آرام دے گا اور میری زیادہ خدمت کرے گا ظاہر ہے اس دولت کا زیادہ حصّہ اسی کو ملے گا، باقی میں سے دوسرے آپس میں

بانٹ لینا۔"

یہ سُن کر چاروں بیٹے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے کہ ابا جان کو میں اپنے پاس رکھوں گا۔ آخر بڑے میاں نے کہا، "مجھے تم سب پیارے ہو اس لیے میں ہر ایک کے پاس برابر رہوں گا۔"

اب بڑے میاں جس بیٹے کے پاس بھی جاتے تو وہ ان کی خوب آؤ بھگت کرتا اور نعرہ دیتا کہ ابا جان ابھی نہ جائیے۔ میرے پاس رہیے۔" اور سب ہی ان کے کھانے اور آرام وغیرہ کا بہت خیال رکھتے۔ اس طرح بڑے میاں کی زندگی بڑے مزے سے گزرنے لگی۔ بہت دنوں تک یوں ہی آرام سے زندگی گزارنے کے بعد بڑے میاں کا انتقال ہو گیا۔ چاروں بیٹوں نے مل کر ان کو بڑی شان سے دفن کیا اور شاندار قبر بنوائی۔ فاتحہ کی اور غریبوں اور عزیزوں دوستوں کو خوب کھانے کھلائے۔ آخر سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد صندوق کھولنے لگے، مگر صندوق کھولنے سے پہلے چاروں میں تکرار ہونے لگی۔ ہر ایک کہتا "میں نے ابا جان کی زیادہ خدمت کی ہے اس لیے بڑا حصہ مجھے ملنا چاہیے۔"

آخر طے پایا کہ چاروں برابر تقسیم کر لیں گے۔ چناں چہ صندوق کھولا گیا تو اس میں سے بڑی

خوب صورت ریشمی پوٹلی نکلی جس کا منھ بند تھا۔ اس میں سے چھن چھن کی آواز آرہی تھی۔ بڑی بے صبری سے انھوں نے پوٹلی کھولی اور فرش پر خالی کردی، مگر دیکھتے کیا ہیں کہ اس میں سے کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے گر کر فرش پر پھیل گئے۔ ان چاروں بیٹوں کو بہت غصّہ آیا اور آپس میں خوب لڑے۔ گاؤں کے لوگوں کو جب یہ سارا حال معلوم ہوا تو وہ خوب ہنسے اور انھوں نے بڑے میاں کے بیٹوں سے کہا،

"تم نے اپنے بوڑھے باپ کی راحت کا خیال نہیں رکھا اور خدمت کا فرض ادا نہیں کیا مگر صرف دولت کے لالچ میں اس کی آؤ بھگت دکھاوے کے لیے کی۔ تم اس کو مکتب بھیج رہے تھے، مگر اس نے اپنی عقل اور سمجھ سے تمھیں کیا سبق سکھایا۔ یاد رکھو اللہ اور رسولؐ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ اور بڑا حق ماں باپ کا ہوتا ہے۔ اب اپنی اپنی اولاد کو یہ سچا سبق سکھاؤ، ورنہ تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو تم سب پہلے اپنے باپ کا کرنا چاہتے تھے۔"

چاروں بیٹے یہ سُن کر بہت شرمندہ ہوئے۔

ماں، تم کتنی خوب صورت ہو

- سخت سے سخت دل کو ماں کی پُرنم آنکھیں موم بنا سکتی ہیں۔ (شاعرِ مشرق علامہ اقبال)
- میری ماں دنیا کی خوب صورت ترین ماں ہے۔ (مولانا محمد علی جوہر)
- اس بات سے ڈرو کہ ماں نفرت یا فریاد سے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے۔ (ویرزیل)
- مجھے پھول اور ماں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ (نادر شاہ)
- میں نے سب سے پہلے ماں کی آنکھوں میں محبّت کا رنگ دیکھا ہے۔ (لانگ فیلو)
- ہماری ماں نے ہم کو زندہ رہنے اور آزادی سے زندگی گزارنے کا حق دیا ہے۔ (مولانا شوکت علی)
- آسمان کا بہترین اور قدرتی اور آخری تحفہ ماں ہے۔ اس کی قدر کرو۔ (ملٹن)
- ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبّت ہے۔ (ایمرسن)

● پولیس والا ایک چور کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا، چور قبرستان میں ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہاں پر پولیس والا بھاگا بھاگا آپہنچا!
پولیس والا چور سے بولا تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟
چور بولا! حضور قبر کے اندر بہت گرمی ہے اس لیے ذرا ہوا کھانے باہر نکل آیا تھا۔
(عاصم قدیر۔ نئی دہلی ۲۵)

● بٹیا (باپ سے) ابا جان میں نہاؤں گا۔
باپ:۔ بٹیا سردی پڑ رہی ہے تم مت نہاؤ!
بٹیا:۔ ابا جان آپ فکر نہ کریں میں کوٹ پہن کر نہا لوں گا۔

● تھکا ہوا شکاری:۔ تم نے کسی ہرن کو یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔؟
راہ گیر:۔ ہاں!
شکاری:۔ کتنی دیر ہوئی؟
راہ گیر:۔ ایک سال ہوا۔
(س۔ م عقیل۔ کوچہ چیلان نئی دہلی ۲)

● ماں ساجد سے:۔ تم نے سجاد کو کیوں مارا؟
ساجد:۔ امی آپ نے کہا تھا کہ جب کوئی چیز کھایا کرو تو اپنے بھائی کو بھی کھلایا کرو۔ آج میں نے اسکول میں مار کھائی تھی۔

● ایک صاحب کسی تیلی سے تیل لینے گئے۔ تیلی اپنے بیل کے گلے میں گھنٹی باندھ رہا تھا۔ ان صاحب نے پوچھا۔
بھئی یہ گھنٹی کیوں باندھ رہے ہو؟"
تیلی نے کہا۔ "اس لیے کہ اگر یہ چلتے چلتے رک جائے تو مجھے معلوم ہو جائے۔"
وہ صاحب بولے "واہ! اگر وہ کھڑا ہی کھڑا سر ہلاتا رہا تو؟"
تیلی نے جواب دیا۔ "وہ بات تو ٹھیک ہے مگر میرے بیل میں آپ جیسی عقل نہیں۔"
(فیصل خیر الدین۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی ۶)

● ایک شاگرد ماسٹر صاحب سے۔
اگر منہ میں پانی بھر آئے تو کیا کرنا چاہیے؟
ماسٹر صاحب:۔ جلدی سے منہ میں بلاٹنگ پیپر رکھ لینا چاہیے۔
(محمد فیض محلہ چاہ خزانخاں رامپور یوپی)

رخسانہ اسرائیل

آواز کیسے پیدا ہوتی ہے؟

بچّو! آواز کا ہماری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ آپ روزانہ مختلف قسم کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ آواز ہی کے ذریعے ہم ایک دوسرے کی باتیں سنتے اور سمجھتے ہیں اور پھر جواب دیتے ہیں لیکن کوئی آواز بھاری ہوتی ہے اور کوئی ہلکی۔ کوئی آواز ہمارے لیے فائدہ مند ہوتی ہے اور کوئی نقصان دہ۔ مثلاً ریڈیو کی آواز ہمیں معلومات فراہم کرتی ہے، گھڑی کی گھنٹی کی آواز ہمیں جگا دیتی ہے۔ گاڑی کے ہارن کی آواز ہمیں خطرے سے آگاہ کرتی ہے لیکن اگر کوئی جیٹ طیارہ تیز رفتار اور پوری آواز کے ساتھ بہت نیچے اڑے تو اس سے مکانات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

بچّو! اب آپ یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں گے کہ آواز کیسے پیدا ہوتی ہے۔ دراصل آواز چیزوں کے تھرتھرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ تھرتھرانے کو ہم ارتعاش بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی ہو تو ایک تجربہ کرکے دیکھ لیجیے۔ اپنے اسکول کی گھنٹی پر زور سے ضرب لگائیں گھنٹی میں آواز پیدا ہوگی۔ بجتی ہوئی گھنٹی کو انگلی سے ہلکے سے چھوئیں تو گھنٹی تھرتھراتی ہوئی محسوس ہوگی۔ چھونے پر تھرتھراہٹ بند ہو جائے گی۔ یا پھر تیلے ربڑ کے ایک چھلّے کو انگلی اور انگوٹھے میں پھنسا کر کھینچیں۔ اس کے ایک تار کو دوسرے ہاتھ کی انگلی سے حرکت دیں۔ انگلی سے حرکت دینے پر ربڑ کا تار تھرتھرانے لگے گا۔ اور ہلکی سی آواز پیدا ہوگی۔

بچّو آواز کی ایک قسم ہے آواز بازگشت۔ یعنی وہ آواز جو کسی سطح سے ٹکرا کر لوٹے۔ اگر آپ کسی ایسے مکان میں جو نیا نیا تعمیر ہوا ہو یا کسی ایسے کمرے میں جو بڑا اور خالی ہو باتیں کرکے یا آواز لگا کر دیکھیں تو فوراً آپ کو اسی آواز کی گونج دوبارہ سنائی

دے گی۔ کیوں کہ آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی وادی کے قریب کھڑے ہو کر زور سے آواز نکالیں تو چند ہی لمحوں میں آواز دوبارہ سنائی دے گی۔ چنانچہ اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب آواز دور کی کسی سخت سطح سے ٹکرا کر لوٹتی ہے یا واپس آتی ہے تو اسے آواز کی بازگشت کہتے ہیں۔

توانائی یعنی طاقت تبدیلی پیدا کرتی ہے چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو۔ تو اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا آواز بھی توانائی ہے۔ جی ہاں بالکل آواز کا شمار بھی توانائی میں ہوتا ہے۔ کیوں کہ آواز بھی تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دھماکے کی زبردست آواز سے بعض اوقات کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جیٹ طیاروں کی آواز سے مکانات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

بچو! اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ آواز کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

پیامی ادبی معما نمبر ۳۵ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: (۱) غریب۔ نبیوں کے قصے صفحہ ۱۶ (۲) گھمنڈ۔ نبیوں کے قصے۔ صفحہ ۱۴ (۳) بیچارہ۔ سب سے بڑے انسان صفحہ ۱۳۔ (۴) شفقت۔ حضرت شیخ فریدالدین صفحہ ۷ (۵) لقمہ۔ اندھے کا بیٹا صفحہ ۲۳ (۶) دن۔ اچھی کہانیاں۔ صفحہ ۱۵۔ (۷) بے اختیار۔ پیام تعلیم نومبر ۸۷ صفحہ ۲۲ (۸) حضرت آدم علیہ السلام۔ پیام تعلیم اکتوبر ۸۷ء۔ صفحہ ۲۲۔

بالکل صحیح حل: پہلا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب
فی کس ۱۰/- روپے تقسیم کیے گئے

(۱) شائستہ خلیل۔ ۹۵ این سیکٹر جارڈی آئی زیڈ ایریا۔ باکھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی (۲) عشرت خلیل (۳) سید خلیل احمد پتہ مذکورہ بالا (۴) خلیق احمد کمرہ نمبر ۳۹ہم۔ اے ونگ منسٹری آف ویلفیئر شاستری بھون نئی دہلی (۵) خورشید جہاں ۴۔۳۴ باغیچی اچھے جی باڑہ ہندوراؤ دہلی ۶ (۶) محمد جمیل محمد اقبال بابو جیو بھائی چوڑی والے کے مکان میں کمارواڑی کھنڈوہ کھنڈوا۔ مدھیہ پردیش۔ (۷) ایم مختار الحق جمالیہ دواخانہ ۳/۷ گیس اسٹریٹ کلکتہ ۹ (۸) انعام الرحمٰن معرفت ڈاکٹر برار اعظمی خالی پور اعظم گڑھ۔ یوپی (۹) اسرا عزیز سیف آباد حیدرآباد۔ آندھرا پردیش ۲۔ (۱۰) کوثر صدیقی معرفت جے آر صدیقی۔ شاہ پور ضلع گلبرگہ کرناٹک۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۸ خوش نصیب
فی کس ۶/۲۵ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) ایم ایس سلمان معرفت اے ایم قاسمی (۲) ایس۔ ایس جاوید (۳) جی ایف زہرا مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار) (۴) عبدالحسیب جامعہ سلفیہ وارانسی ۲۲۱۰۱۰۔ (۵) عشرت جہاں معرفت حافظ عبدالعزیز فروٹ مرچنٹ عید گاہ روڈ ضلع امراوتی گجرات (۶) ایس۔ ایف رحمٰن نادر نزد دودھ انڈسٹریز کامپ ضلع ایوت محل مہاراشٹر (۷) محمد ناصر فاروقی موضع سرخیل پور پوسٹ منصور آباد الہ آباد۔ یوپی۔ (۸) صلاح الدین عرف منو پوسٹ خیرآباد ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

پیامی بچیوں کے لیے

قیمے کی ٹکیاں

اشیا: قیمہ (بغیر چربی) آدھ سیر۔ کچا پپیتا چھلا ہوا، دو تولہ پیاز ایک پاؤ۔ ادرک چوتھائی چھٹانک، ہری مرچ حسب پسند۔ ہرا دھنیا نمک، سرخ مرچ پسی ہوئی حسب پسند۔ خشخاش ایک تولہ، بھنے ہوئے چنے کا آٹا آدھی چھٹانک۔ گھی آدھا پاؤ۔ گرم مسالا پسا ہوا ایک چمچی دار چینی تین ماشے۔

ترکیب:۔ آدھی ادرک اور پپیتا دار چینی اور نمک سب پیس کر قیمہ ملا کر دو گھنٹے تک پڑا رہنے دیں۔ جب قیمہ خوب گل جائے تو اس میں سرخ مرچ، گرم مسالا، چنے کا آٹا، خشخاش اور پیاز کو گھی میں تل کر پیس کر ملا دیں۔ سوکھا ہوا ہرا دھنیا، ادرک، پیاز اور ہری مرچ ٹکیاں بناتے وقت ان میں بھرتے جائیں۔ اس کے بعد انھیں ایک فرائی پین میں رکھ دیں اور نیچے ہلکی آنچ کریں اوپر سے ڈھکن سے بند کر دیں۔ جب ان کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گھی ڈال دیں اور آہستہ آہستہ پلٹ کر دونوں طرف سے سرخ کر لیں۔ چٹنی، پیاز اور ٹماٹر کے ساتھ پیش کریں۔

— اختر جہاں

سادہ گوشت

اشیا:۔ گوشت آدھ سیر۔ گھی آدھ پاؤ۔ پیاز آدھ پاؤ۔ لہسن آدھا گنٹھی۔ ٹماٹر آدھ پاؤ۔ ادرک آدھی چھٹانک۔ گرم مسالا پسا ہوا ایک چائے کا چمچہ۔ ہرا دھنیا، نمک، سرخ مرچ حسب ذائقہ۔

ترکیب:۔ گوشت کو دھو کر ایک دیگچی میں ڈال دیں۔ اس میں اتنا پانی ڈال دیں کہ گوشت گل جائے۔ اس میں پیاز کاٹ کر، لہسن چھیل کر پیس کر ادرک کاٹ کر اور نمک، سرخ مرچ اور ذرا سی ہلدی ڈال کر چڑھا دیں۔ جب گوشت گلنے کے قریب ہو تو اسے بھون لیں۔ اتنا بھونیں کہ اس کا پیاز مسالے کی طرح ہو جائے۔ اب گھی ڈال کر بھونتے جائیں اتنا بھونیں کہ گھی کی خوشبو باقی نہ رہے پھر ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور بھونتے جائیں، یہاں تک کہ ٹماٹر بالکل مسالے کے ساتھ مل جائیں۔ اب اس میں ذرا سا پانی کا چھینٹا دے کر دم پہ لگا دیں۔ چند منٹ کے بعد اس میں پسا ہوا گرم مسالہ اور ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں اور کھانے کے لیے پیش کریں۔

— منی

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۴/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:
حضرت حمزہؓ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:
حضرت طلحہؓ	۳/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:
نیک بیٹیاں	۲/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:
ہمارے نبیؐ	۳/:
دس جنتی	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰
" " دوم	۶/:
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
ہمارے رسول	۵/:
سرکار دو عالمؐ	۳/:
اللہ کے صفی	۲/:
حضرت نظام الدین اولیاؒ	۲/:
سرکار کا دربار	۴/۵۰
ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم) مکمل	۸/-
اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
رسول پاکؐ	۶/:
اللہ کا گھر	۳/:
رسول پاک کے اخلاق	۳/:
اللہ کے خلیل	۲/:
تحسین القرآن	۴/۵۰
منہاج القرآن	۴/۵۰
ارکانِ اسلام	۲/۵۰
عقائدِ اسلام	۳/:
چار یار	۴/۵۰
آں حضرتؐ	۳/:
خلفائے اربعہ	۷/:
نبیوں کے قصے	۵/:
مسلمان بیبیاں	۴/:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

- مہکتی کلیاں ۶/-
- پرندوں سے جانوروں تک ۴/۵۰
- ظالم ڈاکو ۶/-
- عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں ۶/۵۰
- بچوں کے چار بزرگ دوست ۳/-
- بچوں کے ذاکر صاحب ۶/۰۰
- سہانے ترانے ۴/۵۰
- ہرن کا دل ۲/۰۰
- اچھی کہانیاں ۲/۵۰
- دریا کی رانی ۲/۰۰
- گوہر شہزادی ۳/۰۰
- شریر شیرا ۳/۰۰
- پری رانی ۳/۰۰
- خطرناک سفر ۳/۵۰
- اندرا گاندھی ۴/۵۰
- دہلی کی چند تاریخی عمارتیں ۴/۰۰
- ننھا جیرو ۲/۵۰
- مرغی کی چار ٹانگیں ۳/۰۰
- پلک نہ مارو ۴/۰۰
- ایک کھلا راز ۳/۰۰
- بابا ناصح ۲/۰۰
- بچوں کے افسر ۵/۰۰

- پانچ جاسوس ۸/۵۰
- جنگل کی ایک رات ۹/۰۰
- پہاڑ کی چوٹی پر ۵/۰۰
- رنگوں کی بستی ۳/۵۰
- سرخ جوتے ۳/۰۰
- سلامہ و صمصامہ ۴/۵۰
- شرارت ۲/۰۰
- صحت کے ۹۹ نکتے ۱/۵۰
- صحت کی الف بے ۳/۰۰
- جدید پہیلیاں ۶/۰۰
- مچھیرا اور اس کی بیوی ۲/۵۰
- ننھا فرشتہ ۴/۵۰
- نیلا ہیرا ۴/۵۰
- ماں کی کھیتی ۲/۵۰
- ایک طالب علم کی کہانی ۲/۰۰
- سرکار کا دربار ۴/۵۰
- دنیا کے جانور ۲/۵۰
- آؤ ڈراما کریں ۲/۰۰
- اس نے کیا کر نہ جانا ۱/۲۰
- خرگوش کی چال ۲/۵۰
- کھلونوں کا جہاز ۶/۰۰
- جوہر قابل ۳/۰۰
- خرگوش کا سپنا ۵/۰۰
- موم کا محل ۴/۰۰
- محمد شفیع الدین نیر ۷/۵۰

- ٹوٹے کھلونے ۶/۰۰
- اندھے کا بیٹا ۳/۵۰
- مسلمان بیبیاں ۴/۰۰
- پیارے رسول ۴/۵۰
- چار یار ۴/۵۰
- رسول پاک کے اخلاق ۳/۰۰
- ہار کی تلاش ۹/۰۰
- بچوں کی کہانیاں ۱/۵۰
- بندر اور نائی ۲/۵۰
- بی مینڈکی اور کوا ۱/۵۰
- تاک دنا دن تاکے سے ۱/۵۰
- پانچ بونے ۱/۵۰
- ایک دیس ایک خون ۳/۰۰
- جیت کس کی؟ ۲/۵۰
- انعامی مقابلہ ۳/۲۵
- جادو کا گھر ۱/۵۰
- چیونٹی رانی ۱/۵۰
- روٹی کس نے پکائی ۱/۵۰
- لال مرغی ۱/۵۰
- لومڑی کا گھر ۱/۵۰
- مدورانا پردیس چلے ۱/۵۰
- ہپو چپو ۱/۵۰
- بھیڑیے کے بچے ۱/۵۰
- شیر خاں ۱/۵۰
- لومڑی کے بچے ۱/۵۰

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 37

150 روپے کے نقد انعامات

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۸ر مارچ ۱۹۶۸ء

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اُسے ھی نمبر وار لکھیے

1- ان کی یہ ـــــــ بھی انسانوں سے ملتی جلتی ہے۔ فطرت / عادت / خصلت

2- سردار نے ـــــــ آواز میں کہا۔ گرجدار / غضب ناک / غصیلی

3- اگر ـــــــ کے انتخاب میں اختلاف ہو جائے۔ امیر / سردار / خلیفہ

4- یہ ـــــــ دراصل ایک جن کی چالیس لڑکیاں تھیں۔ درندے / پرندے / چرندے

5- "کرکٹ کی روداد ـــــ کر پھر بولے فٹ بال"۔ بتا / لکھا / سنا

6- آنحضرت صلعم کی کوئی تکلیف یاد آجاتی تو ـــــ ہو جاتے۔ بے چین / بے قرار / پریشان

7- ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ ایک ـــــ کی جان تلوار میں ہوتی ہے۔ بہادر / سپاہی / جنگجو

8- تو ایسا کیا عمل کرتا ہے کہ اس قدر ـــــ ہے مشہور / مجبور / مقبول

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۶۹ اور ۷۰ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی اَدبی مُعمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ٹوکن
پیامی ادبی مُعمّا نمبر 37
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔
نام ....
پتا ....

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 37 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	4/50
ہرن کا دل	2/00
اچھی کہانیاں	2/50
...کی رانی	2/00
...شہزادی	3/00
...کھیرا	3/00
...رانی	3/00
...کا سفر	3/50
...گاندھی	4/50
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	4/00
...جبرو	2/50
...کی چار ٹانگیں	3/00
...نہارو	4/00
ایک کھلا راز	3/00
بابا تا سیح	2/00
بچوں کے افسر	5/00
پہاڑ کی چوٹی پر	5/00
...کی بستی	3/50
سرخ جوتے	3/00
سلاسہ و صمصامہ	4/50
صحت	2/00
صحت کے ۹۹ نکتے	1/50
صحت کی الف بے	3/00
...جی دکھنی افریقہ میں	2/00
...پہیلیاں	6/-
...الہ داس کی بیوی	2/50
...فرشتہ	4/5
...ہیرا	4/50
...تی	2/50
...طلم کی کہانی	2/—
	4/50
	2/50

کتاب	قیمت
آؤ ڈراما کریں	2/00
اس نے کیا کر دکھانا	1/20
خرگوش کی چال	2/50
بھوتوں کا جہاز	6/00
جوہر قابل	3/00
خرگوش کا سپنا	5/00
موم کا محل	4/00
محمد شفیع الدین نیر	7/50
مسلمان بیبیاں	4/00
پیارے رسولؐ	4/50
چار یار	4/50
رسول پاک کے اخلاق	3/:
ہار کی تلاش	9/-
بچوں کی کہانیاں	1/50
بندر اور نائی	2/50
بی مینڈکی اور کوا	1/50
تاک دنادن تا کے سے	1/50
پانچ لوسنی	1/50
ایک دیس ایک خون	3/-
جیت کس کی؟	2/50
انعامی مقابلہ	3/25
جادو کا گھر	1/50
چیونٹی رانی	1/50
روٹی کس نے پکائی	1/50
لال مرغی	1/50
لومڑی کا گھر	1/50
مدو مدانا پردیس چلے	1/50
ہپو جپو	1/50
بھیڑیے کے بچے	1/50
شمشیر خاں	1/50
لومڑی کے بچے	1/5
اردو خوشخطی اول	1/50
اردو خوشخطی دوم	2/50
اردو خوشخطی سوم	2/50
اردو خوشخطی چہارم	2/50

کتاب	قیمت
ریڈیو نیچر	2/50
سرکس	1/50
گاندھی بابا کی کہانی	4/00
ہمارے محاورے	8/50
کہاوت اور کہانیاں	6/00
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	6/00
چوری کی عادت	2/00
چمپاوت کا آدم خور شیر	2/50
چنبیلی	1/20
چٹانوں کی کہانی	2/50
بچوں کے اقبال (نظمیں)	4/50
دھنک (")	3/00
کھیل سنسار (")	4/50
شہزادہ اور ٹھگ	2/00
سندر چنار	1/50
گلابو چوہیا اور غبارے	1/50
گلابو چوہیا اور پری زاد	6/00
اچھی کہانیاں	2/5
میر انیس	2/00
دادا نہرو	4/-
جلوہ غالب	2/00
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	1/5
میاں ڈھینچوں کے بچے	1/50
ہرن کے بچے	1/50
بہادر	2/50
بک بکوری تیل میں	1/50
مابیل خاں	1/50
تین اناڑی	3/-
پہیلیاں	-/80
چھوٹا لڑکا	1/50
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	2/50
چڑیا گھر	3/-
ہمارا دین اول	7/-
تیار رہو	1/50
تاریخ ہند کی کہانیاں اول	1/50

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postage

Regd. No. D(SE)-043 February, 198[illegible]

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No. 10537/64

خضر برنی

ممی تمہیں خوشی کی اِک بات میں سُناؤں
ڈیڈی سے آج مجھکو انعام کچھ دلاؤ
وعدہ کرو جو پُورا، تب بات کچھ بنے گی
ایسا نہ ہو کہ مجھ سے حیلہ کوئی بناؤ
محنت کا کچھ صلا دو میں پاس ہوگیا ہُوں
لڈّو مجھے کھلا دو میں پاس ہوگیا ہوں

نقشا جو میں نے کھینچا حیراں ہوئے مدرس
گنگ و جمن کو جس میں بہتا ہوا دکھایا
میں نے ہمالیہ کی تصویر اِک بنائی
بھارت کی سرزمیں کو ہر رنگ میں سجایا
ممی مجھے دُعا دو - میں پاس ہوگیا ہُوں
لڈّو مجھے کھلا دو میں پاس ہوگیا ہوں
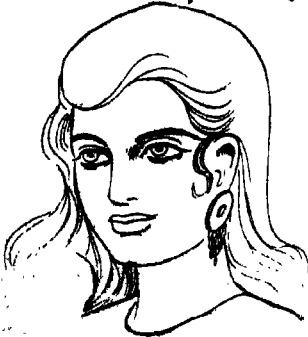
تاریخ کا اِک اچھا پرچہ کیا ہے میں نے
نہرو، وشاستری کا کچھ تذکرہ کیا ہے
باپو کی زندگی پر اِک روشنی بھی ڈالی
امن و سلامتی کا پیغام یُوں دیا ہے
پڑھ کر اسے سُنا دو - میں پاس ہو گیا ہُوں
لڈّو مجھے کھلادو - میں پاس ہو گیا ہُوں

ابصار عبدالعلی	بنگلہ دیش کی لوک کہانی

تین اور دو

بہت دنوں کی بات ہے، بنگلہ دیش کے ایک گاؤں میں دو بھائی رہتے تھے۔ بڑے کا نام غفار اور چھوٹے کا ستار تھا۔ دونوں سگے بھائی تھے مگر اُن کی ہر بات ایک دوسرے سے الگ تھی۔

غفار بدصورت، لالچی اور دھوکے باز تھا۔ ستار خوبصورت، تندرست اور سیدھا سادا نیک انسان تھا۔

جب وُہ دونوں چھوٹے تھے، ماں تو اُن کی جب ہی اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ اب خدا نے باپ کا سایہ بھی ان کے سر سے اٹھا لیا۔

باپ بے چارہ ایک غریب دُکان دار تھا۔ پرچون کی چھوٹی سی دُکان سے بھلا کون سی ایسی بڑی آمدنی ہوتی ہے کہ وہ اپنا مکان بنا لیتا یا بہت سا سامان خرید لیتا۔ جب وہ مرا تو اس نے اپنے دو بیٹوں کے لیے تین چیزیں چھوڑیں۔ ایک بکری، ایک کمبل اور ایک ناریل کا درخت۔

اِن تینوں چیزوں کا بٹوارہ دونوں بھائیوں میں ہونا تھا۔ ستار سیدھا سادا انسان تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی چالاکی کو نہ سمجھ سکا، اس کی باتوں میں آگیا اور اس کی یہ تجویز مان لی کہ تینوں چیزوں کو آدھا آدھا کر کے دونوں بھائی استعمال میں لائیں۔

سب سے پہلے بکری کا بٹوارہ شروع ہوا۔ بڑے بھائی نے کہا "اگر بکری کے دو ٹکڑے کر کے ہم نے آپس میں بانٹ لیے تو بکری مر جائے گی، اس لیے تم اس کا اگلا حصہ لے لو اور میں پچھلا حصہ لے لیتا ہوں۔"

چھوٹے بھائی نے سوچا، اگلی چیز تو اچھی ہوتی ہے دوڑ میں جو آگے رہتا ہے انعام پاتا ہے۔ وہ خوشی سے بکری کے اگلے حصّے کا مالک بننے پر راضی ہوگیا۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بڑے بھائی نے بکری کا پچھلا حصّہ کیوں پسند کیا؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ بکری کے تھن پچھلے حصّے میں ہوتے ہیں اور دُودھ تھنوں ہی میں ہوتا ہے۔

اب ہوتا یوں کہ چھوٹا بھائی بے چارہ دن بھر گھاس کاٹتا، ندی سے پانی بھر کر لاتا اور بکری کو کھلاتا پلاتا۔ اس لیے کہ بکری کا منہ تو اس کے ہی حصّے میں تھا۔ اور بڑا بھائی ٹھاٹھ سے دونوں وقت دُودھ دوہتا اور مزے لے کر پیتا۔ چھوٹا بھائی ترستا رہتا۔ اسے ایک بوند بھی نہ ملتی۔ اس لیے وہ دُبلا ہوتا چلا گیا اور بڑا بھائی پھول کر کُپّا ہوگیا۔

پڑوس میں ایک بوڑھا اور نیک آدمی رہتا تھا۔ یہ ان دونوں بھائیوں کے باپ کا دوست تھا۔ اسی لیے دونوں بھائی اُسے مولوی چاچا کہتے تھے۔

مولوی چاچا سے بڑے بھائی کی ناانصافی نہ دیکھی گئی۔ اُس نے ایک دن چھوٹے بھائی کو اکیلے میں بلا کر کہا ــــ "پگلے، تو اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ بکری چارا تیرا کھاتی ہے اور دودھ تیرا بڑا بھائی ہضم کر جاتا ہے۔ میرا کہا مان اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" یہ کہ کر مولوی صاحب نے چھوٹے بھائی کے کان میں چُپکے سے کچھ کہہ دیا۔

شام کو جب بڑا بھائی غفار دودھ دوہنے بیٹھا تو چھوٹے بھائی ستار نے ایک چھڑی لے کر بکری کو چھیڑنا شروع کر دیا۔ بکری بدکتی، اِدھر اُدھر پیر مارتی اور چلاّتی۔ غرض، غفار کے لیے دُودھ دوہنا مشکل ہوگیا۔ وہ جھنجھلا کر بولا "ستار، یہ مت کرو"

ستار نے اطمینان سے کہا "کیوں نہ کروں؟ اگلا حصّہ میرا ہے۔ تم بھی تو اس کے تھنوں سے سارا دودھ نکال کر پی جاتے ہو۔ میں تمھیں کچھ کہتا ہوں؟" یہ کہہ کر اس نے بکری کے کان مروڑ دیے۔

غفار کو آخر ہتھیار ڈالنے ہی پڑے بولا، اچھا بھائی، بکری کو چھیڑنا بند کرو۔ آج سے آدھا دُودھ تیرا، آدھا میرا"

"اُوں ہوں" ستار نے ایک چھڑی بکری کے گردن پر رسید کرتے ہوئے کہا

بکری کو آدھا چارہ بھی کھلانا پڑے گا۔"

مرتا کیا نہ کرتا، غفار نے یہ بھی منظور کر لیا اور بکری کو آدھا چارہ اور غفار کو آدھا دودھ دینے لگا۔

مگر بے ایمانی اس کے دل سے اب بھی نہ گئی۔ سوچنے لگا، کیا کروں۔ اچانک اسے کمبل کا خیال آیا۔ اس نے ستار سے کہا۔ "چلو، کمبل کا بھی بٹوارہ ہو جائے۔ یوں کرو، دن میں اسے تم استعمال کر لیا کرو، رات کو میں اوڑھ لیا کروں گا۔"

چھوٹا بھائی ستار پھر دھوکے میں آ گیا۔ دن کو تیز دھوپ اور کام دھام میں بھلا کون کمبل اوڑھے پھرتا ہے۔ ہاں، رات کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ غفار مزے سے اسے اوڑھ کر خر خر خراٹے بھرتا اور بے چارہ ستار سردی میں ٹھٹھرتا رہتا۔

کئی دن گزر گئے۔ مولوی چاچا کو پھر دکھ ہوا اور اس بار انھوں نے ستار کو پہلے کی طرح ایک بڑی عمدہ ترکیب سمجھا دی۔

دوسرے دن ستار نے کیا کیا کہ جب دن ختم ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تو کمبل کو پانی میں بھگو دیا۔ رات کو بڑے بھائی نے اوڑھنے کے لیے جب کمبل اٹھایا تو اسے بڑا غصہ آیا۔ چمک کر بولا "یہ کیا ؟ — کیوں بھگویا کمبل تم نے ؟"

"میری مرضی" ستار نے جواب دیا "دن میں میں اس کا مالک ہوں۔ تم نے اسے میلا چیکٹ کر دیا تھا، میں نے دھو ڈالا۔ اور اب روز اسے دھوؤں گا۔"

غفار کو دوسری بار بھی ہار ماننا پڑی۔ اس نے کہا "اچھا میرے بھائی، اب ہم دونوں مل کر رات کو اسے اوڑھیں گے تاکہ نہ تمھیں سردی لگے نہ مجھے۔"

اب تیسری اور آخری چیز جو رہ گئی تھی وہ تھا ناریل کا درخت۔ غفار کے دل میں پھر بے ایمانی آگئی۔ اس نے ستار سے چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے راضی کر لیا کہ اوپر کا آدھا درخت میرا ہوگا اور نچلا حصہ تمھارا ہوگا۔ ستار ایک بار پھر بڑے بھائی کے داؤں میں آگیا۔

اب ستار تو ندی سے مٹکے بھر بھر کر پانی لاتا اور ناریل کے درخت میں ڈالتا اور غفار ٹھاٹھ سے ناریل توڑ توڑ کر کھاتا۔

دن گزرتے گئے۔ ستار درخت میں پانی دے دے کر پریشان ہوگیا۔ مولوی چچا سے ستار کی پریشانی اور غفار کی بے ایمانی نہ دیکھی گئی۔ اس لیے کہ مولوی چچا خود ایماندار اور شریف آدمی تھے۔ نہ وہ خود بے ایمانی کرتے تھے نہ کسی دوسرے کو بے ایمانی کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ انھوں نے ستار کو پھر ایک بڑھیا سی ترکیب بتا دی۔

دوسرے دن غفار جب درخت پر چڑھ کر ناریل توڑ رہا تھا تو ستار نے اپنی کلہاڑی اٹھائی اور درخت کو جڑ کے قریب سے کاٹنے لگا۔

"ارے رے رے۔ کیا کرتے ہو؟ میں گر جاؤں گا۔" اوپر سے غفار نے چلا کر کہا۔

"میں کیا کروں؟" ستار نے جواب دیا جڑ تو میرے حصے میں ہے۔ چاہے کاٹوں چاہے پانی دوں۔"

یہ کہہ کر اس نے پھر کلہاڑی اٹھائی اور ٹھک — ٹھک — ٹھک — لگا چوٹیں مارنے۔ اب تو غفار کو اپنی جان خطرے میں نظر آئی۔ گھبرا کر بولا۔

"ہاتھ روک لو میرے بھائی، میں اب کبھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گا۔"

اور غفار نے واقعی اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے ستار کو پھر کبھی دھوکا نہیں دیا۔ کبھی اس سے بے ایمانی نہیں کی۔

رسول پاک کی باتیں

کبیرہ گناہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا۔

۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔

(مسلم عن انس کتاب الایمان باب الکبائر)

کبیرہ گناہ بڑے گناہ کو کہتے ہیں یہ ایسے گناہ ہیں جس کے کرنے والے کو اللہ پاک نے دوزخ کے عذاب کی دھمکی دی ہے یا اس پر لعنت کی ہے یا دنیا میں اس پر حد یعنی سزا مقرر کی ہے یہ بڑے یا کبیرہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہو ایسے گناہ اللہ پاک بھی توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔ دوسری قسم کے گناہ وہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے حقوق کے ساتھ ہو مثلاً کسی نے کسی انسان کا حق تلف کیا ہو ایسے گناہ کی سزا سے آدمی اس صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ شخص جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے معاف کر دے۔

اس حدیث پاک میں حضورؐ نے سب سے پہلے جس بڑے گناہ کا ذکر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا ذرا سوچو کہ جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہمیں آنکھ کان، ناک اور ہاتھ پانو جیسی نعمتیں دیں سوچنے کو دماغ دیا بولنے کو زبان دی چبانے کو دانت دیئے اور جو اس قدر عظیم ہے کہ پل میں جو چاہے کر دے جو اس ساری کائنات کا حقیقی مالک ہے جس نے انسانوں کے فائدے کے لیے آگ پانی اور ہوا جیسی نعمتیں بنائی ہیں کتنی ظلم کی بات ہے کہ ایسے احسان کرنے والے اللہ پاک کا ہم کسی دوسرے کو شریک ٹھیرائیں مصیبت اور پریشانی میں اس سے دعا مانگنے کے بجائے کسی اور سے مانگنے لگیں جب اللہ کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس عطا کرنے کی طاقت ہے، نہ قدرت۔

اللہ کے پیارے رسولؐ نے شرک کے بعد والدین کی نافرمانی کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے والدین جو ننھی منی اولاد کو محبت سے پال پوس کر بڑا کرتے ہیں۔ انھیں اچھی سے اچھی تعلیم دلاتے ہیں خود تکلیفیں اٹھا کر اپنے بچوں کو راحت پہنچاتے ہیں

کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہی ننھے منے بچے جب بڑے ہو جائیں اور والدین کی خدمت سے جان چرائیں جوان اولاد کو بوڑھے والدین کی خدمت اسی جذبے کے ساتھ کرنی چاہیے جس جذبے اور محبت کے ساتھ ان کے والدین نے بچپن میں ان کی پرورش کی تھی والدین کو خوش رکھنے والے انسان سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے ایک موقعہ پر اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا "اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے"۔

آخری حج

۱۰ ہجری میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کے ساتھ رسول اللہ نے آخری حج ادا فرمایا عرب کی تاریخ میں اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا تھا نہ ایسے مقدس لوگ کبھی جمع ہوئے تھے رسول اللہ نے اس موقع پر اثر میں ڈوبا ہوا خطبہ ارشاد فرمایا جس نے سنا اس کے دل میں اتر گیا صفر ۱۱ ہجری میں آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی کئی دن مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ درمیان میں کچھ افاقہ ہوا سہارے سے آپ مسجد میں گئے اور صحابہ کو نصیحتیں کیں طبیعت پھر خراب ہو گئی اور اللہ کے آخری نبیؐ ۱۱ ہجری ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن اس دنیا سے رخصت ہو گئے●

فارم IV حسب قاعدہ 8

بابت "پیام تعلیم" نئی دہلی ۲۵

۱۔ مقام اشاعت : جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵-۱۱۰۰

۲۔ وقفۂ اشاعت : ماہنانہ

۳۔ پرنٹر کا نام : سید وسیم کوثر ہندستانی پتا: جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۴۔ پبلشر کا نام : " "

۵۔ اڈیٹر کا نام : شاہد علی خاں " "

مالکان کا نام اور پتے: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

چیرمین: کرنل بشیر حسین زیدی: جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۱۔ ڈائرکٹر: نواب اقبال محمد خاں۔ کف پریڈ کولابہ بمبئی ۵

۲۔ " سید مجتبیٰ حسین زیدی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۳۔ " ضیاء الحسن فاروقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۴۔ " مالک رام ابوبجہ، سی ۴-۵ ڈیفنس کالونی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۴

۵۔ " پروفیسر علی اشرف وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵

کمپنی کے سرمایے کے ایک فیصد سے زیادہ کے حصے دار جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ اسلامی یتیم خانہ کینڈی سی فیس بمبئی ۷

میں سید وسیم کوثر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔ دستخط

سید وسیم کوثر

۲۰ فروری ۱۹۸۸ء

اب سے چند سو سال قبل کا ذکر ہے کہ ملک نور پور میں ایک بڑا خدا ترس بادشاہ حکومت کرتا تھا جسے خدا نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا اس کی رعایا بڑی خوش حال تھی۔ اس کے خزانے زر و جواہر سے پُر تھے فوج طاقت ور تھی۔ پڑوس کے تمام ملکوں پر اس کی دھاک بیٹھی تھی اور سب سے بڑھ کر بادشاہ کے لیے اس کا بیٹا تھا عدیل جو اپنی پیاری باتوں اور انوکھی اداؤں سے بادشاہ کو مسرور رکھتا تھا۔

نور پور میں ہر سال میلہ ہوا کرتا تھا جو وہاں کے عوام کے لیے کسی بڑے تہوار کی طرح اہم تھا۔ اس میں کھیل تماشے ہوتے گھڑ سواری نیزہ بازی تلوار بازی گویا ہر قسم کے مقابلے ہوتے اور پھر جیتنے والوں کو خود بادشاہ انعامات سے نوازتے تھے۔ ایسے ہی ایک میلے کا دن تھا سب ہی کی نظریں میدان میں تھیں جہاں ہاتھی کرتب دکھا رہا تھا وہ انسان کی مانند اسٹول پر بیٹھا تھا جب ہاتھی اٹھا تو شاید اس کا پیر اسٹول سے لگا اور وہ لڑھکنے لگا۔ اور بس غضب ہی ہو گیا۔ ہاتھی اچانک بھڑک اٹھا اور اتفاقاً اسی جانب جہاں بادشاہ کی نشست تھی ہر طرف افراتفری پھیل گئی عورتوں کی چیخ و پکار بچوں کے رونے کی آواز مل کر ماحول کو اور بھی عجیب و غریب بنا دیا اور لوگوں میں خوف و ہراس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی ادھر ہاتھی جھومتا ہوا بادشاہ کے قریب آیا اور سونڈ گھمائی کہ سہمے بادشاہ کو لپیٹ لے اسی لمحہ نہ جانے کہاں سے ایک نوجوان تلوار سونت کر آگے بڑھا اور ہاتھی سے برسرِ پیکار ہو گیا وہ خود کو ہاتھی کی زد سے بچا کر تلوار کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اسی اثناء میں سپاہی

اور فیل بان آگئے اور انکس اور زنجیروں کی مدد سے ہاتھی کو فیل خانے لے گئے۔ بادشاہ نے نوجوان کو بلا کر اس پر تحسین و آفریں کے پھولوں کی بارش کی اور پوچھا "نوجوان کیا تمھیں اپنی زندگی عزیز نہ تھی۔

نوجوان نے ادب سے کہا آپ نے درست فرمایا مگر آپ کی زندگی سب سے قیمتی ہے اس جاں نثاری اور دانش مندانہ جواب نے بادشاہ کو بے حد متاثر کیا چنانچہ اس نے نوجوان کو زر و جواہر سے نوازا خوش بخت کا خطاب اور اعلا عہدے پر فائز کر دیا۔ یہ خوش بخت کے لیے خوش بختیوں کا مظہر ثابت ہوا۔ بہت ہی قلیل عرصے میں وہ ترقی کرتا ہوا مسندِ وزارت پر پہنچ گیا۔ یہ صورتِ حال پرانے حاسد درباریوں کے لیے بڑی مایوس کن تھی وہ بہر طور وزیر کو نیچا دکھانا چاہتے تھے مگر نادان ہی تو تھے بھلا جسے خدا عزت دے اس کو کوئی کس طرح ذلیل کر سکتا ہے۔ وقت کا پہیّا اپنی رفتار کے مطابق گھومتا رہا بادشاہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا اور اس کا ولی عہد شہزادہ عدیل ایک جری جوان تھا اور ہر اعتبار سے بادشاہ کا جانشین بھی۔ آخر ایک مبارک دن بادشاہ نے اسے اپنی جگہ بٹھا کر اپنا تاج پہنایا اور اسے خدا ترسی انصاف اور رعایا سے محبّت کرنے کی ہدایت کی ساتھ ہی اپنے درباریوں سے کہا کہ وہ بادشاہ عدیل کے بھی اسی طرح فرماں بردار اور معاون رہیں جس طرح اس کے تھے اور گوشہ نشین ہو گیا۔

اب حاسدوں کی بن آئی انھوں نے پھر خوش بخت کے خلاف جوڑ توڑ شروع کر دی اب وہ وقتاً فوقتاً نئے بادشاہ کے کان میں یہ بات ڈالتے رہے کہ خوش بخت آپ کا دشمن ہے اور اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح آپ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن جائے ابتدا میں تو بادشاہ عدیل ان کی باتوں کو نظر انداز کرتا رہا مگر کب تک ؟ وہ بھی انسان تھا اور پھر نوجوان اسے بھی خوش بخت کی نیت پر کچھ کچھ شبہ سا ہو گیا۔

ایک دن بادشاہ عدیل تلوار بازی کی مشق کر رہا تھا نہ جانے کس طرح اس کا ہاتھ تلوار کی تیز دھار پر پڑ گیا خون بہنے لگا فوراً شاہی جرّاح کی طلبی ہوئی اس نے مرہم پٹی کر دی۔ وزیرِ اعظم خوش بخت بھی وہیں موجود تھا اس نے کہا" اللہ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے" اور بس بادشاہ کا پارہ چڑھ گیا۔ یوں بھی شاہی مزاج گھڑی میں تولہ گھڑی میں

ما شہ ہوتا ہے میرا ہاتھ زخمی ہوا اور تم کہتے ہو یہ اچھا ہوا" وہ غصے میں دھاڑا "تم، تم میری جان کے دشمن ہو یہ سب ٹھیک کہتے ہیں" غصے کی شدت کی وجہ سے الفاظ بھی صحیح نہیں نکل رہے تھے "نہیں نہیں بادشاہ سلامت یہ غلط ہے سراسر الزام ہے مجھ پر میں تو آپ کا خاندانی نمک خوار ہوں۔

بے چارہ خوش بخت بڑھاپے کی بے عزتی سے گھبرا کر گڑگڑایا۔

یہ ثابت کرنے کے لیے تمھیں میرے تین سوالوں کا جواب دینا ہوگا اور اگر پندرہ دن میں تم نے جواب نہ دیے تو تمھاری جائیداد ضبط کر کے تمھاری گردن اڑا دی جائے گی اور بادشاہ عدیل نے وزیر اعظم کو قتل کیے جانے کے فرمان پہ مہر ثبت کردی بے چارہ خوش بخت! اس کی تو حالت تباہ تھی۔ خوف اور پریشانی میں اسے کچھ سجھائی بھی تو نہ دیتا تھا۔ جوں جوں مہلت ختم ہوتی جا رہی تھی اس کا کھانا پینا حرام اور نیند اچاٹ ہوتی گئی۔

وزیر اعظم کی ایک بیٹی بھی تھی امبر باپ ہی کی طرح زیرک معاملہ فہم اور عقل مند اس نے بہت کوشش کی کہ معلوم کر سکے کہ کون سا غم ہے جس نے اپنے باپ کو اس حال میں پہنچا دیا ہے اس کی ضد سے مجبور ہو کر خوش بخت نے سارا قصہ کہہ سنایا "اوہ تو یہ بات ہے" وہ بڑے سکون سے بولی "مگر ابا جان وہ سوال کیا ہیں؟" "چھوڑو بیٹی تم کیوں پریشان ہوتی ہو مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو" باپ نے غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ امبر بولی نہیں ابا جان مایوسی کفر ہے اور پھر آپ ہی کا سبق ہے کہ کسی چیز کو کمتر نہ جانو میری جان آپ پر قربان شاید میری چھوٹی سی عقل میں کوئی بات آجائے۔ با دل نخواستہ خوش بخت نے تینوں سوال بتائے "پہلا سوال تھا" اس وقت سارے درباری کیا سوچ رہے ہیں؟ دوسرا سوال ہماری عمر کتنی ہے؟ اور تیسرا یہ کہ بادشاہ کی سلطنت کی کیا قیمت ہے؟ امبر نے چند لمحے غور کیا اور چٹکی بجا کر بولی "لیجیے ابا جان! دو سوالوں کے جواب تو مجھے مل گئے اور تیسرا اس کا بھی اللہ مالک ہے" اسی کش مکش میں تین دن گزر گئے مگر تیسرے سوال کا جواب نہ ملنا تھا نہ ملا اور مقررہ دن آ پہنچا خوش بخت سر جھکائے آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ امبر کی آواز آئی ابا جان مجھے اجازت دیجیے کہ میں بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا کر سکوں"

وزیر اعظم نے سر اٹھا کر دیکھا امبر نے وزیر اعظم کا لباس پہن کر نقلی مونچھیں لگا رکھی

تھیں اور سرسری طور پر دیکھنے سے کوئی امتیاز نہ کر سکتا تھا کہ یہ خوش بخت نہیں ہے چنانچہ اس نے امیر کو اجازت دے دی اور خود مسجد میں گر کر دعا کرنے لگا کہ میرے اللہ مجھ پر رحم کر اور میری خطائیں معاف فرما۔

امیر وزیرِ اعظم کے روپ میں بادشاہ عدیل کے سامنے جھک کر کورنش بجا لائے"

وزیرِ اعظم تم ہمارے جواب لائے ہو"؟ بادشاہ نے بڑی تمکنت سے پوچھا"

جی حضور کوشش کرتا ہوں کہ صحیح جواب دے سکوں"

امیر نے آواز بدل کر کہا حضور آج ہر فرد چاہتا ہے کہ آپ کا اقبال بلند ہو، آپ کی عمر دراز اور آپ کی سلطنت وسیع اور مستحکم ہو اور یہی اس وقت سب درباری سوچ رہے ہیں" اور دربار میں ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو یہ جرات کر سکتا کہ اس کی سوچ یہ نہیں ہے۔

"بہت خوب" بادشاہ عادل مسکرائے دوسرا جواب انھوں نے استفسار کیا" جناب ہم سب بوڑھے ہو چکے ہیں آپ جوان ہیں۔ آپ کی عمر یقیناً ہم سب سے زیادہ ہیں" وزیرِ اعظم نے کہا" آفریں، واقعی تم بہت عقل مند ہو" بادشاہ نے کہا۔

" اسی لمحے بادشاہ کو پیاس محسوس ہوئی اور ایک خادم سونے کے کٹورے میں عرقِ گلاب ملا کر لے آیا۔ بادشاہ نے اسے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ تیسرا جواب امیر کے دماغ میں آسمایا" گستاخی معاف حضور ایک منٹ رک جائیے" اس نے بادشاہ سے درخواست کی۔

"ہوں کہو" بادشاہ نے ہونٹوں سے پیالہ علاحدہ کرتے ہوئے کہا" فرض کیجیے آپ کو سخت ترین پیاس لگی ہوئی ہو کہ میرے منہ میں خاک، آپ پانی پیے بغیر ذرا بھی نہ رہ سکتے ہو تو آپ پانی کے اس پیالے کی کیا قیمت ادا کریں گے" وزیرِ اعظم نے پوچھا۔ ہم آدھی سلطنت دے کر بھی پانی لینا پسند کریں گے"

بادشاہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا" فرض کیجیے پھر بھی پانی نہ ملے تو؟ وزیرِ اعظم پھر بولے۔

تو..... تو ہم جان بچانے کے لیے پوری سلطنت قربان کرنے کے لیے تیار ہوں گے" بادشاہ نے جواب دیا وزیر زیرِ لب مسکرائے۔

حضور یہی آپ کے تیسرے سوال کا جواب ہے اس سلطنت کی قیمت ایک پانی کا پیالہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"مرحبا صد مرحبا آپ نے ہمیں مطمئن کر دیا وزیر اعظم۔ بادشاہ نے وزیر اعظم کی ذہانت سے قائل ہوتے ہوئے اپنے گلے سے ہیروں کا ہار اتار کر وزیر اعظم کی طرف بڑھایا۔ وزیر اعظم نے سر جھکایا مگر اتفاق سے ہار گردن میں جانے کی بجائے عمامے سے الجھ گیا اور وہ نیچے گر گیا اور پھر جب عمامے کے نیچے سے لمبے لمبے سیاہ بال برآمد ہوئے تو سارا دربار دنگ رہ گیا بادشاہ عدیل پھر جلال میں آ گئے حضور یہ تو بڑے معمولی سوال تھے جن کے جواب میں بھی دے سکتی تھی۔ پھر بھلا اپنے بوڑھے باپ کو کیوں زحمت دیتی" امبر نے چہرے سے مونچھیں علاحدہ کرتے ہوئے کہا۔ بادشاہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر امبر کے گرویدہ ہو گئے۔ انھوں نے وزیر اعظم کو بلوایا اور کہا کہ امبر کو ان کی ملکہ بنا دیا جائے وزیر اعظم کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا دونوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی اور وہ ملک کی خوش حالی کے لیے مل جل کر کام کرنے لگے۔

میں بھی مہارت رکھتے تھے

مشہور حکیم جالینوس ۱۲۹ء میں ایشیائے کوچک کے مقام "پرگامم" میں پیدا ہوئے
جالینوس کے والد یونانی اور ماہر تعلیم تھے۔ اس کے علاوہ وہ علم ریاضی، ہندسہ اور
فلکیات پر بھی عبور رکھتے تھے۔ جالینوس نے اس دور کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر میں
چودہ سال کی عمر میں حاصل کی۔ اس کی ماں لڑاکا قسم کی عورت تھی اور جالینوس نے
طے کیا تھا کہ وہ اس کی پیروی نہیں کرے گا۔ بلکہ اس نے اپنی ماں سے ہی تحمل، بردباری
اور غصے کو قابو میں رکھنا سیکھا تھا۔ باپ نے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ سچائی کو
پھیلاؤ، سب کی سنو اور فیصلہ کرو۔ کسی ایک گروہ یا جماعت کے پیروکار مت بنو۔"

جالینوس نے طب کے پیشے کا انتخاب ایک خواب کی وجہ سے کیا تھا اور وہ خواب اس
نے سترہ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ اس نے "پرگامم" کے علاوہ سمرنا اور کورنتھ سے بھی طبی تعلیم
کی تھی۔ طب کے علاوہ اس نے علم ہندسہ اور فلکیات اور السنہ جیسے علوم کا بھی مطالعہ کیا
تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے لحاظ سے ایک طویل عرصے تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس
نے انتیس سال تک تعلیم پائی۔ طبابت کا آغاز اس نے "پرگامم" سے کیا۔ طبیب کی
حیثیت سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور پیشہ ور تیغ زنوں کے سرکاری طبیب کی حیثیت
سے روم بلا لیا گیا۔ اس کی ہر تصنیف ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

جالینوس کو بابائے علم تشریح بھی کہا جاتا ہے جالینوس کی تصنیف "تشریحی اسباق"

پندرہ سو سال تک طب کی اساس اور حکم آخر تسلیم کی جاتی رہی۔ قانون کی بندشوں کے سبب انسانوں کے تفصیلی مطالعے سے قاصر رہنے کی وجہ سے جالینوس نے معلومات مکمل کرنے کے لیے بندر کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے دل کا مطالعہ کر کے عضلاتی پرتوں اور صماموں کا بیان کیا تھا۔ جالینوس نے خون کی صدر (خاص) نالیاں دریافت کی تھیں۔

جالینوس نے عصب حاجز کو قطع کیے جانے کے اثر کی بالکل درست گوئی کی تھی۔ اس نے نبض کی اہمیت کو تسلیم کر کے دریافت کیا تھا کہ نبض کی رفتار ہیجانی دباؤ سے کم و بیش ہو سکتی ہے۔ جالینوس نے ایک دفعہ کہا تھا کہ بچّے اکثر اپنے والدین کی نسبت اپنے جدِّ امجد سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اور اس نے مینڈل کے جینیاتی نظریوں کے پیشِ نظر یہ بات کہی تھی۔ جالینوس کا قول ہے کہ وہ ہر عمل کا بہترین منصف تجربہ ہے۔

پیام تعلیم کا خصوصی شمارہ

پیامی بچّوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پیام تعلیم کا مئی ۸۸ء کے شمارہ "بچّوں کی کوششیں" نمبر ہوگا۔ اس نمبر میں زیادہ تر بچّوں کے لکھے ہوئے مضامین، نظمیں، معلومات اور لطیفے تصاویر کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔

اس خصوصی شمارے کے لیے اپنے مضامین اور تصویریں ۱۵ مارچ ۸۸ء تک بھجوا دیجیے، تاخیر سے ملنے والے مضامین شامل نہیں کیے جائیں گے۔

ایڈیٹر۔ ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

پیامی بچّوں سے: یاد رکھیے صرف وہی مضامین جلد شائع ہوتے ہیں جو کاغذ کے ایک طرف صاف صاف اور ایک سطر چھوڑ کر لکھے گئے ہوں۔ بعض پیامی کاغذ کے ایک طرف مضمون اور دوسری طرف لطیفے یا کچھ اور لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں صرف ایک چیز چھپ سکتی ہے (ادارہ)

● استاد: تمھیں مشہور لڑائیاں یاد ہیں؟
شاگرد: جی ہاں یاد ہیں۔ لیکن امّی جان نے گھر کے راز فاش کرنے سے منع کیا ہے۔
(سیّد ارشد علی۔ فتح پور (یوپی))

● (استاد بچوں سے) جو سوال میں معلوم کروں اس کا جواب پھٹا پھٹ دینا!
استاد! (ایک بچے سے) بتاؤ اکبر کب پیدا ہوا؟
بچہ! پھٹا پھٹ!
(عاصم قدیر۔ نئی دہلی ۲۵)

● ایک راہ گیر سائیکل سوار کی ٹکر سے گر گیا سائیکل سوار نے اس کو اٹھاتے ہوئے کہا: تم بہت خوش نصیب ہو۔
راہ گیر غصّے سے بولا ایک تو ٹکر مار کر میری پسلیاں توڑ دیں اور پھر مذاق اڑا رہے ہو۔
سائیکل سوار نے سنجیدگی سے کہا۔ مذاق نہیں میں دراصل ٹرک ڈرائیور ہوں۔ تم اس لیے خوش نصیب ہو کہ آج میں سائیکل پر سوار تھا۔
(سیّد عفران علی۔ مٹیا برج۔ کلکتہ)

● بیٹا: امّی امّی سیڑھی گر گئی ہے
امّی: تو ابّو سے کہو وہ اٹھا دیں گے۔
بیٹا: مگر وہ تو خود چھت سے لٹکے ہوئے ہیں۔

● ایک افیمی دوسرے سے! اگر تم یہ بتا دو کہ میری جھولی میں کیا ہے تو میں تمھیں آدھے انڈے دے دوں گا۔ اگر تم یہ بتا دو کہ کتنے انڈے ہیں تو میں پورے دس انڈے تمھیں دے دوں گا۔
(فیضی۔ کوچہ چیلان۔ نئی دہلی)

● اخباری رپورٹر: کیا آپ اس حادثے پر روشنی ڈالیں گے!
آدمی: تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں) روشنی کے لیے اگر میرے پاس ٹارچ ہوتی تو میں اس مین ہول میں کیوں گرتا۔
(اوم پرکاش کوہلی۔ میرٹھ کینٹ میرٹھ)

● استاد: (شاگرد سے) جس ملک میں بارشیں زیادہ ہوں اس ملک میں کیا چیز پیدا ہوگی؟
شاگرد: کیچڑ

● رپورٹر: آپ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟
اداکارہ: دراصل اس معاملے میں میں اپنی ماں کے اصولوں پر کاربند ہوں۔ انھوں نے بھی شادی نہیں کی تھی۔
(کوثر یعقوب۔ کوچہ نسیم حیدرآباد)

پتھر کی باتیں

مسعود احمد برکاتی

ایک دن موسم بڑا خوب صورت تھا۔ وقت بھی صبح کا تھا۔ نرم نرم ہوا کے جھونکے دل خوش کر رہے تھے۔ وہ بھی ابھی ابھی سو کر اُٹھا تھا اور نیند کے خُمار سے ابھی تک لُطف اُٹھا رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر اس کی نظر گئی تو ہرے بھرے درختوں اور پھولوں سے لدے ہوئے پودوں کے نظارے نے اس کی طبیعت کو اور بشّاش کر دیا۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے باہر دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے باہر ہاتھ بڑھا کر ایک پودے سے اُس نے ایک پھول توڑ لیا۔ اس کو ہاتھ میں لے کر وہ اتنے انہماک سے دیکھنے لگا جیسے پھول سے باتیں کر رہا ہو۔ کھٹ! ایک آواز نے اس کو چونکایا۔ دیکھا کہ ایک چھوٹا سا پتّھر باہر سے آکر گرا تھا۔ پھول اور پتّھر۔ اب وہ

ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے خیال آیا کہ دونوں میں کیا تعلق اور کیا مقابلہ۔ یکایک پھول اُس کے ہاتھ سے چھوٹا اور پتھر کے پاس جا گرا۔ دونوں کو پاس پاس دیکھ کر اس نے کہا کہ اب تم دونوں خود ہی بات کر لو اور فیصلہ کر لو۔ دل میں یہ کہہ کر وہ پھر جا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اب اس کے کانوں میں آوازیں آ رہی تھیں:

پتھر: تم کون ہو؟

پھول: میں پھول ہوں اور تم؟

پتھر: میں پتھر ہوں۔

پھول: پتھر ہو؟ ایک بے کار چیز۔ سخت اور کھردری! اچھا خیر یہ بتاؤ کہ پھول اور پتھر میں کیا فرق ہے؟

پتھر: بہت فرق ہے، مگر دونوں برابر ہیں۔

پھول: دونوں برابر ہیں؟ برابر کیسے ہیں؟ کیا گھوڑا، گدھا برابر ہوتے ہیں؟

پتھر: برابر نہیں ہوتے تو گدھا اچھا ہوتا ہوگا۔

پھول: گدھے کو تو کوئی بھی اچھا نہیں کہتا!

پتھر: مگر گدھے سے کام تو خوب لیتے ہیں۔ گدھا سب کی مدد کرتا ہے۔ دوسروں کا بوجھ اٹھاتا ہے، یہ کتنی بڑی خوبی ہے۔

پھول: گدھے کو چھوڑو، اپنی بات کرو!

پتھر: کیا بات کروں؟ کوئی اپنی تعریف بھی اپنے منہ سے کرتا ہے۔

پھول: تعریف کیوں کرو۔ تعریف کے قابل کیا بات ہے تم میں؟

پتھر: اچھا، عیب بیان کر دوں؟ چوٹ زور سے لگ جائے تو پھر رونا مت۔

پھول: دیکھا نا۔ یہ ہے آپ کی خوبی! خوشی کے بجائے تکلیف پہنچانا بھی کوئی تعریف کے قابل بات ہے۔

پتھر: اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ تو پتھر مارنے والے کی حماقت یا شرارت ہوتی ہے۔

پھول: لیکن

پتھر: لیکن کیا؟ اگر وہ مجھے کسی معصوم، بے قصور کے سر پر مارنے کے بجائے کسی چور، ڈاکو،

دشمن کو مارے تو تم اس کو بہادر کہو گے۔ اس کی تعریف کرو گے۔

پھول: ہاں ضرور کریں گے۔

پتھر: اور یہ پتھر جو تمھارے مکان میں لگے ہوئے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

پھول: بہت اچھا خیال ہے۔

پتھر: اور یہ سڑک کس چیز سے بنی ہے۔

پھول: ہاں بھئی یہ بھی تم ہی لوگ ہو۔

پتھر: اور بتاؤں؟

پھول: نہیں، پہلے میں اپنی خوبیاں بتاؤں گا۔

پتھر: بتاؤ، بلکہ میں بتاتا ہوں: تمھاری خوش بُو بہت اچھی ہے۔

پھول: اور؟

پتھر: رنگ بھی کتنے حسین۔ کتنے خوش نُما، کتنے دل کش ہوتے ہیں۔

پھول: اور؟

پتھر: اور تم خود بتاؤ:

پھول: میرے ہار بنتے ہیں، سہرے بنتے ہیں۔ مجھے گلدستوں میں سجایا جاتا ہے، مجھے کوٹ کے کالر اور شیروانی کی جیب میں لگایا جاتا ہے۔

پتھر: یہ تو کوئی ٹھوس فائدے نہیں ہوئے۔ زندگی ان کے بغیر بھی گزر سکتی ہے۔

پھول: گزر سکتی ہے مگر بے مزہ، بے کیف، بے رنگ۔ اور ٹھوس فائدہ بھی بتاؤں؟

پتھر: ہاں بتاؤ نا!

پھول: میرا ہار بنا کر لیڈر کے گلے میں ڈالتے ہیں۔

پتھر: اور پھر لیڈر قوم کے گلے کا ہار ہو جاتا ہے۔

پھول: اور مجھے عورتیں اپنے بالوں میں لگاتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں۔

پتھر: یہ بھی کوئی فائدہ ہوا۔

پھول: واہ، فائدہ کیوں نہیں۔ کسی کا دل خوش کرنے سے بڑا فائدہ کون سا ہے۔

پتھر: ہاں یہ تو صحیح ہے، مگر میں بھی دل خوش کرتا ہوں۔

پھول: کسی کا سر پھوڑ کر ؟
پتھر: نہیں، عورتیں مجھے انگوٹھی میں لگاتی ہیں۔ مجھے زیور میں جڑواتی ہیں۔ میرے ٹاپس بنا کر کانوں میں پہنتی ہیں۔ لونگ میں جڑوا کر اپنی ناک اونچی کرتی ہیں۔
پھول: لونگ سے ناک اونچی تو نہیں ہوتی۔
پتھر: بہت اونچی ہوتی ہے۔ ناک اونچی ہونے کا مطلب بات اونچی ہونا بھی ہے۔ عزت بڑھنا بھی ہے۔ جتنے قیمتی پتھر زیور میں لگے ہوں گے اتنی ہی گردن اکڑے گی۔
پھول: مگر اب تو اِمی ٹیشن یعنی بناوٹی جواہر بھی آنے لگے ہیں۔ یعنی پتھر کے بجائے شیشے کی نقل بنا لیتے ہیں۔
پتھر: تو اس میں ہمارا کیا گناہ۔ یہ تو انسان کی کارگزاری ہے۔ اور یوں تو اب انسان بھی اصلی نہیں ہوتے، نقلی انسان زیادہ ہوگئے ہیں۔
پھول: نقلی انسان کیسے ہوتے ہیں؟ مشین کے ؟
پتھر: ہاں اب تو مشینی انسان بھی بننے لگے ہیں جن کو روبوٹ کہتے ہیں، مگر میری مراد اُن سے نہیں ہے۔
پھول: تو پھر تمہارا منشا کیا ہے:
پتھر: میں انھی انسانوں کی بات کر رہا ہوں جو ہیں تو انسانوں کی اولاد۔ گوشت پوست کے انسان، لیکن انسان جس وجہ سے انسان کہلاتا ہے اور جس وجہ سے انسانیت کو سب سے بڑی خوبی سمجھا جاتا ہے وہ ان میں نہیں ہے، اُن کے چہرے تو سچّے انسانوں کے سے ہیں، لیکن وہ جھوٹے ہیں، ان میں محبّت نہیں رہی، ان میں دوستی نہیں رہی۔
پھول: مگر سب انسان تو ایسے نہیں ہیں۔
پتھر: ہاں سب انسان تو ایسے نہیں ہیں، بہت سے اچھے بھی ہیں۔ دوسروں کے کام بھی کرتے ہیں۔ کسی کا احسان نہیں بھولتے۔ اللہ اُن کو دیتا ہے تو وہ سب خود ہی ہضم نہیں کر جاتے، دوسروں کا حق اُن کو دیتے ہیں۔
پھول: تو گویا تم یہ کہہ رہے ہو کہ پتھر اور انسان ایک سے ہیں۔
پتھر: میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اچھے بُرے سب میں ہوتے ہیں۔ اور کوئی چیز بے فائدہ۔

بے مقصد نہیں ہے۔ پھر تم نے جو نقلی جواہر کی بات کی ہے، تو یہ نہیں سوچا کہ نقل اس چیز کی کی جاتی ہے جو اعلا اور بڑھیا ہو۔ اور نقل کرنے والے اصل کی اہمیت مانتے ہیں۔

پھول: اچھا، میں اپنی ایک خوبی تو بھول ہی گیا۔

پتھر: وہ کیا؟

پھول: وہ یہ کہ میں انسانوں کو اچھا بھی کرتا ہوں۔ میں دواؤں میں بھی کام آتا ہوں۔ گلاب کے پھول سے گُلقند (گل قند) بنتا ہے۔ یہ تو تمھیں بھی معلوم ہوگا کہ مجھے یعنی پھول کو گُل بھی کہتے ہیں۔ فارسی میں گُل عام پھول کے علاوہ گلاب کو بھی کہتے ہیں۔ گلاب کے علاوہ اور بھی بہت سے پھول دواؤں میں کام آتے ہیں۔ گُل بنفشہ بھی تم نے سُنا ہوگا۔ نزلے کے جوشاندے میں یہ پھول شامل ہوتے ہیں

پتھر: اچھا، ایک بات اور یاد آئی۔ پتھروں کے مصنوعی (بناوٹی) اور انسانوں کے نقلی ہونے کا ذکر تو ہو گیا لیکن کاغذی پھولوں کی بات نہیں آئی۔ اور اب تو کاغذ کے ہی نہیں پلاسٹک کے پھول بھی بننے لگے ہیں۔

پھول: ہاں یہ صحیح ہے، لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ اصل، اصل ہے۔ نقل اصل کے برابر نہیں ہو سکتی۔

دنیا کی سب سے بڑی ڈبل روٹی

دنیا میں سب سے بڑی ڈبل روٹی فرانس کے شہر سینٹ چارلس کے مقام پر ۱۹۶۲ء میں تیار کی گئی۔ اس کی لمبائی پچاس فیٹ اور وزن ایک سو بیس پاؤنڈ تھا۔

مرسلہ: ایس۔ایم جمشید فاروقی، اور قاضی تنویر عبدالعزیز،

دنیا کی سب سے ہلکی لڑکی

دنیا میں سب سے کم وزن ہونے کا اعزاز میکسیکو کی ایک لڑکی لوسیا زریٹ کو حاصل ہے جو ۲ جنوری ۱۸۶۳ء کو سان کارلوس (میکسیکو) میں پیدا ہوئی۔ پیدائش کے وقت اس کا وزن ڈھائی پاؤنڈ تھا۔ ساڑھے چھبیس انچ کی اس چھوٹی سی گڑیا کا وزن ۱۷ سال کی عمر میں ۴.۷ پاؤنڈ تھا۔ ۲۰ سال کی عمر تک وہ خاصی موٹی ہوگئی، اور اس کا وزن ۱۳ پاؤنڈ تک جا پہنچا۔ اس کا انتقال اکتوبر ۱۸۸۹ء میں ہوا۔

مرسلہ: منعم جمیل برلاس

کرنٹ مارنے والی لڑکی

آئرلینڈ کی ایک لڑکی جے اسمتھ کے بارے میں ۱۸۶۲ء میں یہ انکشاف ہوا کہ اُسے چھونے سے کرنٹ لگتا ہے۔ ڈاکٹر جب اس کے معائنے کے لیے گیا تو جے اسمتھ کے جسم کو چھونے سے اُسے بھی زبردست کرنٹ لگا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ مرسلہ: ہما عبداللہ چاچڑ،

علامہ دانش کے سفرنامے

نارنجی بیل

معراج

باہر موسلادھار بارش ہورہی تھی۔ ہم سب برآمدے میں کھڑے بارش کا نظارا کر رہے تھے۔ ایک ٹیکسی ہمارے دفتر کے باہر آکر رُکی اور اس میں سے ہمارے معزز دوست علامہ دانش اترے۔ وہ حسب معمول برساتی کوٹ پہنے ہوئے تھے، سر پر ترکی ٹوپی، پاؤں میں فل بوٹ، ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے میں چھتری تھی۔

علامہ کمرے میں داخل ہوئے، آرزو نانے برساتی اتاری اور کھونٹی پر لٹکادی۔ نصر نے پوچھا "علامہ صاحب، خیریت تو ہے؟" علامہ نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور مرشد کی طرف بڑھادیا۔

مرشد بلند آواز سے خط کا مضمون پڑھنے لگا۔

"محترم علامہ صاحب!

ایک مریض جس کا نام رشید نوری ہے، سخت بیمار ہے وہ آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہے۔ مہربانی فرما کر آپ جلد تشریف لے آئیں۔

داروغہ پاگل خانہ فوزیہ، قاہرہ"

مرشد نے مسکرا کر کہا، "اللہ خیر کرے۔ اب تو پاگل خانے سے بھی خطوط آنے لگے۔"

علامہ نے تیز نظروں سے مرشد کو گھور کر دیکھا اور بولے:

"رشید نوری ان لوگوں میں سے ہے جو تحقیق اور مطالعہ میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں۔ یہ جڑی بوٹیوں پر تحقیق کے سلسلے میں وسطی افریقہ میں تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک لاپتا ہو گئے۔ ڈیڑھ سال بعد اطلاع ملی ہے کہ یہ پاگل خانے میں بند ہیں۔"

کپتان مرشد نے پوچھا، "اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

علامہ نے کہا، "ہمیں قاہرہ چلنا ہے۔"

موسم کے خوش گوار ہوتے ہی ہم قاہرہ کی طرف پرواز کرنے لگے۔ دو گھنٹے بعد ہمارا ہیلی کوپٹر قاہرہ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ جب ہم رشید نوری سے ملے تو اس کا حال بہت خراب تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔

رشید نوری نے کہا، "علامہ صاحب، میں نے آپ کو اس لیے یہاں بلایا ہے کہ میں آپ کو وسطی افریقہ کے سفر کا حال سنا سکوں۔"

یہ کہہ کر رشید نوری کچھ دیر کے لیے خاموش رہا۔ پھر اس نے اپنی داستان شروع کی:

"میں جڑی بوٹیوں پر تحقیق کے سلسلے میں وسطی افریقہ کے جنگلوں میں کام کر رہا تھا کہ راستے میں بھٹک کر غیر آباد اور سنسان صحرا کی طرف جا نکلا۔ صحرا کے اندر ایک پہاڑی سلسلہ تھا۔ میرے ساتھ جو قلی تھے ان میں عجیب طرح کی بے چینی پیدا ہو گئی۔ ایک قلی نے سواحلی زبان میں مجھے بتایا کہ ان پہاڑیوں پر بھوت پریت رہتے ہیں جو لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے آگے جانے سے روکنے کی بہت کوشش کی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ میں ہر صورت میں آگے جانا چاہتا ہوں تو ان جنگلی لوگوں نے سامان پھینک دیا اور وہاں سے بھاگ گئے۔ میں یہ صورت حال دیکھ کر

بہت پریشان ہوا۔ میں نے اپنا سفر جاری رکھا اور پہاڑیوں کے پاس جا پہنچا۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ پہاڑی کے پاس دور دور تک خار دار (کانٹے دار) پودے اُگے ہوئے تھے، جو چھو جائیں تو جسم میں شدید جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ میں ابھی ان پودوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک کہیں سے عجیب الخلقت لوگوں کا ایک غول برآمد ہوا اور ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان لوگوں کا رنگ سفید تھا، سنگِ مرمر کی طرح سفید۔ لیکن اس میں زندگی کی گرمی کے بجائے موت کی زردی پائی جاتی تھی۔"

یہ کہہ کر رشید نوری کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ شاید وہ اتنی دیر تک بولتے بولتے تھک گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا، "وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ پہاڑی پر لے گئے۔ وہاں زمین بالکل ہموار تھی۔ اور وہاں پر ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ یہ لوگ ڈابو قبیلے کے تھے اور دنیا سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے۔ انھوں نے کاشت کاری میں کمال حاصل کر لیا تھا اور ایسے ایسے پودے اور جڑی بوٹیاں دریافت کر لی تھیں جن کا علم دنیا والوں کو بھی نہیں تھا۔ انھوں نے ایسی طاقت بخش دوائیں تیار کر لی تھیں جن کے استعمال سے انسان کی صحت اور قوت بحال رہتی اور وہ بہت عرصے تک بڑھاپے سے محفوظ رہتا ہے۔" یہ کہہ کر رشید نوری کچھ دیر کے لیے پھر خاموش ہو گیا۔

اس نے پھر کہا، "پھر ان کا بڑا پجاری آ گیا۔ اس نے ایک تیز نوک دار چیز میرے ماتھے میں چبھو دی۔ میں درد کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو پجاری نے کہا، "اب تم ہمیشہ کے لیے ہمارے غلام بن کر رہو گے۔ میں نے تمھارے سر میں ایک بیج کاشت کر دیا ہے۔ صرف ایک خاص عرق اس پودے کو بڑھنے سے روک سکتا ہے۔ جب تک تم یہ عرق پیتے رہو گے اس بیج کی نشوونما رکی رہے گی۔ جب تم عرق پینا چھوڑ دو گے تو یہ پودا جڑ پکڑ لے گا۔ اس کی جڑیں تمھارے دماغ میں پیوست ہو جائیں گی اور تم سر پٹخ پٹخ کر مر جاؤ گے۔"

میں ایک سال تک ان لوگوں کے پاس مقیم (ٹھیرا) رہا۔ میں نے اُن لوگوں کے طور طریقے دیکھے وہ جو عجیب و غریب پودے کاشت کرتے تھے۔ میں ان کی قید سے فرار ہو گیا۔ میں بہت تکلیفیں اٹھا کر ساحل تک جا پہنچا۔ وہاں سے ایک کشتی میں سوار ہو کر قاہرہ پہنچ گیا۔

یہاں پہنچتے ہی میرے سر میں سخت تکلیف ہونے لگی۔ میں جان گیا کہ پجاری نے میرے سر میں جو بیج اُگایا تھا، اس نے جڑ پکڑ لی ہے۔ میں نے بہت سے ماہر ڈاکٹروں سے علاج کروایا لیکن یہ

مرض کسی کی سمجھ میں نہ آسکا۔ ایک ڈاکٹر نے فیصلہ دے دیا کہ جنگلوں میں مارے مارے پھرنے سے میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چناں چہ لوگوں نے مجھے پاگل خانے میں بند کروا دیا۔"

یہ کہہ کر رشید نوری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ علامہ کا دل بھی بھر آیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے رہے اور رشید نوری کو تسلی و تشفی دیتے رہے۔

جب ہم وہاں سے لوٹے تو علامہ کا مزاج بہت برہم تھا۔ داروغہ پاگل خانے نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو علامہ جھڑک کر بولے، "دنیا کے سب سے بڑے پاگل، اپنا ناپاک ہاتھ دور رکھ۔ تمھیں تو پاگل اور ہوش مند کا فرق تک معلوم نہیں ہے۔"

رشید نوری کو علامہ نے ایک بوٹی کھلائی جس سے اس بیج کا اثر زائل ہو گیا۔

راستے میں علامہ نے بار بار یہ مصرعہ پڑھا، "خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد۔"

علامہ دانش نے کہا، "میرا ارادہ ہے کہ میں وسطی افریقہ جا کر خود تحقیق کروں۔ مجھے نباتات سے بہت دل چسپی ہے اور پھر وہاں وہ عجیب و غریب لوگ بھی تو ہیں جو کئی سو سال سے وہاں آباد ہیں۔"

آزونا نے دبی دبی آواز میں کہا، "کبھی ہمارا حشر بھی رشید نوری جیسا نہ ہو۔"

کپتان مرشد نے ڈانٹ کر کہا، "چپ نالائق، ایسی فضول باتیں نہیں کیا کرتے۔"

کئی دن بعد ہم وسطی افریقہ پہنچے۔ یہ سفر خاصا دشوار ثابت ہوا۔ ہم بہت سا ضروری اور غیر ضروری سامان اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ رشید نوری نے بہت اچھی طرح سے ہمیں راستہ سمجھا دیا تھا، اس لیے صحرائی پہاڑیوں تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ پہاڑی کے چاروں طرف دل فریب گھنا جنگل تھا۔ درختوں اور پودوں کا رنگ بہت گہرا سبز تھا۔ ہم نے پہاڑی کے اوپر پرواز کی۔ اس پر ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ اس کے درمیان میں ایک مندر تھا۔ علامہ دانش نے کہا، "رشید نوری کی کہانی کا یہ حصہ تو صحیح ثابت ہوا۔ اب بستی کے لوگوں کے متعلق تحقیقات کرنی باقی ہے۔"

ہم نے اپنا جہاز ریگستان میں اتار لیا۔ ہم جہاز سے نیچے اترے۔ ہمارے نزدیک ہی وہ پہاڑی تھی۔ اس کے آس پاس بہت اونچے اونچے درخت اور بے حد سبز رنگ کے پودے اُگے ہوئے تھے۔ علامہ دانش نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور کچھ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ ہمارے سامنے ناگ پھنی (کیکٹس) کے بڑے بڑے پودے تھے جن کے کانٹے ایک گز لمبے تھے۔ بعض پودے تو اتنے بڑے تھے کہ انھیں دیکھ کر دہشت ہوتی تھی۔

میں ناگ پھنی کے پودوں کی طرف چلا۔ اچانک علامہ نے چیخ کر کہا، "ٹھہرو۔ ان سے خطرہ ہے۔"
میں ٹھٹھک کر ٹھہر گیا۔ علامہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی طرف گھسیٹ لیا اور زمین کی طرف اشارہ کر کے بولے، "یہ بھی دیکھا ہے تم نے؟"

میں نے غور سے زمین کی طرف دیکھا۔ اللہ کی پناہ، یوں لگتا تھا کہ جیسے بے شمار برچھیاں زمین سے سر نکالے کھڑی ہیں۔ علامہ دانش نے کہا، "اس کا نام ہسپانوی خنجر ہے۔ ویسے تو یہ ایک قسم کی گھاس ہے مگر تیزی میں خنجر اور تلوار سے کم نہیں ہے۔ یہ موٹے سے موٹے چمڑے کو کاغذ کی طرح پھاڑ دیتا ہے۔ اگر تم ان پر پاؤں رکھ دیتے تو ایسا زخم پڑ جاتا جو بہت مشکل سے ٹھیک ہوتا۔" یہ گھاس پہاڑی کے دامن میں بیس فیٹ چوڑائی میں پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے کہا کہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پودے خود نہیں اُگے، بلکہ انھیں باقاعدہ کاشت کیا گیا ہے۔

مرشد نے کہا، "یہاں سے کسی ٹینک میں بیٹھ کر ہی گزرا جا سکتا ہے۔"

علامہ بولے، "ایک راستہ ان ہی کانٹے دار پودوں اور خنجر گھاس کے درمیان سے ہوتا ہوا پہاڑی کے اوپر جاتا ہے۔"

بہت مشکل سے ہم نے یہ راستہ تلاش کر لیا۔ یہ بہت ٹیڑھا ترچھا اور تنگ سا راستہ تھا۔ مرشد بولا، "میں ان پہاڑی لوگوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی فوج بھی پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اسے ایک قطار بنا کر یہاں سے گزرنا ہوگا۔"

علامہ بولے، "پھر اسے خاردار پودوں کے پاس سے گزرنا ہوگا۔ ان کے کانٹے ایسے زہریلے اور خطرناک ہیں کہ اگر کسی کے چبھ جائیں تو وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا لیکن اس کا علاج نہ ہو سکے گا۔"

میں نے پوچھا، "اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟"

علامہ بولے، "زہر آلود گل لالہ۔ جو دیکھنے میں بے حد خوب صورت پھول ہے لیکن اس سے زہریلی گیس نکلتی ہے۔ ان کے پاس سے گزرنے والا چند منٹ میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے علاوہ آدم خور درخت ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس سے گزرنے کی غلطی کر بیٹھے تو اس کی شاخیں اُسے جکڑ لیں گی اور ذرا سی دیر میں اس کا گوشت پوست کھا جائیں گی۔ بچھوا بوٹی ہے جو ڈنک مار کر ہلاک کر دیتی ہے اور۔۔۔"

مرشد گھبرا کر بولا، "آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں ان باتوں سے آگاہ کر دیا۔ میرا ابھی

خودکشی کا ارادہ نہیں ہے۔ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ آپ ابھی جہاز پر تشریف لے چلیے۔"
علامہ دانش بولے، " کاش ہم ان لوگوں کو کسی طرح سمجھا سکتے کہ ہم ان کے دشمن نہیں ہیں۔"
ہم نے خنجروں کی باڑ کے اِردگِرد پھر کر دیکھا، لیکن ہمیں کوئی شخص نظر نہیں آیا۔
آزونا کانپتے ہوئے بولا، " مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے لوگ ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔
اور چھپ کر ہماری باتیں سن رہے ہیں۔"
رات کے وقت ہم بہت دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ جب نیند نے غلبہ کیا تو ہم سونے کے لیے
بستروں پر لیٹ گئے۔ ارے صاحب، بستر کیسے؟ بس یوں سمجھ لیجیے کہ جہاز کے نیچے نرم نرم ریت پر
کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ ہم نے باری باری پہرا دینے کا فیصلہ کیا۔
سب سے پہلے آزونا کی باری تھی۔ اس نے آدھی رات کے وقت ہمیں جگایا۔ وہ بولا، " مجھے
بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے، لیکن کیا؟ یہ میں یقین سے نہیں کہہ
سکتا۔"

جب علامہ نے دریافت کیا تو وہ بولا "مجھے ایسی آواز سنائی دی کہ جیسے اولے پڑ رہے ہوں، حال
آں کہ مطلع صاف ہے۔"
اس پر مرشد جھنجھلا کر بولا، "تم تو نرے وہمی ہو۔"
آزونا قسم کھا کر بولا۔ " میرے منھ پر مٹر کے دانے کے برابر کوئی چیز بہت زور سے ٹکرائی،
پھر یوں محسوس ہوا کہ جیسے اولے گر رہے ہوں۔"
ہم نے ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ہمیں کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ اب مرشد کی باری
تھی۔ وہ صبح کے تین بجے تک پہرا دیتا رہا۔ پھر اس نے مجھے جگایا۔ اس نے بھی کوئی بات نہ دیکھی اور
نہ کوئی آواز سنی۔ وہ بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ اب میری باری تھی۔ میں ایک گھنٹے تک اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔
کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ میں جہاز کے پہیے پر بیٹھ گیا۔ صبح سے ذرا دیر پہلے میں نے عجیب سی آواز
سنی۔ پتوں میں ہوا کے گزرنے سے جو سرسراہٹ ہوتی ہے، یہ آواز اس جیسی تھی۔ عجیب بات یہ تھی
کہ یہ سرسراہٹ چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ پھر کوئی چیز میرے پاؤں پر رینگنے لگی۔ میں نے
جھک کر دیکھا، یہ کوئی کیڑا سا تھا، جو زمین سے باہر نکل رہا تھا۔ میں نے اسے کیچوا سمجھا اس لیے اس
سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا۔ اب صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔
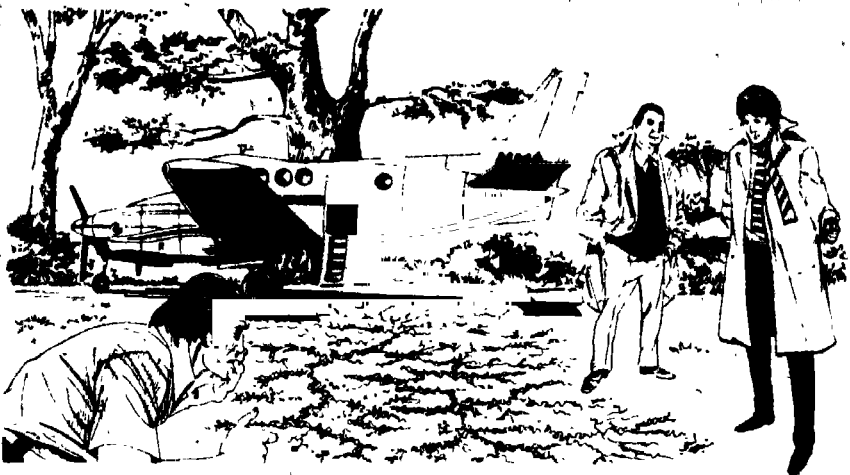
اللہ کی پناہ، ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں کیڑے زمین سے نکل رہے تھے۔ میں نے جھک کر غور سے دیکھا تب معلوم ہوا کہ جنھیں میں کیڑے سمجھ رہا تھا وہ پودے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ پودے بڑھنے لگے اور ان سے شاخیں اور پتیاں پھوٹنے لگیں۔ میں نے کئی پودے دیکھے ہیں جو تیز رفتاری سے بڑھتے ہیں۔ بانس کا پودا ایک دن میں ڈیڑھ، دو فیٹ تک بڑھ جاتا ہے لیکن ہمارے جہاز کے اردگرد جو بیل اُگ رہی تھی اس کے بڑھنے کی رفتار تو حیرت انگیز تھی۔ پہلے تو میں کچھ دیر تک دیکھتا رہا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیلیں دو تین فیٹ سے زیادہ لمبی ہوگئیں۔ کچھ بیلیں تو ہمارے جہاز پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

پھر اچانک مجھے ہوش آگیا۔ مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ آزونا نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ اس نے جو ژالہ باری (اولے پڑنے) کی آواز سنی تھی وہ ان بیجوں کا چھڑکاؤ تھا جو پہاڑی کے باشندوں نے اوپر سے پھینکے تھے۔

جب یہ بیج زمین پر گرے تو انھوں نے جڑ پکڑلی اور اب یہ بیلیں طوفانی رفتار سے بڑھتی جارہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور اس کا اُڑنا ناممکن ہوجائے گا۔ میں نے ایک چیخ ماری جسے سن کر سب لوگ بیدار ہوگئے اور میری طرف دوڑے۔

اب روشنی کافی پھیل چکی تھی اور ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی یہ نارنجی رنگ کی بیل زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہم نے دیوانوں کی طرح بیل کو اکھاڑ اکھاڑ

کر پھیلنا شروع کیا لیکن ادھر ہم ایک طرف سے بیل اکھاڑتے یہ دوسری طرف سے جہاز پر چڑھنے لگتی۔ مرشد چلا کر بولا" جہاز پر سوار ہو جاؤ۔ ہمیں فوراً پرواز کرنا ہے۔"

سب لوگ جہاز پر سوار ہو گئے۔ بدقسمتی سے میرا پاؤں بیل میں الجھ گیا اور میں دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ میں زمین سے اُٹھ کر کھڑا ہوتا، بیل کی شاخیں مجھے جکڑنے لگیں۔ میں نے بیل کو اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکا اور گرتا پڑتا جہاز کی طرف بھاگا۔ میں بہت مشکل سے جہاز پر سوار ہو سکا۔ بیل کی لچھے دار شاخیں ابھی تک میرے گلے کا ہار بنی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے میں کوئی بہادر سورما ہوں اور کسی جنگ سے فتح یاب ہو کر لوٹا ہوں۔

بہر حال، ہم جہاز پر سوار ہو گئے۔ کپتان مرشد نے جہاز اسٹارٹ کیا۔ جب جہاز نے پرواز کی تو اس کے طاقت ور انجن نے ان بیلوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ ہم نے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نارنجی بیل دور دور تک پھیل چکی تھی اور اب پہاڑی کی طرف سیلاب کی طرح بڑھ رہی تھی۔

علامہ دانش نے کہا، " تم نے وہ مثل تو سنی ہو گی کہ چاہ کن را چاہ در پیش۔ یعنی جو کسی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گر جاتا ہے۔ اب اگر تم ان لوگوں کی تباہی کا منظر دیکھنا چاہو تو کچھ دیر کے لیے اور رک جاؤ۔"

میں نے پوچھا،" پھر کیا ہو گا ؟"

علامہ بولے، " یہ طوفانی بیل اب کسی سے رکنے والی نہیں ہے۔ ذرا دیر بعد یہ پہاڑی پر چڑھ جائے گی اور۔" علامہ دانش کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ پھر بولے،" یہ تباہی انھوں نے خود اپنے ہاتھوں مول لی ہے۔"

کچھ دیر بعد جب ہم ایک چکر کاٹ کر واپس لوٹے تو ہم نے عجیب دہشت ناک منظر دیکھا۔ بیلوں نے پہاڑی پر چڑھ کر پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ وہاں کے لوگوں میں ایک عجیب سی بے چینی اور دہشت پائی جاتی تھی۔ ذرا دیر بعد بیلیں پہاڑی کے اوپر پھیلنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بیل آدمیوں سے لپٹنے لگی۔ وہ لوگ بے بسی کے عالم میں چیخ و پکار کر رہے تھے لیکن اب ان کی مدد کے لیے کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ علامہ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر بولے، " افسوس، یہ لوگ خود ہی اپنی تباہی کے ذمے دار ہیں۔"

جب ہم واپس لوٹے تو دور دور تک نارنجی بیل پھیلی ہوئی تھی۔

برفانی سیاح

سیّد ندیم یوسف

شدید گرمی کے موسم میں جب "چوٹی سے ایڑی تک" پسینا بہ رہا ہو، گرم گرم ہوائیں چل رہی ہوں اور سورج آپ کے عین سر پر پوری آب و تاب سے چمک رہا ہو تو اس وقت آپ کو سردیوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں خوب یاد آتی ہوں گی۔ آئیے، گرمی کا اثر کم کرنے کے لیے آج ہم آپ کو ایسی جگہ کی سَیر کو لیے چلتے ہیں جہاں ہزاروں میل تک بس برف ہی برف ہے، ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہے اور گرمی کا کوئی نام و نشان تک نہیں۔ مئی ہو یا جون وہاں کا درجۂ حرارت ہمیشہ صفر سے کم ہی رہتا ہے۔ دُنیا کے یہ سرد ترین مقامات قُطبِ شمالی اور قُطبِ جنوبی اور ان کے اِرد گِرد کے علاقے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری زمین ایک بہت بڑی گیند کی طرح ہے جو مسلسل اپنے مُحور پر گھوم رہی ہے۔ زمین کے مُحور کے یہ دو کِنارے یا سرے جو شمال اور جنوب کی سمت میں ہیں، قُطبِ شمالی اور قُطبِ جنوبی کہلاتے ہیں۔ یہ ہماری دُنیا کے آخری کنارے ہیں۔ یہ بے حد سرد مقامات ہیں جہاں سال بھر برف جمی رہتی ہے اور ہر طرف برف کے میدان دکھائی دیتے ہیں۔ قطبِ جنوبی میں جگہ جگہ اُونچے اونچے برفانی پہاڑ اور گلیشیر بھی نظر آتے ہیں۔ درجہ حرارت صفر سے ہمیشہ نیچے رہتا ہے اور منفی بیس درجے سینٹی گریڈ تو وہاں کے لیے ایک عام درجۂ حرارت ہے۔ آئیے ہم اپنی زمین کے دونوں سروں کے بارے میں حیرت انگیز معلومات حاصل کریں۔

چھے ماہ دِن، چھے ماہ رات

قطبین پر سال میں چھے مہینے دن اور چھے مہینے رات ہوتی ہے۔ یہ بڑی دل چسپ بات ہے کہ وہاں دن اور رات اس طرح واقع نہیں ہوتے جیسا کہ ساری دنیا میں ہوتے

ہیں۔ مارچ کے آخری ہفتے میں جب قطب شمالی پر سُورج طُلُوع ہوتا ہے تو پھر کبھی اُفق سے نیچے نہیں جاتا۔ دِن، ہفتے اور مہینے گزرتے رہتے ہیں اور سُورج آسمان پر کنارے کنارے چکّر لگاتا رہتا ہے۔ نہ غروب ہوتا ہے اور نہ کبھی سر پر آتا ہے۔ اسی طرح چھے ماہ تک آسمان پر مسلسل موجُود رہنے کے بعد ستمبر کے تیسرے ہفتے میں سُورج غروب ہوجاتا ہے اور ایسا غائب ہوتا ہے کہ پھر چھے ماہ تک نہیں نکلتا یعنی چھے مہینے کی طویل رات آجاتی ہے۔

قطب جنوبی کا معاملہ بالکل اُلٹا ہے۔ یہاں ستمبر کے آخری ہفتے سے مارچ کے تیسرے ہفتے تک مُسلسَل دِن ہوتا ہے اور بقیہ چھے مہینوں میں رات ہوتی ہے۔ یعنی جن دنوں سُورج قطب شمالی میں نظر آتا ہے، اُن دِنوں قطب جنوبی مین بالکل دکھائی نہیں دیتا اور جب سُورج قطب جنوبی میں طلوع ہوتا ہے تو قطب شمالی میں چھے مہینے کی رات ہوجاتی ہے۔
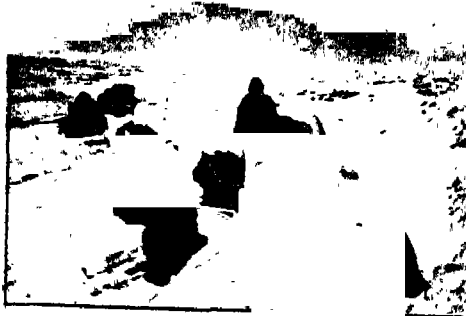
مہم جُو قطب جنوبی کا سفر کر رہے ہیں۔

قطبِ جنوبی کی زبردست سردیاں

قطبِ جنوبی میں سُورج طُلوع نہیں ہوتا تو وہاں کی سردیاں قطب شمالی کو بھی مات دے دیتی ہیں۔ موسم انتہائی خراب ہوجاتا ہے۔ دو سو کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے برفانی ہوائیں چلتی ہیں۔ ہر وقت برف باری ہوتی رہتی ہے اور برف کی مقدار دُگنی ہوجاتی

ہے۔ کبھی کبھی تو درجۂ حرارت منفی پچاس درجے سینٹی گریڈ سے بھی کم ہو جاتا ہے۔
اس قدر سخت سردی کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے!

کیا بَرفانی علاقوں میں انسان رہتے ہیں؟

قطب شمالی کے اِرد گِرد ہزاروں میل تک پھیلا ہوا منجمد سمندری علاقہ آرکٹک (ARCTIC) کا خِطّہ کہلاتا ہے۔ یہاں تین برّاعظم یورپ، ایشیا اور شمالی امریکا آکر ملتے ہیں۔ قریب ہی گرین لینڈ کا وسیع و عریض جزیرہ ہے، جس کا بڑا حصّہ مکمل طور پر برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ قطبِ شمالی کے قریب تو کوئی آبادی نہیں مگر آرکٹک کے علاقے میں برّاعظموں کے کناروں پر لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ رہتے ہیں۔ مثلاً اسکیمو وغیرہ۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ اسکیمو گرین لینڈ، شمالی کینیڈا اور الاسکا میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان بے حد سرد علاقوں میں بڑی محنت و مشقّت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہاں پودے بالکل نہیں اُگ سکتے لہٰذا اسکیمو اپنی ضرورت کی ساری چیزیں برفانی جانوروں مثلاً رینڈیئر، قُطبی ریچھ، قطبی بھیڑیے اور تہ پانی کی مچھلیوں یا سیل (SEAL) وغیرہ سے حاصل کرتے ہیں۔ برف پر سفر کے لیے سلیج استعمال کرتے ہیں۔ یہ بغیر پہیّوں کی گاڑی ہوتی ہے جسے برفانی کتّے کھینچتے ہیں۔

قطب جنوبی برّاعظم انٹارکٹیکا میں واقع ہے۔ یہ خِطّہ اتنا سرد اور باقی دنیا سے اس قدر دُور اور الگ تھلگ ہے کہ یہاں پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ یہاں بس چند قسم کے برفانی جانور اور بعض سمندری پرندے ہی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پینگوئن وغیرہ۔

قطبِ سِتارہ اور قُطبی رَوشنیاں

آپ قطب تارے کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ اپنی سمت کبھی نہیں بدلتا اور ہمیشہ شمال کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اگر ہم قطب شمالی پر پہنچ جائیں اور سورج نکلا ہُوا نہ ہو تو قطب تارہ ہمیں ہر وقت آسمان کے بیچوں بیچ نظر آئے گا۔ اگر آسمان صاف ہو تو قطبین کی راتوں میں ستاروں کا خُوب صُورت نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں ستارے

طلوع ہوتے ہیں اور نہ غروب بلکہ ہمیشہ آسمان پر چاروں طرف گھومتے رہتے ہیں۔ یہ ہماری زمین کی محوری گردش کا نتیجہ ہے۔ جو ستارے قطب شمالی سے نظر آتے ہیں وہ قطب جنوبی میں کبھی دکھائی نہیں دیتے۔

ایک اور حیرت انگیز چیز رنگین قطبی روشنیاں ہیں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے آس پاس اکثر رنگ برنگی (گلابی، نارنجی، پیلی اور سبز) روشنیاں نظر آتی ہیں۔ یہ بات بہت مدت تک ایک معمّا بنی رہی، مگر پھر معلوم ہُوا کہ یہ قطبی روشنیاں طاقت ور شمسی ہواؤں اور زمین کے مقناطیسی میدان کے باہمی عمل سے بعض گیسوں سے خارج ہوتی ہیں اور انھیں قُطبَین کے علاقوں میں ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

قُطبَین کی تسخیر

قطب شمالی اور قطب جنوبی کے بارے میں یہ دِل چسپ اور ٹھنڈی ٹھنڈی باتیں جان کر آپ ضرور یہ سوچیں گے کہ کیا وہاں کسی انسان کے قدم پہنچے ہیں؟ آیئے پہلے ہم قطبین کی جانب سفر کی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں:-

قطبِ شمالی یا قطبِ جنوبی کا سفر کوئی آسان بات نہیں۔ ہزاروں میل تک پھیلی ہوئی برف پر سفر کرنا جہاں کوئی آدم نہ آدم زاد، نہ کوئی بستی جہاں سے کچھ مدد مِل سکے، کِس قدر کٹھن ہے۔ پھر برف ایسی ہموار بھی نہیں کہ بس میدان ہی میدان ہوں، بلکہ راستے میں اُونچے اونچے برفانی تودے اور طرح طرح کی برفانی رکاوٹیں ملتی ہیں۔ برف کی تہ میں چھُپے ہوئے ندی نالے، چوڑی دَراڑیں اور گہرے غار جگہ جگہ مُوجود ہیں جن میں اگر کوئی دھوکے سے گر پڑے تو پھر کبھی نہیں نکل سکتا۔ اس کے علاوہ نرم نرم کچّی برف کی "دَل دَلیں" بھی پائی جاتی ہیں جن میں پیدل چلنے والا دھنس کر رہ جائے۔ ان سب خطرات سے بچ نکلنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ قدم قدم پر دُشوار راستے سفر کے لیے رُکاوٹ بنتے ہیں۔ کُرۂ اَرض کے ان برفانی علاقوں میں درجۂ حرارت اِتنا کم (منفی تیس یا چالیس درجے) ہوجاتا ہے کہ اگر زبردست حفاظتی لباس نہ پہنا جائے تو انسان کا گوشت چند لمحوں میں جم کر پتھر کی طرح سخت ہوجائے۔ اکثر و بیشتر برف باری بھی

ایک برفانی سیاح قطب شمالی کی جانب رواں دواں

ہوتی رہتی ہے اور طوفانی برفانی ہوائیں سفر کو بہت ہی مشکل بنا دیتی ہیں۔

ان ہی سب چیزوں نے صدیوں سے انسان کو اپنی دنیا کے آخری کناروں یعنی قُطبین پر پہنچنے سے باز رکھا ہُوا تھا، لیکن عزم وہمّت اور تلاش وجُستجو کا جذبہ تو انسان میں ہمیشہ سے ہی موجود ہے۔ مہم جُوئی تَو انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ انسان ہر طرح کی مشکلات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے ہوئے بڑی سے بڑی مہم بالآخر سَر کر ہی لیتا ہے۔ قُطب شمالی اور قُطب جُنوبی کو بھی مسلسل کوششوں کے بعد بیسویں صدی کے شروع میں تسخیر کر لیا گیا۔ آئیے دیکھیں کہ قطبین کا سفر کس طرح کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے وہاں کون پہنچا۔

قطب شمالی یا قطب جنوبی کا سَفر چند دنوں یا چند ہفتوں کی بات نہیں، بلکہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ سیکڑوں اور ہزاروں میل کا برفانی سَفر نہ تو پیدل طے ہو سکتا ہے اور نہ وہاں عام گاڑیاں چل سکتی ہیں۔ برف پر چلنے کے لیے خُصُوصی گاڑیاں مثلاً

سلیج وغیرہ استعمال ہوتی ہیں۔ کئی مہینوں کے لیے کھانے پینے کا سامان، حفاظتی لباس، خیمے، بستر، ضروری دوائیں، سمت بتانے والے سائنسی آلات اور دیگر تمام سازوسامان ساتھ لے جانا پڑتا ہے۔ سفر انھی دنوں میں کیا جاتا ہے جب سورج نکلا ہوا ہو اور موسم زیادہ خراب نہ ہو۔ موسمی کیفیات کا پورا مطالعہ کر کے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ تمام راستوں کے ضروری نقشے بنائے جاتے ہیں اور یوں پوری تیاری کے بعد مہم جو اپنے طویل برفانی سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی راستے میں اتنے حادثات پیش آتے ہیں کہ وہ ناکام واپس آجانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن جب کبھی یہ "برفانی سیاح" بھرپور جوش اور ولولے کے ساتھ تمام تر برفانی رکاوٹوں کو پیروں تلے روندتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود یعنی قطب شمالی یا قطب جنوبی پر پہنچنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ وہ اپنے ملک کا جھنڈا دنیا کے آخری سرے پر نصب کرتے ہیں اور سائنسی مشاہدات کرنے کے بعد ایک بار پھر تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے کام یاب و کامران لوٹ آتے ہیں۔ قطبین کی تسخیر مہم جوئی کی شان دار مثالیں ہیں۔

انسان قطبِ شمالی پر

قطب شمالی کو سر کرنے کی کوششیں تو کئی صدیوں سے کی جارہی تھیں، مگر یہ اعزاز بیسویں صدی میں ایک امریکی نے حاصل کیا۔ رابرٹ ای پیری نے ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۹ء تک سات مرتبہ قطب شمالی کو تسخیر کرنے کی کوشش کی۔ آخر اپنی آخری مہم میں وہ کام یاب ہو گیا اور اس نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ ۶؍ اپریل ۱۹۰۹ء کو قطب شمالی کو فتح کر لیا اور دنیا کے سب سے اوپری کنارے پر امریکا کا جھنڈا لہرا دیا۔

قطبِ جنوبی کی جانب تاریخی دوڑ

یہ ۱۹۱۰ء کی بات ہے۔ قطبِ جنوبی کو سر کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے کیپٹن اسکاٹ کی قیادت میں ایک زبردست مہم بھیجی۔ انھی دنوں ناروے کا ایک شخص ایمنڈسن بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ قطب جنوبی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس طرح ایک تاریخی

دوڑ شروع ہوگئی۔ جب کیپٹن اسکاٹ نے انٹارکٹک پہنچ کر قطب جنوبی کی جانب سفر شروع کیا تو اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ ایمنڈسن اس وقت کہاں سفر کر رہا ہے۔ بڑی مشکلات اور طرح طرح کی رکاوٹوں کو عبور کرنے کے بعد کیپٹن اسکاٹ اور ان کے چار ساتھی ۱۷ر جنوری ۱۹۱۲ء کو قطب جنوبی پر جا پہنچے ......مگر.......ان کی ساری خوشی، حیرت اور مایوسی میں بدل گئی جب انھوں نے دیکھا کہ قطب جنوبی پر ناروے کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ایمنڈسن اس "دوڑ" میں اسکاٹ سے بازی لے گیا تھا اور وہ اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ ایک مہینے پہلے ہی ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو قطب جنوبی کو سر کرچکا تھا! اس تاریخی دوڑ کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ واپسی کے سفر میں پے در پے حادثات، تھکن اور انتہائی شدّت کی سردی کی وجہ سے کیپٹن اسکاٹ اور اُن کے تمام ساتھی راستے ہی میں مر گئے اور بعد میں ان کی ڈائریوں سے ان کے سفر کی ناقابل فراموش داستان کا علم ہو سکا!

قطبِ شمالی — بہ ذریعۂ ہوائی جہاز اور آب دوز

آپ کی دل چسپی کے لیے ہم یہ بھی بتاتے چلتے ہیں کہ قطبِ شمالی کا فضائی اور سمندری سفر پہلی مرتبہ کب کیا گیا۔ ۹ر مئی ۱۹۲۶ء کو رچرڈ بائرڈ اور فلوئڈ بینیٹ نے قطب شمالی کا ہوائی جہاز سے پہلا چکّر لگایا۔ ۳ر اگست ۱۹۵۸ء کو ایک امریکی آب دوز "ناوٹی لس" (NAUTILUS) نے بحرالکاہل اور بحرِاوقیانوس سے گزر کر بحر منجمد شمالی (آرکٹک) کا زیرآب سفر کیا اور پہلی بار قطب شمالی کے عین نیچے سمندر میں سے ہو کر گزری۔ یہ تیز ترین سفر صرف چھیانوے گھنٹوں میں طے ہُوا۔

حیرت انگیز اکیلا سفر

آپ ضرور حیرت زدہ ہوں گے، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج سے نَو سال پہلے ایک جاپانی، ناؤمی یمورا، کیپ کولمبیا (کینڈا) سے روانہ ہُوا اور دو مہینے مسلسل سفر کرنے کے بعد بالکل اکیلا ہی قطبِ شمالی پر جا پہنچا۔ بے شک انسان اگر ہمت کرے تو وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے!

جُدید دَور کی ایک یادگار مہم

سر رانلف فینیّس نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تین سال کے مسلسل سفر میں پُوری دُنیا کا چکّر لگایا اور قُطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی دونوں کو ایک ہی مہم میں سر کر لیا۔ اس یادگار مہم کے سرپرست برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس تھے۔ رانلف فینیّس ۲؍ستمبر ۱۹۷۹ء کو گرین وِچ (انگلستان) سے روانہ ہوئے۔ شمال مغربی افریقہ کو عبور کر کے جنوری ۱۹۸۰ء میں وہ انٹارکٹیکا میں داخل ہوئے۔ وہاں انھوں نے اپنے کیمپ میں چھے ماہ کی لمبی سرد رات گزاری اور پھر ایک بھرپور سفر کے بعد ۱۵؍دسمبر ۱۹۸۰ء کو وہ قطبِ جنوبی پر جا پہنچے۔ پھر اُنھوں نے زمین کے سب سے نچلے کنارے کو بھی پیچھے چھوڑا اور دُنیا کی دُوسری طرف اپنے دائرِوی راستے پر سفر کرنے لگے۔ ایک بہت طویل سمندری سفر کے بعد وہ آسٹریلیا سے ہوتے ہوئے ۱۹۸۱ء کے وَسط میں شمالی امریکا پہنچ گئے۔ اب انھوں نے آرکٹک کا سفر شروع کیا اور ایک زبردست برفانی مہم سر کرنے کے بعد ۱۰؍اپریل ۱۹۸۲ء کو وہ قطبِ شمالی پر پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔ وہ آگے ہی آگے سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ زمین کے گِرد ایک پورا چکّر مکمّل کرنے کے بعد ۲۹؍اگست ۱۹۸۲ء کو وہ ایک بار پھر گرین وِچ پہنچ گئے جہاں سے اُنھوں نے سفر شروع کیا تھا۔ اس طرح وہ تاریخ میں پہلے انسان ہیں جنھوں نے ایک مسلسل سفر میں زمین کے دونوں کناروں کو جا چُھوا۔

یہ تمام مہمّیں عزم و ہمّت اور جدّوجہد کی طویل داستانیں ہیں جن کا ہم نے نہایت مختصر طور پر ذِکر کیا ہے۔ آخر میں ہم آپ کو ایک اور دِل چسپ بات بتاتے چلتے ہیں۔ اگر آپ کسی جگہ کھڑے ہوں تو آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ مشرق کی سمت کون سی ہے اور مغرب کی سمت کون سی، شمال کس طرف ہے اور جنوب کدھر ہے، لیکن اگر آپ قطبِ شمالی پر پہنچ جائیں تو آپ کے چاروں طرف صِرف اور صِرف جنوب کی سمت ہوگی! اسی طرح جب آپ قطبِ جنوبی پر کھڑے ہوں تو آپ کے چاروں طرف صِرف شمال کی سمت ہوگی! سوچیے اور لطف اٹھائیے۔

س : کیا واقعی چھپکلی کے اندر کوئی زہریلا مادّہ ہوتا ہے؟ اور یہ کہ وہ کس طرح اُس زہریلے مادّے کو خارج کرتی ہے؟ محمد سجّاد اصغر، شاہدرہ

ج : چھپکلی کی خوراک وہ چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں، جو رات کو ہمارے گھروں میں عام طور پر نظر آتے ہیں۔ اُس کے مُنھ کے لعاب میں یقیناً کوئی ایسا مادّہ ہوتا ہے جس سے یہ کیڑے جلد ہلاک ہوجاتے ہیں، لیکن کوئی زہریلا نہ زہریلا مادّہ ایسا نہیں ہوتا جس کی وہ اپنے شکار پر کلّی کردے جیسا کہ بعض دوسرے جان دار کرتے ہیں۔ دیکھنے میں تو چھپکلی کے اندر زرد رنگ کا مادّہ جیسا بھرا نظر آتا ہے لیکن وہ ذرا سی آہٹ سے دُور بھاگ جاتی ہے اور اُس سے انسان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

س : راکٹ کس اصول پر کام کرتا ہے؟ مہربانی کرکے وضاحت فرمائیں۔ شمائلہ ناز ملک

ج : راکٹ عمل اور ردِّ عمل کی برابری کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جب ہم بندوق چلاتے ہیں تو ہمیں اپنے شانے پر دھکا محسوس ہوتا ہے، یعنی گولی زور سے آگے جاتی ہے اور بندوق اس کے ردِّ عمل کے طور پر پیچھے کی طرف حرکت کرتی ہے۔ ہم بندوق چلاتے وقت اُس کے دستے کو زور سے اپنے کندھے سے لگا لیتے ہیں، تاکہ اس کا دھکا کم محسوس ہو۔ راکٹ میں نہایت قوی ایندھن استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ نیچے کی طرف زور لگاتا ہے تو ردِّ عمل کے طور پر پورا راکٹ اوپر کی جانب حرکت کرتا ہے، یہ ہے اس کا بنیادی اصول۔

س: حرارت پانے پر دھات کیوں پھیلتی ہے، حالانکہ اسی جگہ لکڑی اور چمڑا بھی موجود ہے۔ چمڑے کو پھیلنا چاہیے۔ لکڑی اور چمڑا حرارت پانے پر کیوں نہیں پھیلتے؟

محمد اعظم عظیم،

ج: تمام چیزوں میں ایٹموں اور سالموں کی ترتیب مختلف ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مادّے کی ایک شکل دوسری شکل سے مختلف ہے۔ دھاتوں میں سالمات کچھ آزاد ہوتے ہیں۔ جب ہم کسی دھات کو گرم کرتے ہیں تو اُس کے ایٹموں اور سالموں کی توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ تیزی سے حرکت کرنے لگتے ہیں۔ اُن کے اس طرح منتشر ہو جانے کی وجہ سے دھات قدرے پھیل جاتی ہے۔ لکڑی اور چمڑا حرارت کے اچھے موصل نہیں ہوتے۔ آپ جلتی ہوئی لکڑی یا جلتے ہوئے چمڑے کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ سکتے ہیں۔ آپ کا ہاتھ نہیں جلے گا۔ مختلف ترتیب کی وجہ سے لکڑی اور چمڑا حرارت سے جل تو جاتے ہیں، لیکن پھیلتے نہیں۔

س: ہم جب گیند کو زمین پر پھینکتے ہیں تو وہ دیر تک کیوں اُچھلتی ہے؟ زبیر احمد

ج: آپ نے گیند کو دبا کر دیکھا ہوگا کہ وہ زور لگانے سے دب تو جاتی ہے، لیکن جیسے ہی آپ اپنا انگوٹھا ہٹاتے ہیں، گیند پھر پہلی جیسی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جب آپ گیند کو زمین پر مارتے ہیں تو وہ عارضی طور پر دب جاتی ہے لیکن فوراً ہی اپنی اصلی شکل پر واپس آجاتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اُچھلتی ہے۔

س: زمین کتنی بڑی ہے؟ اکرم علی

ج: زمین نارنگی کی شکل کا ایک کُرہ ہے، یعنی وہ قطبین پر تھوڑی سی پچکی ہوئی ہے۔ اس کا قطر آٹھ ہزار میل کے قریب ہے لیکن قطبین کو ملانے والا قطر دوسرے قطر کے مقابلے میں تھوڑا کم ہے۔

س: اگر دن کا وقت ہو، موسم خراب ہو اور دھوپ نہ نکلی ہو تو کیا اُس وقت بھی پودے آکسیجن خارج کرتے ہیں؟

محمد محبوب الرحمٰن،

ج: دھوپ نہ نکلی ہو تو پودے آکسیجن خارج تو کرتے ہیں، لیکن آہستہ آہستہ یعنی یہ عمل سست پڑ جاتا ہے۔

س : دنیا کا سب سے طاقت ور اور امیر ترین ملک کون سا ہے ؟

نور محمد اعوان

ج : اِس وقت دنیا کے دو ملکوں کے درمیان طاقت اور وسائل کا مقابلہ ہے ۔ امریکا اور روس ۔ قدرتی وسائل کے لحاظ سے امریکا زیادہ امیر ہے اور شاید طاقت کے لحاظ سے بھی ۔

س : ٹیلے وِژن کس اصول پر کام کرتا ہے ؟

محمد اشرف قریشی ،

ج ٹیلے وِژن کا بنیادی اصول روشنی اور بجلی کا وہ باہمی تعلق ہے ، جو دونوں کے درمیان قدرتی طور پر پایا جاتا ہے ۔ ٹیلے وژن کیمرا تیز روشنی میں اسٹوڈیو میں جو تصویریں لیتا ہے وہ برقی ارتعاشات میں تبدیل ہو جاتی ہیں ۔ یہ ارتعاشات ٹرانسمٹر کے ذریعے سے نشر کیے جاتے ہیں ۔ ہمارے ٹیلے وِژن سیٹ کے ساتھ جو اینٹینا لگا ہوتا ہے وہ ان ارتعاشات کو موصول کرکے ٹیلے وِژن سیٹ میں داخل کر دیتا ہے ، جہاں برعکس انتظام ہوتا ہے ۔ سیٹ میں یہ ارتعاشات رنگ و نور کی اُسی ترتیب میں تبدیل ہو جاتے ہیں ، جو اسٹوڈیو میں ہے ۔ یعنی ہم وہی منظر ٹیلے وِژن کے پردے پر دیکھ لیتے ہیں ۔

س : تیل اور قدرتی گیس اتنی گہرائی سے کیسے نکالے جاتے ہیں ، پھر ان کی مقدار کے بارے میں کیسے اندازہ لگایا جاتا ہے ؟

محسن رجب علی

ج : تیل اور گیس زمین میں اُس وقت بنے ، جب انسان کا نام نشان بھی نہیں تھا ۔ یہ کروڑوں سال پہلے کی بات ہے ۔ زمین پر بے شمار انقلاب آئے اور تیل اور گیس گہرائی پر زمین کے اندر محفوظ ہو گئے اُن تک پہنچنے کے لیے سائنس داں گہرے کنویں کھودتے ہیں ۔ تیل ایک گاڑھے مائع کی شکل میں ملتا ہے ۔ اُسے صاف کرکے پیٹرول اور دوسری کیمیاوی اشیا حاصل کی جاتی ہیں ۔ اب ایسے آلات ایجاد کر لیے گئے ہیں ، جن کی مدد سے تیل اور گیس کی مقدار کا اندازہ بھی لگا لیا جاتا ہے ۔

س : وائرس اور بیکٹیریا میں کیا فرق ہے ؟ ان کے نقصانات بتایئے ۔

ج : بیکٹریا کے مقابلے میں وائرس بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ انھیں بعض امراض پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھیرایا جاتا ہے، مثلاً زکام ایک وائرس سے پھیلتا ہے۔ ابھی تک اسے زائل کرنے کی کوئی دوا تیار نہیں کی جاسکی۔

س : انسان کے بولنے میں زبان بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی طبی وجوہ کیا ہیں؟

احمر ایوب

ج : بولنے اور الفاظ ادا کرنے میں ہماری زبان اور لب دونوں کام کرتے ہیں۔ زبان مختلف الفاظ ادا کرتی ہے اور ہونٹ اسی کے مطابق کھلتے ہیں۔ اُن کے حرکت کرنے سے ہوا بھی مرتعش ہو جاتی ہے جو ہمارے ہونٹوں سے ملی رہتی ہے۔ ہوا میں زبان و لب کی جنبش کے مطابق لہریں پیدا ہو جاتی ہیں جو ہوا سے گزر کر کان تک پہنچتی ہیں۔ کان کا پردہ اُن کے مطابق حرکت کرتا ہے تو دماغ سمجھ لیتا ہے کہ ہم کیا سن رہے ہیں۔

س : جوہر ایٹم کس طرح وجود میں آیا؟ محمد جسیم احمد

ج : آپ کا سوال واضح نہیں ہے۔ جوہر اور ایٹم ایک ہی ہیں یعنی وہ بنیادی ذرّہ جس سے سارا مادّہ بنا ہے، جب زمین وجود میں آئی اور مادّہ اپنی مختلف شکلوں میں نمودار ہوا تو اُن میں بنیاد کے طور پر ایٹم وجود میں آیا۔ سب کچھ اسی سے مل کر بنا ہے۔

س : نوبل پرائز کیا ہوتا ہے؟ اب تک کتنے لوگ یہ انعام حاصل کر چکے ہیں۔ ایشیا کے کتنے لوگوں کو یہ انعامات ملے ہیں؟ کیا سویڈن کی حکومت کی جانب سے دیے جاتے ہیں؟

طارق وہاب

ج : ایلفریڈ نوبل ایک کیمیا داں تھا جس نے ڈائنامائٹ ایجاد کیا اور اپنی اس ایجاد سے بہت سی دولت کمائی۔ اس دولت کی آمدنی سے ہر سال طبیعیات، کیمیا، طب، ادب، امن وغیرہ پر ایک ایک انعام اس شخص کو ہر سال دیا جاتا ہے جو ان علوم میں کمال پیدا کرے اور جس کی محنت و ایجاد سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچے۔ یہ انعام ہر سال سویڈن کے بادشاہ تقسیم کرتے ہیں۔ پاکستان کے ممتاز سائنس داں پروفیسر عبدالسلام کو یہ انعام مل چکا ہے۔ باقی انعام یافتگان کی فہرست کسی انسائیکلوپیڈیا میں دیکھ سکتے ہیں۔

❋

دو فقیر گورنر

مولانا عبدالسلام قدوائی

آپ نے گورنروں اور حاکموں کے قصّے تو بہت سنے ہوں گے۔ آیئے آج آپ کو دو ایسے حاکموں کے قصّے سنائیں جو امیر تھے پر فقیروں کی طرح رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کیسی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ کھانے میں مزہ ڈھونڈتے تھے نہ پہننے میں بھڑک چمک کی تلاش تھی۔ نہ رہنے سہنے میں ٹھاٹ باٹ کی فکر تھی۔ روکھا سوکھا جو کچھ ملا کھا لیا۔ پھٹا پرانا جو پایا پہن لیا۔ جہاں جگہ ملی سو رہے۔ بس ہر وقت اللہ ہی کا دھیان اور اُسی کے کام کی لگن۔

حضرت عمرؓ کے مزاج کا اثر ان کے ماتحتوں پر بھی پڑا تھا۔ صوبوں کے گورنر ہوں یا فوجوں کے سردار، سب اسی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ کسی کو اپنے آرام کا خیال نہ تھا بلکہ سب کے دل کو یہ لگی تھی کہ کسی طرح اسلام کا بول بالا ہو، اور اللہ کے دین کا ڈنکا گھر گھر بجنے لگے۔

جب روم والوں سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک دن مسلمانوں کا رنگ ڈھنگ دیکھنے کے لیے رومی سردار نے ایک آدمی بھیجا کہ چھپ کر مسلمانوں کے لشکر میں جائے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے لوٹ آئے۔

یہ شخص بھیس بدل کر مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور گھوم پھر کر اچھی طرح ان کی حالت دیکھی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ یہاں بھی رومیوں کی طرح بڑے ٹھاٹ سے زندگی بسر ہوتی ہوگی اور فوج کے سردار دنیا کے مزے لُوٹ رہے ہوں گے، پر یہاں تو بڑے بڑے سردار نوکروں چاکروں سے بھی زیادہ معمولی زندگی گزار رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ سیدھا اپنی فوج میں واپس آیا اور سردار سے کہا کہ "ہُم باللیل رہبان بالنہار فرسان" وہ رات کو فقیر ہوتے ہیں اور دن کو شہسوار۔

ویسے تو یہ رنگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سبھی کا تھا اور اُن کے ماتحت اسی طرح

کے کام میں لگے رہتے تھے۔ کہ کسی کو اپنے تن من کا ہوش نہ رہتا تھا لیکن آج اُن کے وہ ایسے گورنروں کا حال سُنایا جاتا ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا قصہ تو سنا ہوگا یہ ایران کے گورنر تھے، مگر اِن کے پاس نہ کوئی اردلی تھا نہ خدمت گار، سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے حکومت کے کام سے چھٹی ملتی تو جنگل چلے جاتے لکڑیاں کاٹ کر ان کا گٹھا بناتے۔ اُسے سر پہ لاد کر گھر لاتے۔ راستے سے گزرتے اور بھیڑ ہوتی تو پکارتے جاتے "طرقوا للامیر طرقوا للامیر" (امیر کو راستہ دو، امیر کو راستہ دو)

ساری عمر اس طرح زندگی بسر کی۔ مرنے لگے تو وضو کا برتن، ایک لوٹا اور دوات یہی کل سامان تھا جو گھر میں نظر آتا تھا، لیکن پھر بھی آنکھ سے آنسو بہے جاتے تھے۔ ایک صحابی دیکھنے آئے۔ یہ حال دیکھ کر انھوں نے تسلی دی لیکن حضرت سلمانؓ کا غم دُور نہ ہوا کہ اتنا سامان جمع ہو گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے ایک اور گورنر حضرت سعد ابن عامر بھی اسی طبیعت کے تھے۔ وہ بھی امیر ہو کر فقیر کی زندگی بسر کرتے تھے تنخواہ ملتی تو ساری کی ساری غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیتے اور خود روکھی سوکھی کھا کر مہینے گزار دیتے۔

ایک بار اُن کے صوبے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے اور حضرت عمرؓ سے مل کر شکایت کی کہ آپ کے گورنر ویسے تو بہت نیک اور اچھے ہیں لیکن ان میں تین سخت عیب ہیں۔ ایک تو رات کو کیسی ہی آواز دی جاتے جواب نہیں دیتے، دوسرے دن چڑھے باہر نکلتے ہیں، تیسرے مہینے میں ایک آدھ بار دن بھر گھر کے اندر ہی رہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو دل سے تو یقین نہ آیا لیکن شکایت کا پتا چلانا ضروری تھا، اس لیے فوراً سعد بن عامر کو بلا بھیجا جب وہ خدمت میں حاضر ہوتے تو پوچھا یہ شکایت کیسی ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی نوکر چاکر تو ہے نہیں اپنا سب کام مجھی کو کرنا پڑتا ہے۔ صبح کھانے پکانے میں لگتا ہوں جب اس سے چھٹی ملتی ہے باہر نکلتا ہوں۔ کپڑوں کا بس ایک ہی جوڑا ہے جب میلا ہو جاتا ہے اُتار کر اپنے ہاتھ سے دھوتا ہوں جب سوکھ جاتا ہے پہن کر نکلتا ہوں اس میں سارا دن لگ جاتا ہے۔ رہا رات کو جواب نہ دینے کا سبب تو امیر المومنین میں نہیں چاہتا کہ کسی سے بیان کروں، لیکن اب آپ پوچھ ہی رہے ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ دن میں نے ان لوگوں کے

لیے رکھا ہے اور رات اللہ کے لیے۔ حکومت کے دھندوں سے مجھے چھٹی ملتی ہے تو اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہوں اور ساری رات اسی کی یاد میں گزار دیتا ہوں۔ ایسے میں بھلا لوگوں کی آوازیں کہاں سن سکتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے یہ سارا واقعہ سُن کر کہا، "بتاؤ اب کیا کہتے ہو" لوگ بھلا کیا کہہ سکتے تھے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

عالِم کی عُمر ـــــ سات ہزار سال

کسی نے ایک بڑے تاریخ داں سے پوچھا، "آپ کی عمر کتنی ہو گی؟"
تاریخ داں نے کہا، "یہی کوئی سات آٹھ ہزار سال کی"۔
اُس نے کہا، "صورت سے تو آپ چالیس برس کے معلوم ہوتے ہیں"۔
تاریخ داں نے جواب دیا:
"آپ کا خیال بالکل درست ہے کہ مجھے اس دُنیا میں آئے چالیس سال ہی گزرے ہیں لیکن علم نے میری عمر کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ آج سے سات آٹھ ہزار برس پہلے کی باتیں مجھے ایسی معلوم ہوتی ہے گویا میرے سامنے ہو رہی ہیں۔ وہ تمام بڑے بڑے شاہی دربار جنھیں معمولی آدمی دیکھ نہ سکتے تھے اور ایسی سخت لڑائیاں جن میں جاتے ہوئے بڑے بڑے بہادروں کے اوسان خطا ہوتے تھے، کتاب کے کھولتے ہی میرے سامنے آجاتی ہیں۔ زبانیں میرے روبرو بنتی اور بگڑتی ہیں اور پُرانی جگہیں نئے لوگ سنبھال لیتے ہیں۔ میں ہر زمانے کے مشہور آدمیوں کے ناموں اور اُن کے بھلے بُرے کاموں سے واقف ہوں۔ ہر مذہب کے عالموں اور مُلک مُلک کے بادشاہوں کو جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جہاں اب تم شہر بستے، باغ مہکتے، ریل گاڑیاں اور موٹریں چلتے دیکھ رہے ہو وہاں اس سے پہلے ایسے سُنسان جنگل تھے کہ آدمی قدم رکھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ملک، ریگستان، پہاڑ، دریا، بستیاں اور ویرانے میرے دیکھتے دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گئے۔ علم پڑھو گے تو ایسی ہی عمر پا لو گے"۔ (مرسلہ: محمد افراہیم شیخ)

ماہر امراض دماغی
ہلو، ہلو — ہلو — ہلو،
ہلو — ہاں بھئی بولو نا، تم تو گھنٹی بجائے
جا رہے ہو۔ میں بول تو رہا ہوں، کہو
کیا کہنا ہے؟
نالائقو! میں کان کے درد سے مرا جا رہا ہوں
اور تم سمجھ رہے ہو کہ میں کمنٹری سن رہا ہوں۔
چچا! ہمیں بھی بتا دیجیے کہ
ہندستان کا اسکور کیا ہے اور
ویسٹ انڈیز کتنے رن بنا کر آؤٹ
ہوئی ہے

کے لیے چھٹی لے کر جا چکا ہے۔"

تجمل الیاس

ایک آدمی پہلی مرتبہ ہوائی جہاز میں بیٹھا۔ ہوائی جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس نے برابر بیٹھے آدمی سے کہا: "جناب! دیکھیے یہ آدمی تو بالکل چیونٹیاں معلوم ہو رہے ہیں۔"

یہ سن کر وہ صاحب بولے: "صاحب آپ کس خیال میں ہیں؟ یہ واقعی چیونٹیاں ہیں کیوں کہ جہاز ابھی اُڑا نہیں ہے۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی ایک دفتر میں گیا اور منیجر سے پوچھنے لگا: "جناب میں اپنے پوتے، سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ دیر سے آئے ہیں۔ وہ تو کچھ دیر پہلے آپ کے جنازے میں شریک ہونے

تین ڈاکو ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک اچانک اٹھ کر ایک مسافر کے پاس گیا اور غصے سے بولا: "تمھارے پاس جو کچھ ہے، فوراً نکال دو۔"

"خدا کے لیے آہستہ بولو۔" مسافر نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا: "میرے پاس تو ٹکٹ بھی نہیں ہے۔"

حسن رضا

ایک شخص نے افسرِ اعلیٰ کو خط لکھا کہ ہمارے ادارے میں اٹھارہ کمیٹیاں ہیں۔ میرے خیال میں کچھ کمیٹیاں کم کر دی جائیں تو بہتر رہے گا۔ جوابی خط میں لکھا تھا: "تمھاری تجویز قابلِ غور ہے۔ اس پر غور کرنے کے لیے دو کمیٹیاں اور بنا دی گئی ہیں۔"

محمد ندیم

ایک صاحب کہیں تعزیت میں گئے۔ وہاں انھوں نے مرحوم کے بیٹے سے پوچھا کہ مرحوم کو کیا بیماری تھی؟

بیٹے نے جواب دیا۔ "بیماری کیا تھی، بڑھاپا بذاتِ خود ایک بیماری ہے۔"

اُن صاحب نے رنجیدہ ہونے کے انداز میں کہا: "ہاں بھئی یہ مرض بہت خطرناک ہے۔ ہمارے محلّے میں بھی دو تین بچّے اسی بیماری سے مر چکے ہیں۔"

ایس۔ ایم۔ اختر ———

ایک پائلٹ سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر جہاز اڑا رہا تھا کہ اس کا پٹرول ختم ہو گیا۔ اس نے وائرلس پر اپنے کنٹرولر سے کہا: "میں تین ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا ہوں۔ جہاز کا پٹرول ختم ہو چکا ہے۔ ہدایات دیجیے۔"

کنٹرولر نے کہا: "میرے ساتھ دہرایئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"

سیّد حسن محمود ———

ایک سیاح نے مقامی کسان سے پوچھا "کیسی گزر رہی ہے؟"

کسان بولا: "مزے سے۔ مجھے درخت کاٹنا تھے، طوفان آیا، سب گر پڑے۔ میں زحمت سے بچ گیا۔"

سیاح: "خوب۔"

کسان: "گھاس جلانا تھی، بجلی گری، سب جل گئی۔ مجھے تکلیف نہیں کرنا پڑی۔"

سیاح: "بہت خوب۔ اب کیا ارادے ہیں؟"

کسان: "بس اب زلزلے کا انتظار ہے کہ نیچے کی زمین اوپر ہو جائے تو میں آلو کھاڑنے سے بچ جاؤں۔"

(مقصود انور مہوابی)

صفیہ انجم قدوائی ———

ایک انگریز نے ہندستانی سے کہا۔ "تمھارے ملک کے لوگ کالے، بھورے، گورے اور سانولے ہر رنگ کے ہوتے ہیں جب کہ ہم انگریز ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔"

ہندستانی نے کہا: "گھوڑے ہر رنگ کے ہوتے ہیں جب کہ گدھے ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔"

لیاقت علی ———

ایک بہت ہی مشہور شاعر نے ایک مشاعرے میں اپنی تازہ غزل کا پہلا مصرعہ پیش کیا۔

"دل سی نایاب شے فدا کر دی"

سامعین میں سے کسی نے دوسرا مصرعہ پڑھ کر شعر مکمل کر دیا۔

"بے وقوفی کی انتہا کر دی"

خدیجہ حمید ———

خواجہ عبدالسیدین (مرحوم)

ڈاکٹر انصاری

آؤ، آج میں تمھیں ہندستان کے ایک بہت بڑے نیتا کا حال سناؤں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے ملک کی سچی خدمت کرو اور دنیا میں اس کا نام اونچا کرو تو تمھیں ان لیڈروں کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے جنھوں نے ملک کو آزاد کرنے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ ان لیڈروں میں سے ایک ڈاکٹر انصاری تھے۔ نام ان کا مختار احمد تھا لیکن تاریخ انھیں ڈاکٹر انصاری کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ان کا پیشہ ڈاکٹری تھا لیکن انھوں نے سیاست میں بھی اتنی ہی شہرت پائی جتنی ڈاکٹری میں کیوں کہ ایسی ہی لگن کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت کرتے تھے جس طرح اپنے بیماروں کا علاج کرتے تھے۔

یو۔پی کے شہر غازی پور میں ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کی تربیت ان اچھے اصولوں پر ہوئی جو اس زمانے میں شریف گھرانوں میں عام تھے۔ یعنی دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اچھا سلوک کرنا، بڑوں کی عزّت کرنا، چھوٹوں سے محبت کرنا، نوکروں کے ساتھ برابری اور مہربانی کے ساتھ پیش آنا، غریبوں کی مدد کرنا، محنت سے کام کرنا، سچ کا ساتھ دینا۔ یہ سب اصول ان کے زندگی کی دھن دولت تھے اور انھوں نے ساری عمر ان پر عمل کیا۔ بڑے ہو کر انھوں نے ڈاکٹری کی تعلیم پہلے ہندستان میں اور پھر ولایت جاکر حاصل کی اور سارے امتحان بہت اچھے نمبرے کر حاصل کیے۔ ان کے پاس ڈاکٹری میں ایم۔ ڈی۔ کی اور سرجری میں (چیر پھاڑ میں) ایم۔ ایس کی ڈگری تھی اور یہی سب سے اونچی ڈگریاں ہیں۔ لیکن ڈگریاں تو بہت سے لوگ لے لیتے ہیں اور وہ اتنا کٹھن کام

نہیں جتنا اچھا ڈاکٹر بننا کٹھن ہے۔ بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر کا اصل امتحان میڈیکل کالج میں نہیں بلکہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ اپنی تعلیم پوری کرکے کام شروع کرتا ہے اور اپنی پوری قابلیت اور محنت کے ساتھ دکھ اور بیماری کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ اس کام میں صبر اور ہمت اور پریم اور شانتی کی ضرورت ہوتی ہے، محنت کی ضرورت ہوتی ہے ایک اچھا ڈاکٹر دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتا بلکہ اپنے کو دکھیوں کی سیوا کے لیے وقف کر دیتا ہے ڈاکٹر انصاری کو خدا نے ایک اچھا دماغ اور ایک درد سے بھرا دل دیا تھا۔ ان سے کام لے کر انھوں نے ڈاکٹری اور سرجری دونوں میں بہت جلد بڑا نام پیدا کر لیا اور وہ ہندستان ہی میں نہیں بلکہ اس کے باہر بھی دور دور تک بہت مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں بعض ایسے کٹھن آپریشن کیے جو ہندستان میں کسی دوسرے ڈاکٹر نے نہیں کیے تھے ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ روپے کا لالچ نہ تھا۔ اپنے فن سے دلچسپی تھی، مریضوں سے دلچسپی تھی، ان کو اچھا کرنے میں دلچسپی تھی، روپیا بٹورنے میں دلچسپی نہ تھی اور سچ تو یہ ہے کہ جب کسی ڈاکٹر کے دل میں روپے کی چاٹ پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے علاج میں برکت نہیں رہتی۔ ان کا دل بڑا اور نظر سیر تھی اپنے معاونین کو حکم یہ تھا کہ کسی دوست سے، کسی عزیز سے اور کسی غریب آدمی سے فیس نہ لی جائے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ ہندستان میں غریب کتنے زیادہ ہیں اور پیسے والے کتنے کم اور ڈاکٹر صاحب ایسے آدمی کے عزیز اور دوست کس قدر ہوں گے۔

ایک کمال کی بات یہ تھی کہ وہ کسی ایسے آدمی سے بھی فیس نہ لیتے تھے جس کے متعلق خیال ہو کہ وہ کوئی برا یا قانون کے خلاف کام کرکے اپنی روزی کماتا ہے۔ یعنی وہ ایسے لوگوں کا علاج کرنے کو تیار تھے لیکن ان کے روپے سے اپنے ہاتھوں کو گندا کرنا نہ چاہتے تھے۔ میں نے ان میں ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ چاہے وہ کیسے ہی پریشان ہوں یا خفا ہوں یا طبیعت خراب ہو، جہاں اپنے مشورے کے کمرے میں داخل ہوئے اور بیمار کو دیکھا اور اس سے بات چیت شروع کی بالکل بدل جاتے تھے چہرے کی سلوٹیں دور ہو جاتیں، ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی کھیلنے لگتی، آنکھوں میں محبت اور ہمدردی کی چمک پیدا ہو جاتی اور وہ بیمار سے ایسی شانتی اور بھروسے اور پریم کے ساتھ بات کرتے، اس کا حال ایسے دھیان سے سنتے اس کی ایسی ڈھارس بندھاتے کہ اس کی آدھی بیماری تو ان

کی باتوں ہی سے جاتی رہتی! اچھا کرنا تو خدا کے ہاتھ کی بات ہے لیکن اگر ڈاکٹر کو سچ مچ مریض سے دلچسپی ہو اور وہ اس کا بھروسا حاصل کر سکے تو علاج میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر انصاری ایسے ہی ڈاکٹر تھے۔

پالیٹکس میں بھی انھوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ سب سے پہلے وہ پبلک کی نظر میں اب سے کوئی چالیس سال پہلے ایسے موقع پر آئے جب وہ ہندستان سے ایک میڈیکل مشن لے کر طرابلس گئے تھے تاکہ ترکوں کی مدد کریں۔ ترکوں کے ساتھ ہندستانیوں، خاص طور پر مسلمانوں کو بہت ہمدردی تھی۔ لیکن دوسرے لوگ صرف زبان سے یا چندہ دے کر اس کو ظاہر کرتے تھے لیکن انصاری جو اس وقت ایک جوان آدمی تھے بڑی بہادری سے یہ مشن لے کر گئے اور فوج کے زخمیوں کی بہت اچھی سیوا کی۔

واپسی پر انھوں نے ملک کے کاموں میں حصّہ لینا شروع کیا اور پہلی بڑی لڑائی کے بعد خلافت کی تحریک میں آگے آگے رہے۔ اس زمانے میں وہ مہاتما گاندھی سے ملے اور ان کے وچاروں کا ان پر گہرا اثر پڑا۔ دیس کی آزادی اور ہندو مسلم ایکتا وہ ہمیشہ سے چاہتے تھے۔ اب گاندھی جی نے انھیں ان مقصدوں کو حاصل کرنے کا ایک سیدھا راستہ دکھایا جس پر وہ ساری عمر چلتے رہے۔ انھوں نے چند اور مسلمان نیتاؤں، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں وغیرہ کے ساتھ مل کر خلافت اور کانگریس والوں میں ایک سنگٹھن قائم کیا۔ اور یہ انھیں کا اثر تھا کہ اس زمانے میں مسلمانوں نے دل کھول کر کانگریس کے کاموں میں حصّہ لیا۔ کانگریس نے بھی ان کی بہت قدر کی وہ اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ اور ایک سال کانگریس کے صدر چنے گئے تھے۔ اس کے سارے بڑے بڑے نیتا گاندھی جی موتی لال، داس، آزاد، جواہر لال نہرو سب ان کے گہرے دوست تھے اور دہلی میں ہمیشہ ان کے مکان دارالسلام میں ٹھہرتے تھے اور اکثر گاندھی جی کی شام کی پرارتھنا انھی کے لان میں ہوا کرتی تھی۔

جو آدمی سچ مچ اچھا اور کام کرنے والا ہوتا ہے وہ بہت سے کام کر جاتا ہے اور بیکاروں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اتنا وقت کہاں سے مل جاتا ہے۔ ڈاکٹر انصاری ایک مشہور اور معروف ڈاکٹر تھے۔ ملک کے چوٹی کے نیتا تھے، دلّی کے تمام پبلک کاموں میں حصّہ لیتے تھے۔ مشہور قومی یونی ورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے چانسلر تھے۔ دہلی کے طبیہ کالج کے بنانے والوں

میں سے تھے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ بہت بڑا تھا اور وہ دوستی کو نباہنا جانتے تھے۔ اسکولوں اور کالجوں کے لڑکوں کی مدد کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انھوں نے کئی ہونہار طالب علموں کو اپنے خرچ پر ولایت تک تعلیم دلائی مگر ضرورت والوں کی مدد اس شان سے کرتے تھے کہ سیدھے ہاتھ سے جو دیتے اُلٹے ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

مبارک ہیں ایسے لوگ جو اپنے جیون کو انسانوں کی سیوا میں بتائیں اور جیسا اپنی دنیا اور اپنے دیس کو پائیں اس سے بہتر چھوڑ کر جائیں۔ ایسے ہی سپوتوں سے وطن کا نام روشن ہوتا ہے ان سپوتوں کی صف میں ڈاکٹر انصاری کی جگہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ ●●

(یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سے ۱۵ نومبر ۱۹۴۹ء کو نشر ہوئی)

پیامی ادبی معمّا نمبر ۳۶ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: ۔(۱) تمام! سب سے بڑے انسان صفحہ ۲۴۔ (۲) قصہ! رسول پاک کے اخلاق صفحہ ۴۷۔ (۳) ناہید! پانچ جاسوس صفحہ ۳۳۔ (۴) ختم! اندھے کا بیٹا صفحہ ۲۳۔ (۵) گھر! رنگوں کی بستی صفحہ ۴۴ (۶) سردار! جیت کس کی صفحہ ۱۳۔ (۷) سات! پیام تعلیم مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۴۸۔ (۸) افلاطون! پیام تعلیم مارچ ۱۹۶۶ء۔ صفحہ ۳۴۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے دو خوش نصیب
فی کس ۵۰/- روپے تقسیم کیے گئے

(۱) ایس۔ ایس جاوید۔ معرفت: ۔ ہیڈ مدرس مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد۔ بہار۔ (۲) عترت خلیل ۹۵۔ این سکیٹر چار ڈی۔ آئی۔ زیڈ ایریا۔ باباکھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب
فی کس ۵/- روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) خلیق احمد کمرہ نمبر ۴۳۹ شاستری بھون نئی دہلی (۲) سید خلیل احمد ۹۵۔ این باباکھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی (۳) جی۔ ایف۔ زہراء (۴) کے۔ ایف۔ زہرا رفیع گنج اورنگ آباد بہار (۵) ابوبکر۔ ایم۔ سی۔ تری پینچی کیرلا۔ (۶) خالدہ سید۔ ڈونگری بمبئی (۷) حشمت اللہ۔ محمد آباد۔ اعظم گڑھ یوپی۔ (۸) ندیم احمد ناظم۔ گولی پورا طرؤتی مہاراشٹر۔ (۹) محمد اظہر الدین گارڈن ریچ روڈ کلکتہ۔ (۱۰) نور عائشہ۔ شاہ جہاں پور۔ یوپی)

سیما عروج صدیقی

ہمارا نیلام گھر

"اچھا سیما میں بازار جارہی ہوں دروازہ بند کرلو اور ہاں عامر کے بچے باجی کے ساتھ مل کر شرارتیں کیں تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" امی نے مجھے اور عامر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"باجی امّی تو گئیں کیوں نہ نیلام گھر کھیلیں" عامر نے چمکتی آنکھوں سے کہا۔

"نہیں نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کھیلنے کی امّی کہہ کر گئی ہیں کہ پڑھو۔ سمجھے" ہم نے عامر پر رعب ڈالتے ہوئے کہا۔ حالانکہ ہمارا ابھی دل کوئی ہنگامہ برپا کرنے کے لئے بلّیوں اچھل رہا تھا۔ لیکن ہم ابھی تک اپنے دل کو قابو میں کئے ہوئے تھے وہ اس لئے کہ ہمیں علم تھا کہ عامر ضرور ضد کر کے نیلام گھر کھیلنے کے لیے کہے گا۔ آخر کار ہم بھی مان جاتیں گے اور کیونکہ عامر کی ضد سے مجبور ہو کر نیلام گھر کھیلیں گے تو امی سے عامر ہی کو ڈانٹ کھانا پڑے گی اور ہماری چندیا صاف بچ جائے گی بالآخر وہی ہوا جس کی ہمیں امید تھی۔ عامر بدستور ضد کر رہا تھا۔ حالانکہ ہم نے عامر کو بتا دیا تھا کہ ہم کچھ نہیں جانتے اگر امی نے ڈانٹا تو میں تمہارا ہی نام لوں گی۔ پھر نہ کہنا کہ تم تو صاف بچ گئیں۔ ہم نے عامر کو آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن وہ تو جیسے ہر مصیبت کے لیے تیار تھا۔ فوراً بولا۔ ہاں باجی تم میرا ہی نام لینا لیکن اب کھیل بھی لو ورنہ امی آگئیں تو" اس نے کسمپرسی سے ہاتھ ملتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ ہم نے عامر کے ادھورے جملے کو سن کر مسکراتے ہوئے کہا "اچھا اچھا اب تم رسک لینا ہی چاہتے ہو تو جاؤ۔

فوج کو گھیر کر لاؤ۔ فوج سے ہماری مراد حاضرین سے تھی۔ جو کہ گلی میں کھیل رہے تھے۔ عامر تھوڑی ہی دیر میں بہت سے بچوں کو گلی سے لے آیا۔ ہم نے تمام بچوں کو صحن میں بنے ہوئے بڑے زینے کی سیڑھیوں پر قطار بٹھایا اور ان میں سے دو عدد لڑکیوں کو زہرہ اور قرۃ العین بنایا جو کہ ہماری یعنی (طارق عزیز) کی مدد کرتی ہیں

اب مسئلہ اسٹیج بنانے اور تحائف دینے کا تھا۔ چنانچہ ہم نے جلدی سے صحن کے کونے میں پڑی ہوئی چارپائی کو اٹھا کر کھڑا کیا اور اس پر چادر ڈال دی اب وہ ایک طرح کی دیوار بن گئی اس کے پیچھے گلوکار جو کہ پروگرام کے درمیان گانا سنانے کے لئے بلوانا تھا اسے بٹھایا یہ گلوکار عامر تھے۔ ساتھ ہی ایک مزاحیہ اداکار سے بھی ہمیں بچوں کو متعارف کروانا تھا چنانچہ ہم نے پڑوس کے احسن کو لطیفہ سنانے کے لیے منتخب کیا اور دونوں کو چارپائی کے پیچھے بٹھا دیا۔ ساتھ ہی چند برتن، ردّی کی ٹوکری، آرام کرسی اور دوسری چیزیں تحائف کے طور پر سجا دیں اب نیلام گھر کا سیٹ ہر طرح سے تیار تھا لیکن قریب ہی بہت سے وہ بچے کھڑے تھے جنہیں جگہ نہیں مل سکی تھی اور وہ زینے کے قریب کھڑے ہمارا منہ تک رہے تھے۔ ہم نے ان بچوں کو پہلے تو سوچا کہ کہاں بٹھائیں آخر مناسب جگہ نہ ملنے پر ان سب کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ آپ کے پاس گیٹ پاس نہیں ہے اس لیے آپ پروگرام میں شرکت نہیں کرسکتے اب ہم نے پروگرام شروع کیا۔" ہماری چارپائی کے پیچھے سے آنے سے پہلے عامر اور احسن نے زور زور سے توا اور چمٹا بجانا شروع کر دیا یہ میوزک تھا۔ ہم چارپائی کے پیچھے سے نمودار ہوئے ہمارے ارد گرد تحسین اور نسرین کھڑی تھیں۔ ہم نے گلا صاف کیا اور بولنا شروع کیا آپ کی آنکھوں اور آپ کے کانوں کو ہمارا سلام پہنچے۔ ابھی یہ کہنا ہی تھا کہ ایک زوردار کرنٹ ہماری کہنی میں دوڑ گیا۔ ہم نے جھنجھلاہٹ میں آنکھیں نکال کر نسرین کو ڈانٹا بھئی کیا ہے" اتنی زور سے کہنی کیوں ماری ہے۔ جواباً نسرین نے کہا نیلام گھر میں طارق عزیز صرف اپنا سلام ہی نہیں بلکہ زہرہ اور قرۃ العین کا بھی سلام کہتے ہیں۔ اوہ واقعی اچھا دوبارہ سے اور پھر ہم نے ٹھیک طریقے سے سلام کرنے کے بعد پروگرام کا آغاز کر دیا۔ اب ہم نے سوالوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک

بچے سے ہم نے کفگیر کو بطور مائک منہ کے قریب لے جاکر سوال پوچھا۔ آپ بتایئے کہ آپ کے منہ میں کتنے عدد دانت ہیں۔ بچے نے فوراً جواب دیا "ایک بھائی ہم نے آپ کے سالم دانتوں کی " تعداد پوچھی تھی ٹوٹے ہوئے کی نہیں۔" ہم نے یہ کہہ کر دوسرے بچے سے یہی سوال پوچھا۔ اتفاق سے انہوں نے جواب صحیح دیا اور ثبوت کے طور پر پوری بتیسی نکال کر بھی دکھادی۔ ہم نے زوردار نعرہ لگایا "جواب درست ہے" آپ کو یہ مٹکا مبارک لیکن کیونکہ اس میں پانی بھرا ہے اور وزنی ہے اس لئے پروگرام ختم ہونے تک آپ کی امانت ہے "اب ہم دوسرے بچے کے پاس پہنچے "ہاں جناب آپ سے پوچھ لوں" "جی" آپ بتایئے آپ کی عمر کیا ہے؟ پانچ سال۔ جواب درست ہے تالیاں۔ ہمارا آنگن تالیوں سے گونج اٹھا۔ بس بس بس بس اب بس بھی کرو اگلے سوال کے جواب پر آدھی بجانا۔ نسرین نے بچوں کو ڈانٹا۔ بچے سہم کر خاموش ہوگئے۔ اچھا اب آپ ہی سے دوسرا سوال ہے کہ آپ کس رنگ کی پتلون پہنے ہوتے ہیں؟ باجی میں پتلون نہیں نیکر پہنے ہوتے ہوں۔ پانچ سالہ ارشد نے ہمیں لاجواب کرتے ہوتے جواب دیا۔ تمام بچے ہماری غلطی پر ہمارا مذاق اڑا رہے تھے۔ ہم نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوتے ڈانٹ کر کہا اچھا بھئی اس کا رنگ بتادو" "نیلا" ارشد بولا جواب درست ہے آپ کو ردی کی ٹوکری مبارک۔ نسرین ذرا ان کی مدد کیجئے۔ نسرین نے روی کی ٹوکری وقتی طور پر بچے کے ہاتھ میں پکڑا کر اسے اس کی سیڑھی تک پہنچایا۔

اسی طرح کے سوالات کے بعد ہم نے بچوں سے خطاب کرنا شروع کیا۔ خواتین وحضرات اب سوال وجواب کی سوچ کو ہم موسیقی کی لہروں سے کم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہمارے ملک کے مشہور پاپ سنگر عامر تشریف لاتے ہیں۔ ٹن ٹن ٹن ترڑ، ترڑ، ترڑ، ٹنن ٹن چارپائی کے پیچھے سے میوزک کے ساتھ عامر برآمد ہوتے۔ پھر عامر نے اپنی بھونڈی آواز میں ایک بدصورت سا راگ الاپا جسے بچوں نے بہت پسند کیا۔ کیونکہ وہ ساتھ ساتھ ورزش بھی کر رہے تھے اور بچے سمجھے کہ بندر کا تماشہ ہو رہا ہے گانے کے اختتام پر بچوں نے بھرپور انداز میں تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد ہم نے عامر کے ہاتھ سے مائک (کفگیر)

چھینا بہت بہت شکریہ عامر صاحب آپ کے لیے مہکٹو کمپنی نے ایک خوبصورت چمٹا اور الٹا توا بھیجا ہے۔ یہ تحائف آپ کو ہمیشہ اس وقت اس پروگرام کی یاد دلاتے رہیں گے جب آپ ان خوبصورت چیزوں کو ہارمونیم اور گٹار کی جگہ بجائیں گے بہت بہت شکریہ عامر صاحب تشریف رکھیے۔ عامر نے بھی جواباً شکریہ کہا اور اگلی نشستوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ ہمارے پاس دوڑ کر آتے ،، باجی باجی امی بازار سے آتی ہوں گی اب پروگرام ختم کر دو۔ ورنہ امی نے یہ حالت دیکھ لی تو ہمارا قیمہ بنا دیں گی ،، ”کیا کہا قیمہ ،، عامر کے بچے نہیں چھوڑوں گی۔ ہم نے جھپٹ کر عامر کی گردن دبوچ لی۔ اور تمہارا تو کچھ مرنے گا ہی نہیں اور تم نے مجھے قیمہ کس خوشی میں کہا ہے۔ وہ، وہ، وہ تو میرے منہ سے نکل گیا پلیز معاف کر دو اچھی باجی عامر نے اپنی گردن چھڑاتے ہوئے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔ دراصل ہمیں غصہ اس لیے آگیا تھا کہ عامر نے ہمیں قیمہ کہا تھا جو کہ ہماری چڑ ہے۔ ابھی عامر اپنی غلطی کی تلافی ہی کر رہا تھا کہ دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔ باجی امی آگئیں! عامر نے دبی دبی آواز میں کہا۔ ارے رکو تو ہم نے عامر کا کالر پکڑ کر روکا اگر ہم نہ روکتے تو موصوف دروازہ کھول چکے ہوتے۔ دیکھو پہلے پوچھ لو کہ کون ہے اگر امی ہوں تو اس وقت تک نہ کھولنا جب تک میں یہ سب کچھ سیٹ نہ کر دوں۔ ہم بُری طرح گھبراتے ہوئے تھے۔ اس پر ستم یہ کہ ہمارا دل بھی پوری گواہی دے رہا تھا کہ امی ہیں۔ اس لیے ہم نے جلدی جلدی نسرین اور تحسین کی مدد سے چارپائی وغیرہ اس کی جگہ پر رکھی۔ لیکن ہمیں لگا کہ شاید ہم خواب دیکھ رہے ہیں کیونکہ تمام کے تمام تہذیب سے بیٹھے ہوئے بچے ہمارے صحن میں ناچ رہے تھے۔ کوئی مٹکا اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے تو کوئی قریب رکھا ہوا کولر۔ اس کے علاوہ وہ بچے جنہیں ہم نے تحائف بھی نہیں دیئے تھے وہ بھی اپنے وزن کی بساط کے مطابق چیزیں اٹھا اٹھا کر رفوچکر ہونے کے چکر میں تھے۔ اس کے علاوہ کئی بچے تو جو بھی ہاتھ لگا وہ اٹھا کر اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ ہم بچوں کے پیچھے بے وقوفوں کی طرح بھاگ رہے تھے۔ نسرین اور تحسین اپنا سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی کیا کر سکتی تھیں۔ ان بچوں کے سامنے جن سے شیطان بھی دور بھاگتا ہو۔ ارے

یہ مانگ اسے یہ کنگھیر کہاں لے کر جا رہے ہو۔ ہمارے منہ سے گھبراہٹ میں بے ربط جملے نکل رہے تھے۔ ہم نے ایک بچے کے ہاتھ سے کنگھیر چھینی دوسرے ہی لمے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ ہمارا کان کوئی اوپر کی طرف کھینچ رہا ہے۔ ہم نے گھبرا کر کان پر ہاتھ لگایا تو کسی اور کا ہاتھ پہلے سے وہاں موجود پایا وہاں ہماری امی ہمارا کان پکڑے ہمیں کھڑا کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔ دراصل امی مسلسل دروازے پر دستک دیتے جا رہی تھیں اور عامر نے گھبرا کر دروازہ کھول دیا اور امی صحن میں آکر تمام صورت حال سے آگاہ ہو گئی تھیں۔ پھر کیا تھا ہم نے سچ سچ امی کو بتا دیا کہ عامر نے کہا تھا کہ نیلام گھر کھیلو یہ سننا تھا کہ امی نے ہمیں تو پہلے خوب پیٹ بھر کر ڈانٹ پلائی اور عامر کی خوب پٹائی لگائی اس دن کا دن ہے کہ پھر کبھی نہ تو ہمارا دل نیلام گھر کھیلنے کو اُچھلا اور نہ ہی عامر نے ہم سے کبھی نیلام گھر کھیلنے کے لیے کہا۔ اب ہم دونوں نہ چاہتے ہوئے بھی صرف نیلام گھر (پروگرام) دیکھنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

غلام رازق فصیح

اُبٹنا اور اُبٹن کی سرگزشت

شادی بیاہ کے موقع پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ دُلھا دلھن کے اُبٹنا ملا جاتا ہے۔ شادی بیاہ میں اُبٹنے کے معاملے میں دلھا دلھن بیچارے مفت میں بدنام ہوتے ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر ہم جولیاں خود ہی اُبٹن کھیلنے لگتی ہیں یعنی دل لگی میں ایک دوسرے کے منہ پر یا بدن پر اُبٹنا لگا دیتی اور کبھی کبھی تو ہولی کا ساسماں بندھ جاتا ہے۔

جس طرح اُبٹن کھیلنے کی رسم خالص ہندستانی تہذیب کا مظہر ہے اسی طرح لفظ اُبٹنا بھی خالص ہندستانی ہے۔ اُبٹن یا "اُبٹنا" لفظ ہمارے یہاں اردو میں سنسکرت اور ہندی سے در آیا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ سنسکرت میں تو ایسا کوئی لفظ سرے سے ہے ہی نہیں — ذرا ٹھہریے آپ جانتے ہیں کہ سماجی کردار کے ساتھ زبان کا کردار اور الفاظ کا روپ بدلتا رہتا ہے۔ دنیا کے تمام زبانوں کا آپس میں لین دین ہوتا رہا ہے۔ کوئی زبان الہامی نہیں ہے۔ اب دیکھیے "اُبٹنا" جسم پر ملا جاتا ہے۔ جسم کی مالش کے لیے سنسکرت میں ایک لفظ ہے (اُدْوَرْتن) उद्वर्तन جو دراصل اُد उद् اور تن तन سے مشتق ہے۔ (اُد) ایک سنسکرت سابقہ ہے جو تت سم شبدوں کے ساتھ اَوپر، اونچا وغیرہ کے معنیٰ دیتا ہے۔ اس طرح جسم کو نیچے سے اوپر کی جانب اُلٹا ملنا یہی دراصل اُدْوَرْتن उद्वर्तन کے لفظی معنیٰ ہیں سنسکرت کے لغات میں اس کے دو معنیٰ دیے گئے ہیں۔ (۱) جسمانی صفائی کا عمل (۲) جسمانی مالش کا عمل۔

ہندستان میں پراکرتوں کا رواج عام ہوا تب سنسکرت کے اصل لغات یعنی تتسم شبدوں نے بھی اپنا چولا بدلا اور عوام کی خراد پر چڑھنے کے

پتہ: اے/۱۲، سرآدم جی پیمن فلیٹس، پانی کی ٹنکی کے سامنے دانی لیمڑا، احمد آباد — ۳۸۰۰۲۸

بعد ان کی جو تبدیل شدہ صورتیں ہمارے سامنے آئیں وہی تدبھو شبد ہیں۔ اس
عمل سے یہ لفظ ادورتن उद्वर्तन بھی گزرا۔ اور اس نے پراکرت میں اُوَٹن
उव्वट्टण کا روپ دھارن کیا۔ اب اس لفظ میں نہ صرف یہ کہ صوری تبدیلی
آئی بلکہ کچھ معنوی تبدیلی بھی آئی۔ جہاں سنسکرت میں یہ لفظ جسمانی صفائی اور
جسمانی مالش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہاں پراکرت میں نہ صرف یہ کہ صفائی کی
غرض سے کی جانے والی مالش تک محدود ہوگیا بلکہ پراکرتوں نے جب اپ
بھرنشوں کو جنم دیا تب اس لفظ نے بھی اپنا روپ بدلا اور یہ उव्वट्टण
اُوَٹن سے اُبٹن ہوگیا اور ایک بار پھر اس میں معمولی سی معنوی تبدیلی ہوئی اور
اب یہ جسمانی مالش کے عمل کے بجائے "شئے" کے لیے استعمال ہونے لگا یعنی جس
چیز سے جسمانی مالش کی جاتی ہے۔ اس طرح ادورتن سے اُوَٹن اور اُوَٹن اور
اُوَٹن سے اُبٹن ظہور میں آیا۔ جس کی مختلف شکلیں آج بھی ہندستان کی مختلف
زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً گجراتی میں اُ ـــ وَٹ ۔ ݨ उवटण
پوربی میں ابٹن اور پنجابی میں وٹنا مستعمل ہیں۔ چونکہ ہمارے یہاں اردو میں
مخلوط النون ڑ کی آواز نہیں ہے۔ لہذا اردو میں یہ لفظ ن سے رائج ہوگیا۔

اس لفظ کی اصل و نسل سے تو آپ واقف ہو چکے۔ اب آیئے اس
کے موجودہ معنیٰ دیکھ لیں۔ سید احمد دہلوی مولف "فرہنگ آصفیہ" نے اپنی فرہنگ
میں ابٹنا کا اندراج اس طرح کیا ہے۔

اُبٹنا ۔ ہ ۔ اسم مذکر (پوربی) اُبٹن۔ (پنجابی) وٹنا
(جَو اور ہلدی بھاڑ میں بھنوا کر گرم گرم چھیل چھبیلا، ناگرموتھا،
بال چھڑ وغیرہ خوشبو کی چیزیں دبا کر رکھ دیتے ہیں۔ اور
پھر تھوڑی دیر بعد سب کو چکی میں پیس لیتے ہیں۔
ملتے وقت خوشبو کا تیل اور پانی ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ اس سے جسم
خوشبودار اور ملائم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ رنگترے کے چھلکوں کا بھی بناتے ہیں

اُبٹن بیاہ شادی میں اکثر دُلھا دُلھن کے ملا جاتا ہے اور امیر لوگ یوں بھی بنا رکھتے ہیں)

اُبٹنا کھیلنا۔ ہ فعل متعدی۔ جس طرح ہندوؤں میں ہولی کھیلتے ہیں اسی طرح مسلمانوں میں جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو مائیوں بیٹھنے کے دن سے ساچق تک قریب کے رشتہ دار ایک دوسرے کے اُبٹنا ملتے ہیں۔"

(از فرہنگ آصفیہ جلد اوّل صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ ۱۹۷۴ء (ترقی اردو بورڈ)

اردو میں یہ لفظ تین صورتوں میں مستعمل ہے۔ اسم اور فعل دونوں حالتوں میں بھی۔ معنی (غازہ، گلگونہ)۔ اصل لفظ تو "اُبٹن" ہے۔ لکھنؤ میں "اُبٹنا" اور دہلی میں "اُبٹنا" کہتے ہیں۔ اُبٹن کھیلنا اور اُبٹنا کھیلنا دونوں درست ہیں " اُبٹن" کا صحیح تلفظ (بضم اوّل و فتح دوم وسکون سوم) ہے۔

ہمارے یہاں گجرات میں آٹا، صندل اور ہلدی کو پیس کر اس میں ملائی (بالائی) ملا کر ابٹنا بنایا جاتا ہے۔ اور شادی سے چند روز قبل سات سہاگنیں مل کر دُلھا یا دُلھن کے سر پر اپنے دوپٹے کا سرا ڈال کر گیت گاتی ہیں بعد ازاں دُلھا یا دُلھن کے ہاتھ، پیر اور چہرے پر اُبٹنا ملا جاتا ہے۔ بعض خاندانوں میں پان کے پتّے سے یہی اُبٹنا دُلھا یا دُلھن کی پیٹھ پر بھی ملا جاتا ہے۔ اس لیے اہل گجرات اُبٹن کو " پیٹھی" اور اُبٹن کی اسم کو پیٹھی کی اسم کہتے ہیں۔ اسی پیٹھی کی رسم کے بعد دُلھا دُلھن کے گھر والے آپس میں ہولی کھیلتے ہیں جسے ہمارے یہاں "رنگ جھولی" کہا جاتا ہے۔

عامر نعمانی

حیاتِ مقدس

سال بہ سال

۱۔ نام حضرت محمد صلی اللہ وسلم۔
۲۔ والدین والد حضرت عبداللہ، والدہ حضرت بی بی آمنہ۔
۳۔ والد کا انتقال قبل از پیدائش۔
۴۔ پیدائش ۲۰ اپریل ۵۷۱ء۔
۵۔ ۱ تا ۵ سال حلیمہ سعدیہ کی آغوشِ رضاعت میں بسر کیے۔
۶۔ چھٹے سال والدہ ماجدہ کا انتقال۔
۷۔ ۸ویں سال دادا عبدالمطلب کا انتقال۔
۸۔ ۱۲ویں سال شام کی جانب پہلا تجارتی سفر۔
۹۔ ۲۵ویں سال عقدِ مبارک حضرت خدیجہؓ سے۔
۱۰۔ ۴۰ویں سال نزولِ وحی۔
۱۱۔ ۴۵ویں سال صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت۔
۱۲۔ ۴۷ویں سال شعب ابی طالب کا واقعہ۔
۱۳۔ ۵۰ویں سال چچا ابوطالب کا انتقال۔
حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال۔
حضرت عائشہ سے نکاح۔
۱۴۔ ۵۴ویں سال ہجرتِ مدینہ۔
۱۵۔ ۵۵ویں سال جنگِ بدر
۱۶۔ ۵۶ویں سال جنگِ احد
۱۷۔ ۵۸ویں سال جنگِ خندق
۱۸۔ ۵۹ویں سال صلح حدیبیہ
۱۹۔ ۶۰ویں سال فتح خیبر
۲۰۔ ۶۱ویں سال فتح مکہ
۲۱۔ ۶۲ویں سال مسلمانوں کا پہلا حج
۲۲۔ ۶۳ویں سال حجۃ الوداع خطبہ الوداع

حضورؐ کے اشیاء

حضورؐ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا
حضورؐ کے نیزے کا نام "مثوی" تھا
حضورؐ کی دو تلواروں کے نام "مخدوم" اور "ذوالفقار" تھے
حضورؐ کی کمان کا نام "کتوم" تھا
حضورؐ کی ٹوپی کا نام "سیوع" تھا
حضورؐ کی چھڑی کا نام "متواق" تھا۔
حضورؐ کے دو پیالوں کا نام "عیر" اور "ایان" تھے
حضورؐ کے دو گھوڑوں کا نام "نجر" اور "سحیل" تھے
حضورؐ کے خچر کا نام "دلدل" تھا
حضورؐ کی تین اونٹنیوں کے نام "قصویٰ" "عصبا" اور عبدھا تھے (محمد طارق غنواری کرک)

بچّوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۳/:	سرکارِ دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدین اولیاؒ	۲/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۳/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/:	اللہ کے خلیل	۳/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	۴/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۳/۵۰
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
" " دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۶/۵۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسول	۴/۵۰	مسلمان بیبیاں	۴/:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

یاد رکھنے کی باتیں

● سردار بننا چاہتے ہو تو حرکت و عمل جدوجہد کو اپنا معمول بناؤ۔ امام حسینؓ

● بے جا اعتقاد بربادی اور نکتہ چینی بدنصیبی ہے۔ امام جعفر صادقؒ

● اچھی کتابوں کا مطالعہ دل کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔
امام غزالیؒ

● دوسروں کی برائیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے اپنی برائیوں پر نظر ڈالو۔
امام رازیؒ

● مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت میں اضافہ کرتی ہے۔
امام جعفر صادقؒ

● سب سے اچھی زندگی اس شخص کی ہے جس کی زندگی میں دوسرے شریک ہوں اور بری ہے وہ زندگی جس کے ساتھ دوسرے بسر نہ کریں۔ امام حسینؓ

● زندگی بغیر محنت کے مصیبت اور بغیر عقل کے حیوانیت ہے۔ بطلیموس

● قیامت کے دن غریب ہمسایہ امیر ہمسایہ کا دامن گیر ہوگا۔ حدیث نبویؐ

● مومن جس قدر بوڑھا ہوتا ہے اس کا ایمان طاقت ور ہوتا ہے غوث الاعظمؒ

● شروع کرنا تیرا کام ہے تکمیل کرنا خدا کا۔
غوث الاعظمؒ

● آدمی کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے
حضرت علیؓ

● یہ انسان کا سماجی وجود ہی ہے جو اس کی فکر کا تعین کرتا ہے۔ ماؤزے تنگ

● عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔
بطلیموس

● بھیڑیا اس بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے باہر رہتی ہے۔ رسول اکرمؐ

● آزادی کی حفاظت نہ کرنے والا غلامی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔
حضرت علیؓ

● اپنے دماغ پر زور ڈالو تو تمھیں ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر سوجھ جائے گی۔
ماؤزے تنگ

● ہزاروں خطرات میں بھی گھر کر انسان کو اپنا کردار نہیں بدلنا چاہئے۔

● محبت کی عظمت یہ ہے کہ انسان خاموشی سے جل جائے اور زبان پر حرفِ شکایت نہ لائے۔
(جاوید چوہدری، الخبر سعودیہ عربیہ)

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
پھلتی کلیاں	۶/-
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ظالم ڈاکو	۶/-
عرب ملکوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ذاکر صاحب	۶/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جیرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا نامج	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۲/۵۰
سرخ جوتے	۲/۰۰
سلامہ وصمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
سن تے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۶/۵۰
ٹوٹے کھلونے	۱۴/۰۰
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسول	۴/۵۰
چار یار	۲/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۲/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی ہے؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو چھو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	

عشرت جہاں انصاری

انسانیت یا عداوت

اوئے چھوٹے! چل تیز دیکھ گاہک آرہے ہیں صاف ستھرے برتنوں میں دینا جو کچھ بھی دینا۔ اچھا استاد کہہ کر چھوٹا برتنوں کو صاف کرنے لگا۔ صاف ستھرے گاہک ان کے ہوٹل میں داخل ہوئے تو چھوٹے نے ان کو اسی طرح چیزیں پیش کرنی شروع کر دیں جیسے ہوٹل کے مالک نے اسے سمجھایا تھا۔ یہ اوسط درجے کا ایک ہوٹل تھا اور اسی کی مناسبت سے یہاں پر لوگ آرہے تھے ہوٹل کا مالک گاہکوں اور اپنے نوکروں کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آرہا تھا۔

جمال دور سے بیٹھا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا اور بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی ایسا لگتا تھا وہ کئی دن سے بھوکا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ کئی دن سے بھوکا تھا اور استاد کی نوکروں سے شفقت دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا کہ میں اگر اس کے پاس جاؤں تو شاید یہ مجھے کھانا کھلادے کیوں کہ اب تک وہ جتنے لوگوں کے پاس گیا تھا ان سب لوگوں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ بھوک کی شدت کے ساتھ ہی اسے اپنا ماضی یاد آنے لگا۔ وہ ہنسی خوشی اپنے ابو امی کے ساتھ رہتا تھا وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس لیے اس کے امی ابو اس کو بہت چاہتے تھے ان کا گھر جنت کا نمونہ تھا اور کسی چیز کی کمی نہیں تھی اور ایک دن ان کے ہنستے ہنستے گھر کو کسی کی نظر لگ گئی جب وہ آٹھویں میں پڑھتا تھا ایک دن اس کے امی ابو اور وہ خود پکنک منانے گئے۔ رات کو جب وہ لوگ واپس آرہے تھے تو اچانک ایک موڑ کاٹتے ہوئے ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں آنکھ کھلی تو وہ ہسپتال میں تھا اور اس کے چچا اور چچی اس کے سرہانے کھڑے تھے۔ "امی" اس نے درد سے کراہتے ہوئے آواز دی تو اس کی چچی نے کہا بیٹے امی دوسرے کمرے میں ہیں تم فکر نہ کرو لیکن بہت انتظار کرنے کے باوجود اس کی امی نہیں آئیں۔ یہاں تک کہ وہ ہسپتال سے ٹھیک ہو کر گھر آ گیا اور جب گھر میں بھی امی ابو نظر نہیں آئے تو اس کو اس کے چچا چچی نے بتایا کہ تمہارے امی ابو تو اسی دن حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے وہ یہ خبر سن کر بہت چیخا چلایا رویا لیکن اس

کے رونے دھونے سے اس کے امی ابو واپس نہیں آسکتے تھے اس کی چچی نے اسے تسلی دی پھر وہ ہنسنا ہنسانا بھول گیا اس کے چچا بھی اپنی فیملی سمیت اس کی کوٹھی میں آگئے تھے اور جمال نے محسوس کیا کہ اب ان کے رویے میں فرق آنا جا رہا ہے اور وہ جمال کو اپنے بچوں جتنی اہمیت نہیں دیتے۔ ایک دن تو حد ہوگئی جب جمال پڑھ رہا تھا اور اس کی چچی کا بیٹا ناصر کھیل رہا تھا جمال کی چچی اس کے کمرے میں آئیں اور بولیں۔ جمال تو یہ فہرست سنبھالو اور یہ فہرست لے کر آؤ۔ لیکن چچی جان میں پڑھ رہا ہوں۔ آپ ناصر کو یا کسی نوکر کو بھیج دیں۔ نوکروں کی میں نے چھٹی کر دی ہے اور ناصر کوئی نوکر نہیں جو سودا لے کر آئے تو پھر میں بھی نوکر نہیں ہوں دوسرے میں ابھی پڑھ رہا ہوں۔ جمال بھی گستاخی پر اتر آیا۔ تڑاخ! اس کی چچی نے ایک تھپڑ بیچارے جمال کے گال پر رسید کر دیا اور بولیں بدتمیز اپنی چچی سے زبان درازی کرتا ہے اسی وقت چچا کمرے میں داخل ہوئے اور چچی نے نمک مرچ لگاتے ہوئے چچا کو ساری روداد بیان کر دی چچا بھی جمال کو گھورتے ہوئے بولے۔ جاتا ہے سامان لینے یا درگت بناؤں تیری۔ ابھی جمال کچھ حیران اور کچھ پریشان یہ سوچ رہا تھا کہ کچھ دن پہلے اتنے پیار کرنے اور مجھ پر جان چھڑکنے

والے چچا اور چچی کا یہ کون سا روپ ہے اور پھر اس نے کھڑے کھڑے ایک فیصلہ کر لیا اور چچی سے شاپنگ بیگ اور پیسے لے کر باہر آگیا اور سوچنے لگا کیا پتا یہ لوگ کسی دن میری جان ہی لے لیں گھر سے بھاگنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہوگا۔ یہی سوچ کر جمال گھر سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پبلک پارکوں میں رات بسر کرتا لیکن وہ پیسے آخر کب تک چلتے۔

جمال نے سوچا اصل مصیبتیں تو آ پئیں گی اب آج جب وہ ایک فٹ پاتھ پر رات بسر کر کے اٹھا تو اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی اور اسے سخت بھوک لگ رہی تھی وہ اٹھا اور ایسے ہی بے مقصد چل پڑا صبح سے دوپہر ہوگئی لیکن اسے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر اس نے کچھ کھانے کو مانگا تو ان لوگوں نے یہ کہہ کر بھگا دیا کہ چلو چلو معاف کرو ہٹے کٹے ہو کچھ کام نہیں کر سکتے اور وہ اپنی بے بسی پر اس وقت رو دیا کہ لوگ اسے فقیر سمجھ رہے ہیں اس کی مجبوری کو کوئی نہیں سمجھ رہا اور وہ آگے بڑھ گیا دوپہر سے شام ہوگئی اور پھر رات ہوگئی وہ بھوکا سو گیا۔ دوسری صبح وہ اٹھا تو وہ نقاہت کی وجہ سے اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا اور اسے آج وہ اپنا گھر اور امی ابو بہت یاد آرہے تھے وہ رونے لگا۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ رونے سے کچھ حاصل

نہیں ہوگا بلکہ بہت کچھ محنت اور ہمت سے
حاصل ہوتا ہے اور دوبارہ ہمت کرکے اٹھا
اور اس نے خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا تو
میری مشکلوں کو آسان کردے۔ اب چلتے چلتے
وہ اسی ہوٹل کے سامنے آکر بیٹھ گیا تھا اب
دوپہر ہو رہی تھی اور اس کو بھوکا رہتے ہوئے
آج دوسرا دن تھا نقاہت کی وجہ سے اس پر
بے ہوشی طاری ہونے لگی اس نے ایک
درخت کا سہارا لینا چاہا تو اس کا اندازہ غلط
ہوگیا اور جب وہ گرا تو اس کا سر ایک نوکیلے
پتھر سے ٹکرا گیا اس کے بعد جب اس کی آنکھ
کھلی تو اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور
وہ ایک اجنبی گھر میں لیٹا ہوا تھا اس نے
اٹھنا چاہا تو کمزوری کی وجہ سے اٹھا نہیں گیا
تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ وہی استاد
جو ہوٹل میں بیٹھا تھا اس کے سامنے کھڑا
ہے۔ استاد نے پوچھا اس سے بیٹے کچھ کھانا ہو
تو منگواؤں یا دودھ پیوگے۔ اس نے کہا آپ
مجھے کھانا کھلا دیں تو مہربانی ہوگی میں دو
دن سے بھوکا ہوں۔ استاد نے فوراً جمال کے
لیے کھانا منگوایا۔ جمال کھانا کھا چکا استاد نے
پھر اس سے پوچھا تم کون ہو تمہارے والدین
کہاں ہیں؟ استاد کے سوالوں کے جواب میں
جمال نے اپنی کہانی تفصیلی طور پر استاد کو
سنادی استاد نے کہا کہ اب کیا ارادہ ہے
اگر گھر واپس جانا ہے تو میں تمھیں بھجوانے کا
انتظام کیے دیتا ہوں جمال نے فوراً کہا نہیں
میں گھر نہیں جانا چاہتا میں کوئی کام
کرنا چاہتا ہوں۔ استاد نے کہا ٹھیک ہے
آج سے تم میرے پاس رہو اور کسی قسم کی کوئی
تکلیف ہو تو مجھے بتانا یہ کہہ کر استاد جانے لگا
تو جمال نے اسے آواز دی میں اسکول میں
بھی پڑھنا چاہتا ہوں جمال بولا تو شوق سے
پڑھو استاد نے کہا اپنے اسکول کا خرچہ اٹھانے
کے لیے میں آپ کے ہوٹل میں کام کروں گا۔
جمال نے کہا دیکھو تمھاری پڑھائی کا خرچ
اٹھانے کے لیے میں تیار ہوں پھر تمھیں کیا
ضرورت ہے کام کرنے کی استاد نے اسے تسلی
دیتے ہوئے کہا کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتا۔
صبح اسکول جاؤں گا اور دن بھر آپ کے ہوٹل
میں کام کروں گا آپ بس مجھے رہنے کی جگہ
دے دیں۔ جمال بولا۔ استاد نے کہا کہ اگر
تمھاری خوشی اسی میں ہے تو مجھے منظور ہے
یہ کہہ کر استاد چلا گیا اب جمال پھر سے نئے
عزم اور حوصلے کے ساتھ پڑھائی میں لگ
گیا اور ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا یہاں تک
کہ وہ کالج میں پہنچ گیا اب استاد اسے منع
کرتا تھا کہ تمھاری پڑھائی زیادہ ضروری
ہے تم کام مت کیا کرو لیکن اس نے یہ کہہ کر
استاد کو خاموش کر دیا کہ اس میں میری خوشی

ہے اور پھر یہ کام میری پڑھائی میں حرج نہیں بنتا، جمال نے اپنی محنت سے وکالت پاس کر لی تھی۔

اور اب وہ وکیل تھا جمال کے پاس ایک قتل کا کیس آیا تھا اور جو شخص یہ کیس لایا تھا اس نے کہا تھا کہ جس لڑکے کے لیے یہ کیس لڑا جا رہا ہے تمھیں اس کو ہر صورت میں بچانا ہے اور مقدمہ جیتنا ہے جمال نے یہ مقدمہ جیت لیا اور اس لڑکے کو بچا لیا اس لڑکے نے جمال کا بہت شکریہ ادا کیا بعد میں اسی لڑکے کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ قتل کا اس پر جھوٹا الزام تھا اس نے جمال سے کہا کہ میں آپ کو اپنے امّی ابو سے ملوانا چاہتا ہوں۔ جمال بھی راضی ہو گیا۔ جمال بھی جب اس لڑکے کے گھر گیا اور ان کی امّی ابو کو دیکھا تو ایک نظر میں پہچان گیا وہ اس کے چچا چچی تھے۔ چچا نے بھی اسے پہچان لیا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گئے چچا اور چچی نے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ چچا نے کہا کہ بیٹا جمال اب ہم تمھارے سامنے ہیں تم ہمیں جو بھی چاہے سزا دو۔ ہم تمھارے مجرم ہیں بیٹا تمھارا چین و آرام چھین کر ہمیں بھی چین نصیب نہیں ہوا۔ جمال نے اپنے چچا اور چچی کو معاف کر دیا اور چچا نے جمال کو اپنے سینے سے لگا لیا ناصر بھی جمال سے مل کر بہت خوش ہوا۔ آج جمال نے اپنی منزل پالی تھی۔ معاف کر دینا ہی سب سے بڑی بہادری اور دانش مندی کا کام ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

نگار نذر

اکرم ایک آسودہ حال تاجر تھا دولت اس کے پاس بہت تھی جو اس نے دن رات محنت کر کے اکٹھے کی تھی۔ اس کو یہ عادت سی ہی ہو گئی تھی کہ ہر وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتا تھا۔ بس کسی اور چیز کا خیال تھا تو اپنی اکلوتی بیٹی زرینہ کا جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ صبح کو کام پر جانے سے پہلے زرینہ کو پیار کرتا اسکول لے جانے کے لیے اسے پیسے دیتا تقریباً ہر روز شام کو واپسی پر زرینہ کے لیے کبھی مٹھائی کبھی کھلونے کبھی ٹافیاں کچھ نہ کچھ ضرور لے آتا زرینہ بھی سونے سے پہلے اپنے ابو کو سلام کرتی اور شب بخیر کر کے سوتی۔ صبح اسکول جانے سے پہلے وہ ابو کے گلے میں بانہیں ڈال لیتی اور بوسہ دے کر پیار کا اظہار کرتی۔ زرینہ اپنے استادوں کی تربیت کی وجہ سے باقاعدگی سے نماز بھی پڑھتی اور اکثر اوقات قرآن شریف بھی پڑھتی لیکن اس کے برعکس اس کے ابو نے کبھی مصلے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ بس ایک ہی دھن تھی۔ کاروبار کرنا، پیسہ بنانا... زرینہ کو ایک دن یہ خیال آیا کہ ابو تو کبھی نماز ہی نہیں پڑھتے جمعہ کو بھی کام میں لگے رہتے ہیں۔

شام کو گھر آئے تو زرینہ نے کہا "ابو ایک بات پوچھوں" اکرم نے کہا "کیوں نہیں بیٹی ضرور پوچھو" زرینہ نے کہا "ابو ہم سب مسلمان ہیں" اکرم نے کہا "بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کیوں نہیں" زرینہ نے کہا "لیکن ابو میں نے تو کبھی آپ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور نماز تو ہمارے دین کا ستون ہے"۔

اکرم نے جواب دیا "کہ بیٹی بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن وجہ یہ ہے کہ میں اپنا کاروبار نہایت ایمان داری سے کرتا ہوں کسی کو ستاتا نہیں۔ ہر وقت دل میں اللہ کو یاد کرتا ہوں اللہ تو سب کچھ جانتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ میں اس کو یاد کرتا ہوں۔ نماز پڑھ کر یہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اللہ کو یاد کرتا ہوں" زرینہ نے اپنے ابو کو جواب تو نہیں دیا لیکن دل ہی دل میں اس نے ایک پلان بنایا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ یہ غلطی پہ ہیں۔

دوسرے دن صبح کو اس نے ابّو کو سلام کیا اور بعد میں اسکول چلی گئی۔ رات میں بھی وہ اکرم کو "شب بخیر" کہہ کر سونے کو چلی جاتی۔ کئی دن تک یوں ہی سلسلہ جاری رہا۔ اب اکرم کو کچھ خیال سا آیا۔ اس کو یہ محسوس ہوا کہ زرینہ اب اس سے محبت نہیں کرتی۔ رہا نہ گیا تو اس نے زرینہ سے کہا "بیٹی اب تم کو مجھ سے محبت نہیں رہی"؟ "رہے ابّو" زرینہ نے کہا۔

اکرم بولا "اگر ہے تو تم ظاہر نہیں کرتی پہلے تو تم اسکول جانے سے پہلے اور سوتے وقت پیار کیا کرتی تھیں لیکن کچھ عرصہ ہوا تم ایسا نہیں کرتیں۔

میں یہ کیسے جانوں کہ تم مجھے چاہتی ہو" زرینہ نے کہا "تو جب میں نے آپ سے نماز کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا میں اللہ سے پیار کرتا ہوں" اور وہ یہ جانتا ہے اور نماز پڑھ کر یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ میں اللہ سے پیار کرتا ہوں" میں بھی آپ کو پیار کرتی ہوں اور آپ یہ جانتے ہیں تو پھر عمل سے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے"

اکرم نے ندامت سے سر جھکا دیا۔ وہ اپنی بیٹی کی بات سے بہت متاثر ہوا۔ وہ یہ مان گیا کہ جب تک عمل نہ کیا جائے بات نہیں بنتی۔ اللہ بھی ہمارے خیالات کا اظہار عمل سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ ہم اسے بھول جائیں۔

ہم یہ کیسے ظاہر کریں کہ ہم اللہ سے پیار کرتے ہیں۔ ہم اس سے ہر روز باتیں کر سکتے ہیں۔ پانچ وقت نماز پڑھ کر عبادت کر کے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو جانیں اس سے محبت کریں اور اطاعت کریں ہم اس کے متعلق اور جان سکتے ہیں اگر ہم اپنے دین کی کتابیں پڑھیں۔ یا ان لوگوں سے ملیں جو دین کے عالم ہیں ہمیں اللہ سے قربت حاصل کرنی چاہیے اور یہ عبادت اور محبت سے ہو سکتی ہے اپنے دین کے اصولوں پر عمل کرنے اور ہر برائی سے دور رہ کر ہم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

بچو! نماز نہ پڑھ کر اکرم کی طرح خدا کو نہیں بھلانا۔

پیامی بچوں سے ...

اگر پیامِ تعلیم آپ کے اسکول کی لائبریری میں نہیں آتا تو پرنسپل صاحب سے درخواست کیجیے کہ وہ پیامِ تعلیم منگانے کی ہدایت فرمائیں۔ اپنے دوستوں کو بھی مجبور کیجیے کہ وہ پیامِ تعلیم کے خریدار بن کر اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

دلچسپ اور عجیب

• لیونارڈ سٹون اس وجہ سے مشہور تھا کہ اس کی آواز ۳ میل تک سنی جا سکتی تھی۔

• انگلستان کا بادشاہ جارج چہارم گلٹیوں کا مریض تھا وہ ان کو چھپانے کے لیے گلوبند استعمال کرتا تھا۔ پھر یہ لوگوں میں فیشن بن گیا۔

• نیپر کے ایک شخص جم وایچ کے پاس ایک ایسا انڈا تھا جو بالکل گول تھا۔ جب اسے توڑا گیا تو اس میں سے ایک اور انڈا نکلا۔

• جان ہمنڈرس فورڈ کے رہنے والے تھے یہ اسکول ماسٹر تھے۔ ان کے دس بیٹے اور دس بھائی بھی اسکول ماسٹر تھے۔

• دنیا کا سب سے اونچا درخت جو بہت پرانا بھی ہے کیلیفورنیا کے نیشنل پارک میں کھڑا ہے اس کی اونچائی ۲۷۲ فٹ اور گہرا ۱۰۱ فٹ ہے۔ اگر اس کو کاٹ کر اس سے دیاسلائیاں تیار کی جائیں تو دنیا کے ہر شخص کو ایک ڈبیہ مل جائے گی۔

حیرت انگیز پھل

ناشپاتی کا درخت سب سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۳۰۰ برس تک پھل دیتا ہے دنیا میں اس سے زیادہ عرصہ تک اور کوئی درخت پھل نہیں دیتا۔

پیشین گوئی کرنے والا پودا

بیلجیم میں ایک درخت ایسا پایا جاتا ہے جو بیرومیٹر کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کی کلیاں کھل کر اس بات کی پیشین گوئی کرتی ہیں کہ اب سے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر بارش ہوگی۔

کینچوا جو مر کر بھی نہیں مرتا

کینچوا اتنا عجیب کیڑا ہے کہ درمیان سے ٹوٹ یا کٹ جانے کے باوجود زندہ رہتا ہے کیونکہ اس جانور کا دماغ نہیں ہوتا جبکہ اس کا تمام جسم (نروس سسٹم) کے تابع ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے کٹے ہوئے حصہ جسم کی جگہ دوسرا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔

کپڑے دھونے والے پتّے

میکسکو میں ایک درخت ۳۰ فٹ اونچا پایا جاتا ہے اس درخت میں ۵۰ سال بعد پھول لگتے ہیں اس کے پتوں میں خاص بات یہ ہے کہ یہ صابن کا کام دیتے ہیں انھیں پانی میں ڈال دیں تو جھاگ پیدا ہو جاتا اور اس سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 38

150 روپے کے نقد انعامات

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۶ راپریل ۱۹۸۶ء

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — **دوسرا انعام:** ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اُسے ھی نمبروار لکھیے

1- کیا کیا ____ تھیں میری۔ تمنائیں / حسرتیں / امنگیں
2- اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ ____ ندی تک جائے گا۔ آہستہ آہستہ / دبے پاؤں / دوڑ کر
3- جیسے کسی ____ بخش فیصلے پر پہنچ گئی ہو۔ تسلی / سکون / اطمینان
4- اس عظیم الشان قافلے کی آمد پر سارے ____ میں ہل چل مچ گئی۔ محلّے / مکّے / مدینے / کوفے
5- اسی طرح ____ عبادات کا سلسلہ جاری رہتا۔ ساری رات / برابر / مسلسل
6- نہ جانے اب وہ ہمارے ساتھ کیسا ____ کریں گے۔ برتاو / سلوک
7- نشاط نے سوچا کہ اب چور ____ پکڑا جا سکے گا۔ مشکل سے / آسانی سے / کیسے
8- ابا ایبان (جو ____ کی جنگ کے زمانے میں وزیر خارجہ تھے) ۱۹۵۲ء / ۱۹۴۸ء / ۱۹۶۷ء

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۶۲ اور ۶۴ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی اَدبی مُعمّا:

(۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے، مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ٹوکن

پیامی ادبی معمّا نمبر 38 میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔

نام ....

پتا ....

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 38 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۳/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جبرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا نانک	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/-
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/—
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰

کتاب	قیمت
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/:
ہار کی تلاش	۶/-
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بوتے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/-
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۲/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
ردی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مددا نانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو جیپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵
اردو خوشخطی اول	۱/۵۰
اردو خوشخطی دوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی سوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی چہارم	۲/۵۰

کتاب	قیمت
ریڈیو بچہ	۲/۵۰
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ہمارے محاورے	۸/۵۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	۶/۰۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۴/۰۰
جلوۂ غالب	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک پکوڑی تیل میں	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/-
پہیلیاں	۰۰/۸۰
چھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اوّل۔ دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چیڑ ماں	۳/-
ہمارا دین اوّل	۷/-
تیار رہو	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں اوّل	۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postage

Regd. No. D(SE)-043 March, 1988

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No.10537/64

بچّوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔
یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی
ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
گاندھی باباکی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی
کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز
پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت: ۲/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن
صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے،
یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت ۱/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ مزیدار
کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت
بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ
بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۲/۰۰
کھیل سنسار سلوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ
گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت ۱/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
گگو، بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳/=
ترجمہ:
قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمٰن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی لیکن اب تو
اس جن کا قصّہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال
ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی
قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصّہ اوّل ۲/۵۰، حصّہ دوم ۲/۵۰
(سیفی بریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور
کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے
کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۲/۵۰
سرکس
ترجمان کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا
بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے اس کتاب میں
سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے
ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ
بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، نئی دلّی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۶ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اپریل ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۴

بچوں کی باتیں

یہ مہینا آپ کے لیے اہم بھی ہے اور مبارک بھی۔ اسی مہینے میں کچھ بیاحی سالانہ امتحانات کی تیاری میں مصروف ہوں گے اور کچھ امتحانات دینے میں۔ آپ سب کو چاہیے کہ دل لگا کر پڑھیں، عبادت کریں۔ رمضان کا مبارک مہینا ہے، روزے رکھیں، اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور سنے گا۔

اس شمارے میں اختر الواسع صاحب کا اہم مضمون رمضان المبارک، صائمہ خیری کی نظم "پیٹو کا گیت" اور اردو کے مخلص سپاہی اور ممتاز شاعر راجیندر بہادر موج کی نظم "ہولی" پڑھیے اور اپنی رائے سے مطلع کیجیے۔

"بچوں کی کوششیں نمبر" کا کام بڑے زور و شور سے جاری ہے جس رفتار سے مضامین آئے بلکہ اب تک برابر آتے جا رہے ہیں، ان تمام مضامین کو ایک ہی شمارے میں شائع کرنا شاید ہمارے لیے ممکن نہ ہو، اس لیے جون کا شمارہ بھی ایک طرح سے "بچوں کی کوششیں" نمبر کا دوسرا حصہ ہو گا۔

بچوں کی کوششیں نمبر ۱ اور ۲ میں اچھے مضامین، نظمیں، لطیفے اور معلوماتی مضامین پر انعامات بھی دیے جائیں گے۔ تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور دیگر مستقل کالم

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: =/30
غیر ممالک سے ۸۵ روپے
بذریعہ ہوائی جہاز: ۲۰۰ روپے

ایڈیٹر: شاھد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲

پرنٹر، پبلشر سید نسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

صائمہ خیری

کھانا لاؤ کھانا لاؤ
جلدی لاؤ جلدی لاؤ
کھانا لاؤ کھانا لاؤ

بھُرتا لاؤ بھاجی لاؤ
حلوا لاؤ پوری لاؤ
پھُلکا لاؤ پھلکی لاؤ
گرما گرم نہاری لاؤ
کھانا لاؤ کھانا لاؤ

گوبھی کی ترکاری کھاؤں
روٹی بھاری بھاری کھاؤں
چٹنی پیاری پیاری کھاؤں
اور ملائی ساری کھاؤں
کھانا لاؤ کھانا لاؤ

پہلے کھایا اب بھی کھاؤں
پیٹ بھرا ہو تب بھی کھاؤں
کھاتے کھاتے غش کھا جاؤں
پھر بھی لیکن مانگے جاؤں
کھانا لاؤ کھانا لاؤ

ڈی ۵۸ بلاک بی شمالی، ناظم آباد، کراچی (پاکستان)

اختر الواسع

رمضان المبارک اور عید الفطر
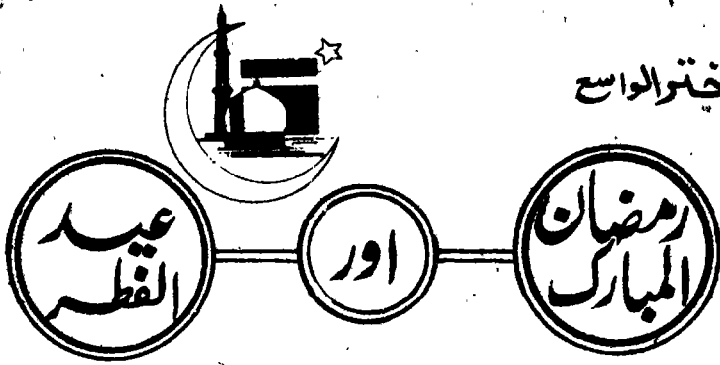
شعبان (شب برأت) کا مہینا ختم ہوتے ہی رمضان کا چاند نظر آیا۔ گھروں پر سحری کا اور مسجدوں میں تراویح کا اہتمام ہونے لگا۔ عشاء کی نماز کے بعد تراویح کا آغاز ہوا، رات کے تیسرے پہر سحری کھا کر روزہ کی نیت کرلی گئی اور اس کے بعد غروب آفتاب تک ہر چیز کا کھانا پینا بند ہوگیا۔ اپریل اور مئی کا مہینا، جسم کو جھلسا دینے والی لو، آگ برساتا ہوا سورج، پیاس کے مارے دم نکلا جارہا ہے۔ حلق میں جیسے کانٹے پڑ گئے ہیں۔ ادھر دن بھر کی بھاگ دوڑ اور محنت کرنے سے دوپہر ڈھلتے ڈھلتے بھوک بھی لگنے لگی، گھر اور باہر پانی، طرح طرح کے شربت اور کھانے کے سامان موجود ہیں۔ لیکن مُنہ لگانا تو کیا ہاتھ بھی نہیں لگا رہے ہیں۔ یہ سب کیوں اور کس لیے ہو رہا ہے۔؟ یہ سارا پرہیز اور احتیاط اُس مالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہے جو اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے اور اس کائنات کی ہر چیز اور خود انسان کو پیدا کرنے والا ہے۔ ہر وہ شخص جو زبان سے اس بات کا اقرار اور دل سے اس پر یقین کرنے کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں تو عاقل اور بالغ ہونے کی صورت میں اس پر رمضان المبارک میں پورے ایک مہینے کے روزے فرض ہیں۔ سوائے ایسی کسی حالت میں کہ صحت کی خرابی، سفر کی دشواری وغیرہ سے مجبور ہو۔ ایسی صورت میں بعد میں وہ روزے رکھے جاسکتے ہیں جو کہ چھوٹ گئے ہوں اور اگر صحت وغیرہ کی مجبوری برقرار رہے تو غریبوں کو اسلامی قانون (شریعت) کے مطابق کھانا بھی اس کے بدلے کھلایا جاسکتا ہے۔

اسلام کے نظامِ عبادت میں روزہ کوئی نئی چیز نہیں۔ دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں

۳۵ - [illegible] - [illegible] ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

کا تصور موجود رہا ہے۔ یہودیت، عیسائیت، ہندو، جین اور مجوسی مذاہب میں عام طور پر روزہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ روزہ یہودیوں کے ہاں غم کی نشانی بنا تو بعض مذاہب میں جسمانی اذیت کا ذریعہ۔ کچھ مذاہب میں کچھ خاص لوگوں یا طبقوں کے لیے مثلاً پارسیوں میں صرف ان کے مذہبی عالموں کے لیے روزہ فرض تھا تو قدیم یونانیوں کے یہاں صرف عورتوں کے لیے روزہ رکھنا لازم قرار دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی کم دلچسپی کی نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام، حضرت یحییٰ علیہ السّلام سب نے روزے رکھے اور اللہ نے خوش ہو کر انھیں اپنی خاص ہدایتوں سے نوازا۔ خود قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"مسلمانو! روزہ تم پر اسی طرح فرض ہوا، جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تاکہ تم تقوا حاصل کرو (پرہیزگار بنو)"

خود قرآنِ پاک بھی رمضان کے مہینے میں اُتارا گیا۔ اس مہینے کی اہمیت، برکت، اور روزہ کے فرض کیے جانے کا اعلان سنہ ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح فرمایا کہ:

"ماہ رمضان وہ مہینا ہے جس میں قرآن اُتارا گیا، جو انسانوں کی مکمّل ہدایت، ہدایت کی دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا بن کر آیا۔ تو جو اس رمضان کو پائے وہ اس مہینے بھر روزہ رکھے اور جو بیمار رہو، یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں میں رکھ لے، خدا آسانی چاہتا ہے سختی نہیں، تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو، اور (یہ روزہ اس لیے فرض ہوا) تاکہ تم خدا کے اس ہدایت دینے پر اس کی بڑائی کرو، اور تاکہ تم شکر بجا لاؤ۔"

رمضان کی اہمیت اور برکت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس مبارک مہینے میں قرآن پاک اُتارا گیا جو ہم سب کی زندگیوں کے لیے سب سے بڑا رہنما ہے۔ ہمیں سچ اور جھوٹ، اچھے اور بُرے، جائز اور ناجائز کا فرق سمجھاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی بالکل صحیح فرمایا ہے کہ اس ہدایت اور رہنمائی کے عطا کیے جانے پر ہم اس کی بڑائی، پاکی اور عنایت پر شکر گزار ہوں اور شکر بجا لانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم رمضان کے اس مبارک مہینے میں پورے روزے رکھیں۔ روزے رکھوانے سے خدا کا مقصد ہمیں خواہ مخواہ تکلیف

میں ڈالنا نہیں بلکہ یہ خود ہمارے لیے جسمانی، روحانی اور سماجی اعتبار سے بڑا مفید ہے۔
اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ روزہ جسمانی اعتبار سے کس طرح فائدہ مند ہے جب کہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر ہم کمزور ہی ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کم کھانے یا بالکل نہ کھانے سے انسان کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح اکثر زیادہ کھانے سے بھی انسان کو بہت سی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ اب تو حکیم اور ڈاکٹر بھی لوگوں کو کم کھانے یا اکثر فاقہ کشی بھی علاج کے طور پر تجویز کرتے ہیں۔ چونکہ یہ خود بہت سی بیماریوں کا سب سے اچھا اور مفت کا علاج ہے لیکن یہ خیال رہے کہ سورج نکلنے سے چھپنے تک تو روزہ رکھا لیکن افطار سے سحری تک ہر طرح کی بد پرہیزی اور بے احتیاطی کرنے سے کوئی فائدہ ملنے والا نہیں۔ اگر روزہ صحیح طور پر رکھا جائے تو دماغی سکون اور دل کی صفائی بھی میسر آتی ہے اور انسان میں صبر، ہمت اور استقلال بھی پیدا ہوتا ہے۔
روحانی طور سے روزہ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو بہت سے گناہوں سے بچاتا ہے۔ روزہ دار نیک باتوں اور کاموں کو اختیار کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے تو دوسری طرف روزہ دار اپنے کو ان بزرگ پیغمبروں کی پیروی کرتا ہوا پاتا ہے جن میں سے حضرت موسیٰ نے چالیس دن روزہ رکھا تو انھیں توراۃ کے احکام عطا ہوئے، حضرت عیسیٰؑ نے چالیس روز کا روزہ رکھا تو انھیں انجیل عطا کی گئی اور خود ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے تک غارِ حرا میں خدا کی عبادت میں مصروف رہے تو آپ پر قرآن شریف اُتارا گیا۔ اسی باعث یہ بات ہر شخص کے لیے ضروری ہوئی کہ وہ ایک سچے اور شریف انسان کی طرح اس عظیم احسان اور اعزاز کے لیے اللہ کا شکر ادا کرنے کے واسطے رمضان کے پورے روزے رکھے۔ پانچ وقت کی فرض نمازوں کے علاوہ تراویح بھی پڑھے۔ اعتکاف کرے۔
روزے رکھنے کا سماجی فائدہ یہ ہے کہ چونکہ ایک خاص مہینے میں تمام مسلمانوں کے لیے فرض کیا گیا۔ اس لیے سارے مسلمان چاہے وہ امیر ہوں یا غریب اس فرض کو ادا کرتے ہیں۔ اس سے مالدار اور کھانے پینے لوگوں کو یہ پتا چلتا ہے کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف کیسی سخت ہوتی ہے اور اس طرح روزے کے ذریعہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی تکلیف

کو سمجھ کر ان کی مدد کے لیے آگے آتے ہیں۔ اس لیے زکات رمضان کے مہینے میں نکالنا سب سے اچھا ہے اور خیرات کرنا مناسب اور بہتر ہے۔ اس طرح روزہ کے ذریعہ لوگوں میں رحم، ہمدردی اور غریبوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی رمضان کے مہینے میں آپ کے ایک صحابی اور چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بقول تیز ہواؤں سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔

ان باتوں سے پتا چلا کہ روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں، بلکہ اس سے صبر، شکر، رحم اور پرہیزگاری مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ آپؐ نے روزہ کو برائیوں سے بچنے کی ڈھال بھی قرار دیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ اس وقت تک برائیوں سے بچا سکتی ہے کہ جب تک تم جھوٹ اور غیبت سے اس میں سوراخ نہ کر دو۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو روزہ رکھے اس کو چاہیے کہ لغو اور فحش باتیں نہ کرے اور نہ جہالت (غصہ) کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو اور گالی بھی دے تو یہی کہے کہ میں روزہ سے ہوں اور جو اس طرح رمضان کے پورے روزے رکھے تو خدا کا یہ وعدہ ہے کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔"

۲۹ رمضان المبارک کو ماہِ شوال یعنی عید کا چاند دیکھنے کی سب کوشش کرتے ہیں اور ۲۹ تاریخ کے چاند کی بچوں کو خاص کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ۲۹ کو اگر چاند نہیں ہوا تو ۳۰ کا تو یقینی ہوتا ہے اور پھر چاند رات کیا خوشیوں کی بارات ہوتی ہے۔ نئے نئے کپڑے سل رہے ہیں، بازار میں سویوں، عطر، موزے، جوتے، رومال بنیان وغیرہ کی خریداری غرض پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کی کوشش اور اگر آنکھ لگ گئی تو صبح صبح اٹھ گئے اور نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے بدل، شیر وغیرہ کھا کر اللہ کی بڑائی، اس کی ذات کی یکتائی اور پاکی و بڑائی بیان کرتے ہوئے عیدالفطر کی نماز کے لیے چل دیے۔ کل تک سورج نکلنے سے چھپنے تک سب کچھ کھانا پینا حرام تھا اور آج عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ روزے پورے ہونے کی خوشی میں آج کے دن

(باقی صفحہ ...)

محمد عباس صدیقی
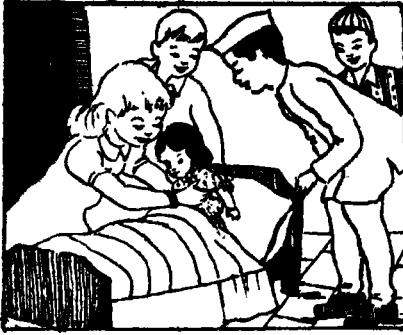
کردار

شہناز :۔ دس بارہ سال کی لڑکی جس کی گڑیا کا بیاہ ہو رہا ہے۔

نسیمہ
عارفہ
نفیسہ
انیسہ
} شہناز کی ہم عمر سہیلیاں

منظر

(ایک عام قسم کا کمرہ جہاں گڑیا کے بیاہ کا سامان کچھ تو ترتیب سے رکھا ہے اور کچھ ادھر اُدھر بکھرا پڑا ہے۔)

عارفہ :۔ (گھبرائی ہوئی سی آتی ہے) ارے کچھ سنا تم نے! انیسہ خبر لائی ہیں کہ دولھا کی برات آدھے راستے تک پہنچ چکی ہے۔ یہاں تو ابھی کچھ بھی تیار نہیں۔

شہناز :۔ ہائے اللہ اب کیا ہو گا! انیسہ تمنی ذرا تم ہاتھ بٹاؤ۔ سارا سامان بکھرا پڑا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے دادی جان آکر ساری چیزیں اُلٹ پلٹ کر گئیں۔

نسیمہ :۔ ارے گھبراتی کیوں ہو۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ جما دیتے ہیں۔ تم ذرا باہر کا انتظام سنبھالو۔

شہناز :۔ کیوں انیسہ بارات میں کتنے لوگ ہوں گے!

انیسہ:۔ خاصے لوگ ہیں مگر مجھے تو دو چار بوڑھے بھی نظر آئے۔
نفیسہ:۔ ہائے اللہ بوڑھے! بوڑھوں کا بھلا گڑیا کے بیاہ میں کیا کام ؟۔ ارے نہیں وہ کوئی راہ چلتے لوگ ہوں گے۔
نسیمہ:۔ کہیں شاہدہ کے دادا جان اور ان کے دوست احباب تو نہیں ؟
شہناز:۔ وہ بیچارے کیوں آنے لگے۔ ان سے تو ٹھیک سے چلا بھی نہیں جاتا۔
شہناز:۔ اچھا بھائی آتے ہیں تو آئیں۔ بٹھا دیں گے انھیں ایک کونے میں۔
ارے عارفہ تم کھڑی کیا کر رہی ہو۔ جاؤ چولھا سنبھالو۔ چائے جلدی سے تیار کرو۔ بسکٹ اور کیک کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔ کم بخت ندیدے بچے صبح سے بسکٹ اور کیک کی تاک میں بیٹھے ہیں۔
انیسہ:۔ ارے کچھ سنا تم نے! باجوں کی آواز آرہی ہے۔
شہناز:۔ (خوش ہوکر) ارے سچ باجوں ہی کی آواز تو ہے۔ بڑا مزا آئے گا۔
ارے ذرا اقبال میاں کو تو دوڑاؤ۔ دیکھیں کتنے لوگ آرہے ہیں۔
نفیسہ:۔ اونہہ تمھیں تو بس لوگوں کی فکر ہوگئی۔ ارے آگئے دس بیس لوگ زیادہ تو کیا قیامت آجائے گی۔
شہناز:۔ ایسی بات نہیں نفیسہ۔ کہیں چائے کم نہ پڑ جائے۔ بڑی مشکل سے دو ہی کلو شکر تو ملی ہے۔ زیادہ لوگ آگئے تو بڑی پریشانی ہو جائے گی۔
انیسہ:۔ ہائے اللہ تو کیا دو کلو شکر میں میٹھا پکوان بھی ہوگا اور چائے بھی بنے گی ؟
شہناز:۔ ارے میٹھے پکوان کے لیے الگ سے شکر رکھی ہے۔
عارفہ:۔ رکھی ہے! یعنی کہ میٹھا ابھی تیار ہی نہیں ہوا۔ ؟
نسیمہ:۔ میٹھا تیار ہے بابا۔ میں نے خود تیار کیا ہے۔
عارفہ:۔ ٹھیک ہے تو چلو میٹھا الگ الگ طشتریوں میں جما دیں۔
انیسہ:۔ (باہر سے آکر) ارے غضب ہوگیا۔ تم یہاں بیٹھی فضول بک بک کر رہی ہو اور ادھر باورچی خانے میں میٹھے کا صفایا ہو رہا ہے۔ سارے پیٹو بچے طشتریاں بھر بھر کر نکال رہے ہیں اور چٹ کر رہے ہیں۔
شہناز:۔ ہائے اللہ! یہ کیا مصیبت ہے۔ میں صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ یہ سارے

بچے باورچی خانے کے پاس ہی منڈلا رہے ہیں۔ ارے عارفہ تم ذرا ناہید باجی کو بلاؤ۔
عارفہ :۔ نا بابا نا ناہید باجی ڈانٹ دیں گی۔
شہناز :۔ اچھا انیسہ تم جاؤ۔ ان سے کہنا کہ سب بچے میٹھے کا ناس مار رہے ہیں۔ بس ذرا دیر کے لیے آجائیں۔ انھیں دیکھتے ہی سب بھاگ جائیں گے۔
نسیمہ :۔ اچھا شہناز تم نے قاضی کو بھی بلایا ؟
شہناز :۔ قاضی کو ہم تھوڑی بلاتے ہیں۔ دولھا والے خود ہی ساتھ لاتے ہیں۔
نفیسہ :۔ تو کیا سچ مچ کا قاضی آرہا ہے ؟
شہناز :۔ نہیں رے۔ وہ جو عارفہ کی چھوٹی منی کو پڑھانے کے لیے آتے ہیں۔ وہ آرہے ہیں۔
نسیمہ :۔ تو کیا وہ سچ مچ کا نکاح پڑھائیں گے ؟
شہناز :۔ پتا نہیں کیا کریں گے مگر شاہدہ نے انھیں بلا بھیجا ہے۔
عارفہ :۔ (ناہید دوڑتی ہوئی آتی ہے) ارے شہناز باجی آرہی ہیں۔ مگر ان کے ساتھ دادی جان بھی آرہی ہیں۔ انیسہ ذرا تم چلی جاؤ اور دادی جان سے کہو کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ وہ نماز کے لیے چلی جائیں تو پھر گھنٹہ بھر کی فرصت ہو جائے گی
عارفہ :۔ مگر برات تو ابھی تک نہیں پہنچی۔ باجوں کی آواز بھی نہیں آرہی ہے۔
شہناز :۔ ارے ہاں سچ باجوں کی آواز بھی نہیں آرہی ہے۔ ذرا اقبال میاں کو تو دوڑاؤ کہیں راستے میں کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوگئی۔
انیسہ :۔ گڑبڑ کیا ہوتی۔ میں خود دیکھ آئی ہوں۔ برات ادھر ہی آرہی تھی۔
نسیمہ :۔ ارے وہ کسی اور کی برات ہوگی۔ ہماری برات ہوتی تو اب تک پہنچ نہ جاتی !
نفیسہ :۔ (باہر سے آتی ہے) لو سنو۔ شاہدہ کے گڈے کی برات تو ابھی گھر سے نکلی ہی نہیں وہ کسی اور کی برات تھی ؟
شہناز :۔ وہ دیکھو اقبال آرہے ہیں۔ شاید کچھ خبر لائے ہیں۔
(اقبال آتے ہیں)
اقبال :۔ ایک خوش خبری لایا ہوں۔

شہناز :۔ خوش خبری! کیسی خوش خبری؟

اقبال :۔ شاہدہ کے گڈے کا انتقال ہوگیا۔ بے چارے شادی سے پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے۔

شہناز :۔ مذاق نہ کر میرے بھیّا۔ سچ سچ بتا کیا بات ہے۔

اقبال :۔ ارے ہاں میں سچ ہی تو کہہ رہا ہوں۔ شاہدہ کے بھیّا ایاز میاں ملے تھے۔ انھوں نے کہا۔ گڈے میاں ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور اعجاز میاں نیا گڈا لانے بازار گئے ہیں۔

شہناز :۔ (سر پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ سب سہیلیاں گھیر کر اُسے تسلی دیتی ہیں۔)

انیسہ :۔ پریشان نہ ہو شہناز، ذرا دیر ہو جائے گی مگر وہ لوگ آئیں گے ضرور۔

نسیمہ :۔ مگر شہناز کی امّی نے تو صرف مغرب تک کا وقت دیا ہے۔ وہ لوگ مغرب کے بعد آئے تو؟

نعیمہ :۔ وہ دیکھو شاہدہ کی چھوٹی بہن شاہینہ آ رہی ہیں۔ شاید کچھ پیام لائی ہیں۔

شاہینہ :۔ (سب کو سلام کرتی ہے)

شاہدہ باجی نے آپ سب کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ برات آج نہ آسکے گی۔

سب ایک ساتھ :۔ ہائے اللہ! اب کیا ہو گا؟

شہناز :۔ ہو گا کیا سب تباہ ہو جائے گا، میٹھا سارے بچّے چٹ کر جائیں گے۔ چائے ستیاناس ہو جائے گی۔ بسکٹ کیک جو ہے سب کھا ڈالیں گے۔

انیسہ :۔ مگر برات آج کیوں نہیں آئے گی۔

شاہینہ :۔ بات یہ ہے کہ فیروز میاں نے گڈے کے ہاتھ، پیر، سر، دھڑ سب کچھ توڑ تاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب اعجاز میاں دوسرا گڈا لانے بازار گئے ہیں۔ آج کے آج نیا گڈا دولھا کیسے بنایا جائے گا؟

شہناز :۔ بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت آگئی، اب ناہید باجی، امّی جان اور دادی جان کو کون سمجھائے گا۔ آج کی چھٹی اور پیسا تو غارت ہوگیا۔ خدا جانے اب کب موقع ملے گا۔

انیسہ :۔ اچھا چلو اب کل کا کل دیکھا جائے گا۔ سب مل کر میٹھا تو کھالیں۔

شہناز :۔ ناامید ہو کر چلو ورنہ میٹھا بھی صاف ہو جائے گا۔

(سب مل کر جاتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

تین سوال ایک جواب

یونس عاصی

ایک فلسفی نے اپنے تین سوال مشتہر کیے اور اعلان کیا کہ میرے ان تین سوالوں کا کوئی عالم جواب دے تو مان جاؤں گا۔ سوال یہ تھے:۔

[۱]۔ خدا کو جب کسی نے دیکھا نہیں تو پھر کلمہ میں اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ بغیر دیکھے گواہی کیوں؟

[۲]۔ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے پھر کسی گناہ پر بندہ مجرم کیوں ہو؟ جب کہ کرنے والا خدا ہے۔

[۳]۔ شیطان از روئے قرآن آگ سے بنا ہوا ہے اور خدا اُسے دوزخ میں ڈالے گا تو اس کا کیا بگڑ سکتا ہے۔ کیونکہ دوزخ میں اگر آگ ہے تو شیطان خود بھی آگ ہے۔ پھر آگ میں آگ ڈال دی جائے تو آگ کا کیا نقصان؟

ایک مجذوب بزرگ نے اُسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا وہ سوال ذرا مجھے بھی تو سناؤ ممکن میں جواب دے سکوں فلسفی نے اپنے [سوا]ل دہرائے۔

[بزر]گ فرمانے لگے میں جوں ان تینوں سوالوں کا جواب؟ اُس نے کہا دیجیے! آپ ہی دیجیے۔ انھوں نے ایک بہت بڑا مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر فلسفی کے سر پر دے مارا۔ فلسفی کا سر پھٹ گیا اور اس نے شور مچا دیا کہ اگر تمھیں میرے سوالوں کا جواب نہیں آتا تھا تو تم نے میرا سر کیوں پھوڑا۔ بزرگ فرمانے لگے میں نے تمھارے تینوں سوالوں کا ایک ہی جامع جواب دیا ہے۔ فلسفی عدالت میں گیا اور اس بزرگ پر دعوا کر دیا۔ بزرگ عدالت میں پیش ہوئے جج نے پوچھا: تم نے اُس کے سر پر ڈھیلا کیوں مارا؟ بزرگ نے فرمایا کہ اس کے تینوں سوالوں کا جواب دیا ہے۔ جج نے پوچھا: وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ اس کا پہلا سوال یہ تھا کہ خدا کو دیکھے بغیر اُس کی گواہی کیوں دی جاتی ہے؟ اب میں اِس سے پوچھتا ہوں کہ جو ڈھیلا میں نے مارا تو آپ کے سر پر کیا ہوا ہے؟ فلسفی بولا: سر پھٹ گیا ہے اور درد ہو رہا ہے۔ فرمایا جو درد ہو رہا ہے وہ تم نے دیکھا بھی ہے۔ بولا دیکھا تو نہیں محسوس تو ہو رہا ہے۔ فرمایا: خدا کو ہم نے دیکھا تو نہیں لیکن وہ اپنی قدرتوں سے معلوم تو ہو رہا ہے۔ بزرگ پھر بولے کہ تمھارا سوال یہ تھا کہ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ بندے کا کیا تعلق؟ پھر وہ کیوں پکڑا جائے گا تو جناب تمھیں ڈھیلا بھی تو خدا نے ہی مارا ہے میرا کیا قصور؟ فلسفی بولا دوسرا سوال بھی حل ہو گیا لیکن میرا تیسرا سوال ابھی باقی ہے۔ فرمایا: ہاں ہاں! اس کا جواب بھی ہو چکا۔ فرمایا جو ڈھیلا میں نے تمھیں مارا

ہے یہ کس چیز کا بنا ہے؟ بولا: یہ تو مٹی کا بنا ہے اور تم کس چیز کے بنے ہو؟ بولا۔ میں بھی مٹی کا بنا ہوں۔ فرمایا: بس جس طرح مٹی نے مٹی کو لہولہان کر دیا ہے۔ اسی طرح آگ بھی آگ کا بیڑا غرق کر دے گی۔

فلسفی نے کہا: خوب میرے تینوں مسئلے حل ہو گئے سر پھٹ گیا لیکن شک مٹ گیا۔ میں اپنا دعوا واپس لیتا ہوں۔

پرکاش کمار

کرومیم ایک اہم دھات ہے کرومیم انسولین کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے۔ انسولین خون سے شکر کی اضافی مقدار جدا کر کے اسے جسمانی بافت میں جمع کر دیتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اُس سے کام لیا جا سکے۔ انسانی جسم میں انسولین کا توازن ایک بڑے نازک مسئلہ کا باعث بن جاتا ہے۔ انسولین ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے تو شکر کو خون سے تیزی کے ساتھ خارج کر دیتی ہے یہ خطرناک صورت ہے۔ اگر شکر کی شرح معمول سے گر جاتی ہے تو سارا جسم اُس کمی کو پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے مختلف اعضا شکر کا جمع شدہ خزانہ خون کے حوالے کر دیتے ہیں اور خون میں شکر کی شرح میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر انسولین صحیح مقدار میں موجود ہوتی ہے تو وہ شکر کی اس اضافی مقدار کو صاف کر دیتی ہے۔ اِس کے برعکس اگر انسولین زیادہ مقدار میں خارج ہو رہی ہے تو پھر خون سے زیادہ شکر

خارج ہو جائے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کیرومیم کی کمی سے جسم شکر جلانے کے قابل نہیں رہتا اور انسان ذیابیطس میں مُبتلا ہو جاتا ہے جو جسمانی لحاظ سے نقصان دہ اور دماغی صلاحیتوں پر بُرے اثرات مرتب کرتا ہے اُسے "ہائپو گلیبگی" کہا جاتا ہے۔ کرومیم کی موجودگی میں انسولین صحیح طریقہ سے کام کرتی ہے۔

کرومیم کی کمی سے ذیابیطس پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانی جسم شکر سے مکمل طور پر استفادہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں اپنے پانی سے کرومیم کی ضروری مقدار حاصل ہونی چاہیے لیکن پانی ہر جگہ کا مختلف ہوتا ہے۔ کنویں کے پانی میں کرومیم وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ شہروں کے پانی میں کرومیم کی کمی ہوتی ہے۔ پانی میں کرومیم اُس مٹی سے آتا ہے جس سے گزر کر وہ ہم تک پہنچتا ہے۔

سالم قدرتی غذاؤں میں کرومیم کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ سفید آٹے کی بہ نسبت پورے گیہوں کے بغیر چھنے آٹے اور سفید شکر (چینی) کی بہ نسبت لال شکر (شکر) میں کرومیم کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ کلیجی میں خصوصاً گائے کی کلیجی میں کرومیم کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ زیادہ شکر کھانا کرومیم کی مقدار پر بُرے اثرات مرتب کرتے

مُلّا نصر الدین کے لطیفے

خورشید شیدائی

لطیفہ گوئی میں مُلّا نصر الدین چین اور ترکستان وغیرہ میں اسی طرح مشہور ہیں جس طرح اپنے دیس میں بیربل اور مُلّا دو پیازہ۔

ایک روز مُلّا نصر الدین نے دیکھا کہ چوک میں ایک توتے کا نیلام ہو رہا ہے۔ لوگ بڑھ چڑھ کر بولی لگا رہے ہیں۔ ہوتے ہوتے وہ توتا پانچسو روپے میں نیلام ہو گیا۔ مُلّا نے حیرت سے پوچھا ـــــ "اس میں ایسی کیا خوبی ہے جو اتنے مہنگے داموں بِکا" توتے کے مالک نے جواب دیا "میرا توتا باتیں کرتا ہے۔"

یہ سنتے ہی مُلّا دوڑے دوڑے اپنے گھر کو آئے اور ایک پالتو مُرغ بغل میں دبا کر اُلٹے پیروں لوٹے اُسے فروخت کرنے کے لیے چوک میں آ بیٹھے۔ کسی نے اس کی قیمت دریافت کی۔ تو انھوں نے ایک سو روپے بتائی۔ گاہک نے تعجب سے پوچھا "اس معمولی مرغ میں ایسی کونسی خوبی ہے جو اتنی رقم مانگتے ہو!" مُلّا نے مرغ کو چمکارتے ہوئے کہا "میرا مرغا غور و فکر کرتا ہے ـــــ"

ایک رات مُلّا نصر الدین نے خواب میں دیکھا کہ انھیں ایک ہزار روپے کی مالیت کا ایک نہایت عمدہ گھوڑا کہیں سے مفت ہاتھ لگ گیا ہے۔ پر بھلا وہ ان کے کس کام کا تھا ـــــ؟ انھیں تو سواری کرنی بھی نہیں آتی تھی۔ لہٰذا وہ اُسے بیچنے کے لیے چوک میں کھڑے ہو گئے۔ ایک گاہک نے اس کی قیمت پوچھی تو انھوں نے ایک ہزار روپے بتا دی۔ ساتھ ہی گھوڑے کی خوبیاں گنوانے لگے۔

خریدار نے بھی دلچسپی لینی شروع کی۔ گھوڑے کا سر سے پیر تک جائزہ لیا اور خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر بولا ـــــ "دو روپے لو گے"۔

مُلّا کے تلوؤں سے جو لگی تو تالو سے نکل گئی۔ جھلّا کر بولے ـــــ "ایک ہزار روپے کا مال دو روپے میں مانگ کر کسی کے مال کو کیوں کوستے ہو، میاں دو روپے کم دیتے تو میں شاید گھوڑا تمھارے ہاتھ فروخت کر دیتا۔!!"

پھر مُلّا بڑبڑائے ـــــ "جاؤ جاؤ اپنا راستہ لو بڑے آئے گھوڑے کے خریدار کبھی خواب میں بھی گھوڑا دیکھا ہے تم نے"۔

گاہک نے سنجیدگی سے کہا ـــــ "ناراض نہ ہو بھائی، چلو تین روپے لے لو ـــــ"

مُلّا کو اور بھی غصہ آ گیا۔ اور تُو تُو مَیں مَیں کے بعد باقاعدہ لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا۔ اُسی گڑبڑ میں ملّا کی آنکھ کھل گئی۔ اب جو انھوں نے دیکھا کہ نہ گھوڑا ہے نہ خریدار تو انھوں نے جھٹ سے آنکھیں بند کیں اور ہاتھ پھیلا کر کہا "اچھا لاؤ، تین ہی روپے دے دو"۔

مُلّا کا خچر گُم ہو گیا۔ انھوں نے قسم کھائی کہ اگر اُس کو پاؤں گا تو ایک دینار میں بیچ دوں گا۔ اتفاق سے وہ خچر مل گیا۔ اب قسم پوری کرنی تھی۔ لہٰذا ایک بلّی کو پکڑا اور اُس کی گردن میں رسّی باندھ کر خچر کے گلے میں لٹکا دیا اور چوک میں آ کر آواز لگائی "خچر ایک دینار میں اور بلّی سو دینار میں بیچتا ہوں بشرطیکہ دونوں معاملے ایک ساتھ طے ہو جائیں"۔

ایک دن مُلّا نصرالدین نے اپنی بیوی سے کہا ـــــ "تھوڑا پنیر لے آؤ، پنیر معدہ کو قوت بخشتا ہے اور بھوک کو زیادہ کرتا ہے"۔

ان کی بیوی نے کہا "پنیر نہیں ہے"۔

مُلّا بولے ـــــ "اچھی بات ہے پنیر معدہ میں سکھان پیدا کرتا ہے اور دانتوں کی جڑوں کو کمزور کرتا ہے"۔

بیوی نے کہا ـــــ "ان دو مختلف باتوں میں کس کو مانوں؟"

مُلّا نے کہا ـــــ "پنیر موجود ہو تو پہلی بات مانو، نہ ہو تو دوسری بات"۔

ایک دن مُلاّ کی بیوی کپڑا دھو رہی تھیں۔ ایک کوّا صابن اٹھا کر درخت پر لے گیا۔
بیوی نے مُلاّ کو بُلا کر کہا ـــــ "لو دیکھو! کوّا صابن لے گیا!!"
مُلاّ نے بے توجہی سے کہا ـــــ "تو کیا ہوا، تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ کوّے کا کپڑا ہم لوگوں سے زیادہ کالا ہے اس کو صابن کی زیادہ ضرورت ہے۔"

مُلاّ وضو کر رہے تھے کہ بایاں پاؤں دھونے سے پہلے پانی ختم ہو گیا۔ نماز پڑھتے وقت وہ ایک پانو پر کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا۔
"کیوں خیریت تو ہے؟"
انھوں نے کہا "میرا بایاں پانو بے وضو تھا۔"

مُلاّ سے لوگوں نے پوچھا ـــــ "عربی میں ٹھنڈے شوربے کو کیا کہتے ہیں؟"
مُلاّ کو وہ لفظ یاد نہیں تھا بولے ـــــ "عرب کے لوگ کسی وقت بھی شوربے کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے۔"

پیام تعلیم کا خصوصی شمارہ

پیامی بچوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ پیام تعلیم کا مئی ۸۸ء کے شمارہ "بچوں کی کوششیں" نمبر ہوگا۔ اس نمبر میں زیادہ تر بچوں کے لکھے ہوئے مضامین، نظمیں، معلومات اور لطیفے تصاویر کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔
اس خصوصی شمارے کی قیمت پانچ روپے ہوگی لیکن سالانہ خریداروں سے مزید کچھ چارج نہیں کیا جائے گا اس لیے جو بچے ابھی تک خریدار نہیں بنے ہیں وہ مبلغ تیس روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر فوراً خریدار بن جائیں۔

ایڈیٹر ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

لکی کا قد بارہ انچ ہے
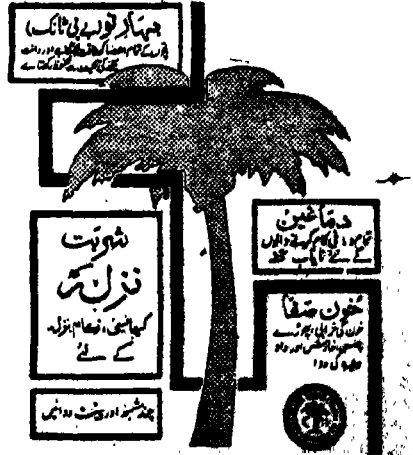
لندن ۹ راگست (مشرق رپورٹ) دنیا کا سب سے چھوٹا گھوڑا لندن میں ایک خاتون کے پاس ہے جس کا قد صرف بارہ انچ ہے اس گھوڑے کا نام لکی ہے جس کے انگریزی میں معنی خوش قسمت کے ہوتے ہیں اور فی الواقع دنیا کا خوش قسمت ترین گھوڑا ہے۔ یہ گھوڑا لیڈز میں ملکہ برطانیہ کے چچا زاد بھائی لارڈ ہیروڈ کے اصطبل میں پیدا ہوا تھا لیکن [illegible] کے بعد وہاں سے اچانک غائب ہو گیا تھا ایک دن ایک قلی نے اس کو ایک سیدھی ڈھلان سے چمٹے ہوئے دیکھا تھا اس وقت وہ اپنی جان بچانے کی کوشش میں تھا کیوں کہ یہ لڑھک کر پندرہ فٹ تک نیچے جا چکا تھا۔ اگر اس کے پنجوں کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی کہ وہ کھڈ میں گر کر مر جاتا اس کے بعد ایک اصطبل کے مالک کیرول ٹوا ڈسن نے اس کو بچا لیا تھا اور اسی نے لارڈ ہیروڈ کو واپس کر دیا تھا اب یہ گھوڑا لیڈی ہیروز کے ساتھ خوشی سے کھیلتا رہتا ہے اور اس کو بوتل سے دودھ پلایا جاتا ہے۔

ہیروڈ کے اصطبل میں چھوٹے قد والے متعدد گھوڑے ہیں ان گھوڑوں کی خاص نسل ہے پچھلے تین برسوں میں اس اصطبل میں [illegible] تیرہ انچ قد کے گھوڑے پیدا ہوئے [illegible] آخر میں یہ بارہ انچ قد کا گھوڑا پیدا ہوا ہے

جواہرات کی چوری

علی اسد

"یہ تو گولی چلنے کی آواز معلوم ہوتی ہے!" اچھن نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بھائی صاحب بولے، "ارے نہیں، یہ تو شریفوں کا محلّہ ہے۔"

ابھی ان کے منھ سے جملہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک اور تڑا کا ہوا اور اسی کے ساتھ موٹر کار کے چیختے ہوئے ٹایروں کی آواز سُنائی دی۔ اچھن اور اس کے بھائی صاحب دونوں تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹے، انھوں نے ایک موٹر کار کو تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا اور اس کے پیچھے ایک پولیس کی گاڑی دوڑتی نظر آئی۔

"بھائی صاحب، پولیس کسی کا پیچھا کر رہی ہے!" اچھن چلاّیا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی زخمی ہو گیا ہے۔" بھائی صاحب بولے۔ اچھن نے بھی ادھر دیکھا جدھر بھائی صاحب دیکھ رہے تھے، تو وہاں بہت سے لوگ کسی گرے ہوئے آدمی کے قریب جھکے ہوئے تھے۔ اچھن بولا، "میں ٹھیک تھا۔ گولی چلی تھی، بلکہ دو گولیاں چلی تھیں۔"

اچھن اور اس کے بڑے بھائی دونوں گھر کے باہر دوڑے۔ وہاں ایک ہجوم لگ گیا تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب لوگوں کو کنارے ہٹا رہے تھے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کا تعلق اس شخص سے ہے جو سامنے والے بڑے مکان میں رہتا ہے۔" اچھن نے کہا اور ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کی طرف اشارہ کیا، جو سامنے والے مکان کے پھاٹک پر کھڑا زور زور سے باتیں کر رہا تھا۔ بھائی صاحب نے اُدھر دیکھ کر کہا،

"ہاں ہو سکتا ہے، وہ تو بہت بڑا جوہری ہے۔" اتنے میں پولیس کی ایک گاڑی آ گئی۔ ڈرائیور کے علاوہ سب اُتر پڑے۔ دو پولیس والے مجمع کو ہٹانے لگے اور ایک اس جوہری کی طرف بڑھا۔ جوہری بھی لپک کر اس کے پاس آ گیا۔ اچھن کے بھائی صاحب نے ڈاکٹر سے پوچھا،

"کیا بہت زخمی ہو گیا؟"

ڈاکٹر نے کہا، "نہیں، مگر گولی اگر ایک انچ اِدھر اُدھر ہو جاتی تو کام تمام ہو گیا تھا۔"

"کون ہے؟" بھائی صاحب نے پوچھا۔ ڈاکٹر نے بڑے مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا، "ان کے ہاں کا نوکر ہے۔ پہلے شاید اس نے پولیس کو ٹیلے فون کیا اور پھر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑا۔"

"کیا کچھ لے گئے؟" بھائی صاحب نے پوچھا۔

"شاید جواہرات لے گئے۔" اتنے میں ایک ایمبولینس آ گئی اور زخمی کو لے گئی۔

اچھن اور اس کے بھائی اپنے گھر آ گئے۔ اچھن نے پوچھا، "پولیس نے ڈاکوؤں کو پکڑا یا نہیں؟"

"اگر ابھی نہیں پکڑا ہے تو پکڑ لیں گے۔" بھائی صاحب بولے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں اس ڈاکے کی خبر نمایاں طور سے چھپی۔ اچھن نے ساری خبر پڑھی اور اپنے بھائی صاحب سے کہا، "دیکھا بھائی صاحب، کیسا شریفوں کا محلّہ ہے!"

بھائی صاحب نے کہا، "پولیس نے تین ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیا ہے۔"

اچھن بولا، "مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ جواہرات جس کے پاس ہیں وہ تو نکل گیا۔"

"وہ بچ نہیں سکے گا۔ اس کی اب خیر نہیں۔"

عین اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔

اچھن جب دروازے تک جاکر پلٹا تو بڑا خوش نظر آیا، بولا "خفیہ پولیس کے افسر ہیں، ان کا نام راشد ہے، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بلا لاؤ۔" بھائی صاحب نے کہا۔

پولیس افسر نے اندر آکر کہا "معاف کیجیے گا آپ کو زحمت دی۔"

"انسپکٹر صاحب، کوئی زحمت نہیں، کہیے کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

انسپکٹر صاحب ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور کھڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا آپ نے کل کا واقعہ دیکھا، جس مکان میں ڈاکا پڑا وہ آپ کے مکان کے بالکل سامنے ہے۔"

بھائی بولے "دیکھا تو نہیں، البتہ گولیاں چلنے کی آواز سنی۔ جب ہم لوگ کھڑکی تک پہنچے تو ایک بڑی سی گاڑی کو تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔"

اچھن نے کہا "جی ہاں، اور اس کے پیچھے پولیس کی گاڑی تھی۔"

انسپکٹر نے کہا "ہاں، ہمارے آدمی ذرا پچھڑ گئے، بہرحال ہم نے ان میں سے تین کو پکڑ لیا ہے۔ آپ نے اخبار میں پڑھا ہوگا۔"

"ایک بھاگ نکلا؟" بھائی صاحب بولے۔

انسپکٹر تیوریاں چڑھا کر بولے "جی ہاں ایک بھاگ گیا۔"

"جواہرات کے ساتھ بھاگ گیا؟" اچھن نے پوچھا۔

"اچھن، تم ذرا خاموش رہو۔" بھائی صاحب ناراض ہو کر بولے "جب تم سے پوچھا جائے تب بولو۔"

انسپکٹر نے کہا "جی ہاں، جو آدمی بھاگ گیا اسی کے پاس جواہرات ہیں، مگر یہ ایسی سنگین بات نہیں۔ مجھے فکر یہ ہے کہ اسی شخص نے گولی چلائی اور چونکہ وہ ایک کو گولی مار چکا ہے اور جانتا ہے کہ اس پر قتل کا مقدمہ چلے گا، لہٰذا وہ اب نہایت خطرناک ہو گیا ہے۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر وہ گھیرا گیا تو دوبارہ گولی چلا دے گا۔"

"یہ تو واقعی بڑی تشویش کی بات ہے۔" بھائی صاحب نے کہا۔

انسپکٹر بولے "خاص طور سے تشویش یہ ہے کہ وہ اسی علاقے میں چھپا ہوا ہے۔"

"کیا اسی محلے میں؟" اچھن نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں ممکن ہے۔" انسپکٹر نے کہا "ڈاکوؤں کی گاڑی کو جب ہم نے روک لیا تو اسی ہڑبونگ میں وہ بھاگ نکلا۔ سڑک کے دونوں کنارے پولیس کی گاڑی سے بند تھے۔ پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ اس وقت یہاں پر کوئی بھیڑ بھاڑ بھی نہ تھی جو اس میں وہ چھپ سکتا۔ پھر بھی کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔"

"تعجب ہے۔" بھائی صاحب بولے۔

انسپکٹر نے کہا "ہم کو یقین ہے کہ وہ یہیں کہیں قریب چھپا ہے۔"

"اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟" بھائی صاحب نے پوچھا۔ انسپکٹر نے کہا "ہم نے اس علاقے کے تمام لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ کوئی بھی غیر معمولی بات دیکھیں تو فوراً ہم کو مطلع کریں۔ عام لوگوں کے لیے جو بات غیر اہم ہو وہ پولیس کے لیے بڑی اہم ہو سکتی ہے۔"

بھائی صاحب نے کہا "بے شک۔ اچھن، یہ یاد رکھنا۔" اس کے بعد انسپکٹر چلے گئے۔ چلتے وقت انھوں نے اچھن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "خوب چوکنا رہنا۔"

"بہت بہتر" اچھن نے جواب دیا اور خوشی سے پھولا نہ سمایا کہ انسپکٹر صاحب نے خود اُسے یہ ہدایت کی۔

اگلے ہفتے اچھن اور اس کے دوستوں نے تمام ویران عمارتوں، باغوں اور میدانوں کی خوب چھان بین کی۔ ناکامی کے بعد اچھن بولا "یہ پولیس والے گھاس کھا گئے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ڈاکو ابھی تک یہیں ہے وہ تو اب تک جہاز پر سوار ہو کر کسی دوسرے ملک میں پہنچ گیا ہوگا۔"

"اور ہاں، کوئی اجنبی بھی نظر نہیں آیا۔" فرید بولا "نہیں تو پولیس کو ٹیلے فون کرتے۔"

رشید بولا، "آؤ اِدھر اُدھر اور تلاش کریں، شاید کوئی اجنبی دکھائی دے جائے۔"

"بھئی میں تو تھک گیا ہوں۔" اچھن بولا، "آؤ چلو آئس کریم کھائیں۔"

آئس کریم کی دُکان پر جاتے وقت فرید نے کہا، "اُس دُکان کو کسی نئے آدمی نے خرید لیا ہے۔"

"ہاں۔" رشید بولا، "پرانا مالک اچھا تھا۔ یہ نیا آدمی مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

تینوں لڑکے دُکان میں داخل ہو گئے۔ اچھن نے مالک دُکان کو پیسے دیے اور آئس کریم لے کر شکریہ ادا کیا، مگر دُکان دار ایک لفظ بھی نہ بولا۔ جب یہ لڑکے باہر آگئے تو اچھن نے کہا، "یہ آدمی بڑا گھُنّا معلوم ہوتا ہے۔"

اس پر رشید بولا، "ارے کہیں یہی وہ ڈاکو نہ ہو۔"

فرید نے کہا، "بہرحال یہ ہے تو اجنبی۔"

"پولیس نے اس سے بھی پوچھ گچھ ضرور کی ہوگی۔" اچھن نے کہا۔

اس کے بعد لڑکے سڑک پار کر کے اس طرف گئے جہاں ان کے مکانات کے پچھواڑے باغیچے تھے۔ جب یہ تینوں فرید اور رشید کے باغیچے کے پاس پہنچے تو فرید بولا، "کل رات ایک عجیب بات ہوئی۔" یہ کہہ کر اس نے باغیچے کا پھاٹک کھولا اور اشارہ کر کے کہا، "وہ دیکھو، کل رات یہاں کوئی آیا اور ہمارے باغیچے میں گڑھا کھودنے لگا۔"

اچھن نے آگے بڑھ کر زمین کا کھُدا ہوا حصّہ دیکھا اور بولا، "تمھارا مطلب ہے کہ کوئی شخص آرام سے یہاں آگیا اور تمھارا باغیچہ کھودنے لگا؟"

رشید نے کہا، "ہاں، شاید کسی کو مٹّی کی ضرورت ہوگی۔"

اچھن کو یہ وضاحت پسند نہ آئی۔ اس نے کہا، "چلو پولیس کو ٹیلے فون کر دیں!"

اس کے دونوں دوست حیرت سے اس کا منھ تکنے لگے تو وہ بولا" یاد ہے انسپکٹر صاحب نے کیا کہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ کوئی بھی غیر معمولی بات ہو تو مطلع کرنا۔ تو یہ غیر معمولی بات ہے یا نہیں ؟"

فرید بولا" احمق نہ بنو اچھن۔ پولیس کو محض اس لیے فون نہیں کر سکتے کہ کسی نے ذرا سی مٹّی کھودی ہے۔"

اچھن نے کہا" ہم کو یہ نہیں معلوم کہ کسی نے مٹّی لی ہے۔ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ یہ ایک غیر معمولی بات ہے لہٰذا پولیس کو مطلع کر دینا چاہیے۔"

فرید بولا" کیا حماقت کی بات کہہ رہے ہو اچھن، پولیس کو اتنی ذرا ذرا سی باتوں کے لیے ٹیلے فون نہیں کیا جاتا۔" مگر اچھن اپنی بات پر اڑا رہا" ہم اس بات کو چونکہ غیر معمولی سمجھتے ہیں اس لیے اس کی اطلاع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔"

رشید زمین کے اس حصّے کو گھور رہا تھا جہاں زمین کھودی گئی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر بولا" اچھا یہ بتاؤ اچھن کہ اگر بات بگڑ گئی تو ذمے داری تم لوگے ؟"

اچھن ذرا ہچکچایا، پھر بولا" ہاں ہاں، یوں بھی تو ہر بات کا الزام مجھ پر ہی آتا ہے۔"

فرید نے کہا" چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ اماں کچھ خریدنے گئی ہوئی ہیں اور ابا جان دفتر میں ہیں۔ لہٰذا گھر بالکل ہمارے قبضے میں ہے۔" چناں چہ تینوں لڑکے گھر میں داخل ہو گئے۔ اچھن نے ٹیلے فون کیا اور بولا" میں ہوں اچھن۔"

"کیا بات ہے ؟"

"ایک ضروری اطلاع دینا ہے۔۔۔۔۔" وہ اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ ادھر سے سوال ہوا۔

"تم کہاں ہو ؟" اچھن نے بتا دیا۔ تو ادھر سے کسی نے کہا" تم وہیں ٹھیرے رہو۔ چند منٹ میں کوئی تمھارے پاس آجائے گا۔" اچھن نے اپنے دوستوں کو یہ بتا دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پولیس کی گاڑی آگئی اور دو پولیس والے اندر آگئے۔

"ہاں تو اچھن میاں، آپ کو کیا اطلاع دینا ہے ؟" ایک پولیس والے نے پوچھا۔

"جی، بات تو معمولی سی ہے، لیکن معمولی بات بھی ایسے معاملے میں بڑی اہم ہو سکتی ہے۔"

"بالکل۔" پولیس والے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر آنکھ کا اشارہ کیا اور کہا" ہاں بتاؤ،

کیا بات ہے؟"

اچھن پولیس والوں کو باغیچے میں لے گیا اور کہا،

"یہ دیکھیے، کوئی اجنبی کل رات یہاں گڈھا کر گیا۔"

پولیس والوں نے چپ چاپ اس گڈھے کو دیکھا۔ ایک نے اپنی نوٹ بک نکال لی اور پوچھا،

"یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟"

لڑکوں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

"رات کو پھاٹک بند کر دیا جاتا ہے؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"کبھی کھلا بھی رہ جاتا ہے۔" فرید بولا۔

"کل رات بند تھا؟"

"شاید نہیں، مگر آدمی پھاند کر بھی تو آ سکتا ہے۔"

پولیس افسر نے نوٹ بک میں کچھ لکھا۔ پھر دونوں افسروں نے پھاٹک کو دیکھا اور بولے،

"اچھن میاں، تم نے اچھا کیا جو ہم کو بتا دیا۔" اور پھر وہ لوگ چلے گئے۔

رشید بولا، "انھوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔"

فرید بولا، "اچھن کو دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہے ہوں گے۔"

اچھن نے ناراض ہو کر کہا، "تم لوگوں کی کھوپڑی میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ جرائم کا سراغ لگاتے وقت ذرا ذرا سی باتیں بھی کتنی اہم ہوتی ہیں۔"

شام کو اچھن سے بھائی صاحب نے پوچھا، "کہو دن بھر کیا کرتے رہے۔ میں تو آج بڑا بے وقوف بن گیا۔"

"کیا ہوا بھائی صاحب؟"

"ہوا یہ کہ میں نے دو آدمیوں کو باغیچے کے ایک کونے میں کھڑے دیکھا۔ انسپکٹر صاحب کی بات مجھے یاد آئی اور میں نے پولیس کو ٹیلے فون کر دیا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پتا چلا کہ میں نے جن آدمیوں کو دیکھا تھا وہ بھی پولیس ہی کے آدمی تھے۔ سادے لباس میں۔"

الجھن نے کہا، "یہ تو خوب رہی بھائی صاحب، میں نے بھی آج پولیس کو ٹیلی فون کیا۔"
پھر الجھن نے سارا قصّہ سنایا۔ بھائی صاحب بڑے غور سے سنتے رہے۔ پھر بولے،
"تم نے اچھا کیا جو پولیس کو بتا دیا۔"

دوسرے دن الجھن کو چند اور حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ پڑوس کی بیگم سراج نے الجھن پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ان کے پھولوں کا ستیاناس کر دیا۔ الجھن نے ان کو یقین دلایا کہ یہ حرکت اس نے نہیں کی، پھر ان کے باغیچے کو دیکھنے کی اجازت مانگی۔

"ہاں آجاؤ، لو دیکھو۔" وہ بولیں۔

الجھن نے دیکھا کہ اس باغیچے میں بھی اسی طرح زمین کھُدی پڑی ہے۔ پھولوں کی کیاریاں اُکھڑی ہوئی تھیں اور یہ جگہ بھی پھاٹک کے قریب ہی تھی۔ الجھن نے زمین کو برابر کر دیا۔ بیگم سراج کی ناراضی بہرحال ختم ہو گئی۔ الجھن سوچنے لگا کہ کیا پولیس کو پھر مطلع کیا جائے؟ مگر اس نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ صاف ظاہر تھا کہ بیگم سراج کے باغیچے میں بھی اسی شخص نے کھودا کھادی کی جس نے فرید کے باغیچے میں کی تھی۔

سہ پہر کو سنیما سے واپسی پر الجھن کو ایک خیال آیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ پُراسرار گڑھا کھودنے والا فرید کے ہاں کھودنے کے بعد بیگم سراج کے ہاں کیوں گیا، اسی باغیچے میں پھر کیوں نہیں گیا، اور کیا آج رات وہ کسی اور باغیچے میں کھودے گا؟ اگر یہ بات ہے تو آج خود الجھن کے باغیچے کی باری تھی۔ کیوں کہ قریب اب وہی رہ گیا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے باغیچے میں چلا گیا اور پھاٹک کے بائیں جانب آہستہ آہستہ قدم رکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ اگر وہ آدمی یہاں آئے گا تو اسی جگہ کھودے گا۔ اچانک وہ کود کر آگے بڑھا۔ جنگلے کے قریب مٹّی کا ایک چھوٹا سا ڈھیر تھا اور اسی کے پاس نرم مٹّی میں پیر کا ایک نشان تھا۔

وہ جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ اُکھڑی ہوئی مٹّی آس پاس پڑی تھی۔ اس نے مٹّی میں ٹھوکر ماری۔ یہ مٹّی پولی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہاں بھی ضرور کسی نے کھودا ہے۔ اس نے ایڑی سے زمین کو اور دبایا، اسے اندازہ ہو گیا کہ اس جگہ گڑھا بنایا گیا ہے اور پھر اسے بھر دیا گیا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں کوئی چیز گاڑ دی گئی ہے، لہٰذا وہ جلدی سے پھاوڑا لے آیا اور زمین کھودنے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ فیٹ گہرائی میں اس کے پھاوڑے سے کوئی چیز ٹکرائی۔ اس نے جلدی جلدی

مٹی ہٹانا شروع کردی۔" ارے! یہ تو ٹین کا ڈبا ہے۔" وہ جھک کر اس ڈبے کو دیکھنے لگا۔ بسکٹ کے بڑے ڈبے پر مضبوطی سے ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ اس نے زور لگا کر ڈبے کو زمین سے نکال لیا۔ ڈبا لے کر وہ چلنے ہی والا تھا کہ اسے اپنے بائیں جانب کچھ نظر آیا۔ اس نے سر گھمایا اور سر گھماتے ہی وہ پتھر کا بُت بن کر رہ گیا۔ چند گز کے فاصلے پر ایک شخص جنگلے پر جھکا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ گھبراہٹ اور خوف کے باوجود اچھن نے اس آدمی کو پہچان لیا۔ یہ وہی آئس کریم کی دُکان کا نیا مالک تھا۔ اس آدمی نے دانت پیس کر کہا، "یہ ڈبا مجھ کو دے دو اور چُپ رہو!"

اس وقت اچھن کی حالت نہایت خراب تھی۔ اسے کچھ کرتے دھرتے نہ بن رہا تھا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اسی لمحے اس آدمی کا پستول اوپر اُٹھ گیا اور اس کے چہرے پر غصّہ اور حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ دراصل ہوا یہ کہ کسی کے مضبوط ہاتھوں نے اسے پیچھے سے جکڑ لیا تھا۔ اچانک پستول چلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر بہت سے آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پولیس کی سیٹی کی آواز بھی سُنائی دی۔ اچھن کو بھائی صاحب کی آواز اس طرح سے سنائی دی کہ جیسے وہ میلوں دُور ہوں۔ لوگوں نے ڈاکو کو گھسیٹ کر اسے ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ اچھن کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا اور بولا، "بھائی صاحب!"

انسپکٹر راشد ایک دوسرے پولیس افسر کے ساتھ آگئے اور بولے، "اچھن میاں، یہ ڈبا اب دے دیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ڈبا لے لیا۔ اس کے بعد سب لوگ اچھن کے گھر میں جمع ہوئے۔ بھائی صاحب نے انسپکٹر سے پوچھا، "آخر ہوا کیا؟"

انسپکٹر نے کہا، "ہم کو یقین تھا کہ ڈاکو یہیں کہیں ہے اور وہ چوری کا مال کہیں چھپائے گا۔ ہم نے سب سے پوچھ گچھ کی۔ آئس کریم کی دُکان کے نئے مالک سے بھی باتیں کیں۔ اس نے بتایا کہ ڈاکے کے وقت وہ سنیما میں تھا، مگر وہ سنیما سے نکل کر آ بھی سکتا تھا۔"

"مگر یہ ڈبا ہمارے باغیچے میں کیسے آگیا؟" بھائی صاحب نے پوچھا۔

انسپکٹر نے کہا، "اچھن نے جب بتایا کہ کوئی آدمی پڑوس کے باغیچے میں زمین کھود رہا ہے تو ہم نے سوچا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی شخص شاید ان جواہرات کو تلاش کر رہا ہے جو چوری کیے گئے ہیں۔ بھاگتا ہوا ڈاکو اپنی دُکان تک تو پہنچ گیا۔ اس نے دُکان اسی غرض سے لی تھی کہ

ڈاکا ڈالنے کا انتظام کرسکے۔ اگر کوئی اسے دُکان میں جاتے دیکھتا تو ہرگز شک نہ کرتا، مگر تلاش بہرحال جاری تھی اور وہ جانتا تھا کہ پوچھ گچھ ہو گی۔ اسے جواہرات کو کہیں چھپانا تھا، اس رات کو اندھیرا تھا۔ چاند نہیں نکلا تھا۔"

اچھن بولا،"یہ تو مجھے یاد نہیں۔"

انسپکٹر بولا،"یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔"

اسی دوران ایک پولیس والا ڈبّے کی ڈوری کھولنے میں لگا ہوا تھا۔ بھائی صاحب بولے،

"ہاں انسپکٹر صاحب۔ پھر کیا ہوا؟"

انسپکٹر نے کہا،"ڈاکو کو فوراً فیصلہ کرنا تھا۔ لہٰذا وہ پھاوڑا لے کر دوڑا، اس کے ایک ہاتھ میں ڈبّا ہوگا اور دوسرے میں پھاوڑا۔ اس حالت میں ہر شخص اس پر شبہ کرتا، اتنے میں اسے باغیچے کا پھاٹک دکھائی دے گیا اور وہ اس کے ہاتھ سے کُھل گیا۔ لہٰذا وہ باغیچے میں داخل ہو گیا اور ڈبّے کو زمین میں دفن کر دیا۔"
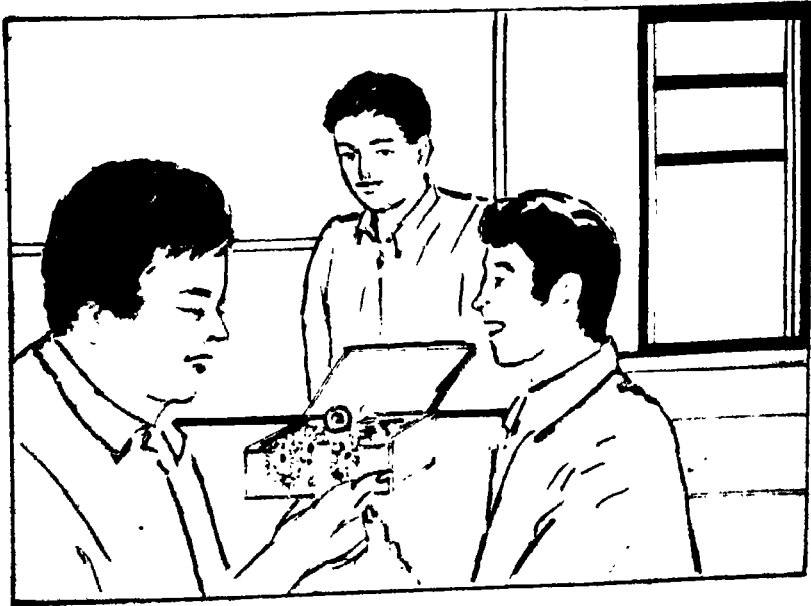
بھائی صاحب بولے، "اور پھر وہ بھول گیا کہ کس پھاٹک میں داخل ہوا تھا۔
انسپکٹر بولے، "اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کون سا پھاٹک تھا جس میں وہ پہلے داخل ہوا تھا۔ لہٰذا جب وہ لُوٹی ہوئی دولت کو لینے کے لیے نکلا تو اس نے محض اندازے سے کام لیا۔"
"اور وہ غلط باغیچے میں چلا گیا؟" اچھن بول اُٹھا۔
انسپکٹر نے کہا، "ہاں، پہلی بار اس نے غلط باغیچے میں کھود ڈالا۔ دوسرے باغیچے میں وہ اسی رات نہ کھود سکا۔ دوسری رات اس نے پھر غلطی کی۔ بیگم سراج کے باغیچے میں چلا گیا۔ لہٰذا آج وہ دن کی روشنی میں تلاش کرنے نکلا۔"
انسپکٹر نے بات ختم کرتے ہوئے کہا، "اچھن میاں، ذرا سوچو تو اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی جب اس نے تم کو وہ ڈبّا نکالتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"
بھائی صاحب بولے، "مگر جب اسے آپ لوگوں نے پکڑا تب تو وہ اور بھی حیران رہ گیا ہوگا۔"
انسپکٹر بولے، "ہم اس کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتے تھے، مگر ہمارا خیال تھا کہ وہ آج رات کوشش کرے گا۔ بہرحال ہم اس کا انتظار کرتے رہے۔"
اتنے میں ڈبّا کھل گیا۔ سب لوگ دیکھنے لگے۔ ڈبّے میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔
انسپکٹر نے پوچھا، "فہرست سے مِلا لیا؟"
پولیس والا جس نے ڈبّا کھولا تھا بولا، "جی ہاں، تمام جواہرات موجود ہیں۔"
پولیس والے جب واپس جانے لگے تو گھر کے باہر ایک مجمع لگ گیا۔ فرید اور رشید بھی اسی بھیڑ میں تھے۔ اچھن نے انھیں اندر بُلا لیا۔ رشید نے اچھن سے پوچھا،
"اچھن، تم تو بہت ڈر گئے ہوگے؟"
اچھن نے کہا، "پولیس کے ساتھ کام کرتے وقت ڈرنے کی مہلت نہیں ہوتی۔"
"میرا تو ڈر کے مارے دَم نکل جاتا۔" فرید نے کہا۔
اچھن نے کہا، "ہاں اپنا اپنا مزاج ہے۔"

پیار کی باتیں

راجا رشید محمود
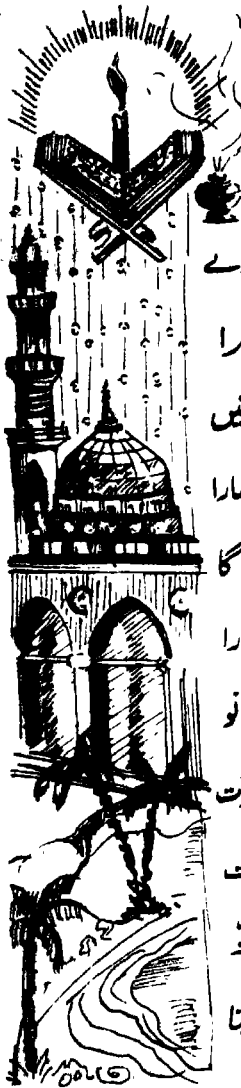
پیارے پیارے نبیؐ ہمارے
ہم کو اپنی جان سے پیارے

وہ آئے تو ہُوا سویرا
دُور ہوا دنیا کا اندھیرا

کیں بچّوں سے پیار کی باتیں
شفقت اور اُلفت کی باتیں

میرے آقا، میرے مولا
سب دُکھیوں کے دِل کا سہارا

اُن کا سیدھا روشن رستہ
جو بھولے گا، وہ بھٹکے گا

ان کی راہ پہ چلنے والا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا

ان کے حکم کو افضل جانو
اُستادوں کا کہنا مانو

چاہتے ہو گر اچھی قسمت
کر لو ماں اور باپ کی عزّت

اپنے پڑوسی سے بھی اُلفت
یہ ہے اُن کا درسِ محبّت

پڑھنا لکھنا لازم سب کو
آقا کا ارشاد ہے بچّو

حضرتؐ نے یہ راز بتایا
ایک خدا ہے خالق اپنا

اپنے دین پر آنچ نہ آئے
چاہے جان چلی ہی جائے

پیارے بچو، جاگو، جاگو علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا نہایت مقدس فریضہ ہے۔ حکیم محمد سعید

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا

س: بجلی پیدا کرنے والے ٹربائن کی ساخت بیان کیجیے؟ شعیب رئیس صدیقی

ج: اگر بجلی اور مقناطیسیت میں قدرتی طور پر ایک تعلق موجود نہ ہوتا تو بجلی کی یہ رونقیں ممکن نہ ہوتیں جو آپ اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ ٹربائن اس مشین کو کہتے ہیں جو پانی یا بھاپ کے زور سے گھومتی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقناطیس کے شمالی اور جنوبی دونوں قطبین کے درمیان تار کے لچھے کو تیزی سے گردش دی جائے تاکہ مقناطیسی خطوط قطع ہوں اور بجلی پیدا ہو جائے۔ ٹربائن اور جنریٹر میں یہ عمل بہت بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ ان سے بہت زیادہ مقدار میں بجلی حاصل کی جاتی ہے جس سے ہمارے شہر اور دیہات روشن ہوتے ہیں اور کارخانے چلتے ہیں۔

س: کیمرے کے اندر دُور کی تصویر اُتارنے کے لیے جو لینس استعمال کیا جاتا ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟ ٹیلی سکوپ لینس کیا ہوتا ہے اور یہ کس کام آتا ہے اور کس طرح کام کرتا ہے؟ اور کیا وجہ ہوتی ہے کہ عام لینس دُور کی تصویر صحیح نہیں اُتارتا؟ فضل الرحمٰن

ج: کیمرے میں دُور کی تصویر اُتارنے کے لیے محدب عدسہ استعمال کیا جاتا ہے جو کنویکس لینس (CONVEX LENS) بھی کہلاتا ہے۔ وہ بیچ میں موٹا اور کناروں پہ پتلا ہوتا ہے۔ ٹیلی سکوپ یعنی دُور بین میں دُور کی چیزیں دیکھنے کا انتظام ہوتا ہے۔ اُس میں ایک کے بجائے کئی لینس استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن دُور کی چیز دیکھنی ہو یا تصویر لینی ہو، ہم ایسے ہر

موقع پر محدب عدسہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک عدسے کے بجائے کئی عدسوں کا مجموعہ کام میں لایا جاتا ہے۔

س: آواز کیسے پیدا ہوتی ہے؟ مہربانی کرکے تفصیل سے بتلائیے۔

حفیظ اللہ عادل

ج: آواز ہوا میں سفر کرتی ہے اور ٹھوس چیزوں میں بھی۔ مثلاً دھاتوں میں سے گزر سکتی ہے، پانی میں سے گزر سکتی ہے بشرطیکہ کوئی تحریک کی جائے مثلاً جب ہم ریلوے لائن پر پتھر مارتے ہیں تو اس ٹکر کی وجہ سے ریلوے لائن میں ارتعاش پیدا ہو جائیں گے جو لوہے سے گزریں گے۔ جب ہم بولتے ہیں یا تالی بجاتے ہیں تو آس پاس کی ہوا میں ارتعاشات یا لہریں پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک خاص رفتار سے ہوا میں چلتی ہیں۔ تصادم سے آواز پیدا ہوتی ہے اور تھرتھراہٹ سے بھی۔

س: ایسا کیوں ہوتا ہے کہ دُور سے ہمیں کوئی چیز چھوٹی نظر آتی ہے جب کہ قریب سے وہ بڑی نظر آتی ہے؟

اظفر الحق

ج: کسی چیز کے چھوٹے بڑے نظر آنے کا تعلق اس زاویے سے ہے جو وہ ہماری آنکھ پر بناتی ہے۔ دُور کی چیز سے آنے والی شعاعیں ہماری آنکھ پر چھوٹا زاویہ بناتی ہیں اس لیے وہ چھوٹی نظر آتی ہیں، لیکن جیسے جیسے وہ چیز ہم سے قریب آتی جاتی ہے یا ہم اُس کے قریب ہوتے جاتے ہیں،
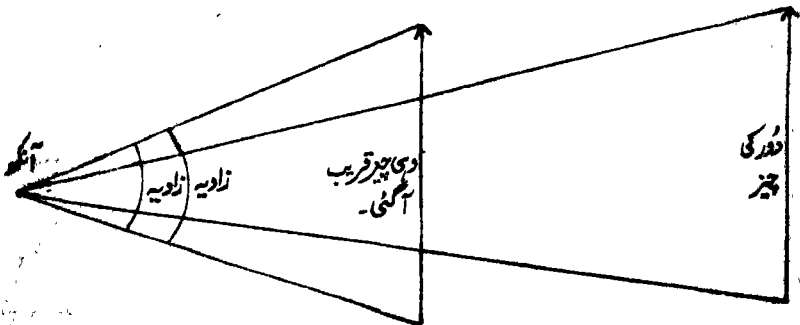
ویسے ویسے یہ زاویہ بڑا ہوتا جاتا ہے اور وہی چیز ہمیں بڑی نظر آنے لگتی ہے۔ دیکھیے شکل۔

س: مینڈک کے دماغ اور انسان کے دماغ کے مختلف حصّوں کی تشریح کیجیے۔

محمد سلیم، عبدالستار

ج: یہ تشریح خاکوں کے بغیر نہیں ہو سکتی جس کے لیے آپ سائنس کی کسی کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ مختصر طور پر یہ سمجھیے کہ مینڈک کی جسمانی ساخت اور انسان کی جسمانی ساخت میں کچھ مشابہت پائی جاتی ہے اسی لیے میڈیکل کالجوں کے طلبہ سب سے پہلے مینڈک کا تجزیہ کرتے ہیں۔

س: سُنا ہے کہ سانپ سو جاتا ہے لیکن اُس کی آنکھیں کُھلی رہتی ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

محمد احمد اجمیری

ج: اس لیے کہ سانپ کی آنکھوں پر ہماری طرح یا دوسرے بہت سے جان داروں کی طرح پپوٹے اور پلکیں نہیں ہوتیں جنھیں وہ جھپک سکے یا جن سے اپنی آنکھوں کو ڈھانپ سکے۔

س: قوس قزح کیا ہے۔ اس بارے میں بتائیے؟

سرفراز عارف

ج: نمی کے جو قطرات ہوا میں معلق رہ جاتے ہیں، وہ سورج کی کرنوں کے لیے منشور کا کام دیتے ہیں اور روشنی کی شعاعیں اُن میں سے گزر کر سات رنگوں میں بٹ جاتی ہیں۔ رنگوں کی یہ ترتیب ہمیں قوس قزح یا دھنک کی شکل میں نظر آتی ہے۔ اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ قوس قزح ہمیشہ بارش ہونے کے بعد نظر آتی ہے اور سورج کی مخالف سمت میں ترتیب پاتی ہے، یعنی ڈوبتے سورج کی کرنیں پانی کے قطروں میں سے گزر کر سات رنگوں میں ٹوٹ جاتی ہیں۔

س: کالی کھانسی کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟

وسیم احمد۔

ج: کھانسی حلق کی خراش کا نام ہے۔ پہلے گلا خراب ہوتا ہے، پھر کھانسی شروع ہو جاتی ہے جب ہمارے حلق میں کھجلی پیدا ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ ہم انگلی یا بُرش ڈال کر تو حلق کو اندر سے کھجا نہیں سکتے، اس لیے زور زور سے کھانس کر اُسے رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کھانسی

معمولی ہے تو دوا کے بغیر بھی پرہیز سے رفع ہو جاتی ہے، لیکن اگر بد پرہیزی کی جائے یا کھانسی کے ساتھ نزلہ زکام اور بخار بھی ہے یا خدانخواستہ پھیپھڑے خراب ہیں تو ایسی کھانسی آسانی سے ٹھیک نہیں ہوتی۔ کالی کھانسی معمولی کھانسی نہیں ہوتی بلکہ مخصوص جراثیم کا پیدا کردہ ایک شدید مرض ہوتا ہے جو بالعموم بچّوں کو لاحق ہوتا ہے۔ اس کا دورہ پڑتا ہے۔ کھانستے کھانستے بچّے کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ ناک اور آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور کئی منٹ کے بعد تھوڑی سی قے ہو جانے کے بعد دورہ رفع ہوتا ہے۔ مرض کی کچھ معیاد ہوتی ہے۔ اس کے پورا ہونے کے بعد کالی کھانسی چلی جاتی ہے۔ وہ مہلک تو نہیں ہوتی، لیکن بچّہ اَدھ مُوا ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ مرض متعدّی ہے یعنی ایک بچّے سے دوسرے بچّے کو لگ جاتا ہے اس لیے مریض بچّے کو الگ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر کسی گھر میں کسی بچّے کو کالی کھانسی ہے تو وہاں بچّوں کو نہ جانے دیجیے اور نہ اُس گھر کی کوئی چیز کھانے دیجیے۔ جہاں تک کالی کھانسی کے علاج کا تعلق ہے، دونوں طبوں یعنی طبِ مشرقی اور طبِ جدید (ڈاکٹری) میں اس کا علاج موجود ہے۔ چھوٹے بچّوں کے کالی کھانسی کے ٹیکے بھی لگائے جاتے ہیں جن سے وہ اس مرض کے حملے سے محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کالی کھانسی ہو جائے تو پھر پرہیز کے ساتھ معالج ضد حیوی یا اینٹی بایوٹک دوائیں اور ان کے ٹیکوں کے استعمال کی سفارش کرتے ہیں۔ اسی طرح حکیم صاحبان کھانے کی کچھ دوائیں دیتے ہیں۔ کسی ماہر اور تجربہ کار معالج سے ہی مشورہ کرنا چاہیے۔

س: آبدوز کیا ہے؟ جنگ میں اس کا سب سے بڑا کام کیا ہے؟

عبدالوحید خان

ج: جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے آب دوز ایسی کشتی کو کہتے ہیں جو اپنی ضرورت کے مطابق پانی کے اوپر بھی آجاتی ہے اور نیچے بھی چلی جاتی ہے۔ اس کا اصل مقصد نیچے نیچے چل کر دشمن کے بحری جہاز کے نیچے پہنچ کر بم مار کر اُسے نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ بم تارپیڈو کہلاتا ہے۔ جب وہ جہاز کے پیندے میں لگتا ہے تو بڑا سا سوراخ پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاز میں پانی بھر جاتا ہے اور وہ غرق ہو جاتا ہے، یعنی آب دوز کا استعمال جنگ میں دشمن کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔

جھوٹی کہانیاں

عشرت رحمانی

ایک گاؤں میں چار نوجوان رہتے تھے۔ انھیں جھوٹے قصے سنانے کی عادت تھی۔ ایک دن وہ چاروں نوجوان گھومتے پھرتے ایک سرائے میں پہنچے۔ انھوں نے وہاں ایک مسافر کو دیکھا جو اپنے عمدہ لباس سے بہت امیر اور مال دار معلوم ہوتا تھا۔ ان چاروں نے آپس میں صلاح کی کہ کسی طرح اس مسافر کے مال و دولت پر قبضہ کرنا چاہیے۔ کچھ دیر سوچ کر انھوں نے یہ ترکیب طے کی کہ اس مسافر سے کہا جائے کہ ہم سب ایک دوسرے کو ایک ایک کہانی سنائیں اور ہم میں جو کوئی کسی کی سنائی ہوئی کہانی پر یقین نہ کرے اور اسے جھوٹا کہے وہ اپنا سارا مال کہانی سنانے والے کے حوالے کر دے۔ اس طرح ہم چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ایسی کہانی سنانے کی کوشش کرے جو مسافر کو جھوٹی معلوم ہو اور وہ اس پر یقین کرنے میں شک کرے۔ ہم میں سے جو کوئی جیتے وہ مسافر کے مال پر قبضہ کر کے چاروں دوستوں میں تقسیم کر دے۔

مسافر کو یہ تجویز بتائی تو اس کو یہ تجویز بڑی دل چسپ معلوم ہوئی اور اس نے ان کی شرط مان لی اور کہانی شروع کرنے سے پہلے گاؤں کے چودھری کو وہاں بلایا گیا اور اس کو انصاف کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔

ایک نوجوان نے اپنی کہانی یوں کہنا شروع کی:

"دوستو! ابھی میں پیدا نہیں ہوا تھا کہ میری ماں نے میرے باپ سے کہا کہ میرے لیے کچھ آلوچے باہر درخت سے توڑ لاؤ۔ میرے باپ نے کہا" درخت بہت اونچا ہے، میں اس پر نہیں چڑھ سکتا۔" پھر میری ماں نے میرے بھائیوں کو آلوچے لانے کو کہا۔ انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ مجھے اپنی ماں پر بہت ترس آیا اور میں سب کی آنکھ بچا کر چپکے سے درخت پر چڑھ گیا اور آلوچے لا کر میز پر رکھ دیے۔ اب سب حیران تھے کہ یہ آلوچے کہاں سے آئے۔

یہ کہانی سُنا کر اس نوجوان نے مسافر کی طرف دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مزدور اس کہانی کو جھوٹی کہے گا، مگر مسافر نے اطمینان سے کہا،
"کہانی تو بالکل سچی معلوم ہوتی ہے۔"
اس کے بعد دوسرے نوجوان کی باری آئی۔ اس نے اپنی کہانی شروع کی:
"بھائیو، جب میری عمر سات سال کی تھی تو ایک دن جنگل کو گیا، جہاں کھجور کا بہت اُونچا درخت تھا۔ مجھے اس وقت بہت بھوک لگ رہی تھی۔ میں کھجوریں کھانے کے لیے درخت پر چڑھ گیا اور خوب پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں۔ جب میں نے نیچے اُترنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے اُترا نہ گیا، کیوں کہ مجھے ڈر لگا کہ کہیں میں گر نہ پڑوں۔ آخر بہت سوچ کر میں گاؤں میں گیا اور وہاں سے ایک سیڑھی لایا۔ وہ سیڑھی میں نے کھجور کے درخت پر لگائی اور آرام سے نیچے اُتر آیا۔ اگر میں سیڑھی نہ لاتا تو آج تک اس درخت پر لٹکا ہوتا۔"
یہ کہانی سُنا کر اس نوجوان نے بھی مسافر کی طرف دیکھا۔ مسافر نے کہا، "کہانی بہت مزے دار

اور بالکل سچی معلوم ہوتی ہے۔"

اب تیسرے نوجوان نے اپنی کہانی سُنانی شروع کی۔ اس نے کہا:

"دوستو! جب میری عمر ایک سال کی تھی تو میں نے ایک دن دیکھا کہ ایک خرگوش بہت تیزی سے دوڑتا ہوا جنگل کی طرف جا رہا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ ہم دونوں دوڑتے رہے۔ آخر میں نے خرگوش کو پکڑ لیا۔ جب میں نے اس خرگوش کو پکڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ خرگوش نہیں بلکہ شیر ہے۔ شیر نے مجھے کھانے کے لیے اپنا منھ کھولا۔ میں نے بڑی عاجزی سے کہا کہ اے جنگل کے بادشاہ، میں نے آپ کو غلطی سے پکڑ لیا ہے۔ میں سمجھا تھا کہ خرگوش ہے۔ میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ تو بڑے بہادر اور رحم دل بادشاہ ہیں اور میں ایک چھوٹا سا بچّہ ہوں۔ مجھے میرے گھر جانے دیجیے۔ میرے ماں باپ میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ مگر صاحب، وہ شیر نہ مانا اور زیادہ چنگھاڑ ہاڑا۔ اس پر مجھے بہت غصّہ آیا۔ آخر میں نے شیر کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ ڈر کے مارے چیختا چلّاتا وہاں سے بھاگ گیا۔"

مسافر نے کہانی کی بہت تعریف کی اور کہا، "کہانی بہت دِل چسپ اور سچّی ہے۔ ایسے بہادر کی کہانی کو کون جھوٹی سمجھے گا۔" اس کے بعد چوتھے نوجوان کی باری تھی۔

اس نے کہا:

"صاحبو! پچھلے سال میں ایک کشتی میں سوار ہو کر مچھلی کا شکار کھیلنے دریا میں گیا۔ بہت دیر تک بڑی کوشش کے بعد ایک مچھلی بھی ہاتھ نہ آئی۔ آخر میں نے وہاں کے مچھیروں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ کیا یہاں مچھلیاں نہیں ہیں؟"

وہ کہنے لگے، "ہم نے بھی بہت دِنوں سے یہاں کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔"

پھر میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک ترکیب نکالی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر دریا میں چھلانگ لگا دی اور اس کی تہ میں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑی مچھلی بیٹھی ہے اور اپنے چاروں طرف کی چھوٹی مچھلیوں کو کھا رہی ہے۔ مجھے اس مچھلی پر بڑا غصّہ آیا۔ بھوک بھی بہت لگی ہوئی تھی۔ میں نے کیا کیا کہ ایک مُکّا مار کر اس مچھلی کو ختم کر دیا۔ پھر وہیں آگ جلا کر مچھلی کو بھُونا اور خوب مزے سے کھا کر اپنے گھر چلا آیا۔"

مسافر نے یہ کہانی سُن کر کہا، "واہ وا! بہت ہی خوب کہانی ہے اور بالکل سچی۔"

چاروں نوجوان بہت گھبرائے اور حیران ہوئے کہ مسافر نے ان کی عجیب و غریب جھوٹی کہانیوں پر یقین کر لیا اور سچی مان لیں۔ اب مسافر کی باری تھی، اس نے اس طرح کہانی شروع کی:

کئی سال ہوئے میرا ایک باغ تھا، جس میں ایک عجیب قسم کا درخت تھا۔ اس کی چار شاخیں تھیں اور ہر شاخ میں ایک پھل تھا۔ جب پھل پک گئے تو میں نے ان چاروں پھلوں کو توڑ کر کاٹا۔ ہر پھل میں سے ایک نوجوان نکلا۔ چوں کہ وہ میرے درخت سے نکلے تھے اس لیے میں نے ان چاروں کو اپنا غلام بنا لیا اور چاروں کو اپنے کھیتوں پر کام کرنے کو بھیج دیا، لیکن وہ چاروں نوجوان بہت کام چور اور نکمّے تھے اور دِن بھر ایک جگہ بیٹھے گپیں مارتے رہتے تھے۔ پھر وہ کام سے بچنے کے لیے وہاں سے بھاگ گئے۔ میں بھی ان کی تلاش میں چل پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ چاروں غلام مجھے مل گئے اور اب وہ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد مسافر نے کہا:

"تم چاروں میرے بھاگے ہوئے وہی غلام ہو۔ اب میرے ساتھ چلو اور کام کرو۔"
یہ کہانی سُن کر چاروں نوجوان بے حد پریشان ہوئے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ یہ کہانی جھوٹی ہے تو مسافر شرط جیت جاتا ہے اور ان کا سارا مال و اسباب مسافر کو مل جائے گا۔ چناں چہ مجبور ہو کر خاموش رہے۔ گاؤں کے چودھری نے نوجوانوں سے کہا کہ اب بولو مسافر کی کہانی سچی ہے یا جھوٹی؟ وہ پھر بھی چُپ بیٹھے رہے کہ بولیں تو کیا، اس پر چودھری نے کہا، "مسافر شرط جیت گیا ہے اور چوں کہ تم اس کی کہانی کا کوئی جواب نہیں دے سکے، اس لیے یہ تمھارا مالک اور تم اس کے غلام ہو۔ اب جو اس کے جی میں آئے کرے۔" آخر مسافر نے کہا:
"یہ چاروں غلام بھاگتے وقت میرا مال بھی لے گئے تھے، اس لیے جو کچھ ان کے پاس ہے وہ سارا میری ملکیت ہے۔ یہ بھگوڑے اور چور ہیں۔" یہ کہہ کر مسافر نے ان چاروں نوجوانوں کے سارے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور سب سامان باندھ کر سرائے سے روانہ ہو گیا۔
نوجوان چُپ چاپ بیٹھے اس کو جاتے دیکھتے رہے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ چودھری نے ان سے کہا: "یہ تمھارے جھوٹ بولنے کی سزا ہے۔ اب توبہ کرو کہ کبھی جھوٹ نہ بولو گے۔"

بیٹا! ذرا ڈاکٹر صاحب کو فون کر دو، ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے پیٹ میں آگ لگی ہے۔
ابو، آگ کے لیے ڈاکٹر صاحب کیا کر سکتے ہیں، میں نے فائر بریگیڈ والوں کو بلایا ہے

۳۹

دو مُسافر

علی اسد

کسی زمانے میں دو آدمی ایک ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ ان میں سے ایک آدمی کی عادتیں اچھی تھیں اور ایک کی خراب۔ دراصل دونوں اپنی اپنی قسمت آزمانے کے لیے نکلے تھے۔ اچھا آدمی اپنے کھانے میں سے اپنے ساتھی کو بھی کھلاتا رہا، یہاں تک کہ اس کا کھانا ختم ہو گیا۔ چناں چہ اچھے آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا، "کیا میں تمھارے کھانے میں شریک ہو سکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں!" اس کا ساتھی چلّایا اور غصّے میں اتنا آپے سے باہر ہو گیا کہ اپنے ساتھی کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور پھر اس کا سارا سامان چرا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ اچھا آدمی جنگل میں اکیلا رہ گیا۔ بے چارے اندھے آدمی نے چڑیوں کی آوازیں سنیں اور ان ہی کے سہارے وہ اس درخت پر چڑھ گیا جس کی اونچی شاخوں پر چڑیاں بیٹھی تھیں۔ اچھا آدمی صبح تک اپنے آپ کو جنگلی

جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے درخت پر چڑھا تھا۔

اتفاق سے اس کو یہ محسوس ہوا کہ وہ چڑیوں کی بولی سمجھ سکتا ہے۔ چناں چہ وہ سننے لگا۔ چڑیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی باتوں سے اس آدمی کو یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی اندھا آدمی اس درخت کی شبنم کو اپنی آنکھوں میں ڈال لے تو اس کی بینائی بحال ہو جائے گی۔ اسی کے ساتھ اس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک بادشاہ کی بیٹی بہت بیمار ہے۔ اس کو اس پھول کے ذریعہ سے صحت حاصل ہو سکتی ہے جو قریب ہی پایا جاتا ہے اور اسی پھول کے ذریعہ سے پانی کا بھی پتا چلایا جا سکتا ہے اور اس طرح باغ کو زرخیز بنایا جا سکتا ہے۔

چناں چہ نابینا آدمی نے فوراً اپنی آنکھوں میں شبنم کے قطرے ڈالے۔ واقعی اس کی آنکھوں میں روشنی آ گئی اور وہ دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اس پھول کو توڑ لیا اور اس طرف چل پڑا جہاں شہزادی بیمار تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے بادشاہ سے اجازت حاصل کی اور شہزادی کو اچھا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے پانی دریافت کر کے بادشاہ کے باغ کو خوب سرسبز کر دیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس نے شہزادی کی شادی اس آدمی سے کر دی۔ اب یہ آدمی آرام سے زندگی بسر کرنے لگا، لیکن ایک دن وہی خراب آدمی آ گیا جس نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ خراب آدمی نے اس سے پوچھا کہ تم کو یہ سب نعمتیں کیسے حاصل ہو گئیں! اچھے آدمی نے کہا" یہ تو بالکل آسانی سے ہو گیا۔" دراصل اچھا آدمی بہت سیدھا سادا تھا، لہٰذا وہ بولا" میں نے تو صرف اتنا کیا کہ ایک درخت پر چڑھ گیا اور وہاں چڑیاں جو باتیں کر رہی تھیں ان کو سُن لیا۔ اچانک میں چڑیوں کی بولی سمجھنے لگا۔"

یہ سُن کر خراب آدمی فوراً اسی جگہ پہنچا جہاں پر اس نے اپنے ساتھی کو اندھا کیا تھا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں چڑیاں آ گئیں اور درخت کی اونچی شاخوں پر بیٹھ گئیں۔ اس آدمی کو بھی یہ محسوس ہوا کہ وہ چڑیوں کی بولی سمجھ سکتا ہے۔ چڑیاں بولیں، "معلوم ہوتا ہے کسی نے ہماری باتیں سُن لیں، کیوں کہ بادشاہ کی بیٹی اچھی ہو گئی ہے اور باغ سرسبز ہو گیا ہے اور پانی دریافت کر لیا گیا ہے۔"

اتنا کہہ کر چڑیوں نے چاروں طرف دیکھا کہ کون ان کی باتیں سُن رہا ہے۔ یکایک ان کی نظریں اس خراب آدمی پر پڑیں، لہٰذا تمام چڑیاں فوراً جھپٹ پڑیں اور خراب آدمی کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔

ہنسو اور ہنساؤ

ایک ان پڑھ شخص الٹا اخبار لیے بیٹھا تھا۔ ایک شخص کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے پوچھا: "کیوں جی، کیا ہے آج کی خبر"؟ فوراً بولے۔ کوئی خاص خبر نہیں، بس کار الٹ گئی ہے۔

وسیم احمد اعوان ــــــــــ

پہلا شخص۔ میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو ٹھیک گیارہ بجے ریس کورس پہنچا۔ اس دن میرا بیٹا گیارہ برس کا ہوا تھا، وہ گیارہویں گھڑدوڑ تھی۔ اس میں کل گیارہ گھوڑوں نے حصّہ لیا، اس لیے میں نے اپنی ساری رقم گیارہویں گھوڑے پر لگادی۔

دوسرا شخص۔ پھر کیا وہ جیتا؟

پہلا شخص۔ (برا سامنہ بناکر) نہیں، وہ گیارہویں نمبر پر آیا۔

شادیہ نور ــــــــــ

پہلا آدمی۔ میرے پاس بے شمار خطوط آتے ہیں، مگر میں ایک بھی خط نہیں پڑھتا۔

دوسرا آدمی۔ تعجب ہے، کیوں؟

پہلا آدمی۔ اس لیے کہ میں ایک ڈاکیہ ہوں۔

عباس فیروز ــــــــــ

ایک دن جوتوں کی دکان کے پوسٹر کے اوپر کسی نے اسپتال کا پوسٹر لگادیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک پوسٹر جگہ جگہ سے پھٹ گیا۔ اس جگہ عبارت کچھ یوں پڑھی جانے لگی۔

"ہمارے یہاں مریضوں کی خاص مرمت کی

جاتی ہے۔ جوتوں کو چمک کے لیے لگانے کا مسالہ
استعمال ہے۔ مریضوں کو بیس دن کی [illegible] بھی دی
جاتی ہے۔

سلمان اقبال ——————

شاعر۔ (بیوی سے) ایک اپنے شعروں سے دنیا میں
آگ لگا سکتا ہوں۔
بیوی۔ لہٰذا اپنے ایک شعر سے چولہے میں تو آگ
لگا دو۔ مجھے ماچس نہیں مل رہی۔

ذکیہ الماس ——————

جج۔ (ملزم سے) تم تو کہتے ہو کہ تم قانونی طور پر اس
آدمی کو جان سے مار دینے میں حق بہ جانب تھے۔
تم نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ بھی باندھا، مگر گولی نہیں
چلائی، کیوں؟
ملزم۔ جناب والا۔ میں لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ
اس آدمی نے کہا کہ یہ بندوق کتنے میں بیچو گے۔
اب آپ ہی بتایئے وہ مجھ سے بزنس کی بات کر رہا
تھا اور میں اسے گولی مار دیتا؟

امجد حسین ثانی ——————

ایک فیکٹری میں آگ لگ گئی، فائر بریگیڈ کی
گاڑیاں آگ بجھانے کے لیے پہنچ گئیں۔ سب گاڑیاں
دور ہی سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ
اچانک ایک گاڑی سیدھی آئی اور تیزی سے آگ
میں گھس گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ بجھ گئی۔
فیکٹری کے مالک نے اس گاڑی والے کو
دس ہزار روپے کا انعام دیا اور اس سے پوچھا تم
مجھے بتاؤ کہ تم ان دس ہزار روپوں میں سب سے
پہلے کون سا کام کرو گے!
گاڑی کے ڈرائیور نے جواب دیا سب سے پہلے
ہم بریک ٹھیک کروائیں گے۔

محمد آصف ——————

باپ۔ بیٹا تم صابن سے کتاب کی جلد کیوں دھو رہے
ہو؟
بیٹا۔ ابا جان، میں نے اشتہار میں پڑھا تھا کہ
صابن جلد کی حفاظت کرتا ہے۔

اعجاز احمد سندھی ——————

کرکٹر مریض۔ (نرس سے) میرا ٹمپریچر کتنا ہے؟
نرس۔ ایک سو دو۔
کرکٹر مریض۔ بہت خوب! گویا ایک سنچری اور
دو رن۔
نرس۔ ہاں! لیکن ابھی ہم آپ کو آؤٹ نہیں
کریں گے۔

حسن مندی خراسانی ——————

خلیل۔ مجھے انگریزی کے ماسٹر بہت پسند ہیں۔
عمران۔ وہ کیوں؟
خلیل۔ اس لیے کہ وہ مجھے بات بات پر کلاس سے
نکال دیتے ہیں۔

ریاض حسین ——————

کھنڈر میں روشنی

محمد تنویر شعیب

گاؤں کے سب ہی لوگ اس کھنڈر کی جانب جاتے ہوئے ڈرتے تھے، لیکن ان دونوں نے یہ خطرہ مول لیا اور کھنڈر کی روشنی کا راز پالیا۔

موسم گرما کی تعطیلات ہو گئی تھیں، عمران اور شاہد یہ چھٹیاں گزارنے اپنے گاؤں جارہے تھے۔ عمران اور شاہد نے جلدی جلدی اپنا سامان پیک کرنا شروع کیا کیونکہ آج ہی دوپہر دو بجے ریل کے ذریعے انہیں اپنے گاؤں روانہ ہونا تھا۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا یعنی ان کے پاس صرف ایک گھنٹا باقی تھا۔

"جلدی کرو بھئی!" عمران نے شاہد سے کہا۔

"ارے ابھی تو بہت وقت باقی ہے، سب ہو جائے گا" شاہد نے بے فکری سے جواب دیا۔

"کیا کہا؟" عمران چلا کر بولا، اور پھر ایک دم طنزیہ لہجہ اختیار کر لیا "ہاں بھئی تم جیسے بےقدروں کو وقت کی کیا قدر، بس اپنی کملی میں مست ہو"

شاہد عمران کا یہ طعنہ سن کر طیش میں آ گیا اور پھر جو اس نے ہاتھ پیر چلائے تو خدا کی پناہ۔ آخر وہ دونوں مقررہ

وقت سے پہلے ہی ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے' ریل مقررہ وقت پر آئی اور وہ اس میں سوار ہو گئے' ریل چھوٹے بڑے ریلوے اسٹیشنوں سے ہوتی ہوئی مسافت طے کر رہی تھی۔

شاہد اور عمران آپس میں خالہ زاد بھائی تھے' اور دونوں ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ وہ دونوں اپنے گاؤں سے شہر پڑھنے آئے ہوئے تھے اور اسکول سے ملحق ہاسٹل میں رہتے تھے۔ امتحانات ختم ہو گئے تھے اور ساتھ ہی گرمیوں کی تعطیلات بھی ہو گئی تھیں' لہٰذا انہوں نے پہلے ہی گھر والوں کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ اتوار کے روز گاؤں پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ انہیں لینے کے لیے اسٹیشن آجائیں۔

طویل سفر کے بعد ریل منزلِ مقصود پر پہنچنے والی تھی۔ لہٰذا وہ دونوں اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے' آخر اسٹیشن آگیا اور وہ دونوں نیچے اترے اور گھر والوں کو تلاش کرنے لگے۔ جلد ہی وہ ان کو مل گئے اور وہ سب آپس میں بغل گیر ہو گئے' انہوں نے جلد ہی ان کا سامان اٹھایا اور ایک تانگا کر لیا۔ اس تانگے میں وہ دونوں' ان کے والد اور بھائی سوار ہو گئے اور تانگا چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد سیاہ بادلوں کی چادر نے تمام آسمان کو اپنی آغوش میں لے لیا اور چہار سو اندھیرا چھا گیا۔

"ارے ابا جان اس راستے کو کیوں نہیں اختیار کیا؟" شاہد نے اچانک پوچھا۔

"گھر تو چلو پھر بتاؤں گا تم کو' اس وقت تم لوگ تھکے ہوئے ہو آخر اتنی طویل مسافت طے کر کے آ رہے ہو"۔ "ویسے اب یہ راستہ خطرناک ہو گیا ہے اور شام قریب ہے"۔

"مگر آخر ایسی کیا بات ہو سکتی ہے خالو جان؟" عمران نے پوچھا

"یہ ذرا تفصیلی بات ہے تم لوگ پہلے گھر تو چلو"۔

عمران اور شاہد اس وقت تو خاموش ہو گئے مگر تمام راستے وہ اسی الجھن میں گرفتار رہے اور اشاروں ہی اشاروں میں پوچھتے رہے کہ آخر ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے' مگر وہ یہ نہ جان سکے۔

ریلوے اسٹیشن اور ان کے گاؤں کے درمیان ایک گاؤں پڑتا تھا اگر وہ لوگ اس گاؤں میں سے گزرتے ہوئے آتے تو یقیناً انہیں دیر نہ لگتی' مگر ان لوگوں نے وہ راستہ اختیار کیا جہاں سے ان کے گاؤں تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگتے تھے' پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ تانگے والے نے ان لوگوں کو وہاں اتار دیا جہاں ان کا گاؤں شروع ہونے سے پہلے ایک پگڈنڈی پڑتی تھی۔ تانگے والے نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اسے شام ہونے سے پہلے گھر واپس جانا ہے اور یہ اس کا آخری پھیرا ہے۔ عمران کے والد نے بہ خوشی اس کی معذرت کو قبول کیا اور اس کو وہاں تک کا کرایہ ادا کیا اور تانگے والا اسی راستے پر اکیلا واپس ہو گیا۔ وہ تمام لوگ پگڈنڈی پر چلنے لگے' پگڈنڈی ختم ہوتے ہی ان کا گاؤں شروع ہو گیا' مگر عمران اور شاہد گاؤں کی حالت دیکھ کر حیران رہ گئے کیوں کہ گاؤں کو دیکھنے پر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے یہاں برسوں سے کوئی رہا ہی نہ ہو' مگر پھر انہیں گاؤں کے گھروں کی کھڑکیوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آئی۔ جب وہ پچھلے برس گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے آئے تھے تو ہر طرف گہما گہمی تھی۔ بچے بھی کھیلتے کودتے نظر آ رہے تھے اور کسان بھی شام کو اپنی کمر پر گٹھری اور ہاتھ میں کدال لیے اپنے گھروں کو ہنسی خوشی لوٹتے نظر آتے لیکن اب تو حالت ہی کچھ اور تھی۔ آخر کار وہ دونوں اپنے گھر میں داخل ہوئے جہاں ان کی والدہ اور بہن بھائی ان کے منتظر تھے۔

عمران اور شاہد ایک ہی گھر میں رہتے' یہ پکی اینٹوں کا کافی بڑا مکان تھا۔ دونوں خاندان آپس میں مل کر ہنسی خوشی ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کی محبّت کا دم بھرتے۔ گاؤں میں ان کی اپنی کچھ زمینیں تھیں جن کی بدولت ان کی گزر بسر آسانی سے ہو جاتی' انھوں نے جلدی سے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے اس عرصے میں دسترخوان لگ چکا تھا۔

یہ گاؤں چونکہ ابھی تک بجلی اور دوسری آسائش چیزوں سے محروم تھا چنانچہ انھوں نے چراغ کو عین دستر خوان کے بیچ میں رکھ دیا۔ عمران اور شاہد کو اتنے عرصے بعد گھر کا کھانا میسّر ہوا تھا چنانچہ انھوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا' کیونکہ ہوسٹل کے جو باورچی چاچا کھانا پکاتے تھے وہ بھلا اس کھانے کی برابری کہاں کر سکتے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد ان دونوں نے اپنے ہاتھ وغیرہ دھوئے' گھر کے دوسرے افراد اس وقت چار پائیاں ڈال کر لیٹ رہے' جب کہ عمران اور شاہد نے اپنا اسکول کا کام سنبھال لیا جو انھیں گرمیوں کی تعطیلات میں ملا تھا۔ چراغ انھوں نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔

"ارے ابّا جان سے تو پوچھنا ہی بھول گئے کہ آخر ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے وہ برابر والے گاؤں کے راستے سے نہیں آئے" عمران نے کہا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا حالانکہ جب ہم پہلے آئے تھے تو اسی راستے کے ذریعے آئے تھے"

"ویسے ایسی ضرور کوئی بات ہے جس سے تمام گاؤں والے پریشان ہیں اور ہمارے گاؤں میں بھی ویرانی سی چھائی ہوئی ہے" عمران نے کہا اور گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اب تک سفر کی تھکان ویسی ہی ہے اور اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں" ۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ باقی کام کل صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا جائے، کیونکہ ہماری وجہ سے گھر والوں کے آرام میں خلل ہو رہا ہو گا" اس کے ساتھ ہی شاہد نے تمام کتابیں وغیرہ سمیٹیں اور چراغ کی روشنی مدھم کر دی اور وہ دونوں اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔

صبح ہوئی تو وہ دونوں اپنے والد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے قریبی مسجد چلے گئے' واپس آئے تو سورج کا اجالا پھیل چکا تھا۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد عمران اور شاہد اس کمرے میں پہنچے جہاں عمران کے والد بیٹھے ہوئے تھے' عمران نے ان سے پوچھا تو اس کے والد نے بتاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا پچھلی مرتبہ جب تم چلے گئے تھے تو اس کے قریباً ایک دو مہینے کے بعد برابر والے گاؤں سے یہ خبر اڑتی ہوئی آئی کہ اس گاؤں میں جو کھنڈر تھا اس پر آسیب نے قبضہ کر لیا ۔ تقریباً ہر رات اس کھنڈر میں بہت سے چراغوں کی روشنی ٹمٹماتی ہوئی نظر آتی ہے"

"تعجب ہے اس سائنسی دور میں بھی اس قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں" شاہد نے حیران ہو کر کہا۔ "پورا گاؤں اس کھنڈر کے خوف سے سہما ہوا ہے' رات تو رات دن میں بھی لوگ وہاں جانے سے ڈرتے ہیں"...... عمران کے والد نے کہا...... "یہی وجہ ہے کہ میں تمھیں دوسرے راستے سے گاؤں لایا تھا اور اب اس کھنڈر کا خوف ہمارے گاؤں میں بھی پھیل چکا ہے" ۔

"لیکن خالو جان کیا آپ نے بھی وہ پُراسرار روشنی دیکھی ہے؟" شاہد نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں بھی گاؤں کے چند بڑے بوڑھوں کے ساتھ گیا تھا' لیکن ہم لوگ دور سے ہی واپس چلے آئے" ...... عمران کے والد نے حقّہ گڑگڑایا اور کہا

میں بہت سا دھواں چھوڑتے ہوئے دوبارہ کہا......
"بعض بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ اس ظالم وڈیرے کی وجہ سے ہوا ہے جس نے تین معصوم بچوں کو ابدی نیند سلا دیا ہے"

"تین بچوں کا قتل" ... عمران اور شاہد کورس کے انداز میں بولے..... "مگر کیوں؟"

"دراصل یہ تینوں بچے چھپ کر گاؤں سے باہر پڑھنے جاتے تھے۔ وڈیرے کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے بنا سوچے سمجھے ان تینوں کو قتل کروا دیا"۔

"تعجب ہے علم جیسی دولت کمانے پر ان تین معصوم بچوں کا قتل ہوا" عمران نے ششدر ہو کر کہا

"ہاں دراصل اس گاؤں میں پڑھنے لکھنے کو برا سمجھا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کئی ماسٹر بھی یہاں آچکے ہیں مگر بے سود' کیونکہ وڈیرے کی اس ظالمانہ بد سلوکی کا کوئی مداوا نہیں' ابھی پچھلے سال ہی کی بات ہے جب ایک نیا ماسٹر آیا تھا تو اگلے ہی روز وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اسے وڈیرے نے مروا دیا اور اب اس کی روح اس کھنڈر پر راج کر رہی ہے۔"

"ابا جان اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم دونوں کھنڈر کو دور سے دیکھ کر آ جائیں" عمران نے سوال کیا۔

"بیٹا! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہاں البتہ شاہد بیٹا تم اپنے والد سے ضرور اجازت لے لو" اور شاہد دوڑ کر چلا گیا جب وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا' جس کا مطلب عیاں تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ مگر دور ہی سے دیکھنا بیٹے مگر ابھی رات دور پڑی ہے لہٰذا تم دونوں اپنا اسکول کا کام کر لو' اور وہ دونوں اپنا اسکول کا کام کرنے لگے۔ آخر اللہ اللہ کر کے رات ہوئی اور وہ دونوں گھر سے نکل پڑے' ارد گرد کا تمام علاقہ سنسان پڑا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا چنانچہ ان کے چہرے پر پسینا آنے لگا' وہ چلتے گئے یہاں تک کہ وہ اس کھنڈر کے نہایت قریب ہو گئے وہاں واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے بہت سے چراغ جل رہے ہوں مگر میرے خیال میں ہمیں کل رات کو یہاں آنا چاہیے" عمران نے کہا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے" یہ کہہ کر وہ دونوں واپس چل پڑے۔

☆☆☆☆

رات کے تقریباً گیارہ بج رہے ہوں گے' عمران اور شاہد گھر میں بغیر کسی کو مطلع کیے ہوئے باہر نکل آئے' انہوں نے اپنی ٹارچ کو روشن کر رکھا تھا' جس کی روشنی میں وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کھنڈر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ چہار سو مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کوئی جانور اس خاموشی کے حصار کو چیخ کر توڑ دیتا۔ انہوں نے کھنڈر کی جانب دیکھا واقعی وہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے بہت سے چراغ روشن ہوں۔

"میرے خیال میں ہمیں آگے بڑھنا چاہیے" عمران نے کہا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے کھنڈر سے قریب تر ہوتے گئے یہاں تک کہ کھنڈر کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ اس دیوار کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا وہ اس ٹوٹے ہوئے حصے سے اندر داخل ہو گئے' کھنڈر کے اندرونی حصے میں ایک راہداری تھی۔ جہاں چراغوں کی روشنی میں اضافہ ہو گیا اندر سے کچھ شوروغل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عمران اور شاہد کے تمام جسم پسینے میں شرابور تھے' راہداری ختم ہونے پر ایک دیوار آ گئی جس میں جا بجا سوراخ تھے۔ عمران اور شاہد نے ان سوراخوں میں سے دوسری جانب جھانکتے ہوئے دیکھا تو

باتیں یاد رکھنے کی

- ○ کوئی کام شروع کریں یا دسترخوان پر بیٹھیں تو کہیئے ـــــ بسم اللہ
- ○ چھینک آئے تو کہیئے ـــــ شکر الحمد للہ
- ○ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو تو ـــــ انشاء اللہ
- ○ جب کسی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو ـــــ سبحان اللہ
- ○ جب کسی بات پر خوش ہوں تو ـــــ ماشاء اللہ
- ○ جب کوئی بات اچھی نہ لگے تو ـــــ لاحول ولاقوۃ الا باللہ
- ○ جب کوئی پانی پلائے یا کوئی چیز دے تو ـــــ جزاک اللہ
- ○ قسم کھانے پر ـــــ واللہ باللہ
- ○ پناہ مانگتے وقت ـــــ نعوذ باللہ
- ○ رخصت کرتے وقت ـــــ فی امان اللہ
- ○ دعائے نیک کے وقت ـــــ آمین ثم آمین

مرسلہ : کاشف عمران۔

حیرانی سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دیوار کے دوسری جانب ایک بہت بڑا صحن تھا جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چراغ رکھے ہوئے تھے اور ان چراغوں کی روشنی میں سینکڑوں بچے پڑھ رہے تھے۔ ان بچوں میں ان کے گاؤں کے بچے بھی شامل تھے۔ دوسری جانب ایک ماسٹر صاحب کرسی پر براجمان تھے، جو باری باری ایک ایک بچے کو بلاتے اور اس سے سبق سنتے اور اس کو پڑھاتے......

"تعجب ہے!" عمران کے منہ سے نکلا انہوں نے ایک بار پھر آنکھیں مل کر دیکھا مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔

"اب میری سمجھ میں تمام معاملہ آگیا ہے!" "اب ہمیں چلنا چاہیے اور صبح اپنے ابو کو لے کر ہم یہاں اس گاؤں آئیں گے" اور وہ دونوں واپس گھر کو چل دیے۔

صبح ہوئی تو وہ دونوں اپنے والد کے ساتھ گاؤں پہنچے۔ فجر کی نماز کے بعد گاؤں کے بڑے، بوڑھے، بچے اور نوجوان گاؤں کی پنچایت میں جمع ہو جاتے تھے۔ جہاں مختلف مسائل کو حل کرنے کے لیے لوگوں کے درمیان استصواب ہوتا۔ عمران اور شاہد سیدھے پنچایت پہنچے۔ سلام وغیرہ کیا تو سب کی توجہ ان کی جانب مبذول ہو گئی اور پھر اچانک عمران نے ایک سوال کر دیا

جس پر تمام لوگ چونک پڑے "کیا آپ لوگ اس کھنڈر کی روشنی کے بارے میں جاننا چاہیں گے؟"

"کیا مطلب؟" چند آوازیں ابھریں "ہاں ہاں" سب نے حیرانی سے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں بتاتا ہوں کہ یہ روشنی کیا ہے یہ روشنی علم کی روشنی ہے!"

"کیا مطلب؟" سب نے ایک مرتبہ پھر استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"آج سے تقریباً ایک سال پہلے اس گاؤں میں جو ماسٹر صاحب آئے تھے، وہی دراصل اس کہانی کا اصل کردار ہیں۔ جن کو آپ کے آدم وڈیرے نے واپس بھجوا دیا تھا مگر وہ واپس نہیں گئے تھے۔ انہوں نے کھنڈر کو اپنی پناہ گاہ بنایا، یہاں کے بچوں کو چونکہ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ اس لیے ماسٹر صاحب نے اس گاؤں میں دیہاتی بن کر رہائش اختیار کر لی اور اس نیک کام کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے لگے۔ انہوں نے یہاں کے بچوں کے علم کے شوق کو مزید اجاگر کیا اور انہیں بتایا کہ وہ ان بچوں کو رات کو کھنڈر میں پڑھائیں گے"۔ عمران چند ثانیے رُکا اور پھر کہنا شروع کیا "اس نیک مقصد کے حصول کے لیے ماسٹر صاحب نے تمام بچوں کو مفت کتابیں لا کر دیں اور گاؤں کے بچے رات کو چھپ کر پڑھنے جانے لگے۔ ماسٹر صاحب ایک پڑھے لکھے باشعور انسان تھے چنانچہ انہوں نے کھنڈر میں چراغوں کا انتظام کیا اس طرح دہرا فائدہ ہو گیا ایک تو گاؤں کے لوگ خوف زدہ ہو گئے اور اس طرف آنا چھوڑ دیا، دوسرے بچوں کو پڑھنے لکھنے کے لیے روشنی میسر آ گئی۔ لیکن ماسٹر صاحب کو ہم سے کوئی دشمنی نہیں بلکہ یہ ہمارے رسولؐ کی سنت ہے اور جب آپ لوگوں نے اپنے حضورؐ کی سنت پر عمل نہیں کیا تو ماسٹر صاحب کو یہ تدبیر کرنا پڑی۔ اب باقی کام آپ کا ہے کہ آپ اپنے رسولؐ کی سنت پر عمل کرتے ہیں یا اسے رد کرتے ہیں..... اگر رد کرتے ہیں تو آپ مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔" عمران ایک بار پھر ذرا دیر کے لیے رُکا اور اس نے سب کی طرف متلاشی نگاہوں سے دیکھا تو سب کی نگاہیں شرم سے جھکی جا رہی تھیں۔

"آپ لوگ دراصل ظالم وڈیرے کے محکوم بن کر رہ گئے ہیں"

"نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں!" چند آوازیں ابھریں۔

"تو پھر؟" عمران نے سوال کیا۔

مجمع میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ "ہمیں عہد کر لینا چاہیے کہ ہم ظالم وڈیرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں باقی اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہو گا۔ ظلم آج نہیں تو کل ضرور مٹ جائے گا اب آپ لوگ فیصلہ کریں کہ حق کی جانب آئیں گے یا باطل کی جانب"

تمام مجمع میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اچانک سب نے مل کر کہا "حق کی جانب"۔

*

اگلے روز عمران اور شاہد ابھی ناشتے وغیرہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ برابر والے گاؤں سے یہ خبر آئی کہ ظالم وڈیرے کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ عمران اور شاہد نے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھا کہ جیسے وہ یہ کہنا چاہ رہے ہوں کہ اب تو یہ بات گاؤں والوں پر ثابت ہو گئی کہ ظلم آج نہیں تو کل ضرور مٹ کر رہتا ہے اور اب تو گاؤں میں نئے مدرسے کی تعمیر بھی شروع ہو چکی تھی۔

سمار تے تھے ایسی عورتیں تھیں جو مردوں کے
ظلم اور بُرے سلوک سے تنگ آئی ہوئی تھیں ایسے
بچے تھے جو یتیم تھے اور کوئی ان کے سر پر ہاتھ رکھنے
والا نہ تھا۔

محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم حرا نامی غار میں تھے
کہ پہلی وحی نازل ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السّلام
حاضر ہوئے اور کہا "اے محمدؐ پڑھیے اپنے رب کے نام سے
جس نے پیدا کیا"۔

دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب
پڑھنے کو دینی فریضہ قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے
کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے اور
دنیا میں علم کا چرچا ہوا مسلمانوں کو دیکھتے ہوئے
دوسری قوموں نے بھی علم حاصل کرنے کی کوششیں
کیں اور اس طرح علمی اور سائنسی ترقیوں کا آغاز
ہوا۔

محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر آئے اور جو واقعہ
گزرا تھا سب سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ
رضی اللہ عنہا کو بتایا پھر ایک بچے کو جن کا نام
علی تھا تیسرے ان کے دوست ابوبکر اور چوتھے
ان کے غلام زید تھے۔ یہ بات سنتے ہی چاروں افراد
محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئے ایمان کا
مطلب یہ ہے کہ جو کچھ حضرت محمد رسول اللہ نے
بتایا اس کو سچے دل سے تسلیم کیا اور ہمیشہ اس
پر عمل کیا۔ اتنا ہی نہیں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم
جو پیغام لائے تھے اسے دوسروں تک پہنچانے
کا بھی عہد کیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ اس راہ میں جو بھی مشکلیں
آئیں سب کا مقابلہ کریں گے اور دین کی تبلیغ اور
حفاظت میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے
چار افراد کی یہ مختصر قوت تھی جس نے دنیا کے سب
سے بڑے مذہب کو پھیلانے اور دنیا کے کونے
کونے میں پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔

عربوں کو علم ہوا تو بہت غصّے میں آئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم
کے چچا کے پاس گئے اور کہا "بھتیجے کو منع کیجیے کہ ہمارے
خداؤں کو بُرا کہتا ہے" چچا کو اپنے بھتیجے سے بہت محبت
تھی وہ انھیں اس نیک کام سے منع نہ کر سکتے تھے
اب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت سے دشمنوں کا
سامنا تھا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور دشمنوں
کی پروا نہ کی۔ اللہ کا حکم تھا ان لوگوں کو بُت پرستی
کے گناہ سے بچایئے اور اسلام کے دائرہ میں داخل کیجیے۔

ایک دن محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم صفا کی پہاڑی پر چڑھ
گئے اور مکّہ والوں کو پکارنے لگے وہ اکٹھے ہو گئے تو آپ
نے کہا اگر میں کہوں ایک بڑی فوج اس پہاڑی کے پیچھے
سے بڑھتی ہوئی آ رہی ہے تو کیا تم یقین کر لو گے؟
"ہاں" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "کیوں کہ آپ
سچے اور دیانت دار آدمی ہیں" اس پر محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے
فرمایا "میں تم کو بتانا چاہتا ہوں اگر تم اللہ پر جو تمھارا خالق
ہے ایمان نہ لائے تو انجام بہت بُرا ہو گا تم کبھی اللہ کی
نعمتوں کو حاصل نہ کر سکو گے" اتنا سننا تھا کہ سب ناراض
ہو گئے اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس
چلے گئے اس طرح ان کے دشمنوں میں اور اضافہ

▲ امّی (غصّے سے) رحیم تم تینوں سیب کھا گئے۔ میں نے کہا سنھا ایک کھانا۔

رحیم (بھولے پن سے) مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کون سا کھانا۔ اس لیے ریہ سوچ کر میں تینوں ہی کھا گیا کہ ان میں سے کوئی تو میرا ہوگا۔

روزی، روبی محلہ شاہ گنج الہ آباد (یوپی)

▲ ٹمو میاں اپنی خالہ کے ہاں دعوت میں گئے کھانا کھا چکے تو خالہ بولیں "بیٹا ٹمو۔ شرماؤ مت خوب کھاؤ"

ٹمو۔ بس خالہ جان۔ مُنہ تک پیٹ بھر گیا اب جگہ نہیں۔

خالہ جان :۔ اچھا تو یہ لو تھوڑے سے انگور جیب میں رکھ لو گھر جا کر کھا لینا۔

ٹمو:۔ شکریہ، جیبوں میں بھی جگہ نہیں، وہ بھی مُنہ تک بھری ہوئی ہیں۔

محمد فیض، محلہ چاہ خزانچیان۔ رام پور

▲ ... اگر خدا نے تم سے تمہاری ایک بات

قبول کرنے کا وعدہ کیا تو کیا مانگوگے؟

نعیم :۔ دولت اور تُم کیا مانگو گے ظہیر؟

ظہیر :۔ عقل۔

نعیم :۔ بالکل صحیح ہے جس کے پاس جس چیز کی کمی ہوتی ہے وہ وہی شے مانگتا ہے۔

ستید عرفان علی مٹیابرج کلکتہ

▲ خدمت گار :۔ آج آپ خدا کے فضل سے لکھ پتی ہیں مگر مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب آپ کے پیر میں جوتا تک نہ تھا۔

امیر :۔ (گھبرا کر) وہ کب؟

خدمت گار :۔ جب آپ غسل خانے میں تھے۔

س۔م۔ عارف مٹیا محل جامع مسجد دہلی

▲ دیہاتی ڈاکیا :۔ بیگم صاحبہ... مجھے آپ کی ڈاک کے لیے پورے دو میل چل کر آنا پڑتا ہے

بیگم صاحبہ :۔ یہ تو بڑی تکلیف کی بات ہے اچھا آپ میرے خطوط ڈاک کے ذریعے بھیج دیا کریں۔

فیصل خیرالدین احمد۔ باڑہ ہندو راؤ

▲ ڈاکٹر :۔ میں مریض کی آنکھ دیکھ کر مرض۔۔ ہوں، دیکھو، تمہاری بائیں آنکھ دیکھ کر معلوم ہوتا ہے تمھیں تپ دق ہے۔

مریض :۔ جناب میری یہ آنکھ مصنوعی ہے

س۔ نعیم احمد۔ نئی دہلی

راجیندر بہادر موج ۔
موج روڈ
فتح گڑھ۔ یو پی

ہولی کا پیغام

ہرن کشپ، تھا اک زمانے میں راجا
کیا کرتا تھا وہ خدائی کا دعوا
بہن اس کی اک 'ہولیکا' نام کی تھی
زمانے میں مشہور تھی راکششنی
تھے بھائی بہن دونوں بیحد ستم گر
حکومت چلاتے تھے شیطان بن کر
پریشان کرتے تھے بھکتوں کو ہر دم
ستاتے تھے وہ دین داروں کو ہر دم
تھی ممنوع ایشور کی خدمت گزاری
کتھا اور پوجا جرائم تھے بھاری
اسی گھر میں تھا لیکن اک دیوتا بھی
'ہرن کشپ' کا پتر سہلاد نامی
عبادت سے تھا رام کی کام پیہم
تھا وردِ زباں رام کا نام پیہم
'ہرن کشپ' کو اس سے نفرت تھی اتنی
کہ آخر اسے مار دینے کی ٹھانی!
کیا اک ذلیل اس قدر کام اس نے
دیا پتر کو زہر کا جام اس نے
پیا زہر کو رام کا نام لے کر
اثر زہر کا کچھ ہوا کچھ نہ اس پر
جھلک رام کی نھی پیالے کے اندر
ہوا زہر کا جام شربت کا ساغر
ہوا جب کہ ناکام اس کا ارادہ
ہرن کشپ کا بڑھ گیا اور غصہ
دیا حکم سہلاد کو لے کے جاؤ
پہاڑوں کی چوٹی سے نیچے گراؤ
گرایا گیا رام کے بھکت کو جب
لیا اس کو آغوش میں رام نے تب
گرایا تھا جس نے بلندی سے جاکر
وہی خود گرا مر کے دھرتی کے اوپر
ہرن کشپ کو اور بھی اب تو غم تھا
سمجھ میں نہیں آرہا تھا کرے کیا
وہ سہلاد کو ختم کر پائے کیسے
کہ بیچین دل کو سکوں آئے کیسے
کیا اختیار اس نے ہر اک طریقہ
مگر وہ نہ پہلاد کو مار پایا۔

اِس اُلجھن میں آخر خیال ایک آیا — مدد کے لیے 'ہولیکا' کو بلایا
کہا 'ہولیکا' سے یہ کام آ پڑا ہے — کسی طرح پہلاد کو مارنا ہے
تمھیں میرا کام اتنا کر کے دکھاؤ — تمھیں اب مرے رنج و غم کو مٹاؤ
میرا پُتر اور رام کے گیت گائے — مرا بیر ہو کر مرا دل جلائے
بس اب جلد پہلاد کو لے کے آؤ — اُسے لے کے گود آگ میں بیٹھ جاؤ
نہ آنچ آئے گی تم پہ، اور وہ جلے گا — وہ گستاخ یوں اپنی کرنی بھرے گا
'مہاشو' کا ایسا ہے بردان تم کو — اِسی سے ہے یہ کام آسان تم کو
بھڑکتی ہوئی آگ میں جاؤ گی تم — خوش و خرم ہنستی نکل آؤ گی تم
خودی کا نشہ ان پہ اتنا تھا طاری — غلط سمجھے تھے دونوں بردان کو بھی
حقیقت میں 'شو جی' کا بردان یہ تھا — حقیقت میں فطرت کا فرمان یہ تھا
اکیلی اگر آگ میں جاؤ گی تم — خوش و خرم ہنستی نکل آؤ گی تم
'اکیلی' کا لفظ ان کے ذہنوں نے بھولا — غرور اور نخوت کا تھے دونوں پتلا
اُٹھی 'ہولیکا' مست ہاتھی کی صورت — جتائی بھتیجے سے بے حد محبت
لیا گود میں پھول جیسا اُٹھایا — دِکھاوے میں سینے سے اُس کو لگایا
گھسی لے کے پہلاد کو مسکرا کر — بھڑکتے ہوئے تیز شعلوں کے اندر
اُدھر بھگت پہلاد نے بھی پکارا — مرے رام آؤ، تمھیں ہو سہارا
ہوئی یوں نمودار شانِ خدائی — شری رام نے بھگت کی جاں بچائی
کہ پہلاد کو آگ چھو بھی نہ پائی — بھلی آتما آگ سے صاف آئی
وہ جو 'ہولیکا' تھی سراپا بُرائی — فرشتہ صفت کو جلانے چلی تھی
وہ خود ہی جلی، ہو گئی خاک جل کر — حقارت کا مرکز ہے سفاک جل کر
کوئی زہر دے، کوئی خنجر چلائے — جسے رکھے وہ، کون اُسے مار پائے
جو اوروں کے رستے میں کھودے گا گڑھا — یقیناً وہ خود اس میں جا کر گرے گا
بھلائی کرو تو بھلائی ملے گی — بُرائی کے پھل میں بُرائی ملے گی
صداقت نے یوں جھوٹ پر فتح پائی — اُسی یاد میں سب نے ہولی منائی
یہ مقصد ہے کردارِ بد کو جلائیں — ہم آپس میں سب دشمنی بھول جائیں
محبت سے سب کو گلے سے لگائیں — ہر اک سال سب مل کے ہولی منائیں

شمامہ بلال
۱۵۵۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۲۵

"اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں"

صالحہ عابد حسین کا نام کون نہیں جانتا، تقریباً بچہ بچہ اس پیارے نام سے واقف ہے۔ خاص طور پر ہمارے پیامی بچے خواہ وہ صورت سے نا آشنا ہوں۔ بہت ہی پیاری شخصیت تھی اُن کی۔ بچوں سے تو وہ بہت پیار کرتی تھیں۔ اُن کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لکھتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھی مجھے بھی اُن کی محفلوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اُف! اُن کی باتیں اتنی دلنشین ہوتی تھیں کہ اُٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ محرم کی مجلسوں میں، میں اُن کے یہاں جانے کی کوشش کرتی۔ صرف اُن کا بیان سننے کے لیے، اگر کسی وجہ سے نہیں جا پاتی تھی تو بہت افسوس ہوتا تھا کیونکہ ایک تو واقعۂ کربلا اور پھر اُن کا اندازِ بیان۔

مجھے یاد ہے جب وہ حج کرنے کے لیے جا رہی تھیں تو ہمارے یہاں اُن کی دعوت ہوئی تھی۔ اُس وقت میں آٹھویں یا نویں کلاس میں تھی۔ میری عادت تھی اور اب بھی ہے کہ معمولی معمولی باتوں سے پریشان ہو جاتی ہوں اور فوراً ہی روزہ رکھنے کا عہد کر لیتی ہوں۔ اِس طرح مجھے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے رکھنے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اُس دن بھی میرا روزہ تھا۔ جب وہ آئیں اور مجھے اپنے پاس بٹھا کر مجھ سے بھی کھانا کھانے کا اصرار کیا تو والد صاحب نے میرا حال مزے لے لے کر کہہ سنایا۔ وہ خوب ہنسیں۔ اِسی طرح ہنستے ہنسانے خاصا وقت گزر گیا۔ پھر اُنھوں نے جانے کی اجازت چاہی جب جانے لگیں تو مجھے پیار کیا اور مجھ سے مخاطب ہوئیں۔

"تم تو بہت پیاری بچی ہو۔ دوسروں کے لیے روزے تک رکھ لیتی ہو۔ کیا مجھ سے بھی تم بہت پیار کرتی ہو۔" میں نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ جی کیوں نہیں۔ پھر میں تو اتنی دور جا رہی ہوں تم میرے لیے بھی خیریت سے واپس آنے کے لیے ایک روزہ مان لو۔

افسوس یہ ہے کہ مجھے ان کی شدید علالت کی خبر کبھی نہیں ہوئی۔ اچانک انتقال کی خبر ہم سب پر بجلی کی طرح گری۔ کتنی پُرکشش شخصیت تھی اُن کی۔ کاش ان کی شدید علالت کی اطلاع مل جاتی تو میں اُن کی صحتیابی کے لیے ضرور روزہ قبول لیتی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی کہ ابھی اتنی جلدی نہ کیجیے۔ ہزاروں ہاتھ دعاؤں کے لیے اٹھے ہوں گے۔ اِس بار اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی کچھ اور تھی لیکن میں یہ حسرت لیے اب تک پچھتا رہی ہوں •

پیامی ادبی معمّا نمبر ۳ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل:۔ (۱) عادت۔ (۲) فصیلی۔ (۳) خلیفہ (۴) پرندے (۵) سنا (۶) بے چین (۷) جنگجو (۸) مقبول

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے پانچ خوش نصیب

فی کس ۔/۲۰ روپے تقسیم کیے گئے

(۱) مختار مونس۔ کیر آف ہیڈ مدرس مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)۔ (۲) جی الف زہرا۔ پتا مذکورہ بالا۔ (۳) شبانہ بیگم، ۳۴۷ بین بازار باڑہ ہندو راؤ دہلی ۶۔ (۴) ریحانہ بیگم۔ پتا مذکورہ بالا۔ (۵) شائستہ خلیل ۹۵۔ این سیکٹر ۱۷ ڈی۔ آئی۔ زیڈ ایریا بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے دس خوش نصیب

فی کس پانچ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) ایم۔ ایس۔ سلمان۔ (۲) ایس۔ ایس۔ جاوید (۳) کے۔ الف۔ زہرا (۴) نذر محسن (۵) صابرہ بتول (۶) این الف زہرا۔ ان سب کا پتا اورنگ آباد (بہار) (۷) سید خلیل احمد نئی دہلی (۸) خلیق احمد نئی دہلی (۹) عفت فاطمہ نئی دہلی۔ (۱۰) نوید اختر جمیل حسن، مالیگاؤں ناسک۔

خالد لطیف
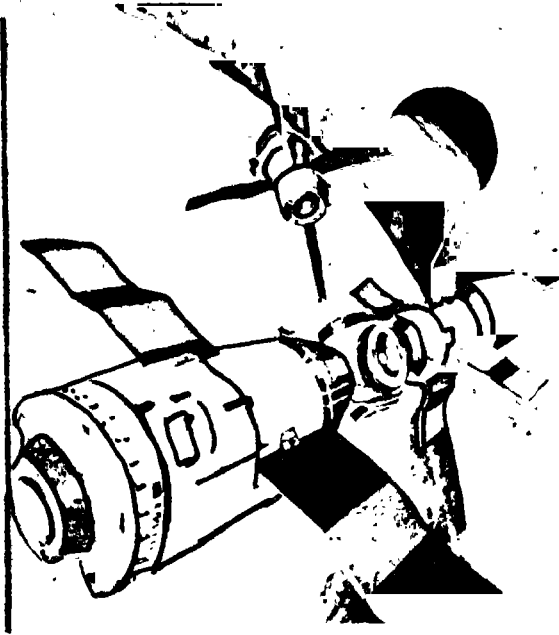
خلا میں پہلا گھر

آسمان صاف ہو تو سورج غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ستارہ حرکت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے یہ ایک مصنوعی سیارہ ہے جو ممکن ہے روس نے اڑایا ہو یا امریکہ نے۔ سب سے پہلا مصنوعی سیارہ روس نے ۱۹۵۹ء میں زمین کے مدار میں بھیجا تھا جس کا نام "سپٹنک اول" رکھا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک سیکڑوں سیارے روس اور امریکہ کی طرف سے زمین کے مدار میں بھیجے جا چکے ہیں جو مختلف کام انجام دے رہے ہیں۔ چند ایک سیارے برطانیہ فرانس اور چین کی طرف سے بھی اڑائے گئے ہیں۔ روس اور امریکہ تو کئی بار اپنے خلائی جہاز چاند کی سطح پر اتار چکے ہیں تاہم امریکہ واحد ملک ہے جس کے خلاباز چاند کی سطح پر اتر کر وہاں سے مٹی اور پتھر کے نمونے لا چکے ہیں۔

روس نے ایک خلائی اسٹیشن بھی زمین کے مدار میں بھیجا ہے جو ایک خلائی تجربہ گاہ کا کام دیتا ہے۔ اسے ایک اڑتا ہوا گھر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے اندر باقاعدہ چھت، دیواریں کھڑکیاں اور دروازے بنے ہوئے ہیں، اس میں خوراک کی ایک الماری اور نہانا گرم

کرنے کا چولھا ہے۔ صبح کی ورزش کے لیے بائیسکل چلانے یا دوڑنے کے لیے ایکسر سائز بھی کر سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ آپ اس طریقے سے کوئی فاصلہ طے نہیں کر سکتے کیونکہ بائیسکل ایک جگہ نصب ہے اور دوڑنے کی ورزش ایک چوڑے پٹے کے ذریعے ہوتی ہے جو گولائی میں چکر کاٹتا رہتا ہے۔

روس نے اس خلائی اسٹیشن کا نام "میر" رکھا ہے جس کا مطلب ہے "امن"۔ اسٹیشن میں عام استعمال کے کمرے کے ساتھ سونے کے کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایک ایک کھڑکی ہے جس کے ساتھ کرسی بھی ہے سونے کے بستر جو تھیلوں کی شکل کے ہیں، دیوار کے ساتھ باندھے گئے ہیں، سر اوپر چھت کی جانب ہے، اس طرح کھڑے ہوکر سونا تجھ عجیب محسوس ہوگا لیکن تکلیف دہ اس لیے نہیں کہ خلائی اسٹیشن میں اوپر نیچے اور دائیں بائیں کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی کسی چیز کا کوئی وزن ہے۔

خلائی سٹیشن "میر" میں رہنے والے خلا باز گھر کا سا آرام محسوس کرتے ہیں

چوبیس گھنٹوں میں خلائی اسٹیشن زمین کے گرد سولہ چکر لگاتا ہے اور خلا باز اتنی ہی بار کھڑکیوں میں سے سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تاہم خلا باز زمینی وقت کے مطابق سوتے جاگتے اور کام کرتے ہیں ایک برقی سکریٹری انھیں وقت پر سونے اور جاگنے کی ہدایت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ دن بھر میں انھیں کیا کرنا ہے۔

خلا باز اسٹیشن سے باہر نکل کر سائنس دانوں کے بتائے ہوئے کام کرتے ہیں وہ دوربینوں کے ذریعہ دور کے ستاروں کا مشاہدہ کرتے ہیں بے وزنی کی حالت میں مختلف کیمیائی اجزاء کی قلمیں بہتر ہوتی ہیں اور بعض دوائیں بھی اچھے طریقے سے بنائی جا سکتی ہیں، خلا باز زمین کی تصویریں بھی کھینچتے ہیں، ان تصویروں کے ذریعے سے ارضیات کے ماہرین معدنیات کا کھوج لگاتے ہیں۔

خلائی اسٹیشن میر بنیادی طور پر ایک گھر ہے، لیبارٹری نہیں، اس لیے اس پر زیادہ اوزار وغیرہ نہیں ہیں، تاہم اس کے ساتھ پانچ خلائی جہاز بیک وقت جوڑے جا سکتے ہیں جو مختلف کاموں کے لیے استعمال ہوتے ہیں مثلاً اڑتی ہوئی فوٹو لیبارٹری، پودوں کے سائنسی مشاہدہ کا باغ، رصدگاہ یہاں تک کہ ایک چھوٹی دھاتوں کو پگھلانے کی بھٹی بھی! ان خلائی جہازوں میں سے جس کی ضرورت خلا میں باقی نہیں رہتی۔ واپس زمین پر بھیج دیا جاتا ہے۔

میر اسٹیشن کے ساتھ جو جہاز سب سے پہلے جاکر ملا سیوز ٹی ۱۵ تھا۔ اس میں تین خلا باز

سوار تھے وہ ۸ ماہ تک سلیوٹ سے اسٹیشن میں رہے تھے مگر انھوں نے اسٹیشن میر کو زیادہ پسند کیا۔

خلا بازوں کے پہنچنے کے بعد ایک سامان بردار جہاز پراگریس ۲۵ پہنچا جس میں خوراک، پانی اور ایندھن اور دوسری ضروری چیزیں لدی ہوئی تھیں ان میں خط، اخبار اور تحفے بھی تھے جو خلا بازوں کے لیے بھیجے گئے تھے۔ خلا بازوں نے اسٹیشن پر ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی بنا رکھا تھا مگر ان کے بوئے ہوئے پیاز ابھی اُگے نہیں تھے۔

خلا باز روس کی سرزمین کے اوپر سے گزرے تو ان کے دوستوں رشتہ داروں اور ساتھی خلا بازوں نے ریڈیو کے ذریعے پیغامات بھیجے، پسندیدہ گلوکاروں نے انھیں نغمے سنائے اور فلم اور ٹی وی آرٹسٹوں نے ان کے اعزاز میں خصوصی پروگرام ٹیلی کاسٹ کیے یہ سب کچھ دیکھ کر خلا باز بہت خوش ہوئے۔ انھیں محسوس ہوا کہ واقعی وہ اپنے گھر میں ہیں۔

"میر اسٹیشن کے کامیاب تجربے سے امید بندھی ہے کہ خلا میں اور بھی کئی پر امن سرگرمیاں پروان چڑھیں گی، کئی قسم کی فیکٹریاں لگیں گی اور انسانی فلاح اور ترقی کے بہت سے کام کیے جائیں گے جو زمین پر اچھے طریقے سے نہیں کیے جا سکتے۔ ممکن ہے آئندہ مریخ اور زہرہ کی طرف جو خلائی جہاز بھیجے جائیں وہ مدار میں گردش کرتے ہوئے خلائی اسٹیشنوں سے بھی بھیجے جائیں۔

پیام تعلیم میں بچوں کی کوشش "نمبر کے چند فنکار۔ جن کی تخلیقات کی اب تک کتابت ہو چکی ہے۔ بقیہ پیامیوں کے مضامین کی کتابت جاری ہے۔

(۱) سلمیٰ خاتون، نئی دہلی۔ (۲) عنبری ناز، نالندہ۔ (۳) نواب الدین، نئی دہلی (۴) ابوطلحہ سرسا۔ (۵) علی جواد زاہد، امراوتی (۶) محمد نعیم، بھٹکل۔ (۷) عبدالغفار، لکشمیشور۔ (۸) شکیل احمد بھٹکل۔ (۹) آصف ابراہیم پرکار، مہاراشٹر (۱۰) عنبری خاتون، نالندہ۔ (۱۱) عشرت جہاں فاطمہ، مہاراشٹر۔ (۱۲) منشا خورشید۔ (۱۳) شبنم اوگانوی، نالندہ۔ (۱۴) سید نظر عباس رضوی، سہسوان (۱۵) یس محمد سلیم، وانمباڑی (۱۶) ناہید افشاں بروڈر (۱۷) شاہینہ پروین، کامٹی۔ (۱۸) سید سرشار احمد، کلیان (۱۹) ریحانہ خاتون، اکولہ (۲۰) عبدالقادر، بھٹکل۔ (۲۱) فرخ سلیم صدیقی، دیوبند۔ (۲۲) حسین شاہد، نئی دہلی (۲۳) محمد شبیر الاسلام، اورنگ آباد (۲۴) فیاض ابراہیم پرکار، رتناگیری۔ (۲۵) رفیع احمد خاں، ورنگل۔ (۲۶) محمد ظہیر الدین انصاری، سنگھ بھوم۔ (۲۷) نسیم شاہد، نئی دہلی۔ (۲۸) اطہر بانو، بروڈر۔ (۲۹) کلیم الدین عثمانی۔ (۳۰) ایم شعیب انصاری، نئی دہلی۔ (۳۱) خلیل الرحمٰن، دیلور۔ (۳۲) سید احمد علی۔ (۳۳) محمد ساجد، بالاپور۔ (۳۴) شبیر احمد، بھیونڈی۔ (۳۵) شیخ سلیم، بھوساول۔ (۳۶) ڈی امان اللہ، وانمباڑی (۳۷) عابدہ بیگم، کرناٹک۔ (۳۸) صلاح الدین، بھوساول (۳۹) محمد ہارون، اکولہ (۴۰) محمد آفتاب عالم، نالندہ (۴۱) نازیہ حبیب، نئی دہلی۔ (۴۲) نیاز احمد گونڈہ (۴۳) محمد شاہجہاں ملک، پٹنہ

کرکٹ کی مختصر تاریخ

کرکٹ کا آغاز پندرھویں صدی میں ہوا تھا اور یہ کھیل انگلینڈ میں کھیلا جاتا تھا۔ قدیم اخبارات سے پتا چلتا ہے کہ کرکٹ میچوں کی خبریں بھی شائع ہوا کرتی تھیں۔ ایسے ہی ایک میچ کی خبر ۱۷۱۹ء کے ایک اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ ۱۷۵۰ء میں پچ کی لمبائی ۲۲ گز (بیس میٹر) مقرر کی گئی۔ اس وقت ۲۲ رانچ کے دو اسٹمپ لگائے جاتے تھے۔ بیٹ کی لمبائی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کرکٹ کے کھلاڑی سفید قمیص اور برجس پہنا کرتے تھے۔

ہیمبلڈن کلب نے جو ۱۷۵۰ء میں قائم ہوا تھا، کرکٹ کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہیمبلڈن ہمپشائر کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی ٹیم نے انگلستان کی باقی کرکٹ ٹیموں کو ہرایا تھا۔

لارڈز کرکٹ گراؤنڈ نے بھی جو ۱۷۸۱ء میں قائم ہوا تھا، اس کھیل کی ترقی و فروغ میں تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۸۱۹ء میں یہ اپنے موجودہ مقام پر منتقل ہوگیا جہاں میرلبون کرکٹ کلب (ایم۔ سی۔ سی) واقع ہے۔ ۱۷۸۸ء میں یہ کلب کرکٹ کے کھیل کی "رولنگ باڈی" بن گیا اور ۱۸۰۰ء میں وکٹ ۲۷ رانچ میں لگائے جانے لگے۔

ٹیسٹ کرکٹ میچ کی ابتدا ۱۸۷۷ء میں ہوئی تھی جب آسٹریلیا کی کمبائنڈ ٹیم نے انگلستان کی دورہ کرنے والی ٹیم للی وہائٹ کو شکست دی تھی۔ انگلستان میں پہلا ٹیسٹ میچ ۱۸۸۰ء میں کھیلا گیا۔

باکسنگ (مکّے بازی) کا آغاز کب ہوا

آپ لوگوں نے باکسنگ کے عالمی چیمپئن محمد علی کی تصویر ٹی وی پر اسے باکسنگ کرتے ہوئے

دیکھا ہوگا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کھیل کا آغاز کب ہوا تھا؟ یہ بتانے سے پہلے ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ باکسنگ کی تاریخ بھی متعدد بار یہ مطالبہ کیا جا چکا ہے کہ اس پر ہمیشہ کے لیے پابندی لگا دی جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی دور میں باکسر جو دستانے پہن کر لڑا کرتے تھے ان میں سیسے یا کانسی کے ٹکڑے ہوا کرتے تھے ان دستانوں کو سٹس کہتے تھے اور ان سے لگنے والی ضرب بہت خطرناک ہوا کرتی تھی۔ ان دنوں باکسنگ یونان کے اولمپکس کھیلوں میں شامل تھی پھر رومن اکھاڑوں میں بھی اس کھیل کا مظاہرہ جاری رہا مگر رومی سلطنت کے زوال پر یہ کھیل ختم ہو گیا۔

اٹھارھویں صدی کے اوائل میں یہ کھیل برطانیہ میں پھر سے کھیلا جانے لگا مگر اس وقت سیسے کے ٹکڑوں والے دستانے ترک کر دیے گئے۔ باکسر دستانے پہنے بغیر لڑا کرتے تھے۔ باکسنگ کے دوران وہ کشتی کے داؤ بھی آزماتے تھے اور راؤنڈ اس وقت تک جاری رہتا تھا جب تک کہ دو میں سے ایک باکسر ناک آؤٹ نہ ہو جائے اس وقت بھی اس کھیل کو "ظالمانہ" کھیل سمجھا جاتا تھا۔ آخر ۱۸۶۷ء میں مارکوئیس کوئنز بری نے اس کھیل کے قواعد مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ چمڑے کے نرم دستانے متعارف کرائے اور ایک راؤنڈ کے لیے تین منٹ کا وقت مقرر کیا۔ ہر راؤنڈ کے بعد ایک منٹ کا وقفہ بھی لازمی قرار دیا تو یہ کھیل مقبول ہونے لگا اور انگلینڈ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں کھیلا جانے لگا۔ آج باکسنگ دنیا کے ہر ملک میں لڑائی جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶)

بھی غریب اور کمزور لوگوں کو نہیں بھلایا گیا بلکہ فطرہ نکالا گیا اور وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

عید گاہ یا جامع مسجد پہنچ کر چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعت نماز واجب ادا کی گئی اور اس کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔ دعائیں مانگی گئیں اور پھر ایک دوسرے سے محبت، خلوص۔ پیار اور بھائی چارے کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے گلے ملے۔

بچوں نے عید گاہ کے باہر میلے سے رنگ برنگی چیزیں لیں، گھر پہنچ کر سب کو سلام کیا۔ دعائیں اور عیدیاں لیں اور اس طرح ایک سال کے لیے پھر رمضان اور اس کے بعد اگلی عید کا انتظار!

شیوک رام

ذہانت

ایک شخص نے درخت میں ۵ اسیب دیکھے اس کے ہاتھ میں دو تھیلے ہیں۔ بتائیے وہ دونوں تھیلوں میں سیب کس طرح ڈالے گا سیب کو کاٹنا نہیں ہے اور برابر برابر ہونے چاہییں۔

جواب: ۔ایک تھیلے میں دوسرا تھیلا ڈالے اور پھر سیب بھرلے۔

شکاری نے ہرن پر گولی چلائی، ہرن مرگیا، شکاری پاس گیا اور یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ گولی ہرن کے کان سے گذرتی ہوئی ہرن کے پچھلے پاؤں کے کھر میں لگی۔ بتائیے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔

جواب: ۔کیونکہ ہرن اس وقت پچھلے پاؤں کے کھر سے کان کھجا رہا تھا۔

ایک دن زیبا کے ہاں مہمان آئے۔ زیبا نے ان کے لیے کافی بنائی۔ اتفاق سے زیبا کی انگلی سے انگوٹھی گر کر کافی میں چلی گئی۔ جب اسے نکالا گیا تو زیبا حیران ہوگئی کہ انگوٹھی ذرا سی بھی گیلی نہیں ہوئی۔ آپ بتائیے کہ انگوٹھی میں کیا راز تھا۔

جواب: ۔انگوٹھی کافی کے خشک ڈبے میں گری تھی گیلی کیسے ہوگی۔

ایک لڑکا کاغذ کے ٹکڑے پر ڈرائنگ کر رہا تھا۔ اچانک اس کا باپ آگیا۔ لڑکے نے کاغذ کا ٹکڑا جلدی سے کتاب کے ۴۱۔ اور ۴۲ صفحے میں چھپا دیا۔ باپ نے کتاب چھینی اور کاغذ ڈھونڈا مگر کاغذ نہ ملا۔ آپ بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا کہاں غائب ہوگیا۔

جواب: ۔کاغذ ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، کیوں کہ کتاب کے ایک ورق کے آگے اور پیچھے ۴۱، اور ۴۲ لکھا تھا۔ "سمجھے!"

ایک بڑے لکڑے کے اگر دس ٹکڑے کریں تو کلہاڑی کے کتنے ہاتھ مارنے پڑیں گے؟

جواب: ۔ نو ہاتھ۔

پیامی بچوں سے۔۔۔

اگر پیام تعلیم آپ کے اسکول کی لائبریری میں نہیں آتا تو پرنسپل صاحب سے درخواست کیجیے کہ وہ پیام تعلیم منگانے کی ہدایت فرمائیں۔ اپنے دوستوں کو بھی مجبور کیجیے کہ وہ پیام تعلیم کے خریدار بن کر اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

بچّوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۲/:	سرکارِ دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۳/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۳/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	۴/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۲/۵۰
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
〃 〃 دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۶/۵۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰	نبیوں کے قصّے	۵/:
ہمارے رسول	۴/۵۰	مسلمان بیبیاں	۴/:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے
نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
مہکتی کلیاں	۶/-
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ظالم ڈاکو	۶/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ذاکر صاحب	۴/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جیمرد	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا ناچ	۲/۰۰
کوئلے کے افسر	۵/۰۰

کتاب	قیمت
پانچ جاسوس	۴/۵۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۲/۵۰
سرخ جوتے	۲/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
جگنوؤں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۶/۵۰

کتاب	قیمت
ٹوٹے کھلونے	۶/-
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/-
پیارے رسول	۴/۵۰
بہادر سیاح	۲/-
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو چپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰

پیامی اَدبی مُعمّا نمبر 39

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۹ رمئی ۱۹۸۶ء

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اُسے ھی نمبر دار لکھیے

1- ذاکر صاحب کو سارے ــــــ کے بچّوں سے بڑی محبت تھی۔ ہندستان/ ملک/ دیس۔
2- ہر وقت اپنے ــــــ میں ڈوبی رہتی۔ تاریک خیالوں / بلند خیالوں۔
3- بڑی بی نے بڑی زور سے ــــــ ماری تھی۔ لاٹھی/ ٹانگ/ لات
4 وہ آدمی تو ــــــ کا دل رکھتا ہے۔ موم ہی/ پتھر ہی۔
5- ہمیشہ ــــــ زندگی بسر کرتا تھا۔ منصفانہ/ عاجزانہ/ سپاہیانہ
6- وہاں لوگوں کو ــــــ باتیں بتاتے رہے۔ اللہ کی/ ہدایت کی/ اسلام کی۔
7- بادشاہ یہ ــــــ سن کر بہت خوش ہوا۔ برجستہ جواب/ فوری جواب
8 بی۔ ٹی کے ٹیچر ڈرے اور پھر بچّوں سے ــــــ کیا۔ معلوم/ دریافت۔

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۶۲ اور ۶۳ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی اَدبی مُعمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

ٹوکن
پیامی ادبی مُعمّا نمبر 39
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔

نام..........

پتا..........

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 39 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جھرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا نانک	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰

کتاب	قیمت
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	-/۵۰
سلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسول	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاک سے	۱/۵۰
پانچ لوٹے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/-
جیت کس کی ؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۲/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
ملا دانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو جیپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
اردو خوشخطی اول	۱/۵۰
اردو خوشخطی دوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی سوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی چہارم	۲/۵۰

کتاب	قیمت
ریڈیو نیچر	۲/۵۰
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۲/۰۰
ہمارے محاورے	۹/۵۰
کہاوت اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	۶/۰۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/-
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵
میر انیس	۲/-
دادا نہرو	۴/-
جلوہ غالب	۲/-
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/-
پہیلیاں	-/۸۰
چھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چڑیا ماں	۳/-
ہمارا دین اول	۷/-
تیار رہو	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں اول	۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postag

Regd. No. D(SE)-043 April, 1988

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025

Regd. with R.N.I. at No.10537/64

ماہنامہ
نئی دہلی ۲۵
پیام تعلیم

بچّوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔
یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی
ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
گاندھی بابا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی
کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز
پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۴/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن
صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے،
یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار
کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت
بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ
بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار
سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ
گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت : ۴/۵۰
تین اناڑی
عصمت چغتائی
گکو، بیلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی
شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان
میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۲/۰۰
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمٰن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہوگئی، لیکن اب تو
اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال
ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی
قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور
کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے
کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۴/۵۰
سرکس
ترئین کار: ڈین کیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا
بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں
سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے
ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ
بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دلی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۰۶ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ بمبئی ۴۰۰۰۰۳ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
بچوں کی کوششیں نمبر
مئی ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۵
پیغام مسعود احمد برکاتی
بچوں کے لیے لکھنا ظ انصاری
پیارے بچو! سیدہ عنوان
117 پیامیوں کی کچی پکی، کھٹی میٹھی تحریروں کا مجموعہ۔
قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: 30/=
غیر ممالک سے ۸۵ روپے
بذریعہ ہوائی جہاز: ۲۰۰ روپے
اڈیٹر: شاھد علی خاں
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲
پیام تعلیم کے سابق مدیران
ڈاکٹر سید عابد حسین
حسین حسان ندوی
اطہر پرویز
اور
ولی شاہجہاں پوری
کے نام
جنھوں نے بچوں میں علم کی روشنی پھیلانے کے لیے اپنی زندگی کا بہترین حصہ صرف کیا
اس شمارے کی قیمت 5/=
پرنٹر، پبلشر سید نسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

بچّوں سے باتیں

لیجیے آپ کا "بچّوں کی کوششیں نمبر" (اسے عید نمبر بھی کہہ لیجیے) حاضر ہے۔ یہ پورا نمبر آپ ہی کی تحریروں سے
سجایا گیا ہے۔ ہم نے تو اپنی طرف سے صرف ایک نہایت اہم مضمون اور ایک خوبصورت نظم شامل کی ہے اور
بس۔ یہ مضمون ۱۹۶۷ء میں جن پیامیوں کے لیے لکھا گیا تھا خیر سے اب ان کے بچے پیام تعلیم پڑھنے کے لائق
ہو گئے ہیں بلکہ پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے پہلے یہ مضمون ۱۹۶۷ء میں پڑھا تھا اور اب ۱۹۸۸ء میں پھر پڑھا
تو ایسا لگا کہ یہ مضمون ۱۹۶۷ء میں نہیں ۸۸ء میں لکھا گیا ہے۔ ایسے مضامین مشکل ہی سے ملیں گے جو
اپنی افادیت، اہمیت اور تازگی کبھی نہیں کھوتے۔ آپ بھی ظ انصاری صاحب کا یہ مضمون بار بار پڑھیے۔
اس پر عمل کیجیے۔ پھر دیکھیے کہ آپ کے مضمون میں بھی چار چاند نہ لگ جائیں تو ہم سے کہیے گا۔

آیئے اب کچھ اس نمبر کے بارے میں بات چیت کریں۔ اس نمبر میں کچھ مضامین اچھے ہیں، کچھ
بہت اچھے، کچھ معمولی ہیں، کچھ کم معمولی۔ بُرا تو شاید ایک بھی نہیں۔ ہاں ایک بات جو
ہم کو بُری طرح کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس نمبر کو اس طرح پیش نہیں کر سکے جس کا یہ
مستحق تھا۔ ہم نے اس نمبر کے لیے آپ سے ایک ماہ کی مہلت بھی لی مگر بات پھر بھی نہیں بن سکی۔ بہر حال
ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف ہے۔ انشاء اللہ اس کی تلافی "خطوط" نمبر میں کریں گے جس کا
باقاعدہ اعلان آئندہ شمارے میں کیا جائے گا۔

بچّوں کے بزرگ دوست، ادیب اور ماہنامہ نونہال کے مدیر اعلا جناب مسعود احمد برکاتی
نے ہماری درخواست پر آپ کے لیے ایک پیارا سا پیغام بھیجا ہے۔ چھوٹا سا پیغام، لیکن کتنی بڑی اور اہم باتیں
اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو پڑھنے کے بعد ہوگا۔

لیجیے ادھر اُدھر کی باتوں میں ہم آپ کو عید کی پیشگی مبارک باد دینا تو بھول ہی گئے۔ آپ سب کو، آپ کے ابو،
امی اور عزیز و اقارب کو ہماری طرف سے عید مبارک۔ خدا آپ کے بزرگوں کو آپ کی خوشیاں دیکھنا
نصیب کرے اور آپ کو اپنے بزرگوں کی خدمت کا موقع عنایت فرمائے آمین، ثم آمین۔

اس نمبر کی تیاری میں جس ہستی کی بار بار ہم کو یاد آئی وہ ہیں آپ کے ہر دلعزیز، سابق اڈیٹر "پیام تعلیم"
دلی شاہجہاں پوری جن کو گذشتہ سال، ۲۰ مئی کو موت کے ظالم ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے
تو آپ کی تحریروں پر جھوم جھوم جاتے۔ اب ہمارے پاس سوائے ان کی یاد کے اور کچھ نہیں۔ اللہ مغفرت کرے۔

اب ایک آخری بات اس نمبر کے بارے میں اپنی رائے دینا نہ بھولیے۔

اس شمارے کے ۱۷۰ فنکاروں کے نام
حروف تہجی کے اعتبار سے

الف

اطہر بانو اقبال حسین — بروڑ
آصف ابراہیم پرکار — رتنا گیری
ایم شعیب انصاری — نئی دہلی ۲۵
ابو طلحہ — سہرسا بہار
اسرار شیخ سلیم — بھساول
ایم تنویر عالم اوگانوی — اوگانو (نالندہ)
انعام الرحمٰن شہاب — اعظم گڑھ
الف سیف الدین انصاری — الہ آباد
اظہر حسین انصاری — موتیہاری
اسرار عزیز — حیدرآباد
ام کلثوم — اعظم گڑھ

ب

بیر احمد عبدالغفور پرکار — رتنا گیری
بدر جہاں محمد باسط — دہلی ۶

ت

تیسیر الدین — کرناٹک
تسنیم ناہید قریشی — دہلی ۶

ث

ثنا اللہ بدر الدین پرکار — رتنا گیری

ج

جمیل الدین احمد گلزار — کلکتہ

ح

حسین شاہد — نور نگر نئی دہلی ۲۵
حنا بلال — نئی دہلی ۲۵
حافظ عبدالواحد پڈنوی — عمر آباد

خ

خلیل الرحمٰن — ویلور
خطیب محمد اسلم ہاشمی اشرفی — ادونی
خورشید احمد اعظمی — اعظم گڑھ

د

دلشاد احمد سعید — دیوبند

ڈ

ڈی۔ امان اللہ — وانمباڑی

ذ

ذاکر خاں — قریش نگر بمبئی

ر

رفیع احمد — ورنگل
ریحانہ خاتون محمد ہارون — آگولہ
رفیعہ بانو — علی گڑھ
رضوان احمد — امراوتی
رقیہ جمال — بھدرک
رؤف خاں — جامنیر
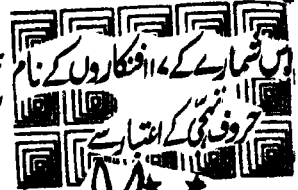
ز

زرافشاں نازلی لبنیٰ — نئی دہلی ۲۵

س

سلمہ خاتون — نئی دہلی ۲۵
سید سرشار احمد سجادی — کلیان
سید نظر عباس — سیوان
سید امجد علی بن مسعود علی ٹیچر
س۔م۔ شعیب — نئی دہلی ۲
ساحل اوگانوی — دہلی ۳۳
سید شمشاد — نالندہ

ش

شازیہ سیمی — گوتم نگر دہلی
شبنم اوگانوی — اوگانو نالندہ
شبیر احمد — بھیونڈی
شاہینہ پروین — کامٹی
شبانہ انجم — بروڑ
شبیر احمد انصاری — ویشالی
شکیل احمد — بھٹکل
شیخ سمیع اللہ — بھدرک
شبانہ اعظمی — ویشالی

ص

صلاح الدین — بھساول

ع

عشرت جہاں فاطمہ — بروڑ
عبدالقادر بادشاہ — بھٹکل
علی جواد زاہد — امراوتی
عبدالغفار — لکشمیشور
عنبری ناز اوگانوی — اوگانو نالندہ
عنبری خاتون — " "
عارف احمد عثمانی — جلگانو
عابدہ بیگم — بھیلی کرناٹک
عظمیٰ بیگم — جاؤن
عرفان احمد معین الدین — اورواڑ
عبدالمجیب شیخ — ناگپور
عبدالحق — سنیگری

غ

غزالہ فاطمہ زہرا — سیتا مڑھی

ف

فرح سلیم صدیقی — دیوبند
فیاض ابراہیم پرکار — رتناگیری
فضل عزیز
فارحہ رضوی — نئی دہلی ۲
فیروز ایم جامعی — نئی دہلی ۲۵
فیصل خیرالدین — دہلی ۶
فیروز خاں — امراوتی
فائزہ حیرت — جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
فارحہ حیرت — " "

ک

کلیم الدین عثمانی

م

محمد شبیر الاسلام — رفیع گنج اورنگ آباد
محمد ظہیر الدین انصاری — بہار
آمنشا خورشید — ہزاری باغ
محمد آفتاب عالم — بہار شریف
مسعود عالم — اوگانو نالندہ
محمد نعیم ابن محی الدین اکرمی — بھٹکل
محمد شعیب
محمد شاہ جہاں ملک — پٹنہ
محمد ساجد — آکولہ
محمد ہارون — "
محمد وارث — قرول باغ نئی دہلی
محمد غفران احمد — رفیع گنج اورنگ آباد
محمد اصغر — نئی دہلی ۲۵
محمد اعظم بیگ — کدورہ جالون
مومن محمد شعیب جانِ عالم — بھیونڈی
مقصود اختر — یوپی
محمد انصار ابن محمد اشرف داٹا — بھٹکل
محمد ہارون — احمد آباد
مظفر علی بیگ — نئی دہلی ۲۵
محمد ناظم الدین رضا — امراوتی
محمد شکیل — مالیر کوٹلہ
محمد سنگیت پریم زخمی — بہار
محمد توحید دلکش — کلکتہ
محمد فیروز — احمد آباد
محمد جمیل — ایم۔ پی
محمد مظہر نعمانی — اورنگ آباد
محمد زاہد — احمد آباد

ن

نیاز احمد — گونڈہ
نواب الدین — جامع مسجد دہلی ۶
نازیہ جبیں — گوتم نگر دہلی
ناہید افشاں — وروڑ
نسیم شاہد — نئی دہلی ۲۵
نجم الصباح — دہلی ۶
نشاط افروز — امراوتی
نورالاسلام — نئی دہلی ۲۵
ناہید جبیں لاری — لکھنؤ
ندیم ارشد — اعظم گڑھ
نور عائشہ — شاہ جہاں پور
نیلوفر شاہی — آمبور
ناظمہ بی عبدالمجید خاں — بروڑ
نوشاد عارف — مغربی بنگال

و

وی۔ نثار احمد — دہلی ۵۱

ی

یس۔ محمد سلیم — وانمباڑی
یم۔ سی۔ ابوبکر ترپیچی — منجری

بزرگ پیامی کا پیغام

ننھے پیامیوں کے نام

پیام تعلیم بہت پیارا رسالہ ہے۔ اتنا پیارا کہ میں اسے اب بھی شوق سے پڑھتا ہوں۔ ویسے یہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے اور اتنی عمر پانا بھی اس کی خوبی ہے۔ اتنے عرصے تک کسی رسالے کا جاری رہنا اردو صحافت میں ایک مثال ہے۔ ۱۹۲۶ء میں اس کو جن مبارک ہاتھوں نے جاری کیا تھا ان کے خلوص اور بچوں سے پیار کا عکس اس میں اب بھی جھلکتا ہے۔ اس عرصے میں پیام تعلیم میں ہزاروں تحریریں چھپیں اور ان سے اردو مالا مال ہوئی۔ جو حضرات اس کے مدیر رہے انھوں نے بچوں کی بھی خدمت کی اور اردو کی بھی۔ ان کا نام اردو ادب کی تاریخ میں روشن حروف سے لکھا جائے گا۔

پیام تعلیم نے نہ معلوم کتنے ادیب بنائے ہوں گے۔ کتنے لوگوں نے اپنے بچپن میں لکھنے کی ابتدا پیام تعلیم سے کی ہوگی، اور بعد میں بڑے ادیب شمار ہوئے ہوں گے۔

میری دعا ہے کہ پیام تعلیم ہمیشہ جاری رہے اور بچوں کی خدمت کرتا رہے۔ پیام تعلیم کا پیغام تعلیم ہے۔ تہذیب ہے اور ترقی ہے۔ خوب پڑھو، اعلا اخلاق بناؤ اور خوب ترقی کرو۔

مسعود احمد برکاتی

مدیر اعلا ماہنامہ نونہال، کراچی

سیّدہ عنوان
بی ۱۱۷۔ جامعہ انکلیو، جامعہ نگر
نئی دہلی ۲۵

پیارے بچّو! عید کا دن ہے

جاگو بچّو نیند بھگاؤ
دُودھ میں بھیگے خُرمے کھاؤ

عید کی پیاری رانی آئی
ڈھیروں شیر، سویاں لائی
عید آئی ہے لے کر مال
جلدی کر دو اب استقبال

پہنو نہا کر اچھے کپڑے
جھاڑ دو اب سستی کے ٹکڑے
جلدی کرو، ہے عید گہ جانا
دوستوں سے پھر ملنا ملانا

پھر عیدی کا دور چلے گا
ہر بچّہ لے کر ہی ٹلے گا
عید ملن ہو گا ہر گھر میں
میلا لگے گا اپنے نگر میں

کینہ، کدورت دُور کریں گے
دِل میں خدا کا نور بھریں گے
نُورانی ہے آج کی شام
ہو گی عید بخیر انجام

جاگو بچّو نیند بھگاؤ
دودھ میں بھیگے خرمے کھاؤ

ظ انصاری
۳۲۔ شیرین، قلابہ، بمبئی ۵

لیجیے اب ایک نئی چیز پڑھیے۔ بالکل نئی، بالکل انوکھی۔ بچوں کے ادب پر مضمون بہت سے لکھے گئے ہیں مگر صرف بڑوں کے لیے۔ بچّے انھیں دلچسپی سے پڑھ سکتے ہیں نہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر ذرا اس مضمون کو تو پڑھ کر دیکھیے اور ہمیں بتایئے کہ کیسا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ظ۔ انصاری صاحب نہیں آپ ہی کی عمر کے کوئی صاحب اپنی بات آپ کو سمجھا رہے ہیں۔ ہماری نظر میں تو بھئی ظ۔ انصاری صاحب کا یہ شاہکار اپنے انداز کی پہلی کوشش ہے اور آپ ہی نہیں بچّوں کے لیے لکھنے والے ادیب اور شاعر بھی اس پر ایک نظر ضرور ڈالیں گے۔ یہ مضمون ہمارے، آپ کے، سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ بہت دنوں تک رہے گا۔

ادارہ

اس مضمون کا عنوان ہونا چاہیے تھا "بچّوں کا اَدَب"۔ دوسروں نے یہی عنوان رکھا ہے، لیکن خاکسار ناچیز کو خیال آیا کہ "بچّوں کا ادب" کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ ـــــ ایک نہیں دو مضمون لکھو: (۱) بچّوں کا اَدَب (۲) بڑوں کا ادب ـــــ یعنی بچّے کس طرح اَدَب کرتے ہیں۔ اور بڑوں کا کیسے ادب کرنا چاہیے۔

میں کیوں ایسا عنوان دوں جس کا وہ مطلب نکلتا ہو جو لکھنے والا نہیں نکالنا چاہتا۔ لکھنے والا صرف اتنا کہنا چاہتا ہے کہ بچوں کے لیے کیسے لکھنا چاہیے، کیا اور کیوں لکھنا چاہیے اور کِسے لکھنا چاہیے۔

اِس مضمون کا لیکھک جب قلم دَوات، اُنگلیاں، کاغذ اور میز جھاڑ پونچھ کر ان سیدھے سادھے سوالوں کا جواب لکھنے بیٹھا تو وہ اپنی جگہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ، میرے بھائی، اُن کے جواب تو میری جیب میں دھرے ہیں۔ قلم اٹھایا تو پتا چلا کہ دوسروں نے برسوں پہلے ان معاملات پر سَر کھپایا اور ہم جیسوں کو راستہ بتایا ہے۔

خود لکھنے سے پہلے، ہمیشہ وہ پڑھ لینا چاہیے، جو ہم سے پہلے کے لکھنے والے لکھ گئے۔ باپ کے کندھے پر بیٹھنے سے بیٹے کا قد اُونچا ہو جاتا ہے۔ اکیلے اپنے آپ اُچھلتے رہنے سے وہ باپ کے گھُٹنے تک پہنچتا ہے۔ بہت ہوا تو کندھے تک۔

دل نے کان میں کہا کہ بھلے آدمی لکھنے سے پہلے اَگلوں کا لکھا پڑھ ڈالو۔ پڑھنے بیٹھے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ایک ڈھیر ہے سوچ بچار کا، علم اور تجربے کا۔ برسوں لگ جائیں۔ تمام نہ ہو۔

خیر جی، "پیام تعلیم" والوں کا "ذاکر نمبر" نکلنا تھا اور ہم کو اُس میں لکھنا تھا، تو ہم نے آسانی کی خاطر پانچ کتابیں چُن لیں؛ انگریزی زبان کی نظموں کا مجموعہ، ایک سے ایک بڑھیا نظم، گیت اور ترانے، پھر ان پر عُمدہ سا دیباچہ؛ روسی رسالہ "بچوں کا ادب" جو ابھی ۱۹۶۲ء سے روسی زبان میں ماسکو سے نکلنا شروع ہوا ہے، کیا کیا بجیلے مضمون چھپے ہیں اُس میں؛ پھر جامعہ مِلّیہ کی نیک دل خاتون مُشیر فاطمہ کی کتاب "بچوں کے ادب کی خصوصیات" بڑی معلومات بھری کتاب ہے اور لکھنے والوں کے کام کی ہے؛ پھر کراچی والے "ساقی" رسالے کے جوبلی نمبر

یں کا مضمون "بچوں کا ادب" اور اُس کے بعد بڑی عمر کے نہایت سمجھدار بچے مجتبیٰ حسین کا مضمون "اردو میں بچوں کا ادب"۔

پوچھو، کیوں انگریزی، روسی، پاکستانی اور ہندستانی مضمونوں کو پڑھنے کے لیے چُنا؟ تو، میرے بھائی، راز کی بات بتادیں: علّامہ اقبال کا ایک شعر ہم نے تعویذ بناکر گلے میں ڈال رکھا ہے۔ مرحوم نے فرمایا تھا ؎

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

جہاں بھی اندھیرا ہو، اس میں اجالا کرو، کرن جہاں سے ملتی ہو، لے آؤ، کیا مشرق اور کیا مغرب، اگر ایک طرف سے بھی تم نے نفرت کی تو پورا ایک بازار بند کرلو گے۔ سمجھے بھی ایک بازار بند ــــ کیا مطلب؟

حضرت علی کیسے کمال کے آدمی تھے! انھوں نے اس سے بھی اونچی بات کہی کہ: برخوردار، عقل کی ہر بات کو یوں جانو جیسے ایمان دار آدمی کی کھوئی ہوئی چیز ہو، جہاں، جب اور جس کے پاس مل جائے، لے آؤ۔ تمھارا مال ہے، تمھارا اس پر حق ہے۔

انگریزی زبان اور روسی زبان بولنے والی قوموں کی آپس میں کھٹکتی ہے۔ دل بھی صاف نہیں، معاملات میں بھی گرہ پڑی ہے۔ لیکن بچّے سب کے ہاں ایک سے معصوم اور پیارے ہوتے ہیں۔ اور تم جانو سبھی اپنے اپنے بچّوں کو اعلا سے اعلا بنانے کی فکر میں ہیں۔ تو ہمیں دونوں طرف کی بات سُننی چاہیے۔ تاکہ کان کھلیں اور آنکھیں روشن ہوں۔ ایک ہی طرف سُنیں اور دیکھیں تو پھر وہی خطرہ کہ ایک کان بہرا اور ایک بازار بند رہ جائے گا۔ علم اور خبر کے سارے بازار کھلے رکھنے ضروری ہیں۔

• اچھا صاحب، تھوڑا بہت پڑھ بھی لیا۔ پڑھنے کے بعد سوچا بھی، کان بھی

کھنگالا کرو، یہ علم بھی دریاؤ نکلا۔ جتنا پڑھو اور سوچو، یہ خیال آتا ہے کہ دریا میں سے چُلّو چُلّو پانی لے رہے ہیں۔ جب ذرا ٹانکی بھر لی تو چلے اس میں نلکا لگاتے کہ دوسروں تک بھی پہنچے۔ نلکا ہوا ہمارا قلم کہ ہماری جمع پونجی دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ جتنا ٹانکی میں بھرا ہے اگر سب بوند بوند کرکے رِس گیا تو ہمارے پاس کیا بچے گا۔ اس لیے اپنے قلم سے بڑھ کر ہماری قلم ٹانکی کے اوپر لگے رہنے ضروری ہیں کہ اِدھر سے جائے تو اُدھر سے آتا رہے۔ ہم سے اگلوں نے جو کچھ لکھا، اُن ٹانکیوں سے ملتا ہے تو تھوڑا بہت چھَن چھنا کر آگے چلتا ہے۔

لطیفہ

اُستاد نے کلاس میں سوال کیا:

اے بچو، یہ بتاؤ، بچوں کے اَدَب اور بچوں کے ادیب میں کیا فرق ہے؟

ایک تیز طرّار لڑکے نے جواب دیا:

فرق یہ ہے کہ بچے تو پڑھ لکھ کر بڑے ہو جاتے ہیں۔

بچّوں کے ادیب لکھ لکھ کر اور گھس جاتے ہیں، کبھی بڑے نہیں ہوتے۔

لڑکے نے بات سچ کہی۔ لوگ یہ سوچ کر لکھتے ہیں کہ میاں بچّے کو بہلانا کون سی مشکل بات ہے، وہ عمر بھر بچّے کے بچّے ہی رہتے ہیں۔ اُن کی ٹنکیاں خالی رہ جاتی ہیں۔

بچّوں کا ادب، لکھنے کو خود بچّہ بننا پڑتا ہے، لیکن کیسا بچّہ ــــ؟ وہ جس کو مُشکل سے مُشکل بات مزے مزے میں کہنا آتی ہو۔ تم جانو، یہ خود بڑا مشکل کام ہے۔ بہت سا پڑھو، بہت سا سوچو، خود اپنا لکھا ہوا کاٹ کاٹ کر پھینکو، تب کہیں جاکر مُشکل آسان ہوتی ہے۔

جب ہم نے بچّوں کے لیے لکھنا چاہا تو خیال آیا کہ بچّہ آدمی کا باپ ہوتا ہے۔

جب ہم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوں گے تو وہ دیس دیس چوکڑیاں بھرتا پھرے گا۔ بچّوں کے لیے لکھنا آدمی کے مُستقبِل سے بات کرنا ہے، مُستقبِل کے مزاج کا اندازہ لگانا ہے یہ تو، میاں، پیغمبری کام ہیں کہ ایک طرف تو یہ دھیان میں رکھو کہ ہم بھی کبھی بچّے تھے اور ایسی ایسی شرارتیں کیا کرتے تھے، ہمیں ایسی ایسی چیزوں کی تلاش رہا کرتی تھی ـــــ یعنی ہر قدم پر پچھلے دِنوں کی طرف بھی مُڑ مُڑ کر دیکھتے جاؤ اور آگے بھی چلتے جاؤ۔ پھر اوپر سے یہ شرط کہ دائیں بائیں کا خیال رہے۔ یعنی جو بات کہنی ہے اُسے آس پاس کی چیزوں میں سے چُنو اور زبان بھی اپنے زمانے کی سی رکھو؛ خیال تو کہے کہ کہیں دور بادلوں میں سے آواز آرہی ہے؛ زبان کہے کہ ارے میں تو تمھاری ہم جولی ہوں ـــــ پہچانتے نہیں ہو کیا، میاں صاحب زادے؟

بچّوں کے لیے لکھنا بڈّھوں کا کام ہے۔ پوچھو کون سی وضع کے بڈّھے؟ تو ایسے بڈّھے جو بہت کھانستے کھنکھارتے نہ ہوں۔ مُسکرا مُسکرا کر باتیں کرتے ہوں قصّے کہانی سناتے ہوں اور اُس دنیا کی سیر کراتے ہوں جہاں بچّے نہیں، بچّوں کے خیال جاتے ہیں۔ ویسے بڈّھے جو بچّوں میں بچّے بن سکتے ہوں اور بچّوں کا تماشا بننے سے شرماتے نہ ہوں۔ بڑے میاں تو بڑے میاں، بچّے شیطان کے کان کاٹ لیتے ہیں۔

انجانی دنیا کے سیر سپاٹے کا شوق آدمی کے لہو میں بھرا ہے بچّے کے لہو میں اوسط سے کچھ زیادہ ہی تیزی ہوتی ہے تو وہ تلاش کا دیوانہ رہتا ہے۔ "بالک بندر ایک سمان" دونوں کو آم گننے سے زیادہ آم کی ڈال پر چڑھنا اچھا لگتا ہے، سپاٹ میدان سے زیادہ ٹیلوں پر اُچھلنا کودنا پسند ہے۔ رنگا رنگی اور نیرنگی پسند ہے تو لکھنے والے کا فرض ہے ـــــ (یہ میں نہیں بتا رہا ہوں ـــــ روس کے ایک بڈھے بچّے میاں گورکی نے لکھا ہے) کہ باتیں اہم ہوں بھاری بھرکم ہوں، زندگی کے راز کھولتی ہوں، پر اُن کی زبان، اُن کا ڈھب کچھ ایسا ہو کہ پڑھنے میں مزا آئے؛

خوشی ہو اور خیال آگے کو جائے۔ خیال آگے کو تو وہی لے جائے گا جس کا خیال خود بھی قلانچ بھرتا ہو۔ تھکے ہارے خیال کو اگر زبان مزے کی مل بھی گئی تو کس کام کی ــــــ؟ دھوبیوں کی برات نکل جائے گی، ایک سے ایک ستھرا چمکیلا کپڑا، لیکن صاف دکھائی دے گا کہ فٹ نہیں بیٹھا۔ ان کے بدن پر نہیں سلا۔ اوپر سے منڈھ لیا ہے۔

اپنی اچھی زبان سکھانا بھی 'بچوں کے ادب' کا ایک مقصد ہے۔ جن کتابوں کتابچوں کو وہ بچپن یا لڑکپن میں شوق سے پڑھ لیں گے ان کی زبان کا ذائقہ پکّے بالوں کی عمر تک منہ میں رہے گا۔ تب بھی اس کی جُگالی کیا کریں گے۔ زبان کی خوبصورتی، ماں کی مامتا کا ایک ٹکڑا سمجھو۔ زبان ایسی لکھی جائے جو بہت کچھ تو جانی پہچانی ہو اور کسی قدر انجانی کہ پڑھنے میں مزا ملے تو آگے جاننے کا شوق بھی لگا رہے۔ جانی پہچانی، نرم اور رواں زبان اگر ماں کا لاڈ ہے تو انجانے لفظ اور محاورے ماں کی گھڑکی ہیں۔ لیکن اس گھڑکی میں بھی ایک چاؤ ہوتا ہے ــــــ اسے زبان کا رَچاؤ کہتے ہیں۔ اسماعیل میرٹھی اور اقبال نے بچوں کے لیے جو یاد رکھنے قابل نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں بعض لفظ ایسے بھی رکھ دیے ہیں، جنھیں اُستاد یا بزرگوں سے مدد لیے بغیر بچے نہیں جانتے۔ یہ نظمیں بچوں کو یاد ہیں، بچوں کے باپ دادا تک کو یاد ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ جب وہ خود بچہ تھے تو اُنھیں اُن پڑھ بچہ نہیں سمجھا گیا تھا۔ لکھنے والے کا فرض ہے کہ بچے کو بہت بچہ نہ سمجھے۔

مجتبیٰ حسین نے اچھی بات کہی:

> "۔ ۔ ۔ ۔ اقبال بچوں کی بزرگی سے پوری طرح واقف تھے، اسی وجہ سے ان کا کلام بچوں کو پوری طرح اپنا سکا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ نظیر کی نظمیں بچوں کو پسند ہیں کیونکہ وہ خود بھی خوش ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی خوش کرنا جانتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسماعیل میرٹھی میں تازگی اور بچپن ہے، اس لیے بچوں کے دل کو بھاتے ہیں۔

واقعی میرے دل سے پوچھو تو بچّوں کا اَدَب وہی سب سے اچھّا ہے جسے بچّوں کے باپ دادا بھی پڑھ کر لطف لیں، جس طرح موسم کے پھَل، تہوار کی جلیبی اور برفی کہ بچّے بڑے دونوں خوش۔ مزے کا مزا غذا کی غذا۔

بچّوں کا اَدَب، اسکول کے سبق کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ جی نہ لگے، پڑھنا ہی ہے۔ یہ جان کر پڑھا جاتا ہے کہ ہمیں پڑھایا جارہا ہے۔

لطیفہ

دو بھائی اسکول کی طرف سے بستہ بغل میں دابے چلے آرہے تھے۔ آخری گھنٹہ جغرافیے کا تھا، وہ روز اس سے بھاگ لیتے اور بازاروں میں کھیل کود کر، کپڑے گندے کر کے گھر آیا کرتے تھے۔

چچا جان ایک جلّاد، انھیں پتا چلا تو قمچی لے کر آنگن میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیسے نہیں پڑھتے جغرافیہ!

دونوں بھائیوں کو دیکھتے ہی پوچھا:

"بولو کہاں سے آرہے ہو؟"

دونوں بھائی بولے: "اسکول سے۔"

"اتنی جلدی کیسے آگئے ابھی اسکول تو چھوٹا نہیں۔"

"آج ذرا جلدی چھوٹ گیا۔ جغرافیے کے ماسٹر صاحب بیمار ہوگئے۔"

"کس ضلع کے ہیں تمھارے ماسٹر صاحب؟"

"پھپھوند پور کے۔"

"پھپھوند پور کس صوبے میں ہے؟"

"اُتّر پردیش میں۔"

"کون سا دریا بہتا ہے پھپھوند پور سے بنارس کی طرف؟"

دونوں بھائی چُپ رہے۔ ایک نے دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا۔

ایک نے جواب دیا "پھپھوند دریا"
"ابے نالائق دنیا میں کوئی پھپھوند دریا بھی ہے کیا؟"
دوسرے نے بستہ پھینکا اور باہر کی طرف بھاگا اور وہاں سے پکارا:

"بھائی جان بھاگو ـــــ چچا تو جغرافیہ پڑھا رہے ہیں"
چچا جان منہ تکتے رہ گئے اور دونوں بھائی بھاگ لیے۔

بچوں کے ادب میں سبق پڑھانے اور تمیز سکھانے کی بو باس نہیں آنی چاہیے ـــ نہیں تو ایسے بھی بچے ہوتے ہیں جو اسے جغرافیے کا سبق سمجھ کر بستہ پھینک پھانک بھاگ لیتے ہیں۔

دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر جُغادری ادیب اور خُرّانٹ شاعر نے بچوں کے لیے لکھا ہے ڈیفو DANIEL DEFOE کو "رابن سن کروزو" لکھے ہوئے ڈھائی صدیاں بیت گئیں، آج تک بچے، بوڑھے سب پڑھتے ہیں، دنیا بھر میں اس کے ترجمے ہو گئے، فلمیں بن گئیں۔ روسی شاعر پوشکن نے بچوں کے لیے اس وقت قلم اٹھایا جب وہ اپنی بڑی معرکے کی نظمیں لکھ چکا تھا۔ آج ڈیڑھ سو برس ہونے کو آئے، اب بھی تازہ ہیں اس کی وہ کہانیاں۔ تالستائی جو دور سے گاندھی جی کے بھی اُستاد تھے انھوں نے قلم سنبھال کر، جی لگا کر بچوں کے لیے کہانیاں لکھیں ـــ اب بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ مرشاک اوّل درجے کے شاعر ہیں، بچوں کے لیے خاص کر لکھتے ہیں۔ انگریزی زبان میں درجنوں کتابیں ہیں بچوں کی نظموں اور کہانیوں کی، اعلا درجے کے لیکھکوں کی لکھی ہوئی۔ اور ایسی بنی ٹھنی جیسے بچے کہیں میلے میں جانے کو نکلے ہوں۔

" ارے تم "پنچ تنتر" اور "انوارِ سہیلی" کو دیکھ لو۔ جانوروں کی زبان میں آدمی کی روزمرہ کی داستان ہے۔ برہمن دور کی کوڑی لاتا ہے۔ جو خود کہنا چاہتا ہے وہ چرندوں، پرندوں کی زبان سے کہلواتا ہے تاکہ پکڑ میں بھی نہ آئے اور عقل کی بات بھی بانٹ دے۔

بچپن سے مجھے کٹھ پُتلی کا تماشا دیکھنے کی لت ہے۔ آدھی دنیا کی کٹھ پتلیاں دیکھی ہیں، اُنھیں تماشے کرتے اور بچّوں کی آواز میں بڑے بڑوں کے کان کاٹتے دیکھا ہے۔ کسی اُستاد یا بزرگ کی نصیحت کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کٹھ پُتلی کی بات کا۔ جب بچّوں کا اَدب لکھنے والے انھیں شاعری یا مضمون میں نصیحتیں فرماتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے مولوی صاحب حج کرکے آئے ہیں، گلی کے بچّوں کو پکڑ پکڑ کر مہینے بھر کی سوکھی کھجوریں کھلا رہے ہیں۔ ثواب تو ملتا ہے مگر باس بھی آتی ہے۔

لیکن جب کٹھ پُتلی کی خرگوشنی دیوار پر سے اُچک کر، گردن ہِلا کر، آنکھیں گھما کر خرگوش کے بچّے کو آواز دیتی ہے:

"بیٹے، مٹّو، کہاں ہو؟ دھوپ نکل آئی، جلدی سے اٹھو۔ چرن سنگھ کے کھیت سے ہَری ہَری دوب لائی ہوں، چَرلو، ناشتہ کرلو!"

بیٹا مٹّو، دیوار پہ ہاتھ رکھ کر خوشی سے جواب دیتا ہے۔

"ماں، ذرا ٹھہرنا، منہ دھولوں، کُلّی کرلوں ـــــ ابھی آتا ہوں ناشتہ کرنے!"

تو ہال میں بیٹھے ہوئے بچّے نصیحت کو نصیحت جانے بغیر، دل سے قبول کرلیتے ہیں۔ دل میں سوچتے ہیں: ہا، خرگوش کا بچّہ تو منہ ہاتھ دھوئے بغیر ناشتہ نہ کرے اور میں اتنا بڑا، ڈھینگ کا ڈھینگ ـــــ توبہ توبہ ـــ میں بھلا . . . .

بچّے ایسے خرگوش ہوتے ہیں کہ اپنی ماں کی نصیحت اِس کان سُننے، اُس کان اُڑا دیتے ہیں، لیکن کاٹھ کے خرگوشوں کی بات کا اثر لیتے ہیں۔

اور بچوں کا کیا دوش، بزرگوار، جگت چچا شیخ سعدی نے اپنی گلستاں میں بچپن کی بدتمیزی کے کئی واقعے لکھے ہیں۔ کچھ اس انداز سے لکھے کہ جس عمر میں بھی پڑھو، اور ہی لطف آتا ہے، آدمی تمیز سیکھتا ہے۔ فارسی زبان کی خوبصورتی کا جواب نہیں اور اس میں بھی شیخ سعدی کا جواب نہیں کہ عقل کی بات یوں سادگی سے کرتے ہیں جیسے بچے آپس میں بات کر رہے ہوں۔

بچوں کی سادگی میں شفق کی سی رنگینی ہوتی ہے ـــــ تو ان کے ادب میں بھی ہونی چاہیے۔ وہ مشہور لطیفہ ہے نا۔

لطیفہ

"ابا، ابا مجھے ڈھول لے دیجیے، جی چاہ رہا ہے۔"

"نا بیٹے تم ڈھول بجاؤ گے تو دن بھر کان پڑی آواز نہیں سنائی دے گی۔"

"نہیں، ابا، دن میں نہیں بجاؤں گا، رات کو بجاؤں گا، جب آپ سو جائیں گے۔"

اس لطیفے کی سادگی میں جو منطق ہے وہ بچوں کے اکثر سوالوں میں چھپی ہوتی ہے ـــــ اور یہ سادہ سی، معصوم سی منطق بچوں کے ادب میں بھی چھپی ہونی چاہیے۔ صرف چٹکلوں کی مثال اچار چٹنی کی سی ہے۔ بچوں کے ادب میں زندگی کے معاملات کی پرکھ بھی دینی چاہیے۔ شیخ سعدی کی طرح سادگی کے ساتھ جو چیزیں بے وجہ، بے ضرورت، بے مقصد اور بے منطق لکھی جائیں گی، وہ کاغذ کے علاوہ بچوں کا ذوق بھی برباد کریں گی۔

بچے عین فطرت ہیں۔ انھیں ابھی زمانے کے چھل کپٹ سے واسطہ نہیں پڑا ہوتا اس لیے وہ نہیں جانتے کہ بہت سی نامعقول باتوں پر اس لیے داد دینا پڑتی ہے کہ داد نہ دینے میں اپنی خیریت نہیں۔ بچوں کی زبان سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جنھیں منہ پر لاتے ہوئے بڑے ڈرتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا ہے کہ خدا بچے کی زبان میں ہم کلام ہوتا ہے۔

ڈی سی۔ امان اللہ۔
۱۲۶۲۔ نیل فلڈ۔ وانمباڑی
635751

ایک بڑھیا اور چار چور

سونے چاندی سے بھرا ہوا مٹکا وہ چور لے کر بھاگ گیا......

کسی گانو میں چار چور رہتے تھے وہ چوری کا مال مٹکے میں جمع کر دیتے تھے۔ کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ مٹکا سونا چاندی اور زیورات سے بھر گیا۔

اب انھوں نے سوچا مٹکے کو حفاظت سے رکھنا چاہیے اسی گانو میں ایک غریب بڑھیا جھونپڑی میں رہتی تھی۔

چوروں میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ اس مٹکے کو بڑھیا کے پاس رکھ دیں وہ بہت حفاظت سے رکھے گی۔ وہ بڑی نیک ہے۔ وہ چاروں بڑھیا کے پاس گئے۔ "دادی ماں! اس مٹکے میں جو چیزیں ہیں وہ بڑی محنت سے پائی ہیں۔ ہم کچھ دن کو باہر جا رہے ہیں۔ تب تک اس مٹکے کو حفاظت سے رکھنا۔ ہم پر بڑا احسان ہو گا۔ بڑھیا راضی ہو گئی۔

"ایک شرط ہے۔ ہم چاروں ساتھ آئیں تبھی یہ مٹکا دینا۔ ایک آدمی کو یہ مٹکا نہ دینا اس لیے کہ ہم چاروں حصہ دار ہیں۔

بڑھیا نے یہ شرط بھی مان لی۔ وہ چور مٹکا بڑھیا کو دے کر چلے گئے۔

ایک دن چاروں چور بڑھیا کی جھونپڑی کے قریب مندر کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ادھر سے ایک عورت چھاچ بیچتی گزری۔ چھاچ لینے کے لیے کوئی برتن نہ تھا۔

کیوں نہ ہم دادی ماں کے پاس سے ایک مٹکا لے آئیں۔ ایک بولا۔ دوسرا بولا۔ اچھا میں جاکر ایک مٹکا لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے دل میں کوئی اور ترکیب تھی۔ بڑھیا کے پاس جاکر وہ بولا " دادی ماں! ہم نے جو مٹکا رکھا تھا وہ دے دو...؟"

بڑھیا نے اس پر بھروسا نہیں کیا اور دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بولا "اگر تمھیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے تو اس مندر کے پاس وہ تینوں بیٹھے ہیں۔ چل کر ان سے پوچھ لو...؟

بڑھیا جھونپڑے سے باہر آئی اور مندر کے پاس جاکر اونچی آواز سے پوچھا۔ کیا مٹکا اس کو دے دوں؟۔

"ہاں اسے دے کر بھیجو" وہ تینوں چیخے۔

بڑھیا نے مٹکا اس کو دے دیا۔ سونا چاندی اور زیورات سے بھرا ہوا مٹکا لے کر وہ چور بھاگ گیا۔

جب تھوڑی دیر بعد بھی وہ مٹکا لے کر نہیں آیا تو تینوں کو شک ہونے لگا۔ وہ تینوں بڑھیا کے پاس آئے اور پوچھنے لگے وہ ہمارا ساتھی جو مٹکا لینے آیا تھا۔ کہاں ہے وہ...؟

"وہ تو تبھی آپ کا دیا ہوا مٹکا لے کر چلا گیا"۔ بڑھیا بولی۔ تینوں کو غصہ آ گیا۔

"ہم چاروں آ کر مانگتے تبھی تمھیں مٹکا دینا تھا تم نے ایک آدمی کو مٹکا کیوں دیا؟ چلو قاضی کے پاس"، یہ کہہ کر تینوں بڑھیا کو لے کر قاضی کے پاس گئے۔

قاضی نے فیصلہ سنایا۔ چار آدمیوں کے حصہ کا مٹکا تم نے ایک آدمی کو دے دیا۔ اس لیے ان تینوں کو ان کا حصہ دینا پڑے گا۔

بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ قصہ اس گانو کے رامن کو معلوم ہوا۔

"اگر گانو میں اس طرح کے بے انصاف قاضی ہوں گے تو گانو کا کیا حال ہوگا۔ قاضی نے اس فیصلہ میں بہت بے انصافی کی ہے" رامن گلی میں کھڑا زور زور سے چیخنے لگا۔

یہ بات ہوتے ہوتے بادشاہ تک گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ رامن کو دربار میں بلایا جائے۔

"تم قاضی کے اس فیصلہ کو بے انصافی کس طرح کہتے ہو۔ بادشاہ نے پوچھا۔

عالی جاہ! اگر چاروں آدمی آکر یہ مٹکا مانگتے تبھی مٹکا دینا چاہیے تھا اور اب تو صرف تین آدمی طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ چوتھے آدمی کو بھی ساتھ لے آئیں تب بڑھیا مٹکا دے گی یہی [illegible] رامن بولا۔ بادشاہ نے رامن کی ہوشیاری اور عقلمندی کی تعریف کی اور اسے انعام و اکرام [illegible]

جس لڑکی نے مجھے اور میری کتابوں کو اُٹھایا تھا وہ کوئی اور نہیں میری دیدی ہی تھیں۔

گھر میں اپنی سب بہنوں سے چھوٹی ہوں۔ والدین کے لاڈ پیار کی وجہ سے بہت زیادہ نازک سی بھی ہو گئی ہوں۔ ماں کہیں اکیلے جانے بھی نہیں دیتیں۔ اب بڑی ہوئی تو ہم عمر سہیلیوں نے میرا مذاق بنانا شروع کر دیا۔ یہ بات مجھے ناگوار گزری مگر ماں سے کچھ نہ کہہ سکی۔

"اتنی بڑی ہوگئی ہے رِینا مگر ابھی تک اپنی دیدی کے ساتھ لٹکی پھرتی ہے جیسے اکیلے میں راستہ بھول جائے گی۔"

اسکول میں رانو کی یہ بات سُن کر تلملا ہی گئی فوراً فیصلہ کرلیا کہ کل سے اکیلے ہی اسکول آؤں گی۔

دوسرے دن گھر سے نکلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کیسے دیدی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اچانک ہی ایک خیال دماغ میں کوندا اور میں نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ دیدی نے کہا بھی کہ "رینا ذرا تیز چل اسکول کو دیر ہو رہی ہے لیکن میں نے سُنی اَن سُنی کر دی چال اور آہستہ کر دی۔ میں کوئی چھوٹی بچی تو ہوں نہیں میں نے کہہ دیا کہ "آج میں اکیلے [illegible]"

اسکول قریب تھا۔ مگر پوری سڑک پانی سے بھری تھی۔ میں نے سنبھل سنبھل کر چلنا شروع کیا۔ ایک جگہ گڑھا سا تھا۔ دل کو مضبوط کر کے پتھر پر پیر رکھا۔ پھر دوسرا پیر اٹھا کر دوسرے پتھر پر رکھا۔

کتابیں بھی ہاتھ میں تھیں۔ دوسرا پیر رکھنے میں غلطی ہو گئی پیر جم نہیں پایا اور میرا توازن بگڑ گیا اور میں دھڑام سے پانی میں گر پڑی۔

میری چند کلاس فیلوز بھی پیچھے آرہی تھیں۔ اس منظر پر سب ہنس رہے تھے۔ ایک لڑکی کو ترس آگیا تو اس نے مجھے اور سامان کو اٹھایا۔ مارے شرم کے آنسو نکل آئے۔ پورے دوپٹے سے چہرہ اور کتابیں چھپائے روتی ہوئی گھر پہنچی۔

ماں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا اور میں نے بڑی صفائی سے دیدی کا سارا قصور ثابت کر دیا۔

بچاری دیدی! تھکی ہوئی گھر لوٹیں کپڑے بھی نہیں بدل پائیں کہ ڈانٹ پڑ گئی۔ مجھے بعد میں دیدی کو دیکھ کر احساس ہوا کہ سارا قصور میرا ہی تھا۔ اس لیے کہ جس لڑکی نے مجھے اور میری کتابوں کو اٹھایا تھا وہ کوئی اور نہیں میری دیدی ہی تھیں۔

علی جواد ۳ الف
چھاپا نگر نزد ڈاکٹر وقار امراوتی۔

مسلم ممالک کے نام

۱۔ افغانستان	۲۔ البانیہ	۱۵۔ اُردن	۱۶۔ کویت
۳۔ الجزائر۔	۴۔ کیمرون	۱۷۔ لبنان	۱۸۔ لیبیا
۵۔ جنوبی افریقہ جمہوریہ	۶۔ جمہوریہ شاڈ	۱۹۔ ملیشیا	۲۰۔ جزائر مالدیپ
۷۔ دھوسی	۸۔ ایتھوپیا	۲۱۔ مالی	۲۲۔ ماریطانیہ
۹۔ گنی	۱۰۔ گمبیا	۲۳۔ مراقش	۲۴۔ نائجیریا
۱۱۔ انڈونیشیا	۱۲۔ ایران	۲۵۔ نائیجر	۲۶۔ پاکستان
۱۳۔ عراق	۱۴۔ ایوری کوسٹ	۲۷۔ سعودی عرب	۲۸۔ سینیگال
		۲۹۔ سرالیون	۳۰۔ صومالیہ
		۳۱۔ جنوبی یمن	۳۲۔ سوڈان
		۳۳۔ شام	۳۴۔ تنزانیہ
		۳۵۔ ٹوجو	۳۶۔ تیونس
		۳۷۔ ترکی	۳۸۔ اپر وولٹا
		۳۹۔ متحدہ عرب جمہوریہ	
		۴۰۔ یمن	۴۱۔ بنگلہ دیش

شہری نے دیہاتی کی طرف دیکھا وہ ایک پھٹی دری پر بیٹھا تھا۔ شہری کو دیہاتی کے پاس بیٹھنے میں تھوڑی جھجک ہوئی لیکن وہ تھکا ہوا تھا اس لیے بیٹھ گیا ...

ایک بہت بڑا میدان تھا۔ بیچ میں ایک پرانا نیم کا درخت تھا۔ اُس کی چھایا چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا ایک دیہاتی نیم کے سایہ میں آرام کر رہا تھا۔ دیہاتی نے ایک شہری کو پریشان دیکھ کر کہا۔ "بھائی کہاں سے آرہے ہو؟ تھوڑی دیر ٹھنڈا لو۔ پھر چلے جانا۔" شہری نے دیہاتی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پھٹی دری پر بیٹھا تھا۔ شہری کو دیہاتی کے پاس بیٹھنے میں تھوڑی جھجک ہوئی۔ لیکن وہ تھکا ہوا تھا اِس لیے اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ شہری بولا۔ "دیہات بھی کیا رہنے کے لائق ہے؟ نہ رکشا، نہ ٹم ٹم، نہ تانگہ، نہ موٹر گاڑی۔ پیدل چلو اور دھول پھانکو۔"

دیہاتی ــ "لیکن یہاں تو ہزاروں آدمی رہتے ہیں۔ اِنھیں کبھی رکشا، ٹم ٹم، تانگہ، موٹر گاڑی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہمارے پاؤں اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دس پانچ میل آسانی سے پیدل چل سکتے ہیں اور سچ پوچھو تو مجھے شہر میں ہی تکلیف ہوتی ہے۔ بڑے بڑے مکان جن میں سورج کی کرن کبھی نہیں جاتی۔ ہوا تک نہیں آتی۔ نیچے نالیوں میں سڑی بدبو۔ وہاں تک کبھی نہیں دی جاتی۔ دن میں مکھی، رات میں مچھر۔"

شہری ــ "یہ بھی تم نے خوب کہا۔ اپنے یہاں کی باتیں کیوں نہیں سوچتے۔ ڈھونڈنے پر

بھی کہیں ڈاکٹر، حکیم نہیں۔ نہ کالج۔ نہ کچہری۔ نہ بجلی۔ نہ پانی کا نل۔ بیمار پڑو تو دوا بغیر مرو۔ مقدمہ ہو تو دوڑ کر شہر جاؤ۔ پڑھنا ہو تو گھر چھوڑ دو۔ اسی پر تم دیہات کی تعریف کر رہے ہو؟"

دیہاتی ۔" تعریف نہیں، میں تو سچی باتیں کہتا ہوں۔ شہر کے آدھے سے زیادہ لوگ بیمار رہتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر لوگ صحت مند رہتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر، کالج، کچہری کی ضرورت پڑتی ہے تو شہر جاتے ہی ہیں۔ ہمیں شہر سے چڑھ تو ہے نہیں۔"

شہری :" ویسے تو ہم کبھی ضرورت پڑنے پر دیہات آتے ہی ہیں۔ یہاں خالص دودھ، گھی۔ مکھن وغیرہ ملتا ہے۔ موسمی پھل۔ ترکاری، چنے کا ساگ۔ بھٹا وغیرہ سب چیزیں تو دیہات ہی میں ملتی ہیں۔"

دیہاتی ۔" اب تو تم دیہات کی خوبیاں گنانے لگے بھائی! دیہات اور شہر دونوں ضروری ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو ضروریات مہیا کرتے ہیں۔"

شہری ۔" ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ شہر کے بغیر دیہات کا کام نہیں چل سکتا اور دیہات کے بغیر شہر کا کام نہیں چل سکتا۔ ہاں سدھار دونوں کا ہونا چاہیے۔"

محمد نعیم ابن محی الدین اکرامی (دیھڈکل)

جواہر پارے

(۱) تین چیزیں کم ہونے کے باوجود زیادہ ہیں۔ بیماری، آگ، دشمنی۔

(۲) کم خوری صفائیٔ قلب کا ذریعہ ہے۔

(۳) بغیر سوچے کوئی بات زبان سے نہ نکالو۔

(۴) بے وقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقلمند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔

(۵) آدمی ایک سوراخ سے دوبار ڈسا نہیں جاتا۔

(۶) جو شخص اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

(۷) تین اشخاص تین موقعوں پر پہچانے جاتے ہیں (۱) بہادر جنگ کے موقع پر (۲) نیک و بار غصے کے موقع پر (۳) دوست حاجت کے وقت

(۸) بخیل مالداروں کی مثال خچر اور گدھوں کی سی ہے جو (اپنی پیٹھ پر) سونا چاندی تو لادے پھرتے ہیں اور جو گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

(۹) مکان کی تعمیر سے پہلے پڑوسی کو اور سفر سے پہلے رفیقِ سفر کو تلاش کرو۔

شاذیہ سمی
(درجہ ششم ڈی) فادر اینجل اسکول، گوتم نگر، نئی دلی

نئے سال کا بچوں کا ترانہ

آؤ بچو دھوم مچائیں
نئے برس کے نغمے گائیں
آیا اٹھاسی، گیا ستاسی
جس میں رہ گئی دھرتی پیاسی
اب محنت سے دھرتی سینچیں
گیہوں سبزی خوب اگائیں
آؤ بچو دھوم مچائیں
نئے برس کے نغمے گائیں
ہر بچہ کمپیوٹر سیکھے
ہر بچہ روبو کو چلائے
چاند ستاروں کی دھرتی پر
اسپوتنک، راکٹ وہ اڑائے

اپنے علم، اپنی خدمت سے
دیش کو دیں ہم نئی دشائیں
آؤ بچو دھوم مچائیں
نئے برس کے نغمے گائیں
ہندو مسلم سکھ عیسائی
کون ہے بیری؟ سب ہیں بھائی
خون سے سب کا ایک ہی رشتہ
پھر کیوں ہے آپس میں لڑائی
امن و محبت اپنا گلشن
دنیا کو یہ سبق سکھائیں
آؤ بچو دھوم مچائیں۔
نئے برس کے نغمے گائیں

حسین شاہد
مکان نمبر ۳۔ نور نگر نئی دہلی ۲۵

جادوئی گلدان

اب بتاؤ یہ گلدان کیا ہمیں رات کا کھانا کھلا دے گا۔ اچانک آواز آئی ”ہاں“۔ آواز سن کر لکڑ ہارا اور اس کی بیوی بے حد حیران ہوئے.....

پرانی بات ہے۔ شہر میں انور نام کا ایک رئیس تھا۔ نیک اور ایمان دار۔ اس کا کاروبار بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ایک دفعہ تجارت میں اس کو بہت نقصان ہوا یہاں تک کہ سارا سامان نیلام ہو گیا۔ بس ایک خوبصورت گلدان رہ گیا۔ گلدان کے فروخت ہونے کی باری آئی تو ایک غریب لکڑ ہارے نے اس گلدان کو خرید لیا اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے کھانا پکانے کے لیے لکڑ ہارے سے پیسے مانگے۔ لکڑ ہارا بہت پریشان ہوا کہ وہ اپنی بیوی کو کیا جواب دے۔ پیسوں سے تو وہ گلدان خرید لایا تھا۔ جب اس نے اپنی بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ بہت غصّے ہوئی اس نے کہا تم کتنے بے وقوف ہو۔ یہ گلدان تو صرف رئیسوں کے محلوں میں سجتے ہیں۔ ہماری جھونپڑی میں اس کا کیا کام؟ اب بتاؤ یہ گلدان کیا ہمیں رات کا کھانا کھلا دے گا۔ اچانک آواز آئی ”ہاں“ آواز سن کر لکڑ ہارا اور اس کی بیوی بے حد حیران ہوئے کہ آخر یہ آواز کہاں سے آرہی ہے تھوڑی دیر بعد آواز آئی کہ ڈرو نہیں۔ میں گلدان میں سے بول رہا ہوں یہ سن کر لکڑ ہارا سہم گیا اور بیوی کے حواس گم! تھوڑی دیر بعد یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ فرش پر مختلف قسم کی مٹھائیوں کا ایک تھال نمودار ہوا۔ اور مختلف قسم کی ڈشیں دسترخوان پر پھیل گئیں۔ گلدان میں سے ایک بار پھر آواز آئی ڈرو نہیں خوب جی بھر کے کھانا کھاؤ

لکڑہارے نے ایسے کھانے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ وہ دنگ رہ گیا۔ ہمت کرکے اس نے کہا۔ "لیکن میری بیوی تو بے ہوش پڑی ہے"۔ گلدان میں سے فوراً ہی آواز آئی "ابھی ہوش میں آجائے گی" اور یہی ہوا۔ وہ پرتکلف دسترخوان کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ لیکن لکڑہارے نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی انھوں نے کھانا ختم کیا دسترخوان غائب ہوگیا۔

صبح جب لکڑہارے کی آنکھ کھلی تو خود کو خوبصورت لباس میں پایا۔ اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ حسین لباس پہنے سو رہی تھی۔ لکڑہارے نے بیوی کو اٹھایا تو وہ خود کو اور لکڑہارے کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اسی وقت شاندار ناشتا آگیا۔ ناشتا کرنے کے بعد لکڑہارا جنگل میں لکڑی کاٹنے کے لیے جانے لگا تو گلدان سے یکایک آواز بلند ہوئی۔ ٹھہرو! وہاں کیوں جانے ہو؟ تمھاری ضرورت ابھی پوری ہوتی ہے۔ اچانک جھونپڑی میں پیسوں کی بارش ہونے لگی۔ بس پھر کیا تھا دونوں عیش کرنے لگے۔ گانو والے بھی حیران تھے۔ کافی دنوں سے لکڑہارا جھونپڑی سے باہر نہیں نکلا تھا۔

اب ایک دن گلدان نے لکڑہارے سے کہا کہ چلو جنگل کی سیر کریں۔ لکڑہارے نے گلدان کو رومال میں باندھ لیا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔ گانو کے شریر لڑکے بھی وہاں پہنچ گئے۔ یہ سوچ کر کہ اس کی پوٹلی میں کوئی اچھی چیز ہوگی اور لکڑہارے سے پوٹلی چھین لی۔ ان میں سے ایک نے جیسے ہی گٹھری کھولی، اس کی خوفناک چیخ سارے جنگل میں گونج گئی۔ گلدان میں سیاہ فام ناگ آدھا اندر اور آدھا باہر نکلا ہوا تھا۔ اور وہ لڑکا اس کے ڈسنے سے زمین پر تڑپ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھتے ہی لڑکوں نے گانو کی طرف دوڑ لگائی۔ انھوں نے پیچھے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف بھی نہیں دیکھا اب لکڑہارا اکیلا تھا۔ اس نے دیکھا گلدان میں کوئی سانپ نہیں ہے۔ لیکن وہ لڑکا بدستور زمین پر تڑپ رہا تھا۔ لکڑہارے نے گلدان سے کہا کہ وہ لڑکے کو ٹھیک کردے۔ اگر یہ مرگیا تو بڑی بدنامی ہوگی اور سارا گانو اس کا دشمن ہوجائے گا۔ چنانچہ اس انمول گلدان نے اس لکڑہارے کی بات مان لی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ لڑکا اپنے گانو کی طرف جاتا نظر آیا۔ لکڑہارا گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ گانو والوں نے اس کے گھر کو گھیر لیا ہے۔ گانو کے لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ

لوگ ہمیں جادوگر سمجھنے لگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گانو چھوڑ دو ورنہ ہم تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔ ہم تو مصیبت میں پھنس گئے۔ اسی وقت گلدان سے پھر ایک آواز بلند ہوئی "میں ہر مصیبت میں مدد کروں گا۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔"

صبح لکڑ ہارے نے کھٹ کھٹ کی آواز سنی تو ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہ راستہ بھول کر کسی شہر میں آگیا ہے جہاں قیمتی فرنیچر تھا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت میں جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور اس کی بیوی سنہری ملبوس میں سو رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ گلدان کا کمال ہے لیکن گلدان غائب! اب دروازے پر دستک ہوئی تو لکڑ ہارے نے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ سارا گانو وہاں موجود تھا۔ لکڑ ہارا کیا جواب دیتا اس نے سچی سچی بات بتادی کہ ایک جادوئی گلدان ملا تھا۔ گانو والے اس جادوئی گلدان کو دیکھنا چاہتے تھے۔ لکڑ ہارا کمرے میں گیا اس کی بیوی بھی جاگ گئی مگر گلدان نہ ملنے پر سخت گھبرائے۔ ابھی وہ تھک ہار کر بیٹھے ہی تھے کہ میز پر گلدان نمودار ہوا۔ دونوں بے خود ہو کر اس کی طرف بڑھے لیکن ٹھٹک کر رہ گئے کیوں کہ اس میں سے ایک بہت ہی حسین پری باہر آرہی تھی۔ پری نے ان لوگوں کو ادب کے ساتھ سلام کیا اور کہا کہ میں بھولے بھالے لوگوں کو بہت پسند کرتی ہوں آج سے یہ گلدان ہمیشہ کے لیے تمہارا ہے۔

گدگدیاں

▲ ایک پارٹی کے دو نیتاؤں میں بحث چھڑ گئی۔ بحث کے درمیان ایک نیتا نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ کس کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔

اس پر دوسرا نیتا بگڑتا ہوا بولا "سیاسی بحث میں میری بیوی کو کیوں گھسیٹتے ہو؟"

▲ اجنبی: آپ اپنی میگزین کا سائز تھوڑا بڑھا دیجیے۔

پبلشر: آپ کا مشورہ اچھا ہے مگر آپ کرتے کیا ہیں۔

اجنبی: میں کاغذ کی تھیلیاں بناتا ہوں۔

محمد شعیب

۱۴/۱۷۔ ٹبلہ ہاؤس، نئی دہلی ۲۵

سو نو نے کہا "یار! غضب ہوگیا۔ میں بہت پریشان ہوں چوہا سارا لوہا کھا گیا....

ہیرا اور گنگو میں بڑی دوستی تھی۔ آج ہیرا بہت اداس تھا جب گنگو نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے اس کے والدین کو جان سے مار ڈالا۔ ہیرا تلاش میں نکلا تو اس کی نظر ایک چٹان پر پڑی۔ وہاں کتنے اکٹھے تھے۔ وہ چٹان پر پہنچا اور اس نے لاشیں دیکھیں تو چیخ مار کر رو پڑا۔ اس نے گاؤں میں خبر کی۔ لوگوں نے لاشیں لا کر چتا میں جلا دیں۔

ہیرا کی عمر یہی کوئی پندرہ سال ہوگی۔ اس دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مصیبت کے وقت گھبرانے والا زندگی کی کسی بھی منزل میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہیرا نے ہمت نہیں ہاری اسے ایک بک اسٹال میں نوکری مل گئی۔ لیکن اس نے اپنی پڑھائی بھی جاری رکھی۔ بارھواں درجہ پاس کر لیا۔ اب اسے ایک فیکٹری میں اچھی ملازمت مل گئی۔ اسے اپنی غریبی کے دن یاد آتے۔ کبھی کبھی وہ ماضی کے خیالات میں کھو جاتا اور پڑھنے کی لگن سمجھی کہ غربت میں پڑھ لکھ کر آج اسے یہ نتیجہ ملا ہے۔

ہیرا محنتی تھا۔ بڑوں سے ادب اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آتا تھا۔

وقت بدلتا ہے۔ اسی کے ساتھ انسان بدلتا ہے۔ ہیرا کا دوست گنگو بڑا تاجر تھا

اسے تجارت میں خوب نفع ملتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی اس کے کام میں مدد کو مل جائے۔ ہیرا سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ اب ہیرا اپنے دوست گنگو کے ساتھ تجارت کرنے لگا۔ ہیرا نے اپنے وفادار دوست گنگو کی بڑی مدد کی۔ ہیرا کا ایک دوست سونو تھا۔ اس نے الگ تجارت کرنے کا مشورہ دیا۔

اس نے گنگو سے رخصت مانگی اور کہا کہ اب میں بھی تجارت شروع کرنا ہوں"۔ گنگو کو بہت خوشی ہوئی اس نے کافی روپے اور مال دے دیا۔ ہیرا نے تجارت اپنے دوست سونو کے گانو میں شروع کی۔ اسے کافی اچھا نفع ملنے لگا۔ اس نے ایک دن ڈیڑھ سو من لوہا خریدا۔ پچاس من لوہا بک گیا۔ باقی لوہا اپنے دوست سونو کے یہاں رکھوا دیا۔ اسے کسی ضرورت سے سفر کرنا تھا۔ سفر میں کافی مدت لگی۔ ہیرا وطن واپس آیا اور سونو کے یہاں لوہا لینے گیا۔ سونو نے کہا۔ یار! غضب ہو گیا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ چوہے سارا لوہا کھا گئے۔ ہیرا نے صبر کیا اور خاموش اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔ راستے میں اسے سونو کا بیٹا نظر آیا، اس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ سونو کے بیٹے کو اپنے گھر لے جاکر ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ سونو لڑکے کی تلاش میں بھوک پیاس سب کچھ بھول گیا اور چلچلاتی دھوپ میں بیٹے کی تلاش میں نکلا اور آخر کار وہ ہیرا کے گھر پہنچا اور اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے ہیرا نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ایک چیل لڑکے کو اٹھا کر لے گئی۔ سونو نے کہا کہ کہیں چیل بھی لڑکے کو اٹھا سکتی ہے۔ ہیرا نے مسکرا کر کہا جب چوہے سو من لوہا کھا سکتے ہیں تو چیل ایک لڑکے کو اٹھا کر نہیں لے جا سکتی ؟۔

سونو سارا معاملہ سمجھ گیا۔ اس نے معافی مانگی اور فوراً لوہا واپس کر دیا۔ اسی وقت ہیرا نے لڑکے کو بھی باپ کے حوالے کر دیا۔

پیارے بچو!
آپ نے امانت میں خیانت کا انجام دیکھا!

کولمبس

محمد شبیر الاسلام
محلہ مہراج گنج۔ پوسٹ رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار)
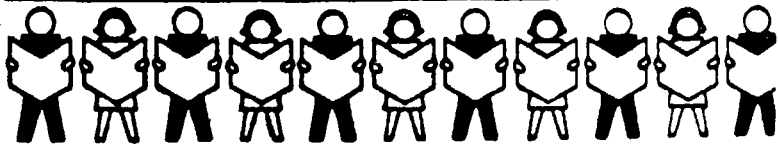
اس نے پہلی بار پور ... دن کو ... اس کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ
زمین کے کنارے پہنچ رہے ہیں...

کولمبس کی پیدائش اٹلی کے جینوا نامی شہر میں ہوئی تھی۔ اس کا پورا نام کرسٹوفر کولمبس تھا۔ اس نے جیومیٹری، علم نجوم اور علم فلکیات کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ مارکوپولو کے سفرنامہ سے واقف تھا۔ کشتی رانی کے کام میں اس کو شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ اس نے ۱۴۷۶ میں انگلینڈ اور اس کے شمالی جزیروں کا سفر کیا تھا۔ اس وقت تک گلوب بھی بن چکا تھا۔ کولمبس کو یقین تھا کہ زمین گول ہے اور اگر پچھم کی طرف سفر کیا جائے تو چین اور ہندستان تک پہنچا جا سکتا ہے۔

کولمبس نے سفر کے لیے پرتگال کے حکمرانوں سے مدد مانگی مگر ناکام رہا۔ اس نے اسپین کے شاہی دربار میں اپنی تجویز رکھی۔ وہاں بھی شروع میں اس کی تجویز کی مخالفت ہوئی۔ آخرکار ۱۴۹۲ء میں اسے تین جہاز اور ۸۸ آدمیوں کے ساتھ اپنے سفر پر جانے کا موقع مل گیا۔ اسے ایڈمرل کا عہدہ دیا گیا۔ یہ بھی شرط تھی کہ سفر کے دوران سونا چاندی وغیرہ ملنے پر دسواں حصہ اسے ملے گا۔ ۳ر اگست ۱۴۹۲ء کو اس کا سفر شروع ہوا۔ اس کے خاص جہاز کا نام سینٹ میریا (CENT MARIA) تھا۔ ۲۰ر ستمبر کو اس نے

پہلی بار پرندوں کو دیکھا۔ اب اس کے ساتھیوں کو بھروسا ہوا کہ وہ زمین کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو وہ نئی دنیا میں جا پہنچا جسے غلط فہمی سے اس نے ہندستان سمجھ لیا تھا۔ اب بھی وہ جزیرے ویسٹ انڈیز کے نام سے ہی جانے جاتے ہیں اور وہاں کے پرانے باشندے ریڈ انڈین کہلاتے ہیں۔ کولمبس اپنے ساتھ سونا، روئی، نئے پودے، توتے، اور نئے چرند و پرند اور کچھ نئے لوگوں کو بھی لے آیا۔ افریقہ کے ساحل کے لوگ کالے رنگ کے تھے۔ اس نئی دنیا کے باشندے دوسرے رنگ کے ہوتے تھے اس لیے انھیں RED INDIAN کہا گیا۔ دراصل وہ دکھنی امریکہ کی سرزمین پر پہنچ گیا تھا۔

اس نے کئی سفر کیے مگر وہ اتری امریکہ کی سرزمین تک نہیں پہنچ پایا۔ مگر واسکوڈی گاما دکھنی افریقہ کا سفر کرتا ہوا ہندستان کے دکھنی ساحل پر پہنچ چکا تھا۔ ۱۵۰۴ء میں اس کا انتقال ہوا اور مرتے وقت تک اس کو یہ یقین رہا کہ وہ ایشیا کے پوربی ساحل تک پہنچ پایا ہے۔ اتری امریکہ کی دریافت کا سہرا توامریگو۔ ویسپوچی کے سر ہے۔ جس کے نام پر نئی دنیا کے براعظم کا نام امریکہ پڑا لیکن اس سے کولمبس کے کاموں کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی۔ اس کا سفر اس کے حوصلہ اور ہمت کا نتیجہ تھا۔ اس وقت تک قطب نما کی بھی ایجاد ہو چکی تھی جس سے بحری سفر کرنے والوں کو سمتوں کی پہچان میں بڑی مدد ملتی تھی۔

گدگدیاں

شبیر احمد
حبیب اللہ انصاری
بھیونڈی

▲ باپ: ۔ تمھیں معلوم ہے تمھاری پڑھائی میں ہمارا کتنا روپیا خرچ ہوتا ہے؟
بیٹا: ۔ مجھے خیال ہے ڈیڈی، اسی لیے میں تھوڑا پڑھتا ہوں، تاکہ کم خرچ آئے۔

▲ استاد: ۔ تم دو دن کیوں نہیں آئے؟
شاگرد: ۔ سر میرے پاس ایک ہی پینٹ شرٹ ہے اور وہ میں نے پرسوں دھوئی تھی۔
استاد: ۔ اور کل۔؟
شاگرد: کل میں آ ہی رہا تھا کہ آپ کے گھر کی بالکنی میں آپ کی پینٹ شرٹ ٹنگی دیکھ کر واپس چلا گیا۔
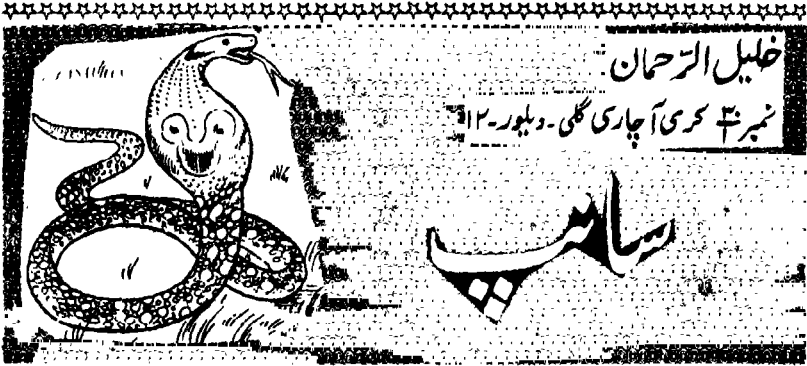
▲ بچہ: ۔ ماں میں کھیلنے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔
ماں: ۔ مگر اس پھٹی قمیص کے ساتھ۔
بچہ: ۔ نہیں ان بچوں کے ساتھ جو باہر کھڑے ہیں

نیولا بڑی پھرتی سے سانپ پر حملہ کرتا ہے اپنا بچاؤ بھی کرتا ہے لیکن کبھی کبھی .....

سانپ تم نے کئی دفعہ دیکھے ہوں گے۔ ہندستان، افریقہ اور شمال مشرقی ایشیا توان کے گھر ہیں۔

عید کے دن سپیرے پٹاریوں میں سانپوں کو لیے گلی گلی گھومتے رہتے ہیں۔ کسی کھلی جگہ میں بیٹھ کر بین بجاتے ہیں تو لڑکے لڑکیاں ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں تو پٹاری کا ڈھکن کھول کر سانپ کو ہوشیار کرتے ہیں وہ پھنکارتا ہوا باہر نکل آتا ہے۔ سپیرے ان کے مختلف کرتب دکھلا کر لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔

سانپ کا جسم گول مول لمبا لوکی (SRAKEGUARD) جیسا ہوتا ہے۔ بیچ میں موٹا مگر سر اور دُم پتلے ہوتے ہیں۔ سانپ مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہیں پیٹھ کی ہڈی عجیب طرح کی بنی ہوئی ہے۔ گول گول ہڈیاں آپس میں اس طرح جڑی ہوئی ہیں جیسے زنجیر کی کڑیاں۔ ان کے بل کنڈلی مار کر بیٹھتا ہے اور اُن ہی کی مدد سے جدھر چاہتا ہے مڑ جاتا ہے۔ پیٹھ کی ہڈی سے ملی ہوئی پسلیاں ہیں اُن کو زمین پر دبا کر آگے بڑھتا ہے۔
آنکھیں بڑی چمکدار اور تیز ہوتی ہیں پپوٹے غائب! اس لیے آنکھیں ہمیشہ کھلی کی کھلی رہتی ہیں۔ جب یہ اپنے شکار کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے تو وہ غریب سہم جاتا ہے۔ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، لیک کر اُسے جا دبوچتا ہے اور ہڑپ کر جاتا ہے۔

چوہے، چڑیاں اور اُن کے انڈے، چوزے، مینڈک اور کیکڑے سانپ کی غذا ہیں۔ ایک

بار پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو ہفتوں تک کچھ نہیں کھاتا۔ اپنی بانبی (بل) میں پڑا سوتا رہتا ہے۔
ناگ سانپ کم سے کم سال میں ایک بار اپنی کینچلی اُتارتا ہے۔ کینچلی اُتارنے کے زمانے میں بہت سست رہتا ہے۔ کینچلی بدلنے پر نئی کھال نکل آتی ہے۔ تو دوبارہ چاق وچوبند ہو جاتا ہے۔

اِس کا سر مچھلی کا سا ہوتا ہے زبان پتلی اور دوشاخی ہوتی ہے۔ اُس کے دانت بالکل باریک لمبے اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ اُن سے اپنے شکار کو چبا نہیں سکتا صرف مضبوطی سے پکڑ سکتا ہے۔
سب سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ مگر ناگ زہریلا ہوتا ہے اس کے اوپر کے جبڑوں میں دونوں طرف کینچلیوں کے پیچھے دو چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں جن میں زہر بھرا رہتا ہے جب یہ ڈستا ہے تو انسان کے بدن میں سوراخ کر دیتا ہے۔ تھیلیوں کا زہر بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔

سپیرے جب ناگ کو پکڑتے ہیں تو پہلے زہر کی تھیلیوں کو نکال کر پھینک دیتے ہیں۔

سانپ انسان کو کیوں کاٹتا ہے ؟

اُس کی زندگی خطرے میں ہوتی ہے تو وہ جھلا کر انسان کو ڈستا ہے۔ غیر زہریلے سانپ موت کا باعث نہیں ہوتے۔

شاذونادر ہی ان کے کان ہوتے ہیں۔ نہ بین کی آواز پر سر دُھنتا ہے وہ کیوں ؟
سپیرا جب بین بجاتا ہے تو وہ ٹکٹکی باندھ کر اُس کی حرکتوں کو بغور دیکھ کر اُس کی نقالی کرتا ہے۔
مادہ سانپ انڈے دے کر انھیں سینتی ہے۔ اُن سے بچے نکل آتے ہیں۔ سانپن کی ایک قسم بچوں کو ہی جنم دیتی ہے۔ وہ بیک وقت ستر بچے جنتی ہے یہ عالمی ریکارڈ محفوظ ہے۔

سانپ کسان کا دوست ہے وہ کیوں کر؟

چوہے ہرے بھرے کھیت اور اناج کو تباہ کر دیتے ہیں۔ سانپ اُن کا قلع قمع کرتا ہے۔ اناج محفوظ رہتا ہے جو بطور غذا ہمارے کام آتا ہے۔ سانپ کی کھال قیمتی ہوتی ہے۔
اُس کا زہر بیکار نہیں ہوتا۔ اُس سے انجکشن تیار کرتے ہیں جس سے مختلف امراض رفع ہوتے ہیں۔
نیولا اور سانپ میں ازلی دشمنی ہے اُن کی جنگ کا منظر قابل دید ہوتا ہے نیولا بڑی پھرتی سے سانپ پر حملہ کرتا ہے اپنا بچاؤ بھی کرتا ہے لیکن کبھی کبھی سانپ کے ڈسنے سے زہر کا اثر پھیلنے پر وہ قریبی جھاڑیوں میں گھس کر جنگلی نشاستہ استعمال کر کے زہر کو زائل کر دیتا ہے ●●

(ترجمہ: درجہ ہشتم کی انگریزی کتاب سے)

اطہر بانو اقبال حسین
اردو ہائی اسکول۔ بروڈ
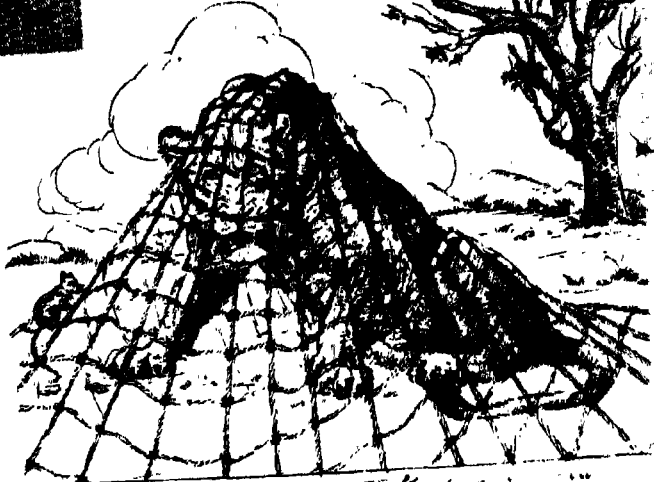
اتنے میں شیر کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو قید میں دیکھ کر دھاڑنا شروع کر دیا۔۔۔

ایک شیر سو رہا تھا۔ اچانک ایک چوہے کا اُدھر سے گزر ہوا وہ شیر کی پیٹھ پر کھیلنے لگا۔ شیر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنی پیٹھ پر چوہے کو دیکھ کر بہت غصہ ہوا اور کہا "اتنی سی جان ہو کر میری پیٹھ پر کھیلتا ہے میں تجھے کھا لوں گا۔" [illegible] بہت خوف زدہ ہوا اور معافی مانگنے لگا۔ وہ گڑگڑانے لگا مہاراج! میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا اگر آپ پر کوئی مصیبت آئی تو میں آپ کے کام آؤں گا۔ شیر ہنسنے لگا اور کہا "تو اتنا سا اور میں اتنا بڑا، تو میرے کیا کام آئے گا۔" آخر چوہے کے رونے گڑگڑانے سے شیر کو چوہے پر ترس آ گیا اور اُس نے چوہے کو چھوڑ دیا۔

کچھ ہی دن بیتے تھے کہ اس جنگل میں ایک شکاری آیا۔ شیر سو رہا تھا۔ شکاری نے شیر پر جال ڈال دیا اور خود کچھ کام سے چلا گیا۔ اتنے میں شیر کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو قید میں دیکھ کر دھاڑنا شروع کر دیا۔ دھاڑ سن کر چوہا دوڑتا ہوا شیر کے پاس آیا اور کہا آپ فکر نہ کیجیے۔ اتنا کہہ کر وہ جال کے تار کاٹنے لگا اتنی تیزی سے کاٹا کہ شکاری اس وقت تک نہ پہنچ پایا۔ شیر آزاد ہو گیا۔ پیارے دوستو! کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے آپ جسے حقیر سمجھتے ہوں وہی آپ کے کام آ جائے۔ ●●

فرزانہ جیسے ہی پانی سے بھرا گھڑا لیے گھر میں داخل ہوئی اپنی سوتیلی ماں کی بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر سہم گئی۔ نجانے اب کون سی آفت آئے۔ ماں نے دیکھتے ہی گرج کر کہا "کمبخت کہاں مر گئی تھی۔ اتنی دیر میں ایک گڑھا پانی بھر کر لائی ہے۔ تجھے کیا کوئی دوسرا کوئی کام نہیں۔ چل جلدی جلدی کام کر ورنہ ....." فرزانہ "ورنہ" کے خوب معنی سمجھتی تھی۔ ڈر کے مارے جلدی سے گھبرا کر بالٹی میں پانی انڈیلنے لگی لیکن اس کے کانپتے ہاتھوں سے گھڑا چھوٹ کر گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔ اتنی محنت سے بھر کر لایا ہوا پانی بہہ گیا۔ وہ ابھی کچھ سوچ بھی نہ سکی تھی کہ اس کی ماں نے ایک لکڑی اٹھائی اور اُسے پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ نہ جانے کیا کیا بکتی جاتی۔ جب ماں نے اچھی طرح پیٹ لیا تو اُسے ایک ٹھوکر مار کے کہا "چل جا گائے بکریوں کے گھیر کی صفائی کر ڈال۔" اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا لیکن سوتیلی ماں کے ڈر سے کسی طرح اٹھ کر صفائی کرنے لگی اور سوچنے لگی۔ اللہ نے مجھے کیوں زندہ رکھا مجھے بھی میری ماں کے ساتھ مار دیا ہوتا۔ امّی کا خیال آتے ہی اس کی خوبصورت آنکھوں سے اشکوں کی دھاریں بہنے لگیں۔ جب سے اس کی دوسری امّی آئی تھیں اس کے پیارے ابّا نے بھی اس کی طرف سے ایک دم نگاہیں پھیر لیں۔ پہلے ابّا اسے پیار کرتے تھے

تھے، اپنے سے ایک پل جدا کرنا انھیں گوارا نہ تھا لیکن نئی امی کے آنے کے بعد وہ کھانا کھا کر ایک کونے میں پڑ جاتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کے کان پیار کے دو الفاظ سننے کو ترس گئے تھے۔ کیا اب مجھے کوئی پیار نہیں کرے گا کیا وہ ہمیشہ ایسی ہی تڑپتی رہے گی۔ اس کی سوتیلی بہن رضوانہ کو سب کتنا پیار کرتے ہیں، وہ کتنے اچھے اچھے ریشمی فراک پہنتی ہے۔ لال ہرے پن لگاتی ہے۔ کاش کہ مجھے بھی کوئی اسی طرح پیار کرتا۔ وہ بھی اس طرح کے اچھے کپڑے پہنتی لیکن اسے رضوانہ کے اترے میلے ہوئے پھٹے کپڑے ہی پہننے کو ملتے ہیں۔ فرزانہ نے سوچا کیا ابّا کے دل میں میری کوئی محبت باقی نہیں۔ میں بھی تو ان کی بیٹی ہوں کیوں مجھے پیار نہیں کرتے ہیں۔ دن رات کام کرتی ہوں تو بھی وہ کچھ نہیں بولتے کیا مجھ پر انھیں کچھ ترس نہیں آتا۔ جب امّی زندہ تھیں تو ایک گلاس پانی بھی میں خود اٹھا لیتی تو ان کی جان نکل جاتی۔ لیکن اب..... سوتیلی ماں کی نظروں میں تو کانٹا ہوں۔ نہ جانے ابّا سے کیا کیا کہ دیتی ہیں کہ مجھے ذرا سی بات پر بھی ڈانٹتے رہتے ہیں۔ اتنا کچھ سوچ کر فرزانہ پھر رونے لگی۔ نہ جانے وہ کیوں اتنا رو رہی تھی ورنہ اب تو اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ ابھی رو ہی رہی تھی کہ امی کی چیخ کر رونے کی آواز سن کر چونک پڑی۔ گھبرا کر باہر آئی تو دیکھا اس کی امّی خوب رو رہی ہیں اور بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو ہجوم میں گھس گئی۔ دیکھا تو اس کی سوتیلی بہن رضوانہ خون میں لت پت بے ہوش پڑی ہے۔ کھیلتے میں سڑک پار کرنے پر ایک کار سے ٹکر ہو گئی۔ فرزانہ بھی دیکھ کر رونے لگی کیوں کہ ایک یہی گھر میں ایسی تھی جو فرزانہ سے محبت کرتی تھی اور امی سے چھپا کر ٹافیاں، مٹھائیاں وغیرہ دے دیتی تھی۔ آخر اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ سب لوگ ساتھ گئے۔ ڈاکٹر نے کہا خون نکل چکا ہے زندگی خطرہ میں ہے اس کا بلڈ گروپ ملنا چاہیے۔ رضوانہ کے امّی ابّا نے کہا "ڈاکٹر صاحب آپ کسی طرح بھی میری بچی کی جان بچا لیں روپے کی پرواہ نہ کریں"۔ فرزانہ یہ سن کر روتی ہوئی ڈاکٹر کے قریب گئی اور کہا "ڈاکٹر صاحب میرا خون اگر ملتا ہے تو لے لیجیے اور میری بہن کی جان بچا لیجیے"۔ اتفاق سے اس کا خون مل گیا۔ فرزانہ کا خون نکال کر رضوانہ کے جسم میں پہنچایا گیا تین گھنٹہ بعد رضوانہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اب خطرے سے باہر تھی۔ امی دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں پھر وہاں سے اٹھ کر ڈاکٹر کے پاس گئیں جہاں ابّا اداس کھڑے تھے۔ امّی نے بے چینی سے سوال کیا فرزانہ کیسی ہے وہ فرزانہ سے لپٹ گئیں اور رو رو کر کہنے لگیں۔ فرزانہ مجھے معاف کر دو۔ "اف" میں نے تمہارے ساتھ [illegible] [illegible] کتنا بڑا [illegible] کیا [illegible] دیکھ کر ابّو کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو [illegible]

اگر میرا خون اس کے خون سے مل جائے تو جتنا خون میرے بدن میں ہے، سب نکال لیجیے ......

بہت دنوں کی بات ہے کسی شہر میں دو سہیلیاں ایک اسکول میں پڑھتی تھیں۔ ایک کا نام نازش اور دوسری کا نام ریشمہ تھا۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔

ایک دن نازش کی طبیعت خراب ہوگئی وہ اسکول نہیں آئی اُس نے ایک درخواست اور ایک خط پڑوس کی لڑکی کے ہاتھ ریشمہ کے پاس بھیجا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ آج تمھاری نازش کی طبیعت خراب ہے یہ درخواست دے دینا اور تم شام کو گھر ضرور آنا میں تمھارا انتظار کروں گی۔

ریشمہ یہ خط پڑھ کر رونے لگی اور دن بھر اُداس رہی جب ۴ بجے چھٹی ہوئی تو ریشمہ گھر گئی اور اپنی امّی کے ساتھ نازش کے گھر پہنچی۔ ریشمہ کو دیکھ کر نازش بہت خوش ہوئی اس نے کہا ریشمہ! آج میں اس وجہ سے اسکول نہیں آئی اور اتنا کہتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ریشمہ نے اس کے آنسو پونچھے اور کہنے لگی چپ ہو جاؤ۔ میری بہن مت رو

رشیمہ کی بھی آنکھیں نم ہوگئیں۔ رشیمہ روز اس کے گھر جاتی۔ ایک دن رشیمہ کو اسکول میں بہت کام مل گیا۔ وہ اسکول سے آتے ہی اسے کرنے بیٹھ گئی اور اس دن نازش کے گھر نہیں جا پائی۔ دوسرے دن جب وہ نازش کے گھر گئی تو نازش کی طبیعت خراب تھی۔ اسے اسپتال میں داخل کرایا گیا اور خون چڑھنے لگا اس کی امی اور اس کے بڑے بھائی نے اپنا خون دیا پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کی حالت بگڑتی گئی۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ رشیمہ یہ دیکھ کر اور بھی پریشان ہوگئی۔

اس نے ڈاکٹر صاحب سے کہا! ڈاکٹر صاحب! میرا خون ٹیسٹ کیجیے اور اگر میرا خون اس کے خون سے مل جائے تو جتنا خون میرے بدن سے اس بدن میں لگے، لگا دیجیے لیکن میری سہیلی کو بچا لیجیے ڈاکٹر صاحب..... اور اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔

رشیمہ کا خون ٹیسٹ کیا گیا تو مل گیا۔ اب خون چڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ نازش کی امی فوراً جاکر نازش کے گلے سے لگ گئیں اور کہنے لگیں ارے میری بچی کو نئی زندگی مل گئی۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ رشیمہ کی خوشی کا تو ٹھکانا نہ تھا۔ نازش کو پتا چلا کہ مجھے اسی رشیمہ بہن نے نئی زندگی دی۔ رشیمہ نے کہا نازش! میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی۔

یہ سُن کر سب لڑکیوں پر سچی دوستی کا اثر پڑا ● ●

برسات

عبد الغفار۔ نبکا پور لکشمیشور

بارش برسی جھم جھم جھم ہم بھی کودے دھم دھم دھم

کپڑے بھیگے ہا ہا ہا امی بولیں چھی چھی چھی

ابا آئے لڈو لائے ہم نے کھائے گپ گپ گپ

پیٹ بھرا تو دل بولا اہا اہا اہا

مینڈک بولا ٹرٹرٹر کوئل بولی کوکو کو
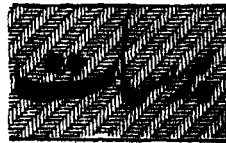
محمد ظہیر الدین انصاری
معرفت۔ جنتا ٹائم ہاؤس بادیا روڈ ۳ سنگھ بھوم (بہار)

.... یہ سن کر بوڑھے آدمی نے جواب دیا حضور! جب تک مجھے اپنی قوت بازو سے روٹی ملتی ہے میں نعمتِ خوانِ شاہی سے ہزار درجہ برتر سمجھتا ہوں

ایک روز شہنشاہ اکبر نے راجا بیربل سے دریافت فرمایا کہ بیربل اہلِ ہمت کی کیا پہچان ہے؟ راجا بیربل نے جواب دیا جہاں پناہ! اہلِ ہمت کی شناخت یہ ہے کہ اپنے قوتِ بازو سے روزی پیدا کرے اور اہل وعیال وغیرہ کو کھلائے اور دوسروں کے ہاتھوں کی طرف ہرگز نہ دیکھے یعنی کسی کا محتاج نہ ہو اور پست ہمت کی دلیل یہ ہے کہ مالِ مفت پر نظر رکھے، محنت و مشقت سے بھاگے زہد و ریاضت سے کانپے کچھ کام نہ کرے اور محنت نہ کرے۔ شہنشاہ نے فرمایا اس کی تصدیق کیونکر ہو سکتی ہے۔ راجا بیربل نے کہا حضور! موقع آنے دیجیے پھر دکھا دوں گا۔ اگلے روز راجا بیربل نے شاہی لنگر لگوا دیا۔ تمام شہر کی رعایا غول در غول جمع ہوئی سب خوانِ شاہی پر مہمان تھے۔ ایک روز شہنشاہ اور راجا بیربل جنگل کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھے کو دیکھا کہ گھاس کھود رہا ہے۔ راجا بیربل نے کہا اے بڈھے افسوس ہے کہ تو اس قدر محنت مشقت کر رہا ہے جب کہ ایک ہفتہ سے لنگر شاہی جاری ہے اور تمام رعایا امیر و غریب اس خوانِ کرم سے سیر ہو رہی ہے۔ کیا تیرے واسطے نہیں ہے۔ یہ سن کر بوڑھے نے جواب دیا حضور! جب تک مجھے اپنی قوتِ بازو سے روٹی ملتی ہے اسے نعمتِ خوانِ شاہی سے ہزار درجہ اعلا و برتر سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر راجا بیربل نے شہنشاہ اکبر سے کہا میں نے عمر بھر میں یہی ایک اہلِ ہمت دیکھا ہے۔ اس کے بعد شہنشاہ اور راجا بیربل لوٹ کر واپس آ گئے اور لنگر بند کرا دیا گیا کیوں کہ راجا بیربل نے سوال کا جواب

عقل مند وزیر

مصنف :- تارا رام کرشنا چودھری
مترجم :- آصف ابراہیم پرکار
پیوال منڈنگڑھ، رتناگیری، (مہاراشٹر)

بیچاری بندریا اپنے پیارے بچے کو بچانے کے لیے تڑپ رہی تھی ......

اکبرِ اعظم کے نورتن میں بیربل کا نام بھی مشہور ہے۔
ایک دن بادشاہ نے بیربل سے کہا " بیربل! آدمی کو سب سے پیاری چیز کون سی ہے؟"
بیربل نے فوراً جواب دیا۔ " جہاں پناہ! ہر ایک کو اپنی جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔"
بادشاہ نے جواب دیا۔" انسان کو سب سے پیاری چیز اپنی اولاد ہوتی ہے، انسان ہی نہیں، جانور، درندے، پرندے، سبھوں کو اپنی اولاد کی فکر ہوتی ہے وہ اپنی اولاد کے لیے غذا لاتے ہیں۔ آرام اور حفاظت سے رکھنے کا انتظام کرتے ہیں۔"
بیربل نے جواب دیا۔" جہاں پناہ! اگر میری بات سچ ہوئی تو!"
بادشاہ نے جواب دیا " تب ایک ہزار مہر انعام!" بیربل نے یہ فیصلہ مان لیا۔
اس نے راجد ھانی میں ایک حوض خالی کروالیا۔ اس حوض کے درمیان ایک کھمبا گاڑ دیا۔ ایک بندریا اور اس کے چھوٹے بچے کو پکڑ والیا۔ اور بادشاہ کے سامنے بندریا اور بچے کو حوض میں چھوڑ دیا پھر پانی بھرنے والے سبھی نل کھول دیے۔
حوض میں پانی بھرنے لگا تو بندریا نے بچے کو سینے سے چپٹا لیا اور وہ کھمبے پر چڑھ گئی جیسے جیسے پانی اوپر چڑھنے لگا اسی طرح بندریا اوپر چڑھنے لگی اور بچے کو سنبھالنے
بادشاہ اور بیربل یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

حوض میں پانی بڑھتا گیا۔ بیچاری بندریا اپنے پیارے بچے کو بچانے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اس نے بچے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سر پر رکھ لیا اور حوض کے سرے پر کھڑی ہو گئی۔

بادشاہ مسکرائے اور بیربل سے کہا۔ "بیربل! دیکھ لیا۔ سب سے پیاری اپنی اولاد۔"

لیکن اتنے میں پانی بندریا کے ناک منہ میں جانے لگا اور ایک لمحے میں بندریا نے بچے کو پاؤں کے نیچے داب دیا اور اس پر کھڑی ہو گئی۔ یہ سب کچھ بندریا نے اپنی جان بچانے کے لیے کیا تھا۔

بیربل نے فوراً کہا "جہاں پناہ! دیکھیے سب سے زیادہ جان پیاری۔"

"بیربل کو ایک ہزار مہر کا انعام دیا گیا۔"

(مراٹھی سے ترجمہ)

منہری خاتون ادگانواں (نالندہ) بہار

سو جا میرے پیارے سو جا
میری آنکھ کے تارے سو جا
تو ہے میرا راج دلارا دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
اس گھر کا اجیارا تو ہے سارے جگ سے پیارا تو ہے
پریاں تیرے نغمے گائیں
حوریں جھولا تجھے جھلائیں
مولا کی رحمت ہو تجھ پر آٹھ پہر شفقت ہو تجھ پر
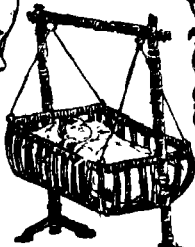
تو ہے میرے دل کا سہارا رحمت کے انوار کا دھارا
مہکی مہکی رات ہے آئی
خوابوں کی سوغات ہے لائی
ہر شے جگ کی اونگھ رہی ہے نیند کی خوشبو سونگھ رہی ہے
سو جا ننھے تو بھی سو جا میٹھی میٹھی نیند میں کھو جا
تو ہے میرا راج دلارا
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا

...ماں مجھے پھانسی دے دی گئی تھی، تو کیا ہوا، شہید کبھی نہیں مرتے، میں شہید ہوں اس لیے زندہ ہوں اور تمہارے سامنے کھڑا ہوں"....

یہ بات اُس وقت کی ہے جب ہندستان پر انگریزوں کا راج تھا۔ دلّی کی ایک اُداس سڑک پر انگریز سپاہی کچھ دیش بھگتوں کو پکڑ کر لے جا رہے تھے تبھی ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک آدمی اسی طرف آرہا ہے، لمبا قد، بھوری بھوری آنکھیں، بڑی بڑی مونچھیں وہ اِن سپاہیوں کے پاس پہنچا اور بولا۔

"ہوں تو یہ ہیں وہ دیش بھگت جنھوں نے پورے ہندستان میں تہلکہ مچا رکھا ہے؟"

"ان کے بہت سے ساتھی بھاگ بھی گئے ہیں۔ انھیں تھانہ میں چھوڑ کر بعد میں اوروں کو دیکھیں گے۔" ایک سپاہی نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں"، میں انھیں تھانے میں چھوڑ دوں گا۔ آپ لوگ اپنے کام پر جائیے۔" تمام سپاہی گاڑی پر سوار ہو کر باقی دیش بھگتوں کی تلاش میں نکلے۔ انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اُس آدمی نے دیش بھگتوں کو آزاد کر دیا تھا۔ سپاہیوں نے گاڑی رکوائی اور اپنی اپنی رائفل تان کر گاڑی سے کود پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں پوری سڑک لاشوں سے بھری پڑی تھی۔ خون کی ندی بہہ رہی تھی۔ کچھ دیش بھگت پکڑے گئے اُن میں وہ آدمی بھی تھا

عدالت میں اس پر مقدمہ چلا اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ اس کی بیوی بہت روئی گڑگڑائی اپنے شوہر کی طرف سے معافی مانگی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس آدمی نے اپنی بیوی سے کہا۔ غم مت کرو۔ میں جلد ہی تم سے ملنے آؤں گا۔

مقررہ تاریخ پر اس آدمی کو پھانسی دے دی گئی۔ اس کی بیوی بچوں کو گھر میں قید کر لیا گیا۔ بیوی سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہی۔

ایک دن آدھی رات کو ایک سایہ کمرے میں داخل ہوا۔ بیوی بچے سو رہے تھے۔ سایے نے کمرے میں آکر عورت کو جگایا۔ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس کے سامنے اس کا شوہر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ حواس درست ہونے پر وہ بولی۔

"آپ آگئے۔ میں آپ کا کتنے دنوں سے انتظار کر رہی تھی۔

معاف کرنا وعدہ نبھانے میں تھوڑی دیر ہوگئی۔ پھر اس نے کھلونے، پھل اور کپڑے بیوی بچوں کے لیے بستر پر سجا دیے۔

"لیکن، لیکن ..... آپ تو .....، وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں مجھے پھانسی دے دی گئی تھی تو کیا ہوا شہید کبھی نہیں مرتے۔ میں شہید ہوں اس لیے زندہ ہوں اور تمھارے سامنے کھڑا ہوں۔"

"کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد بیوی سے بولا۔ "اچھا تو اب میں چلوں۔"

"ارے اتنی جلدی؟ ابھی تو ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"سپاہیوں نے کمرے میں باتوں کی آواز سنی تو فوراً دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلنے پر عورت سے پوچھنے لگے۔ تم ابھی کس سے باتیں کر رہی تھیں۔؟

"یہاں میرے اور بچوں کے پاس اور ہے ہی کون جس سے میں باتیں کروں گی۔ عورت نے ذرا غصے سے جواب دیا۔ سپاہیوں نے کمرے کی تلاشی لی وہاں کھلونے، کپڑے اور پھل ملے۔ "یہ سب چیزیں کہاں سے آئیں اور انھیں کون لایا؟"

"آخر آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں یہاں میرے اور میرے بچوں کے سوا اور ہے ہی کون؟ پہرے اور سخت ہوگئے لیکن تحفوں کی آمد رکنے کے بجائے بڑھتی گئی۔ پہرے دار خوف زدہ ہوگئے۔ معاملہ اوپر تک پہنچا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس عورت اور اس کے بچوں کو بھی پھانسی دے دی جائے۔ یہ جادوگرنی ہے اور حکومت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۹ء کی صبح کو اس عورت اور اس کے معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی ـــــ یہ واقعہ سچا ہے اور اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ـــ مگر خواب میں!

اُس کا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔ پانو لڑکھڑانے لگے۔ باغیچے میں کوئی عورت سفید ساڑی پہنے بیٹھی تھی۔ ضرور یہ کوئی بھُوتنی ہوگی۔......

رات کے ۹ بجے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اِس وقت گھر میں دو ہی لوگ تھے۔ نجمہ اور اُس کا چار سال کا چھوٹا بھائی ببّو!۔

نجمہ ایک ناول پڑھنے میں مشغول تھی۔ ببّو برابر کے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ اچانک موسم بدل گیا۔ آندھی چلنے لگی۔ نجمہ نے سوچا کمرے کی کھڑکی بند کر لیں۔ لیکن ناول چھوڑنے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ اِس میں بھُوت پریت کے ایسے کارنامے تھے کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

فوراً ہی بادل گھر آئے اور تھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ پانی کی بوندیں کھڑکی سے کمرے میں آنے لگیں۔ نجمہ کو کچھ ڈر سا لگنے لگا اُس نے ناول پڑھنا بند کیا اور کھڑکی کی طرف چل پڑی۔ اُس نے کھڑکی بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اُس کی نظر کھڑکی سے باہر باغیچے پر پڑی۔

اُس کا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔ پانو لڑکھڑانے لگے۔ باغیچے میں کوئی عورت سفید ساڑھی پہنے بیٹھی تھی۔ ضرور یہ کوئی بھوتنی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے ماں کو پکارنا چاہا تبھی اُسے یاد آیا کہ امّی تو پڑوس میں بنّو خالہ کے یہاں گئی ہیں۔ ابّا بھی دفتر سے نہیں آئے تھے۔ ننھی نجمہ نے دیکھا کہ وہ عورت اُسے ہاتھ ہلا ہلا کر بلانے لگی۔ نجمہ نے ڈر کے مارے چلاّنا چاہا۔ اُس کا گلا سوکھ گیا۔ نجمہ لڑکھڑاتی ہوئی بستر پر جا پڑی اور بیہوش ہوگئی۔ وہ بہت دیر تک بیہوش رہی۔ تھوڑی دیر میں پانی برسنا بند ہوگیا تبھی نجمہ کو گھنٹی اور ماں کی آواز سنائی پڑی۔ نجمہ کے دروازہ کھولتے ہی ماں نے اُس پر بگڑتے ہوئے کہا "کتنی دیر سے گھنٹی بجا رہی ہوں اور تم ہو کہ ......" امی نے ادھوری بات چھوڑ دی کیونکہ وہ نجمہ کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر گھبرا گئیں۔ کہیں نجمہ کی طبیعت تو خراب نہیں۔

پوچھنے پر نجمہ نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ باغ میں ایک بھوتنی بیٹھی ہے۔

امّی چونک گئیں انھوں نے اپنی نظر باغیچے پر ڈالی۔ سچ میں ساڑی پہنے کوئی بیٹھا تھا لیکن جب انھوں نے غور سے دیکھا تو وہ کھِل کھِلا کر ہنس پڑی۔ وہ نجمہ کا ہاتھ پکڑ کر اُس طرف چل پڑی جہاں عورت بیٹھی تھی۔ نزدیک پہنچتے ہی نجمہ شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ یہ امّی کی ساڑھی تھی جسے نجمہ نے دوپہر میں چھت پر سکھانے کے لیے ڈالا تھا۔ یہ ساڑی آندھی میں اُڑ کر نیچے باغ میں ایک گلاب کے پودے کے چاروں طرف لپٹ گئی تھی۔ اب ایسا لگتا تھا جیسے کوئی عورت بیٹھی ہو۔ ہوا میں جب گلاب کی ڈالیاں ہلتیں تو نجمہ کو لگتا جیسے وہ عورت اُسے بُلا رہی ہے۔

امّی نے نجمہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا "کتنی بار کہا ہے کہ بھوت پریت کی کہانیاں مت پڑھا کرو یہ سب اِسی کا نتیجہ ہے۔"

تب تک ابّا بھی آگئے۔ ساری بات معلوم ہونے پر انھوں نے کہا "بھوت پریت اور جادو منتر کی کہانیوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ پڑھنے والے کو بزدل اور ڈرپوک ضرور بنا دیتی ہیں۔"

نجمہ نے وعدہ کیا کہ اب وہ ایسی کہانیوں کی بجائے سبق آموز کہانیاں ہی پڑھا کرے گی ●●

میرے بھائی جان اور باجی مدرسے جاتے تھے، امی چاہتی تھیں کہ میں بھی مدرسے جاؤں، لیکن اسکول کے نام سے تو جیسے میری روح کانپتی تھی...

ماں کی ممتا باپ کا سایہ
سر پہ ہمیشہ رکھنا خدایا

یہ بات ان دنوں کی ہے جب میں بہت چھوٹی تھی۔ ہمارے ابو ورود (مہاراشٹر) میں بزنس کرتے تھے مگر ہمارا خاندان آبائی وطن جلال آباد (یو پی) میں رہتا تھا۔ میرے بھائی جان اور باجی مدرسے جاتے تھے۔ امی چاہتی تھیں کہ میں بھی مدرسے جاؤں۔ لیکن اسکول کے نام سے تو جیسے میری روح کانپتی تھی۔ اسکول کا نام سنتے ہی میں زور زور سے رونا شروع کر دیتی۔ چونکہ میں گھر میں سب سے چھوٹی اور ذرا ضدی قسم کی تھی اس لیے امی نہ تو مجھے کبھی مارتیں اور نہ ہی ڈانٹتیں۔ وہ مجھے سمجھاتیں، پیار کرتیں اور پیسے دے کر سہلاتیں۔ میں پیسے لیتی اور چٹ کر جاتی۔ مگر اسکول کا نام سننا بھی پسند نہ کرتی۔

ہمارے ابو سال میں صرف ایک مرتبہ ہم لوگوں کے پاس آتے اور دو ڈھائی مہینے گزار کر پھر ورود چلے جاتے۔ ایک مرتبہ امی نے ابو سے میرے اسکول نہ جانے کے بارے میں بتایا تو ابو نے مجھ سے اسکول نہ جانے کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا ابو جب

تک میں بھائی جان کی برابر نہ ہو جاؤں۔ میں اسکول نہیں جاؤں گی۔ یہ سن کر ابو ہنس دیے اور بات آئی گئی ہو گئی۔

ایک دن امی کچھ سی رہی تھیں میں قریب ہی کھیل رہی تھی۔ امی کہنے لگیں "دیکھو بیٹی اگر تم اسکول نہیں جاؤ گی تو لکھنا پڑھنا نہیں آئے گا۔ تم اپنے ابو کے خط بھی نہیں پڑھ سکو گی۔ تمھارا کوئی دوست نہیں بنے گا۔ پھر تمھارے ساتھ کون کھیلے گا۔ اور سب لوگ تمھیں جاہل کہیں گے۔ پھر سمجھانے لگیں "دیکھو بیٹی! جاہل لوگوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔" پھر جھٹ سے مجھے پیار کرنے لگیں اور بولیں "میری چندا بیٹی! تو پڑھ لکھ کر سارے خاندان کا نام روشن کرے گی۔ خوب پڑھے گی نا! میری بیٹی تو۔" پھر نہ جانے امی نے کتنی دعائیں دیں۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ہی ابو نے ہمیں بھی ورودٹر بلا لیا۔ یہاں مجھے پہلی جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔ پہلے تو میں نے ضد کی مگر پھر امی کے سمجھانے پر میں اسکول جانے لگی۔ مدرسے میں میری استانی مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔ گھر پہنچتی تو امی کو منتظر پاتی۔ شام ہوتے ہی امی مجھے سبق یاد کراتیں اور ڈھیروں دعائیں دیتیں۔

میرا نتیجہ نکلا تو میں پہلی جماعت کے تینوں سکشن میں اول آئی۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور پھر میں نے دل لگا کر پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسری اور تیسری جماعت میں بھی اول نمبر سے کامیابی حاصل کی اور پھر میں نے چوتھی کلاس کا بورڈ کا امتحان دیا اور پورے سنٹر میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

اس کے بعد پانچویں، چھٹی اور ساتویں جماعت بھی اول نمبر سے پاس کی۔ پھر کیا تھا۔ آٹھویں اور نویں جماعت میں بھی فرسٹ آئی۔ اسی لیے میں تمام اساتذہ کی چہیتی بن گئی۔ گھر میں امی کا پیار اور اسکول میں اساتذہ کی توجہ نے میرے دل میں ایک جوش پیدا کر دیا اور جب میں دسویں کلاس میں پہنچی تو میرے اساتذہ اور خود میری خواہش تھی کہ میں امتحان میں اول آؤں۔

اسکول کی سالانہ سرگرمیوں کے موقع پر کھیل کود، عام معلومات، ڈرائنگ، اور تحریر وغیرہ کے انعامی مقابلوں میں میں بھی حصّہ لیتی اور انعام حاصل کرتی۔

اسی طرح دن گزرتے گئے اور امتحان کا زمانہ آگیا۔ سبھی سہیلیاں ایک ساتھ مل کر

اسٹڈی کرنے لگیں ۱۹ مارچ ۱۹۸۷ء کو امتحان شروع ہوا۔ یکم اپریل ۱۹۸۷ء کو ہمارا آخری پیپر تھا۔ ہم سب سہیلیاں آپس میں ملیں اور اس کے بعد سب جدا ہو گئے۔

جون میں نتیجہ نکلا۔ میں نے فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔

امی نے میری شاندار کامیابی کی خبر سنی تو انھیں اتنی خوشی ہوئی کہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن جب میں نے بتایا "امی! میری چند سہیلیاں فیل ہو گئی ہیں۔ یہ سن کر امی ایک دم اُداس ہو گئیں اور صرف اتنا کہا "بیٹے انسان دیانتداری اور محنت سے ہی آگے بڑھتا ہے نہ کہ صرف خواہش سے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو آئندہ کامیابی عطا فرمائے آمین!

دیکھا کتنی اچھی ہیں میری امی!

آج میں جب فرسٹ ایر سائنس کی طالبہ ہوں، سوچتی ہوں ان تمام کامیابیوں میں میری امی کی دعائیں زیادہ ہیں یا پھر نصیحتیں۔ لیکن پھر خیال آتا ہے جو کچھ ہے سب امی ہی کا تو ہے اور میں کبھی کبھی بچپن کی یاد میں گنگنا اٹھتی ہوں:۔

پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہیے
تیرے آنچل کی ٹھنڈی ہوا چاہیے
لوری گا گا کے مجھ کو سلاتی ہے تو مسکرا کر سویرے جگاتی ہے تو
مجھ کو اس کے سوا اور کیا چاہیے
پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہیے
تیری ممتا کے سائے میں پھولوں پھلوں تھام کر تیری انگلی میں بڑھتی چلوں
آسرا بس ترے پیار کا چاہیے
پیاری ماں مجھ کو تری دعا چاہیے

اور مجھے شدید احساس ہے:

تیری خدمت سے دنیا میں عظمت مری تیرے قدموں کے نیچے ہے جنت مری
عمر بھر سر پہ سایہ ترا چاہیے
پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہیے

●●●

غریب بوڑھے کی بیٹیاں

شاہینہ پروین
وارث پورہ۔ کامٹی

وہ جو پہاڑ کے پاس جھونپڑا ہے۔ اُس کے ایک کونے میں کچھ اشرفیاں دفن ہیں۔ وہ تم دونوں آپس میں بانٹ لینا.....

ایک شہر میں ایک غریب بوڑھا رہتا تھا۔ اُس کی دو بیٹیاں تھیں اور دونوں کالج میں پڑھتی تھیں۔ ایک ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور دوسری ٹیچر۔ آخر کار دونوں کی تمنا پوری ہو گئی۔ ایک ڈاکٹر بنی اور دوسری ٹیچر۔ غریب باپ نے جب یہ دیکھا کہ میری دونوں لڑکیاں ٹیچر اور ڈاکٹر بن گئی ہیں تو اُس کو اپنی محنت یاد آئی۔ وہ رات دن ایک کیا کرتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش اِن کی ماں زندہ ہوتی تو کتنی خوش ہوتی۔

ایک بیٹی نے گاؤں کے بچّوں کے لیے اسکول کھولنے اور دوسری نے اسپتال بنانے کا فیصلہ کیا۔ پوجا اور گیتا نے اسکول اور اسپتال کھول دیا۔ اب بوڑھے باپ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ مگر کچھ لوگ اُس سے جلنے لگے۔ بوڑھے کا بھائی بھی تھا۔ اُس نے کچھ کر دیا۔ بوڑھا بیمار رہنے لگا۔ دونوں بیٹیوں نے باپ کی خدمت کرنے میں ذرا بھی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کسی نے آواز دی۔ اور کہا اگر ذرا بھی ہمت ہو تو باہر نکل۔ اتنا سُنتے ہی بوڑھے کو کھانسی آنے لگی۔ دونوں بیٹیوں نے باہر نکل کر کہا۔ چچا جان! ہمارے باپ کی طبیعت خراب ہے۔ آپ رحم کیجیے۔ چچا نے کہا بیٹی! تیری ماں مجھ سے کچھ روپے لائی تھی۔ مجھے

پیسے کی ضرورت ہے۔ دونوں بیٹیوں کو حیرت ہوئی کہ ہمارا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ چچا جان ہمیں کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ پوجا نے باپ کو اسپتال میں داخل کرایا۔ چند دنوں میں بوڑھے کا انتقال ہوگیا۔ بوڑھے باپ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹیوں کو بلایا اور کہا۔ بیٹی یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میری شادی ہوئی۔ اور تیری ماں کو گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔ میں اور تیری ماں باتیں کرتے کرتے جنگل میں نکل آئے جب ہمارے سامنے ایک جھاڑی آئی تو ہم نے دیکھا کہ کچھ بدمعاش لوگ آگ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ پہلے تو تیری ماں ڈر گئی۔ لوگ دیکھتے ہی تیری ماں کو پکڑ کر ایک جھونپڑی میں لے گئے۔ اور میں اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ نکلا۔ میں روز بھگوان سے یہی کہتا۔ میری پونم کو واپس کر دو۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔ بھگوان نے میری پکار سن لی اور چند دنوں کے بعد پونم بھاگ کر میرے گھر آئی اور رو رو کر کہنے لگی مجھے معاف کر دو۔ میں نے آنے میں دیر کر دی۔ آخر کار اُس نے پوجا کو جنم دیا۔ اس کی پرورش خوب اچھی طرح سے کی۔ جب میں کھیت جاتا تو پونم کا مسکراتا ہوا چہرہ سامنے آجاتا۔ اور پھر ایک دن میں کھیت جوت رہا تھا تو مجھے کچھ اشرفیاں ملیں تو میں نے تیری ماں کو نہیں بتایا اور میں نے جھونپڑے میں لے جاکر دفن کر دیں اور سوچا مصیبت کے وقت کام آئیں گی۔ تیری ماں بیمار پڑ گئی تو میں اسپتال لے گیا جہاں گیتا کا جنم ہوا۔ گیتا کو جنم دیتے ہی وہ اِس دنیا سے کوچ کر گئی۔ تمہاری پرورش کی۔ جب تم لوگ اسکول جاتے تھے تو میں گھنٹوں اُس کی یاد کر کے روتا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے ہو۔ بوڑھا کہتے کہتے رکا۔ پوجا اور گیتا کو دعا دی کہ دونوں سکھی رہو۔ اب میرا آخری وقت ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم دونوں کے ہاتھ پیلے کروں۔ وہ جو پہاڑ کے پاس جھونپڑا ہے اُس کے ایک کونے میں کچھ اشرفیاں ہیں۔ وہ تم دونوں آپس میں بانٹ لینا۔

دونوں بیٹیاں اپنے باپ کو یاد کرتی تھیں۔ سماج سیوا سے اُن کا دل بہلتا تھا۔ ●●
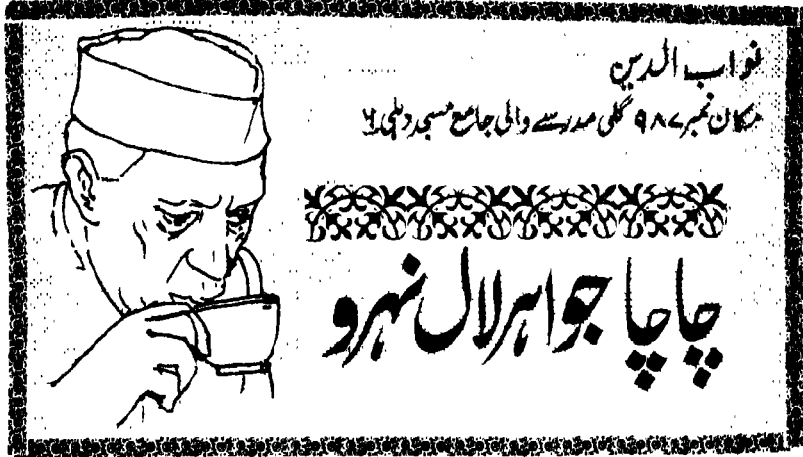
چاچا جواہر لال نہرو

نواب الدین
مکان نمبر ۹۸۷ گلی مدرسے والی جامع مسجد دہلی ۶

قوم کا وہ سیاست داں جس نے اپنی حق گوئی اور بیباکی کی بنا پر ساری دنیا میں ہندستان کا سکّہ جما دیا......

چاچا نہرو ۱۴؍ نومبر ۱۸۸۹ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو اور والدہ سروپ رانی دیوی نے اُن کی پرورش بڑے لاڈ و پیار سے کی۔ پنڈت موتی لال نہرو الہ آباد میں ایک کامیاب بیرسٹر تھے۔ نہرو اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ گئے وہاں سے ۱۹۱۲ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے ہندستان واپس آئے اور الہ آباد میں وکالت شروع کی۔ وہ کانگریس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں الہ آباد میں پہلی تقریر کی جو اخباروں میں انگریز حکومت کے خلاف چھپی تھی۔ ۱۹۱۶ء میں آپ کا بیاہ کملا جی سے ہوا۔ ایک بیٹی اندرا گاندھی کا جنم ہوا وہ ہندستان کی وزیرِ اعظم تھیں۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ آزادی کی لڑائی میں کئی بار جیل گئے۔ انھوں نے گاندھی جی اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ مل کر انگریز حکومت کے خلاف مہم چلائی۔ آخر کار ۱۵؍ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندستان آزاد ہوا۔ ہندستان کے سب سے پہلے وزیرِ اعظم نہرو بنے انھوں نے کہا ہر ہندستانی شہری کا آزادی پر برابر کا حق ہے اور ہر ہندستانی شہری کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کا اختیار ہے چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی۔ اگر کوئی حکومت عوام کو

اُن کے حقوق سے محروم کرے یا عوام پر کسی قسم کا ظلم وستم کرے تو عوام کو حق ہے کہ وہ اس حکومت کو بدل دیں یا ختم کر دیں۔ ہمیں آزادی کتنی قربانی کے بعد ملی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ لوگوں میں آزادی کی قدر کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔ دلوں سے کینہ نکال دیں۔ یگانگت محبت اور خلوص پیدا کریں۔ ۲۷ر مئی ۱۹۶۴ء کو اس سورج نے ڈوبنے سے پہلے قوم کو آخری بار مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ کون ہے جو میری جگہ لے گا اور اس وقت ۵۴ کروڑ انسانوں نے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں رندھے ہوئے گلے سے جواب دیا تھا کہ ہم کوشش کریں گے چاچا نہرو نے ہندستان کو ایک رشتے میں پرو دیا تھا اور ایک خوش حال ہندستان کی نئی عمارت تیار کی تھی۔ قوم کا وہ سیاست داں جس نے اپنی حق گوئی اور بے باکی کی بنا پر ساری دنیا میں ہندستان کا سکہ جما دیا تھا اب ہمارے درمیان نہیں تو ہمیں کتنی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ ۲۷ر مئی ۱۹۶۴ء کو وہ عہد آفریں شخصیت جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آزاد ہندستان کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔ وہ بچوں سے کتنا پیار کرتے تھے ان کا جنم دن بچوں کا دن کہلانے لگا ہے۔ اب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نہرو نے ہمیں کیا کچھ دیا ہے۔ جواہر لال کے انتقال کے بعد ان کی میز پر امریکی شاعر رابرٹ فراسٹ کی نظم کا ایک ٹکڑا ملا۔ اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے

"میرا یہ جنگل بہت خوبصورت ہے۔ تاریک ہے۔ کتنا گنجان ہے مگر میرے کئی عہد و پیمان وابستہ ہیں۔ ابھی نیند آنے سے پہلے کئی میل جانا ہے مجھ کو۔"

وہ بچوں سے کتنا پیار کرتے تھے۔ ان کا جنم دن بچوں کا دن کہلانے لگا ہے۔

ڈرپوک لکڑ ہارا

شبانہ انجم بنت عبدالحکیم
اردو ہائی اسکول بروڑ

ایک بوڑھا آدمی لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اپنے مکان کو جا رہا تھا۔ راستہ میں جب وہ تھک گیا تو کندھے سے بوجھ زمین پر پھینک کر چلّانے لگا۔ ملک الموت اس تکلیف سے مجھے نجات دے اسی وقت ملک الموت نے اس کے سامنے آکر کہا تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ موت کی خوفناک شکل دیکھ کر بڈھے آدمی نے ڈر کر کہا۔ اے دوست مہربانی کر کے میری مدد کرو کہ ایک دفعہ یہ بوجھ اٹھا لوں۔ میں نے تم کو اسی کام کے لیے بلایا تھا۔

راجا نے بہادر کو حکم دیا کہ تم شیر کو پکڑ کر میرے سامنے لاؤ.......

ایک گانو میں بہادر نام کا ایک آدمی رہتا تھا مگر وہ ڈرپوک تھا۔ راجا کو بہادر کا نام معلوم ہوا تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بہادر کو میرے سامنے پیش کرو۔ راجا کا خیال تھا کہ بہادر واقعی بہادر ہے۔ سپاہیوں نے بہادر کو راجا کے سامنے پیش کر دیا۔ راجا نے بہادر سے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے" اس نے جواب دیا "میرا نام بہادر ہے" تو راجا نے کہا "تم بہادر بھی ہو اور تمھارا نام بھی بہادر ہے"۔ راجا نے بہادر کو آزمانے کے لیے حکم دیا کہ "شیر کو پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ اگر تم نہیں لائے تو تمھیں پھانسی کی سزا دی جائے گی اور لے آئے تو فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے گا۔"

دوسرے دن صبح ہوتے ہی بہادر ایک گائے لے کر جنگل کو روانہ ہو گیا۔ جنگل میں گائے کو باندھ دیا اور رات کو سونے کے لیے جھونپڑی ڈال لی۔ شام ہوتے ہی وہ گہری نیند سو گیا۔ گائے بندھی ہوئی تھی شیر وہاں سو رہا تھا۔ گائے کے چلّانے سے شیر نے اسے دیکھ لیا اور چیر پھاڑ کر کھا لیا۔ شیر پیٹ بھر کر سو گیا۔ صبح ہوئی بہادر جاگا اور جھونپڑی سے باہر نکل کر شیر کو دیکھا کانپنے لگا۔ پھر بہادر کے دماغ میں خیال آیا میں شیر کو پکڑ کر نہیں لے گیا تو پھانسی ہوگی اور شیر کو لے جاؤں تو راجا اپنا سپہ سالار بنا لے گا۔ یہ سوچ کر ایک جال جھونپڑی سے باہر لایا اور شیر پر ڈال دیا۔ شیر پھنس کر رہ گیا۔ بہادر کی ہمت بڑھی اس نے شیر کو راجا کے سامنے پیش کر دیا۔ راجا بہت خوش ہوا۔ بہادر کو سپہ سالار بنا دیا۔ انسان ہمت سے بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔

اسرار شیخ سلیم
سجو ساول
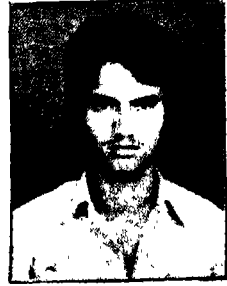
بادشاہ کی قیمت

بادشاہ نے پوچھا، "بتاؤ میری قسمت میں کیا ہے۔ لڑکے نے ہنس کر کہا "معاف کیجیے حضور، آپ کے سوال کے جواب کے لیے باٹ (وزن) اور ترازو چاہیے"....

ایک سنکی بادشاہ تھا۔ ایک دن اس نے دربار میں پوچھا۔
"میں اپنی قیمت جاننا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں میں سے کوئی بتائے کہ میری قیمت کیا ہے۔
سوال سن کر سب وزیر پریشان ہوگئے۔ وزیر اعلا نے کہا "ہمیں اس سوال کا جواب دینے کے لیے مہلت چاہیے۔"
بادشاہ نے ایک ہفتے کی مہلت دے دی۔ سب وزیر بادشاہ کے سوال کا جواب دینے کی دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ چونکہ بادشاہ کا فرمان تھا کہ جواب نہ ملنے پر سب وزیر برطرف کر دیے جائیں گے۔ مگر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد بھی اس کا کوئی حل تلاش نہ کر سکے۔ اس طرح تمام وزیر پریشان تھے۔
پورے پانچ دن تک وزیر اعلا کے بیٹے نے باپ کو پریشان دیکھا تو اس کا سبب

دریافت کیا۔ وزیر نے ٹالنے کے لیے تمام بات کہہ سنائی۔

"یہ کون سی بڑی بات ہوئی۔ بادشاہ کی قیمت میں بھی بتا سکتا ہوں۔ آپ فکر نہ کیجیے مجھے شاہی دربار میں لے چلیے۔"

دوسرے دن لڑکے کو دربار میں حاضر کر دیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا "بتاؤ میری قیمت کیا ہے" لڑکے نے ہمت کر کے کہا "معاف کیجیے حضور! آپ کے سوال کے جواب کے لیے باٹ اور ترازو چاہیے۔"

فوراً باٹ اور ترازو منگوا لیے گئے۔ لڑکے نے دونوں پلڑوں میں ایک ایک کلو کا باٹ رکھنے کو کہا۔ ویسا ہی کیا گیا۔ دونوں پلڑے برابر ہو گئے۔ اب لڑکے نے ایک تولہ وزن کا باٹ منگوایا اور اسے ایک پلڑے میں رکھنے کو کہا۔ ایک تولہ وزن جیسے ہی پلڑے میں رکھا گیا۔ پلڑا تھوڑا سا جھک گیا۔ اب لڑکے نے بادشاہ سے کہا "حضور! مجھے امید ہے کہ آپ کو اپنی قیمت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔" بادشاہ نے یہ سب دیکھ کر بہت کچھ سمجھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس نے لڑکے سے کہا "پہیلیاں مت بجھاؤ۔ صاف صاف بتاؤ ہماری قیمت کیا ہے ورنہ جیل میں ڈلوا دوں گا۔" یہ سن کر لڑکا مسکرایا اور کہا "اگر صاف صاف کہنے کی اجازت ہے تو سنیے آپ کی قیمت تولہ بھر ہے"

لڑکے کا جواب سن کر سب وزیر گھبرا گئے۔ مگر لڑکا نہیں گھبرایا۔ اس نے ہمت کے ساتھ کہا۔

"جہاں پناہ! آپ نے دیکھا جب ترازو کے دونوں پلڑوں میں ایک کلو وزن رکھ دیا گیا تھا تو وہ برابر تھے اسی طرح اس ترازو یعنی دنیا میں آپ اور ہم سب انسان برابر ہیں لیکن ترازو میں ایک تولہ وزن زیادہ رکھ دیا گیا۔ تو ایک پلّہ تھوڑا جھک گیا۔ آپ بادشاہ بن گئے اس لیے ہم سب سے تولہ بھر زیادہ ہو گئے۔ اسی حساب سے آپ کی قیمت دوسروں سے کچھ زیادہ ہے"

بادشاہ لڑکے کے اس جواب سے بہت متاثّر ہوا۔ اس نے خوش ہو کر لڑکے کو انعام دے کر رخصت کیا۔ ●

محمد آفتاب عالم بہار شریف
نالندہ (بہار)

لالچی راجا
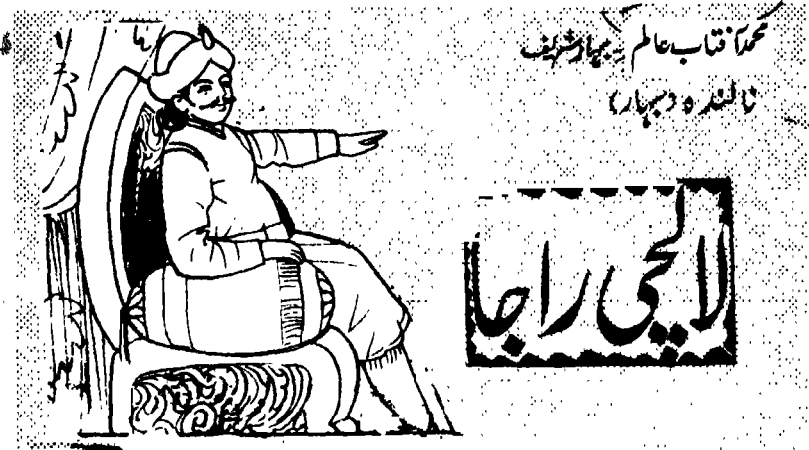
مجھ میں ایسی خوبی پیدا کر دیجیے کہ میں جس چیز کو چھوؤں وہ سونے کی بن جائے اور پھر وہ ھکّا بکّا رہ گیا اس کی پیاری بیٹی سونے کی بن چکی تھی..

کسی ملک میں ایک راجا تھا اسے سب سے زیادہ سونے سے پیار تھا۔ وہ اپنے تہ خانے میں روزانہ سونے کو دیکھتا اور روزانہ سونے کے سکّوں کو گنتا رہتا تھا۔ ایک دن راجا اپنے تہ خانے میں گیا اور سونے کے سکّوں کو گن رہا تھا کہ دیکھا ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ گھبرا گیا اور پوچھا تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آ گئے۔
گھبرائیے نہیں میں سونا لینے نہیں آیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کو کسی چیز کی تکلیف تو نہیں ہے۔ میں دولت کا دیوتا ہوں۔ تمھیں کسی چیز کی کمی ہو تو مانگو۔ راجا نے سوچا کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔ وہ کچھ دیر سوچ کر بولا کہ میں جس چیز کو بھی چھوؤں وہ سونے کی ہو جائے۔ دولت کا دیوتا بولا ٹھیک ہے۔ کل صبح سے ایسا ہی ہوگا۔
اگلے صبح جب راجا سو کر اٹھا تو دیکھ کر حیران رہ گیا اس کا پلنگ سونے کا ہو چکا تھا۔ راجا باغ میں گیا اور ایک خوبصورت گلاب کا پھول توڑا تو گلاب کا پھول بھی سونے بن گیا۔ اسی طرح پھول پتّیاں سب سونے کی ہو گئیں۔ اب تو راجا خوب خوش ہوا۔ اب راجا کھانے کے لیے بیٹھا۔ ہاتھ لگایا اور سارا کھانا سونے کا بن گیا۔ راجا بالی
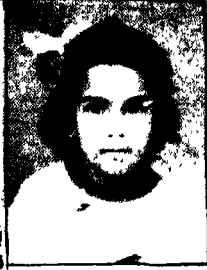
پینے لگا تو پانی بھی سونے کا تھا۔ اب تو راجا بہت پریشان ہوا جو چیز بھی چھوتا وہ سونے کی بن جاتی۔ اب راجا کھا سکتا تھا نہ پی سکتا تھا۔ ایک دن راجا مایوس بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ اس کی بیٹی روتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ راجا نے اپنی بیٹی کو چپ کرنے کے لیے گود میں بٹھا لیا۔ یہ کیا؟ راجا ہکا بکا رہ گیا۔ پیاری اکلوتی بیٹی سونے کی بن چکی تھی۔ اب وہ نہ بول سکتی تھی نہ رو سکتی تھی نہ ہنس سکتی تھی۔

تبھی راجا کو آواز سنائی دی کیوں راجا! اب بھی کسی چیز کی ضرورت ہے۔" تب راجا نے گھبرا کر کہا نہیں نہیں... نہیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ "دولت کے دیوتا" آپ نے مجھے جو خوبی دی ہے۔ وہ واپس لے لیجیے۔ دیوتا نے اپنا دیا ہوا وچن واپس لے لیا تب راجا جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ "لالچ بری بلا ہے۔"

میری بلی

نازیہ جبیں
نادر اینگلو اسکول۔ گوتم نگر۔ نئی دلی

بلی میری بڑی نرالی
مخمل جیسے بالوں والی
پانو سفید اور پوری کالی
نازک نازک بھولی بھالی

دن بھر گھر ہی میں ہوتی ہے
رات کو بستر میں سوتی ہے
دھوکے سے باہر رہ جائے
اندر آنے کو روتی ہے

صبح سویرے پانو سے لپٹے
میاؤں کرے اور چومے چپٹے
جب بھی چوہا گھر میں آئے
جھٹ پٹ جھپٹے اور کھا جائے

جاتے ہیں اسکول کو جب ہم
بلی ہم کو کرتی ٹا ٹا
کوئی غیر جو اس کو پکڑے
بلی مارے زور سے پنجا

شہزادے نے پلٹ کر دیکھا تو ہرن کے منہ سے خوفناک آوازیں آرہی تھیں....

بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ کسی ملک میں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسی ملک میں ایک جادوگر رہتا تھا، جسے لوگ کالا جادوگر کہتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ بادشاہ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن جائے۔ اِس کے لیے وہ دن رات کوشش کرتا رہتا تھا۔ بادشاہ کو یہ بات معلوم تھی لیکن وہ بالکل فکر نہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جادوگر اپنی اس کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

بادشاہ کی بے فکری کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب کے ساتھ پورا انصاف کرتا تھا۔ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا اور پابندی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ جو شخص اتنا نیک اور دین دار ہو اس پر بالکل جادو اثر نہیں کرتا۔ دوسری طرف جادوگر بھی اِس بات سے اچھی طرح واقف تھا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آتا تھا۔ اِس کا خیال تھا کبھی نہ کبھی تو بادشاہ کوئی غلطی کرے گا ہی۔ اِس جادوگر نے ایک ترکیب سوچی اور چپکے سے جنگل میں چلا گیا۔

بادشاہ کے بیٹے کا نام شہزادہ فیروز تھا۔ اس نے بیٹے کو تعلیم دینے کے لیے

ملک کے سب سے قابل استاد مقرر کیے تھے۔ وہ شوق سے تعلیم حاصل کرتا رہا اور علم کے ساتھ ساتھ تلوار چلانا، تیر اندازی سب کچھ سیکھ لیا۔ شہزادہ جوان ہو گیا۔ ایک دن اپنے ساتھیوں کو لے کر جنگل میں گیا۔ اُس کے سامنے ایک ہرن دوڑتا دکھائی دیا۔ وہ بھی گھوڑے کو دوڑاتا پیچھا کرنے لگا۔ شہزادے کو شکار کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ جب شکار کو جاتا، جو بھی جانور مل جاتا اُسے اپنے محل کے چڑیا گھر میں رکھ دیتا۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ آج میں ہرن کو زندہ پکڑوں گا۔ جیسے ہی ہرن کے اوپر جال ڈالتا وہ چھلانگ لگا کر اوپر اُڑ جاتا۔ شہزادہ گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتا رہا۔ آخرکار تھک کر چور چور ہو گیا۔ اُسے بہت پیاس لگی اور گھوڑا بھی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ شہزادے نے پانی کی گھٹی مُنہ سے لگائی ہی تھی کہ ایک خوف ناک آواز آنے لگی۔ شہزادے نے پلٹ کر دیکھا تو ہرن کے مُنہ سے آواز نکلی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ ہرن نہیں بلکہ کوئی اور بلا ہے۔ خوفناک آواز بڑھتی جا رہی تھی لیکن شہزادہ بالکل نہیں گھبرایا۔ وہ بہت بہادر تھا۔ اُس نے ہرن کی طرف دیکھا۔

اب ہرن کو ایک بدصورت انسان کی شکل میں پایا۔ شہزادہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی کالا جادوگر ہے جو ہمارے ابو سے بادشاہت چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے تلوار سے گردن تن سے جدا کرنی چاہی تو جادوگر نے اپنے ہاتھوں کو بڑھا کر شہزادے کی تلوار کو چھین لیا اور مُنہ سے اُس کے اوپر دھواں چھوڑ دیا۔ شہزادہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو شہزادہ نے دیکھا کہ وہ ایک درخت پر اُلٹا لٹکا ہوا ہے۔ یہ سب جادوگر کی حرکت ہے۔ اُس نے اپنے مُنہ سے دایاں ہاتھ کھول لیا اور ایک ہی ہاتھ سے کمر سے خنجر نکالا۔ جلدی سے شہزادے نے اپنے پیروں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ آزاد ہوتے ہی اُس کے تہ خانے میں چلا گیا۔ اُس وقت جادوگر اپنا پلان بنا رہا تھا اتنے میں شہزادے نے اُس پر حملہ کیا۔ دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ جادوگر نے اُس کے اوپر آگ کے شعلے برسائے لیکن شہزادہ اُن شعلوں سے بچ نکلا۔ شہزادے نے پیچھے آ کر اپنا خنجر اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ جادوگر بہت چلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے جل کر راکھ ہو گیا۔ شہزادے نے تہ خانے سے نکل کر دیکھا تو اُس کے ساتھی اِس جگہ پہنچ چکے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو لے کر محل کی طرف روانہ ہوا اور بادشاہ کو سب واقعہ بتا دیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر بیٹے کو گلے لگایا۔ دوسرے دن بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی کرا دی اور اپنا تخت و تاج اُس کے حوالے کر دیا اور ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ ●

مسعود عالم معرفت زین العابدین
ادگانواں نالندہ (بہار)

چوہا اور فقیر

فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ کتے کو شیر بنا دے" اور کتا شیر بن گیا۔ اب شیر فقیر کی طرف جھپٹا۔۔۔۔

ایک چوہا تھا ایک دن اسے ایک بلی کھانے کے لیے دوڑی۔ چوہا بھاگا۔ پاس ہی ایک جھونپڑی تھی۔ وہ جھونپڑی میں گھس گیا۔ جھونپڑی میں ایک فقیر تھا۔ چوہے نے اس سے کہا۔ "بلی مجھے کھا جائے گی۔ میری جان بچا لیجیے۔" فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ "یا اللہ چوہے کو بلی بنا دے" اور چوہا بلی بن گیا۔

ایک کتے نے بلی کا پیچھا کیا، بلی بھاگی اور فقیر کی جھونپڑی میں آگئی۔ بلی نے کہا۔ "کتا مجھے کھا جائے گا۔ مجھے بچا لیجیے۔" فقیر نے کتے کو بھگا دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ بلی کو کتا بنا دے" اور بلی کتا بن گئی۔

ایک شیر آیا اس نے کتے کو دبوچنا چاہا۔ کتا بھاگا اور فقیر کی جھونپڑی میں آگیا۔ کتے نے کہا "مجھے شیر کھا جائے گا مجھے بچا لیجیے۔" فقیر نے جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ شیر اندر نہ آسکا اور چلا گیا۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ "یا اللہ کتے کو شیر بنا دے" اور کتا شیر بن گیا۔

اب شیر فقیر کی طرف جھپٹا۔ فقیر سمجھ گیا کہ یہ مجھے کھا جائے گا۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ شیر کو چوہا بنا دے۔" شیر گرجنے لگا مگر شیر بھی چوہا بن گیا۔
[illegible] بل کی طرف بھاگ گیا•••

اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اکرم کی ان حرکتوں سے چھٹکارا پائے...

ایک گانو میں اکرم اور حامد بڑے گہرے دوست تھے۔ دونوں دوست آپس میں اتنے قریب تھے کہ دونوں کا جدا ہونا ناممکن تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی چیز کو اپنی ہی چیز سمجھتے تھے۔ لیکن اسی درمیان اکرم کو اُدھار لینے کی عادت پڑ گئی۔ حامد کے والد بڑے تاجر تھے۔ اکرم اکثر حامد کے پاس دکان پر پہنچ جاتا اور چیزیں لے آتا۔ کچھ دنوں تک تو حامد سب چیزوں کو بخوشی دیتا رہا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ بات اُسے اچھی نہیں لگی اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اکرم کی حرکت سے چھٹکارا پاؤں۔ آخر حامد نے تنگ آکر ایک بات سوچی کہ اگر آج اکرم کچھ مانگنے آیا تو اسے وہ ہرگز نہیں دے گا۔ یہ بات سوچنے کے کچھ ہی دیر بعد اکرم آدھمکا۔ اس نے حامد سے کہا یار میں تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ تم آج سائکل سے کہیں نہیں جاؤگے۔ حامد جو پہلے سے سوچے بیٹھا تھا اس نے فوراً کہا ہاں ہاں میں سائکل سے آج باہر ایک رشتے دار سے ملنے جاؤں گا۔ اس پر اکرم نے کہا کہ تم تو جانتے ہی ہو کہ آج کتنی گرمی ہے اس لیے مہربانی کر کے اپنا ٹیبل فین ہی دے دو۔ دراصل میں سائکل نہیں تم سے پنکھا ہی مانگنے آیا تھا۔ میں نے سوچا اگر تم کہیں جا رہے ہوگے تو پنکھا لے جاؤں گا۔ حامد پنکھا دینے پر مجبور ہو گیا۔

اور اس نے پنکھا دے دیا۔ پنکھا لے جانے کے بعد حامد سر پکڑ کر بیٹھ گیا سب سوچنا اس کا بیکار گیا۔ آخر اس نے ایک اسکیم بنائی۔ اس دن اکرم اس سے نہانے کا صابن مانگنے آیا تو اس نے کہا جاؤ حمام میں رکھا ہے لے جاؤ۔ اکرم بخوشی لے گیا اور تھوڑی دیر بعد بہت زور زور سے روتا ہوا حامد کے پاس آیا۔ اس کے سر کے سارے بال اڑے ہوئے تھے۔ حامد نے بھی بناوٹی افسوس کا اظہار کیا اور چونک کر کہا کہ تم نے کون سا صابن لیا تھا" تو اکرم نے کہا "ہرا والا" اس پر حامد نے کہا "ارے میں نے تم کو لال والا لینے کو کہا تھا اور تم نے ہرا اٹھا لیا۔ غلطی تم ہی نے کی ہے اس لیے سزا پائی۔"

اکرم کو اپنے کیے کی سزا مل گئی اور وہ ادھار لینا تو کیا اس کا نام تک بھول گیا حامد اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا کیونکہ اس کی ترکیب رنگ لائی۔

بچو! کسی سے ادھار نہیں لینا چاہیے۔ بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تشکیل احمد ابن فطرت بھٹکل

شرارت
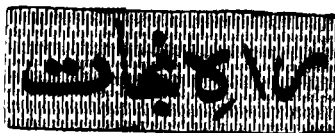
ایک دولت مند باپ نے اپنے ایک نو عمر بچے کو ایک چاقو دیا۔ وہ اس سے کھیلنے لگا اور کھیلتے کھیلتے خانہ باغ میں پہنچ گیا۔ چھوٹے چھوٹے پودوں اور درختوں کو کاٹنے لگا اور دل ہی دل میں اپنے اس کام پر بہت خوش تھا۔

دوسرے دن صبح باپ اپنے بیٹے کے ساتھ باغ میں چہل قدمی کے لیے گئے وہاں یہ تماشا دیکھا تو بہت غصہ آیا اور بلند آواز میں کہا:-

"اگر وہ آدمی مجھے مل جائے جس نے یہ حرکت کی ہے تو میں اسے ایسی سزا دوں کہ وہ زندگی بھر یاد کرے۔"

یہ سن کر لڑکا رونے لگا اس نے کہا: یہ حرکت تو میں نے ہی کی ہے!!

باپ نے بیٹے کو گلے لگایا اور خوب پیار کیا اور کہا:- تیرا سچ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ اب مجھے اس نقصان کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔

اختر منھ کے بل سڑک پر گر پڑا، سر پر شدید ضرب آئی، سر اور ناک سے خون جاری ہوگیا تمام چہرہ اور کپڑے خون سے سرخ ہوگئے تھے.....

عمران ایک متموّل خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ پڑھنے لکھنے کا شوقین اور نہایت صفائی پسند۔ مگر اس کی جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ گستاخ اور مغرور بھی تھا۔ وہ نویں جماعت کا طالب علم تھا۔

اختر سے عمران جلتا اور حسد کرتا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ ساتھیوں میں ممتاز اور کلاس کا مانیٹر تھا۔ اختر غریب گھرانے کا تھا۔ موٹے جھوٹے مگر صاف کپڑے پہنتا تھا، صاف گو سچائی پسند، خلیق اور مہذّب تھا۔ سب سے بڑی خوبی یہ کہ وہ سب کے دُکھ درد کا ساتھی تھا۔ اُستاد بھی اسے عزّت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

ایک دن عمران نے اسکول سے چھٹی کے بعد پیچھے سے آکر اختر کو دھکّا دے دیا اور فرار ہوگیا۔ اختر مُنہ کے بل سڑک پر گر پڑا۔ سر پر شدید ضرب آئی۔ سر اور ناک سے خون جاری ہوگیا تمام چہرہ اور کپڑے خون سے سرخ ہو گئے۔ ساتھیوں نے اٹھا کر اسے اسپتال پہنچا دیا۔ دوسرے روز اختر کے ساتھیوں نے اس واقعہ کی اطلاع ماسٹر صاحب کو دی۔

عمران سزا کے خوف سے دوسرے دن اسکول سے غیر حاضر رہا۔ تمام دن پتنگ بازی میں گزارا۔ شام کو ایک کٹی پتنگ کی ڈور پکڑنے کے چکّر میں اپنے دو منزلہ مکان کی چھت سے سڑک پر گر پڑا۔ سر اور پسلیوں میں سخت چوٹیں آئیں۔ عمران کے والد اسے اسپتال لے کر پہنچے دماغ پر سخت چوٹ آنے کے سبب مسلسل وہ کئی گھنٹے بے ہوش رہا۔

دوسرے روز اختر کے ساتھی اختر کی مزاج پرسی کے لیے اسپتال پہنچے۔ اس کے ایک ساتھی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ سچ ہے خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ عمران نے جیسا کیا اس کی سزا بھگتی۔

اختر نے یہ سنا تو گھبرا کر پوچھا۔ عمران کو کیا ہوا؟

کل دن بھر پتنگ بازی کی اور شام کو چھت سے نیچے سڑک پر گر پڑا۔ سر اور پسلیوں میں شدید چوٹیں آئی ہیں۔ رات کو دس بجے تک تو ہوش آیا نہیں تھا۔

اب کیا حال ہے؟ اختر نے دریافت کیا۔

معلوم نہیں۔ اس کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔

عمران ہے کہاں۔؟ اختر نے پوچھا۔

اس اسپتال کے دوسرے کمرے میں۔

بُرا ہوا۔ ذرا اس کی خبر لاؤ۔

عجیب آدمی ہو۔ دشمن کے لیے اس قدر بے چین ہو رہے ہو۔ اس کے ساتھیوں نے غصہ میں کہا۔

نہیں تم لوگوں کا خیال غلط ہے وہ میرا دشمن نہیں۔ بہک گیا ہے۔ سمجھ آ جائے گی ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ ان کی بری عادتیں خود چھوٹ جائیں۔

مجھے ڈاکٹر نے اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ مگر چلو اسے دیکھ آئیں۔

اختر اور اس کے ساتھی عمران کے کمرے میں پہنچے۔ عمران آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ اختر نے قریب جا کر کہا۔ عمران بھائی کیسے مزاج ہیں۔ یہ کیا کر لیا؟

عمران نے اختر کی آواز سن کر فوراً آنکھیں کھول دیں۔ کمزوری کی وجہ سے وہ بول نہیں سکا۔ مگر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

اس کے ہلتے ہوئے ہونٹ کہہ رہے تھے۔

اختر مجھ کو معاف کر دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آئندہ کبھی کسی کے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہیں کروں گا۔ ●●

آقا اپنے بھاگے ہوئے غلام کو دیکھ کر طیش میں آگیا اور حکم دیا کہ اسے وحشی جانوروں کے سامنے ڈال دیا جائے...

ملک رُوم میں ایک غلام تھا۔ اُس کا مالک اس کے ساتھ بہت بد سلوکی سے پیش آتا اور اس پر بہت ظلم کرتا تھا۔ آخر غلام تنگ آکر بھاگ نکلا اور شہر سے دور ایک جنگل میں جا چھپا۔ کچھ عرصہ جنگل میں بھٹکنے کے بعد ایک غار کے کنارے آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ وہ جھٹ پٹ اُٹھ بیٹھا۔ چاہتا تھا کہ غار سے باہر نکلے کہ اچانک شیر آگیا۔ بھاگنے کا راستہ کوئی نظر نہیں آیا۔ غلام کو اب یقین ہو گیا کہ شیر مجھے پھاڑ دے گا۔ لیکن امید کے خلاف شیر غلام کے نزدیک آیا اور درد کی آواز نکالی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کسی عضو میں سخت درد ہے۔ غلام نے غور سے دیکھا تو اس کا پیر سوجا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر غلام کی ڈھارس بندھی ڈرتے ڈرتے اس نے سوجے ہوئے پیر کو اٹھا کر دیکھا تو اس کے پیر میں ایک لمبا سا کانٹا چبھا ہوا تھا۔

غلام نے شیر کے پیر میں سے کانٹا نکال لیا۔ کانٹا نکلتے ہی شیر کی تکلیف کم ہو گئی اب وہ کبھی دُم ہلاتا تھا کبھی اس کے پاؤں پر لوٹتا۔ کبھی اس کے ہاتھوں کو چاٹتا۔ کچھ دنوں کے بعد شیر کا پیر بالکل اچھا ہو گیا۔

اب تو غلام اور شیر میں دوستی ہو گئی۔ شیر اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنے لگا

میزبان مہمان سے کرتا ہے اور شکار کے لیے جاتا تو کچھ نہ کچھ اس کے کھانے کو لاتا۔ غلام کئی مہینے شیر کے غار میں رہا۔ ایک دن وہ باہر گھوم رہا تھا کہ اس کے آقا کے چند سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ آقا اپنے بھاگے ہوئے غلام کو دیکھ کر طیش میں آگیا اور حکم دیا کہ اسے وحشی جانوروں کے سامنے ڈال دیا جائے اس زمانے میں وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص بغاوت کے الزام میں پکڑا جاتا تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب غلام کو جنگل میں لے گئے۔ ایک شیر کو پنجرے میں سے نکال کر چھوڑ دیا گیا۔ شیر ایسا لپک کر اس کی طرف گیا کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ غلام کی بوٹی بوٹی کر دے گا مگر شیر نے غلام کے پیر چاٹنے شروع کر دیے اور دم ہلانے لگا۔ تماشائیوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ غلام سے سبب پوچھا۔ اس نے سارا قصہ سنایا۔ یہ حال سن کر تماشائیوں کو غلام پر بہت رحم آیا۔ انھوں نے آقا سے اس کی جان بخشی کروا دی اور وہ شیر بھی اس کو انعام میں دلوا دیا۔ ہمدردی اور نیکی زندگی میں کام آتی ہے۔

ایم شعیب انصاری
ٹیلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

تین چیزیں

تین چیزوں کی عزت کرو ــــــ مذہب، انصاف، بزرگ
تین چیزوں کی قدر کرو ــــــ وقت، صحت، دولت
تین چیزوں سے محبت کرو ــــــ شجاعت، شرافت، مروت
تین چیزوں سے نفرت کرو ــــــ ظلم، غرور، بے وفائی
تین چیزوں سے بچا کرو ــــــ گندا پن، ظاہرداری، حرص
ان تینوں کی اطاعت کرو ــــــ خدا، رسول، باشرع حکم
ان تینوں کا احترام کرو ــــــ والدین، استاد، علمائے کرام
ان تینوں کی خاطر لڑو ــــــ اسلام، عزت، ملک
ان تینوں کو پاک رکھو ــــــ روح، جسم، لباس
ان تینوں کا ٹھیک استعمال کرو ــــــ نگاہ، زبان، ہاتھ

آخر کار اُس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی۔ اب وہ ایک بہت بڑا وکیل بن چکا تھا.....

طاہر ایک غریب گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اُس کی ماں بچّے کی پیدائش کے دو سال بعد ہی فوت ہوگئی تھی۔ ماں کی وفات کے بعد طاہر کا اِس دنیا میں اُس کے باپ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اُس کا باپ مزدوری کرتا تھا۔ لوگوں نے طاہر کے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ دوسری شادی کرلے۔ پہلے تو اُس کے باپ نے انکار کیا۔ پھر دوسری شادی کرلی۔ طاہر کی سوتیلی ماں لالچی، ہوشیار اور جھگڑالو عورت تھی۔ دن گزرتے گئے۔ اب طاہر آٹھ سال کا ہوچکا تھا اور سوتیلی ماں سے کوئی اولاد نہ تھی اس کے باوجود وہ طاہر کو ذرا ذرا سی بات پہ مارتی تھی۔ رات کو اُس کا باپ گھر آتا تو سوتیلی ماں طاہر کی جھوٹی شکایت کرتی کہ طاہر نے آج بہت تنگ کیا اور گھر کا کوئی کام بھی نہیں کرتا۔ طاہر کا باپ اپنی بیوی کی باتوں میں آکر طاہر کی خوب پٹائی کرتا۔ اِس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ باپ سے اپنی سوتیلی ماں کے ظلم کو بیان کرسکے۔ ایک دن جب طاہر کا باپ رات کو کام کرکے گھر آیا تو اُس کی بیوی نے پھر طاہر کی شکایت کی کہ آج پھر اِس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے طاہر کے باپ نے روز روز کی شکایت سے تنگ آکر اُسے اپنے ساتھ کام پہ لے جانا

کا فیصلہ کرلیا اب طاہر روز اپنے باپ کے ساتھ کام پر جاتا۔ روز راستے میں اسکول کے بچوں کو دیکھتا جو اچھے بستے لیے ہوئے اسکول جاتے۔ طاہر سوچتا کہ میں بھی اسکول جاؤں اور پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں۔ طاہر کو اپنے باپ کے ساتھ کام کرنا بہت مشکل تھا۔ تنگ آکر ایک روز کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکل کر دوسرے شہر میں پناہ لی۔ اب باپ نے طاہر کو بہت تلاش کیا۔ مگر کہیں پتا نہ چلا تو وہ بیچارا صبر کرکے بیٹھ گیا۔

گھر سے نکلتے وقت طاہر کے پاس پیسے تھے جس سے اُس نے ٹافیوں کی چند تھیلیاں خریدیں۔ بسوں، سڑکوں اور بازاروں میں بیچنے لگا۔ طاہر کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ لہٰذا وہ صبح سے شام تک ٹافیاں فروخت کرتا اور رات کو پڑوسی سے خوب دل لگا کر پڑھتا تھا۔ کچھ دن گزرنے پر اِس نے ایک اِسکول میں داخلہ لے لیا۔ اب وہ اِسکول جاتا اور یوں ہی کئی سال بیت گئے۔

تعلیم جاری رہی اور اِس نے وکالت کا امتحان پاس کرلیا۔ آخرکار اِس کی زندگی کے سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی۔ اب وہ ایک بہت بڑا وکیل بن چکا تھا۔ طاہر کو اپنے ماں باپ یاد آرہے تھے۔ وہ ان ہی خیالوں میں گم سُم تھا کہ کسی نے صدا دی۔ بابو کچھ کھانے کو پیسے دے دیں۔ طاہر نے جوں ہی مُڑ کر دیکھا تو اِس کے ہوش گم ہو گئے کیونکہ صدا دینے والا خود اُس کا باپ تھا اور ساتھ میں اُس کی سوتیلی ماں بھی تھی۔ طاہر نے خود پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھ کر اپنے باپ کو گلے سے لگالیا اور کہا بابا میں طاہر ہوں۔ آپ کا بیٹا۔ باپ نے یہ سُنا تو رونے لگا پھر اپنی کہانی سُنائی کہ ایک حادثہ میں میرے دونوں ہاتھ ضائع ہو گئے۔ میں نے بہت علاج کروایا مگر کچھ بھی فائدہ نہیں۔ علاج کی خاطر بیٹا! ہم نے اپنا گھر بار سب کچھ بیچ ڈالا اور جو کچھ بھی بچا تھا وہ چند ہی دنوں میں ختم ہوگیا اور مجبوری کی وجہ سے ہمیں یہ پیشہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا۔ طاہر نے اپنے باپ کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ کر کہا۔ بابا۔ اب میں جو ہوں آپ دونوں میرے ساتھ چلیں۔ لیکن طاہر کی سوتیلی ماں نے کہا۔ بیٹا ہم نے تجھ پر بہت ظلم کیے ہیں۔ ہم اِس قابل نہیں ہیں کہ تیرے ساتھ چل سکیں اور بیٹا ہو سکے تو معاف کردینا۔ یہ کہہ کر دونوں جانے لگے لیکن طاہر نے آگے بڑھ کر اپنی سوتیلی ماں سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ماں جی! غلطیاں تو سب سے ہوتی ہیں اور آپ تو میری ماں ہیں۔ یہ [illegible] سن کر سوتیلی ماں نے بیٹے کو چپٹا لیا اور رونے لگی۔ پھر طاہر اپنے ساتھ دونوں کو لے کر [illegible] سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ ●●

پروفیسر عبدالباری کا آبائی وطن کوئلور ضلع شاہ آباد تھا۔ آپ کے والد قربان علی خاں اپنی پھوپی کے پاس کنسوا نامی گاؤں (ضلع گیا) میں رہنے لگے تھے۔

آپ میں طالب علمی کے زمانہ سے ہی ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا۔ تعلیم مکمل کرنے پر سیاست میں زندگی گزار دی۔

۱۹۱۶ء سے آزادی کی جنگ اور مزدوروں کی ٹریڈ یونین میں لگاتار لگے رہے اور یہ کام ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء تک جاری رکھا۔

پروفیسر عبدالباری کی سیاسی زندگی کا آغاز خلافت تحریک سے ہوتا ہے۔ وہ بہار صوبائی خلافت کمیٹی کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔ تحریک ترک موالات کے زبردست موئید اور حامی ہونے کے باجود آپ نے لیجسلیٹو کاؤنسل میں داخلہ کے پروگرام کی حمایت کی اور خود بہار لیجسلیٹو کاؤنسل کے ممبر ہوئے۔ کانگریس کی اپیل پر ۱۹۲۰ء میں آپ اگرچہ مستعفی ہو گئے تھے لیکن بعد میں پھر اس کی ممبری قبول کی اور اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ۱۹۲۳ء میں آپ بہار کی سوراجیہ پارٹی کی بہار یونٹ کے سکریٹری چنے گئے۔ بہار ستیہ گرہ کمیٹی کے ممبر اور بہار سیوادل کے صوبائی آرگنائزر بھی تھے۔ آپ بہار سوشلسٹ پارٹی کے بانی میں تھے۔ ۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ میں گرم جوشی سے حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں سوشلسٹ پارٹی آرگنائزنگ کمیٹی کی صدارت کی۔ ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا سوشلسٹ کانفرنس منعقدہ پٹنہ کی استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین بنا لیے گئے۔ ۱۹۳۷ء میں اس کی صوبائی کانفرنس جو منعقد ضلع سارن میں تھی اس کی صدارت کی اور اسی برس بہار اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر چنے گئے۔

۱۹۴۶ء میں بہار پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔
۱۹۴۲ء کی تحریک میں انھوں نے اتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ اس کی پاداش میں دو برس تک ہزاری باغ جیل میں قید و بند کی سزا بھگتی۔
وہ، مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر راجندر پرشاد، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں، مولانا مظہرالحق، شری کرشن سنہا وغیرہ جیسے بزرگ جنگ آزادی کے ساتھیوں میں تھے۔
صداقت آشرم پٹنہ میں ایک نیشنل کالج کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ جس کے روح رواں پروفیسر عبدالباری ہی تھے۔ اس کالج میں ان کے ساتھ ڈاکٹر راجندر پرشاد بھی کافی عرصہ تک پروفیسر رہے۔
پروفیسر عبدالباری کی ساری زندگی جنگ آزادی اور ملک و قوم اور خاص کر مزدوروں کی خدمت میں گزری۔

شہادت:- ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو صدر کانگریس بہار کی حیثیت سے پروفیسر عبدالباری ہزاری باغ سے پٹنہ مہاتما گاندھی کے سواگت کو کار میں آرہے تھے کہ فتوحہ کے پاس خسرو پور میں اینٹی اسمگلنگ کے سپاہیوں نے پروفیسر عبدالباری کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ ان کے سینے پر کئی گولیوں کے نشانات تھے حالانکہ صدر کانگریس کی گاڑی پر کانگریس کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ ان کی موت پر مہاتما گاندھی تعزیت کے لیے ان کے گھر گئے تو وہ ملک و قوم کے اتنے بڑے رہنما کے گھر کی سادگی اور بے سرو سامانی کا عالم دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے۔ گھر میں کفن تک کے لیے پیسا نہیں تھا۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ پروفیسر باری جیسا انسان کبھی مرتا نہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی عام انسانوں کے دلوں میں زندہ رہتا ہے۔ ان کی شہادت سے بہار ایک سچے وطن پرست، مخلص کارکن اور ایک بے لوث خادمِ قوم سے محروم ہوگیا۔ ●●
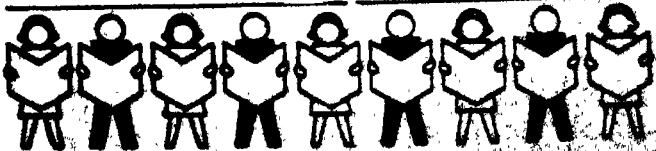
شبیر احمد حبیب اللہ انصاری
بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)
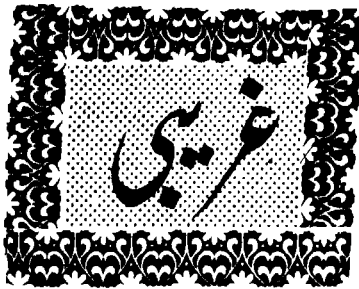
"نہیں مجھے تیرنا نہیں آتا" ابھی ناظم اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس لڑکے نے ناظم کو ندی میں دھکیل دیا.......

استاد ابھی تک کلاس میں نہیں آئے تھے۔ سب خوش نظر آرہے تھے۔ لیکن مستقیم اپنے بستے میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ اتنے میں استاد کلاس میں آئے اور ہوم ورک چیک کرنے لگے۔ اپنی اپنی ہوم ورک کی کاپی دکھانے لگے۔ جب مستقیم کا نمبر آیا تو وہ ڈرتے ڈرتے استاد کے پاس گیا اور سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ "سر! میں ہوم ورک کر کے لایا تھا لیکن کسی نے میری کاپی چرالی"

"بہانا بناتے ہو" یہ کہہ کر استاد اپنی ہری اور پتلی بانس کی چھڑی لے کر مستقیم پر پل پڑے۔ مستقیم روتا رہا۔

دوسرے دن مستقیم کی کاپی اس کے بستے میں ملی۔ مستقیم کو ناظم پر شک ہوا۔ کیوں کہ ناظم اسی طرح مستقیم کو استاد سے کئی مرتبہ پٹوا چکا تھا۔ مستقیم غریب تھا اور ناظم ایک امیر باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ کلاس میں اپنا رعب جماتا رہتا تھا۔

ایک دن دوپہر کو مستقیم ٹہلتا ٹہلتا ایک ندی پر جا پہنچا۔ بہت سے بچے ندی میں نہا رہے تھے اور بہت سے بچے نہانے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان میں ناظم [illegible]

"ارے یار تو کیوں کھڑا ہے تو بھی نہا لے" ایک لڑکے نے ناظم سے کہا۔

"نہیں مجھے تیرنا نہیں آتا۔" ابھی ناظم اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس لڑکے نے ناظم کو ندی میں دھکیل دیا۔ مستقیم کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ناظم ندی میں ڈوبنے لگا۔ وہ لڑکا تو وہاں سے بھاگ گیا۔ مستقیم کے دل میں خیال آیا کہ ڈوب جانے دو اس نے مجھے بہت ستایا ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ کسی کی جان بچانا بڑی بہادری کا کام ہے۔ وہ ندی میں کود پڑا اور بڑی مشکل سے ناظم کو پکڑ کر ندی کے کنارے لایا لیکن ناظم نے کافی پانی لیا تھا اور بے ہوش تھا۔ مستقیم فوراً ہی ناظم کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور ناظم کے والدین کے پاس یہ خبر بھجوا دی۔

ہوش آنے پر ناظم نے خود کو ایک پلنگ پر پایا اور سامنے مستقیم بیٹھا ہوا تھا۔ بات معلوم ہونے پر بہت شرمندہ تھا۔ اس کا سارا گھمنڈ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں میں آنسو لیے مستقیم سے کہہ رہا تھا۔

"مستقیم مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔"

"اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں، غلطی تو میری غریبی اور مفلسی کی ہے۔" مستقیم نے آنکھوں سے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

"اس روز تمہاری کاپی میں نے ہی چھپائی تھی جس کی وجہ سے تم پر بہت مار پڑی۔" ناظم نے شرمندگی سے کہا۔

"مجھے معلوم تھا۔" مستقیم نے کہا۔

"تمہیں معلوم تھا تو تم نے استاد سے شکایت نہیں کی۔" ناظم نے پوچھا۔

"نہیں ناظم! میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اگر میں استاد سے تمہاری شکایت بھی کرتا تو تمہیں استاد کچھ بھی نہ کہتے۔ کیونکہ تم امیر ہو اور امیر کو سزا کون دیتا ہے یہ سزا تو صرف غریب ہی کے لیے ہوتی ہے۔" مستقیم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اتنے میں ناظم کے والدین بھی کمرے میں داخل ہو گئے۔

آخر انہوں نے مستقیم کو [illegible] انعام دیا اور ناظم کو ہدایت کی کہ آج سے یہ تمہارا بھائی ہے۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ یہ بڑا بہادر بچہ ہے۔ ●●

نسیم شاہد
مکان نمبر ۳۔ نور نگر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

سوتیلی ماں

.... ماں نے ایک چانٹا رسید کیا اور کہا گھر کا کام کون کرے گا.....

ملک شام میں ایک مال دار آدمی تھا اس کی بیوی بھی اچھی تھی اور اکلوتی بیٹی تو لاکھوں میں ایک تھی۔ ماں کے انتقال کے وقت بیٹی ابھی ۱۱، ۱۲ سال کی تھی۔ باپ نے دوسری شادی کرلی سوتیلی ماں کا سلوک بہت خراب تھا۔ دو بیٹیاں بھی ہوگئی تھیں مگر کالی اور بدصورت بیٹیوں کو رانی کی طرح رکھتی۔

ملک شام کے بادشاہ نے امیروں کو دعوت دی اور اس شخص کو بھی۔ جب سب لوگ دعوت میں جانے لگے تو سوتیلی لڑکی نے کہا۔ ماں میں بھی چلوں۔ ماں نے ایک چانٹا رسید کیا گھر کا کام کون کرے گا۔ ایک پری گزر رہی تھی۔ اس نے اس لڑکی کو روتے دیکھا تو رونے کا سبب معلوم کیا۔ پری نے بات سن کر کہا۔ یہ خوبصورت جوڑا پہنو۔ میک اپ کرو۔ پھر پری نے لڑکی کو وہاں پہنچا دیا۔ دعوت ختم ہونے والی تھی وہ جلدی سے بھاگی اس کا ایک جوتا باغ میں رہ گیا۔ صبح کو شہزادہ باغ میں ٹہل رہا تھا وہ جوتا نظر آگیا۔ جوتا اتنا قیمتی اور خوبصورت ہے تو وہ لڑکی کتنی خوب صورت ہوگی ملکہ سے فرمائش کی اب اعلان ہوا کہ جس کے یہ جوتا آجائے گا۔ شہزادہ سے اس کی شادی ہوگی۔ جوتا شہر بھر میں کس کے آسکتا تھا سرکاری افسروں نے اس لڑکی کا تجربہ کیا۔ جوتا ٹھیک آیا۔ اس کی شادی شہزادے سے ہوگئی اب اس نے سوتیلی ماں کی بدسلوکی کو معاف کردیا اور یہ خاندان عیش کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

دنیا میں سب کے ساتھ بھلائی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیے۔ ●●

اسلم کو اب سمجھنے میں دیر نہیں لگی جسے اپنا وہ اپنا جگری دوست سمجھتا تھا وہ کتنے پانی میں ہے.....

اسلم اور طارق ہم عمر، ہم جماعت اور دوست تھے۔ اسلم بہت شریف اور صاف دل لڑکا تھا مگر طارق خود غرض! اسلم امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا۔ طارق کے اتنے اچھے نمبر نہیں آتے اِس لیے وہ دوستی نبھانے کو ظاہر میں تو مبارک باد بھی دیتا لیکن اصل میں حسد کرتا تھا۔

ایک دن اسلم کے پاپا دورانِ گفتگو اسلم سے پوچھنے لگے بیٹے تم نے کبھی اپنے دوست کو آزمایا ہے۔ کیا تمھیں امید ہے؟ اگر تم کو وقت بے وقت ضرورت پڑے تو وہ تمھارے کام آسکتا ہے۔ اگر تم نے اپنے دوست کو ابھی تک نہیں پرکھا تو آج پرکھ لو۔

اسلم کافی دیر تک سوچتا رہا کہ وہ طارق کو کیسے آزمائے لیکن اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اُس نے اپنے پاپا سے پوچھا۔ پاپا آپ ہی بتائیں طارق کو کیسے آزمایا جائے تب پاپا نے کہا تم ایک اٹیچی میں اپنے کپڑے اور کچھ کتابیں رکھ کر اپنے دوست کے پاس جانا اور اُس سے کہنا کہ میرے پاپا نے ناراض ہو کر مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ اِس لیے اب میں تمھارے ساتھ رہنے کا ارادہ کر کے آیا ہوں کچھ دن میں اپنا انتظام کرلوں گا۔

اسلم یہ سارا پروگرام اپنے ذہن میں رکھے ہوئے طارق کے یہاں پہنچا۔ طارق باہر آیا تو ہاتھ میں اٹیچی دیکھتے ہی بھانپ گیا۔ اِس لیے طارق نے اسلم کی پوری بات پوچھنے سے پہلے ہی ٹالنا شروع کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے گھر پہ کچھ دن رکھنا پڑ جائے۔
اسلم کو اب یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جسے وہ اپنا جگری دوست سمجھتا تھا وہ کتنے پانی میں ہے۔ مایوسی کے ساتھ وہ گھر واپس آگیا اور سارا حال شرماتے ہوئے اپنے پاپا کو بتا دیا۔ یہ بات سن کر پاپا کو بھی بہت افسوس ہوا کہ اتنے دن کی دوستی اور یہ حالت۔
اب پاپا، اسلم کے ساتھ رات کو اپنے ایک دوست کے گھر گئے انھوں نے جاکر دستک دی وہ سوتے سے اٹھ کر آئے تو یہ دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے اور ان کے مُنہ سے ایک دم یہ ہی نکلا خدا بہتر کرے۔ اچانک کیا پریشانی آپڑی۔ اِن لوگوں کو بٹھایا اور یہ کہہ کر اندر چلے گئے بس میں ابھی آیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری ہوگی کہ وہ ایک ہاتھ میں پستول اور ایک ہاتھ میں پرس لے کر آئے اور کہا "چلو اب کہاں چلنا ہے؟ اب میں جان و مال سے حاضر ہوں اور روپیا تو اس لیے کہ شاید کوئی مالی پریشانی آپڑی ہو اور پستول اس لیے کہ اگر جان پہ بن آئی ہو تو اس سے مقابلہ کریں گے۔" غرض کہ وہ اپنے دوست کے لیے ہر مشکل اور پریشانی کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتے۔
اتنا سننا تھا کہ اسلم کے پاپا کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اسلم! دیکھ لیا۔
پھر وہ اپنے دوست سے بہت ہی گرم جوشی سے لپٹ گئے۔ اسلم کو عملی سبق مل چکا تھا۔ ●●

گدگدیاں

بیگم :۔ میرے پاس کوئی بھی چیز کام کی نہیں ہے ساری ہے لیکن اس میں باڈر نہیں ہے سینٹ کی شیشی ہے مگر اس میں سینٹ نہیں ہے۔ پاوڈر ہے لیکن سرخی نہیں ہے۔

شوہر :۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے .... جیب ہے مگر پیسے نہیں ہیں۔

(عنبری نازاوگانوی، اوگانواں)

فوزیہ: شعیب اور اکبر دونوں مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں بتائیے دونوں میں کون خوش نصیب ہے؟

نجومی :۔ تمھاری شادی شعیب سے ہوگی اس لیے اکبر خوش نصیب ہے

(تسنیم فیروز)

جیسے ہی اس نے نوالہ منہ میں رکھا ویسے ہی پریوں کی رانی نے ہوا بن کر اس کا نوالہ غائب کر دیا.....

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا اُس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بادشاہ اور ملکہ ہر وقت اُداس رہتے تھے غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ آخر خدا نے انھیں چاند سا بیٹا دیا۔ شہزادہ بڑا ہوا۔ اُس نے مزدوروں کو حکم دیا کہ ایک دعوت خانہ بنایا جائے۔ وہ میدان میں گئے۔ وہاں ایک بڑا درخت تھا۔ شہزادے نے حکم دیا کہ اُسے کاٹ ڈالو۔ جیسے ہی مزدوروں نے درخت پر کلہاڑی ماری تو ایک دردبھری آواز آئی۔ یہ درخت پریوں کی رانی کا تھا۔ پریوں کی رانی کو بہت غصہ آیا۔ اُس نے شہزادے سے کہا میں تم سے بدلہ لوں گی۔ شہزادے کو بھوک لگی۔ جیسے ہی اُس نے نوالہ منہ میں رکھا۔ ویسے ہی پریوں کی رانی نے ہوا بن کر اُس کا نوالہ غائب کر دیا۔ اب شہزادہ بھوکا شہزادہ بن چکا تھا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ درختوں کا کاٹنا جرم ہے●●
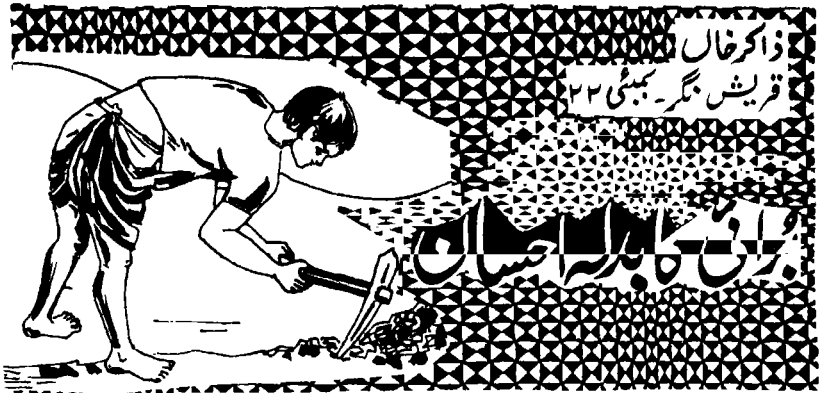
اس نے مزدور کو دیکھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر بجلی ٹوٹ پڑی ہو...

ایک دفعہ کا ذکر ہے چندن پور گانو میں ایک زمین دار تھا۔ اس کا نوکر بڑا ہی محنتی تھا۔ اس کا نام ابراہیم تھا، اس کے لڑکے کا نام خالد تھا۔ اس کی عمر ۱۵ یا ۱۶ سال کی ہو گی۔ وہ دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ زمین دار کا لڑکا رشید بھی خالد کے ساتھ زیرِ تعلیم تھا۔ رشید چھوٹی چھوٹی بات پر لڑائی کرتا تھا۔ خالد کو مارا پیٹا بھی کرتا تھا۔ خالد نے خوب دل لگا کر رات دن محنت کی اور رشید نے ماں باپ کے لاڈ پیار میں ٹھیک سے پڑھنا لکھنا تک چھوڑ دیا۔ خالد پاس ہوگیا اور رشید ناکامیاب۔ خالد نے بڑی مشکل سے کالج میں داخلہ لیا۔ رشید کے ناکامیاب ہونے پر زمین دار کو بہت دکھ ہوا پر وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ کچھ دن بعد رشید کے والد کا انتقال ہوگیا ان کے بعد ماں بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اب رشید بالکل آزاد تھا۔ ماں باپ کی دولت کا اکیلا وارث۔ ناچ گانے اور عیش و آرام میں وقت خراب کرنے لگا۔ خالد بمبئی میں کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اسے خبر ملی کہ رشید کی ماں چل بسی۔ وہ بمبئی سے گانو واپس آیا۔ رشید کی حالت دیکھ کر اسے بڑا ترس آیا۔ اس نے بہت سمجھایا مگر بیکار۔

خالد بمبئی میں انجینیر ہوگیا۔ اپنی پسند کی لڑکی یاسمین سے شادی کرلی اور آرام سے رہنے لگا۔ ایک دفعہ ایک بلڈنگ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک مزدور

نے اسے بھرّائی آواز میں کہا "مالک! مجھے پانچ روپے دے دیجیے مالک میں بہت پریشان ہوں"۔ خالد نے دل میں کہا یہ آواز جانی پہچانی لگتی ہے۔ خالد نے ابھی تک مزدور کو دیکھا نہیں تھا جیسے ہی اس نے مزدور کو دیکھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر بجلی ٹوٹ پڑی ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے منہ کو تکنے لگے۔ خالد نے کہا "رشید"۔ اور رشید نے کہا "خالد!" اتنے میں مزدوروں کا جمعدار آیا اور سختی سے بولا "ابے تو یہاں کیا صاحب کا منہ تک رہا ہے کام تیرا باپ کرے گا"۔ رشید پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔
خالد نے جمعدار سے کہا "یہ میرا پرانا دوست ہے۔ بہت عزیز دوست ہے"۔ جمعدار کو رشید کی یہ حالت دیکھ کر تعجب ہوا۔ خالد نے مختصر کہانی سنائی۔ رشید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بولا "میرے اتنے خراب سلوک کے بعد بھی آپ اتنی محبت سے پیش آرہے ہیں۔ اب میں تمہاری دوستی کے قابل نہیں"۔ خالد نے اسے لپک کر گلے لگا لیا۔
رہنے کو کمرہ دیا۔ ایک اچھے آفس میں نوکری دلائی۔ کچھ دنوں بعد شادی بھی کردی اور وہ دونوں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ بچپن کی دوستی بڑی کام آتی ہے۔ انسان کی بڑائی حسن سلوک میں ہے ●●

گدگدیاں

▲ بھکاری: "میاں میں بھوکا ہوں۔ راہِ خدا میں ایک پیسا دے دو۔"
راہ گیر: "ارے بھائی میں بہرا ہوں ورنہ ایک کے بجائے دس پیسے دے دیتا۔"

▲ استاد: "(بچے سے) آنے والے کل کو انگلش میں کیا کہتے ہیں؟"
بچہ: "ٹومارو۔"
استاد: "اور پرسوں کو؟"
بچہ: ٹومارو پھر ایک اور مارو۔

▲ پہلا: تم گدھے ہو۔
دوسرا: تم گدھے کے باپ ہو۔
تیسرا: چلو اچھا ہوا باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔
(شبیر احمد حبیب اللہ انصاری بھیونڈی (مہاراشٹر)

▲ بچہ: (ماں سے) امّی آخر آپ مجھے اسکول کیوں بھیجتی ہیں۔
ماں: تم جیسے شریروں کو انسان بنانے کے لیے۔
بچہ: لیکن ماسٹر صاحب تو ہمیں مرغا بناتے ہیں۔
(محمد صفدر امام شیخانوی)

ماں کی نصیحت

شبانہ اعظمی ۔ ویشالی ۔ بہار

تُم ماشاءاللہ بی۔اے پاس کر چکی ہو، برسرِ روزگار بھی ہو، یہ کس کی دین ہے؟...

ماں (آخری سانس لیتی ہوئی) بیٹی... میں تو اب الوداع کہہ رہی ہوں۔ مگر تم میری لاج رکھنا سُنو... نماز قائم رکھنا... زکات نکالنا... روزہ رکھنا اور شرع اجازت دیتی ہو تو حج ادا کرنا اور قرآن شریف کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اس پر عمل کرنا... بیٹی... تم تو ماشاءاللہ۔ بی۔اے پاس کر چکی ہو اور برسرِ روزگار بھی ہو یہ کس کی دین ہے... والدین... دیکھو... بیٹی ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتی رہنا اور پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہنا بس کیا ہے بیڑا پار ہے اور جنّت کی حق دار بن جاؤ گی اور زندگی بھر اللہ تعالےٰ کی رحمت کے ساتھ ساتھ دونوں جہاں کی نعمت سے مالا مال ہوتی رہو گی ۔ آمین ۔

بیٹی (ہچکیاں لیتی ہوئی) اماں کیا کہہ رہی ہیں آپ! میں اُس خدائے پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں جس نے پیدا کیا ہے اور جس کے قبضے میں جان ہے میں آپ کی نصیحت پر پوری طرح عمل کروں گی ۔

ماں... میری دُلاری بیٹی عشاء کا تو وقت ہو چکا ہو گا۔ اشارہ سے نماز پڑھ لیتی ہوں یہ میری آخری نماز ہے۔ اللہ تمھیں امن و امان میں رکھے ۔

بیٹی (تھوڑی دیر کے بعد) اماں... اماں... روتی ہوئی۔ کیا مجھ کو تنہا چھوڑ رہی ہیں۔ اماں... اماں...

ماں (آنکھ بند کرتی ہوئی)... لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ۔ آخری ہچکی... اور روح پرواز...

انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ ■■

اس لڑکے کی ایمانداری دیکھ کر تاجر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے.....

کسی گانو میں ایک تاجر تھا۔ وہ بہت مالدار تھا۔ غریبوں کی مدد کرتا تھا۔

ایک دن تجارت کرنے کے لیے شہر گیا اس کے پاس ایک بیگ تھا جس میں روپے پیسے تھے۔ وہ ایک ہوٹل میں پہنچا کھانا کھایا اور بیگ ہوٹل میں چھوڑ کر چلا گیا۔ راستے میں اُسے یاد آیا کہ میں بیگ ہوٹل میں چھوڑ آیا لیکن وہ گھبرایا نہیں۔ اس نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ آپ کو بیگ ملا۔ ہوٹل والے نے جواب دیا "جی آپ کا بیگ؟ یہاں آپ نے نہیں چھوڑا۔"

اسی ہوٹل میں ایک لڑکا کام کرتا تھا۔ اس نے یہ بیگ اٹھا کر الماری میں رکھ دیا تھا۔ جب تاجر نے اس لڑکے سے پوچھا تو اس نے الماری سے بیگ نکال کر تاجر کو دے دیا۔ اس کی یہ ایمان داری دیکھ کر تاجر کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے۔ تاجر نے یہ بیگ اسی لڑکے کو دے دیا۔

پیامی بچو! اگر آپ کو کسی کی کوئی چیز ملے تو اسے ایمان داری کے ساتھ واپس کر دینا۔ ●●

وہ بچے پر جھکی، دل پر ہاتھ رکھا، نبض دیکھی، پھر جھنجھوڑا۔ لیکن مردہ جسم کیا جواب دیتا...

اس غریب بیکس عورت کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

"بابو جی! بیس پیسے کم ہیں حجور (حضور) آپ ہی ہمارے ماں باپ ہیں۔ پانچ پیسے اور.....!"

بابو نے اندر داخل ہوتے ہوئے پانچ پیسے اور پھینک دیے۔

وہ دعائیں دیتی ہوئی پیسے اٹھا کر چل دی۔ آج وہ بہت خوش تھی۔ شاید اس لیے کہ ایک مدت کے بعد دس پیسے کے بجائے پچیس پیسے ملے تھے۔

اس کا بیمار بچہ جھونپڑی میں بھوک سے سسک رہا تھا۔ اس کا باپ پچھلے ماہ بجلی گرنے سے مر چکا تھا۔ وہ جلدی جلدی جا رہی تھی اور سوچتی جا رہی تھی۔ دس پیسے کا دودھ لوں گی۔ پانچ پیسے کی چینی اور پانچ پیسے کا مٹی کا کھلونا۔ اور پانچ پیسے کل صبح کے لیے! وہ پھولی نہ سمائی ـــــ شام کا وقت، شہر سے دور جھونپڑی، آخرکار ایک ہاتھ میں دودھ کا کوزہ اور دوسرے ہاتھ میں مٹی کی گاڑی لیے وہ جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ دودھ گرم کرنے کو آگ جلائی۔

دودھ لے کر بچے کے نزدیک آئی ـــ اس نے چادر اتار کر بچے کو جھنجھوڑا:۔

"اٹھ میرے لال! لے دودھ پی لے بیٹا تیرے لیے گاڑی بھی لائی ہوں۔"

اس نے بچے کے اکڑے ہوئے جسم کو اٹھا کر بٹھا دیا لیکن وہ بے سہارا ہو کر گر پڑا۔ وہ اس پر جھکی۔ دل پر ہاتھ رکھا۔ نبض دیکھی۔ پھر جھنجھوڑا۔ لیکن مردہ جسم کیا جواب دیتا۔ بچہ آخر کو شدید بھوک کا مقابلہ نہ کر سکا۔

کاش! وہ چند منٹ پہلے ہی آ جاتی۔ ●●

عارف احمد عثمانی
چالیس محلہ جامنیر ضلع جلگاؤں

شیطان کا جال

(یہ انیسویں صدی کے مشہور اور عظیم روسی مصنف کاؤنٹ لیو تالستائی کی کہانی سے ماخوذ ہے)

ایک غریب کسان صبح سویرے اپنے کھیت میں ہل جوتنے کو روانہ ہوا۔ گھر میں زیادہ کھانا نہیں تھا۔ اس نے اپنے ناشتے کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑا رکھ لیا۔ کھیت میں پہنچ کر اس نے اپنی روٹی ایک جھاڑی کے نیچے رکھ دی اور اپنے کوٹ سے اس کو ڈھانک دیا۔ میری روٹی کا ٹکڑا اس جگہ محفوظ رہے گا۔ اس نے کہا "یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا۔" اس موقع پر شیطان نے اپنے ایک شاگرد کو جہنم سے زمین پر بھیجا۔ اس نے کسان کو کوٹ کے نیچے روٹی چھپاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

آہ" اس نے کہا "میں روٹی کا یہ ٹکڑا چرا لوں گا۔ کسان کو اس پر غصہ آئے گا اور غصہ میں وہ گالیاں دے گا۔ مجھے مزا آئے گا اور میرا آقا (آقا سے مراد استاد شیطان ہے) مجھ سے بہت خوش ہو گا۔ وہ چپکے سے جھاڑی میں گھسا اور روٹی کا وہ ٹکڑا چرا لیا۔ کسان بہت خوش مزاج قسم کا انسان تھا۔ روٹی نہیں ملی تو اس نے صرف اپنا سر ہلایا۔ یہاں تو کوئی نہیں آیا پھر میری روٹی کا ٹکڑا غائب کیسے ہوا۔ اچھا ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔ میں بھوک سے مر نہیں جاؤں گا کام کر کے ہی گھر جاؤں گا۔ شیطان کے شاگرد کو اس پر بہت افسوس ہوا وہ جہنم واپس گیا اور بولا "مالک! میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ میرا خیال تھا کہ کسان گالی دے گا لیکن اس نے یہ نہیں بیا وہ اپنے کام میں لگ گیا۔"

گیا ؟ شیطان چلّا اٹھا۔ تم ناکام رہے ؟ فوراً زمین پر واپس جاؤ۔ میں تم کو تین سال کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مدت میں کسان کو بُرا بن جانا چاہیے۔ جاؤ ابھی جاؤ۔" اور شیطان کا شاگرد زمین پر پھر واپس آیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے پھر اس نے کہا میں اسی جیسا کسان بنوں گا۔ اس سے دوستی کروں گا اس کو مشورے دوں گا اور برائی کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ شیطان کا چیلا آدمی بن گیا اور کسان کا دوست ہو گیا۔ بہت سی باتوں میں کسان کو مشورے دینے شروع کر دیے اور کسان نے سوچا یہ مشورے بہت اچھے اور مناسب ہیں۔

ایک دن اس نے کسان سے کہا :۔ تم اس سال اپنا غلّہ نشیبی علاقے میں کیوں نہیں بوتے ؟ گیلی جگہ میں فصل برباد ہو جائے گی کسان نے بتایا میرے دوست سنو میرا مشورہ قبول کرو تم کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ کسان نے شیطان کے شاگرد کے مشورے پر عمل کیا۔ اس سال کہیں بارش نہیں ہوئی۔ دوسرے تمام کسانوں کی فصلیں خراب ہو گئیں۔ لیکن اس کسان کی فصل تباہ نہیں ہوئی۔ اس کی بہت عمدہ فصل ہوئی اس نے کافی غلّہ اپنے استعمال کو رکھا اور بہت سا غلّہ بیچ دیا۔ اسے خوب نفع ہوا۔

دوسرے سال شیطان کے بچے نے پھر کسان سے دریافت کیا کہ اس سال کیا ارادہ ہے ؟ اس سال تم اپنی فصل کہاں بو گے اسی نشیبی علاقے میں" کسان نے کہا:۔ نہیں وہاں نہ بونا اس سال تم پہاڑی ڈھلان پر بونا۔ شیطان کے شاگرد نے کہا۔ کسان نے شیطان کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا۔ اگر تم میں ذرا سی بھی سمجھ ہے تو میرا مشورہ قبول کرو۔ شیطان کے شاگرد نے کہا۔ سنو! اس مرتبہ زبردست بارش ہو گی اور نشیبی علاقوں کی فصل تباہ ہو جائے گی۔ کسان نے ایک مرتبہ شیطان کے شاگرد کی بات مان لی۔ اس نے پہاڑی ڈھلان پر فصل بو دی۔ اس سال واقعی بارش بہت زیادہ ہوئی۔ کسان کی فصل بہت اچھی ہوئی۔ کھلیان میں بہت سا غلّہ پڑا رہا۔ اب میں اس کا کیا کروں ؟ کسان نے پوچھا :۔ بہت آسان ہے۔ شیطان کا شاگرد ہنسا۔ اس سے ووڈکا بنا ڈالو۔ (ووڈکا، روس کی بہترین شراب ہے) مجھے ووڈکا بنانا نہیں آتی۔ کسان بولا۔ شیطان کے شاگرد نے کسان کو ترکیب بتا دی پھر شیطان کا چیلا جہنم واپس گیا اور شیطان سے سارا حال کہا۔ اس مرتبہ شیطان

اور اس کا شاگرد دونوں زمین پر اترے اور کسان کے مکان میں چھپ گئے۔ دوستوں میں دودکا چل رہی تھی۔ کسان کی بیوی اپنے شوہر کے دوستوں کو دودکا دے رہی تھی۔ شیطانوں نے بیوی کی طرف دیکھا تو وہ لڑکھڑا گئی اور کچھ دودکا گر پڑی۔ کیا کر رہی ہے؟ کسان چلّایا۔ یہ دودکا ہے۔ کسان اور اس کے دوستوں نے خوب پی لی اور وہ نشے میں بھیڑیے بن گئے۔ وہاں بارش بھی ہو چکی تھی۔ وہ سڑک پر لیٹ گئے اور سو بھی گئے۔ شیطان نے کہا۔ کوئی بڑا کام تمھارے سپرد کردوں گا لیکن مجھے یہ بات بتاؤ۔ تم نے یہ انتظام کیسے کیا؟ تم نے ووڈکا میں کیا ملا دیا تھا۔ کچھ نہیں شیطان کے شاگرد نے جواب دیا۔ تم نے یہ بات کیوں پوچھی؟ وہ جس طرح کی حرکتیں کر رہے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے لومڑیوں کا خون ملا دیا ہوگا وہ لومڑیوں جیسی حرکتیں کر رہے تھے۔ تم نے بھیڑیوں کا خون بھی ضرور ملا دیا ہوگا شاگرد نے کہا۔ میں نے کچھ بھی نہیں ملایا دونوں جہنّم واپس چلے گئے۔ ان کا کام پورا ہو گیا تھا۔ کسان غلط راستے پر پڑ گیا تھا۔

نجم الصبّاح معرفت مکتبہ جامعہ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶
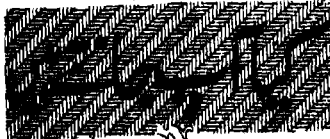
۱۔ ٹیلی فون "گراہم بیل" کی ایجاد ہے
۲۔ اسٹیم انجن "جیمس واٹ" نے بنایا۔
۳۔ ریڈیم کی کھوج "میڈیم کیوری" نے کی۔
۴۔ ستار "امیر خسرو" کی ایجاد ہے۔
۵۔ گراموفون "تھامس ایڈیسن" کی ایجاد ہے۔
۶۔ اسٹیم بوٹ "فلٹن" نے بنایا۔
۷۔ فاؤنٹین پین "واٹرمین" نے بنایا
۸۔ آکسیجن کی کھوج "پرائیسٹلے" نے کی۔
۹۔ ہیلی کاپٹر "بروکیوٹ" نے بنایا۔
۱۰۔ ایٹم بم "اوٹوہان" نے بنایا۔
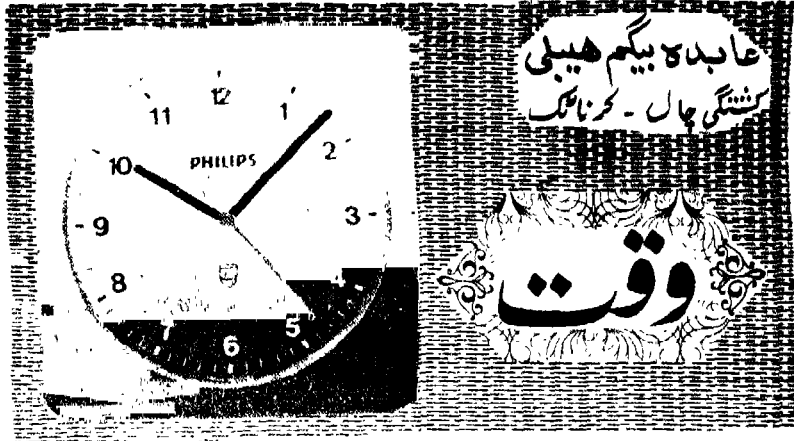
میں نے وقت کو برباد کیا، اب وقت مجھ کو برباد کر رہا ہے ... شیکسپیر

وقت سے دن اور رات   وقت سے کل اور آج
وقت کی ہر شے غلام   وقت کا ہر شے پہ راج

انگریزی میں کہا گیا ہے TIME IS MONEY یعنی وقت دولت ہے لیکن وقت اس سے بھی قیمتی ہے۔ کیوں کہ روپے پیسے کو تو پھر کبھی کمایا جا سکتا ہے۔ مگر بیتے ہوئے وقت کو پھر واپس نہیں لایا جا سکتا۔

وقت کیا ہے؟ ایک قیمتی شے ہے؟ کیوں کہ وقت ہی سے تو زندگی سنورتی ہے اسی وقت کی قیمت پہچان کر اگر ہم اس کا صحیح استعمال کریں تو ہم اپنی ساری زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ وقت کو کھونا گویا زندگی کو برباد کرنا ہے۔ شیکسپیئر نے لکھا ہے کہ "میں نے وقت کو برباد کیا اور اب وقت مجھے برباد کر رہا ہے۔" زمانہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ــــ سدا دور دورہ دکھاتا نہیں

اسی لیے وقت کے قدر دانوں نے سال کو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا حساب رکھنے کے لیے سکینڈ، منٹ، گھنٹے، دن اور مہینے مقرر کیے گئے ہیں۔ زندگی میں چند لمحے

کبھی انمول ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں بہت سے لوگ وقت کا ٹھیک استعمال نہیں کرتے اور بہت سے لوگ وقت کا بڑا ہی غلط استعمال کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے "صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے۔" ایسے لوگوں کی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

ہمیں آج کا کام کل پر نہیں ڈالنا چاہیے۔ کل پر ٹالا گیا ہوا کام کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ اگر ٹھیک وقت پر بیج نہ بویا جائے تو فصل کو ٹھیک وقت پر کاٹا بھی نہیں جا سکتا۔

وقت کو تعمیری کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ طالب علموں کو وقت کا استعمال بڑی ہوشیاری اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کرنا چاہیے۔

سچ ہے جو لوگ وقت کی قیمت جانتے ہیں۔ وہ ایک منٹ بھی برباد نہیں ہونے دیتے۔ دوستو! وقت کی قیمت کو پہچانو۔ وقت کی جو قدر کریں گے وہی دنیا میں عزت، دولت اور شہرت پا سکیں گے۔ وقت کھونے والوں کا انجام برا ہوتا ہے:-

یوں ہی وقت سو سو کے جو ہیں گنواتے
وہ خرگوش کچھوے سے زک ہیں اٹھاتے

کون کیوں مشہور ہیں؟

صلاح الدین
بھساول

نصیر وانجی
نائیل
بھساول

حضرت یوسفؑ ـــــــ خوبصورتی میں
حضرت نوحؑ ـــــــ عمر درازی میں
حکیم لقمان ـــــــ حکمت میں
حضرت عثمانؓ ـــــــ حیاء میں
حاتم ـــــــ سخاوت میں
حضرت ابراہیمؑ ـــــــ رضا جوئی میں
حضرت علیؓ ـــــــ شجاعت میں
حضرت زکریاؑ ـــــــ خاموشی میں
ارسطو ـــــــ دانش میں
حضرت یعقوبؑ ـــــــ گریہ میں
ابوجہل ـــــــ جہالت میں
حضرت داؤدؑ ـــــــ خوشحالی میں
قارون ـــــــ دولت میں
فرعون ـــــــ تکبر میں
چنگیز خاں ـــــــ خونریزی میں

ابّا جان نے کہا ہے تم مجھے مار ڈالو اور میرا خون لے جاؤ.....

شہر سندھنور میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام شاہ عبدالرحمٰن اور بیٹی کا نام شاہ ناصرہ بیگم تھا۔ سوداگر سارے گاؤں میں حسین سوداگر کے نام سے مشہور تھا لوگ اس کی دیانت داری اور امانت داری سے بہت خوش تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سوداگر حسین کو تجارت کے لیے بنگلور جانا پڑا۔ اپنی بیوی اور شاہ عبدالرحمٰن کو ساتھ لے گیا لیکن ناصرہ بیگم کو ایک استاد کی نگرانی میں گھر چھوڑ گیا۔ استاد نے ناصرہ بیگم کو اپنی نوکرانی بنالیا۔ جب ناصرہ بیگم نے کام کرنے سے انکار کیا تو اس نے سوداگر حسین کو خط لکھا کہ تمھاری لڑکی پڑھتی نہیں صبح سے شام تک باہر رہتی ہے سوداگر نے اپنے بیٹے شاہ عبدالرحمٰن کو سندھنور بھیجا کہ جاکر وہ اپنی بہن کو جان سے مارکر اس کا خون لے کر آئے۔ عبدالرحمٰن سندھنور آیا اور یہ دیکھ کر چونک گیا کہ اس کی بہن نماز میں مشغول ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کررہی ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا میری پیاری بہن ابّا جان نے کہا ہے کہ میں تم کو مار کر تمھارا خون لے جاؤں تو ناصرہ نے کہا ابّا جان نے کہا ہے تو تم مجھے مار ڈالو اور میرا خون لے جاؤ۔ عبدالرحمٰن نے کہا نہیں بہن تم پر الزام لگے ہیں۔ استاد کے خطوط پڑھ کر سنائے اور کہا بہن میں تم کو نہیں ماروں گا بلکہ

ایک جنگل میں چھوڑ کر کسی جانور کو شکار کر کے اس کا خون ابا جان کو دے دوں گا۔ شاہ عبدالرحمٰن نے ایک جانور کا شکار کر کے اس کا خون باپ کو دے دیا۔ اتفاق سے ایک شہزادہ شکار کھیلتا ہوا پانی کے چشمہ کے قریب آگیا۔ وہ درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اس کی نظر درخت پر بیٹھی ہوئی لڑکی پر پڑی۔ اے لڑکی تو جنات ہے یا پری یا آدم زاد ہے۔ لڑکی نے کہا میں آدم زاد ہوں۔ لڑکی نیچے آئی شہزادہ اس کو اپنے گھر لے گیا۔ شہزادہ کے باپ شاہ عبدالرحیم کا انتقال ہوگیا تھا۔ اب تخت و تاج کا مالک شہزادہ ہوا۔ اس کا نام شہزادہ ابراہیم تھا۔ اس کی شادی کے لیے پانچ سال سے لڑکی تلاش کی جا رہی تھی۔ اب شہزادہ ابراہیم نے اس لڑکی سے شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ناصرہ بیگم کو دو پھول جیسے لڑکے دیے۔ ایک دن شہزادہ ابراہیم اور ناصرہ بیگم محل میں بیٹھے ہوئے اپنے بچوں سے کھیل رہے تھے کہ اتنے میں ناصرہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تو شہزادہ نے وجہ دریافت کی۔ ناصرہ کہنے لگی اگر میں بھی والدین کے پاس ہوتی تو ایسے ہی کھیلتی رہتی۔ ابراہیم نے کہا ارے یہ کون سی بڑی بات ہے میں تمھیں ابھی تمھارے والدین سے ملاتا ہوں۔ شہزادہ ابراہیم نے وزیر کو اشرفیوں کی ایک تھیلی دی اور کہا تم ناصرہ بیگم کو اس کے ماں باپ سے ملا دو۔ اب وزیر ناصرہ کو لے کر چلا۔ ایک جھونپڑی میں ٹھہرا اور جا کر خوب شراب پی کر واپس آیا۔ لوگوں سے کہنے لگا وہ دیکھو وہ دیکھو پری اڑ رہی ہے۔ دیہات والے جاہل نیند سے اٹھے تھے کہنے لگے ہاں ہاں پری اڑ رہی ہے۔ یہ کہہ کر وزیر بادشاہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ سنایا کہ وہ انسان نہیں بلکہ پری تھی۔ اپنے دونوں بچوں کو لے کر چلی گئی۔ شہزادے نے یقین نہیں کیا۔ وزیر کو لے کر اس کی تلاش میں نکلا۔ ایک یتیم خانے میں پہنچے۔ یہ یتیم خانہ ناصرہ بیگم کے والد حسین سوداگر نے بیٹی کی یاد میں بنایا تھا۔ ادھر ایک کسان صبح کویں کے پاس آیا۔ ناصرہ بیگم زخمی تھی۔ اسے یتیم خانے میں لے کر آیا۔ ناصرہ دیکھتے ہی پہچان گئی کہ یہ میرا ہی یتیم خانہ ہے۔ وہ استاد بھی وہاں آ نکلا۔ وہ اپنی دکھ بھری کہانی سنانے لگی۔ ساری کہانی سن کر عبدالرحمٰن سمجھ گیا یہ میری بہن ہے اس نے اپنے والد حسین سے کہا یہ ہماری بہن ہے۔ پھر ناصرہ نے کہا ہاں میں آپ کی بیٹی اور اس نیک دل شہزادہ ابراہیم کی بیوی ہوں۔ بادشاہ نے وزیر کو اور استاد کو قتل کر دیا۔ ناصرہ بیگم اور سارا خاندان ہنسی خوشی سے رہنے لگا۔

تیسر الدین
اسلام آباد۔ چارنگل۔ کٹک

کتنی سچی

تین چیزیں: خلوصِ دل سے کرنی چاہیے۔ رحم۔ کرم۔ دُعا۔
" " بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں۔ زن۔ زر۔ زمین۔
" " انسان کو ذلیل کرتی ہیں۔ چوری۔ چغلی۔ جھوٹ
" " کوئی دوسرا نہیں چرا سکتا۔ عقل۔ علم۔ ہنر
" " نکل کر واپس نہیں آتیں۔ تیر کمان سے۔ بات زبان سے۔ جان جسم سے
" " کبھی چھوٹی نہ سمجھیں۔ قرض۔ مرض۔ فرض
" " ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں۔ صورت۔ سیرت۔ قسمت
" " یاد رکھنا ضروری ہیں۔ سچائی۔ فرائض۔ موت
" " ہر ایک کو پیاری ہوتی ہیں۔ عورت۔ دولت۔ اولاد
" " سمجھ کر اٹھانی چاہییں۔ قسم۔ قلم۔ قدم
تین اشخاص: وقت پر پہچانے جاتے ہیں صابر مصیبت پر۔ بہادر مقابلہ پر۔ بھائی ضرورت پر
" " غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ حاسد۔ کاہل۔ وہمی
" چیزوں: کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔ صدقۂ جاریہ۔ علمِ نافع۔ اولادِ صالح
تین چیزیں: انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں۔ والدین۔ حسن۔ جوانی
" " کسی کا انتظار نہیں کرتیں۔ وقت۔ موت۔ گاہک
" " پردہ چاہتی ہیں۔ کھانا۔ دولت۔ عورت
" " اصل مقصد سے روکتی ہیں۔ بدچلنی۔ غصہ۔ طمع
" چیزیں: انسانی صحت کو بگاڑتی ہیں۔ زیادہ کھانا۔ دیر سے سونا۔ دیر سے جاگنا

مصنّف: سیتا لشونارد
مترجم - فیروزہ ایم جامعی ۲۵۸ ٹبلہ ہاؤس، ۲۵
جامعہ نگر، نئی دہلی

برات

سیٹھ کالو رام کے ایک ہی لڑکا تھا اس کا نام تھا سریش ۔ سیٹھ نے اُسے خوب پڑھایا لکھایا ۔ وہ شادی کے قابل ہوا تو اُس کی شادی جے پور میں طے کر دی گئی شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے ہونے لگیں ۔ جگہ جگہ سے مہمان آنے لگے ۔ سیٹھ کا پورے شہر میں میل جول تھا ۔ بہت سے لوگ برات میں جانے کی اُمید لگائے بیٹھے تھے ۔ ویسے بھی برات جے پور جیسے مشہور گلابی شہر جا رہی تھی ۔ سب سوچتے تھے اسی بہانے اس شہر کو دیکھ لیں گے ۔

برات جے پور پہنچی تو لڑکی کے باپ سیٹھ کروڑی مل نے خوب زوردار سواگت کیا ۔ کھانے پینے کو طرح طرح کے پھل مٹھائیاں، شربت اور میووں کا تو ڈھیر لگا دیا ۔ شام کو باجے والے رنگین اور چمکتی وردی میں موجود برات لڑکی والوں کی شاندار حویلی کی طرف چلی ۔ سریش دولہا بنا گھوڑے پر سوار تھا ۔

کروڑی مل نے برات کی اگوانی کی ۔ کھانا کھا کر لوگ آرام کرنے چلے گئے ۔ اب چڑھاوے کا نیگ ہونا تھا ۔ تبھی سیٹھ کالو رام کو یاد آیا کہ بہت بڑی غلطی ہو گئی ۔ لڑکی کو دینے کے لیے جو زیور تھے وہ تو گھر ہی میں چھوڑ آئے ۔ انھوں نے منیم سے صلاح لی ۔ منیم بولا، آپ فکر نہ کریں ۔ دیکھتا ہوں یہاں کبھی زیور مل جائیں گے میں صرافے جا کر کچھ بندوبست کرتا ہوں ۔ اتنا کہہ کر منیم جی صرافے چلے گئے ۔ [illegible]ت ہو چکی تھی ۔ سب دکانیں بند تھیں ۔ منیم لوٹ آئے ۔ سیٹھ جی تو

ہو گا؟"

منیم کو ایک بات سوجھی۔ بولے "ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ چڑھاوے کے وقت زیور کے بدلے اس کی قیمت دے دیں" سیٹھ کالورام نے یہ بات مان لی۔ بولے "ہاں اب ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

چڑھاوے کے وقت لڑکی منڈپ میں آئی۔ پنڈت جی نے منتر پڑھے۔ پہلا منتر گلے کی مالا چڑھانے کا تھا۔ منتر پڑھ کر لڑکی کے لیے مالا مانگی۔ سیٹھ کالورام کے منیم نے بیس ہزار روپے نکال کر دے دیے۔

سیٹھ کروڑی مل اور شہر والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن وہ چپ رہے۔ پھر پنڈت جی نے منگل سوتر کا منتر پڑھا۔ اب منگل سوتر چڑھانا تھا۔ منیم نے دس ہزار روپے نکال کر دے دیے اور کہا۔ "یہ منگل سوتر کے ہیں۔ اسی طرح اور بھی زیوروں کے بارے میں ہوتا رہا۔ پنڈت جی منتر پڑھتے اور منیم روپے چڑھا دیتے۔ زیور کے بدلے میں انھیں مان لیا جاتا۔ چڑھاوے کا نیگ پورا ہوگیا۔ براتی کمروں میں چلے گئے۔

دوسرے دن دعوت میں سیٹھ کروڑی مل کی کوٹھی میں بہت سے لوگ آئے تھے براتیوں کو بڑے شامیانے میں بٹھایا گیا۔ ان کے آگے کیلے کے پتل رکھ دیے گئے پتلوں پر پانی چھڑکا گیا۔ پھر کروڑی مل کا ایک آدمی برتن میں دس دس پیسے کے بہت سے سکے بھر کر لایا اس نے ایک ایک سکہ ہر پتل میں پروس دیا اور پروستے وقت کہتا جاتا تھا "یہ چٹنی کا ہے۔ اس کے بعد دوسرا آدمی آیا۔ اس نے ہر پتل میں ایک ایک اٹھنی رکھ دی "یہ سبزی کی ہے۔" آخر میں سیٹھ کروڑی مل پانچ پانچ کے نوٹ لے کر آئے۔ انھوں نے ہر پتل میں ایک ایک نوٹ رکھ دیا۔ اور بولے۔ یہ پوریوں کا ہے۔" اب آپ کھانا شروع کریں۔" کروڑی مل نے کہا۔

براتی مشکل میں پڑ گئے۔ کھاتے تو کیا کھاتے؟ روپیا پیسا تو کھایا نہیں جاسکتا تھا۔ انھوں نے سیٹھ کالورام کی طرف دیکھا۔ سیٹھ کالورام کھڑے ہوگئے اور کروڑی مل سے بولے "یہ کیا ہو رہا ہے؟ روپے پیسے بھلا کیسے کھائے جا سکتے ہیں۔"

"کروڑی مل بولے "کیوں نہیں کھائے جاسکتے؟ کل رات چڑھاوے میں آپ ہی چڑھائے تھے۔ اگر میری لڑکی روپے پہن سکتی ہے تو براتی انھیں

کما بھی سکتے ہیں۔"

سیٹھ کالورام کیا جواب دیتے انھیں اپنی غلطی کا پتا چلا۔ انھوں نے کروڑی مل کو ساری بات بتادی کہ زیور کاڈبا گھر بھول آئے۔ جے پور میں بھی زیور خریدنے کی کوششیں کی۔ مگر صرافہ بند ہوگیا تھا۔ مجبور ہوکر ہی یہ سب کرنا پڑا۔

بات کروڑی مل کی سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے یہ سب ناٹک کل رات کی بات کا جواب دینے کے لیے کیا تھا۔ کھانا تو تیار تھا۔ فوراً پروس دیا گیا سب نے جی بھر کر کھانا کھایا۔ ایک مزیدار بات یہ ہوئی کہ پروسی ہوئی ریزگاری واپس نہیں اٹھائی جاسکی۔ وہ سب براتیوں نے اٹھا کر اپنی جیبیں بھرلیں۔

محمد غفران احمد۔ ڈاکخانہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار)
تباکو کی دکان

ذرا بتائیے

(۱) وہ کون سا مُلک ہے جہاں ننگے پانو چلنے والوں کو سزا دی جاتی ہے؟
(۲) وہ کون سا مُلک ہے جہاں آدھی رات کو سورج دکھائی دیتا ہے؟
(۳) وہ کون سا مُلک ہے جہاں مچھر نہیں رہتے ہیں؟
(۴) وہ کون سا مُلک ہے جہاں سانپ نہیں پایا جاتا ہے؟
(۵) وہ کون مُلک ہے جہاں کپڑے پر اخبار نکلتا ہے؟
(۶) جس ٹکٹ پر MAGAYARPOSTA لکھا ہو وہ کس مُلک کا ٹکٹ ہے۔
(۷) نہر پاناما کب تعمیر ہوئی۔
(۸) سوئٹزرلینڈ میں روپیا کو کیا کہتے ہیں۔

جوابات:۔ (۱) بلجیم (۲) ناروے (۳) فرانس (۴) ہوائی دیپ (۵) اسپین (۶) ہنگری (۷) ۱۹۰۳ء (۸) مارک۔

نور عائشہ
بنت حاجی محمد صدیق شاہجہاں پور (یو پی)

جانباز و جاں نثار

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

بنتِ خاتون جنت رضی اللہ عنہا

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سرور کونین آقائے نعمت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نواسی۔ ابو طالب فاطمہ بنت اسود کی پوتی امیرالمومنین حضرت علیؓ کی بیٹی سیدنا امام حسینؓ کی بہن اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی بیوی تھیں۔ وہ صلح حدیبیہ کے سال پیدا ہوئی تھیں۔ یہ خاتون کربلا اپنے بھائی کی کوفہ کو روانگی اور جنگ کربلا سے شہادت عظمیٰ تک ان کے ساتھ ہر لمحہ رہیں اور اطاعت گزار بہن کی طرح ان کے ہر اشارے کی منتظر رہیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام میں ایک اطاعت گزار بہن اپنا فرض و حق کس طرح ادا کر سکتی ہے۔

بہن کے احساس فرض کا واقعہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

۹ محرم الحرام کو ابن اسعد چند مسلح آدمی لے کر حضرت امام حسینؓ کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ حضرت تلوار حمائل کیے گھٹنوں پر سر رکھے سو رہے تھے حضرت سیدہ خاتونؓ نے شور سن کر آپ کو فوراً ہوشیار کیا اور خطرے سے باخبر کیا۔

دوسرا واقعہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ اس رات جس کی صبح میرے والد شہید ہوئے میں سخت بیمار تھا میری پھوپی تمام رات میری تیمارداری میں مصروف رہیں اور میرے والد شعر پڑھ رہے تھے۔ "اے زمانے تو کیسا بے وفا دوست ہے صبح و شام تیرے ہاتھوں کتنے لوگ مارے جاتے ہیں"

زینب رضی اللہ عنہا برابر اپنے عزیزوں کی لاشوں کو جو شہید ہو چکے تھے یا جاں بلب تھے ایک ایک کر کے اپنی سپردگی میں لے رہی تھیں اور ان کے جذبۂ استقامت کا یہ عالم تھا کہ ان کے گرد جواں سال بیٹوں بھتیجوں کی جواں سال لاشیں بکھری تھیں اور وہ سراپا صبر و شکر کا پیکر بنی تھیں۔

کربلا کے المیہ کے بعد سیدہ اہل بیت کے اس قافلہ کی سردار تھیں جو حضرت سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے دو دن بعد عمر بن سعد کے ساتھ کربلا سے کوفہ روانہ ہوا۔ جب ابن زیاد کے

سامنے یہ قافلہ پہنچا تو حضرت زین العابدینؑ کی ذہانت سے خوش ہونے کے بجائے سخت برہم ہوا اور اس نے پسر سید الشہدا کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ سیدہ نے بچے کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں اور فرمایا۔ حد ہو چکی زیاد۔ کیا اب بھی اہل بیت کے خون پینے سے سیر نہ ہوئے۔ میں اس وقت تک اس بچے کو نہ چھوڑوں گی جب تک تو مجھے قتل نہ کر دے!

قافلہ جب کوفہ پہنچا تو لوگوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ سیدہ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور فرمایا۔

اے کوفہ والو! تمہارا رونا کبھی ختم نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنی رسی خوب مضبوطی سے بٹتی تھی اور خود توڑ دیتی تھی تم نے بھی اپنے عہد کو اسی طرح اہل بیت سے توڑ کر بے وفائی و عہد شکنی کی ہے۔ خدا ہمارا محافظ و نگہبان ہے۔

ہوائی جہاز

محمد اصغر
ای ۸۴ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ہم آسمان میں پرندوں کو اُڑتا دیکھتے ہیں تو یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ پرندے اپنے پروں کے ذریعے ہوا میں اڑتے ہیں اور آنکھوں سے راستہ دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے دماغ میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ پائلٹ کو اپنے راستے کا پتا کیسے چلتا ہے۔ آئیے ہم اِس کے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں۔

اگر سورج نکلا ہوا ہو اور دن صاف ہو تو پائلٹ نیچے زمین کو دیکھ سکتا ہے اور اپنا راستہ پہچان سکتا ہے۔ اسے راستہ دکھانے کے لیے نشان بنے ہوئے ہیں۔ یہ نشان ان نقشوں پر بھی ہوتے ہیں جنھیں پائلٹ اپنے پاس رکھتا ہے۔ یہ نشان جہاز کو اس کا مقام بتاتے ہیں۔ سب سے قریبی ہوائی اڈّے کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ نشان چوڑی شاہراہوں پر، اناج کے گوداموں اور کارخانوں کی چھتوں پر اور اونچی عمارتوں کی دیواروں پر رنگ دیے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے اوپر اور کھیتوں کے بیچ میں پتھر لگا کر بھی یہ نشان بنائے جاتے ہیں۔ ان دکھائی دینے والے نشانوں کے علاوہ اوپر چڑھتے ہوئے جہازوں کے ساتھ ریڈیو کے ذریعے بھی رابطہ قائم رکھا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں میں یہ ریڈیو اسٹیشن یہ کام انجام دیتے ہیں، پائلٹ اس ریڈیو براڈ کاسٹ کے ذریعے یہ پتا لگا سکتا ہے کہ وہ زمین کے کس مقام کے اوپر ہے۔ کچھ ہوائی نشانوں میں رات کے وقت روشنی بھی کی جاتی ہے۔ ویسے ہی جیسے سمندری جہازوں کے لیے روشنی کے میناروں میں کی جاتی ہے۔ ہوائی اڈّوں پر بھی روشنی ہوتی ہے اور وہاں سے روشنی کے

اشارے کیے جاتے ہیں۔ اگر رات کے وقت موسم صاف ہے تو پائلٹ انھیں دیکھ سکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خراب موسم میں ہوائی جہاز کیسے اُڑتا ہے؟

پائلٹ جہاں بیٹھ کر جہاز چلاتا ہے اسے کاک پٹ کہتے ہیں۔ اس کاک پٹ میں بہت سے ڈائل، سوئچ اور مٹھے لگے ہوتے ہیں۔ یہ وہ آلات ہیں جو پائلٹ کو زمین سے اوپر اٹھنے اور جہاز کو چلانے اور آخر میں اسے زمین پر صحیح سلامت اتارنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ آج کل جہازوں میں ایسا انتظام ہوتا ہے کہ پائلٹ کو اگر ہوائی اڈہ دکھائی نہ دے تو بھی وہ اس پر اتر سکتا ہے۔ پائلٹ الکٹرونک آلات یعنی کمپیوٹر COMPUTER کی مدد سے کہرے، بارش، برف باری اور اندھیرے میں دیکھ سکتا ہے۔ خراب موسم میں اُڑنے اور صحیح سلامت نیچے اترنے کے لیے راڈر کی بھی مدد لی جاتی ہے۔ بڑے ہوائی اڈوں پر راڈر کا ایسا انتظام ہوتا ہے کہ اڈے سے ۶۰ میل فاصلے کے اندر کسی بھی جہاز کے بارے میں بتایا جا سکتا ہے۔

ہوائی جہازوں کو کیسے راستہ دیا جاتا ہے؟

(۱) ہوائی جہاز گلائیڈروں کو راستہ دیتے ہیں۔

(۲) اگر دو ہوائی جہاز اس طرح آتے ہیں کہ ان کے راستے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوں تو پائلٹ کے دائیں طرف کے جہاز کو راستہ دیا جاتا ہے۔

(۳) اگر دو ہوائی جہاز آمنے سامنے سے آتے ہوں تو دونوں کے پائلٹ اپنے اپنے جہاز کو اتنا سرکا لیتے ہیں کہ جب وہ ایک دوسرے کے نزدیک سے گزریں تو ان کے درمیان فاصلہ کم سے کم ۵۰۰ فٹ ہو۔

ہوائی جہاز کیوں اُڑتا ہے؟

ہمارے چاروں طرف کی ہوا کا مزاج ایک سیال کی مانند ہے۔ اگر ہم پنکھ یا پر کی طرح کی کسی چیز کی اوپری سطح پر ہوا کی رفتار کو تیز کر دیں تو پر کے اوپر ہوا کا دباؤ کم ہو جائے گا اور پَر اوپر اٹھے گا۔ یہ اصول ہوائی جہاز پر بھی لاگو ہوتا ہے اس اصول کو برنوی کا اصول کہتے ہیں۔

رفیعہ بانو۔ کلاس چہارم
نیو سرسید نگر۔ علی گڑھ

رحمتِ عالم

آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے کی بات ہے انسانیت بھٹک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا دکھایا ہوا سیدھا راستہ لوگ بھول گئے تھے بہت دنوں سے کوئی راہ دکھانے والا بھی نہیں آیا تھا۔ ایسے حالات میں مکّہ کے ایک شریف گھرانے میں ایک یتیم بچہ پیدا ہوا۔ باپ کا انتقال اُس کے پیدا ہونے سے دو مہینے پہلے ہو چکا تھا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس بچّے کو پیدا کر کے ہمارا رحیم وکریم آقا اپنے بندوں پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس بچّے کی پرورش خاص اہتمام سے کرائی۔ دادا نے محمّدؐ نام رکھا۔ بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں سے نوازا اور ماحول میں پھیلی ہوئی خرابیوں سے محفوظ رکھا۔ بہترین اخلاق وکردار کا مالک بنایا اور چالیس سال کی عمر میں نبوّت کی عظیم ذمہ داریاں عطا کیں۔ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھا اور ان کا حق ادا کیا۔ شروع میں کفار مشرکین نے بہت مخالفت کی آپ کو اور آپ کا ساتھ دینے والوں کو طرح طرح سے ستایا۔ مگر آپ پورے صبر اور ہمت کے ساتھ اللہ کے دین کا سیدھا راستہ سب کو دکھاتے رہے اور سب کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ آخر کار اللہ کی مدد سے آپؐ کو ہر طرح سے کامیابی حاصل ہوئی اور اللہ کا دین غالب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ راستہ اس کے بندوں کے لیے آسان ہوا۔ آپ پر ہزاروں درود وسلام ہوں (آمین)

س۔م۔شعیب
۲۲۷۲، کوچہ چیلان دریا گنج، نئی دہلی ۲

۲ ڈوبونے

ملک چین کے ایک گانو میں دو بونے چیانگ اور وانگ رہتے تھے۔ دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ جہاں کہیں بھی جاتے ایک ساتھ جاتے مگر دونوں نہایت ہی کاہل تھے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے ماں باپ ان سے ناخوش رہتے تھے۔ ایک دن ان کے ماں باپ نے انھیں گھر سے نکال دیا۔ یہ دونوں بہت پریشان ہوئے۔ آخر بہت سوچ بچار کر کے یہ فیصلہ کیا کہ کسی شہر میں جا کر کوئی کام کریں گے۔

یہ لوگ چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچے۔ یہ دونوں بھوکے پیاسے اِدھر اُدھر گھومتے رہے مگر ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی اور نہ ہی ان دونوں کو کوئی کام ملا۔ گھومتے گھومتے ان کی نظر ایک حویلی پر پڑی دونوں بغیر کچھ سوچے سمجھے اس حویلی میں داخل ہو گئے اور باورچی خانے تک پہنچ گئے۔ اتفاق سے کسی بھی شخص کی نگاہ ان پر نہ پڑی۔ باورچی خانے میں حویلی کے مالک کا ناشتا تیار تھا۔ دونوں کی نظر اس گرم گرم ناشتے پر پڑی۔ یہ اپنے کو روک نہ سکے اور تھوڑی ہی دیر میں تمام ناشتا ختم کر دیا۔

اتنے میں باورچی آ گیا۔ دونوں بونوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ یہ بونے یہاں تک کیسے پہنچے۔ جوں ہی باورچی کی نظر ناشتے کی کشتی پر پڑی تو کشتی میں رکھی پلیٹیں منہ چڑا رہی تھیں اسے بہت غصّہ آیا اور دونوں بونوں کو پکڑ کر اپنے مالک کے سامنے لے گیا۔ سارا حال بتا کر کہا کہ ان کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے

لیکن حویلی کا مالک نہایت رحمدل اور خدا ترس تھا۔ اس نے دونوں بونوں کو اپنے پاس بٹھایا اور ان کا حال دریافت کیا۔ چیانگ اور وانگ نے رو رو کر اپنا تمام حال کہہ سنایا اور کہا کہ آپ ہمیں کام پر رکھ لیں۔ یہ سُن کر باورچی ہنسنے لگا اور بولا کہ حضور یہ کیا کام کریں گے یہ گھٹنوں کے برابر اور چوہے رکھی ہیں۔ مالک نے باورچی سے کہا تم اپنا کام کرو۔ پھر ان دونوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم دونوں کیا کام کرو گے۔ دونوں نے کہا آپ جو بھی کام ہمارے سپرد کریں گے ہم کریں گے۔ مالک نے کہا آج یہیں رہو۔ کل تم کو کام دیں گے۔ یہ سُن کر دونوں بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی میں ان کو تمام رات نیند نہیں آئی۔

رات کو دونوں نے ایک بہت ہی عجیب و غریب منظر دیکھا اور آپس میں کہنے لگے یہ تو نرالی دُنیا ہے۔ صبح کو جا کر مالک سے رات کا واقعہ بیان کیا اور ضد کی کہ ہمیں چوکیداری کا کام سونپ دیا جائے۔ مالک کو ہنسی آ گئی لیکن بونوں نے مالک سے اصرار کر کے چوکیداری کا کام لے لیا۔

چیانگ اور وانگ بڑی مستعدی سے چوکیداری کرنے لگے۔ ایک رات انھوں نے دیکھا کہ اندر سے ایک آدمی بڑا سا صندوق سر پر اٹھائے لا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر دونوں سخت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ مالک کو کیسے اطلاع دیں۔ آخر ان کے دماغ میں ایک ترکیب آئی اور دونوں دروازے کے پیچھے چھپ کر اس آدمی کو دیکھنے لگے۔ جب آدمی دروازے سے باہر نکل گیا تو ان دونوں نے اس کا پیچھا کیا۔ آدمی کافی دور جا کر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور چیانگ وہیں رک کر اس جھونپڑے کی نگرانی کرنے لگا۔ وانگ نے حویلی میں آ کر مالک کو جگایا اور تمام حال کہہ سنایا۔ مالک اپنے کچھ آدمی لے کر وانگ کے ساتھ اس جھونپڑے تک آیا جھونپڑے میں جا کر دیکھا تو ایک صندوق رکھا ہے اور چارپائی پر ایک آدمی چادر اوڑھے سو رہا ہے۔ مالک نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ جا در ہٹاؤ دیکھا تو وہی باورچی تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا۔ مالک کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔

صندوق کھول کر دیکھا گیا تو اس میں ہیرے جواہرات سونا وغیرہ تھا۔ یہ دیکھ کر وہاں پر جمع تمام لوگ حیران رہ گئے اور بونوں کی عقل مندی پر بہت خوش ہوئے۔ مالک بونوں سے بہت خوش ہوا اور انھیں بہت سا انعام و اکرام دیا۔ انعام لے کر بونے اپنے گانو واپس آ گئے۔ سب حیران تھے۔ پھر وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

غزالہ فاطمہ زہرا، دارالعلوم بلہا منورتھ
رسل پور۔ جنک پور روڈ ضلع سیتامڑھی (بہار)

اللہ کے ساتھ تجارت
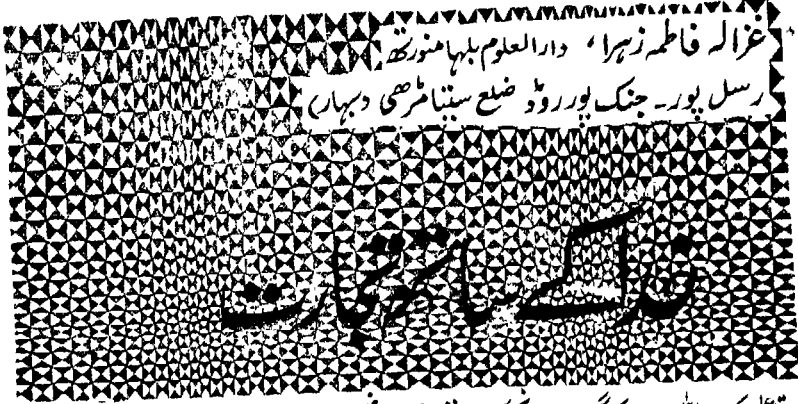
حضرت علی کرم اللہ وجہ، کے گھر میں پانچ آدمی تھے خود علیؓ، بی بی فاطمہؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور حارث رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ تین دن تک ان سب کو کچھ کھانے کو نہیں ملا تو مجبوراً بی بی فاطمہؓ رضی اللہ عنہا نے اپنا کوئی کپڑا علیؓ کے حوالے کیا تا کہ اس کو بازار میں فروخت کر آئیں۔ چنانچہ کپڑے کی قیمت صرف چھے درم وصول ہوئی۔ اس کو بھی علیؓ نے فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ اتنے میں فرشتہ جبرئیل انسانی شکل میں تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی تھی۔ انھوں نے علیؓ سے فرمایا کہ اے ابوالحسن! مجھ سے یہ اونٹنی خرید لو۔ سو درم میں وہ اونٹنی خرید لی وہ چلے ہی تھے کہ اتنے میں فرشتہ میکائیل ایک بدّو کی شکل میں آکر کہنے لگے۔ کیا آپ اس اونٹنی کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں فروخت کر دوں گا۔ سو درم میں خریدی ہے۔ فرشتہ میکائیل نے ساٹھ درم نفع دے کر اونٹنی خرید لی۔ اس کے بعد پھر فرشتہ جبرئیلؑ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنا حق طلب کیا تو علیؓ نے ایک سو درم ان کو دے دیے اور بقیہ ساٹھ درم بی بی فاطمہؓ کو دیے۔ یہ دیکھ کر بی بی فاطمہؓ نے دریافت کیا کہ ساٹھ درم آپ کو کیوں کر حاصل ہوئے۔ علیؓ نے فرمایا تمھارا کپڑا فروخت کر کے میں نے چھے درم حاصل کیے۔ ان سے اللہ کے ساتھ تجارت کی اس نے مجھے یہ ساٹھ درم عطا فرمائے یعنی ہر درم کے عوض دس گنا اس طرح یہ ساٹھ درم حاصل ہو گئے۔

حضرت علیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ بیچنے والے جبرئیلؑ تھے اور خریدنے

والے میکائیلؑ اور وہ اونٹنی قیامت کے دن فاطمہؓ کی سواری ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا اے علیؓ تین چیزیں تم کو اللہ تعالےٰ نے الیسی عطا فرمائی ہیں جو اور کسی کو نہیں دی گئیں جن میں سے ایک تمہاری بیوی فاطمہؓ جو جنّت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں گی۔ دوسرے تمہارے دونوں صاحبزادے حسنؓ حسینؓ رضی اللہ عنہما جو جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔ تیسرے تمہارے خُسر یعنی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام رسولوں کے سردار ہیں۔ پس ان نعمتوں پر تم اللہ کا شکرادا کرو۔

مرزا اعظم بیگ۔ درجہ ہفتم
گورنمنٹ، ممتاز انٹر کالج۔ کدورہ۔ جالون ۲۸۵۲۰۳

ہمارے علاقہ میں صوفی شاہ بقاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ صفی پوری (اُناؤ) کے مریدوں کی تعداد اچھی خاصی ہے ان کے مریدوں کا کہنا ہے کہ حضرت موصوف کو کہاوتوں اور پہیلیوں پر ملکہ حاصل تھا۔ وہ روز نئی پہیلیاں اپنے حلقۂ احباب میں بوجھا کرتے تھے ان کے مریدوں کی زبانی سُنی ہوئی کچھ پہیلیاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) بن سوئی چولی سی ٹھپا دھرے ہزار
چھٹے مہینہ بہن کے کوری دُبی اُتار
سانپ کی کینچلی

(۲) اُنگل بھرکا پیڑ گز بھرکا پتّہ طرح طرح کے پھل اتریں پکیں سب اکٹھا
کمھار کے برتن

(۳) چلت چلت تھک گئے چلے نہ ایکو کوس
لڑکا ناتی سب مرگئے مرے نہ بیرا ٹھور
کمھار کا چاک

(۴) سر پر آگ ہے پیر میں پانی پردے پردے پیا کے پاس جات ہے رانی
حقہ

(۵) تن سے نکسی اڑن لاگی دھول سیّاں نکل گئے بڑے دور
نک سک سے ہیں ویسی بنی کا کارن موئے تج گئے دھنی
سانپ کی کینچلی

نیلوفر شاہی
آمبور (تمل ناڈو)

... اس کے وہی خوبصورت سینگ جن پر اس کو بے حد ناز تھا۔ آخر اس کی موت کا سبب بنے...

ایک بارہ سنگھا ایک پل سے دریا پار کر رہا تھا۔ اس کی نظر صاف بہتے ہوئے پانی میں اپنے سایے پر پڑی۔ وہ اپنی خوبصورتی کو سراہنے کو کچھ دیر وہاں رک گیا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "میرے سینگ کتنے خوبصورت ہیں۔ اگر میری پتلی ٹانگیں بھی سینگوں کی طرح خوبصورت ہوتیں تو میں دنیا بھر کے جانوروں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہوتا۔" وہ اپنی پتلی ٹانگوں پر بہت شرمندہ ہوا۔ تبھی اس نے شیر کی دھاڑ سنی اور وہاں سے ہوا ہوگیا۔ وہ بہت تیزی سے جنگل میں جا گھسا لیکن اس کے خوبصورت سینگ ایک گھنی شاخ میں الجھ گئے اور وہ بری طرح پھنس گیا۔ شیر اس کے پاس پہنچا اور اس نے جھپٹ کر اس کی زندگی ختم کر دی۔ وہی خوبصورت سینگ جن پر اس کو ناز تھا۔ آخر اس کی موت کا باعث بنے ●●

فرسٹ اپریل کی رات تھی۔ اپنے کمرے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ننھی بہن شبنم کمرے میں کھیل رہی تھی۔ میں شبنم کو اٹھا کر اپنے والدین کے کمرے میں دے آیا اور کمرہ کا دروازہ بند کر کے لیٹا ہی تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساحل صاحب ساحل صاحب۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنا تھا کہ چار نقاب پوش ڈاکو میری طرف بڑھے۔ ایک کے پاس ریوالور اور باقی تین ڈاکو خالی ہاتھ تھے۔ میں اس وقت بہت ڈرا۔ میاں ساحل گھوم جاؤ" ڈاکو نے کہا۔ میں ہاتھ اٹھا کر پیچھے کو گھوم گیا۔ میری پیٹھ پر ریوالور رکھتے ہوئے کہا "آگے بڑھو" مجھے بستر پر ڈھکیلتے ہوئے ڈاکو نے کہا" تجوری کی چابی کہاں ہے" میں بہت شش و پنج میں پڑ گیا چابی دے ہی دینا میرے لیے بہتر تھا۔ تجوری کی چابی الماری میں تھی اور الماری کی چابی میرے سرہانے تکیہ کے نیچے۔ مجھے خیال آیا سرہانے میرا ریوالور موجود ہے میں اسی انداز سے اٹھا جیسے چابی لانے کو جا رہا ہوں۔ ریوالور نکال کر ڈاکو کو گولی مار دی۔ اس وقت میں نے اتنی پھرتی کی کہ مجھے خود تعجب تھا۔ گولی لگتے ہی ڈاکو گر پڑا اور تینوں نقاب پوش تھر تھر کانپنے لگے۔ تینوں نقاب اتار کر بولے بس کرو۔ بس کرو ساحل"۔
کون ہو تم؟ میں نے کہا" ہم تمہارا دوست .... ہوں۔"
ایسا مذاق کیوں کیا دوست!"

آج فرسٹ اپریل ہے"۔ میں لاش کو دیکھ کر بہت افسردہ ہوا۔ مذاق میں لوگ بے وجہ جان گنوا دیتے ہیں۔ اب بھی فرسٹ اپریل کو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خدا ہم لوگوں کو ایسے مذاق والی موت سے بچائے۔ آمین۔ ثم آمین ●●

زندگی زندہ دلی کا نام ہے مُردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

آزادی کی مہان دوڑ بھی ایک نیا ولولہ تھا۔ یہ دوڑ ۲۷ر فروری ۱۹۸۸ء ہفتے کے دن آزادی کے چالیس سال پورے ہونے کی خوشی میں ہوئی۔

تمام اسکول کے بچے، گھروں کی عورتیں، سرکاری دفتروں میں کام کرنے والے تمام بزنس مین ہیرو ہیروئن جن میں نصیرالدین شاہ، دلیپ کمار، ادم شیوپوری شبانہ اعظمی، زینت امان، اور تمام کھلاڑی جیسے وبن سرکر، پی، ٹی اوشا، سنیل گواسکر شامل تھے۔

دوڑ شروع ہونے سے پہلے کھلاڑی مشعل لے کر چلے۔ پھر ایک ایک کر کے کھلاڑی مشعل کو لے کر آگے بڑھتے رہے مشعل کو پرتی اُوشا نے ہمارے وزیراعظم راجیو گاندھی تک پہنچایا۔ پھر انھوں نے مشعل سے امرجیوتی جلائی جو راج تھ پر بنائی گئی تھی پھر پرتی اُوشا نے وزیراعظم راجیو گاندھی کو ترنگا جھنڈا لا کر دیا۔ دوڑ کا آغاز کرنے

کے لیے وزیراعظم نے جھنڈا لہرایا اور دوڑ شروع ہوگئی۔
دوڑ میں پہلے بچے دوڑے پھر اسکول کے نوجوان لڑکے لڑکیاں دوڑیں پھر سب کھلاڑی عورتیں، فلمی کلاکار اور یہاں تک کہ وزیراعظم راجیو گاندھی بھی ان سب کی حوصلہ افزائی کے لیے دوڑے۔
یہ دوڑ راشٹرپتی بھون سے شروع ہوئی۔ انڈیا گیٹ ہوتی ہوئی لودھی گارڈن پھر نہرو اسٹیڈیم تک پہنچی۔ ان دوڑنے والوں میں جو لگن محبت تھی اسے دیکھ کر ایسا لگا کہ ہندستان ایک خاندان ہے۔
دوڑنے والوں میں، میں شامل نہیں تھی لیکن ان کو دیکھ کر میرا دل اُمنگ سے بھرپور تھا۔ ہندستان مجھے دل و جان سے پیارا ہے۔ سب سے پیاری بات یہ ہے کہ دوڑنے والے سبھی لوگ ایسے لگ رہے تھے جیسے سمندر کی لہریں اٹھ رہی ہوں۔
اور دوڑ کے ساتھ سینکوں نے موٹر سائیکل پر اپنے اپنے کرتب دکھائے۔ پھر وزیراعظم راجیو گاندھی نے سب جیتنے ہوئے کھلاڑیوں کو انعامات دیے۔ پانچ بج کر تیس منٹ پر یہ دوڑ ختم ہوئی۔

حنا بلال۔ ج ۷۱ جامعہ مڈل اسکول نئی دہلی ۲۵

ہمارے اسکول میں کوا

ایک کوا تھا وہ بہت پیاسا تھا وہ پانی کی تلاش میں دُور جا نکلا اسے ایک گھڑا نظر آیا نیچے اُترا اور پھر اس نے اِدھر اُدھر نظر گھمائی تو سمجھا کہ یہ تو جامعہ مڈل اسکول ہے۔ اس نے سوچا کیا میں اپنے دادا کی طرح کروں کہ ایک ایک کنکری لاکر ڈالوں لیکن اس میں تو بہت دیر ہوجائے گی اور مجھے ایک بہت ضروری میٹنگ میں جانا ہے اس نے دیکھا سامنے سائنس لیب ہے۔ وہ اڑتا اڑتا سائنس لیب پہنچا اور وہاں سے دو چار نلکیاں لے آیا اور پھر اس نے ایک نلکی اٹھا کر اس کا ایک سرا گھڑے میں اور دوسرا سرا اپنے منہ سے لگا کر پانی پیا اور اڑ گیا۔

اظہر حسین انصاری
محلہ خدانگر۔ موتیہاری

وی۔آئی۔پی

لفظ وی۔آئی۔پی۔اِن دنوں ہر جگہ بآسانی استعمال ہونے لگا ہے۔ برطانوی حکومت میں اس کا استعمال اتنا عام نہ تھا جتنا آزادی کے بعد ہمارے یہاں اس کا رواج ہو چلا ہے۔

پہلے یہ لفظ وی۔آئی۔پی خاص اور معزّز مہمان کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن اب وی۔آئی۔پی کا یہ عالم ہے کہ وی۔آئی۔پی ٹیبل، وی آئی۔پی موپیڈ، وی آئی پی ٹینٹ ہاؤس۔ وی۔آئی۔پی بسکٹ۔ وی۔آئی پی لنگی اور گنجی بھی بازار میں بکنے کے لیے چلے آئے ہیں۔ اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہ ہو تو خود ہی بازار یا کسی دکان دار کے یہاں چلے جائیں۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گے۔ آپ کو یہ بات سن کر اور پڑھ کر حیرت ہوگی کہ ایک دن میں بازار میں سبزی خریدنے گیا۔ ٹماٹر گوبھی لینے کے بعد آلو خریدنے کی سوچ رہا تھا کہ ایک سبزی فروش نے آواز لگائی۔ آئیے جناب وی۔آئی۔پی آلو، اِدھر ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ لفظ وی۔آئی پی کے ساتھ ناانصافی نہیں تو کیا ہے۔ غضب یہ ہے کہ اب تو جوتے اور چپّل بھی وی۔آئی۔پی کے نام سے بک رہے ہیں مگر اس کے خلاف احتجاج کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ ہو بھی تو کیسے۔ جو لفظ شخص کے لیے استعمال ہونا چاہیے وہ اب شے کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ آپ دلّی میں چاندنی چوک، جامع مسجد یا صدر بازار میں تشریف لے جائیں وہاں وی۔آئی۔پی جوتے چپّل۔ بریف کیس فٹ پاتھ پر بکتے ہوئے مل جائیں گے۔ اس لیے آپ سے میں اتنا ہی کہوں گا کہ لفظ کو اہمیت دیں ورنہ حال

وجاہل میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔ وی۔آئی پی جیسے اور بھی الفاظ ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہم اور آپ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ الفاظ کے عروج وزوال کا تعلق قوم کے کردار سے وابستہ ہے۔ قدیم عہد میں لفظ "مہتر" نبی کے لیے لکھا جاتا تھا پھر سردار کے معنی میں استعمال ہوا۔ مثلاً چترال کے حکمراں کو "مہترِ چترال" کہا جاتا ہے اور ادھر حلال خور کے لیے استعمال ہونے لگا۔ گاندھی جی نے ہریجن اور اپنی حکومت نے صفائی کرمچاری لکھا۔ عام لوگ جمعدار اور جمعدارنی بولتے ہیں۔ آپ کو شوق ہو تو جناب عالی، حضرت، تعزیہ، بدھو، عقلِ کل وغیرہ الفاظ کے عروج وزوال کی چھان بین کر لیجیے۔

ناظمہ بی عبدالمجید خاں، اردو ہائی اسکول بروڈ ۱۹۵۶ء

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

(۱) مُسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔
(۲) میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑ لوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے یاد رکھو وہ قرآن ہے۔
(۳) بُرے ساتھیوں کے ساتھ رہنے سے بہتر یہ ہے کہ تنہا رہا جائے۔
(۴) اے لوگو! میں نے قبر کی گھبراہٹ والا منظر جیسا منظر نہیں دیکھا۔
(۵) اے لوگو! اُٹھو اور جہنّم کی آگ کو بُجھاؤ (نماز پڑھ کے)
(۶) اے لوگو! چلو اُس کریم کی بارگاہ کی طرف جو عنقریب بڑا نفع دینے والا ہے۔

جمیل الدین احمد گلزار
۴۴۔ فیرس لین ۔ کلکتہ ۷۳
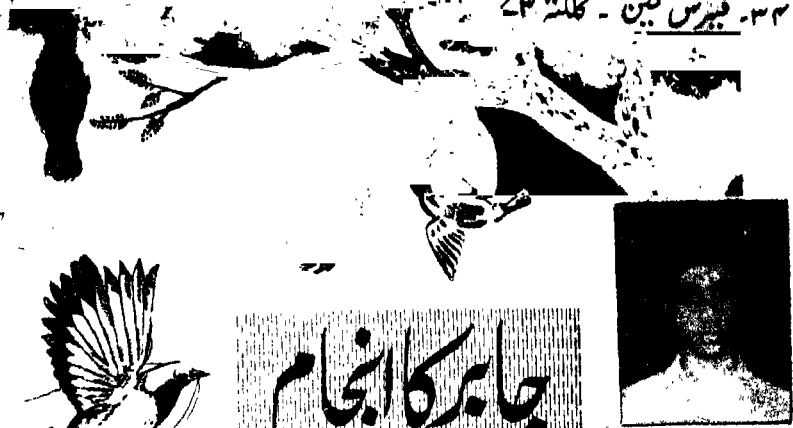
جابر کا انجام

جب وہ چڑیا کے پاس پہنچا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ عُقاب بس اُس پر جھپٹنے ہی والا تھا

بہت دنوں کی بات ہے ایک پہاڑی ندی کے دامن میں ایک خوبصورت گانو تھا۔ تمام لوگ امن اور محبّت سے زندگی گزارتے تھے۔

اسی گانو میں کھجور کی ایک شاخ پر ننھی ننھی چڑیوں کے ایک جوڑے نے بسیرا کر رکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت پیار کرتے تھے۔ صبح سویرے تمام چڑیاں آہستہ آہستہ خوراک کی تلاش میں نکل جاتیں۔ چڑیوں کی یہ جوڑی بڑے ہی پیار سے دانہ چگتی اور مل بانٹ کر کھاتی۔ شام ہوتے ہی تمام چڑیاں چگ کر اپنے بسیرے کو جاتیں۔ یہ دونوں چڑیاں بھی اپنے گھونسلے میں واپس جاتیں۔

ایک دن چڑے کو کچھ نئی سوجھی۔ اس نے کہا "پیاری چڑیا کیوں نہ آج ہم کھچڑی بنائیں۔ بڑے مزے سے کھائیں گے۔" چڑیا نے پوچھا "لیکن کھچڑی پکے گی کیسے؟ چڑے نے کہا، "میں دال، چاول، گھی لے آتا ہوں، تم جب تک پکانے کا انتظام کر دو۔" اینٹوں کے اوپر ٹوٹے گھڑے کا ایک ٹکڑا پڑا تھا۔ بی چڑیا کو بہت سی چولھا اور برتن مل گیا تھا۔ وہ صفائی میں لگ گئیں۔ اتنے میں چڑا رامو کا پھینکا

سے چاول لے آیا۔ کریم کے آنگن سے مونگ کی دال لایا۔ اب گھی کی ضرورت تھی۔ گھی کے لیے بنیے کے پاس جانا تھا۔

سو اللہ کا نام لے کر چڑا ایک بار پھر اڑا۔ ادھر چڑی آگ جلانے کے لیے گھاس پھوس جمع کر چکی تھی۔ سب کو چولھے کے نیچے رکھا۔ اوپر ٹوٹے گھڑے کے ٹکڑے پر دال چاول جمع کیا۔ آگ لینے بی چڑی کلّو نامی کے یہاں گئیں۔ وہاں چولھا جل رہا تھا۔ ایک لمبے تنکے کے سرے کو آگ لگا کر لے اڑیں۔ جلدی جلدی اپنے چولھے کو سلگانے لگیں۔ اس بچاری کو اپنے کام میں اس بات کا ہوش نہیں تھا کہ ایک عقاب بار بار اس کے چاروں جانب گھوم رہا ہے۔ ادھر چڑا گھی کی تلاش میں کافی دور نکل گیا لیکن مایوسی ہوئی۔ راستے میں ایک مسافر کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ گئی۔ بوتل سے کوئی چیز نکل کر مٹی میں جذب ہونے لگی۔ بوتل کے قریب چڑا گیا اور اسے سونگھنے لگا تو اسے خوشی ہوئی کیونکہ یہ اور کچھ نہیں گھی ہی تھا۔

چڑے نے اپنی چونچ سے ایک پتّے پر گھی جمع کیا اور اسے لے کر اپنے گھونسلے کی جانب لے اڑا۔ جب وہ چڑی کے پاس پہنچا تو ہوش اڑ گئے۔ عقاب اس پر بس جھپٹنے ہی والا تھا اور وہ اپنے کام میں مشغول تھی۔ چڑے نے خاموشی سے زمین پر گھی والا پتّہ ڈالا اور شور مچا مچا کر چڑی کو خبردار کرنے لگا تبھی نہ جانے کسی جانب سے ڈاکٹر ٹام نکل آئے۔ ان کے گلے میں دونالی بندوق پڑی تھی۔ انھوں نے ایک جھٹکے سے بندوق نکالی۔ گولی چلی اور ایک ظالم اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ڈاکٹر ٹام نے بڑی لاپرواہی سے اپنے کندھے اُچکائے۔ ایک نظر دم توڑتے عقاب کو دیکھا۔ چڑا چڑی پر پیار بھری نظر ڈالی اور چلتے بنے۔

چڑا چڑی کو جب ہوش آیا تو انھوں نے دیکھا کہ ظالم عقاب دم توڑ چکا ہے اور ڈاکٹر ٹام تو کب کے جا چکے تھے۔ دونوں اٹھے اور نئے سرے سے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ دونوں نے مل جل کر بہت لذیذ کھچڑی بنائی اور خوب سیر ہو کر کھائی۔

عظمیٰ بیگم، معرفت ڈاکٹر ایم۔اے۔بیگ
کدورہ باؤنی اسٹیٹ جالون۔ یوپی

سیٹسی مکھی

یہ نہایت خطرناک قسم کی مکھی افریقہ میں پائی جاتی ہے۔ بڑی سخت جان ہے مگر دھوپ بالکل برداشت نہیں کر پاتی۔ تیز دھوپ میں مر جاتی ہے۔

ڈاکٹر جیمس کلارک نے چار مرتبہ افریقہ کا سفر کیا وہ امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری" سے وابستہ تھے۔ انھوں نے اس مکھی سے خود کو کٹوایا۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ اس کے کاٹنے سے مرض "نوام" SLEEPING SICKNESS لاحق ہو جاتا ہے اور سوتے میں موت واقع ہوتی ہے۔ یہ مکھی ایک جرثومہ لیے پھرتی ہے جو انسان کو موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ کلارک کا بیان ہے کہ یہ مکھی صرف افریقہ میں پائی جاتی ہے اور سایہ میں رہنا پسند کرتی ہے اور سایہ میں کبھی اپنا شکار کرتی ہے اس کی کاٹ تیز ہوتی ہے۔ اس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور دونوں پر پیٹھ کے اوپر ہوتے ہیں۔

یہ مکھیاں مرض "نوم" کے جراثیم دوسرے مریض جانوروں سے حاصل کرتی ہیں اور پھر انسانوں میں پھیل جاتے ہیں۔ انسان دھیرے دھیرے گھل گھل کر مر جاتا ہے۔

گرم مقامات پر یہ خود ہلاک ہو جاتی ہے جس جرثومہ کو یہ انسان کے بدن میں داخل کرتی ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا خوردبینی کرم TRYPDNOSOMGAMBIEAS ہوتا ہے۔ ●●

رحم دلی کا انعام

حافظ عبدالواحد پڈنوی
جامعہ دارالسلام۔ عمرآباد

بہت دنوں کی بات ہے ایک گانو میں ایک بڑا زمین دار رام داس تھا۔ مگر وہ رحم کرنا جانتا ہی نہ تھا۔ وہ غریبوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔ کلیان داس منیجر تھا۔ ایک دن رام داس نے اپنے منیجر کو بلایا اور اس سے کہا "تم کسانوں سے لگان وصول کر دو۔" کلیان داس نے کہا "سرکار! اس سال فصل اچھی نہیں ہوئی ہے۔ کچھ مہلت دے دیجیے۔"

زمین دار نے کہا۔ "نہیں اس سے کیا مطلب؟" کلیان داس چل دیا۔ اس نے کسانوں سے کہا کہ "تمھارا زمین دار بہت مہربان ہے۔ میں یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اس سال کا لگان معاف کر دیا ہے۔" یہ سن کر کسان بہت خوش ہوئے اور رام داس کو دعائیں دینے لگے۔

وہ رام داس کے پاس آیا۔ "کسانوں سے رقم لے آئے؟" منیجر نے جواب دیا۔ "جی۔ مگر سرکار! وہ روپیا چوری ہو گیا۔" کلیان کو نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ اب رام داس خود کسانوں کے پاس گیا۔ کسان اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رام داس کے چاروں طرف بھیڑ لگ گئی۔ یہاں پتا چلا کہ ذرا سی رحم دلی کا یہ نتیجہ ہے۔ دوسرے دن کلیان داس کو بلایا اس سے کہا "تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میرے رعب نے وہ کام نہیں کیا جو تمھاری رحم دلی نے کیا۔ میں تمھاری تنخواہ بڑھاتا ہوں۔ اور غریبوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آؤں گا۔" ●●

چالاک ہرن

رضوان احمد، امراوتی

ایک دفعہ جنگل میں ایک ہرن کلیلیں بھرتا ایک غار میں پہنچا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ شیر کا گھر ہے۔ ہرن یہ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں شیر کی دھاڑ سنی۔ ہرن گھبرایا نہیں۔ چالاکی کے ساتھ وہاں سے فرار ہو گیا۔ کچھ دن بیت گئے۔ ہرن کا پھر ادھر گزر ہوا۔ ہرن نے سوچا۔ کچھ دیر آرام کر لو۔ ایک بندر اس کے گھر کی نگرانی کر رہا تھا تو ہرن غار کی طرف بڑھا۔ بندر نے کہا "اے بے وقوف تجھے معلوم نہیں یہ جنگل کے راجا کا گھر ہے۔" ہرن نے بندر سے کہا "تو کون ہوتا ہے میرا راستہ روکنے والا؟ آج شیر کا گوشت کھانے میں بڑا مزہ آئے گا۔" یہ سن کر بندر اپنے استاد کو بلانے کے لیے چلا گیا۔ بندر نے شیر کو یہ بات بتائی وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے ہرن نے شیر کی دھاڑ سنی تو کہا "اے بندر۔ تمہارا وہ شیر آیا نہیں مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ آج میں اس کو چٹ کر جاؤں گا۔" شیر نے سمجھا کہ بندر میرا دشمن ہے اس واسطے اسے لایا ہے کہ میں مارا جاؤں اور یہ خود بچا رہے۔ شیر نے زوردار تھپیڑ بندر کے ایسا مارا کہ اس کی جان ہی نکل گئی۔ بندر سرپٹ بھاگا اور پلٹ کر نہ دیکھا۔

شیر نے ہرن سے دوستی کر لی۔ ●●

عزیز پیامیو! دوست ہر ایک کا ہوتا ہے۔ میرا بھی ایک دوست ہے میرا دوست ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مجھ سے ملنے آتا ہے۔ اور پھر کئی دنوں تک میرے ساتھ رہتا ہے۔ مجھے اپنے دوست کا اتنی بے چینی سے انتظار کرنا پڑتا ہے کہ بس ناقابلِ بیان ہے۔

میرا دوست سب سے پہلے مجھے انتہائی محبت اور حکیمانہ انداز میں نصیحت کرتا ہے کیونکہ وہ ایک ناصح بھی ہے اور مصلح بھی۔ میرے دوست کا کلام انتہائی شیریں ہوتا ہے اس کے کلام میں گلابوں کی خوشبو اور چاند جیسی چمک ملتی ہے۔ اس کا کلام بڑا پرکشش ہوتا ہے ساتھ میں پُر اثر بھی۔ اس کے بیان کرنے کا انداز بہت سلجھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ مجھے پیاری پیاری اسلامی باتیں بتاتا ہے۔ کبھی کبھی نبیوں کے قصّے بھی سُناتا ہے قرآن و حدیث کا ترجمہ سُناتا ہے۔ وہ اخلاقی اور معلوماتی مضامین اور کہانیاں سُناتا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک ننھا ادیب بھی ہے۔ وہ مجھے اصلاحی اور مزاحیہ نظمیں بھی سناتا ہے کیونکہ وہ ایک اچھا شاعر بھی ہے۔ مصلح بھی ہے، مفکّر بھی ہے، شاعر بھی ہے، مصنّف بھی ہے اور ادیب بھی ہے آپ ذرا سوچیں تو سہی کہ میرا وہ دوست کس قدر جامع الصّفات ہے۔ کوئی آپ کا بھی ایسا دوست ہے؟

اے جناب! ذرا سنیے تو سہی! یوں تو میرے بہت سے دوست ہیں، اچھے بھی بُرے بھی۔ کوئی پکّا دوست ہے تو کوئی کچّا دوست ہے، لیکن میرا وہ دوست سب سے اچھا دوست ہے۔ میرا دوست، میرا ساتھی، میرا رفیق،

میرا محسن، میرا شفیق کون ہے؟ آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کون ہے؟
لیکن آپ پہلے اس کو پہچانیے تو سہی؟
چلیے جن پیامیوں نے پہچانا نہیں وہ سُن لیں کہ میرا وہ عزیز ترین دوست ماہنامہ "پیام تعلیم" جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ ہے۔

ناہید جبیں لاری
لاری مینشن۔ ۵، جگت نرائن روڈ گولہ گنج لکھنؤ

▲ پہلا بے وقوف۔ (دوسرے بے وقوف سے) کیوں بھائی پارسل جب تمھاری بھینس بیمار ہوئی تھی تو تم نے کیا علاج کیا تھا؟
دوسرا بے وقوف: ۔ میں نے اسے یہ دوائیں کھلائی تھیں۔
وہ اپنی بھینس کو وہی دوائیں کھلاتا ہے لیکن دوائیں الٹا اثر کرتی ہیں اور بھینس مرجاتی ہے۔ اس پر وہ دوسرے کے یہاں پہنچتا ہے۔
پہلا بے وقوف:۔ (غصہ ہوتے ہوئے) کیوں جی تم نے کیسی دوا بتادی کہ میری بھینس مرگئی۔
دوسرا بے وقوف:۔ تو اس میں لڑنے کی کیا بات ہے۔ مرتو میری بھینس بھی گئی تھی۔ تم نے دوا پوچھی تھی۔ اس کا اثر کیا میرے اختیار میں تھا۔
▲ شہر میں مقبول حسین بندوقچی کی بہت مشہور دکان تھی ایک دن ایک شخص بہت عجلت میں آیا اور آس پاس کے لوگوں سے پوچھنے لگا "بھائی صاحب یہاں پر بندوق حسین مقبولچی کی دکان کہاں ہے؟"
لوگوں نے مسکراتے ہوئے دکان کی طرف اشارہ کردیا۔

بڑے اور اچھے لوگوں میں ذہانت ہوتی ہے۔ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو سن کر آپ مسکرا تو سکتے ہیں، قہقہہ نہیں لگا سکتے۔

آج پیارے نبی کے ایک بہت بڑے شیدائی کی باتیں لکھ رہا ہوں۔ میں اُن بزرگ کا نام نہیں لکھ رہا ہوں۔ آپ ان کا نام بتائیں تو کیا کہنا!

ایک مجلس میں ایک صاحب نے شکایت کی کہ اخبارات سرکاری خبر تو دیتے ہیں ہماری خبر نہیں دیتے۔ مولانا نے فرمایا "وہ اُن کی خبر تو دیتے ہیں اور ہماری خبر لیتے ہیں۔"

مولانا علاج کے لیے لندن گئے۔ وہاں ہر قسم کے پھل مل جاتے ہیں مگر ذائقہ وہ نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد جب انگور پیش کیے گئے تو ایک دانہ کھانے کے بعد مولانا نے فرمایا "ان میں انگور والی تو کوئی بات نہیں البتہ یہ انگور کی بیل کو لگ ضرور گئے تھے۔"

ایک صاحب موٹر سائکل پر پھٹ پھٹ کرتے مکان کے سامنے سے گزرے

موٹر سائیکل کی شدید اور تکلیف دہ آواز سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مولانا نے فرمایا "یہ کم بخت ایک آدمی کو اٹھاتی ہے اور ظاہر یہ کرتی ہے کہ جیسے ساری دنیا کو اٹھائے چلی جا رہی ہے۔"

طلبہ کے ایک بڑے جلسہ میں مولانا کو بطور مہمانِ خصوصی شریک ہونا تھا۔ ایک منچلے نے کہہ دیا کہ مولانا آپ اپنے ساتھ گھر سے کھانا لے کر آئیے۔ ہمیں مُرغ پکانا ہے۔ آپ ایسا کھانا لائیں۔ جو مرغ کا مقابلہ کر سکے' مولانا چند لمحوں کے توقف کے بعد بولے۔ بھئی مُرغ کا جواب تو بلی ہی ہو سکتی ہے۔"

مولانا کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے لڑکے کو نصیحت کر رہی تھی کہ بیٹیا نماز پڑھا کرو۔ لوگ کیا کہیں گے کہ مولانا کا بیٹیا اور نماز نہیں پڑھتا۔ اُس پر مولانا نے کہا "بیٹیا جب بھی نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھنا۔ باپ کی نماز نہ پڑھنا۔"

پیامی ادبی معمّا نمبر ۳۸ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل:۔ (۱) اُمنگیں (۲) دوڑ کر (۳) اطمینان (۴) مدینے (۵) برابر (۶) سلوک (۷) آسانی سے (۸) ۱۹۷۶ء

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۴ خوش نصیب

فی کس ۲۵/ روپے تقسیم کیے گئے

(۱) سید خلیل احمد ۵-۹۔ این سیکٹر IV ڈی۔ آئی۔ زیڈ ایریا بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱ (۲) میمونہ خاتون۔ ۳۳۴۴ باغیچے اچھے جی۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی ۶۔ (۳) ظفر اقبال۔ ا و ۳۴۔ ہنجر نگر روڈ پنمیس اندھیری اسٹیٹ بمبئی ۴۰۰۰۵۳ (۴) کفیل احمد، ۵ دکھن واڑی روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۴۸۔

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب

فی کس ۵/ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) عصمت فاطمہ نئی دہلی (۲) شائستہ خلیل نئی دہلی (۳) گڑیا جبیں۔ ویشالی (بہار) (۴) این۔ الف نذیرہ (۵) جی الف زہرہ (۶) ایس۔ ایس۔ جاوید (۷) کے۔ الف زہرہ (۸) ایم۔ ایس سلمان اورنگ آباد (بہار) (۹) ایم رفیق تاڈھا وتر گجرات (۱۰) شاہد اختر ریاض احمد۔ مالیگاؤں (مہاراشٹر)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ ہمارے پیام تعلیم کے سابق اڈیٹر جناب محمد حسین حسّان ندوی کو پنجۂ اجل نے ایسا جکڑا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہمیں سوگوار چھوڑ گئے۔

ان کی موت بچّوں کے ادب کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں جیسے سرکار دو عالمؐ، انوکھا عجائب خانہ (چار حصّے)، دنیا کے بچے، چچا غالب، چنبیلی، نانبیل خاں، میرا نیس، شرارت وغیرہ۔ بہت ہی مقبول کتابیں ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی "پیام تعلیم" اور بچّوں کے ادب کی خدمت میں گزاری۔

اُن کا انتقال شاید جون جولائی ۱۹۷۴ء کو ہوا۔

اُن کا کام اور کتابیں مرحوم کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ اس افسوس ناک موت پر مجھے امیر مینائی کا یہ مصرع یاد آ رہا ہے۔

"زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے"

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ مرحوم کو جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔ آپ "پیام تعلیم" باقاعدگی سے نکال رہے ہیں۔ پیام تعلیم کا سالنامہ اور خاص نمبر نکالیے۔ ہمارے دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بوڑھوں کی زبان پر آج تک مرحوم کا نام ہے۔ وہ بڑے قابل شخص تھے۔ ●

امّی نے گلشن کو ایک انار دیتے ہوئے کہا "پلیٹ میں سب دانے نکال کر کھا لو" وہ خوشی خوشی کمرے میں آئی اور کھڑکی میں بیٹھ کر پلیٹ میں دانے نکالنے لگی۔ محلّے کی غریب بچّی رانی کھڑکی کے نیچے بنی ہوئی کیاری کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور انار کے دانے نکلتے ہوئے دیکھنے لگی۔ انار کا ایک دانہ اُچٹ کر کیاری میں جا گرا۔ رانی نے چپکے سے اٹھانا چاہا۔ مگر گلشن نے دیکھ لیا۔ "ارے! اسے مت اٹھاؤ، وہ گندہ ہو گیا۔" اس نے رانی سے کہا۔ پھر اچانک دل میں خیال آیا میں تو روز طرح طرح کے پھل کھاتی ہوں مگر یہ بچاری رانی، یہ تو کبھی بھی کوئی اچھی چیز نہیں کھاتی اس نے رانی کو پاس بُلا کر انار کے دانوں کی بھری ہوئی پلیٹ اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لو رانی، جاؤ یہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر کھا لو۔" غریب بچّی خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف بھاگ گئی ....!

ننھی گلشن آج بہت خوش تھی اس کو خود انار کھا کر بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ کئی مہینے ہوئے تھے۔ گلشن اس قصّے کو بھول چکی تھی۔ جب ایک روز اس نے کیاری صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ارے یہاں تو ایک انار کا پودا اُگ رہا ہے۔ اس نے سارا واقعہ سنایا امّی خوش ہو کر بولیں "ہاں بیٹی، خدا کے واسطے کوئی کام کرو تو اللہ میاں اس کا دس گنا دیتے ہیں اور کبھی تو ہزار گنا بھی دے دیتے ہیں۔ اور سچ مچ گلشن کو اللہ میاں نے ہزار گنا ہی دیا۔ کیونکہ جب انار کا درخت بڑا ہو گیا تو اس میں سیکڑوں انار ہوئے مگر وہ محلّے کے غریب بچّوں کو کبھی بھی نہیں بھولتی اور ان سے ویسی ہی محبت کرتی ہے جیسی پہلے کرتی تھی۔

میں نے چھٹی کیسے گزاری

فضل عزیز

میرے ڈیڈی کا ٹرانسفر کریم نگر میں ہوگیا تھا۔ مجھے گاؤں کی زندگی بہت پسند ہے مگر امتحان کی وجہ سے نہ جا سکا تھا۔

ایس۔ ایس۔ سی کا امتحان دے کر چھٹیوں میں کریم نگر چلا گیا۔ وہاں روز صبح چہل قدمی کرنے جاتا۔ کبھی تالاب پر مچھلیاں پکڑتا۔ کبھی بطخوں کا شکار کرتا۔ بڑے مزے میں چھٹیاں گزر رہی تھیں۔ امتحان کا نتیجہ نکلنے کو تھا۔ آخر ایک دن اخبار میں رزلٹ آ ہی گیا۔ پوری لسٹ دیکھ ڈالی مگر میرا رول نمبر کہیں دکھائی نہ دیا۔ میں بہت پریشان ہوگیا۔ اخبار ایک طرف رکھ کر بہت اداس بیٹھا تھا کہ ڈیڈی آفس سے اخبار ہاتھ میں لیے بہت خوش خوش آئے اور مجھے مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ "تم فرسٹ کلاس پاس ہوگئے ہو۔"

خلافِ امید خبر سن کر میری حیرت اور خوشی سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مجھے فرسٹ کلاس آنے کی امید ہی نہ تھی۔ میں نے فرسٹ ڈویژن کی لسٹ میں اپنا رول نمبر دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ میں بہت خوشی خوشی اخبار لیے اپنا رول نمبر فرسٹ کلاس کی لسٹ میں دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون اٹھایا تو حیدرآباد سے ممی اور میری بہنیں میرے فرسٹ کلاس پاس ہونے پر مبارک باد دے رہی تھیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ میری چھٹیاں بہت ہی اچھی گزریں۔ ●●

کسی زمانے میں ایک کسان تھا۔ وہ بہت ہی ایمان دار تھا۔ لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کسان اپنے دوست سے ملنے جا رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک پیڑ کے نیچے آرام کرنے کو رک گیا۔ پیڑ پر ایک بھوت رہا کرتا تھا جب اس نے کسان سے کہا کیوں بھئی یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ جب وہ بھوت کو دیکھ کر بھاگنے لگا۔ بھوت نے کہا رک جاؤ بھئی ڈرو نہیں۔ میں کچھ نہیں کروں گا مجھے یہ معلوم ہے کہ تم بہت غریب آدمی ہو اس لیے میں تمھیں ایک کڑھائی دیتا ہوں۔ یہ سونے کے سکوں سے بھری ہوئی ہے یہ تم لے جاؤ کسان نے کہا میں یہ نہیں لے جاؤں گا۔ بھوت نے کہا تمھیں یہ لے جانا ہو گا۔ کسان مان گیا اور وہ کڑھائی اپنے دوست کے پاس لے گیا اور کہا یہ کڑھائی سونے کے سکوں سے بھری ہے۔ یہ تمھارے پاس رکھتا ہوں ضرورت کے وقت مجھے دے دینا۔ کسان کا دوست مان گیا آخر میں اس کی نیت بدل گئی۔ کچھ دن بعد جب کسان آیا تو اس کے دوست نے صاف انکار کر دیا اور کہا تم نے میرے پاس کوئی کڑھائی نہیں رکھی۔ کسان وہاں سے چل پڑا۔ راستے میں اسے بھوت ملا اس نے کسان کو مایوس آتا دیکھ کر پوچھا۔ تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو۔ کسان نے سارا قصہ سنایا۔ اس نے کہا کہ میں دوسری کڑھائی دیتا ہوں۔ وہ پھر دوست کے گھر گیا اور کہا یہ کڑھائی اور رکھ لو۔ میں کل لے جاؤں گا۔ اس نے کہا آج تم میرے گھر سو جاؤ کل لے کر چلے جانا۔ کسان اس کے گھر سو گیا آدھی رات ہوئی تو اس کا دوست اس کے کمرے میں گیا۔ جیسے

اس نے کڑھائی کو ہاتھ لگایا بھوت وہاں موجود تھا۔ اس نے ایک ڈنڈے سے اس کی اچھی طرح پٹائی کی۔ شور سن کر کسان جاگ گیا۔ اس کے دوست نے کسان سے معافی مانگی اور سکوں سے بھری کڑھائی کسان کو دے دی اور سچے دل سے توبہ کرلی۔ ●

بشیر احمد عبدالغفور پرکار
پیوال، منڈنگڈھ، رتناگیری، مہاراشٹر

ذرا بتایئے تو...

۱۔ کون سی پہاڑی پر حضورؐ پر قرآنِ پاک نازل ہوا؟
۲۔ قلم نے سب سے پہلے کون سی تحریر لکھی تھی؟
۳۔ قرآن مجید کا دل کہلانے والی سورت کون سی ہے؟
۴۔ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد کتنی ہے؟
۵۔ کاغذ کی ایجاد سب سے پہلے کس نے کی؟
۶۔ سوئی کی ایجاد سب سے پہلے کس نے کی؟
۷۔ ہندستان کا سب سے پہلا اخبار کون سا ہے؟
۸۔ دنیا میں کرکٹ میچ سب سے پہلے کب اور کہاں کھیلا گیا؟
۹۔ دنیا میں کل کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟
۱۰۔ چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے؟
۱۱۔ دنیا میں کون سے ملک میں مچھر نہیں پائے جاتے؟
۱۲۔ دنیا میں کون سا ملک کپڑے پر اخبار نکالتا ہے؟
۱۳۔ دنیا کا سب سے پہلا ڈاک ٹکٹ کہاں جاری کیا گیا؟
۱۴۔ مور کو قومی پرندہ کب قرار دیا گیا؟

جوابات:۔ (۱) فاران (۲) بسم اللہ (۳) سورہ یٰسین (۴) ۶۶۶۶ (۵) حضرت یوسفؑ (۶) حضرت ادریسؑ (۷) انڈیا گزٹ (۸) ۱۷۵۲ء انگلینڈ (۹) ۲۹۲ (۱۰) ۲,۳۸,۸۶۰ (۱۱) فرانس (۱۲) اسپین (۱۳) انگلینڈ (۱۴) ۳۱ر جنوری ۱۹۶۶ء
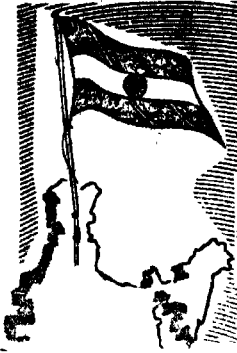
آج ۲۶ر جنوری کی اہمیت کو ہم سبھی جانتے ہیں۔ برسوں ہم برطانوی سامراج کے ظلم سہتے رہے۔ ہمارا خوبصورت ہندستان، ہندستان کے بہادر نوجوان، بہادر مائیں ظلم کا سامنا کرتے ہوئے، صبر کرتے ہوئے، راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے، اپنی منزل کو پا گئے۔ ہماری منزل تھی "آزاد ہندستان" ہمارا ہندستان ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہو گیا۔

اس کے بعد ایک خوبصورت موقع آیا ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو، اسی دن ہمارا اپنا بنایا ہوا آئین لاگو کیا گیا۔ آج تک ہم ہر سال میں ان دونوں تاریخوں کو، آزادی کے ان بہادروں کو، شہیدوں کو، ماؤں کو، بہنوں کو یاد کرتے ہیں جنھوں نے قربانی دی ملک پر، جنھوں نے اپنے بیٹوں کو قربان کر دیا ملک کے لیے جنھوں نے اپنے سہاگ کو مٹایا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آزاد ہندستان میں پیدا ہوئے۔

آج ہم یاد کریں ان شہیدوں کی قربانیوں کو کیا خواب تھا ان کا؟ ان کی منزل تھی "آزاد ہندستان" اور آنے والی نسل کی آزادی اور خوشحالی، یہ دونوں خواب آج پورے ہوئے ہیں۔ لیکن شہید بھگت، شہید اشفاق اللہ خاں، شہید چندر شیکھر آزاد، شہید بسمل ، گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، سردار پٹیل، شیخ الہند اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، اندرا گاندھی اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ نے جس خوبصورت اور سنہرے ہندستان کا خواب دیکھا تھا وہ آج تک پورا نہیں ہو سکا ہے۔ ہم ترقی کی طرف بہت آگے بڑھے ہیں لیکن اپنے ملک کی اقتصادی حالت اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ ملک کو مضبوط بنانے کے لیے قومی یکجہتی اور سیکولر ہونا ضروری ہے۔ بے روزگاری اور غریبی دور ہو۔ مفت تعلیم ہو۔ ان شہیدوں کو یاد کرنا اچھا ہے مگر ان کی سچی یاد اور عزت اسی میں ہے جب ہم ان کے خوابوں کو پورا کر کے دکھائیں۔ ہم اپنے ملک کے نوجوان وزیر اعظم راجیو گاندھی سے یہی آس لگائے ہیں کہ وہ ان خوابوں کو پورا کریں اور ہندستان کی نئی تاریخ میں اپنا نام لکھائیں۔ ●

ہندستان میں تعلیم کی تاریخ بہت پرانی ہے ۔ نالندہ یونیورسٹی ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز تھی ۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے سفرنامہ میں اس یونی ورسٹی کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے ۔ زمانہ قبل مسیح میں مٹھوں اور پاٹھ شالاؤں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا دور دور سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے آتے تھے ۔

مسلمان جب ہندستان میں آئے تو اپنے ساتھ ایک نیا کلچر لائے جس نے یہاں کے کلچر پر اثر ڈالا اور خود بھی یہاں کے اثرات قبول کیے ۔ مسلمانوں کا ایک تعلیمی نظام بھی تھا ۔ ایڈم نامی انگریز کی رپورٹ ۱۸۳۰ء میں شائع ہوئی اس میں تفصیل سے لکھا ہے ۔

جہاں اس تعلیمی نظام کے بہت سارے روشن پہلو تھے وہیں ایک بے حد تاریک پہلو بھی تھا اور وہ یہ کہ اس تعلیمی نظام میں عورتوں کی تعلیم کا کوئی مقام نہیں تھا ۔ انگریز اس معاملہ میں قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے یہاں جب ایک نئے تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی تو اس میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی ۔ اس سے قبل یہاں نہ صرف یہ کہ عورتوں کی تعلیم کا رواج تھا بلکہ لوگ بھی اس بات کے لیے تیار نہ تھے ۔

ملک کی آزادی کے بعد جتنی بھی نئی اسکیمیں اور پروگرام تعلیم کو ترقی دینے کے لیے بنائے گئے ان میں عورتوں کی تعلیم کو خاص مقام دیا گیا ہے ۔ ملازمت کے حصول میں بھی رعایت دی گئی ہے ۔ تعلیم میں عورتوں کا ریکارڈ مردوں سے اچھا ہے ۔ ملازمتوں میں بھی عورتیں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کررہی ہیں ۔ کام میں حصہ دار بنتی

ہیں اور اس کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہیں لیکن ان کی گھریلو ذمہ داریوں میں نہ تو شوہر اور نہ ہی سسرال والے کوئی کرتے ہیں بلکہ اس کو ایک مشین سمجھتے ہیں جس کا بے دردی سے استعمال ہوتا ہے۔ خاصی بڑی تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جو ان حالات کا شکار ہو کر یا تو ذہنی عدم توازن کا شکار ہوگئیں یا انھوں نے خودکشی کرلی۔ تعلیم کے ساتھ سماج اور حکومت پر کچھ ذمہ داریاں ہیں تاکہ عورت کو آزادی اور عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔ رسم ستی کا دوبارہ جاری ہونا نہایت خطرناک ہے۔ جہیز کی لعنت دور ہونی چاہیے۔ بسوں اور سڑکوں پر لڑکیوں کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس صورت ہی میں عورتوں کو سماج میں عزت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے اور وہ قوم کا ایک حصہ بن کر ملک اور قوم کے لیے شاندار کام کر سکتی ہیں۔

محمد وارث، معرفت حافظ مقصود احمد
۱۰۹۱/۴-۱۶- خالصہ نگر قرول باغ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۵
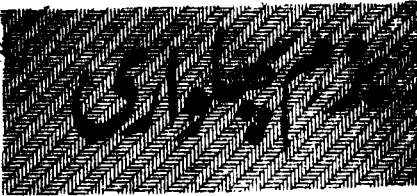
ننھے منّے بچو آؤ — پھلواری کی بزم سجاؤ
دولت شہرت عزت پاؤ — اس دنیا میں نام کماؤ
تم ہو وطن کے راج دلارے — پڑھ لکھ کر راجا ہو جاؤ
دور جہالت کا ہو اندھیرا — علم کی ایسی شمع جلاؤ
علم کی دولت حاصل کر کے — اپنی قسمت آپ بناؤ
دشمن کو بھی پیار آ جائے — تو تم کام ایسا کر جاؤ

روس کے ایک گاؤں میں ایفم اور ایلیشا نام کے دو بوڑھے رہتے تھے۔ وہ دونوں بہت گہرے دوست تھے۔ ایفم دولت مند تھا۔ ایلیشا شہد کی مکھیاں پال کر اپنے خاندان کا گزارا کرتا۔ وہ بہت رحمدل اور خوش مزاج انسان تھا۔

دونوں دوستوں نے بہت پہلے یروشلم کی زیارت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک دن ایلیشا نے کہا کہ "کیوں دوست ہم اپنی خواہش کب پوری کریں گے؟"

ایفم کا چہرہ اُداس ہوگیا۔ وہ بولا "ابھی ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔ میرے پاس سفر کے لیے پیسا نہیں ہے۔"

ایلیشا ہنسا اور بولا "تمھارے پاس اتنی دولت ہے اور پھر بھی تم ایسی بات کہتے ہو۔"

آخر ایلیشا اپنے دوست کو سمجھانے میں کامیاب ہوگیا۔ ایفم نے اپنے بیٹے کو کام کے بارے میں ضروری باتیں سمجھائیں۔ مگر ایلیشا نے گھر کے معاملوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ خوش خوش وہ زیارت کے لیے چل پڑے۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے۔ وہاں لوگ قحط سے بھوکوں مر رہے تھے۔ رات گزارنے کے لیے ایک جھونپڑی میں گئے۔ ایک عورت زمین پر بہت ہی خراب حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عورت نے پوچھا "تم لوگ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ ہمارے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔" اسی وقت ایک

بچہ بولا، "بابا، ہم بھوکے ہیں۔ ہمیں روٹی دے دو۔" تبھی لڑکھڑاتا ہوا ایک آدمی آیا اور وہیں گر پڑا۔ بولا، "بیماری اور بھوک نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ میرا بیٹا بھوک سے مر رہا ہے"
ایلیشا نے تھیلا کھولا اور اس میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا لڑکے کی طرف بڑھایا۔ لڑکا روٹی کے ٹکڑے پر ٹوٹ پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اُسے صاف کر دیا۔ اس مرد اور عورت کو بھی اس نے دو دو روٹیاں کھانے کو دیں۔ پھر وہ کنویں سے پانی بھر کر لایا اور انھیں پلایا۔

ایفم جھونپڑی کے باہر آکر بیٹھ گیا تھا۔ "ہمیں تو یروشلم جانا ہے۔ بیکار میں اپنا وقت برباد کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔" ایفم بولا۔

ایلیشا نے جواب دیا، "آپ چلیں۔ میں ان لوگوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے ان لوگوں کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔"

ایفم اکیلا چل دیا۔ ایلیشا نے ساری رات اس گھر کے آدمیوں کی دیکھ بھال کی۔ سویرا ہوتے ہی اس نے گھر کی صفائی کی۔ چولھا جلایا۔ کھانا بنایا۔ گھر کے لیے ضروری سامان خود خرید کر لے آیا۔ ایک طرف وہ سوچتا تھا کہ مجھے جانا چاہیے اور دوسری طرف ان لوگوں کی حالت دیکھ کر اس کا دل بھر آتا تھا۔ پھر اس نے ان لوگوں کے لیے ایک گائے اور ان کا کھیت جوتنے کے لیے ایک گھوڑا خریدا۔ ساتھ ہی اگلی فصل کے تیار ہونے تک کے لیے اناج خرید کر رکھ دیا۔

ایک دن ایلیشا نے سنا کہ بوڑھی عورت اپنے بیٹے سے کہہ رہی تھی: "بیٹا! یہ آدمی انسان نہیں فرشتہ ہے۔ ایسے اچھے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔"

اگلے دن جب گھر کے سب لوگ گہری نیند میں سو رہے تھے۔ ایلیشا چپ چاپ چل پڑا۔ اس کے پیسے ختم ہو چکے تھے۔ اس لیے اس نے یروشلم جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔ خاندان کے لوگ بہت خوش ہوئے۔

انھوں نے پوچھا، "کیا آپ یروشلم ہو آئے؟" "ایفم کہاں ہے؟" ایلیشا نے ان لوگوں کو کچھ نہیں بتایا۔ صرف اتنا کہہ کر ٹال دیا کہ خدا کی مرضی نہیں تھی کہ وہاں جاؤں۔

اُدھر ایفم نے یروشلم کے گرجاگھر میں قدم رکھا۔ وہاں بڑی بھیڑ تھی۔ اسے ہمیشہ اپنے روپے کی فکر رہتی تھی۔ دعا کے وقت بھی وہ ٹٹول کر دیکھ لیتا کہ کوئی جیب

نہ کاٹ لے۔ دعا میں اس کا من نہ لگتا۔ گرجا گھر کے اندرونی حصّے میں چھتیس ۳۶ شمعیں روشن تھیں۔ کسی بھی آدمی کو وہاں تک جانے کی اجازت نہ تھی لیکن شمعوں کی روشنی کے پیچھے اس نے ایک ایسا منظر دیکھا جس سے وہ متعجب ہوا۔ وہاں اسے ایک بوڑھے آدمی کی جھلک دکھائی دی وہ بالکل ایلیشا کی طرح تھا۔ ایفم سوچنے لگا کہ یہ ایلیشا کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے تو میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں لیکن جب اس نے اس کی طرف پھر دیکھا تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ وہ ایلیشا ہی ہے۔ اپنے دوست کو دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوئی وہ سوچنے لگا کہ ایلیشا بڑا خوش قسمت ہے اس کے من میں آیا کہ اگلے دن میں بھی اپنے دوست کی مدد سے گرجا کے اندرونی حصّے میں پہنچ سکوں گا۔

ایفم برابر ایلیشا کی طرف دیکھتا رہا۔ جب دعا ختم ہوئی تو بھیڑ ادھر ادھر بڑھنے لگی۔ ایفم کو بھیڑ میں پھر ڈر لگنے لگا کہ کہیں کوئی جیب نہ کاٹ لے۔ جیب کو ہاتھ سے دبائے ہوئے اس نے آگے بڑھنا شروع کیا لیکن باہر آنے پر اسے ایلیشا کہیں بھی نظر نہ آیا۔

اگلے دن ایفم پھر گرجا گھر گیا۔ اس نے گرجا گھر کے اندرونی حصّے میں اپنے دوست ایلیشا کو پادری کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے دیکھا لیکن دعا ختم ہونے پر اس روز بھی اسے ایلیشا کہیں دکھائی نہ دیا۔

تیسرے دن بھی یہی بات ہوئی۔ ایفم یروشلم میں تین ہفتے رہا۔ وہ روز گرجا میں جاتا اور اپنے دوست کو اسی خاص جگہ پر کھڑے دیکھتا۔ لیکن دعا کے بعد کچھ پتا نہ لگتا۔

اب ایفم اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں وہ اس گاؤں کے جھونپڑے میں پہنچا جہاں ایلیشا رُکا تھا۔ اسے دروازے پر بوڑھی عورت کھڑی دکھائی دی۔ وہ بولی "آیئے بابا۔ ہمارے یہاں ٹھہریے اور ہمارے ساتھ کھانا کھایئے۔ ہم ہمیشہ اپنے یہاں مسافروں کا استقبال کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک مسافر نے ہی ہماری جان بچائی تھی۔"

ایفم سمجھ گیا کہ وہ عورت ایلیشا کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

صبح سویرے اٹھ کر وہ اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر پہلے ایلیشا کے گھر گیا۔ ایلیشا شہد کی مکھیوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ ایفم کو دیکھ کر اس نے سلام کیا اور کہا۔ "امید ہے آپ اپنی یروشلم کی زیارت بہت اچھی طرح پوری کر آئے ہوں گے۔"

ایفم نے جواب دیا "میرا جسم تو وہاں ضرور پہنچا تھا۔ لیکن میری روح بھی وہاں پہنچی اس میں مجھے شک ہے۔ مجھے پورا یقین ہے تمہاری روح وہاں ضرور گئی ہو گی۔ میں نے تمہیں شمع کے پیچھے کھڑے دیکھا تھا۔ خدا کے سچّے اور پیارے بندے ہو۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ خدمت خلق ہی سچی عبادت ہے اور غریبوں اور لاچاروں کی مدد کرنا ہی سچی زیارت

بچوں کی مذہبی کتابیں

حضرت ابوہریرہؓ	۲/:	سرکارِ دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اول، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۲/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	۴/۵
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۳/۵
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اول	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
″ ″ دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۶/۵۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسولؐ	۴/۵۰	مسلمان بیبیاں	۴/:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

ایم۔ سی۔ ابوبکر ترپنچی
پی۔ او۔ ترپنچی۔ منچیری۔ ملاپرم۔ کیرلا

شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کے بارے میں آپ نے ضرور سنا ہو گا۔ آپ کا پورا نام شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہے۔ ان کو غوث الاعظم بھی کہتے ہیں۔ وہ بچپن ہی سے بہت دیانت دار تھے۔ سچ بولنا، محنت کرنا، وعدہ اللہ سے اور مخلوقات سے پورا کرنا ان کی خصوصیات تھیں۔ سچائی، اخلاص، تقوا میں کامل تھے۔ ایک آدمی نے ایک بار اُن سے پوچھا کہ "آپ کی ولایت کا راز کیا ہے؟" انھوں نے کہا کہ سچ بولنے پر ہے، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔"

ان کے بچپن کا ایک واقعہ ہے۔ وہ عرفات کے دن اپنے دیس میں کچھ بچوں کے ساتھ گایوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ایک گائے نے عبدالقادر کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اے عبدالقادر اِس کے لیے خدا نے تمھیں نہ پیدا کیا ہے اور نہ تم کو حکم کیا ہے!"

یہ سن کر عبدالقادر ڈر کر گھر بھاگے۔ گھر پہنچ کر ماں سے کہا کہ "ماں! آپ خدا کے واسطے خیرات کیجیے تعلیم حاصل کرنے اور صالحین کی زیارت کرنے کے لیے بغداد جانے کی اجازت دیجیے۔" ماں نے حیرانی سے یہ سن کر پوچھا کہ "اب اتنی جلدی تیاری کرنے کی وجہ کیا ہے؟" تو عبدالقادر نے وہ واقعہ ماں کو سنایا۔ تب ماں روتی ہوئی اٹھیں اور اسّی اشرفیاں لائیں۔ چالیس اشرفیاں عبدالقادر کی قمیص میں رکھ کر ٹانک دیں۔ ان کو جانے کی اجازت دے دی اور ان سے وعدہ لیا کہ ہر وقت سچ بولنا چاہیے۔ ماں کو خیر باد کہہ کر روانہ ہو گئے۔

بغداد جانے والے ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ ہو گئے۔ ہمدان نامی ایک ملک میں ۶۰ سوار ان کی طرف آئے اور قافلے کو گرفتار کر کے سب مال و متاع لوٹ لیا۔ پہلے عبدالقادر رحمۃ اللہ کی طرف کوئی بھی نہیں آیا لیکن پھر ایک شخص نے آکر ان سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کچھ ہے بغوث الاعظم رحمۃ اللہ نے اس سے کہا کہ "میری قمیص کے اندر چالیس اشرفیاں ہیں جو میری ماں نے ٹانک دی ہیں۔" یہ سن کر اس شخص نے سوچا کہ یہ بچہ مذاق کرتا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے بھی ایسا ہی پوچھا جیسے پہلے شخص نے پوچھا تھا اور اسی طرح عبدالقادر رحمۃ اللہ نے جواب بھی دیا۔

پھر ان دونوں نے اپنے سردار کے پاس جا کر ساری باتیں کہیں تو اس نے حکم دیا کہ اس کو میرے سامنے حاضر کرو۔ ان دونوں نے عبدالقادر رحمۃ کو سردار کے سامنے حاضر کیا جب جیلانی رحمۃ اللہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ٹیلے کے اوپر وہ اس مال کو تقسیم کر رہے ہیں۔ جو اس قافلے سے چھین لیا تھا۔ سردار نے عبدالقادر رحمۃ سے پوچھا کہ تیرے پاس کیا ہے؟ عبدالقادر نے جواب دیا "چالیس اشرفیاں"!

"کہاں ہیں؟" سردار نے پوچھا۔

جیلانی نے وہ جگہ دکھادی جہاں اشرفیاں رکھی تھیں۔ انھوں نے قمیص سے چالیس اشرفیاں نکال لیں۔

سردار نے پھر پوچھا "کہ یہ سچ بولنے کی ترغیب تمھیں کس نے دی؟ تو عبدالقادر رحمۃ اللہ نے کہا کہ "میری ماں نے مجھ سے کہا تھا کہ ہر وقت سچ بولنا' میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا ہے کہ ہر وقت سچ بولوں گا۔" یہ سن کر سردار نے روتے ہوئے کہا کہ "تم نے اپنی ماں سے خلاف ورزی نہیں کی اور میں اپنے خدا سے خلاف ورزی کر رہا ہوں۔" وہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ کے سامنے لوٹ مار سے باز رہنے کا عہد کر کے واپس گئے۔

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ کا کردار آج کے بچوں کے لیے رہنما ہے۔

لطیفہ: ڈاکٹر:۔ د مریض سے) میں تمھیں ایک خوش خبری اور ایک غمگین خبر سنانے والا ہوں۔ پہلے کون سی خبر سنو گے۔

مریض:۔ پہلے غمگین خبر سنائیں۔

ڈاکٹر: مجھے افسوس ہے کہ آپ کی دونوں ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی اور خوش خبری یہ ہے کہ ساتھ والا مریض تمھارے جوتے خریدنا چاہتا ہے

فیصل خیرالدین' باڑ لا ھندوارہ (کشمیر)

لنگور نے کہا ۔"میاں چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میری فوج تمہاری بوٹی بوٹی نوچ لے گی .....

کسی گاؤں میں ایک غریب خاندان رہتا تھا۔ اِس خاندان کی گزر بسر بڑی مشکل سے ہوتی تھی۔ خاندان اپنی اِس حالت سے بہت پریشان تھا۔ آخر ایک دن بچّوں کے والدین نے سوچا کہ وہ اِس گاؤں کو چھوڑ کر کسی دوسرے گاؤں چلے جائیں۔ صبح ہونے سے پہلے ہی وہ لوگ اُٹھے۔ بچّوں کو جگایا اور جلدی جلدی سامان بٹور کر لوگوں سے چُھپتے چُھپاتے نکل پڑے۔ بچّوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا مگر چُپ چاپ ماں باپ کے ساتھ چلتے رہے۔

چلتے چلتے دوپہر ہوگئی، دوپہر سے سہ پہر اور سہ پہر سے شام ہوگئی نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ سامنے ایک بڑا گھنا جنگل تھا۔ وہ لوگ ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بچّوں کے والد نے بڑے لڑکے سے کہا تم وہ پتھر لے آؤ۔ منجھلے سے کہا تم لکڑیاں لے آؤ اور سب سے چھوٹے سے کہا کہ تم گھاس بٹور لاؤ۔ تینوں بچّوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا کام پورا کر دیا۔ پھر اُس کے والد نے بچّوں کی ماں سے کہا۔ تم ان پتھروں کا چولہا بناؤ اور گھاس لگا کر آگ سلگاؤ۔ ماں بھی اٹھی اور اپنے کام میں لگ گئی۔ اُوپر سے ایک لنگور کی آواز آئی۔ سب لوگ وہاں دیکھنے لگے۔ وہاں بہت سارے بندر موجود تھے۔ شاید وہ لنگور اِن کا سردار تھا۔ لنگور نے پوچھا۔"بڑے میاں تمہارے پاس

نہیں پھر تم پکاؤ گے کیا؟ اور کھاؤ گے کیا؟" بڑے میاں نے کہا۔"بس تمھیں ہی بھونے کی تیاری ہے۔"اب تو لنگور سٹپٹایا۔ سوچا کر کبھی ان بچوں سے کہا گیا تو وہ یقیناً مجھے گھیر گھار کر پکڑ لیں گے اور پھر میری شامت آجائے گی۔ یہ سوچ کر اُس نے بڑے میاں سے کہا۔"بڑے میاں اگر میں تم کو خزانہ بتا دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے۔" بڑے میاں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ چھوڑ دیں گے۔ لنگور نے کہا کر دیکھو وہ جو فلاں درخت ہے۔ اُس کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ جاؤ اور نکال لو۔ سب لوگ جلدی جلدی وہاں گئے۔ زمین کھود کر خزانہ نکال لیا۔ اب وہ اپنے گانو لوٹ گئے۔ اب تو ہر روز روزِ عید اور شب، شب برات تھی۔ ان کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر ایک پڑوسی کو جلن پیدا ہوئی۔ آخر کار پڑوسی کی بیوی نے بڑے میاں کی بیوی کو بہلا پھسلا کر راز معلوم ہی کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ دوسرے دن وہ خاندان بھی اسی لنگور والے درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ بچوں کے والد نے بڑے لڑکے سے کہا۔ میاں تم وہ پتھر لے آؤ۔ اُس نے کہا۔ ابّا پتھر کا کیا ہوگا منجھلے سے کہا تم لکڑیاں لے آؤ۔ اُس نے کہا ابّا لکڑیوں کا کیا ہوگا؟ اور سب سے چھوٹے سے کہا گیا کہ تم گھاس بٹور لاؤ۔ اُس نے کہا ابا گھاس کا کیا بنے گا۔ اوپر سے لنگور یہ سب سن رہا تھا۔ اُس نے فوراً جواب دیا۔ میاں چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میری فوج تمھاری بوٹی بوٹی نوچ لے گی۔ وہ اور لوگ تھے جو خزانہ لے گئے۔ وہ با ادب تھے۔ تم جیسے بے ادب نہیں۔ کیا تم جانتے نہیں۔

با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب

سچ کہا ہے

ادب ہی سے انسان انسان ہے ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

انمول موتی

فیروز خاں ولد شمشیر خاں
حیدر پورہ عید گاہ روڈ۔ امراوتی

عبادت کرو .... محبت کے ساتھ کام کرو .... خوش اُسلوبی کے ساتھ

چلو .... اعتماد کے ساتھ دیکھو .... دلچسپی کے ساتھ

بحث کرو ...... دلیل کے ساتھ

"بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی"

کسی کا قول ہے کہ اب دنیا ایک شہر ہے۔ یعنی سائنس کے اس دور میں دنیا کے کسی مقام پر بھی آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مئی ۱۹۸۷ء میں بھدرک سے گنگوتری تک ہمارا سفر ایک یادگار بن گیا ہے۔

گنگوتری میں ہمارا "آل انڈیا ٹریکینگ کیمپ" ALL INDIA TREJKKING CAMP لگا ہوا تھا جس میں ہندستان کے ہر صوبہ کے این سی سی کے طلبہ حصّے لیتے ہیں اس لیے ہمارے صوبے اڑیسہ کے کل سینتیس ۳۷ طلبہ میں سے بھدرک کالج کے صرف سات لڑکوں نے حصّہ لیا تھا۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔

ہوا یوں کہ ۱۵ر مئی ۱۹۸۷ء کو جب پلیٹ فارم پر پہنچے تو پتا چلا کہ گاڑی لیٹ ہے۔ پلیٹ فارم پر بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ گاڑی لیٹ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ خدا خدا کر کے گاڑی آنے کی گھنٹی بجی۔ قلی آکر لوگوں کا سامان اٹھانے لگے۔ گاڑی ٹھیک سے پلیٹ فارم پر رکنے بھی نہ پائی تھی کہ مسافروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو ڈھکیلتے اور ٹکر مارتے جلد سے جلد گاڑی میں گھسنے کے لیے بے چین تھے۔ ادھر گاڑی میں سے اترنے والے گھبرا کر سامان اتار رہے تھے۔ میں بھی سوٹ کیس ہاتھ میں، بستر بند کندھے پر لٹکائے بہ ہزار دقت

ڈبے میں جا گھسا۔ اتنے میں گاڑی پلیٹ فارم سے روانہ ہوئی۔ ڈبا کیا تھا حشر کا نمونہ! نفسی نفسی کا عالم! کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ کوئی سامان میں دبا بیٹھا تھا۔ کوئی سامان پر چڑھا ہوا تھا۔

گھڑ گپور سے کچھ آگے جا کر کمپارٹمنٹ میں کافی جگہ نکل آئی۔ سیٹ بھی مل گئی۔ اب کھڑکی سے قدرتی مناظر دیکھنے کا موقع ملا۔ گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ ٹیلی فون کے کھمبے اور جھاڑیاں پیچھے کی طرف بھاگتی نظر آ رہی تھیں۔ دور تک ہرے بھرے کھیت نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے گاڑی کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ گاؤں کی لڑکیاں کھیت میں کام کرتے کرتے رک کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگتی تھیں۔ کہیں پٹری کے قریب چرتے ہوئے جانور چونک کر بگٹٹ ندی سے دور بھاگنے لگتے۔ یہ دلچسپ مناظر فلم کی طرح گزر گئے۔ پھر کہیں ویران اور بنجر زمین کے ٹکڑے تیزی سے نظر کے سامنے سے گزر جاتے، کہیں کوئی بوسیدہ عمارت سورج کی زرد کرنوں میں جیسے سوچ میں ڈوبی ہوئی کھڑی نظر آتی۔ بیچ بیچ میں چھوٹے چھوٹے گاؤوں کے کسان اپنے گھروں کو جاتے ہوئے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ پچھم کی طرف شفق پھیل گئی اور پھر اندھیرا چھا گیا۔

مسافر سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی لیٹ گیا۔ جب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی اور میرے سامنے تھا مغل سرائے ریلوے اسٹیشن۔ منہ ہاتھ دھویا اور پلیٹ فارم پر اتر کر تھوڑا سا بہت ناشتہ کیا پھر تھوڑی ہی دیر میں گاڑی روانہ ہو گئی۔ دن کے تقریباً ڈیڑھ بجے ہم لوگ لکھنؤ ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ انسٹرکٹر INSTRUCTOR کی اجازت سے ہم لوگ وہاں اتر گئے۔ "شہر لکھنؤ زبان و ادب کا مرکز کہا جاتا تھا" یہ قول درست نکلا۔ میں اپنے چار ساتھیوں کو لے کر بازار میں گھومنے نکلا۔ دکانیں نہایت سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ آراستہ ہوٹل عالی شان عمارتیں دیکھیں۔ دوپہر اور شام کا کھانا ہوٹل میں کھایا۔ رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے جنتا ایکسپریس میں سوار ہوئے جو لکھنؤ سے ہری دوار جاتی ہے۔

۱۷ مئی کی صبح کو گیارہ بجے ہری دوار ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ دو گھنٹے ہری دوار کے بازار میں گھومے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ٹھیک ڈیڑھ بجے ہم لوگ ایک لوکل

ٹرین سے روانہ ہوئے اور شام کے سات بجے رشی کیش آگئے۔ رشی کیش میں ہزاروں زائرین کی آمد و رفت نظر آئی۔ مندروں کا شہر سمجھیے۔ یوں تو ہری دوار میں بھی کیدار ناتھ اور بدری ناتھ مشہور مندر ہیں۔ ۷ار مئی کی رات گزری۔ رشی کیش کے ریلوے اسٹیشن پر۔ پھر دوسرے دن صبح کو ناشتے کے بعد ایک بس ریزرو کر کے آٹھ بجے روانہ ہوئے ہرسِل کے لیے جہاں ہمارا بیس کیمپ BASE CAMP لگا ہوا تھا۔ اتنے میں دہرہ دون DEHRADUN کی اونچی نیچی اور پر پیچ سڑکیں آگئیں۔ فطرت کے حُسن اور رنگینی کا دلفریب نظارہ پہاڑوں پر دکھائی دیتا تھا۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر پہنچ کر ایسا محسوس ہوا جیسے انسان اور فطرت کے درمیان کم فاصلہ رہ گیا ہو۔ یوں بھی قدرت نے پہاڑوں کو فطری مناظر، رنگ برنگے پھل پھول، بلند و بالا درختوں، جھرنوں، آبشاروں، خوشنما چٹانوں اور بیش بہا سنگ ریزوں کی وہ دولت عطا کی ہے جس سے انسان کو روحانی خوشی میسر آتی ہے۔ ہم لوگ موسم گرما میں سفر کا آغاز کر چکے تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے سردی کا زمانہ آگیا۔ بہرحال رات کے نو بجے ہرسل پہنچے۔ سردی کافی تھی۔ ہمارے کیمپ منیجر تشریف لائے۔ کھانے کے بعد سب اپنے اپنے خیموں میں داخل ہو گئے۔

صبح کو پانچ بجے بیڈ۔ ٹی BED TEA اور چھ بجے ناشتا مل گیا۔ ٹریک کمانڈر۔ جی۔ ایل کیشوانی نے این۔ سی۔ سی کے طلبہ کا سواگت کیا۔ ضروری ہدایات دیں۔ پہاڑ کے اوپر چڑھنے اور اُترنے کے سلسلے میں کچھ باتیں بتائیں۔ شروع کے چاروں پہاڑوں کی سیر کے بارے میں ٹریننگ دی گئی اور پانچویں دن یعنی ۲۲ مئی کو مطلوبہ ٹریکنگ TREKKING کا آغاز ہوا۔ بیچ نمبر دو کے BATCH NO.2. گروپ میں ہمارے علاوہ ویسٹ بنگال، بہار، اڑیسہ اور یوپی کے سینئر این۔ سی۔ سی کیڈیٹس SENOIR N.C.C. CADETS. شامل تھے۔ صبح کو آٹھ بجے ہرسل سے روانگی ہوئی۔ دشوار گزار ڈھلان پر چڑھائی! کچھ ساتھی رنگ برنگے سنگ ریزے جمع کرتے چل رہے تھے بیس کیمپ ہرسل سے گنگا چودہ میل کی دوری پر تھا اس لیے راستے میں دو مرتبہ تھوڑی دیر آرام کیا۔ اس وقت ہمالیہ کے فطری حُسن سے سحر زدہ ہو کر کافی بلندی تک پہنچ چکے تھے اور پھر وہاں بیٹھے ہوئے بڑی دیر تک نیچے حدِ نظر تک پھیلے

ہوئے پہاڑی دامن کو دیکھتے رہے۔ ہمارے پیٹھ پر ۲۰ سے ۲۵ کلو گرام وزن کا روک سیک ROOK SHECK رہتا تھا۔ اس میں بچھونا، دو کمبل، رین کوٹ پانی کا تھیلا وغیرہ سامان تھا۔ ۲۳ / مئی کو پہنچے گنگوتری GANGOTRI جس کی اونچائی دس ہزار بادن فٹ ہے۔ تقریباً دو بجے دوپہر کو برف باری شروع ہوگئی۔ مسلسل تین گھنٹے کے بعد پانچ بجے بارش تھمی۔ اس وقت سماں ہی کچھ اور تھا۔ پہاڑوں کا حُسن بے مثال نظر آرہا تھا۔ برف پوش چوٹیوں پر ڈوبتے سورج کی چمکتی کرنیں حدِّ نظر تک برف سے ڈھکے ہوئے مکانات، سڑکیں اور پیڑ۔ اس منظر کو دیکھنے، برف سے کھیلنے، اور اس پر پھسلنے میں کافی لطف ملا۔

دو دن گنگوتری میں ٹھہرے وہاں گنگا مائی کا مندر ہے اور قریب ہی گنگا بہتی ہے۔ ہزاروں سیاح وہاں جاتے ہیں وہاں کے نظاروں اور پرفضا ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ۲۸ / مئی کو بیس کیمپ ہرسل واپس آئے۔ وہاں دو دن قیام کیا اب واپس آنے کو جی نہ چاہتا تھا مگر ٹریکینگ کی مدت ختم ہوگئی۔

۳۱ / مئی کو ہم لوگ ہری دوار سے دہلی پہنچے۔ ناشتے کے بعد ایک ٹورسٹ بس کے ذریعے شہر دہلی کی سیر کی۔ ہمارے راہ نما GUIDE نے وہاں کی سڑکوں، سینما گھروں تفریح گاہوں وغیرہ سے واقفیت کرائی۔ بعض چیزیں دیکھنے کو عرصے سے شوق مچل رہا تھا مثلاً انڈیا گیٹ، لال قلعہ، جامع مسجد، وگیان بھون، راشٹرپتی بھون، پارلیمنٹ ہاؤس، قطب مینار، جنتر منتر، برلا مندر۔ ان کی یاد بھلائی نہیں جاسکتی ہماری معلومات میں اضافہ ہوا اور بڑی مسرّت حاصل ہوئی۔

وہ سفر اور اس کے فوائد ذہن میں ہیں اور اس مقولہ کی سچائی کا تجربہ ہوگیا۔

"سفر وسیلۂ ظفر"

عرفان احمد معین الدین پٹیل، اعدادیہ
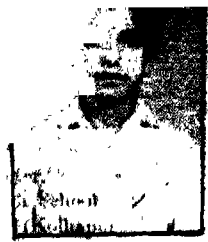
پروردگارِ عالم تیرا ہی ہے سہارا
تیرے سوا جہاں میں کوئی نہیں ہمارا

کشتی کو نوح کی بھی طوفان سے بچایا
دنیا میں تو ہمیشہ بندوں کے کام آیا
مانگی خلیلؑ نے جب تجھ سے دعا خدایا
آتش کو تو نے فوراً ایک گلستان بنایا

مہرا لتجا نے تیری رحمت کو ہے ابھارا
پروردگارِ عالم تیرا ہی ہے سہارا

یونسؑ کو تو نے شکمِ ماہی سے نکالا
تو نے ہی مشکلوں میں ایوبؑ کو سنبھالا
الیاسؑ پر کرم کا تو نے کیا اجالا
ہے دو جہاں میں یا رب تیرا ہی بول بالا

تو نے سدا الٰہی بگڑی کو ہے سنوارا
پروردگارِ عالم تیرا ہی ہے سہارا

یوسفؑ کو تو نے مولا دی قید سے رہائی
یعقوبؑ کو دوبارہ شکلِ پسر دکھائی
بہتی ہوئی ندی میں موسٰیؑ کی رہ بنائی
تو نے صلیب پر بھی عیسٰیؑ کی جان بچائی
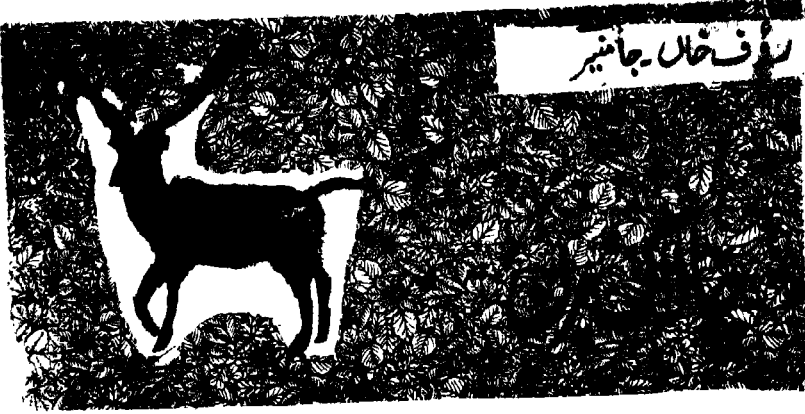
کسی جنگل میں ایک ہرن اور اس کا ایک خوبصورت بچہ رہا کرتے تھے ایک دن بچہ کھیلتے کودتے بہت دور تک چلا گیا اور ایک آم کے درخت کے نیچے جاکر بیٹھ گیا۔ آم کے درخت سے ایک شاخ گری وہ اس کی طرف چلا گیا اور اسے کھا رہا تھا اس نے دیکھا کہ آم کے درخت سے بہت سی شاخیں گر رہی تھیں۔ وہ روز وہاں آنے لگا۔ ایک دن وہ آم کے درخت کے پاس آیا اور دور ہی سے دیکھا کہ درخت پر ایک شکاری بیٹھا ہے وہ گھاس میں چھپ گیا۔ دوسرے دن شکاری آم کے درخت کے پاس آیا اپنا جال ڈال کر بیٹھ گیا ہرن کا بچہ اُسے دیکھ کر دور کھڑا رہا۔

پھر شکاری نے تیر کمان سے مارنے کی کوشش کی مگر ہرن کا بچہ بہت چالاک تھا۔ چھلانگ لگا کر غائب ہو گیا۔ شکاری کو بہت غصہ آیا۔ وہ جال ڈال کر گھر چلا گیا۔ ہرن کا بچہ آم کے درخت کے پاس آیا اور جال میں لپٹ گیا اس نے نکلنے کی بہت کوشش کی لیکن نکل نہ سکا۔ شکاری آیا۔ ہرن کا بچہ جال میں لپٹا ہوا تھا۔ بچے نے زمین میں گڑھا کر لیا اور سانس بند کیے پڑا رہا۔ شکاری نے دیکھا کہ ہرن کا بچہ مرا ہوا ہے۔ اب اس نے سوچا اس کی کھال ہی کام آئے گی۔ اس نے اپنی جیب سے چاقو نکالا۔ پھر شکاری پانی لایا اور جال میں سے ہرن کے بچے کو نکالا وہ سمجھا کہ مرا ہوا ہے۔ بچہ اچانک اُچھلا۔ شکاری گھبرا کر نیچے گر گیا اور ہرن کا بچہ چھلانگ بھرتا نظر سے اوجھل ہو گیا۔ بچہ پھر وہاں نہیں آیا۔ وہ سمجھ گیا لالچ بری بلا ہے چالاکی نے اس کی جان بچ گئی۔ ●

ضروری چیز ہے جیسے اس کے جینے کے لیے کھانا۔ کل تک جو تعلیم سے بیگانہ تھے آج اپنی نادانی پر شرمندہ ہیں۔ کیونکہ اب وہ سمجھے کہ تعلیم کے بغیر انسان کا کہیں گزر نہیں۔

جہاں تک ہمارا تعلق مذہب سے ہے ہم اپنے مذہب کو بھی علم کی ہی بدولت اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ ورنہ ہمیں کوئی بھی کچھ بتا سکتا ہے اور ہم اُس پر یقین کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارا قصور یہ ہے کہ ہم نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ ہم قرآن کو جب ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جب ہمارا علم وسیع ہو۔ ایک وہ شخص جس نے قرآن شریف نہ پڑھا ہو اُس سے اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں فلاں بات اِس طرح ہے تو وہ یقین کرلے گا مگر ایک تعلیم یافتہ شخص جب تک پڑھ کر سمجھ نہ لے۔

اگر ہم دنیا کی ترقی یافتہ قوموں پر نظر ڈالیں تو ہمیں اِس حقیقت کا پتا چلے گا کہ اِن قوموں نے اپنے ترقیاتی مراحل تعلیم ہی کے ذریعے ہی طے کیے۔ یعنی وہ لوگ جتنا جدید علوم وفنون سے واقف ہوتے گئے۔ ترقی کی منزلیں طے کرتے گئے۔

اگر ہم دنیا کی پچھڑی ہوئی قوموں کا تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان قوموں میں تعلیم کا زبردست فقدان ہے۔ کیونکہ تعلیم ہی ایک ایسی روشنی ہے جو انسان کو کامیابی وکامرانی کا راستہ دکھاتی ہے۔

نوشاد عارف نواز، ڈمریا محلہ، ریل پار، آسنسول۔ بردوان۔ مغربی بنگال

وہ باتیں پُرانی

ایک دن ہمارے بھیّا نے ہمیں کولمبس کی کہانی سنائی تھی کہ کولمبس جنیوا کا رہنے والا تھا۔ اس نے سوچا ”اگر مغرب میں چلتے جائیں تو زمین گول ہونے کے باعث مشرق میں ہندستان پہنچا جا سکتا ہے۔“ اس خیال کو اُس نے پرتگال کے بادشاہ کے سامنے ظاہر کیا اور مدد چاہی۔“ بادشاہ نے مدد نہیں کی۔ لیکن اسپین کی ملکہ نے تین جہاز اور اٹھاسی ملاح دے دیے۔ کولمبس نے سفر شروع کیا۔ سفر سفر ملاح مسلسل سفر سے اکتا گئے ملاحوں نے بغاوت کر دی۔ اسی رات کولمبس کو قتل کرنے کا پلان بنایا لیکن اسی رات کو اچانک کچھ دوری پر روشنی نظر آئی اور بالآخر وہ خشکی پر اتر گئے۔ یہ براعظم امریکہ تھا۔ لیکن کولمبس اس براعظم کو ہندستان سمجھا تھا اسی لیے وہاں کے آدمیوں کو ریڈ انڈین (لال بھارتی) کا نام دیا۔

مظفر علی بیگ
ذاکر نگر ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵۔

تاریخ کے آئینے میں

شاہ فیصل عالمِ اسلام کی ایک نامور شخصیت تھے ۔ انھوں نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو متحد و منظم کرنے کی بہت کوشش کی ۔ لیکن مارچ ۷۵ میں اُن کو اُن کے بھتیجے نے شہید کر دیا ۔

۱۴ اپریل ۱۹۰۶ :۔ ریاض میں پیدا ہوئے ۔
۱۹۲۰ :۔ حجاز کے گورنر منتخب ہوئے ۔
۱۹۳۰ :۔ وزیرِ خارجہ مقرر ہوئے ۔
۱۹۳۵ :۔ مجلسِ شوریٰ کے سربراہ مقرر ہوئے ۔
۱۹۵۸ :۔ وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوئے ۔
۲ نومبر ۱۹۶۴ :۔ سعودی عرب کے سربراہ مقرر ہوئے ۔
مارچ ۱۹۶۵ :۔ شاہ خالد (خالد بن عبدالعزیز) کو ولی عہد نامزد کیا ۔
دسمبر ۱۹۶۵ :۔ ایران کا دورہ کیا ۔
جون ۱۹۶۷ :۔ عرب اسرائیل جنگ میں عرب ممالک کی امداد کی ۔
۱۹۷۰ :۔ مسلم وزرائے خزانہ کی پہلی کانفرنس جدہ میں منعقد کی ۔
۱۹۷۳ :۔ مغربی ممالک کے خلاف تیل کو موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ۔
جنوری ۱۹۷۵ :۔ پاکستان میں زلزلے سے متاثر ہونے والوں کی امداد کی ۔

(بہ شکریہ ۔ ماہنامہ پاکستان)

مقصود اختر
اخوان المسلمین نائٹ اسکول ڈومن پورہ مئو (یوپی)

بکھرے ہوئے پھول

▲ تم اپنی جانوں سے محاسبہ کر لو اس وقت سے پہلے جب کہ تمھارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود وزن کر لو اس سے پہلے جب کہ ترازو میں وہ اعمال رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لیے تیار رہو جب کہ تمھیں اس احکم الحاکمین کی عدالتِ عالیہ میں پیش کیا جائے گا جس پر تمھارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ (حضرت عمرؓ)

▲ جب تم کوئی فیصلہ کرنے لگو یا مال تقسیم کرنے لگو یا جب کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس وقت تم اللہ کو یاد کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ (سلمان فارسیؓ)

▲ توبہ کی تکلیف سے گناہ کا ترک کر دینا زیادہ آسان ہے (حضرت عمرؓ)

جب تک تیرا کلام تیرے مُنہ میں ہے تیرا اسیر ہے جب مُنہ سے نکل گیا تو پھر اس کا اسیر ہے۔ (صدیق اکبرؓ)

▲ اللہ کے ذکر کو سب باتوں پر شرف حاصل ہے (ارشاد رسولؐ)

▲ عمل کا انحصار انجام پر ہے (ارشاد رسولؐ)

▲ جو نقصان پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دیتا ہے (ارشاد رسولؐ)

▲ جب کسی بھائی سے ہاتھا پائی ہو جائے تو چہرے پر نہ مارو۔ (حدیث)

▲ مومن اپنے ہمسایہ کے بغیر پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتا (ارشاد نبویؐ)

▲ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے (حدیث)

▲ جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔ (ارشاد نبویؐ)
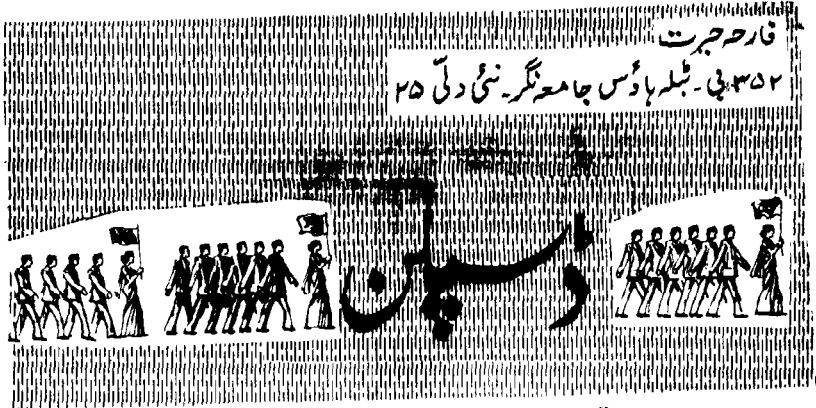
سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ ڈسپلن کیا ہے؟ ڈسپلن کا مطلب ہے کہ انسان اپنی زندگی میں کچھ ضابطوں اور تقاضوں کا پابند ہو۔ ان ضابطوں اور قانون کو پورا کرنے کے عمل کو ڈسپلن کہتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ انسان کسی ضابطے یا قانون کو پورا کرنے کے لیے کیوں کوئی تکلیف جھیلے اور کیوں کوئی نقصان اٹھائے تو میں یہاں یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ ہم اس وقت تک کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اس کی قیمت ادا نہ کریں۔ اب قیمت ادا کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم روپے یا پیسے دے کر وہ چیز خریدیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم جو چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں اس چیز کو حاصل کرنے کے جو ضوابط اور قوانین ہیں انھیں پورا کریں۔

مثلاً ہم لوگ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اب تعلیم ایسی کوئی چیز نہیں کہ جسے بازار سے خرید لاؤ اور دماغ میں رکھ لو بلکہ تعلیم یا علم حاصل کرنے کے لیے ہم جو محنت کرتے ہیں وہی اس کی قیمت ہے۔ ہم اپنی عمر کا ایک لمبا عرصہ تعلیم حاصل کرنے میں گزارتے ہیں ایسا ہم کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ہم کچھ بننا چاہتے ہیں آپ ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں۔ کوئی انجینیئر کوئی ٹیچر اور پروفیسر۔ اب یہ سب تو سب کو تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب ہم سب اپنے آپ کچھ ضوابط اور قانون کا پابند کر لیں جیسے اسکول سے آنے کے بعد اتنے بجے تک ہمیں آرام کرنا ہے۔ اتنے وقت

تک کھیلنا ہے۔ اتنا پڑھنا ہے اور باقی بچا ہوا وقت اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کے ساتھ بتانا ہے۔ اگر ہم یہ کرنے لگیں کہ شام کا وقت کھیل کود اور تفریح میں گزار دیں۔ رات کو دس گیارہ بجے پڑھنے بیٹھیں تو وہی وقت نیند کا ہے نیند کے جھونکے آ رہے ہیں اور ہم کتاب کھولے بیٹھے ہیں۔ یوں زبردستی پڑھتے ہیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ صبح الگ دیر سے آنکھ کھلتی ہے اور ظاہر سی بات ہے پھر اسکول دیر سے پہنچیں گے۔

یہی مسئلہ مذہب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈسپلن کو بہت پسند کرتا ہے اگر ہم اس ڈسپلن کو توڑ دیں تو گنہ گار ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر آپ فجر کی نماز میں بارہ رکعتیں اور ظہر کی نماز میں چار رکعتیں پڑھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑا۔ آپ نے عبادت تو کی مگر مذہب کے قانون وضوابط سے ہٹ کر اسی لیے آپ گنہگار ہوں گے۔

ہر چھوٹی سی چھوٹی بات جسے ہم اور آپ اکثر محسوس نہیں کرتے۔ ڈسپلن کی پابند ہوتی ہے جیسے کہ بڑوں کا ادب، استادوں کا احترام، چھوٹوں سے بات چیت کا طریقہ، اپنے برابر والوں سے ہنسی مذاق کا انداز۔ اگر آپ اپنے برابر والوں میں بزرگوں جیسی باتیں کریں اور بزرگوں سے برابر والوں جیسی بات تو یہ سب الٹا ہو جائے گا اور کسی کی نظروں میں آپ کی عزت نہیں ہوگی۔

طالب علم کے لیے تو ڈسپلن کا پابند ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ پڑھائی میں اچھا ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ استادوں کا ادب، چھوٹے ساتھی۔ اسکول کے ورکرس کے ساتھ برتاؤ اسکول کے سامان کی حفاظت وغیرہ۔ باتوں پر دھیان دینا چاہیے۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ڈسپلن کی انسان کی زندگی میں کتنی زیادہ اہمیت ہے اگر آپ ڈسپلن کے پابند نہیں ہیں تو جلد پابندی شروع کیجیے۔ ڈسپلن کے بغیر انسان اتنا ہی ادھورا ہے جتنی بغیر دودھ شکر کے چائے!

نیک بادشاہ

خطیب محمد اسلم ہاشمی اشرفی
۱۴/۳۳ خطیب منزل خطیب پورہ، ادونی ۵۱۸۳۰۱

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت بہت بڑی تھی۔ شاہی محل، غلام، درباری، وزیر کیا کچھ نہ تھا۔ بادشاہ بڑا نیک اور سخی تھا۔ اس کی سلطنت میں ایک مولوی صاحب تھے۔ بادشاہ اُن کی بہت عزت کرتا تھا وہ اکثر بادشاہ کے محل آیا جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بادشاہ، مولوی صاحب کو اپنے محل میں لے آیا اور سارے محل کی سیر کرائی۔ چند روز بعد مولوی صاحب اپنے گھر واپس آ گئے۔ بادشاہ کے محل اور اُس کی عظمت حشمت کو دیکھ کر اُن کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ دوسرے روز وہ بادشاہ کے محل گئے اور کہنے لگے اے امیر المومنین آپ ایک دن کے لیے تخت سے اُتر جائیے۔ صرف میں ایک دن کو بادشاہ بننا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے مولوی صاحب کی بات سن کر کہا۔ آپ میرا فرض ادا نہ کر سکیں گے۔ اگر آپ ایک دن کے لیے بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو آئیے میرے ساتھ تخت پر بیٹھ جائیے مولوی صاحب تخت پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے کہا دیکھیے! چھت پر جو ایک تیز تلوار لٹک رہی ہے وہ باریک ڈوری سے باندھی گئی ہے۔ اس تخت پر بیٹھنے کے بعد آپ اگر انصاف نہ کر سکے تو یہ تلوار سیدھی آپ کے سر پر آ پڑے گی۔ مولوی صاحب اوپر دیکھنے لگے تلوار لٹک رہی تھی۔ اسی وقت مولوی صاحب تخت سے اُتر پڑے اور اپنے گھر کی راہ لی۔

وی نثار احمد
۲/۶۶ نیا گوند پورہ دہلی ۵۱

تاریخی معلومات

وزیر اعظم :۔ بغداد کے خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر اعظم یحیٰ برمکی بارہ سال تک روزانہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے گزرتا اور ہر روز وہ ۱۰۰۵ اجنبی لوگوں کی طرف ان کی ضروریات جانے بغیر چاندی کے سکوں سے بھری تھیلیاں اچھال دیتا تھا اس طرح ۷۸۶ء سے ۷۹۸ء تک اس نے دو کروڑ چالیس لاکھ ڈالر جو آج کل دو ارب پچاس کروڑ ڈالر کے برابر ہوتے ہیں بانٹ دیے۔

خطرناک اولوں کی بارش :۔ ۳۰ اپریل ۱۸۸۸ء کو مراد آباد میں بال کے برابر گول شکل میں اولوں کی بارش ہوئی تھی جس میں ۲۳۰ آدمی مارے گئے تھے۔

انوکھی جھیل :۔ تبت کی ارونسو ARUTSO جھیل کا پانی ہر ۱۲ سال کے بعد باری باری میٹھے اور کھاری پانی میں بدلتا رہتا ہے۔

رقیہ جمال
حبیب کتاب گھر ۔ سنگھ محلہ ۔ بھدرک ۷۵۶۱۰۰

میرے پسندیدہ اشعار

تو کبھی درد کبھی شعلہ کبھی شبنم ہے
تجھ کو کس نام سے اے زیست پکارا جائے

سمٹے جو ہم تو ذات کا آزار ہو گئے
پھیلے جو کائنات کا اظہار ہو گئے

بلائیں گے مولا مدینے میں ایک دن
تسلی میں دل کو دیے جا رہی ہوں

محمد شکیل راونت ۔ مالیر کوٹلہ

۱۔ حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ (قرآن پاک)

۲۔ بزرگوں کی خدمت کرنے والوں کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں ۔
(حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ دولت فرعون و قارون کا ورثہ ہے اور علم انبیاء کرام کی میراث ہے ۔
(حضرت علیؓ)

۴۔ گفتگو میں اختصار سے کام لو طویل کلامی ذہنوں کو برباد کر دیتی ہے ۔
(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

۵۔ نہ تمھاری محبت حد سے تجاوز کرے نہ نفرت حد سے آگے بڑھے ۔ (حضرت عمرؓ)

۶۔ حریص اور حاسد کبھی چین نہیں پاتے ۔
(رابعہؒ بصری)

۷۔ برائی سے بچنے کا نام نیکی نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ بدی کی خواہش تک انسان کے دل میں پیدا نہ ہو (برناڈ شا)

۸۔ جو شخص برے کام کرنے سے ڈرتا ہے وہ سب سے زیادہ بہادر ہے (جانسن)

۹۔ تم اوروں سے محبت کرو لیکن محبت کو زنجیر نہ بناؤ۔ (خلیل جبران)

محمد ناظم الدین رضا
پائی پورہ امراوتی

میرے پسندیدہ اشعار

(۱)

روزِ اول کی زینت محمدؐ سے ہے
شامِ آخر کی رنگت محمدؐ سے ہے
بوئے گل ہو کہ حسنِ بہارِ چمن
ہر کلی کی لطافت محمدؐ سے ہے

(۲)

پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے
بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے

(۳)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

[illegible] حیدرآباد

پیاری بچیوں کے لیے

پکوان کی ترکیب

۱۔ ناریل کی مٹھائی

ناریل چار عدد۔ شکر ایک کلو۔ دودھ دو پیالی
گھی مسکہ سوا سو گرام۔

ترکیب:۔ پہلے ناریل کا پانی نکال کر کالا چھلکا نکال دیں۔ ناریل کے باریک ٹکڑے کر کے مکسی یا سل پر باریک پیس لیں۔ پھر دودھ۔ گھی اور شکر ملا کر بگونے میں ڈال کر (دیگونا المونیم کا رہے ورنہ اسٹیل میں داغ لگنے کا ڈر رہتا ہے) چولھے پر چڑھا دیں اور کفگیر چلاتے رہیں جب خشک ہو جائے تو مشقاب میں نکال کر پھیلا دیں۔ دوسرے دن جم جانے کے بعد لوزین کاٹ لیں۔

۲۔ گاجر کا میٹھا

گاجر ۲ کلو۔ دودھ ڈیڑھ کلو۔
شکر ایک کلو۔ گھی آدھا کلو۔

ترکیب:۔ گاجر چھیل کر بورے گنش پر گھس گھس لیں۔ پھر اس کو دودھ میں ڈال کر گلنے تک ابالیں جب دودھ خشک ہو جائے تو گھی ڈال کر بھونیں جب بھن کر سرخ ہو جائے تو شکر ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر شکر گھلنے تک پکائیں جب خشک ہو جائے تو کسی برتن میں نکال لیں۔ میٹھا تیار ہے پھر مزے لے کر کھائیں اور کھاتے وقت ہم کو ضرور یاد کر لیں۔

دلشاد احمد سعید
سپر الیکٹرک ورکس۔ جامع مسجد دیوبند

(۱) جس پر نصیحت اثر نہ کرے اس کا دل ایمان سے خالی ہے
(۲) اللہ سے ڈرو اور اس شخص سے ڈرو جو اللہ سے ڈرتا ہے
(۳) اگر تو گناہ پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔
(۴) محبت ان سے رکھو جو نیکی کر کے فراموش کر دیتے ہیں۔

▲ ڈاکٹر: مریض سے فیس لائیے
مریض: حضور میں غریب آدمی ہوں، فیس تو میرے پاس نہیں، البتہ کبھی نہ کبھی آپ کے کام آؤں گا۔
ڈاکٹر: ۔ تم کیا کام کرتے ہو۔
مریض: میں قبر کھودتا ہوں آپ کی قبر مفت کھود دوں گا۔

▲ ماسٹر صاحب: بتلاؤ اگر بارش نہیں ہوئی تو زیادہ نقصان کس کا ہوگا؟
یوسف: جناب ہمارے والد کا کیوں کہ ان کی چھتریوں کی دکان ہے۔

▲ ایک بہرہ: کیا آپ دہلی جا رہے ہیں؟
دوسرا بہرہ: نہیں جناب میں دہلی جا رہا ہوں۔
پہلا بولا اچھا! میں سمجھا آپ دہلی جا رہے ہو۔

(عبدالغنی وسینگری)

▲ بیوی: (شوہر سے) میرا بیٹا مجھے ماں کہ کر نہیں پکارتا۔
شوہر: ۔ میں اس کی ایسی پٹائی کروں گا کہ اس کا باپ کبھی ماں کہ کر پکارے گا۔

▲ ہوٹل کا مالک: ارے! تم چمچے کیوں دھو رہے ہو؟ یہ تمہارا کام نہیں۔
گاہک: لیکن میں اپنی جیب خراب کرنا نہیں چاہتا۔

(محمد فیروز احمد آبادی)

▲ ایک آدمی ایک کویں کے اوپر بیٹھا تھا۔ اور کہ رہا تھا ۲۵۔ ۲۵۔ ایک آدمی ادھر سے گزرتا ہے اور پوچھتا ہے بھائی اس کے آگے بھی تو گنتی ہے ۲۶، ۲۷، ۲۸ وغیرہ۔ تم پچیس پچیس کیوں کر رہے ہو وہ آدمی ۲۵، ۲۵ کہتا رہتا ہے۔ اس آدمی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور وہ کویں میں جھانک کر دیکھنے لگتا ہے۔ تبھی کویں پر بیٹھا آدمی اس کو کویں میں دھکا دے کر کہتا ہے ۲۶، ۲۶، ۲۶۔

▲ جج۔ مجرم سے تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔
مجرم: جج صاحب میں ۲ مہینے سے نہایا نہیں ہوں۔ (محمد جمیل بالو کھنڈوہ (ایم پی))

▲ ایک دیہاتی رات کو کہیں جا رہا تھا۔ اس نے کبھی ٹارچ نہیں دیکھا تھا کسی نے اس کے سامنے ٹارچ جلائی۔ دیہاتی نے کہا کہ بھائی صاحب آگ کو مت بجھائیے میں بیڑی سلگاؤں گا۔
(سید شمشاد حیدر۔ ضلع نالندہ)

محمد اسعد رحیم بخش شیخ

احمد آباد

لطیفے

۱۔ ٹیچر: (ساجد سے) بتاؤ ساجد پانچ اور پانچ کتنے ہوتے ہیں۔

ساجد: ماسٹر صاحب دس۔

ٹیچر: اور دس اور دس کتنے ہوتے ہیں۔

ساجد: ماسٹر صاحب۔ بیس۔

ٹیچر: تم تو کمال کے لڑکے ہو۔

ساجد: جناب میں کمال کا نہیں جمال کا لڑکا ہوں۔

۲۔ ڈاکٹر صاحب: (مریض سے) اب تم صحت یاب ہوگئے ہو تم اب جا سکتے ہو۔

مریض: نہیں ڈاکٹر صاحب میں نہیں جاؤں گا۔

ڈاکٹر صاحب: کیوں نہیں جاؤ گے۔

مریض: کیونکہ جس ٹرک سے میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اس پر لکھا تھا پھر ملیں گے۔

۳۔ استاد حساب پڑھا رہے تھے مشکل سوال تھا کہ ایک طالب علم نے استاد سے کہا انگریزی کے استاد ہم سب سے انگریزی میں بات کرتے ہیں۔ ہندی کے استاد ہندی میں مگر آپ ہمارے ساتھ حساب میں بات کیوں نہیں کرتے اتنے میں گھنٹی بج گئی اور استاد نے مسکراتے ہوئے کہا "تو دو گیارہ ہو جاؤ۔"

ایک شخص نے جنڈول (ایک چڑیا جس کے سر پر کلغی کی طرح ابھار ہوتا ہے) کا شکار کیا۔ اس نے کہا تو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ شکاری نے کہا میں تجھے ذبح کر کے کھاؤں گا۔ اس نے کہا نہ میں کسی مرض کا علاج ہوں اور نہ اپنے تھوڑے گوشت سے کسی کا پیٹ بھر سکتی ہوں لیکن تجھے حکمت کے ایسے کلمات سکھا سکتی ہوں جو میرے کھانے سے زیادہ تجھے نفع دیں گے ان میں سے ایک تو ابھی تیرے ہاتھ پر سکھا دوں گی اور دوسرا درخت پر اور تیسرا پہاڑ پر جا کر۔

شکاری نے کہا پہلا بیان کیا ہے۔ چڑیا نے کہا جو چیز تیرے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر کبھی افسوس نہ کرنا۔ جب وہ درخت پر پہنچ گئی تو شکاری نے کہا کہ اب دوسری بات بیان کر۔ تو اس نے کہا نہ ہونے والی بات کا کبھی یقین نہ کرنا۔ جب وہ پہاڑ پر پہنچ گئی تو بولی کہ او بدنصیب تو مجھے ذبح کرتا تو میرے پیٹ میں سے ایسے دو موتی نکلتے جن میں سے ہر ایک کا وزن بیس مثقال ہے یعنی تقریباً ساڑھے سات تولہ۔

یہ سن کر شکاری اپنے ہونٹ چبانے لگا اور متاسف ہوا۔ پھر شکاری نے کہا اچھا وہ تیسری بات بیان کر تو اس نے کہا تو نے پچھلی دو یاد نہیں تو ابھی بھلا دیں اب تیسری کیا کہوں کیا میں نے تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس پر افسوس نہ کرنا اور نہ ہونے والی بات کا یقین نہ کرنا۔ میں اور میرا پر سب مل کر بھی بیس مثقال نہیں ہو سکتے تو تو نے اس کا یقین بھی کر لیا اور ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر افسوس بھی کیا۔ یہ کہہ کر اڑ کر چلی گئی۔

کی نظر ایک پیپل تلے بیٹھے چند فقیروں پر پڑی وہ بڑی عقیدت سے ان کے قریب آیا۔ دیکھا کہ دو مست فقیر وظیفہ میں محو ہیں اور ایک آدمی ان کے قدموں پر جھکا ہوا ہے... بابا... بابا... مجھے سب کچھ مل گیا... میری تمنا پوری ہو گئی..... بابا آپ عظیم ہیں...!!

طارق نے حیرت سے اُس شخص سے پوچھا "کیوں صاحب آپ کو کیا مل گیا؟" "بھائی مجھے سکون مل گیا" اُس شخص نے عاجزی سے جواب دیا... "کیا یہ مجھے بھی مل سکتا ہے؟" طارق نے اُس شخص سے پوچھا "کیوں نہیں! بس بابا کے قدموں پر سر رکھ دو... یہ کسی کو مایوس نہیں لوٹاتے" اور پھر طارق کا سر جھکتا چلا گیا۔

بابا گویا ہوئے "بیٹے تمھاری عقیدت دیکھ کر ہم بہت خوش ہوئے ... ہم تمھیں وہ سب دیں گے جو آج تک ہم نے کسی کو نہیں دیا..." وہ سامنے جو نیم کا درخت دیکھ رہے ہو۔ وہاں تک تم دونوں آنکھیں بند کر کے جاؤ... دیکھو آنکھیں مت کھولنا ورنہ تم خدا کی رحمت سے محروم رہ جاؤ گے اور سنو اپنے ساتھ کوئی بھی قیمتی چیز مت لے جاؤ سب نکال کر الگ رکھ دو"

طارق نے ایسا ہی کیا اس نے اپنی کلائی سے امپورٹیڈ قیمتی گھڑی، گلے سے سونے کی چین اور جیب میں جو کچھ نقد تھا وہ... اپنی سائیکل، سبھی بابا کے قدموں پر ڈال دیا اور دونوں آنکھیں موند لیں۔ پھر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا اسی طرف چل پڑا جدھر بابا نے اشارہ کیا تھا۔ غالباً ۵ منٹ میں وہ اس درخت کے پاس پہنچا... اپنی آنکھیں کھولیں اور پھر جیسے ہی وہ واپسی کے لیے پلٹا اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے بڑے زور سے اس کا دل مسل دیا ہو۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا اس پیپل کے نیچے گیا جہاں بابا بیٹھے تھے لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا... کوئی بھی نہیں۔!!

درخت پر بیٹھے چند کوّے کائیں کائیں کر رہے تھے۔ طارق کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی سادگی کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

محمد سنگیت پریم زخمی
رمضان پور ضلع مونگیر ٨١١٢٠١ (بہار)

ہندستان کی مختلف ریاستوں کی راجدھانیوں کے نام

ریاست کا نام	راجدھانی کا نام
مغربی بنگال	کلکتہ
بہار	پٹنہ
پنجاب	چندی گڑھ
آندھرا پردیش	حیدر آباد
مدھیہ پردیش	بھوپال
ہماچل پردیش	شملہ
اتر پردیش	لکھنؤ
تامل ناڈو	مدراس
کرناٹک	بنگلور
جموں و کشمیر	سری نگر
تری پورہ	اگرتلہ
مہاراشٹر	بمبئی
منی پور	امپھال
گجرات	احمد آباد
کیرالا	تری وندرم
[illegible]	گنگٹوک
[illegible]	کوہیما
راجستھان	جے پور
آسام	گوہاٹی

محمد توحید دلکش
٣ سید صالح لین کلکتہ ٧٣

کیا آپ جانتے ہیں

- بغیر پھول کا درخت برگد ہے۔
- سب سے جلدی بڑھنے والے درخت کا نام بانس ہے۔
- منٹ منٹ میں بخار میں مبتلا ہونے والا جانور ریچھ ہے۔
- آٹھ آنکھیں اور آٹھ پر والا جانور مکڑا ہے۔
- سب سے بڑا اور لمبا جانور نیل وھیل ہے۔
- ہندستان کا عظیم ترین راجا اشوک اعظم ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا شہر ٹوکیو (جاپان) ہے۔
- سب سے زیادہ قابل استعمال پھل کیلا ہے۔
- دنیا کی سب سے تیز رفتار ٹرین ٹی۔جی۔وی فرانس [illegible]
- دنیا میں سب سے زیادہ چاندی پیدا کرنے والا ریاست میکسیکو (امریکہ) ہے۔
- دنیا کی سب سے گہری نہر [illegible]
- دنیا کا قدیم ترین شہر دمشق ہے۔
- دنیا کا سب سے [illegible]

کسی زمانے میں ایک نہایت رحم دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ بادشاہ کے صرف ایک ہی اولاد تھی۔ ایک خوبصورت شہزادہ! شہزادہ بڑے لاڈ پیار سے پالا گیا۔ اسے تیر اندازی کی عمدہ تعلیم دی۔ شکار کھیلنے کے علاوہ شہزادے کو خوبصورت قالین اور چٹائیاں بُننے کا خاص شوق تھا۔ بادشاہ نے اس شوق کی ترقی کے لیے ملک کے اعلا دست کاروں کو راجدھانی میں بلوا لیا تھا اور وہ شہزادے کو نئے نئے گُن سکھاتے تھے۔

ایک روز اس کی ملاقات ایک چرواہے کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ لڑکی ایک پیڑ کے نیچے تنہا بیٹھی جنگلی گھاس پھوس اور پھولوں سے ایک خوش نما چٹائی بُن رہی تھی۔ شہزادہ اس کی مہارت سے بہت خوش ہوا۔ اپنے تعارف کروانے کے بعد اس نے لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ لڑکی نے یہ شرط رکھی کہ وہ اس نوجوان سے ہی شادی کرے گی جو اس سے خوبصورت چٹائی بُن سکتا ہو۔ شہزادہ دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے محل لوٹ آیا۔

دوسرے روز وہ اپنے تیار کیے ہوئے چٹائیوں کے کچھ نمونے لے کر لڑکی سے ملنے گیا۔ لڑکی شہزادے کے ہنر کو دیکھ کر سکتے میں آ گئی۔ اس نے سب سے پہلے اس نے شہزادے سے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا۔

شہزادے کی درخواست پر رحم دل بادشاہ بھی اس کی شادی کر دینے

[illegible] پورا ختم ہو گیا۔ شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی اور دونوں محل میں خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک دن شکار کھیلتے کھیلتے شام ہو گئی۔ شہزادہ بھٹک کر ایک نئی جگہ پہنچ گیا جہاں کچھ آدم خوروں نے اسے گھیر لیا اور زنجیروں میں جکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ شہزادہ کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ آدم خوروں کے درمیان پھنس گیا ہے۔ بڑے بڑے ڈھولوں کی تھاپ پر ناچتے ہوئے آدم خور رک گئے۔ شہزادے کو ایک پیڑ سے باندھ دیا گیا۔ اور اس کا گوشت بھوننے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ شہزادہ کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے شہزادے کو قریب بلا کر کہا کہ وہ مرنے سے پہلے وہ ان لوگوں کا کچھ اور بھلا کر سکتا ہے۔ رات بھر کی مہلت ملنے پر وہ ایک خوبصورت چٹائی بُن سکتا ہے۔ یہ چٹائی بادشاہ کے محل میں بیچی جا سکتی ہے۔ وہ فوراً راضی ہو گئے۔ رات بھر میں شہزادے نے چٹائی بُن لی اور صبح ایک آدم خور بھیس بدل کر اسے بادشاہ کے پاس بیچنے گیا۔ بیٹے کی جدائی میں بیزار بادشاہ نے چٹائی اندر بھجوا دی۔ چٹائی دیکھتے ہی اس کی بیگم خوشی سے ناچ اٹھی۔ شہزادے نے چٹائی کی بناوٹ میں اپنی ساری پریشانی بیان کر دی تھی اور پتا بھی لکھا تھا۔

آن کی آن میں بادشاہ کی فوجیں آدم خوروں پر ٹوٹ پڑیں اور دم بھر میں سارے آدم خور موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ شہزادہ خوشی خوشی واپس آیا اور سکھ چین کی زندگی گزارنے لگا۔

پیارے بچو! دیکھا آپ نے دستکاری کا جادو۔

محمد زاہد حبیب احمد آباد ۳۸۰۰۱۸

لطیفہ :-

ایک موٹا آدمی ہاتھی پر سوار ہو کر گزر رہا تھا۔

موٹا آدمی :- اس طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو کیا کبھی موٹا آدمی نہیں دیکھا [illegible]

[illegible] ہاتھی کو دیکھ کر [illegible] ایسا ہاتھی کا بچہ کبھی نہیں دیکھا۔

عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں
تالیف
انور خاں
ایسی دلچسپ اور مزیدار کہانیوں کا
مجموعہ جو آپ نے کبھی نہیں پڑھی ہوں گی۔
قیمت ۶/۵۰
ظالم ڈاکو
(بچوں کا ناول)
ریاض احمد خاں
وہ ڈاکو واقعی بہت ظالم تھا، لیکن گاؤں کے
بچوں نے اپنی ذہانت سے اس کا کام تمام کردیا۔
کیسے؟ یہ تو کتاب پڑھ کر ہی معلوم ہوگا۔ قیمت ۶/:
ذرے کی کہانی
مہدی جعفر
"ایٹم" کا نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا لیکن اس کے بارے میں
آپ کو پوری معلومات نہیں ہوگی۔ مہدی جعفر صاحب نے آپ ہی کی
زبان میں ایٹم کی کہانی سنائی ہے۔ یہ دلچسپ بھی ہے اور معلومات
سے پُر بھی۔
قیمت ۲۱/:
بچوں کے لیے نیا ناول
پانچ جاسوس
آمنہ الرحمان محسنی
پانچ جاسوس بچوں اور ان کے عزیز کتے نے
سراغ رسانی کے کیسے کیسے کارنامے انجام دیے
پڑھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔
قیمت ۸/۵۰
دماغین
خون صفا
شرارت
حسین حسان ندوی
شرارت کون نہیں کرتا لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ جانوروں
کے بچے آپ سے بھی زیادہ شریر ہوتے ہیں؟ اگر نہیں
معلوم تو یہ کہانی ضرور پڑھیے۔
قیمت ۲/:

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جبرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
انانا صبح	۲/۰۰
...کے افسر	۵/۰۰
...چوٹی پر	۵/۰۰
...کی بستی	۳/۵۰
رخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/—
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
...ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/—
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰

کتاب	قیمت
آؤ وضو کیا کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کرنہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/—
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/—
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۲/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
ملا دوانا پردیس چلے	۱/۵۰
پپو جپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰
اردو خوشخطی اول	۱/۵۰
اردو خوشخطی دوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی سوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی چہارم	۲/۵۰

کتاب	قیمت
ریڈیونیچر	۲/۵۰
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ہمارے محاورے	۸/۵۰
کہاوتیں اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	۶ ۰۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چٹانوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۴/۰۰
جل مرغابی	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
میاں ڈھینچوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵
ایک کچوری تیل میں	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/—
پہیلیاں	—/۸۰
جھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اوّل، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چڑیاں	۳/—
ہمارا دین اوّل	۷/—
تیار رہو	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں اوّل	۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postag

Regd. No. D(SE)-043 May, 1988

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No.10537/64

جون ۱۹۸۸ء جلد ۷۶ شمارہ ۶

قیمت فی پرچہ : 3/50 سالانہ : 30/=
غیر ممالک سے : 65/= روپے
بذریعہ ہوائی جہاز : 200 روپے

ایڈیٹر : شاہد علی خاں
[illegible] مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

بچوں سے باتیں

آپ کو اور آپ کے بزرگوں کو عید مبارک

"بچوں کی کوششیں نمبر" نے تو واقعی ہلچل مچا دی۔ کیا پیامی، کیا بزرگ پیامی سب ہی نے اس کی تمام کمزوریوں کے باوجود اسے بے حد پسند کیا۔ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ ہمارے حوصلے بڑھے۔ اب ہم خطوط نمبر کی تیاری کر رہے ہیں آپ بھی کاغذ قلم لے کر میدان میں آجایئے 'خطوط نمبر' میں آپ اپنے دوست، استاد، والدین وزیر، وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم، صدر اور نائب صدر جمہوریہ ہند جس کو چاہیں خط لکھ سکتے ہیں لیکن دیکھیے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ جائے۔ بس!

• "بچوں کی کوششیں نمبر" کے مضامین، کہانیوں اور نظموں پر انعامات کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جیسے ہی اس کمیٹی نے اپنا فیصلہ سنایا، ہم انعامات کا اعلان کر دیں گے۔ تھوڑا انتظار کیجیے۔

ہماری خواہش پر محمد شعیب انصاری اور شبلہ بانو، جامعہ نگر نئی دہلی اور سلیمان اختر نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے پیامی برادری کی شاخ قائم کر دی اس کا باقاعدہ افتتاح ۲۰ مئی ۸۸ کو ہوگا۔ آپ بھی اپنے محلے میں پیامی برادری کی شاخ قائم کیجیے اور اپنے دوستوں کو مستقل خریدار بنایئے۔

[illegible] جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

ننھے تارے

مھدی پرتاپ گڑھی
پرتاپ گڑھ - یوپی

ننھے منّے پیارے پیارے
بکھرے ہیں آکاش میں تارے
کتنے سندر، کتنے نیارے
چمک رہے ہیں سارے کے سارے
آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں
جیسے فلک پہ جگنو پیارے
ان میں کچھ خود سے روشن ہیں
کچھ کی چمک سورج کے سہارے
ہے یہ تمنّا ہم بچّوں کی
کھیلیں یہ بھی ساتھ ہمارے
دھرتی پر بھی اچھلیں کودیں
کوئی انھیں گردوں سے اتارے
اپنا چہرہ دیکھ رہے ہیں
دریا میں سارے ہی ستارے
سیّاروں سے فلک کی زینت
ہم بھی ماں کی آنکھ کے تارے

سطوت رسول
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵

شفق رنگ پھولوں میں آئی بہار
چمن میں کھلا ہر طرف لالہ زار
پرندے ہوئے آشیانوں میں خوش
ہیں انسان اپنے مکانوں میں خوش
ہر اک شاخ پر لہلہانے لگے
شگوفے نیا رنگ لانے لگے
جدھر دیکھیے آگئی ہے بہار
نئی زندگی اور نیا ہے خمار
وہ کھیتوں میں فصلیں لہکنے لگیں
بنوں میں بھی چڑیاں چہکنے لگیں
وہ جنگل میں خوش ہو کے ناچے ہیں مور
پپیہے کی پی پی، وہ کوئل کا شور
غرض ہر طرف اک نئی دھوم ہے
کلی شاخ پر کتنی معصوم ہے

مصنف: ڈاکٹر وکرم بھٹ
مترجم: محمد یوسف کھتری

دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام

بھادو پور نامی گانو میں ایک مہاجن رہتا تھا۔ وہ بہت امیر تھا۔ لیکن تھا بہت ہی کنجوس۔ کنجوس بھی اتنا کہ کسی کو ایک دانہ تک نہ دیتا۔ ارے دانہ تو دانہ.... کسی پیاسے کو پانی تک نہ پلاتا۔

سردیوں کے دن تھے۔ مہاجن اپنی دکان کے برآمدے میں بیٹھا چنے چبا رہا تھا اتنے میں وہاں سے ایک سادھو کا گزر ہوا۔ دکان کے برآمدے میں مہاجن کو بیٹھا دیکھ کر سادھو کے دل میں یہ خیال آیا کہ لاؤ میں مہاجن کے پاس جاؤں۔ اس کے دل میں دیا ہوگی تو مجھے کچھ نہ کچھ دے ہی دے گا۔ اسی امید کے ساتھ سادھو مہاجن کے پاس گیا۔

سادھو نے کہا: "سیٹھ جی! پربھو کے نام پر کچھ دے دو۔ میں کل سے بھوکا ہوں۔ پربھو تمہارا بھلا کرے گا۔"

سادھو کو کچھ دینا پڑے گا اس لیے مہاجن نے غصّے سے کہا: "ابے تو آگے بڑھ۔ مضبوط اور توانا جسم ہے تیرا۔ جا کر مزدوری کر۔ بھیک مانگتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔"

مہاجن کی باتیں سن کر سادھو نے کہا: "سیٹھ جی! زیادہ نہیں تو تھوڑے سے چنے کے دانے دو جو تم کھا رہے ہو۔ چنے کھا کر پانی پی لوں گا۔ بھوکے پیٹ پانی پینے سے جسم کو

نقصان پہنچتا ہے ۔ اس لیے براہ کرم تھوڑے چنے دے دو تو میں تمھارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

سادھو کی یہ باتیں سُن کر مہاجن کو اور غصّہ آگیا اور اُس نے سادھو کی بے عزّتی کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ چنے مُفت میں آئے ہیں جو تجھے دے دوں۔ ارے! اگر آج کھانے کے بعد بھی بچ جائیں گے تو کل کھاؤں گا ۔ کیا میں نے دوسروں کو مُفت دینے کے لیے یہ چنے خریدے ہیں؟"

سادھو نے کہا: "ارے مہاجن! اس طرح غصّہ نہ ہو۔ تمھارے نصیب میں جتنے چنے ہوں گے۔ اُتنے ہی کھا سکو گے ۔ ہر دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے ۔ جس دانے پر جس کا نام ہوگا وہ وہی کھائے گا۔"

سادھو کی باتیں سُن کر مہاجن کا پارہ چڑھ گیا اور وہ غصّے میں لال پیلا ہوگیا اور بولا: ابے مانگتا ہے بھیک اور اُس پر باتیں کرتا ہے بُدھی مانوں کی طرح ۔ دیکھ تو اگر دانشور ہے تو بتا کہ میرے پیالے میں جو دانے ہیں اُن پر کس کا نام لکھا ہے؟ ۔ تو میں یہ مان لوں گا کہ تو سچ بول رہا ہے اور تو واقعی ایک دانشور ہے۔"

مہاجن کی باتیں سُن کر سادھو ہنسا اور بولا: "تو سیٹھ جی! ٹھنڈے دل سے سُنیے۔ تمھارے پیالے کے دانوں پر سامنے والے درخت پر بیٹھے کبوتروں اور چڑیوں کا نام لکھا ہے۔ اور جو دانے تمھارے ہاتھ میں ہیں اُن پر ایک کوّے کا نام لکھا ہے۔"

سادھو کی باتیں سُن کر مہاجن غصّے سے بے قابو ہوگیا ۔ آدمی کا غصّہ جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو اس کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں ۔ عقل کے جاتے ہی وہ اپنی سُدھ بُدھ کھو بیٹھتا ہے اور ساتھ ہی اپنا وقار بھی۔ اور یہی حال بے چارے مہاجن کا ہوا غصّہ میں سُدھ بُدھ کھونے کے بعد بے چارہ مہاجن ایک پرندہ کے مانند ہوگیا۔

مہاجن غصّے میں اپنا وقار کھو چکا تھا اور ساتھ ہی عقل بھی ۔ اپنا سب کچھ بھول کر اُس نے کہا: "لے یہ سب دانے میں کھائے جاتا ہوں۔ پھر دیکھوں تیرے یہ کبوتر چڑیاں وغیرہ کو اکس طرح کھاتے ہیں۔"

مہاجن کی، بے وقوفی کی باتیں سُن کر سادھو ہنس پڑا ۔

مہاجن نے غصّہ میں اور بے صبری سے دانے اپنے منہ میں ڈالنا چاہا ۔ (جاری ہے)

ایک دانہ بجائے اس کے منہ کے اس کی ناک میں گھس گیا۔ اب مہاجن گھبرایا۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہونے لگی اور اس کے ساتھ ناک کی تکلیف۔ اسی گھبراہٹ اور ناک کی تکلیف میں پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آپڑا اور ہاتھ کے دانے بھی۔ اور سارے دانے زمین پر بکھر گئے۔ مہاجن اپنا توازن کھو بیٹھا۔ اور زمین پر آگرا۔ اس کے گرتے ہی آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ مہاجن کو قریب کے ایک سایہ دار درخت کے نیچے کھاٹ پر لٹا دیا گیا۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا گیا اور حکیم کو بلا لایا۔ حکیم نے آکر مہاجن کو دیکھا اور اس کی ناک سے وہ دانہ چمٹے کی مدد سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ وہاں قریب ہی ایک درخت پر بیٹھا کوّا اُڑ کر آیا وہ چنے کا دانہ اپنی چونچ میں دبا کر اُڑا اور دکان کے برآمدے میں بیٹھ کر کھانے لگا۔ اُدھر...... زمین پر بکھرے چنے کے دانے دیکھ کر کبوتر اور چڑیاں وہاں آگئیں اور دانے چگنے لگیں...... یہ منظر دیکھ کر سادھو نے مہاجن سے کہا، "کیوں سیٹھ جی! یہ منظر دیکھ رہے ہو نا ــــ؟ جس کے نصیب میں چنے کے دانے لکھے تھے وہ کھا رہے ہیں نا!"

سادھو کی بات سن کر مہاجن نے لیٹے ہی لیٹے زمین کی طرف دیکھا کبوتر اور چڑیاں دانے چگ رہی ہیں اور سامنے نظر کی تو کوّا برآمدے میں بیٹھا دانہ کھا رہا ہے ــ یہ منظر دیکھ کر وہ اپنی بھول اور غرور پر پشیمان ہوا۔ اُس نے سادھو سے معافی مانگتے ہوئے کہا: ــــ

"سادھو مہاراج! مجھ سے بھول ہو گئی ... میں اپنے غصّے اور غرور کی وجہ سے اپنی عقل کھو بیٹھا ــــ معاف کرنا ــــ اور مہربانی کر کے میرے گھر چلو اور کھانا کھاؤ اور پھر یاترا پر جاؤ ــ تمہاری سب باتیں بالکل صحیح اور سچ ہیں کہ جس کے نصیب میں جو ہوتا ہے وہ اسے ملتا ہے۔

اتنا کہہ کر مہاجن اپنے ساتھ سادھو کو گھر لے گیا اور بڑی عزت دی۔ اور بڑی محبت سے اسے کھلایا ــــ اور انھیں کچھ روپے دے کر رخصت کیا ــــ

بچو! کبھی غصّہ اور غرور نہ کرو ــ اور ہمیشہ یاد رکھو کہ "دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام"۔

بشکریہ

بمبئی سماچار۔ بمبئی

چالاک موچی

عظیم رازق شیخ
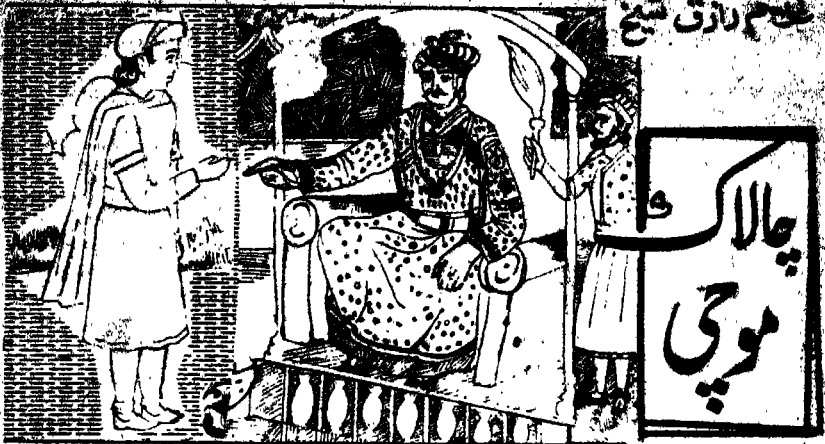
ایک دن موچی بازار جاکر ایک سپاہی کی وردی اور ایک تلوار خرید لایا۔ گھر آکر اس نے سپاہی کا لباس پہنا اور تلوار کمر میں اڑس کر ایک دوسرے شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے ایک پہاڑ پر اس نے ایک بادشاہ کا محل بنا ہوا دیکھا۔ وہ فوراً محل کی سمت چل پڑا۔

محل میں داخل ہوکر اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت سے کہو کہ ان کی خدمت میں ایک امیرزادہ حاضر ہونا چاہتا ہے۔ جب بادشاہ سلامت نے اُسے بلوایا تو اس نے بادشاہ سے عرض کی "حضور میں بہت دُور ایک ریاست سے آیا ہوں میں نے جنگ میں ایک ساتھ چار سو دُشمنوں کو جان سے مار دیا تھا اور قریب تین سو زخمی ہوگئے تھے"۔

بادشاہ کو یہ سُن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا "اچھا اگر تُم اتنے بڑے سُورما ہو تو ہماری رعایا کو آدم خور دیو سے چھٹکارا دلادو جو دور گھنے جنگلوں میں رہتا ہے۔ اور روز شہر میں آکر دو ایک انسانوں کو اٹھائے جاتا ہے۔ یہ سُن کر موچی کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ مگر اس نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور بہت ہی لاپروائی سے بولا، "حضور اس کو مارنا کون سی بڑی بات ہے۔ میں ابھی اس کا کام تمام کیے دیتا ہوں مگر انعام میں شہزادی کا بیاہ مجھ سے ہونا چاہیے"۔ بادشاہ نے کہا "مجھے منظور ہے"۔

اب موچی محل سے باہر نکلا اور اس نے بہت سا آٹا خریدا ساتھ ہی ایک دہی سے بھرا ہوا مٹکا اور رسّی خریدی۔ اور آٹے کی بڑی بڑی گولیاں بنائیں۔ اور انھیں لے کر جنگل میں ایک درخت پر جا بیٹھا۔

۱۰-۷۱ سر آدم جی میمن کالونی ۔ دانی لیمڑہ ۔ احمدآباد

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس نے بھاری بھاری قدموں کی دھمک سُنی۔ دھمک سے درخت تک ہل رہے تھے

موچی نے دُور سے ایک بہت بڑا دیو آتے دیکھا۔ وہ ناک سکوڑ سکوڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اور زور سے بول رہا تھا "آدم زاد! آدم زاد!" تھوڑی دیر بعد وہ بالکل اس درخت کے پاس آگیا جس پر موچی چڑھا بیٹھا تھا۔ دیو بولا "نیچے اُتر مجھے زور کی بھوک لگی ہے" موچی کانپ رہا تھا مگر ہمت کر کے بولا "میں نیچے اُتروں گا تو تجھے بہت مشکل پڑ جائے گی" پھر اُس نے آٹے کی گولیاں توڑتے ہوئے کہا "دیکھ میں شیشہ کے کنچوں کو اس طرح سے توڑ پھینکتا ہوں" اس کے بعد موچی نے رسی نیچے پھینکی اور کہا "دیکھ میری موچھ کا بال ہے" پھر موچی نے دہی کے کونڈے میں سے تمام دہی پھینک دیا اور بولا۔ "یہ میرا تھوک ہے" اب کیا تھا اب تو دیو ایک دم بھیگی بلی بن گیا اور بولا "بھائی صاحب! اگر تم اتنے ہی طاقت ور ہو تو یہاں درخت پر کیوں رہتے ہو؟ آؤ میرے ساتھ میرے محل چلو۔

محل میں دیو نے ایک بڑے ڈرام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہاں پاس میں ہی کنواں ہے۔ کیا تم اس ڈرام میں پانی بھر کر لے آؤ گے؟" موچی بولا بس اتنا سا پانی چاہیے۔ میں یہاں پورا کنواں کھینچ لاتا ہوں۔ دیو نے سوچا اگر یہ یہاں کنواں کھینچ لایا تو پورے محل میں پانی ہی پانی بھر جائے گا۔ اس نے جلدی سے گھبرا کر کہا۔ "نہیں نہیں! بس ایک ڈرام ہی پانی چاہیے۔ تم یہاں ٹھہرو میں لے کر آتا ہوں۔" اب اس طرح دیو اور موچی دونوں ساتھ ساتھ ہی رہنے لگے۔

دیو ایک دن موچی سے بولا۔ "آج تم میرے ہی کمرے میں سونا" موچی سمجھ گیا کہ کیا بات ہے۔ وہ باہر گیا اور ایک بڑا سا تربوز ڈھونڈ کر لایا۔ رات کو جب وہ اس کے پلنگ پر لیٹا اس نے اندھیرے میں اپنے سر کی بجائے تربوز تکیے پر رکھا اور خود پائنتی کی طرف سکڑ کر لیٹ گیا۔ دیو نے جب یہ اندازہ کر لیا کہ موچی سو گیا ہے لوہے کا ڈنڈا اُٹھایا اور اپنی پوری طاقت سے تربوز پر دے مارا۔ تربوز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے "لال پانی اور چھلکے اِدھر اُدھر بکھر گئے"۔ تھوڑی دیر بعد موچی نے بناوٹی جماہیاں لیتے ہوئے کہا کیا بستر میں کھٹمل ہیں؟ مجھے لگا جیسے کھٹمل نے میرے کان کے پاس کاٹا ہو!!! اب تو دیو کا دل بالکل بیٹھ گیا۔ اور اس کی ساری اُمیدوں پر پانی پڑ گیا۔ موچی نے پھرتی سے تلوار اُٹھائی اور اس کا سر کاٹ لیا۔

وہ بادشاہ کے محل میں گیا اور دیو کا سر پیش کر دیا۔ بادشاہ اور ساری رعایا دیو کے مرنے کی خبر سے بہت خوش ہوئے اور بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی خوشی خوشی موچی سے کر دی۔ یہ سچ ہے وقت پر ساری عقل کام آتی ہے۔

كلثوم بانو

جنات کی بستی

صدیوں پہلے کی بات ہے کہ ملک یونان میں ایک نہایت طاقت ور بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی فوج میں نہایت بہادر سپاہی تھے جو جنگ کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے۔ جب بھی وہ اپنے بادشاہ کے ساتھ کسی جنگ کے میدان میں اُترے تو انھوں نے دشمن کو زیادہ دیر میدان میں ٹکنے نہیں دیا۔ یہی وجہ تھی کہ پڑوسی ملک کی ریاستیں یونان کے بادشاہ سے خائف تھیں اور اُنھوں نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں

کی جس سے جنگ کی نوبت آگئے۔ یونان کا بادشاہ بھی کمزور دل سے لڑتا اپنی زمین بچا۔ بادشاہ کے دو بیٹے تھے۔ دونوں نہایت حسین بھی تھے اور اپنے باپ کی طرح بہادر بھی۔ بڑے شہزادے کا نام سانول تھا اور چھوٹے کا اُبگال۔

دونوں شہزادے ایک دن شکار کھیلنے نکلے ابھی وہ محل سے چند کوس کے فاصلے پر ہی گئے ہوں گے کہ بڑے بھائی نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں، گھوڑا رک گیا یہ دیکھ کر شہزادے اُبگال نے بھی اپنے گھوڑے کو روک لیا اور بھائی کے گھوڑے کے قریب آتے ہوئے پوچھا "بھائی سانول کیا بات ہے، آپ کیوں رک گئے کیا واپس جانے کا ارادہ ہے؟"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمھیں کیا بتاؤں میں محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے کوئی چیز سرسراتی ہوئی میرے قریب سے گزر جاتی ہے لیکن مجھے دکھائی نہیں دیتی، کیا یہی بات تم محسوس نہیں کر رہے ہو؟" سانول نے بتایا۔

"نہیں تو بھائی میں نے تو کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی" چھوٹے شہزادے نے کہا۔

"لیکن میں تو محسوس کر رہا ہوں بلکہ جب وہ شے میرے قریب سے گزرتی ہے تو خوف کے مارے ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی سے گزر جاتی ہے اور میں خود میں نہایت کمزوری محسوس کرتا ہوں،" سانول نے کہا۔

"حیرت ہے بھائی! اگر ایسی کوئی چیز ہوتی تو اس کے قریب سے گزرتے وقت مجھے بھی پتا لگنا چاہیے تھا۔ میرا تو خیال ہے آپ کا وہم ہے۔ اگر کچھ ہے تو دیوتا آپ کی حفاظت کریں چلیے آگے چلتے ہیں۔ کچھ دور جائیں گے تو آپ کا خوف ختم ہو جائے گا۔" شہزادے اُبگال نے کہا اور بڑے شہزادے سانول نے خاموشی کے ساتھ گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔ دونوں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے دوڑے جا رہے تھے اچانک ان دونوں نے محسوس کیا کہ ان کے گھوڑے جنگل کی طرف جانے کی بجائے جنوب کی سمت سیاہ پہاڑیوں کی طرف جا رہے ہیں دونوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ کر انھیں روکنے کی بہت کوشش کی لیکن گھوڑے نہ رکے اور خاصی دور تک دوڑنے کے بعد ایک ہیبت ناک پہاڑی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ تیز دوڑنے کی وجہ سے وہ پسینے میں شرابور ہو چکے تھے اور ان کی سانسیں کسی دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ دونوں شہزادے

سخت حیران تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے اور پھر دونوں ہی چونک پڑے کیونکہ کسی دیو کی مانند کھڑی ہوئی پہاڑی ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ درمیان میں سے پھٹ گئی تھی جس کی وجہ سے زمین پر لرزہ ساطاری ہو گیا۔ اس صورت حال سے گھوڑے نہایت خوف زدہ تھے لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر وہ وہاں سے بھاگنا چاہیں بھی تو نہیں بھاگ سکتے کیونکہ ان کے پاؤں زمین سے جکڑے ہوئے تھے۔ دونوں شہزادے چھلانگ لگا کر گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے اور انھوں نے اپنی اپنی تلواریں میان

سے نکال لیں۔ ایک بار پھر بڑے شہزادے کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے قریب سے گزر گیا ہو لیکن اب وہ خوف زدہ نہیں ہوا کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی بھی بہادروں کی طرح ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ پہاڑ کے درمیان جو شگاف پڑا تھا دھول کے بیٹھ جانے کے بعد وہاں ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا۔ دروازہ کھلا تھا اور دروازے کے درمیان ایک بہت بڑا تانبے کا گھنٹا لٹک رہا تھا پھر وہ خود بخود بجنے لگا۔ گھنٹے کا شور اتنا تھا کہ دونوں شہزادوں نے گھبرا کر کانوں میں انگلیاں دے لیں لیکن کچھ دیر بعد جب وہ گھنٹا خود بخود بجنا بند ہو گیا تو اس دروازے میں

ے ایک سفید کبوتر اڑتا ہوا ان کے قریب ایک پتھر پر آکر بیٹھ گیا۔ دونوں شہزادے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ کبوتر کی آنکھیں کسی انسان کی طرح حرکت کرتی محسوس ہو رہی تھیں چھوٹے شہزادے ابگال نے جھپٹ کر اس کبوتر کو پکڑ لیا اس کے ساتھ ہی نہایت عجیب واقعہ رونما ہوا اس کبوتر نے اپنے پر زور زور سے ہوا میں پھڑپھڑائے تو اس کے ساتھ ہی وہ کبوتر ایک نہایت حسین شہزادی کا روپ دھار گیا۔ وہ آسمانی حد نظر آ رہی تھی۔ دونوں شہزادے کسی بت کی مانند کھڑے اسے تکے جا رہے تھے، وہ بھی اپنی بھوری آنکھوں سے انھیں تک رہی تھی۔

"اے شہزادی تم کون ہو اور یہ سب کیا اسرار ہے کیا ہم کسی طلسمات میں آ گئے ہیں! پھر یہ سب کچھ ایک خواب ہے" شہزادے ابگال نے کہا۔

"تم لوگ خواب نہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ شاہ جنات کی بستی ہے جواب بھی تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ میں شاہِ جنات کی کنیز ہوں اور فاخرہ میرا نام ہے۔ تم لوگ شاہِ جنات کے محل کے بڑے دروازے کے سامنے کھڑے ہو" شاہ جنات کی کنیز فاخرہ نے کہا۔

"ہمارا خیال ہے کہ ہمیں یہاں لایا گیا ہے۔ ہمارے گھوڑے سحرزدہ ہمیں یہاں لے آئے ہیں حالانکہ ہم شکار کھیلنے جنگل کی طرف جا رہے تھے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے تمھیں یہاں میں لے کر آئی ہوں تمھارے گھوڑے میرے ہی سحر میں مبتلا اس طرف چلے آئے۔ میں بھی تمھارے ساتھ تھی میرے وجود کو شہزادے سانول نے محسوس کر لیا تھا اور یہ مجھ سے کچھ خائف بھی ہو گیا تھا" فاخرہ نے کہا۔

"تم تو ہمارے نام بھی جانتی ہو" شہزادے سانول نے کہا۔

"ہاں مجھے میرے آقا شاہ جنات نے ہی تم لوگوں کی طرف بھیجا تھا۔ میں طلسمی آئینے میں تمھاری صورتوں کو دیکھ چکی تھی اور نام سے بھی واقف ہو چکی تھی" فاخرہ نے کہا۔

"لیکن ہمیں یہاں کیوں لایا گیا" چھوٹے شہزادے نے نہایت غصے میں پوچھا۔

"یہ تو تم میرے آقا سے ہی پوچھ سکتے ہو میں تم دونوں کو ان کے دربار میں لے چلتی ہوں" فاخرہ نے کہا۔

"اور اگر ہم نہ جانا چاہیں تو" چھوٹے شہزادے نے کہا وہ اب بھی غصے کی حالت میں تھا اور اس نے اپنی تلوار کو یوں پکڑ رکھا تھا جیسے ابھی اس کنیز کا سر قلم کر دے گا

شہزادے ناراض نہ ہو۔ میرا آقا تو تم دونوں کو بہت پسند کرتا ہے اور اکثر کہا کرتا ہے کہ انسانوں میں اگر کوئی طاقت ور ہیں تو وہ یونان کے شہزادے ہیں شاید اسی وجہ سے وہ تم لوگوں سے ملنا چاہتا ہے۔" فاخرہ بولی۔
"ٹھیک ہے ہم تمہارے آقا سے ملنے کے لیے تیار ہیں" بڑے شہزادے نے کہا۔ یہ سُن کر شاہِ جنّات کی کنیز فاخرہ بڑے دروازے کی طرف چل دی اور سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے یہ لوگ بڑے دروازے میں داخل ہو گئے۔ اب یہ لوگ ایک نہایت شاندار محل

میں تھے۔ اتنا بڑا محل تو ان لوگوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ بہت سے جنّات ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ بڑے بڑے ستونوں کے درمیان نہایت خوبصورت محرابیں تھیں۔ محل کی چھت اتنی بلند تھی کہ جب ان لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھنا چاہا تو ان لوگوں کی ٹوپیاں گرنے لگیں، جنھیں ان لوگوں نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور پھر اچانک یہ لوگ چلتے چلتے رک گئے۔ سامنے اونچی کرسی پر ایک شاندار تخت بچھا تھا جس پر شاہِ جنات بڑی شان سے بیٹھا تھا انھیں دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا اور چند سیڑھیاں اتر کر اس نے ان کا استقبال کیا۔

خوش آمدید اے آدم زادو اور یونان کے شہزادو ہم اپنے اِس محل میں تم لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہیں یہ کہتے ہوئے اس نے ان دونوں کو اپنے تخت پر دائیں بائیں بٹھا لیا اور ان کی خیر خیریت پوچھی۔

"اے شاہِ جنات کیا میں پوچھ سکتا ہوں ہمیں کیوں یہاں لایا گیا ہے یہاں" چھوٹے شہزادے نے پوچھا۔

"وہ اِس لیے کہ تم دونوں بہت بہادر ہو میں تم دونوں کو اُس وقت سے جانتا ہوں جب تم لوگ ابھی آٹھ نو برس ہی کے تھے۔

مجھے امید ہے تم دونوں وہ واقعہ نہ بھولے ہوگے جب تم لوگ اپنے باغ میں کھیل رہے تھے۔ نگراں کنیزیں تمہارے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں اور قریب ایک برگد کا پُرانا درخت تھا تم لوگ اُس کی چھاؤں میں کھیل رہے تھے وہ درخت میرا مسکن تھا میں مہینے کی آخری تاریخوں میں وہیں بیٹھا خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ تم لوگ جب اُس درخت کے نیچے آکر کھیلنے لگے تو میری عبادت میں خلل واقع ہونے لگا میں نے ڈراؤنی آوازیں نکالیں تاکہ تم خوف زدہ ہوکر وہاں سے بھاگ جاؤ لیکن تم دونوں پر کوئی اثر نہ ہوا حالانکہ جو کنیزیں تمہاری حفاظت کے لیے ساتھ تھیں وہ ان آوازوں کو سُن کر خوف زدہ ہوگئیں اور بہت چاہا کہ تم وہاں سے چلے چلو لیکن تم نے اُن کا کہنا بھی نہیں مانا مجبوراً وہ خوف زدہ وہیں بیٹھی رہی۔ میں نے جب دیکھا کہ تم لوگ اِس طرح ڈرنے والے نہیں تو میں ڈراونی شکل بنا کر تم لوگوں پر ظاہر ہوگیا مجھے دیکھتے ہی تمام کنیزیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں لیکن میں نے دیکھا اِتنی چھوٹی سی عمر میں بھی تم لوگ ذرا بھی نہ ڈرے بلکہ اپنی ننھی سی تلوار نکال کر میری طرف بڑھے یہ دیکھ کر میں فوراً تم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا اور پھر میں نے اپنا مسکن بدل دیا لیکن وہ دن اور آج کا دن میں تم دونوں کو نہیں بھولا ان دنوں جب مجھ پر ایک افتاد آن پڑی مجھے تم لوگ یاد آگئے اور میں نے اپنی مدد کے لیے تم دونوں کو یہاں بلا لیا۔ کہو اب بھی تمہیں وہ واقعہ یاد ہے کہ نہیں۔ دونوں شہزادے یہ سُن کر چونک پڑے۔ واقعی واقعہ کچھ ایسا تھا جسے دونوں شہزادے اب تک بھلا نہ سکے تھے۔ دونوں بول پڑے

"تو پھر کہو کیا میری مدد کرو گے" شاہ جنات نے پوچھا۔
"نہیں کرنا کیا ہو گا" چھوٹا شہزادہ اقبال بولا۔
جنوں کا بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر یوں گویا ہوا۔
بہادر شہزادو میری ایک بیٹی ہے اس کا نام گل زریں ہے۔ وہ اتنی حسین ہے کہ قوم جنات میں اس جیسی حسین کوئی لڑکی نہیں ہم نے بچپن سے ہی اسے بہت لاڈ و پیار میں رکھا تھا۔ وہ ہماری آنکھوں کا نور اور ہمارے دل کا سرور تھی۔
"تو کیا وہ مر گئی۔ چھوٹے شہزادے نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں وہ زندہ ہے اور ہماری بہن اسے اٹھا کر لے گئی ہے وہ اپنے بیٹے کی شادی اس سے کرنا چاہتی تھی جس پر ہم رضامند نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دن اسے بے ہوش کر کے اپنے خادم جنوں کی مدد سے لے گئی، ہمیں اس وقت خبر ہوئی جب وہ ہماری حدود سے نکل بھاگی" جنوں کا بادشاہ کہتا چلا گیا۔
"آپ تو بادشاہ ہیں کیا آپ کے سپاہی گل زریں کو آپ کی بہن کی قید سے چھڑا کر نہیں لا سکتے،" شہزادے سانول نے کہا۔
جس طرح انسانوں کی بادشاہتیں ہیں اسی طرح ہم لوگوں میں بھی بہت سے بادشاہ ہیں میری بہن بھی جنوں کے ایک بادشاہ کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے اس کا خاوند مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ خون خرابہ ہو اسی لیے میں نے تم لوگوں کو یہاں آنے کی زحمت دی ہے مجھے امید ہے تم دونوں بہت بہادر ہو اور کسی نہ کسی طرح میری بیٹی گل زریں کو میری بہن کی قید سے چھڑا لاؤ گے۔" جنوں کے بادشاہ نے کہا۔
"اے بادشاہ ہم لوگ سامنے موجود لوگوں سے تو لڑ سکتے ہیں لیکن کسی غیبی طاقت سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے میں تو آپ کی کنیز ہی سے خوفزدہ ہو گیا تھا" شہزادے سانول نے کہا۔ اسی وقت چھوٹا شہزادہ بول پڑا۔
اے بادشاہ یہ کام میں انجام دوں گا"
شاباش مجھے تم ہی سے یہ امید تھی کیونکہ جب تم چھوٹے تھے تو اس وقت بھی بھائی سے زیادہ نڈر تھے اور تم نے ہی مجھ پر حملہ کرنے کی پہل کی تھی" جنوں کے بادشاہ

"تو پھر مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں آپ کے دشمنوں سے آپ کی بیٹی کو آزاد کرا لاؤں" شہزادے اقبال نے کہا۔

"نہیں اقبال میں تمھیں اکیلے نہیں جانے دوں گا میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا" شہزادے سانول نے کہا۔

اور پھر دونوں شہزادے اس مہم پہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

جنوں کے بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے سر کا ایک ایک بال توڑ کر دیا تاکہ وہ بالوں کو رومال میں باندھ کر اپنے بازوؤں پر باندھ لیں۔ ان بالوں کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے سامنے جنّات غائب نہیں رہ سکیں گے۔ البتہ یہ دونوں سوائے جنوں کے بادشاہ کے باقی تمام جنات کی نظروں سے اوجھل رہیں گے جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو وہی کنیز جو ان دونوں کو یہاں لائی تھی ان کے ساتھ چل دی تاکہ وہ انھیں دشمن جنات کی حدود تک چھوڑ آئے خاصے سفر کے بعد جب یہ لوگ اس حدود میں داخل ہونے لگے تو شاہ جنّات کی کنیز واپس چلی گئی اور یہ آگے بڑھ گئے۔ ان کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے اس وقت فضا میں کرن پری نمودار ہوئی وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کوہ قاف کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے جب ان دونوں شہزادوں کو دیکھا تو بڑی حیران ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ علاقہ جنّات کا ہے اور جنّات کسی آدم زاد کو اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتے اور ہو سکتا ہے وہ ان شہزادوں کو نقصان پہنچائیں وہ اپنی ایک سہیلی سے جس کا نام زرتونا تھا بولی۔

"زرتونا میں چاہتی ہوں ان شہزادوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں ایسا نہ ہو کوئی جن ان دونوں کو ہلاک کر دے"

"مجھے تو یہ دونوں شہزادے نہایت بہادر لگتے ہیں دیکھو تو کتنے خوبصورت جوان ہیں مجھے امید نہیں کوئی جن انھیں نقصان پہنچا سکے اگر تم چاہو تو آزما سکتی ہو" زرتونا پری بولی۔

"ٹھیک ہے میں انھیں آزماتی ہوں" یہ کہہ کر کرن پری نے ایک خوفناک بلا کا روپ دھارا تھی اگر کوئی عام آدمی دیکھ لیتا تو مارے خوف کے مر جاتا اور پھر اس نے ایک چھلانگ لگائی اور منہ سے شعلے نکالتے ہوئے شہزادوں کی طرف بڑھی۔ اُسے دیکھ کر شہزادوں کے گھوڑے خوفزدہ ہونے کے ساتھ ہی دونوں ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے لیکن دونوں

شہزادے ان کی پیٹھوں پر بیٹھے رہے اور ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوئے۔ دونوں نے نہایت پھرتی سے اپنی تلواریں نکال لیں۔ کرن پری نے خوفناک بلا کے روپ میں شہزادوں کو خوف زدہ کرنے کی بہت کوشش کی اور جب وہ ناکام ہوگئی تو اپنے اصلی روپ میں آگئی اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ زمین پر اتر آئی۔ یہ دیکھ کر شہزادے بڑے حیران ہوئے شہزادہ سانول تو کرن پری کو دیکھتا ہی رہ گیا، اس نے انسانوں میں اتنی حسین لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تم نے ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کیوں کی" چھوٹے شہزادے اُبگال نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو آزمانا چاہتی تھی کیونکہ تم لوگ نہیں جانتے کہ تم جنات کی بستی کے قریب ہو اور جنات تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں لیکن اب مجھے امید ہوگئی ہے کہ تم لوگ بہادر ہو اور جنات کے ساتھ ٹکرا سکتے ہو۔ کرن پری نے کہا۔

"ہم جانتے تھے کہ یہ علاقہ جنات کا ہے ہم تو خود اس علاقے کے جنوں کے بادشاہ سے جنوں کی شہزادی گل زرین کو چھڑانے آئے ہیں۔ وہ ظالم اپنے بیٹے کے ساتھ گل زرین کی شادی زبردستی کرنا چاہتا ہے۔" چھوٹے شہزادے نے کہا۔ (باقی آئندہ)

کسوٹی

مسعود احمد برکاتی

میں کل شام کو دفتر سے گھر جا رہا تھا۔ کراچی کی ایک چوڑی چکلی سڑک پر دونوں طرف بجلی کے کھمبے اپنی ہلکی ہلکی روشنیوں سے چلنے والوں کو راستہ دکھا رہے تھے۔ دُہری سڑک کے درمیان سبزے پر کہیں کہیں اشتہاری بورڈ بھی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ انھی میں سے ایک بورڈ پر نظر پڑی، لکھا تھا:

تمھاری شرافت کی کسوٹی، تمھارے پڑوسی کی گواہی ہے۔

نیچے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لکھا تھا۔ اچھا! یہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ کتنے خوب صورت الفاظ ہیں، کتنی عمدہ بات ہے۔ اخلاق کا کیسا پیارا سبق ہے۔ اگر آدمی اپنے پڑوسی سے ہی اچھا نہ ہو تو پھر وہ کیا آدمی ہے۔ بہت سے لوگ ہوتے
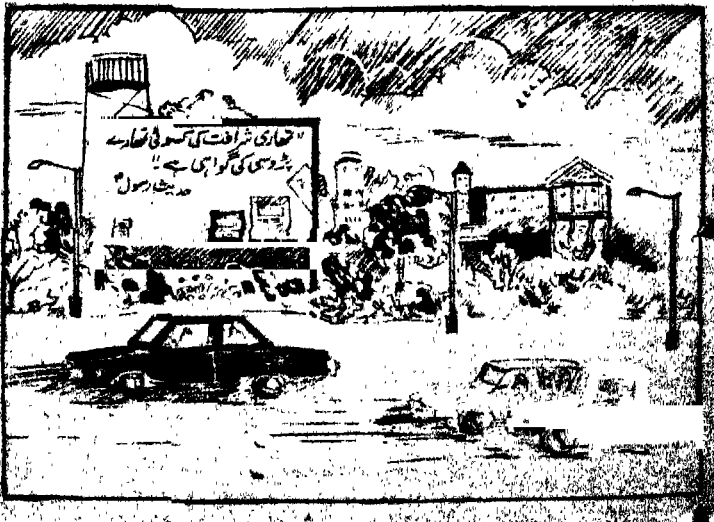
ہیں جن کی شرافت کے ڈنکے ساری دنیا میں بجتے ہیں، لیکن ان کے پڑوسی اُن سے خوش نہیں ہوتے۔ خوش کیوں ہوں گے، پڑوسیوں کے ساتھ اُن کا سلوک کب اچھا ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی، لیکن میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اسی بورڈ پر کچھ اشتہاری پوسٹر لگے ہوئے ہیں، کچھ میں جلسوں کا اعلان ہے۔ کون سے جلسے؟ سیاسی؟ نہیں سیاسی جلسے نہیں بلکہ سیرت النبیؐ کے جلسے۔ ان جلسوں میں زور دار تقریریں ہوں گی، حضورؐ کی پاک زندگی کے واقعات بیان کیے جائیں گے، آپؐ کی اخلاقی تعلیم پر عمل کرنے کی تاکید کی جائے گی۔ پڑوسی سے حُسنِ سلوک ہی نہیں دیانت، امانت کے سبق بھی دُہرائے جائیں گے۔ یہ جلسے بھی حضورؐ کے نام پر ہی ہوں گے، لیکن جلسہ کرنے والوں نے اس پر پوسٹر لگا کر کیا حضورؐ کے اس پیغام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے؟ حضورؐ نے دوسروں کے کام بگاڑنے کو پسند نہیں فرمایا ہے۔ آپؐ نے ہمیں شرافت کی تعلیم دی ہے، لیکن ہماری شرافت تو اس بورڈ سے ہی ظاہر ہے جس کو ہم نے گندہ کر دیا، جس پر ہمارے رسولؐ کا قول لکھا تھا۔ ہم اس کا احترام کرتے تو ضرور ہم اچھے پڑوسی اور اچھے شہری بن سکتے تھے، اور ایک شریف انسان بھی۔

میری طرح ہزاروں لاکھوں لوگ اس سڑک سے روزانہ گزرتے ہیں، ایک لمحے کے لیے ان کی نظریں اس بورڈ پر رُکتی ہیں، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس قول کو، اس تعلیم کو بھول جاتے ہیں۔ زندگی یونہی گزر رہی ہے۔ انسان آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن ایسے کتنے انسان ہیں جو اپنی شرافت کی گواہی اپنے پڑوسی سے دلوا سکیں۔

طوفان کیوں آتے ہیں ؟

علی ناصر زیدی

ہمارے ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں طوفان آتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی ملک میں گرمیوں میں زیادہ طوفان آتے ہیں، کسی میں سردیوں کے موسم میں اور کہیں برسات میں طوفان تباہی مچا دیتے ہیں۔ شاید آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ طوفان خشکی پر ہی نہیں آتے بلکہ سمندروں میں بھی آتے ہیں اور اتنے خوف ناک ہوتے ہیں کہ سیکڑوں جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔

ہوا کا غلاف

ہم جہاں رہتے ہیں وہاں ہمیں زیادہ تر اُن طوفانوں یا آندھیوں سے واسطہ پڑتا ہے جو بالعموم گرمیوں کے موسم میں آتی ہیں اور وہ بھی دوپہر کے بعد۔ اس کی وجہ معلوم کرنے
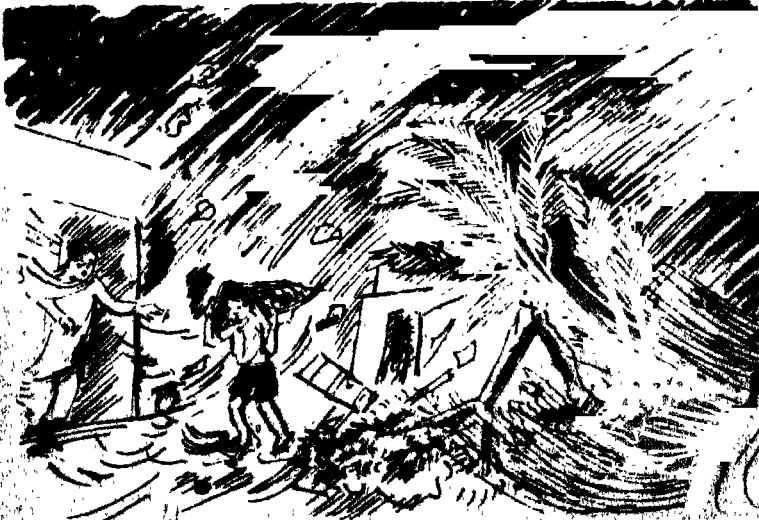
سے پہلے ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہوا ہماری زمین کے چاروں طرف ایک غلاف میں لپٹی ہوئی ہے۔ ملکوں کی تو اپنی اپنی حدود ہیں اور ایک ملک کا باشندہ کسی دوسرے ملک میں پاس پورٹ اور ویزے کے بغیر نہیں جا سکتا۔ لیکن ہوا، دریا، سمندر اور ایسے ہی دوسرے قدرتی وسائل جو حرکت کر سکتے ہیں۔ وہ کسی حد کو نہیں پہچانتے اور آزادی سے ایک دوسرے ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہاں تو ہم بتا رہے تھے کہ ہوا اگرچہ ہمیں نظر نہیں آتی لیکن وہ ایک غلاف کی شکل میں ہر وقت ہماری زمین کے چاروں طرف لپٹی رہتی ہے۔ ہم کہیں بھی ہوں ہوا موجود رہتی ہے، اگر ہوا نہ ہو تو پھر ہم سانس کیسے لیں اور کیسے زندہ رہیں۔ دوسری بات ہمیں یہ یاد رکھنی چاہیے کہ خشکی پانی کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے گرم ہو جاتی ہے اور اتنی ہی تیزی سے ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہے۔

دباؤ کا فرق

گرمیوں کے موسم میں دن بھر کی حرارت سے زمین خوب گرم ہو جاتی ہے۔ اس

طرح اس جگہ کی ہوا بھی گرم ہو کر پھیلتی ہے اور اوپر اُٹھ کر اُس جگہ ایک طرح کا خلا پیدا کر دیتی ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے چاروں طرف کی ہوائیں تیزی سے اُس طرف حرکت کرتی ہیں۔ دباؤ کا یہ فرق جتنا زیادہ ہو گا، چاروں طرف سے آنے والی ان ہواؤں کی رفتار بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ ان تیز ہواؤں کو ہم آندھی یا طوفان کہتے ہیں۔ آندھی کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے۔ بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ بجلی کے کھمبے اور تار گِر جاتے ہیں اور بعض وقت بڑی بڑی عمارتوں تک کو نقصان پہنچتا ہے۔

بگولے

بعض اوقات مقامی طور پر خلا پیدا ہو جانے کی وجہ سے چاروں طرف کی ہوائیں اس طرح آتی ہیں کہ وہاں ایک چکّر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جگہ کی ہلکی چیزیں اس چکّر میں پھنس کر اوپر اُٹھ جاتی ہیں، اسے ہم بگولا کہتے ہیں۔ یہ سب طوفانوں کی مختلف شکلیں ہیں۔

ہماری زمین پر خشکی کم ہے اور تری زیادہ۔ خشکی کا رقبہ تقریباً ۲۹ فی صد اور تری کا رقبہ ۷۱ فی صد کے قریب ہے۔ سمندر کا پانی بہ ظاہر تو ساکن رہتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ سمندروں کا پانی ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ سمندر کے بعض حصّوں میں پانی دریا کی طرح ایک طرف کو بہنا شروع کر دیتا ہے اور لگاتار آگے کو بڑھتا ہوا ہواؤں کی طرح ایک چکّر پورا کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ طوفانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سمندر کا پانی ساحل پر چڑھ آتا ہے اور تباہی پھیلاتا ہے۔

دراصل پانی کا یہ اُتار چڑھاؤ ہوا چلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہوا کے تیز جھونکے پانی کو اوپر اُٹھا دیتے ہیں، مگر یہ پانی اپنے سے اگلے پانی کو حرکت دے کر اپنی جگہ واپس آجاتا ہے۔ اگر سمندر بند ہو تو یہ لہریں اور بھی اوپر اُٹھ جاتی ہیں اور اگر کوئی کشتی یا ہلکا جہاز اُن میں پھنس جائے تو تباہی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

مدوجزر

آپ نے مدوجزر یا جُوار بھاٹا کا نام تو سُنا ہوگا جس کے تحت سمندروں کا پانی چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ ساحلِ سمندر کی طرف بڑھتا ہے اور پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس اُتار چڑھاؤ کو مدوجزر یا جُوار بھاٹا کہتے ہیں۔

مدوجزر کی بڑی وجہ وہ کشش ہے جو دو جسموں کے درمیان قدرتاً ہوتی ہے مثلاً چاند اور سورج زمین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، چوں کہ چاند سورج کے مقابلے میں زمین سے قریب ہے اس لیے ہمارے سمندروں پر اُس کی کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور جو سمندر بھی چاند کے سامنے ہوتا ہے اُس کا پانی چاند کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ اس طرح جو خلا پیدا ہوتا ہے اُسے پورا کرنے کے لیے دائیں بائیں سے پانی کھنچ آتا ہے۔ جس جگہ سے پانی آتا ہے وہاں کی سطح نیچی ہو جاتی ہے۔ پانی کا چڑھاؤ زمین کے اُس حصّے پر بھی ہوتا ہے جو چاند کی دوسری طرف ہوتا ہے یعنی چاند کی کشش کی وجہ سے دو طرف چڑھاؤ اور دو طرف اُتار رہتا ہے۔ تقریباً چھے گھنٹے بعد چاند کی پوزیشن اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے جس طرف اُتار تھا اس طرف چڑھاؤ شروع ہو جاتا ہے اور چڑھاؤ کی طرف اُتار شروع ہو جاتا ہے۔ زمین کے گرد ایک چکّر کے دوران میں چاند ایک جگہ دو مرتبہ چڑھاؤ پیدا کرتا ہے اور دو مرتبہ اُتار۔

جب چاند اور سورج زمین کی سیدھ میں آجاتے ہیں تو دونوں کی کشش جمع ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں سمندری پانی کا چڑھاؤ معمول سے زیادہ ہو جاتا ہے اور اس چڑھاؤ کو ہم مدوجزرِ اکبر کہتے ہیں۔ یہ حالت چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوتی ہے اور اچھی خاصی طوفانی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پانی کے اس اُتار چڑھاؤ سے ساحل پر رہنے والے لوگ فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ چڑھاؤ کے وقت سمندروں کی لہریں، سیپیاں، گھونگھے اور بعض دفعہ موتی بھی ساحل پر پھینک دیتی ہیں، بعض دوسرے فائدے بھی ہوتے ہیں۔

مانیٹر

وہ ایک حساس لڑکی تھی اسی لیے اپنے کیے پر پشیمانی تھی۔

مختصر مگر پُراثر تحریر

صائمہ ولی

نئے اسکول میں میرا پہلا دن کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ کلاس میں ایک ایک لمحے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے لڑکیاں آج پڑھنے نہیں صرف مجھے دیکھنے آئی ہیں۔ میں نے خود کو سمجھانا چاہا کہ میں جو کچھ محسوس کر رہی ہوں وہ میری نظروں کا دھوکا ہے لیکن ٹھوس حقیقت آسانی سے جھٹلائی نہیں جا سکتی۔ ہر لڑکی مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے انھوں نے کلاس میں اس سے پہلے کبھی کوئی لڑکی بغیر یونیفارم کے دیکھی ہی نہ ہو۔ میں کلاس میں تمام وقت اسی سوچ میں پریشان رہی۔

چھٹی کے بعد جب میں اسکول سے نکلی تو مجھے خالہ زاد بہن شبانہ مل گئی۔ اس کی امی ہی کی کوششوں سے میرا داخلہ اس اسکول میں ہوا تھا۔ شبانہ نے فوراً پوچھا: "کہو نغمہ اسکول کیسا لگا؟ کلاس کی لڑکیاں پسند آئیں؟" میں شبانہ کو جواب دینے ہی والی تھی کہ کوئی لڑکی دوڑتی ہوئی پیچھے سے میرے قریب آئی۔ یہ میری کلاس مانیٹر تھی۔ میرے آتے ہی آنکھیں پھاڑ کر رعب جھاڑتے ہوئے بولی۔ "کل سے یونیفارم پہن کر کلاس میں آنا۔" اور میرا جواب سنے بغیر وہ آگے نکل گئی۔ شبانہ بڑی سمجھ دار لڑکی تھی اس نے

پہلا بے وقوف: "تمہیں معلوم ہے قیامت کے دوسرے دن اخبار میں کیا خبر چھپے گی؟"
دوسرا بے وقوف: "بھئی تم اتنا بے وقوف مت سمجھو ہر خاص دن کے بعد اگلے روز اخبار کی چھٹی ہوتی ہے۔"

مرسلہ: آملہ یش

صورت حال کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا "سنو! نغمہ ابھی تم اپنے گھر جاؤ اور شام کو ہمارے گھر آنا۔ میں امّی جان سے بات کروں گی۔"

اسی شام میں خالہ جان کے گھر گئی خالہ جان نے بڑی محبت سے پوچھا اور ہمت بھی دی۔ میں نے کہا "کیا غریب کی اس دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے خالہ جان۔ اگر آج ہمارے معاشی حالات خراب ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ آپ تو جانتی ہیں خالہ' ابو نے مکان فروخت کر کے آپ کے محلے میں کرائے کا مکان لیا ہے تاکہ کاروباری نقصان پورا ہو سکے پھر دادی جان کی آنکھوں کا آپریشن بھی ہونے والا ہے ان حالات میں امّی جان جس سلیقے سے گھر کا خرچ چلا رہی ہیں آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس مہنگائی کے دور میں کورس کی کتابیں کاپیاں اور اسکول یونیفارم ابھی ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔" خالہ جان نے مجھے خاموش کراتے ہوئے سینے سے لگا لیا اور میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خالہ جان نے مجھے بہت پیار کیا خوب تسلی دی اور بولیں "بیٹی! اللہ پر بھروسا رکھو میں کل اسکول آ کر خود کلاس ٹیچر اور ہیڈ مسٹریس سے بات کر لوں گی پھر کوئی لڑکی تمہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھے گی۔ ویسے یہ تمہارا وہم ہے۔ شبانہ تین سال سے اس اسکول میں پڑھ رہی ہے اسکول کی ساری ٹیچرز اور لڑکیاں بہت اچھی ہیں۔ تم یہ خیال دل سے نکال دو کہ تم غریب ہو تم تو بڑی دولت والی ہو جو تعلیم کی روشنی حاصل کر رہی ہو۔"

✿

دوسرے روز میں اسکول گئی تو میرے علاوہ سب لڑکیاں اسکول یونیفارم میں تھیں۔ لیکن آج مجھے کل کی طرح کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب کی نظروں میں آج میرے لیے محبت تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب میری سہیلیاں نہیں میری بہنیں ہوں۔ آج میرا اول کلاس میں گھبرا نہیں رہا تھا بلکہ دل چاہتا تھا کہ آج چھٹی ہی نہ ہو میں شام تک اپنی نئی سہیلیوں میں بیٹھی علم کی دولت سمیٹتی رہوں۔

اچانک ہیڈ مسٹریس کلاس روم میں داخل ہوئیں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے اعلان کیا کہ اسکول کی بزمِ ادب کمیٹی آیندہ جمعرات کو ایک ادبی نشست منعقد کرا رہی ہے اس مقابلے میں جو لڑکی اپنی تحریر سنانا چاہے وہ جمعرات سے پہلے میرے پاس دفتر میں جمع کرا دے۔ یہ اعلان سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی میرے لیے خوشی کی بات بھی تھی کیونکہ مجھے بھی کہانیاں لکھنے کا بڑا شوق ہے۔

چھٹی کے بعد میں بہت خوش تھی کیونکہ جمعرات کو میں بھی اپنی اچھی سی کہانی سنانے کی تیاری کر رہی تھی۔

✿

آج اسکول میں بزمِ ادب کمیٹی کی طرف سے ادبی نشست کا اہتمام ہو رہا تھا۔ جس کے لیے میں نے بڑی محنت سے تحریر لکھی تھی۔ انٹرویل کے بعد سب لڑکیاں اسکول کے ہال میں جمع ہو گئیں۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد باقاعدہ باری باری لڑکیوں نے اسٹیج پر آ کر اپنی اپنی تحریریں سنائیں اور خوب داد وصول کی۔ خطبۂ صدارت سے پہلے بزمِ ادب کمیٹی کی نگراں نے آج کی ادبی نشست کی انعام یافتہ تحریر کا اعلان کیا۔ اعلان سن کر مجھے یقین نہیں آیا انعام کے لیے میرا نام پکارا گیا تھا۔ ساتھ بیٹھی ہوئی سہیلیوں نے مجھے مبارکباد دی اور اسی لمحے مجھے انعام وصول کرنے کے لیے اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ بزمِ ادب کمیٹی کا "کپ" صدرِ تقریب نے مجھے دیا۔ ابھی میں اسٹیج پر ہی تھی کہ کلاس مانیٹر اسٹیج پر آئی اور اعلان کروایا کہ میری کلاس کی طرف سے نغمہ کے لیے یہ خصوصی تحفہ دیا جا رہا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے ایک لفافہ

میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

ادبی نشست کے اختتام پر میں اپنی کامیابی کا کپ ہاتھ میں لیے گھر آگئی۔ گھر آتے ہی میں نے جلدی سے کلاس سانیٹر کا دیا ہوا لفافہ کھولا۔ یک لخت میری آنکھیں دھندلا گئیں مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بے یقین نظروں سے دیکھا میرے ہاتھوں میں لال لال نہ جانے کتنے نوٹ تھے۔ ان نوٹوں کے ساتھ ہی ایک خط میرے نام لفافہ میں پڑھنے کی لکھا تھا: "میری عزیز سہیلی نغمہ! جس روز تم پہلی مرتبہ کلاس میں آئیں میں نے تمہیں دیکھا تو فوراً مجھے اپنی چھوٹی بہن یاد آگئی جس کی شکل تمہاری شکل سے ملتی جلتی تھی۔ افسوس اللہ میاں نے اپنی امانت واپس لے لی۔ تم مجھے چھوٹی بہن کی طرح لگیں شاید اسی لیے میں نے تم کو پہلے دن اسکول یونیفارم پہن کر نہ آنے پر ڈانٹ دیا تھا لیکن جب ہیڈ مسٹریس نے کلاس مانیٹر کی حیثیت سے مجھے دفتر میں بلا کر تمہارے بارے میں بتایا تو میرے دل میں تمہارے لیے اور زیادہ محبت بڑھ گئی اور اسی دن سے میں کوئی موقع تلاش کرنے لگی کہ میں اپنی چھوٹی بہن کے کام آؤں۔ اللہ کا شکر ہے جلد ہی اسکول میں ادبی پروگرام کا اعلان ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی اور بے چینی سے تقریب والے دن کا انتظار کرنے لگی۔ آج یہ لفافہ بڑی بہن کی حیثیت سے تمہیں دے کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے اتنی بڑی خوشی شاید میں زندگی بھر نہ پا سکتی"۔

امید ہے اپنی بڑی بہن سمجھ کر اس کا چھوٹا سا تحفہ قبول کر لو گی۔

تمہاری کلاس سانیٹر شازیہ

پیامیوں کے لیے خوشخبری

اب ہر ماہ "بچوں کی کوششیں" کے صفحات میں مضمون نگار کا فوٹو بھی شائع ہوگا۔ اپنے مضمون کے ساتھ اپنا پاسپورٹ سائز فوٹو بھی بھیجیے۔

سمندری ایڈونچر پڑھنے والوں کے لیے مصطفیٰ چاند کا خصوصی تحفہ

> ساتھیو! اس ماہ سے ہم آپ کے لیے نیا سلسلے وار ناول "منزل" شروع کر رہے ہیں جسے آپ کے لیے مصطفیٰ چاند تحریر کر رہے ہیں۔
>
> امریکی بندرگاہ سے شروع ہونے والی اس کہانی کی ہر قسط آپ کو حیران کر دے گی۔ ناول پر تمام ساتھیوں کے تبصرے کا انتظار رہے گا۔

نیویارک کی امریکی بندرگاہ پر بہت رونق تھی۔ ساحل سے لگا امریکی مسافر بردار جہاز "لارڈ برنگ" سانس لیتی موجوں پر ہلکورے لے رہا تھا۔ جہاز سے لگی سیڑھی مسافروں کے قدموں کے بوجھ سے مدہم سا شور پیدا کر رہی تھی۔ ساحل پر لوگوں کے بولنے کی آوازیں تیز بھنبھناہٹ کی صورت میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

انکل ہولڈن نے گاڑی کا رُخ بروک لین کی طرف موڑا اور کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ دانتوں میں دبا ہوا لمبا سا سگار سلگاتے ہوئے انھوں نے سامنے لگے ہوئے شیشے میں سے عقبی نشست کی طرف دیکھا۔ فیر، کیتھو اور گرنیگ، تینوں خاموش تھے اور کھڑکیوں سے باہر فراٹے بھرتی کاروں، اونچی اونچی عمارتوں اور زندگی کی تیز رفتاریوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ غالباً آنے والے سفر کے خیال سے مسرور تھے مگر کیتھو خاموش اور مضطرب تھا، ایسا لگتا تھا وہ اس سفر سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے۔ انکل ہولڈن نے کیسٹ پلیئر کا بٹن آن کر کے منجمد خاموشی کو درہم برہم کر دیا اور وہ تینوں اپنے خیالوں سے اچانک چونک پڑے۔ اُس وقت گاڑی بندرگاہ کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔

سہ پہر کے چار بج کر چھیالیس منٹ ہو چکے تھے۔ بندرگاہ پر ہجوم بڑھ گیا تھا۔ لوگ تیزی سے آ جا رہے تھے۔ ہر چیز کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔ چار بج کر پچاس منٹ پر مشرقی سمت لگی ہوئی گھنٹی تیز آواز سے بجنے لگی۔ مجمع میں اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کرین آپریٹر نے مخصوص بٹن دبا کر سیڑھی کو فولادی شکنجے سے اٹھایا اور جہاز سے

شروع کر دیا۔ عرشے پر کھڑے لوگ رومال ہلا ہلا کر اپنے عزیزوں کو الوداع کہنے لگے۔

پانچ بجے گھنٹی ایک بار پھر بجی اور جہاز کا عملہ مستعدی سے مصروف ہو گیا۔ اینکر (لنگر) کے رسّے اٹھائے جانے لگے۔ جہاز کے انجن نے چمنی سے سیاہ دھواں اگلنا شروع کر دیا۔ فضاؤں میں اڑتے ہوئے لمبی چونچوں والے سفید پرندے زور زور سے چیخنے لگے۔ اسی وقت مائیک پر جہاز کی روانگی کا اعلان ہونے لگا۔

جہاز کچھ دیر ایک ہی جگہ کھڑا ہچکولے لیتا رہا، پھر آہستگی سے اس نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔ جہاز کو حرکت کرتا دیکھ کر بندرگاہ پر کھڑے ہوئے لوگوں میں جوش و خروش کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ الوداع کہنے کے لیے آئے ہوئے بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تھے۔ جہاز دھیمی رفتار سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

●

"لارڈ برنگ" مچلتی اور سر ٹکراتی موجوں کو چیرتا اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔ جہاز میں کل آٹھ سو پچھتر مسافر تھے جن میں عملے کے پچاس آدمی بھی شامل تھے۔ جہاز کی منزل 'لندن' کی بندرگاہ لیور پول تھی۔ مسافروں میں اکثریت سفید فام لوگوں کی تھی۔ ان کے علاوہ اس جہاز میں ایشیائی، افریقی اور عرب باشندے بھی سفر کر رہے تھے۔ مختلف رنگوں، نسلوں اور زبانوں کے لوگ اس وقت تمام جغرافیائی اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کے ساتھ مصروفِ سفر تھے۔ ایک جانب کچھ جاپانی، عربوں کے ساتھ بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ دوسری طرف ایک انگریز خاندان ایک سیاہ فام خاندان سے محوِ گفتگو تھا۔ لوگ یہ طویل سفر زیادہ سے زیادہ مصروف اور خوش رہ کر گزارنا چاہتے تھے تاکہ یہ دن ان کی زندگی کے یادگار دن ثابت ہوں۔ جہاز مخصوص رفتار سے اپنے پیچھے دودھیا جھاگ کی ایک چوڑی سی پٹی چھوڑتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کچھ دور سمندر میں ابھرے ہوئے ایک ٹاپو پر سرکنڈوں کی جھاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ہنستے مسکراتے مسافروں میں سے شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ سفر آگے جا کر کس قدر بھیانک صورت اختیار کرنے والا ہے۔

▲

گیسٹو، فیبر اور گرنیگ اپنی ممی فیری کالف اور ڈیڈی ہربرٹ اسپنسر کے ساتھ پہلی بار کسی سمندری سفر پر نکلے تھے۔ سیاہ چمکتے رنگ، گھنگھریالے بال اور موٹے ہونٹ ان کے وسطی افریقہ کے کسی ملک کے باشندے ہونے کا ثبوت تھے۔ برطانیہ کے شہر بریڈ فورڈ میں ہونے والے نسلی فسادات میں ان کی بہن ایملی وحشی انسانوں کی نفرت کا شکار ہو کر موت کی وادی میں جا سوئی تھی۔

ایملی اپنے چچا اسٹیفن کے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ پھر گرنیگ کے افریقی دوست البرٹ نے بھی لندن میں ہونے والے نسلی فسادات کے بارے میں یکے بعد دیگرے کئی خط لکھے تھے۔ ان خطوط میں اس نے لکھا تھا کہ نسل

کی بنیاد پر اٹھائے گئے اِن طوفانوں نے اُس سے اُس کی ٹانگیں بھی چھین لی ہیں۔ وہ ایک معذور بچے کی زندگی گزار رہا تھا اور اپنی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ پُرامید نہیں تھا۔

ایملی کی موت کی خبر فیری کالف پر فالج کی صورت میں حملہ آور ہوئی تھی۔ جس سے اُن کا آدھا جسم ناکارہ ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ ماہ مستقل علاج ہوتا رہا مگر خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا تو ہربرٹ اسپنسر اسپتال سے انہیں گھر منتقل کر دیا گیا۔ جوان بیٹی کی موت نے انہیں زندگی کی خوشیوں سے بہت دور کر دیا تھا۔ پھر جب فیری کالف سفر کے قابل ہوئیں تو انھوں نے لندن جانے کا ارادہ کیا۔ یوں پانچ افراد پر مشتمل یہ گھرانا بحری راستے سے لندن کے لیے روانہ ہوا تھا۔

✦ کیتھو چونکہ اپنی بہن ایملی سے بہت پیار کرتا تھا اس لیے ایملی کی موت نے اُس کے دل میں سفید فام لوگوں سے شدید نفرت بھر دی تھی۔ اُسے سفید فام لوگوں سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کے برابر سمجھنے والے، رنگ و نسل کی تفریق کو دورِ جہالت کی پیداوار گردانتے والے سفید فام محض زبانی طور پر، خود کو اعلیٰ خیالات کا مالک ظاہر کرنے کے لیے یہ باتیں کیا کرتے ورنہ سیاہ فام لوگوں سے نفرت اُن کے خون میں رچی بسی ہوئی تھی جو وقتاً فوقتاً خونیں فسادات کی صورت، یورپ اور امریکہ کے مختلف حصّوں میں سر اٹھاتی اور سیکڑوں بے گناہوں کی جان لے کر وقتی طور پر کم ہو جاتی لیکن کچھ ہی عرصے بعد یہ طوفان کسی اور جانب سے اٹھتا نظر آتا۔

وہ یونہی سوچنے لگا تھا۔ سیاہ فام اُسے کسی بھی صورت گوری چمڑی کے لوگوں سے کمتر نہیں ہوتے تھے۔ سفید فاموں کی اس نفرت اور حقارت میں اُس کے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا اس لیے وہ اس کو ختم کرنے سے بھی قاصر تھا۔

اس سفر میں اُس کے ساتھ مسافروں کی اکثریت سفید فاموں کی تھی، جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے جبکہ جہاز کا پورا ہی عملہ گوروں کا تھا۔

✦ شام کے سات بج چکے تھے۔ جہاز دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد اب کھلے سمندر میں داخل ہو گیا تھا۔ سمندر کی وسعتوں پر گھپ اندھیرا آہستہ آہستہ اپنا تسلط قائم کر رہا تھا۔ پھر جہاز کے اندرونی حصّوں میں لگی تمام لائٹوں کے فلور نددر روشنیوں سے جگمگا اٹھے۔ کھلے سمندر میں سفر کے دوران میں جہاز کی بیرونی لائٹیں بند رکھی جاتی ہیں اس لیے باہر سمندر پر گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

فیری اپنے کیبن کی بجائے ڈیک پر تھا، جبکہ گرنیگ اور کیتھو کیبن میں اونگھ رہے تھے۔ فیری کے گرد کچھ لوگ بیٹھے مطالعے میں مصروف تھے اور کچھ خوش گپیوں میں لگے ہوئے تھے۔ اُس نے کیبن میں جا کر سونے کی بہت کوشش کی تھی مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دھیرے سے کیبن سے نکل کر ڈیک کی ریلنگ کے پاس آ کھڑا ہوا

اور خاموش سمندر کی گونج سُننے لگا۔ سمندر جو نہ جانے کب سے اسی طرح گونج رہا تھا اور جس کے لیے اس وزنی جہاز کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں تھی۔ نم ہوا کے سرد جھونکے اُس کے چہرے اور بدن سے ٹکرا رہے تھے۔ اور لمبی چونچوں والے ماہی مار نہ جانے کہاں سو گئے تھے۔

کنٹرول روم میں اس وقت چار افراد تھے جن میں سے ایک کنٹرول چیئر پر بیٹھا تھا۔ باقی تین اُس کے قریب ہی چھوٹے پائے والی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے کافی کے خالی کپ پڑے ہوئے تھے۔ چاروں میں سے ایک نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ ہونٹوں میں دبائی۔ اس شخص کے بال روکھے اور زرد تھے اور چہرہ خون کی طرح سُرخ۔

"ہاں۔ تو تم کیا کہہ رہے تھے؟" کنٹرول چیئر پر بیٹھے ہوئے شخص نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ ۔ ۔ ۔" اس سے پہلے کہ جملہ مکمل ہوتا کنٹرول چیئر کے سامنے لگا ہوا اسپیکر پکارنے لگا۔ "ہیلو جینٹلمین!" آواز کیپٹن کی تھی۔

"یس سر!" کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے تختے سے لگے مائک میں جواب دیا

"ون ایٹی (۱۸۰) ناٹ ویسٹ"

"ون ایٹی، ناٹ ویسٹ" اُس نے برابر میں لگے ہوئے چھوٹے سے گیئر کو مخصوص نمبر تک پہنچانے کے بعد دھرایا۔

"او کے"

"تھینک یو" رابطہ منقطع ہو گیا۔

اس اچانک مداخلت نے سُرخ چہرے والے شخص پر جھنجلاہٹ طاری کر دی جیسے اُس کے مُنہ میں کرکری ریت بھر گئی ہو مگر وہ خاموش بیٹھا رہا۔

"ہاں الفریڈ! تم کچھ کہہ رہے تھے" کنٹرول چیئر پر بیٹھے ہوئے شخص نے جس کا نام ڈیوس تھا، الفریڈ کی طرف پلٹ کر کہا۔ سگریٹ کے دھوئیں کو مُنہ سے چمنی کی طرح اگلنے کے بعد الفریڈ نے سگریٹ کے ٹکڑے کو پاؤں سے مسلتے ہوئے ناگوار لہجے میں کہنا شروع کیا "میں پوچھ رہا تھا کہ اس جہاز پر کتنے افریقی ہیں؟ میرا مطلب کالے لوگوں سے ہے۔"

"میں نے شمار تو نہیں کیے۔ ویسے اندازاً تیس پینتیس تو ہوں گے" ڈیوس نے آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" جیمبر نے پہلی بار گفتگو میں شرکت کی۔ وہ زرد چہرے اور سبز آنکھوں والا آدمی تھا۔
"میں چاہتا ہوں، جب جہاز لیورپول کے ساحل سے لگے تو ایک بھی سیاہ منحوس چہرہ دکھائی نہ دے۔" الفریڈ نے انتہائی نفرت سے کہا۔ اُس کے ہونٹوں کے کناروں پر بہت سا تھوک جمع ہو گیا تھا۔

"اوہ! بہت خوب۔" ڈیوس کا چہرہ ایک دم بہت سرخ ہو گیا۔ اُس نے جیمبر کی طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں بھی نفرت کی سرد چمک لہرا رہی تھی۔

"واقعی، ایک بھی سیاہ فام زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ کیا ان حقیر سیاہ جانوروں کے ساتھ سفر کرنا ہماری توہین نہیں؟" یہ جملہ پال نے کہا تھا اُس کے لہجے میں بلا کی نفرت تھی۔

"ان کمتر لوگوں کو سمندر برد کر دو۔ اخبارات اور جلوسوں میں چلاتے ہیں کہ ہمیں برابری کا حق دو۔ پیدائشی غلام، خدا کے دھتکارے ہوئے۔" جیمبر کی زبان خرافات اُگلنے لگی۔ ایسے الفاظ جنھوں نے فضا کو مکدر کر دیا۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی جیسے ہر شخص خود میں دہکتے ہوئے نفرت کے الاؤ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو اور اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی کرنا چاہتا ہو۔

"اس مقصد کے لیے تعداد کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ روزانہ اُن کی ایک مخصوص تعداد کو ختم کیا جائے۔" ڈیوس نے خاموشی کو توڑا۔

"ہاں، لیکن کیپٹن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر سٹیلر ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ یہ نیا کپتان معلوم نہیں کس مزاج کا آدمی ہے۔"

پال نے سنجیدگی سے کہا: "یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم یہ بھی تو کر سکتے ہیں کہ کپتان کے علم میں لائے بغیر ہی اپنا مقصد پورا کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" جیمبر نے اپنے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے افریقیوں کی تعداد معلوم کرنے کے لیے اُن کے کیبنوں میں جانا پڑے گا۔"

"مگر یہ طریقہ مناسب نہیں۔ اس طرح تو کسی کو بھی شک ہو سکتا ہے۔" پال نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"پھر کیا کیا جائے؟" تینوں نے بیک وقت تیزی سے پوچھا۔
"تم بھول جاؤ۔ یہ کام میرے سپرد کر دو۔ کل صبح تمھیں تمام افراد کی فہرست اُن کے ناموں کے ساتھ مل جائے گی۔" الفریڈ نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔ اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ جس سے پوچھا گیا تھا۔ "سر آپ لوگ کھانا کس وقت کھائیں گے؟"

"نو بجے کے قریب۔"
"او کے سر" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔
"اچھا" پال نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں چلتا ہوں"
اس سے پہلے کہ کوئی اور بات ہوتی فون کی گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔
"ہیلو، ہیلو سر!" دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز آ رہی تھی۔
"کیا بات ہے۔ گھبراہٹ کیسی ہے" ہڈیوس نے ڈپٹ کر پوچھا۔
"سر، مالک اپنے کمرے میں مُردہ حالت میں پڑا ہے۔"
"مردہ حالت میں! کیا کہہ رہے ہو؟" فون اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

رات کے تقریباً دو بجے تھے۔ جہاز کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ اور سمندر کے پانی کی گونج فضا میں سرسرا رہی تھی۔ تقریباً سبھی مسافر سو چکے تھے۔ اُسی وقت "اسٹار برڈ" کا دروازہ دھیرے سے کھلا اور ایک سیاہ ہیولا باہر نکلا۔ اُس کے لباس کا ہی نہیں، چہرے کے ماسک کا رنگ بھی سیاہ تھا جس کی وجہ سے وہ تاریکی ہی کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ باہر آ کر اُس نے احتیاط سے دائیں بائیں دیکھا اور دبے قدموں جہاز کی پچھلی سمت جانے لگا۔ پھر دائیں طرف گھوم کر ایک کیبن میں داخل ہو گیا۔ صرف چند کیبنز میں روشنی تھی۔ جس کیبن میں وہ داخل ہوا تھا وہاں مکمل تاریکی تھی اُس نے خاموشی سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سیاہ رنگ کا چمکتا ہوا ننھا سا پستول اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اُس کی مخصوص بناوٹ ظاہر کرتی تھی کہ یہ جدید طرز کا پستول ہے جس میں ایک نال کی بجائے تین نالیں تھیں۔ سائے نے پھرتی سے کیبن کی باہر کی طرف کھلی ہوئی کھڑکی بند کر دی اور پستول کا ٹریگر دبایا۔ ایک ہلکی ٹک کی سی آواز خاموشی سے اُبھری اور پستول کی نالیوں سے سفید سفوف نکل کر کیبن میں پھیل گیا۔

سایہ کیا چاہتا تھا؟
مالدار کیوں قتل ہوا؟
اب آگے کیا ہونے والا ہے؟
ان باتوں کا جواب جاننے کے لیے اگلا شمارہ پڑھنا نہ بھولیں۔

خالد لطیف،

صادق و امین

ایک دن حضرت محمدؐ کی والدہ انھیں مدینہ میں باپ کی قبر پر لے گیئں وہ قبر کو تھوڑی دیر غور سے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے "اباجان جہاں آپ دفن ہیں میں اِس جگہ سے محبت کرتا ہوں" انھوں نے والدہ سے کہا۔ مدینہ بہت اچھی جگہ ہے میں یہیں رہنا چاہتا ہوں۔

واپسی پر حضرت محمدؐ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ ابوا کے مقام پر وفات پا گیئں اور انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ حضرت محمدؐ دوسری عورتوں کے ساتھ ماں کے بغیر واپس آ گئے۔ دادا نے انھیں دیکھا تو گود میں اٹھا لیا اور سینے سے لگا کر خوب روئے۔ اب وہ یتیم پوتے سے اور بھی محبت کرنے لگے۔ باپ کی وفات کے بعد وہ ماں سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد معصوم بچے سے دادا بھی چھن گئے اور وہ اپنے ایک چچا جناب ابُو طالب کے پاس رہنے لگے۔

جرأت مندانہ جواب

محمدؐ دوسرے بچوں میں گھل مل کر نہیں رہتے تھے۔ نہ وہ ان کے ساتھ کھیلتے نہ شرارت کرتے۔ بڑے نرم مزاج اور فرمانبردار تھے کبھی ضد نہیں کرتے تھے۔ ایک دن جب ان کے چچا شام کے سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے تو انھوں نے بھی ساتھ جانے کی خواہش کی چچا نے محبت سے کہا پیارے محمدؐ تم ابھی چھوٹے بچے ہو اور یہ ایک لمبا تھکا دینے والا سفر ہے۔

"میں اب بارہ سال کا ہوں اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ چچا نے یہ جرأت مندانہ جواب سنا تو بہت خوش ہوئے اور بھتیجے کو ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گئے۔

قافلہ روانہ ہوا تو حضرت محمدؐ ایک اونٹ پر سوار تھے ان کے لمبے گھونگھریالے بال کندھوں پر گر رہے تھے۔ جب تک سفر جاری رہا بادل کا ایک ٹکڑا ان کے سر پر سایہ کیے رہا اور صحرا کی جھلسا دینے والی دھوپ سے محفوظ رکھا قافلہ بصرہ پہنچا تو ان کی ملاقات ایک نصرانی راہب سے ہوئی جس کا نام بحیرہ تھا۔ وہ دیر تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرے کو دیکھتا رہا اور کہنے لگا "یہ وہی ہے جس کا انتظار تھا" قافلہ آ رہا تھا تو بحیرہ اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا اس نے

دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا بھی قافلہ کے ساتھ ہی حرکت کر رہا تھا۔

راہب نے قافلہ والوں کو اپنے یہاں رات کے کھانے کی دعوت دی ضیافت ختم ہو چکی تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ "یہ خدا کے آخری پیغمبر ہیں واپس لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں کے یہودی ان کو قتل کر دیں" اُس نے بچے کے باپ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وفات پا چکے ہیں۔ راہب نے سر ہلاتے ہوئے کہا "درست ہے اِن کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا تھا"

رات کو سب لوگ سو گئے تو نصرانی راہب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا اُس نے پوچھا "کیا آپ نے کبھی کوئی خواب دیکھا ہے؟" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "میں نے کئی عجیب و غریب خواب دیکھے ہیں" پھر کچھ خوابوں کی تفصیل بتائی۔ راہب نے بچے کی کمر پر نبوت کی مُہر بھی دیکھی اور کہا "آپ یقیناً خدا کے نبی ہیں"

حضرت محمدؐ کے چچا کو ان باتوں کا علم ہوا تو بہت حیران ہوئے کیونکہ وہ نبیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے بحیرہ سے کچھ اور باتیں اور بھی پوچھیں اِس طرح انھیں اللہ کے پیغمبروں کے متعلق کئی باتوں کا پتا چل گیا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رومی شہنشاہ کی فوج کے کچھ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور کہنے لگے "کسی شخص نے شہنشاہ کو بتایا ہے کہ یہاں وہ پیغمبر موجود ہے جو ایک دن اُس کی سلطنت کو فتح کر لے گا۔ ہم اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں"

"تمھاری تلاش بے سود ہے" نصرانی دانش مند نے جواب دیا "اگر وہ خدا کا پیغمبر ہے تو تم اسے کبھی گرفتار نہیں کر سکو گے"

"ان واقعات کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے جلدی جلدی کاروبار سمیٹا اور مکہ واپس چلے گئے

صداقت اور امانت

حضرت محمدؐ بچپن سے ہی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چراتے تھے۔ انھوں نے کبھی بُرے لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھا بلکہ تنہائی کو ترجیح دیتے تھے وہ بہت دیانت دار نیک اور سچے تھے۔ اِن اوصاف کی بنا پر لوگ اِن کی عزت کرتے تھے اور انھیں صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے●

"بچوں کی کوششیں نمبر" دیکھ کر بچوں کی تو باچھیں کھل ہی گئی ہوں گی لیکن نوخیز قلم کاروں، کے والدین بھی ماہ رمضان میں عید کی خوشیاں منا رہے ہوں گے۔ کیا نمبر شائع کیا ہے شاہد علی خاں نے۔ کمال کر دیا۔ یہ نمبر ہے یا شربت روح افزا کی بوتل۔ شاہد علی خاں اگر اس وقت بمبئی میں ہوتے تو میں انھیں اس کی اس شاندار جیت پر پھولوں کا ایک ہار پہنا دیتا۔ اس نمبر کا خیال ممکن ہے ان کے ذہن میں اس وقت آیا ہو گا جب وہ اپنے سالانہ دورے کے سلسلے میں بمبئی آئے ہوں گے کیونکہ یہ نئی نئی صنعتوں اور اختراعات کا شہر ہے۔ اردو کے ڈھیر سارے رسالے آج سے نہیں برسوں سے شائع ہو رہے ہیں لیکن غالبًا ـــــ غالبًا کیوں یقینًا یہ پہلا واقعہ ہوگا کہ کسی رسالے کا بچوں کی کوششیں نمبر شائع ہوا ہو۔ یہ صحیح معنوں میں "بچوں کا ادب" ہوا۔ اب تک بچوں کا ادب بڑوں ہی نے لکھا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ بچوں کا کھیل بچے کھیلتے ہیں، بچوں کی دعوت میں بچے ہی شریک ہوتے ہیں۔ بچوں کی شرارتیں بھی بچے ہی کرتے ہیں تو پھر بچوں کا ادب بچے کیوں نہ لکھیں۔ بڑوں کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رہنمائی کی بات اور ہے اور بڑے تو یہ بات خود ہی مانتے ہیں کہ بچوں کے لیے لکھنا مشکل ہے۔ پتا نہیں اُن کی یہ بات اُن ہی کی زبان سے سُن کر بچے کیا سوچتے ہوں گے۔

اس نمبر میں تو بچوں نے پورے ۱۵۰ صفحے لکھ ڈالے۔ اور میں نے ان ننھے لکھنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا یہ تعداد میں ۱۱۷ ہیں یعنی والی بال کی پوری تیرہ ٹیمیں، کرکٹ

بہت ہو چکی ہے) والی بال کے کھیل میں ہر کھلاڑی اُبھرتا ہوا کھلاڑی معلوم ہوتا ہے۔ کافی اونچا اُچھلنا پڑتا ہے۔ چیمپئن ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ان لکھنے والوں میں شہر بستی کی نمایندگی ذرا کم ہے لیکن ریاست مہاراشٹر کے حساب سے اچھی ہے لیکن یہ اس سے بھی اچھی ہو سکتی ہے کیونکہ اردو کے اسکول سب سے زیادہ اسی ریاست میں ہے۔ ٹیمیں ہوں گی تو ریفری بھی ہوں گے سو وہ بھی موجود ہیں۔ ایک مردانہ ڈپارٹمنٹ سے اور ایک خواتین کے ڈپارٹمنٹ سے یعنی حضرت ظ انصاری اور محترمہ سیّدہ عنوان اور مہمان خصوصی ہیں بزرگ بیامی مسعود احمد برکاتی جنھوں نے اپنے 'پیام' میں بتایا ہے کہ "پیام تعلیم" کی عمر تو اُن کی عمر سے بھی زیادہ ہے۔ ہے ناخوشی کی بات۔ (ہے اور نا کو ایک ساتھ پڑھیے۔ غلط پڑھیں گے تو میں ناخوش ہوں گا۔) ظ انصاری، سیّدہ عنوان، مسعود احمد برکاتی یہ تین اور چوتھے شاہد علی خاں۔ ان چاروں کی وجہ سے اس خاص نہیں۔ خاص الخاص نمبر میں چار چاند لگ گئے۔

یہ تو ہوا نمبر کا جغرافیہ لیکن اصل چیز ہے وہ مال مسالہ جو اس میں موجود ہے۔ اداریے میں لکھا ہے کہ "اس نمبر میں کچھ مضامین اچھے ہیں، کچھ بہت اچھے، کچھ معمولی اور کچھ کم معمولی۔ بُرا تو شاید ایک بھی نہیں"۔ میں اس بیان کی تائید نہیں کروں گا۔ بچّوں کو بچّوں کے معیار سے جانچنا چاہیے اور اس لحاظ سے جانچا جائے تو اس پرچے کے سارے کے سارے مضامین دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ اگر کسی بچّے کے مضمون میں کہیں کوئی جھول رہ بھی گیا ہے۔ تو یہ ایک اچھی علامت ہے کیونکہ جتنا جھول بڑے ادیبوں کی تحریریں میں ہوتا ہے اتنا تو سلے سلائے کپڑوں میں نہیں ہوتا۔ ذرا ٹھہریے میں پہلے سرورق کی بات کرلوں۔ یہ تین رنگ پیلے سنہرے بچّوں کی تصویروں سے مزیّن ہے۔ اوپر کی تصویر پر تو میں لوٹ پوٹ ہو گیا اس لیے نہیں کہ تصویر بہت اچھی ہے کیونکہ تصویریں تو تینوں ہی اچھی ہیں لیکن یہ بچّہ، مشتاق احمد یوسفی کی کتاب "چراغ تلے" کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کی آنکھیں تک ہنس رہی ہیں۔ دیکھا آپ نے ظرافت کا درجہ اور اس کا اثر۔ بڑوں کو بھی زیادہ سے زیادہ بھی ادب پڑھنا چاہیے ــ ہاں اظہر حسین انصاری کا مضمون "وی، آئی، پی، بھی خوب ہے۔ اس کم سن ادیب نے اچھا عنوان سوچا۔ اس عنوان کی وجہ سے یہ بچّہ بھی وی آئی پی ہو گیا۔ ویسے اس نمبر کے سبھی لکھنے والے بچّے 'اہم' ہیں۔ میں نے ایک مضمون کا ایسے ہی

ذکر کر دیا اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں نے دوسرے مضامین دیکھے ہی نہیں "پیار کی پیاس" اور "دوستی" یہ دونوں کہانیاں موضوع کے اعتبار سے لڑکی ہیں اِسے شاعری میں "لو اردو" کہا جاتا ہے۔ ایک کہانی لڑکی نے لکھی ہے اور دوسری ایک لڑکے نے اور آپ جانتے ہیں کہ آج کل لڑکیاں لڑکوں سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتیں۔

میں شاعری کو بھی پسند کرتا ہوں لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اس نمبر میں شاعری کا حصہ کم اور نثر کا حصہ زیادہ ہے۔ آیندہ جو دن آرہے ہیں اُن میں شاعری سے پرہیز کرنا بہتر ہوگا۔ غزل ہی نہیں ہوگی تو آزاد غزل بھی کسی کو نہیں سہنا پڑے گی۔

لطائف کا حصہ بھی اچھا خاصا ہے۔ کچھ لطیفے تو نئے بھی ہیں یا ہو سکتا ہے میں نے ہی پہلی مرتبہ سنے ہوں۔ بہرحال مزہ آیا۔ شاہد علی خاں نے اس موقع پر ولی شاہ جہاں پوری مرحوم کو یاد کر کے مرحوم کی روح کو خوش کر دیا ہوگا۔ ولی شاہ جہاں پوری مکتبہ جامعہ کے عاشقوں میں سے تھے۔ مضامین میں ایک مضمون پیام تعلیم کے سابق اڈیٹر حسین حسان صاحب (مرحوم) سے متعلق شامل ہے۔ ان کو بھی یاد کرنا ضروری تھا۔ حسان صاحب تو ادیبوں کو ایسے ایسے خط لکھتے تھے کہ مضمون بھیجنا لازمی ہو جاتا تھا۔

ان تمام ۱۱۷ بچوں کو سو سو مبارکباد دیں جنھوں نے اس نمبر کی رونق بڑھائی۔ ان ہی بچوں میں سے آگے چل کر کوئی نہ کوئی بچہ اتنا بڑا ادیب ہوگا کہ ۲۰۱۰ سال بعد اس کا لکھا ہوا مضمون اس جگہ شائع ہوگا جس جگہ اس نمبر میں ظ انصاری صاحب کا مضمون چھپا ہے۔ وہ بچہ صحیح معنوں میں بچوں کا ادیب ہوگا۔

ہاں ایک بات ـــ کیا اچھا ہوتا کہ شاہد علی خاں صاحب اس نمبر کے لیے بچوں ہی میں سے ایک کو اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر کر دیتے یا پھر جامعہ نگر سے کسی مہمان مُدیر کو بلا لیتے۔ جامعہ نگر میں تو ہر قسم کا سامان مل جاتا ہے لیکن کوئی بات نہیں میرے حساب سے اس نمبر کے ۱۱۷ اسسٹنٹ نہیں جوائنٹ اڈیٹر ہیں۔

دلی کے "اردو گھر" میں تو یہ نمبر جائے گا ہی لیکن اسے ہر اس گھر میں ہونا چاہیے جہاں اردو بولی اور پڑھی جاتی ہے۔ جن بچوں نے لکھا انھوں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا باقی کے بچوں کو پڑھنے کا کام کرنا چاہیے اور وہ بھی اپنا اپنا پرچہ۔ تازہ بتازہ

سکنڈ ہینڈ نہیں۔ یہ نمبر صحیح وقت پر شائع ہوا ہے۔ اسکول کی چھٹیاں ہیں۔ بچوں کے پاس پڑھنے کے لیے وقت ہی وقت ہے اور قیمت بھی اس کی صرف پانچ روپے ہے۔ تقریباً چار پیسے فی صفحہ۔ اور چار پیسے کا نام سن کر تو لوگ آج کل ہنس دیتے ہیں۔

پیامی ادبی معمہ نمبر ۳۹ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل :۔ دلہن۔ تاریک خیالوں۔ لات۔ بنجر ہی۔ سپاہیانہ۔ اسلام کی۔ برجستہ۔ دریافت۔

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۵ خوش نصیب

فی کس ۲۰/ روپے تقسیم کیے گئے

(۱) یاسمین جہاں صدیقی مکان نمبر ۱۷ ابوالفضل جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ (۲) فرحان شفیع شیخ۔ ۵۰۷ فرحت اپارٹمنٹ، باندھیولی ہل روڈ۔ جوگیشوری (ویسٹ) بمبئی ۱۰۲ (۳) ایم۔ ایس سلمان۔ مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار) (۴) عشرت فاطمہ۔ این ۹۵ سکیٹر چار۔ ڈی۔ آئی۔ زیڈ ایریا۔ بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱ (۵) مسرت سلطان ۲۷۶۲ گلی گڑھیا۔ کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی ۲

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۲ خوش نصیب

فی کس ۲۰/۴ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں۔

(۱) شائستہ خلیل (۲) سید خلیل احمد۔ دونوں کا پتا۔ این ۹۵ سیکٹر ۴۔ ڈی آئی زیڈ ایریا بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی ۱ (۳) نسرین حبیب۔ سردار چوک۔ ہزاری باغ (بہار) (۴) کے۔ الیف زہرا (۵) جی۔ الیف زہرا (۶) این۔ الیف زہرا۔ تینوں کا پتا مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار) (۷) عبدالحسیب بینی پور مرزا مراد۔ بنارس۔ یو پی (۸) ایم مختار احمد جالبیہ دواخانہ ۳/۷ تپسیا اسٹریٹ کلکتہ ۹۔ محمد سمیع انصاری۔ گراؤنڈ فلور کمرہ نمبر ۵ سات راستہ بمبئی ۱۱ (۱۰) عبدالرحیم۔ حاجیوں کی چال گومتی پور روڈ۔ احمد آباد ۲۱ (۱۱) نعیم احمد کٹپھال تول بیٹھ ہبلی (کرناٹک) شکیل احمد عبدالغنی۔ رزاق آباد مکان ۵۵۵ مالیگاؤں (ناسک)
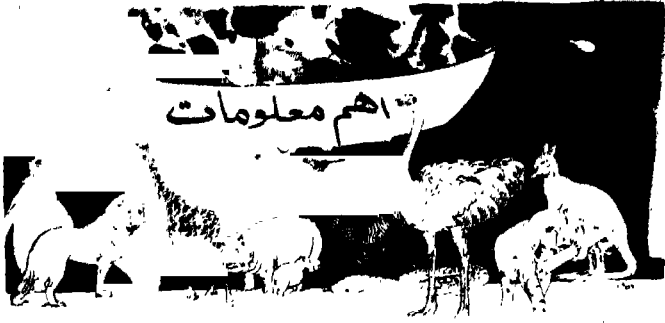
ڈکشنری

آپ میں سے بہت سے بچّوں کے پاس ڈکشنری ہو گی جس میں وہ انگریزی الفاظ کے معنی دیکھتے ہوں گے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ سب سے پہلی ڈکشنری کب مرتب کی گئی تھی؟ آئیے ہم اس سلسلے میں آپ کی معلومات بڑھائیں۔

ڈکشنری کا لفظ لاطینی کے ایک لفظ ڈکشنریس سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "الفاظ کا مجموعہ" سب سے پہلے یہ لفظ ۱۲۲۵ء میں ایک انگریز عالم جان گارلینڈ نے اس وقت استعمال کیا تھا جب اس نے لاطینی الفاظ کا ایسا مجموعہ مرتب کیا تھا جسے اس دور کے لوگ زبانی یاد کیا کرتے تھے۔ پھر تین سو سال بعد رچرڈ ہیولوٹ نے انگریزی الفاظ کی ڈکشنری مرتب کی۔ اس ڈکشنری میں چھبیس ہزار الفاظ تھے مگر یہ بہت مہنگی تھی چنانچہ عام لوگ اسے خرید نہیں سکتے تھے۔ پھر اسے عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے چھوٹے اڈیشن تیار ہونے لگے مگر ان میں صرف مشکل الفاظ کے معنی ہوتے تھے۔ آخر ۱۶۲۳ء میں ہنری کوکرم نے ایسی ڈکشنری مرتب کی جس میں آسان الفاظ کے معنی بھی شامل تھے۔ امریکہ میں ویبسٹر نے ۱۸۰۰ء میں ڈکشنری مرتب کرنا شروع کی جو ۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی اس میں بارہ ہزار الفاظ کے چالیس ہزار معنی شامل تھے۔ اس ڈکشنری کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں الفاظ کے ہجّے آسان بنا دیے گئے تھے۔

روشنی کے مینار

اگر کبھی آپ نے بس اور کار کے ذریعے دور دراز کا سفر کیا ہو تو دیکھا ہوگا کہ سڑک کے کنارے

فاصلہ بتانے والے میلوں کے نشانات (سنگِ میل) کے علاوہ اور بھی کئی اقسام کے بورڈ لگے ہوتے ہیں، جو موٹروں، اسکولوں اور پُلوں وغیرہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر ڈرائیور پہلے سے چوکنا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سمندری راستوں کی نشان دہی کے لیے بھی اقدامات کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک روشنی کے مینار ہیں جو بحری جہازوں اور کشتیوں کو چٹانوں کے خطرے سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ بندرگاہوں کا راستہ دکھاتے ہیں۔

روشنی کے مینار ہزاروں سال پہلے تعمیر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ابتدا میں یہ زیادہ اونچے نہیں ہوتے تھے اور اُن کی چوٹی پر آگ جلائی جاتی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ سب سے پہلے روشنی کے مینار کب قائم کیے گئے لیکن ساتویں صدی قبل از مسیح میں ایک مینار خلیج سگیم میں بنایا گیا تھا۔

روشنی کے قدیم ترین میناروں میں سے ایک سکندریہ (مصر) میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ سنگِ مرمر کا ہے اور اس کی تعمیر پر اُس وقت ایک لاکھ روپے کے برابر رقم خرچ ہوئی تھی۔ اِسے دنیا کے سات عجائبات میں شمار کیا جاتا تھا۔

رومنوں نے بھی متعدد روشنی کے مینار تعمیر کیے جن میں سے ایک بولان (فرانس) میں تھا۔ جو سترھویں صدی تک بحری جہازوں کو راستہ دکھاتا رہا۔

پُرانے مینار آج کل کے میناروں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کم تر ہوتے تھے۔ آج کل ہر ملک کے ساحل پر یہ مینار تعمیر کیے گئے ہیں لیکن یہ مضبوط بھی ہوتے ہیں، اور ان کی روشنی بھی بہت دور سے دکھائی دیتی ہے۔●

آغا شیدا کاشمیری

ایک ملاح

ایک ملاح جس نے بہت سے سفر کیے تھے اپنے دوستوں سے ملنے آیا اور کہا اب میں پھر ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں چونکہ واپسی ایک مدت کے بعد ہوگی اسی لیے سوچا آپ لوگوں سے ملتا جاؤں۔"

دوستوں نے پوچھا کیا تمھیں سمندری سفر کرتے ہوئے خوف محسوس نہیں ہوتا سمندر بے شمار خطروں سے بھرا پڑا ہے اور ہزاروں آدمی اُس کی نذر ہو چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں تم اپنی زندگی خشکی پر گزارو تو زیادہ بہتر ہے یہاں آدمی زیادہ محفوظ رہتا ہے۔" "وہ کس طرح؟" ملاح نے پوچھا۔ کیا زمین خطروں سے پُر نہیں؟" ہرگز نہیں زمین ہر اعتبار سے سمندر سے کم خطرناک ہے۔" انھوں نے جواب دیا" لیکن وہ کس طرح؟" ملاح نے دوبارہ پوچھا۔ مجھے کئی بار طوفانوں سے پالا پڑا ہے لیکن آج تک صحیح سلامت ہوں" اچھا ہمیں یہ بتاؤ کہ تمھارا باپ کیا کام کرتا تھا؟" دوستوں نے سوال کیا۔

"وہ بھی میری طرح ایک ملاح تھا" اُس نے جواب دیا" اور اس کی موت کہاں واقع ہوئی؟"

"سمندر میں"

"اور تمھارے دادا؟"

"ملاح تھے اور وہ بھی سمندر میں مرے۔"

"کیا اب بھی تمھیں سمندری خطروں سے انکار ہے"؟

"نہیں" اس نے جواب دیا اچھا اب تم میری ایک بات کا جواب دو" ملاح نے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" تمھارا باپ کون تھا اور کہاں مرا؟" اس کی موت اپنے گھر میں یعنی خشکی پر ہوئی" پہلے دوست نے جواب دیا۔

اور تمھارا باپ؟ اس نے دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا باپ جیسا کہ دنیا جانتی ہے ایک

ورزی تھا اور وہ بھی یہیں مرا۔" دوسرے نے کہا۔

"اور تمھارا باپ؟" اس نے تیسرے دوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا باپ لوہار تھا" تیسرے نے کہنا شروع کیا" اس نے بھی تمام شریف آدمیوں کی طرح زمین پر جان دی"

ملاح نے ہنستے ہوئے کہا "اب بتاؤ کیا تمھیں زمین پر رہتے ہوئے خوف محسوس نہیں ہوتا؟ جب کہ تم اپنی آنکھوں سے اتنے آدمیوں کو مرتے دیکھ چکے ہو" اور پھر دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر اپنا دل پسند گیت گاتا ہوا چل دیا۔

یہ بارش یہ طوفاں، ہواؤں کا زور!
یہ بجلی کا کڑکا یہ آندھی کا شور!
مجھے ایسی باتوں کی پروا نہیں!

عاصمہ گل عصمی

عید کی رونق

بڑی دھوم سے آج پھر عید آئی
ہر اک سمت گونجے خوشی کے ترانے
محلوں میں ہر سو بجے شادیانے
سجی ہر گلی اور سجی ہر دکاں ہے
ہر اک سمت خوشیوں کا سیل رواں ہے
مسلماں سبھی عید گاہ جا رہے ہیں
وہ بچوں کو بھی ساتھ لا رہے ہیں
بہت شادماں ہیں یہ ننھے سے بچے
کوئی گیت گائے کوئی اچھلے کودے
لگی لڑکیوں کے ہے ہاتھوں پہ مہندی
جو دی باپ نے اور امی نے عیدی

مسرت کا ساتھ اپنے پیغام لائی
فضاؤں میں پنچھی لگے چہچہانے
فراہم کیا ہے یہ موقع خدا نے
گھروں میں عروسی کا جیسے سماں ہے
شگفتہ ہیں چہرے تو دل شادماں ہے
سماں ایک میلے کا دکھلا رہے ہیں
عجب شان سے جو کہ اٹھلا رہے ہیں
جو پہنے ہوئے ہیں چمکدار کپڑے
اڑا اے فضاؤں میں کوئی غبارے
کلائی میں پہنی گھڑی دار چوڑی
الٹوں تلوں میں ساری اڑا دی

بڑی دھوم سے آج پھر عید آئی
مسرت کا ساتھ اپنے پیغام لائی

"بچّوں کی کوششیں نمبر" ایک بار نہیں کئی بار پڑھا یقین مانیے میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں "پیام تعلیم" کے "بچّوں کی کوششیں نمبر" کی تعریف کرسکوں۔

پہلا صفحہ کھولتے ہی سابق مدیران پیام تعلیم کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آیندہ شماروں میں تمام مدیران کی بچّوں کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی جائے۔

جناب مسعود احمد برکاتی صاحب کا پیغام اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ انھوں نے پیغام اتنے موثر انداز میں دیا ہے کہ انشاء اللہ اب یہ باتیں ذہن سے کبھی نہیں نکل سکتی۔ سیدہ عنوان صاحبہ کی نظم بہت پسند آئی اور ظ۔ انصاری صاحب نے تو کمال ہی کردیا۔ واقعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ نہیں ہمارا کوئی ساتھی باتیں کر رہا ہے۔ نئے سال کا بچّوں کا ترانہ بھی پسند آیا۔ برادر محمد بشیر الاسلام کا مضمون کولمبس، خلیل الرحمان صاحب کا مضمون "سانپ" بہت معلوماتی مضامین رہے۔ بہن منشا خورشید کی کہانی "شہیدِ وطن" تو بے حد پسند آئی اور آخر میں بے اختیار ہنسی بھی آگئی۔ سیّد سرشار احمد سجّادی کی کہانی "بھوت کی حقیقت" بھی کافی معلوماتی کہانی ہے۔ عشرت جہاں فاطمہ، ایچ اے عزیز صاحب کی کہانی "میری امّی پیاری امّی" بھی پسند آئی۔ ننھّی بہن نازیہ جبیں کی نظم "میری بلّی"، ابوطلحہ صاحب کا "دوستی کا تقاضہ" بہت اچھے رہے "شہید پروفیسر عبدالباری" پڑھ کر ان کے بارے میں بہت ساری معلومات میں اضافہ ہوا۔ اسلامی کہانی بہن نور عائشہ کے قلم سے لکھی ہوئی "جانباز و جاں نثار" پڑھ کر ایمان تازہ و مضبوط ہوگیا۔ محمد اصغر صاحب کا "ہوائی جہاز" پڑھ کر ہوائی معلومات میں مزید اضافہ ہوا۔ بہن رفیعہ بانو کا مضمون "رحمتِ عالم" بہن فرزانہ فاطمہ زہرا صاحبہ کی تاریخی کہانی "خدا کے ساتھ تجارت" بہت پسند آئیں۔ "ہمارے اسکول میں کوّا" پڑھ کر محسوس ہوا کہ آج کل کے کوّے بھی سائنسداں بننے لگے ہیں۔ برادر نورالاسلام کا مضمون "میرا بہترین ساتھی" پڑھ کر میں برادر نورالاسلام کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرا بھی بہترین ساتھی پیام تعلیم ہے۔ ایم سیف الدین انصاری صاحب کا مضمون ۲۶ جنوری بھی پسند آیا جس میں وہ لگائے بیٹھے ہیں [illegible]

پیامی لگائے بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے آپ
کو اکیلا نہ سمجھیں۔ برادر عرفان احمد کی "حمد"
بہت پسند آئی اور وہ حمد اب میری ڈائری
کی زینت بن چکی ہے۔ مضامین "مطالعہ
کتب کے فائدے" "انسانی زندگی میں تعلیم
کی اہمیت" اور "ڈسپلن" بہت ہی اچھے ہیں۔
مظفر علی بیگ صاحب کے ذریعہ ہمیں شاہ
فیصل کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں
بہن رقیہ جمال کے اشعار اور بہن فارحہ
رضوی کی "نظم" "موسم" بھی بہت پسند آئیں
محمد ناظم الدین رضا صاحب کے پسندیدہ
اشعار بھی قابل تعریف ہیں۔ ان کے علاوہ
اقوالِ زریں، لطیفے اور پہیلیاں وغیرہ سب
ہی کچھ پسند آیا۔ مجھے پیام تعلیم کے صفحہ ۳
اور ۴ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ الف سے لے کر
ی تک کے سبھی شروع ہونے والے نام دیکھنے
کو ملے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیام تعلیم
ہم بچوں کا کتنا ہر دل عزیز رسالہ ہے میری
طرف سے سبھی پیامیوں کو بہت بہت مبارکباد
خصوصاً آپ کو مبارک باد۔ کیوں کہ آپ ہمارا
اتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ جو چیز بھیجتے
ہیں آپ ہمت افزائی کے لیے شائع کر دیتے
ہیں ـــــ

میرا ایک حقیر سا مشورہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ
پیام تعلیم کے کسی شمارے میں اس بات کا
اعلان کریں کہ "پیام تعلیم ہفتہ" سبھی پیامی بھائی
بہن فلاں دنوں میں منائیں۔ اس سے یہ
فائدہ ہوگا کہ پیام تعلیم سے زیادہ سے زیادہ
بچے متعارف ہو سکیں گے اور زیادہ سے زیادہ
بچے خریدار بن سکیں گے۔ امید ہے کہ مشورہ
پر غور فرما کر اور سبھی پیامیوں سے رائے
لے کر مطلع فرمائیں گے۔ آخر میں ایک درخواست
اور خطوط نمبر کے لیے بلکہ ہماری رہنمائی
کے لیے خطوط نگاری پر ایک مضمون بھی
ظ۔ انصاری صاحب سے لکھوا دیجئے تاکہ
ہم لوگوں کو خط لکھنے کا بھی سلیقہ آجائے۔

(ایم شعیب: ۱۴، ٹبلہ ہاؤس
جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

● "بچوں کی کوششیں نمبر" بڑھاپا، بڑھیا اور
چار چور میں رامن کا فیصلہ پسند آیا۔ "کولمبس
کا سفر" محنت سے لکھا گیا ہے۔ "پیار کی پیاس"
سے ایثار کا سبق ملتا ہے۔ زیارت اور پروفیسر
عبد الباری معیاری مضامین ہیں۔ "بھدرک
سے گنگوتری کی سیر" خوب ہے "مہمان
دوڑ" "حضرت بی بی زینب" اور تمام نظمیں
پسند آئیں۔ "شہید وطن" "رحمتِ عالم اور میری
امی پیاری امی شائقین علم کے لیے ایک
روشن مینار ہے۔ تمام مضمون نگاروں کو
مبارک باد۔ (خلیل الرحمان ویلور ۱۴)

● بچوں کی کوششیں نمبر میں "برکاتی صاحب کا پیغام اور سید عنوان صاحب کی نظم اور "بچوں کے لیے لکھنا" تو لاجواب چیزیں ہیں ہی لیکن اس نمبر کے شائع ہونے کے بعد، پیامیوں کی تحریریں پڑھنے کے بعد ایک بات کا یقین ہو رہا ہے کہ اردو کبھی ختم نہیں ہو سکتی، یہ زندہ زبان ہے، زندہ رہے گی اور ہمی پیامی اسے زندہ رکھیں گے۔ کیسے کیسے مضامین لکھے ہیں ان بچوں نے۔ آپ کی محنت اور پیامیوں کی کوششوں کا یہ شاہکار ہمیشہ یاد رہے گا

لطیف احمد انصاری۔ بمبئی

"بچوں کے لیے لکھنا" واقعی لاجواب ہے جناب ظ انصاری کو ہم سب کی طرف سے مبارک باد پیش کر دیجیے اور ایک درخواست کر دیجیے کہ وہ "خطوط نگاری" پر بھی وہ ایک مضمون لکھ دیں تاکہ پیام تعلیم کے خطوط نمبر میں ہم کو اس سے مدد مل سکے۔

جمیل احمد۔ پٹنہ

جناب ظ انصاری کا پورا نام کیا ہے؟ ایسا اچھا مضمون لکھنے والے ہمارے ادیب کے بارے میں ہم کو مکمل معلومات دیجیے۔ کہاں پیدا ہوئے؟ کیا کرتے ہیں۔

وغیرہ وغیرہ۔ "خطوط نگاری" پر ان سے مضمون ضرور لکھوائیے

احمد رئیس خاں۔ حیدرآباد

● آپ نے ایک بہت بڑی غلطی کر دی، جناب ظ انصاری کا مضمون "بچوں کے لیے لکھنا" آپ کو اس نمبر سے پہلے شائع کرنا چاہیے تاکہ ہم لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے۔ اب خطوط نگاری پر مضمون لکھوائیے تاکہ ہم اس نمبر میں اچھے اچھے خطوط لکھ سکیں اتنا زبردست نمبر نکالنے پر مبارک باد۔

شکیل احمد۔ بھیونڈی

● اس نمبر میں "میری امی، پیاری امی"، فارحہ رضوی کا "موسم"، رحمتِ عالم، شہر اور دیہات، وی، آئی، پی بلکہ یوں سمجھیے کہ سارے مضامین پسند آئے۔ ظ انصاری صاحب نے تو واقعی کمال کر دیا۔ انعام تو حکومت اور اکیڈمیاں دے سکتی ہیں۔ ہم تو ان کو دل سے دعا دیتے ہیں اور مزید لکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔

ریحانہ تسنیم۔ سری نگر

● پیام تعلیم کبھی کبھار ہم تک پہنچ جاتا ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد فروری ۱۹۸۸ء

کا رسالہ ہاتھ لگا۔ کیا ہمارے شہر میں آپ اپنا پرچہ بہت کم تعداد میں بھیجتے ہیں؟ ہاکرس ایک ہی بات کہتے ہیں کہ رسالے ختم ہوگئے اس سے پیام تعلیم کی مقبولیت کا احساس بھی ہوتا ہے اور اس کا افسوس بھی کہ ہم تک یہ بڑی مشکل سے پہنچتا ہے۔

• 'پیام تعلیم' میں خطوط کا کالم نہ دیکھ کر کمی کا احساس ہوا۔ ہم اپنی آواز دوسروں تک کس طرح پہنچائیں گے۔ اب دیکھیے نا مجھے ایک سوال کا جواب چاہیے۔ صفحہ ۶۸ میں قیمے کی ٹکیاں بنانے کا طریقہ لکھا ہوا ہے۔ اس طریقے میں لکھا ہے کہ مسالہ ملا کر رکھ دیں۔ یہاں تک کہ گل جائے کیا قیمہ یوں ہی رکھ دینے سے گل جائے گا یا اسے آگ پر چڑھائیں گے۔؟

یوسف ناظم صاحب کا دودھ کا حوض بہت اچھا لگا۔ معراج کا اجنبی مسافر بے کار کہانی ہے۔ نیر علوی کی کہانی 'عقلمند استاد' پسند آئی۔

اس بار نظموں کی کمی کا احساس ہوا۔ ڈرامے آپ کیوں نہیں چھاپتے۔؟ اسکول کے فنکشن میں کام آتے ہیں۔

غزالہ تمکین

۴۶ لنٹن اسٹریٹ کلکتہ۔ ۱۴۔

• مارچ کا پیام تعلیم پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ خاص کر تین اور دو۔ کبیرہ گناہ بہت پسند آئی۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ خوب خوب ترقی کرے۔

(انیس احمد جلیل احمد نیا پورہ مالیگاؤں)

• پیامی ادبی معمّا کے ٹوکن سے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ٹوکن پر بھیجنے والا کا پتا کے بجائے خود پیام تعلیم کا پتا مع ٹوکن نمبر درج ہو تو معمّے کا حل لفافے کے بجائے پوسٹ کارڈ پر روانہ کیا جا سکتا ہے (ٹوکن پوسٹ کارڈ پر پتا لکھنے کی جگہ چسپاں کر کے) اس سے پیامیوں کے ڈاک خرچ میں کافی بچت ہوگی۔

معمّا کے آخری دو شمارے پیام تعلیم کے پچھلے شماروں سے لینے کا یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ پرانے شمارے جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں اور جو مضامین پڑھنے سے رہ گئے تھے ان کا بھی حق ادا ہو رہا ہے

(عبدالمجید ابن عبدالشکور آنبکل)

• "پیام تعلیم" کے چند شمارے نظر نواز ہوئے۔ پسند آئے۔ اس کے مضامین معلوماتی، اصلاحی اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ یہ نہ صرف بچوں کا بلکہ بڑوں کا بھی دلچسپ اور دلکش رسالہ ہے خصوصاً اس کا سرورق تو بچوں کے لیے جاذب نظر ہوتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ رسالہ روز افزوں ترقی کے راستے پر گامزن رہے آمین۔

— آصف کمال [illegible]

انمول موتی

۱۔ صرف اپنے سے بڑے کی عزت ہی نہیں بلکہ ہر قوم کے لوگوں کی عزت کرنا تمھارا پہلا فرض ہے۔

۲۔ دولت سے کوئی شریف نہیں کہلاتا بلکہ شرافت آدمی کے کردار سے دیکھی جاتی ہے

۳۔ اگر کوئی آدمی تمھیں کوئی راز کی بات بتائے تو اس کے راز کو راز ہی رہنے دو کیونکہ کوئی بھی آدمی اپنے دل کی بات اسی سے کہہ سکتا ہے جس پہ اسے پورا بھروسا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کی بات دوسرے کے سامنے بیان کر کے اپنا اعتبار کھو دو اور بعد میں تمھیں شرمندہ ہونا پڑے۔

عظیمہ نشاط
محلّہ قاضی سرائے I نگینہ (بجنور)

وقت

وقت برباد کرنے والے کو
وقت برباد کر کے چھوڑے گا
اس کو حالات ہی نہ چھوڑیں گے
خود کو حالات پہ جو چھوڑے گا
(اسماء اختر، ویلکم گیٹ، جمال پور، علی گڑھ)

بچت کے فائدے

عامر اور مسعود اپنے ہوسٹل کے روم میں پارٹنر تھے۔ عامر بہت زیادہ پاکباز نمازی اور وقت کا پابند تھا، اس کے برعکس محمود بہت زیادہ شریر اور بے پروا تھا۔ عامر نے مسعود کو لاکھ سمجھایا کہ اتنی شرارت نہ کرو کہ لوگوں کو ناگوار گزرے۔ لیکن مسعود ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا تھا اس کے علاوہ مسعود فضول خرچ بھی تھا عامر سوچ سمجھ کر پیسے خرچ کرتا تھا اس لیے مسعود نے عامر کو مکھی چوس اور کنجوس جیسے نام دے رکھے تھے۔ ہر مہینے کی دو تاریخ کو عامر اور مسعود کو پاکٹ منی ملتی تھی۔ مسعود ایک ہی دن میں سارے پیسے خرچ کر دیا کرتا تھا۔ عامر ایسا نہیں کرتا تھا۔ مسعود کی ساری کاپیاں بھر چکی تھیں۔ کاپیوں کی سخت ضرورت تھی۔ مسعود پریشان کن حالت میں بیٹھا تھا کہ عامر کمرے میں داخل ہوا "ارے مسعود کیا ہوا؟ کیا ہوا تمھارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟" عامر نے پوچھا تو مسعود بولا "یار کیا بتاؤں اگر میں تیری بات مان لیتا تو آج یہ پریشانی نہ اٹھانی پڑتی" "آخر ہوا کیا؟" عامر نے مزید

سوال کیا۔ ”ہونا کیا تھا کل کاپیاں چیک ہوتی ہیں اور میری کاپیاں بھر چکی ہیں گھر سے اتنی جلدی پیسے آ نہیں سکتے اس لیے کل میڈم کے ڈنڈے سے اور پرنسپل صاحب کی ڈانٹ سے بچنا مشکل ہے۔ تجھے تو بھی فکر کھائے جا رہی ہے“، تو عامر بولا ”ہاں یار جاؤ بھی۔ لے آؤ کاپیاں، میرے پاس پیسے ہیں۔ چلو آؤ دونوں چلتے ہیں۔“ تو مسعود شرما گیا اور پٹائی کے ڈر کی وجہ سے عامر کے ساتھ چل دیا۔

انھوں نے بازار سے کاپیاں خریدیں پھر ہوسٹل آ گئے۔ مسعود نے جلدی جلدی اپنا کام پورا کیا اور اس طرح عامر نے مسعود کی پریشانی ختم کر دی۔ مسعود بولا ”اگر میں بھی بچت کرتا تو مجھے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ پیارے دوست! آج سے میں بھی بچت شروع کر رہا ہوں اور تمھیں میں نے جو نام دیے تھے ان کے لیے معافی مانگ رہا ہوں“

پیارے پیامیو! دیکھا آپ نے؟ آئیے ہم بھی آج سے بچت شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کی مصیبت کے وقت ہم کسی کے کام آ سکیں۔ اور فضول خرچ تو ہمیں ویسے بھی نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن شریف کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھیے ”فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں“

تو آئیے ہم اپنے آپ کو شیطان کا بھائی بننے سے بچائیں۔

محمد شعیب۔ ٹیلر ہاؤس۔ نئی دہلی ۲۵

پہیلیاں

(۱) اچک دانہ بیچک دانہ، دانہ اوپر دانہ
کوٹھے اوپر لڑکی ناچے، لڑکا ہے دیوانہ
(۲) ادھر ادھر موتیوں کی لڑی، بیچ میں ہماری لکڑی
(۳) پیلی سی پتلی سی اک کمان جس کو پکڑ سکے نہ کوئی انسان
(۴) ایک پرندہ ایسا جس کے دُم پر پیسہ
(۵) ہری ڈنٹی ہرا دانہ۔ دل چاہے تو توڑ کے کھانا
(۶) شیشہ کے محل میں رہتی ہے سونے کی رانی

(شبانہ اعظمی۔ ونتابی۔ بہار)

[illegible]

● ایک شخص کو اپنے دوست کی یاد بڑی طرح ستانے لگی۔ وہ مصوّر نہ تھا، لیکن سوچنے لگا کہ کیوں نہ اپنے دوست کی تصویر بنالوں۔ جب تصویر مکمل ہوگئی تو وہ تصویر کی طرف دیکھ کر بولا،

"آہ دوست، تم کتنے بدل گئے ہو؟"

● دو میاں بیوی غالب کے شعر پر بحث کر رہے تھے۔ جب دونوں کافی دیر تک اپنے دلائل سے ایک دوسرے کو قائل نہ کرسکے تو بیوی بولی،

"چلو چھوڑو، میں جب جنت میں جاؤں گی تو غالب سے خود پوچھ لوں گی۔"

میاں: اور اگر غالب جنت میں نہ ہوئے تو؟

"پھر تم خود ہی پوچھ لینا۔" بیوی نے جواب دیا۔

مرسلہ: ندیم احمد خان زادہ،

● محکمۂ ریل کے انسپکٹر نے اوورسیئر کی رپورٹ میں خامی نکالتے ہوئے کہا، "یاد رکھو، کبھی طویل نہ لکھو۔ اختصار سے کام لو۔ محکمۂ ریل کو رپورٹ کی ضرورت ہے۔ افسانے کی نہیں، سمجھے۔"

"خوب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔" اوورسیئر نے جواب دیا۔

چند روز بعد ایک ریل کی پٹری سیلاب میں بہہ گئی تو انسپکٹر کو اوورسیئر کی طرف سے حسب ذیل رپورٹ موصول ہوئی:

"جہاں کبھی ریلوے لائن تھی وہاں اب دریا بہہ رہا ہے۔"

مرسلہ: علی ناصر رضوی۔

● مالک: (مزدور سے) میں نے تمھاری مزدوری پسینا خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کردی ہے لیکن پھر بھی تم خوش نظر نہیں آرہے ہو؟

مزدور: لیکن آپ نے مزدوری اتنی تھوڑی دی ہے کہ مجھے دوبارہ پسینا آگیا ہے۔ مرسلہ: محبوب الٰہی مخمور

● آدھی رات کو سڑک پر ایک شرابی کھڑا تھا۔ اُدھر سے ایک سپاہی گزرا اور اس نے پوچھا،

"تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟"

شرابی نے فوراً جواب دیا، "سارا شہر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے جیسے ہی گھر آئے گا گھس جاؤں گا۔"

● ڈاکٹر: (مریض سے) اگر آپ بھیڑ بھاڑ اور ہنگاموں سے بچتے رہے تو بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔

مریض: میں ایسا نہیں کر سکتا، کیوں کہ میں اپنے پیشے سے مجبور ہوں۔

ڈاکٹر: کیا پیشہ ہے آپ کا؟

مریض: میں جیب کترا ہوں۔

مرسلہ: مستجاب زاہد۔

● ڈرائیور کا چالان کرتے ہوئے سپاہی نے کہا، "تم پچاس میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہے تھے۔"

ڈرائیور خوشامدانہ لہجے میں بولا، "چالان میں اسّی کی رفتار درج کریں تاکہ میں اس شخص کو متاثر کر سکوں جس کے ہاتھ یہ کار فروخت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

● دو کاروباری حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا، "تمھیں معلوم ہے اشتہارات کے نتیجے کتنی جلدی ظاہر ہو جاتے ہیں؟"

دوست نے جواب دیا، "معلوم ہے، پرسوں میں نے اخبار میں گھر کے پہرے دار کی ضرورت کے لیے اشتہار چھپوایا اور کل ہمارے ہاں چوری ہو گئی۔" مرسلہ: محمد ابراہیم

● ملازم: (مالک سے) سر! میری تنخواہ بڑھا دیں، میری شادی ہو گئی ہے۔

کمپنی کا مالک: کمپنی کے باہر جو حادثہ ہو، ہم اس کے ذمے دار نہیں۔ مرسلہ: آصف علی ہدایت علی نقوی

● ایک خاتون سے کسی نے دریافت کیا، "میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے لاکٹ میں کسی قسم کی یادگار کو محفوظ کر رکھا ہے۔"

"ہاں، اس میں میرے شوہر کے چند بال ہیں۔" "لیکن آپ کے شوہر تو زندہ ہیں۔"

"ہاں، مگر ان کے بال تو جھڑ چکے ہیں۔"

● ایک عورت نے بس سے اترتے وقت جان بوجھ کر ایک پیکٹ بس کی سیٹ پر چھوڑ دیا۔ ایک مسافر اس سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا۔

"میں تو روزانہ ہی ایسا کرتی ہوں۔" عورت کا جواب تھا۔ "یہ میرے شوہر کے کھانے کا پیکٹ تھا، وہ گم ہو جانے والی چیزوں کو جمع کرنے والے دفتر میں کام کرتے ہیں۔"

● ڈاکٹر: میں مریض کی آنکھ دیکھ کر مرض بتاتا ہوں۔ تمھاری بائیں آنکھ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں تپ دق ہے۔

مریض: جناب! میری یہ آنکھ مصنوعی ہے۔

مرسلہ: شکیلہ ایوب منظر،

● ایک مال دار تاجر سے اس کے نوجوان ملازم نے کہا، "جناب! اگلے جمعہ کو میری شادی ہے، مجھے اس دن کی چھٹی چاہیے۔"

تاجر نے حقارت بھرے لہجے میں کہا، "واقعی! تم جیسے صرف دو سو روپے ماہوار کمانے والے ملازم سے کون احمق لڑکی شادی کرنے کو تیار ہو گئی؟"

نوجوان نے جواب دیا، "آپ کی اکلوتی بیٹی!"

مرسلہ: عبدالواحد شیخ

چچا جان آپ کو اس شہر میں آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں۔ آپ جب واپس جائیں گے بھی نہیں تو دوبارہ کس طرح آئیں گے؟
برخوردار مجھے تمہارا یہ شہر اور یہ مکان اتنا پسند آگیا ہے کہ میرا بار بار یہاں آنے کو جی چاہے گا۔
ایک ہفتہ پہلے بجلی فیل ہو جانے کی شکایت درج کرائی تھی آپ آج آئے ہیں اسے ٹھیک کرنے؟
معاف کیجیے گا جناب! ہمیں تو دراصل اس مکان کی تلاش ہے جنہوں نے ایک مہینہ پہلے بجلی فیل ہونے کی شکایت درج کرائی تھی۔

شہزادی اَبرجائن

ظالم ملکہ نے ساتوں شہزادوں کو قتل کر دیا اور آخر ایک دن اَبرجائن بھی مر گئی لیکن بادشاہ کی مدد نے اُسے دوبارہ زندہ کر دیا اور جادوگر ملکہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

صائمہ صابر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک گاؤں میں ایک غریب لکڑہارا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور گاؤں میں فروخت کر کے کھانے پینے کا سامان خرید لیتا۔ اس لکڑ ہارے کے کوئی اولاد نہ تھی۔

ایک دن لکڑہارا لکڑیاں کاٹنے جنگل میں گیا تو اس کی نظر اَبرجائن کے ایک خوب صورت پودے پر پڑی۔ اس نے پودے کو اکھاڑ لیا اور اس خیال سے گھر لے آیا کہ وہ اسے اپنی جھونپڑی کے آگے لگائے گا۔ گھر پہنچ کر اس نے اسے جھونپڑی کے سامنے لگا دیا۔

وہ ہر روز اسے پانی دیتا اور اس کا خیال رکھتا۔ اَبرجائن کا پودا روز بہ روز بڑھتا چلا گیا۔ ایک صبح اس نے دیکھا تو اس پر بڑا سا پھل لگا ہوا

تھا۔ لکڑ ہارے نے جب وہ پھل اپنی بیوی کو دکھایا تو وہ خوش ہو کر بولی: "یہ تو ناشپاتی سے بھی بڑا ہے۔ اس کی جامنی اور سفید جلد کتنی خوب صورت اور چمک دار ہے۔"

ابر جائن کا پھل اتنا خوب صورت تھا کہ لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اسے توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ پھل سورج کی روشنی میں پک کر خوب بڑا ہو گیا تھا۔

ایک روز یوں ہوا کہ لکڑ ہارے کی لکڑیاں گاؤں کے کسی شخص نے بھی نہ خریدیں اور وہ کھانے کو کچھ بھی نہ خرید پایا۔ دن ڈھلے ناکام گھر واپس آیا۔ گھر میں بھی کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ کافی دیر پریشانی کے عالم میں سوچتا رہا پھر اپنی بیوی سے بولا: "بس آج تو یہی ہو سکتا ہے کہ تم ابر جائن کا پھل توڑ لاؤ اور اسے پکا لو۔"

بیوی پھل توڑ لائی اور پکانے کے لیے اسے کاٹنا شروع کیا۔ اچانک اسے ایک دھیمی آواز سنائی دی۔

"براۓ مہربانی آہستہ کاٹیں۔ اگر آپ نے تیزی سے کاٹا تو میں مر جاؤں گی۔"

لکڑ ہارے کی بیوی یہ سُن کر بہت حیران ہو گئی۔ وہ سمجھی یہ جادو کا پھل ہے۔ اب اس نے اسے احتیاط سے کاٹنا شروع کر دیا۔

جب پھل کٹ چکا تو اس میں سے جامنی اور سفید رنگ کے قیمتی لباس میں ایک ننھی سی خوب صورت پری نکلی۔ لکڑ ہارے اور اس کی بیوی کی چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ اس پری کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اسے اپنے لیے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا تحفہ سمجھا۔

وہ دونوں اس ننھی لڑکی سے بہت محبت کرتے اور اس کی ہر خواہش پوری کرتے۔ ایک روز لکڑ ہارے نے اپنی بیوی سے کہا: "کیوں نہ ہم اس کا نام شہزادی ابر جائن رکھ دیں۔ کیا ہوا جو یہ شہزادی نہیں لیکن لگتی تو شہزادیوں جیسی ہے۔"

چنانچہ اس کا نام شہزادی ابر جائن رکھ دیا گیا۔

لکڑ ہارے کی جھونپڑی، بادشاہ کے محل سے زیادہ دُور نہ تھی۔ بادشاہ اپنے شاندار محل میں اپنی حسین ملکہ اور سات بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ کی ایک لونڈی وہاں سے گزری۔ اور اس نے شہزادی ابر جائن کو، جو اب بڑی ہو چکی تھی، بالوں میں کنگھی کرتے دیکھا۔ اس نے محل آ کر ملکہ سے کہا: "اگر بادشاہ اس حسین و جمیل لڑکی کو دیکھ لے تو یقیناً دنیا کی تمام عورتوں کو بھول جائے۔"

ملکہ یہ سُن کر جل گئی۔ وہ جادو جانتی تھی۔ اس نے لونڈی سے کہا: "اگر وہ لڑکی کسی طرح محل تک آ جائے تو میں جادو کے زور سے اسے تباہ و برباد کر دوں۔"

دوسرے دن اس نے لونڈی سے کہا: "جاؤ! ابر جائن سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ اس سے کہنا کہ میں نے اس کے حُسن کی اتنی تعریف

چرچل کو ایک مرتبہ بی بی سی سے تقریر نشر کرنا تھی۔ جلدی کی وجہ سے سرکاری گاڑی استعمال نہ کی۔ ایک ٹیکسی کے قریب گئے اور ڈرائیور سے کہا "مجھے جلدی سے بش ہاؤس لے چلو۔"
ڈرائیور نے جلدی سے معذرت چاہتے ہوئے کہا: "جناب! چند منٹ کے بعد میرے محبوب لیڈر چرچل کی تقریر نشر ہونے والی ہے۔ میں وہ تقریر سنے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔"
چرچل اپنی مقبولیت پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے اور ایک دس پونڈ کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کو بطور انعام دیا۔ نوٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈرائیور نے ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "جہنم میں جائے چرچل اور اس کی تقریر۔ آپ جہاں کہیں گے، میں آپ کو وہیں لے چلوں گا۔"

سنی ہے کہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا ہے۔"

لونڈی نے جاکر ابر جائن سے یہ سب کچھ کہہ دیا۔ ابر جائن کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ تیار ہوکر فوراً محل کی طرف روانہ ہوگئی۔

ملکہ نے اسے دیکھا تو اس کے حسن سے جل گئی۔ مگر چونکہ چالاک تھی، اس لیے کہنے لگی: "حسین لڑکی! تم اپنے اس قدر حسن کے ساتھ وہاں جھونپڑی میں رہتی ہو۔ تمھیں تو محل میں رہنا چاہیے۔ تم یہیں میرے ساتھ رہو۔ ہم دونوں بہنوں کی طرح رہیں گے۔"

ابر جائن نے یہ پیش کش خوشی سے قبول کرلی۔ ملکہ نے اپنے جادو کے زور سے معلوم کرلیا کہ وہ کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ ایک پری ہے۔ وہ جانتی تھی کہ ایک پری پر جادو کرنا زیادہ مشکل کام ہوتا ہے کئی دن اس نے بڑی محنت کی اور پھر ایک رات، جب شہزادی ابر جائن سوگئی تو اس نے جادوئی الفاظ میں پوچھا۔ "خوب صورت شہزادی ابر جائن! یہ بتاؤ کہ تمھاری جان کس چیز میں محفوظ ہے۔"

شہزادی ابر جائن نے جواب دیا: "تمھارے سب سے بڑے بیٹے میں۔ اگر تم اسے مار دو تو میں مر جاؤں گی۔"

ملکہ اسی وقت گئی اور اپنے سوئے ہوئے بیٹے کا گلا دبا کر اسے مار ڈالا۔ اپنے کمرے میں آکر اپنی لونڈی سے اس نے کہا: "ذرا جاکر دیکھو، کیا ابر جائن زندہ ہے؟"

لونڈی نے آکر کہا: "ابر جائن زندہ ہے اور سو رہی ہے۔"

سن کر تعجب بھی ہوا اور خوف بھی۔

دوسری رات ملکہ نے ابر جائن کے سوجانے کے بعد پھر وہی عمل دہرایا اور پوچھا: "مجھے بتاؤ ابر جائن! تمھاری جان کس چیز میں محفوظ ہے؟"

ابر جائن نے جواب دیا: "تمھارے منجھلے بیٹے میں۔"

ملکہ نے اسے بھی ہلاک کردیا۔ ہوتے ہوتے ساتوں بیٹے یونہی ہلاک ہوگئے مگر ابر جائن زندہ رہی۔ بادشاہ اپنے بیٹوں کی ہلاکت پر سخت حیران

تھا اور اسے بہت رنج تھا۔

آخری رات ملکہ نے پھر ابُرجائن سے یہی سوال کیا اور اس بار اس نے صحیح صحیح جواب دے دیا۔ اس نے بتایا کہ اس کی جان ایک ایسی مچھلی میں محفوظ ہے جو آدھی سبز رنگ کی ہے اور آدھی سُرخ رنگ کی۔ اس کے پیٹ میں بیر کا ایک درخت ہے۔ اس درخت کی کھو میں ایک ڈبا دفن ہے، جس میں دنیا کا خوبصورت اور قیمتی ترین ہار موجود ہے وہ ہار تم نے پہن لیا تو میں مرجاؤں گی۔"

ملکہ یہ سب کچھ جان کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اسے ہر حالت میں وہ مچھلی چاہیے۔ بادشاہ نے سارے مچھیروں کو حکم دے دیا۔ کچھ دنوں بعد وہ مچھلی مل گئی۔ شہزادی ابُرجائن کو اس مچھلی کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے اپنے ماں باپ یعنی لکڑہارے اور اس کی بیوی سے کہا: "اگر میں مرجاؤں تو مجھے دفن نہ کریں۔ مجھے خوب صورت لباس پہنا کر جنگل کے بیچ رکھ دیں اور چاروں طرف اونچی دیواریں بنا دیں۔"

ملکہ نے مچھلی کے پیٹ سے ڈبا نکال کر وہ ہار حاصل کر لیا اور جیسے ہی اسے پہنا، ابُرجائن کی جان نکل گئی۔ اس کے والدین نے اس کی ہدایت کے مطابق اس کو اچھے اچھے کپڑے پہنائے اور جنگل میں رکھ کر اردگرد چاردیواری بنوا دی۔

بادشاہ اپنے بیٹوں کی موت سے بہت غمگین رہتا تھا۔ وہ اکثر دل بہلانے کی غرض سے جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ ملکہ جانتی تھی کہ ابُرجائن کو اس کے والدین نے جنگل کے مشرقی حصے میں رکھا ہے چنانچہ وہ بادشاہ کو ہمیشہ اس طرف جانے سے روکتی تھی۔

ایک دن بادشاہ تنہا ہی شکار پر چلا گیا۔ جب اسے مغرب، شمال اور جنوب میں کوئی شکار نہ ملا تو اس نے مشرق کی راہ لی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اسے ایک چاردیواری نظر آئی۔ اس نے ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا، دروازہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر بہت دیر بعد وہ دیوار کود کر اندر چلا گیا۔

ابُرجائن جیسی حسین لڑکی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ یہ تو لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ مرچکی ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سو رہی ہے۔ اُس نے اسے جگانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اب وہ ہر روز یہاں آنے لگا۔ دن گزرتے رہے۔ ایک دن اس نے ایک چھوٹے سے بچے کو ابُرجائن کے قریب بیٹھے دیکھا۔ وہ اسے بہت پیار کرتا۔ آخر ایک دن بادشاہ نے اس بچے سے پوچھا: "بیٹا تمھاری پرورش کون کرتا ہے۔ تم آخر کس طرح زندہ ہو؟"

"میری ماں!" بچے نے جواب دیا: "وہ ہر رات اٹھ جاتی ہے اور میری تمام ضرورتیں پوری کرتی ہے۔"

بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اس نے کہا: "اچھا، کل تم اپنی ماں سے پوچھنا کہ وہ دن میں کیوں نہیں

ایک ہٹے کٹے فقیر نے ایک خاتون کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا: "مجھے صرف دس روپے دے کر ایک بہت بڑی مصیبت سے بچا لیجیے۔ یقین کیجیے، اس مصیبت کا خیال آتے ہی میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"
خاتون نے دس کا نوٹ اُس فقیر کی ہتھیلی پر رکھا اور پوچھا: "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ کون سی مصیبت ہے جس سے میں نے تمھیں بچا لیا ہے؟"
"بہت بڑی مصیبت سے،" فقیر چہک کر بولا: "کام کرنے کی مصیبت سے۔"

جاگتی اور یہ بھی کہ تم کس کے بیٹے ہو؟"

دوسرے روز بادشاہ آیا تو بچے نے اسے بتایا کہ میری ماں نے کہا ہے کہ میں تمھارا بیٹا ہوں۔ اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ ملکہ کے ہاتھوں تمھارے سارے بیٹے مارے جا چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ میری ماں دن میں یوں نہیں جاگ سکتی کہ ملکہ دن میں ہار پہنے رہتی ہے۔ رات کو جب وہ ہار اتار دیتی ہے تو میری ماں زندہ ہو جاتی ہے۔"

بادشاہ کو یہ جان کر بہت غصہ آیا کہ اس کے بیٹوں کو ملکہ نے قتل کیا ہے۔ اس نے بچے سے کہا: "اپنی ماں سے آج رات پوچھنا کہ ملکہ کو کس طرح سزا دی جا سکتی ہے اور وہ ہار کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

اگلے روز بچے نے بادشاہ سے کہا: "میں نے ماں سے پوچھا تھا۔" اس نے کہا ہے کہ آپ مجھے محل لے جائیں۔ میں خود ہی وہ ہار حاصل کر لوں گا۔"

بادشاہ بچے کو محل لے گیا۔ ملکہ نے چاہا کہ بچے کو مار دے۔ اس نے زہریلی مٹھائی منگوائی اور اُسے کھلانا چاہی۔ بچہ تیار نہ ہوا۔ وہ ضد کرنے لگا کہ پہلے ملکہ گلے سے اپنا ہار اُتار کر اسے دکھائے۔ ملکہ نے اُسے ہار دے دیا۔ بچہ ہار لے کر اتنی تیزی سے بھاگا کہ کوئی بھی اسے نہ پکڑ سکا۔

وہ سیدھا جنگل میں پہنچا اور ہار اپنی مُردہ ماں کے گلے میں ڈال دیا۔ ماں فوراً زندہ ہو گئی۔ اتنی دیر میں بادشاہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ شہزادی ابَر جائن نے بادشاہ سے کہا: "تم اپنے محل کے سامنے ایک گڑھا بنواؤ اور اس میں زہریلے سانپ ڈال دو اور اس میں ملکہ کو کسی طرح دھکا دے دو۔"

بادشاہ نے یونہی کیا۔ اس نے ملکہ سے کہا کہ وہ اس کے لیے ایک عجیب و غریب تحفہ لایا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر وہ ملکہ کو گڑھے تک لے گیا اور اس میں دھکا دے دیا۔ زہریلے سانپ تو پہلے ہی منتظر تھے۔ انھوں نے ملکہ کو ڈس لیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

بادشاہ نے شہزادی ابَر جائن سے شادی کر لی اور تینوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

گدگدیاں

▲ استاد: قتلِ عام کے معنی بتاؤ۔
شاگرد: قتلِ عام۔ آم کے قتلے کو کہتے ہیں۔

▲ بیٹا:۔ آج میں اسکول نہیں جاؤں گا امّی!
امّی:۔ آخر تم کیوں نہیں اسکول جاؤ گے؟ کیا بات ہے بیٹے۔
بیٹا:۔ امی ہمارے ماسٹر صاحب آج کل کسی چکّر میں ہیں۔ کبھی کہتے ہیں تین اور تین چھے! اور کبھی چار اور دو چھے بتلاتے ہیں۔

▲ باپ:۔ بیٹا! یہ کسے خط لکھ رہے ہو؟
بیٹا: اپنے دوست کو۔
باپ:۔ مگر تمھارے دوست کو تو پڑھنا نہیں آتا۔
بیٹا:۔ تو مجھے لکھنا کب آتا ہے۔

(انیس احمد جلیل احمد نیا پورہ۔ مالیگاؤں)

▲ ایک صاحب نے ایک کُتّا پال رکھا تھا ایک دن وہ اپنے کُتّے کو ساتھ لے کر سیر کو نکلے، راستے میں ایک بے تکلف دوست سے ملاقات ہوئی۔ دوست نے کہا "گدھے کے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟ اِن صاحب کو دوست کی یہ بات سُن کر بہت غصّہ آیا اور کہنے لگے آپ کو یہ گدھا نظر آرہا ہے؟ دوست نے جواب دیا "جناب میں آپ سے نہیں اس کُتّے سے کہہ رہا ہوں۔"

(محمد ہارون حاجی عبدالرشید مانا ضلع آکولہ)

▲ ایک لڑکا (اپنے دوست سے) یار میرا وہ خوشبودار ربر کھوگیا ہے جسے ابّا جان جاپان سے لائے تھے۔
دوسرا لڑکا:۔ کیا تم نے اسے تلاش نہیں کیا؟
پہلا لڑکا:۔ اس کا کہیں سراغ نہیں ملا میں نے پورا گھر چھان مارا۔
دوسرا لڑکا:۔ (ہنستے ہوئے) چھوٹی سی چھلنی سے کیا تم نے پورا گھر چھان مارا۔

▲ بچہ: (ماں سے) ممّی مجھے دودھ دے دیجیے۔
ماں:۔ بیٹا دودھ تو پھٹ گیا ہے۔
بچّہ:۔ تو کیا ہوا۔ آپ دے دیجیے میں اسے خود ہی سی لوں گا۔

(ناہید جبیں لاری۔ نرائن روڈ۔ لکھنؤ)

▲ مالک نوکر سے:۔ ذرا مُنّا کیا تم نے خط پوسٹ کے ڈبے میں ڈال دیا؟
نوکر:۔ نہیں مالک... نہیں ڈالا۔؟
مالک نے حیرت سے پوچھا کیوں نہیں ڈالا؟
نوکر نے معصومیت سے جواب دیا "کیسے ڈالتا حضور، لیٹر بکس پر تالا لگا ہوا تھا۔

(اسرا عزیز۔ حیدرآباد)

بچوّں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۴/-	سرکار دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اول، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۳/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۲/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۲/۵۰	منہاج القرآن	۴/۵۰
امیر خسروؒ	۲/:	ارکان اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۲/:	عقائد اسلام	۳/-
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
〃 〃 دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۷/-
پیارے رسولؐ	۴/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسولؐ	۵/-	مسلمان بیبیاں	۴/:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

محمد ظہیر ناز
(انوپ شہر روڈ۔ بری مسجد جمال پور۔ علی گڑھ (یوپی)

پڑوسی کا حق

ایک بہت بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ آپ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ یہودی ان سے بہت زیادہ جلتا تھا۔ وہ بزرگ جب نماز پڑھتے یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ یہودی اکثر شور مچاتا۔ وہ بزرگ جب بھی کچھ نہ کہتے۔ وہ یہودی کی ساری حرکتیں برداشت کرتے رہتے۔

ایک بار وہ یہودی کسی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ پولیس نے اسے جیل میں بند کر دیا۔ یہودی کے گرفتار ہونے کی خبر ان بزرگ کو نہ ہو سکی۔ کئی دن تک شور مچانے کی آواز نہ آئی تو بزرگ نے پڑوسیوں سے یہودی کے محلہ میں نہ ہونے کا سبب پوچھا تو پتا چلا کہ یہودی حوالات میں ہے۔

انھیں بہت افسوس ہوا وہ فوراً عدالت میں حاضر ہوئے اور حاکم سے کہا کہ اگر میرے پڑوسی کا جرم ایسا ہے کہ جرمانہ دینے سے معاف ہو سکتا ہے تو میں اپنے پڑوسی کے عوض جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار رہوں۔ آپ چھوڑ دیں اور اگر ابھی پوری طرح مقدمہ کی چھان بین نہ کی گئی ہو تو اس پر نئے سرے سے غور کر لیا جائے۔ شاید میرا پڑوسی بری ہو جائے۔ حاکم نے کاغذات منگوا کر جانچ کی۔ اتفاق سے یہودی بے گناہ نکلا مقدمہ خارج ہو گیا اور یہودی جیل سے چھوٹ گیا۔

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
مہکتی کلیاں	۶/-
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ظالم ڈاکو	۶/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ذاکر صاحب	۱/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جھرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰

کتاب	قیمت
پانچ جاسوس	۴/۰۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامر و صمصام	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/۰۰
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
اُڑن ڈراکرین	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۴/۵۰

کتاب	قیمت
ٹوٹے کھلونے	۶/-
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/-
پیارے رسول	۴/۵۰
بہادر سیاح	۳/-
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاکے سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۲/۰۰
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہیو چیو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰

کچھ دنوں پہلے کا سنیے ماجرا
چند ساتھی کر رہے تھے گفتگو باہم دگر

ان میں ایک ایسا بھی ساتھی تھا جناب
جا چکا تھا غیر ملکوں میں سفر وہ بیشتر

جھوٹ کہنے میں وہ ماہر تھا ضرور
بات میں لیکن بہت کچھ تھا اثر

باتوں باتوں میں وہ بولا خوش مقال
میں عرب میں رہ چکا ہوں چند سال

سن کے اس کی بات سب چپ ہو گئے
سچ سمجھ کر ہوش سب کے کھو گئے

ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا
کیا عجب جو جھوٹ سے چکما دیا

آؤ کچھ تفصیل سے باتیں کریں
آپ یوں ہی خنداں و شاداں رہیں

ذکر ہوتا ہے جہاں میں سربسر
"زم زم" بھی ہوتا تھا گزر؟

سن کے یہ سیاح بولا بے خطر
سمجھا "زم زم" نام کا ہے اک بشر

پوچھنا کیا؟ قابلِ تعظیم اتنا ہے وہ گھر
حاضری ہوتی تھی واں شام و سحر

کیا بتاؤں ان کی صحبت کا اثر
زہد ہے قربان ان کی ذات پر

اب وہ بوڑھے ہو چلے ہیں سربسر
کیوں نہ ہوں، ہیں بھی تو "اُستی" سے ادھر

سن کے ان کی بات سب ہنسنے لگے
اور بولے کس عرب میں تم رہے

خوب! زم زم ہے کنواں جانِ پدر
آپ فرماتے ہیں اس کو اک بشر

ایم سیف الدین انصاری الہ آباد

تاریخ کے آئینہ میں بچّوں کا دینی ولولہ اور بہادری

حضرت رافعؓ اور حضرت جندبؓ کا مقابلہ

نبی کریمؐ کی عادت تھی کہ جب لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے تو لشکر کا معائنہ فرماتے۔ کم عمر بچّوں کو واپس کر دیتے تھے۔ جنگِ اُحد کی لڑائی سے پہلے آپ نے جب لشکر کا معائنہ فرمایا تو ان میں سے نوعمروں کو واپس فرما دیا۔ یہ سبھی بچّے تقریباً تیرہ چودہ برس کے تھے۔ واپس ہونے والے لڑکوں میں حضرت رافع کے والد خدیجؓ نے سفارش کی کہ یا رسول اللہ میرا اشتیاق رافع تیر چلانے میں بہت ماہر ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں ابھر ابھر کر کھڑے ہو رہے تھے۔ کہ قد لانبا معلوم ہو۔ حضورؐ نے اجازت فرما دی تو سمرہ بن جندبؓ نے اپنے سوتیلے باپ مرّہ بن سنان سے کہا کہ حضورؐ نے رافع کو اجازت مرحمت فرما دی اور مجھے اجازت نہیں ملی۔ حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں اور اگر میرا مقابلہ ہو تو میں انھیں بچھاڑ لوں گا۔

حضورؐ نے ان دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہؓ نے واقعی رافعؓ کو بچھاڑ لیا۔ اس لیے حضورؐ نے سمرہؓ کو بھی اجازت فرما دی۔

حضرت رافعؓ کو جنگِ اُحد ہی میں ایک تیر لگا۔ تیر نکالا تو بھال کا حصّہ اندر ہی رہ گیا۔ پھر یہ زخم کی صورت اختیار کر گیا اور اخیر زمانے میں بڑھاپے کے قریب یہ زخم ناسور کی صورت اختیار کر گیا اور موت کا سبب بنا۔

اچھے معاشرے اور عظیم شخصیت کا بچّوں پر اثر ہوتا ہے۔
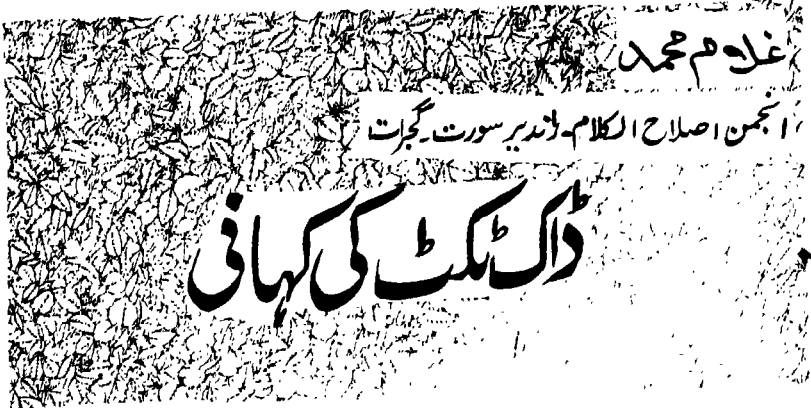
کہا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں خط وکتابت کی خدمت لوگ قاصدوں کے ذریعہ حاصل کیا کرتے تھے جیسا کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے آپؐ نے اپنے قاصدوں کے ساتھ اپنا والا نامہ مبارک مختلف بادشاہوں کو بھیجا پھر بہت عرصے کے بعد ڈاک خانوں میں اور ڈاک کے بڑے بڑے محکموں میں ٹٹو اور تیز رفتار گھوڑے رکھے جانے لگے۔ قاصد ان پر ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس میں مختلف طریقوں سے ترقیاں ہوتی رہیں، اور جیسے خط و کتابت بڑھتی گئی۔ زیادہ سے زیادہ آسان طریقے اختیار کئے گئے، اور اجرت کے سلسلے میں یہ بات رہی کہ جب ڈاکیہ خط لے کر مرسل الیہ کے پاس پہنچتا تو اسے خط دے کر اجرت بھی اسی وقت وصول کرتا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک انگریز سیاح جس کا نام "رولنڈ ھل" تھا شمالی انگلستان کی سیر کر رہا تھا اتفاق نے اس نے ایک ہوٹل میں قیام کیا، اچانک ہی ہوٹل کے دروازہ پر ایک ڈاکیہ پہنچا تو اندر سے ایک نوجوان لڑکی باہر آئی، ڈاکیہ نے اس لڑکی کے نام کا خط اسے دے دیا۔ لڑکی نے خط اپنے ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر الٹانے لگی۔ کچھ دیر اس طرح کرنے کے بعد اس نے خط ڈاکیہ کو واپس کر دیا، اور غم کا اظہار کیا اور کہنے لگی میں اپنے بھائی کی

جانب سے اس خط کے آنے کا انتہائی بے صبری سے انتظار کر رہی تھی لیکن افسوس ڈاکیہ کو ایک شلن دینے سے میں عاجز ہوں جس کی وجہ سے میں یہ خط نہیں لے سکتی اس بات کا سیاح کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس کے دل میں شفقت کی آگ بھڑکی۔ اس نے ڈاکیہ کو ایک شلنگ دے دیا اور ڈاکیہ سے خط لے کر اس لڑکی کو دے دیا۔

جب ڈاکیہ چلا گیا تو لڑکی نے سیّاح سے کہا حضرت آپ نے خواہ مخواہ احسان کیا۔ میں نے اپنے بھائی سے کچھ رموز اور اشارات مقرر کر رکھے ہیں جس کو وہ لفافہ کے اوپر لکھ دیتا ہے، جس سے میں اس کی مراد معلوم کر لیتی ہوں اور لفافہ میں کچھ نہیں ہوتا جب بھی ڈاکیہ آتا ہے، تو میں اس سے خط لے کر اسی طرح الٹ پلٹ کر کے خط واپس کر دیتی ہوں، اور بناوٹی افسوس کا اظہار کرتی ہوں۔ یہ سن کر سیّاح کو بڑی حیرت ہوئی جب سیّاح اپنے کمرے میں تنہا ہوا تو اس نے سوچا کوئی ایسا طریقہ وجود میں آنا چاہیے جس سے اس دھوکا کو روکا جائے اسے ایک رائے سوجھی کہ کیوں نہ ڈاک کی اجرت پیشگی لی جانی چاہیے اور نہایت کم رکھی جائے تاکہ لوگوں کو اس کی ادائیگی میں دقت نہ ہو اس سے خط وکتابت بھی زیادہ ہوگی اور حکومت کی آمدنی بھی بڑھے گی۔

جب بڑے عہدے داروں کو اطلاع ہوئی تو انھیں یہ بات بڑی اچھی معلوم ہوئی اور اس پر عمل وجود میں آگیا اور "رولنڈھل" کو وزیر ڈاک کا سکریٹری بنا دیا تاکہ اس کے نفاذ میں اچھی طرح کام انجام دے اس نے ہمّت سے اس اہم ذمہ داری کو قبول کیا۔

ڈاک ٹکٹ سب سے پہلے یکم جنوری ۱۸۴۰ء میں استعمال ہوا اور حکومت اس عمل میں نہایت ہی کامیاب رہی۔ یہاں تک کہ چند ہی سالوں میں خط وکتابت کئی گنا زیادہ ہوگئی۔ پھر حکومت فرانس نے بھی یکم جنوری ۱۸۴۹ء سے اس طریقہ کو اختیار کیا۔ بعد میں دوسرے ممالک نے بھی ۱۸۵۱ء میں ان کی پیروی کی اور رفتہ رفتہ یہ طریقہ عام ہوگیا۔ یہاں تک کہ دنیا کے تمام ممالک میں یہ طریقہ رائج ہے ●●

ثمینہ بیگم۔ بارہویں آرٹ

انسانیت کے جوہر

خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اس کے پاس دل و دماغ اور عقل ہے اس کی زبان گویائی کا کام دیتی ہے خدا نے انسان کو دل دیا ہے۔ اس کا تعلق جذبات سے ہے۔ دماغ اس کو سوچنے کے لیے دیا ہے۔ انسان کو اپنے دل، دماغ اور عقل کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ انسانیت کے جواہر اس کے اندر موجود ہیں۔

تمام انسان ایک دوسرے کے لیے جسم کے مانند ہیں۔ اگر بدن کے کسی حصے کو چوٹ پہنچے تو پورا بدن اس چوٹ کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ پوری انسانیت ایک جسم ہے انسان کو دوسرے انسان کی تکلیف پر بے چین ہونا چاہیے اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اس کی مدد کرنی چاہیے۔

ایثار انسانیت کی معراج ہے اس کے یہی آدمیت کی پہچان ہیں۔ ہمیں قومی ... کے اپنی زندگی کو نکھارنا چاہیے۔

ناز۔ ایم۔ قاضی۔ بڑودہ

بچوں کی دعا

ایک وقت نیشاپور میں سخت قحط پڑا۔ وہاں کے لوگ مور و مگس کی طرح ہلاک ہونے لگے۔ ان لوگوں نے شہر سے باہر جا کر بارش کے لیے دعا کرنے کی سوچی۔ انھوں نے اپنے ساتھ مدرسے سے بچوں کو بھی ساتھ لیا۔ ایک ظریف نے جب بچّوں کو ان لوگوں کے ساتھ دیکھا تو پوچھا: "ان بچّوں کو کہاں لیے جا رہے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "عیدگاہ" تاکہ بارش کے لیے دعا کی جائے کیونکہ بچّے معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ ان کی دعا جلد بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔ ظریف نے کہا خیر مناؤ اگر بچوں کی دعا قبول ہوتی تو زمین پر ایک بھی استاد کا وجود نہ ہوتا۔

لطیفہ:۔ ایک انگریز نے ہندستانی سے کہ تمھارے ملک میں کالے گورے سانولے مختلف رنگ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کی طرح ایک ہی رنگ کے لوگ کیوں نہیں ہوتے؟ ہندستانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ دراصل بات یہ ہے کہ گھوڑے کئی رنگ کے ہوتے ہیں اور گدھے ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔ خورشیدہ اقبال مبارکپور

اظہر حسین انصاری
محلہ: خدا نگر، موتیہاری (بہار)

موت اور حیات کا ضامن اللہ ہے

انجار میٹرک میں زیر تعلیم تھا لیکن اس کا دل پڑھائی لکھائی میں کم لگتا تھا۔ دن دن بھر اسکول سے غائب رہتا۔ گھر پر ماسٹر جی ٹیوشن پڑھانے آتے تو انھیں بھی الٹے پاؤں جانا پڑتا۔ ماں باپ کا چشم و چراغ تھا اس لیے کوئی ڈانٹتا بھی نہ تھا

ایک دن والد صاحب نے کسی بدتمیزی پر دو چار تھپڑ رسید کر دیے۔ بس ایک آفت ہی آگئی۔ ماں بھی رنجیدہ ہو گئیں۔ انھوں نے انجار کی حمایت میں جو نہ کہنا تھا کہ سنایا۔ انجار بھی جھٹ دو منزلہ پر چلا گیا اور خودکشی کرنے کے لیے چھت سے نیچے کود پڑا۔ اس کے نیچے کودتے ہی ماں باپ، اڑوس پڑوس سب نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیے۔ جلدی جلدی ڈاکٹر کے یہاں لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان اور کرم ہوا کہ صرف ہاتھ اور پیر کی چند ہڈیاں ہی ٹوٹیں۔ ڈاکٹر کے یہاں اکسرے اور پلاسٹر ہوا۔ اس کو اسپتال سے گھر لایا گیا۔

گھر آنے کے چند ہی دن ہوئے تھے ابھی پلاسٹر بھی نہیں کھلا تھا کہ ایک حادثہ اور رونما ہو گیا۔ ہوا یوں کہ اس دفعہ انجار نے ٹیک (۲۰) کی دوا کھالی وہ بھی ایک پوری بوتل۔ وہ تو خیر ہوئی کہ ماں نے دوا کھاتے ہوئے اسے دیکھ لیا تھا۔ پھر آناً فاناً ڈاکٹر کے یہاں لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے قے کرا کر زہر کو اگلوا دیا۔ ورنہ اس دفعہ تو جان سے جانا ہی تھا۔ اللہ نے حیات دی تھی پھر موت کیسے ہو سکتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ موت کے چنگل سے بچ نکلا۔ تیسری دفعہ اس نے مٹی کے تیل کا کنستر اٹھایا اور بدن پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگالی۔ کمرے کو اندر سے بند کر چکا تھا۔ اس کے

پڑوس میں ایک پولیس انسپکٹر رہتے تھے۔ وہ چیخ پکار سن کر گھر میں دوڑے گئے۔ دیکھا دروازہ بند ہے اندر کمرے میں دھواں اٹھ رہا تھا۔ انھوں نے کواڑ پر لات مار کر دروازہ کھولا۔ پھر جلدی سے بدن پر کمبل ڈالا اور ڈاکٹر کے یہاں لے گئے۔ اس دفعہ ڈاکٹر نے دوا دارو کرنے کے بعد برجستہ کہا۔ یہ بچّہ بار بار مرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس نادان کو معلوم نہیں کہ موت اور حیات کا ضامن اللہ ہے۔ انسان لاکھ کوشش کرے لیکن موت متعیّن وقت پر ہی آئے گی۔

محمد مظہر نعمانی
رفیعگنجوی

دین کی عظمت

اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کیسی کیسی تکلیفیں سہنی پڑیں۔ یہ ہم سبھی جانتے ہیں۔ ان کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ پتھر مارے گئے۔ بُرا بھلا کہا گیا۔ یہاں تک کہ جان سے مارنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہے۔

رفتہ رفتہ عرب کے لوگوں کے دلوں میں دین اسلام گھر کرنے لگا۔ اب مخالفوں نے ایک سازش کی۔ عرب کے چند لوگ آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں.... کہ وہ اس نئے دین کو چھوڑ دے۔ اسے جتنی دولت چاہیے ہم دیں گے۔ وہ کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہو تو ہم اس کی شادی کرا دیں گے۔ اگر وہ سردار بننا چاہتا ہے تو ہم اسے اپنا سردار بنا لیں گے۔ جب یہ باتیں حضرت ابوطالب نے آپؐ کو سنائیں تو آپ نے فرمایا چچا جان .... اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں ... تب بھی میں دین کو پھیلانے کا کام نہیں چھوڑوں گا۔ مرحبا مرحبا۔ پیارے ساتھیو! یہ تھی ہمارے پیارے نبیؐ کے دل میں دین کی اہمیت۔ خدا ہمیں بھی اپنے دین سے ایسی ہی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

خان محمد الیاس ۔ منگرول پور

گھمنڈ کا انجام

بہت پرانی بات ہے کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا وہ بہت شریف اور نیک دل تھا سب جانوروں سے اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ جانور اس سے بہت خوش تھے۔ جنگل میں آم کا ایک پرانا پیڑ تھا۔ شیر وہاں سو گیا۔ پیڑ کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی آغوش میں کھو گیا۔ اچانک ایک سانپ اس پیڑ سے نکلا اور شیر کو ڈس لیا۔ جنگل میں شور مچ گیا کہ جنگل کا راجا مر گیا۔ سب جانور پریشان تھے۔ وہ سوچنے لگے کہ اب جنگل کا راجا کسے بنایا جائے۔ خرگوش، مینا، بھالو، کبوتر اور بندر نے جنگل کا راجا ہاتھی کو بنایا۔ سب خوش تھے لیکن راجا ہاتھی بہت گھمنڈی ہو گیا۔ کوئی جانور اسے سلام کرتا تو وہ جواب نہیں دیتا تھا۔ سب جانور خفا تھے۔

ایک بار ہاتھی سیر کو جا رہا تھا ایک چیونٹی اپنی غذا جمع کر رہی تھی۔ ہاتھی ادھر سے گزرا اور چیونٹی سے کہا کہ ہٹ میرے راستے سے۔ سرکار ذرا آہستہ بولیے۔ ہاتھی نے کہا زبان چلاتی ہے اتنی سی جان اور اتنا گھمنڈ! اپنی طاقت دکھاؤں؟ دونوں کا مقابلہ شروع۔ ہاتھی چیونٹی کے اوپر سے بھاگنے لگا۔ نیچے دیکھا تو چیونٹی جا رہی تھی۔ آخر ہاتھی بھاگتے بھاگتے ایک گڑھے میں گر گیا۔ چیونٹی نے کہا۔ دیکھا تجھے گھمنڈ کا انجام!

غرور بڑے بڑوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

یوسف میاں۔ مقادم

پہیلیاں

(۱)
ہم نے دیکھی ایسی رانی
جس کی آنکھ سے ٹپکے پانی

(۲)
پانی کا مٹکا
پیڑ پر لٹکا

(۳)
کالا چٹا بنگلا دیکھا
اس کے گرد ایک جنگل دیکھا

(۴)
کاٹے نہ کٹے
مارے نہ مرے

(۵)
جب بھی آئے ہوش اڑائے
پھر بھی کہتے ہیں کہ آئے

(۶)
چار ہیں رانیاں اور ایک راجا
ہر کام میں ان کا ہے ساجھا

[illegible]

مکتبہ پیامِ تعلیم کی
بچوں کے لیے نئی کتابیں

قصہ اژدہا پکڑنے کا:۔ ۱۵ فٹ لمبا اژدہا بیچنے کے لیے پکڑنے اور بحر اطلانتک کو ربڑ کی کشتی میں عبور کرنے کی حیرت انگیز کہانیاں قیمت -/۵

ننھا سراغ رساں:۔ بچہ جو بڑا سراغ رساں تھا، قیدی جو سرنگ بنا کر فرار ہوئے اور اسی طرح کی دلچسپ اور حیرت انگیز کہانیاں قیمت -/۵

ابو علی کا جوتا:۔ اپنے مالک کو جیل بھجوانے والے جوتے اور سمندر میں گر کر ۲۹ گھنٹوں تک تیرنے والے لڑکے کی سنسنی خیز کہانیاں۔ قیمت -/۵

ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی:۔ تین بہت ہی دلچسپ کہانیاں علی اسدنے لکھیں۔ ایک وہ جیسے مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان پڑھا کرتے تھے۔ دوسری کہانی ایک لڑکے کی پُرخطر زندگی اور تیسری ہمت و جرأت کے ایک کارنامہ سے متعلق ہے۔

پُراسرار غار:۔ لڑکی جو پھانسی چڑھی۔ کتا جس نے اندھے کو موت سے بچایا اور دوسری ہمت اور جوش پیدا کرنے والی کہانیاں۔ زیر طبع

مرغوب زماں

آنسو

آنسو کہنے سے ہمارے سامنے آنکھوں سے ڈھلکی کھارے پانی کی ننھی سی بوندوں کی تصویر اُبھر آتی ہے۔ لیکن یہ بوندیں صرف کھارے پانی کی ہی نہیں بلکہ میٹھے پانی کی بھی ہوتی ہیں۔

آنسو کو لوگ اکثر و بیشتر دُکھ اور درد کی سوغات مانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آنسو انھیں کی آنکھوں سے گرتے ہیں جن کا دِل دُکھ کے تھپیڑے کے بیچ کسی مونس و مددگار کو ترستا ہوا پڑا رہتا ہے۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے۔ صرف آنسو کسی کے دِل کا درد ہی نہیں بلکہ خوشیوں کا بھی ساگر ہے۔ یہ کسی کی آنکھوں سے روتے روتے گرتے ہیں تو کسی کی آنکھوں سے ہنستے ہنستے۔ یہ صرف انسان ہی کی آنکھوں میں نہیں آتے۔ دُنیا کی تمام چیزوں کی آنکھوں میں آتے ہیں۔ لیکن ہم صرف اپنی ہی آنکھوں کے پانی کو آنسو کا درجہ دیتے ہیں۔ جب کہ ہم غور کریں تو اُفق کے آنسو بارش اور موسم کے آنسو شبنم ہیں۔

قاسمی منزل۔ محلہ مدھوبنی پورنیہ (بہار)

مناظرِ فطرت کو گہری نظر سے دیکھنے والے کسی شاعر نے کیا ہی عمدہ کہا ہے ؎

کیا یہ تارے ہیں زمیں پر جو اُتر آئے ہیں
یا وہ موتی ہیں جو چاند نے بکھرائے ہیں
کیا وہ ہیرے ہیں جو صحرا نے پڑے پائے ہیں
نہ بہت دُور پہنچ جائے مری بات کہیں
اپنے آنسو، تو نہیں بھول گئی رات کہیں

یہ ایک بہت ہی انمول شے ہے۔ بہتوں کی نظر میں اِس کی قیمت تبھی تک ہے جب تک یہ آنکھوں میں رہتے ہیں۔ لیکن حقیقی قیمت اُس وقت ہے جب یہ کسی بچھڑے دل کے لیے تحفہ بنتے ہیں جب بیٹی دُلھن بن کر رخصت ہوتی ہے تو اِس کی نظر میں ہیرے اور جواہرات کی قیمت نہیں۔ اُس وقت اِس کی نظر میں سب سے انمول رتن ہوتے ہیں۔ اِس کے ماں باپ کے آنسو، کسی بادشاہ نے کہا تھا "میری ماں کے آنسو جنگ کے میدان میں مارے گئے ہزار سپاہیوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔"

آنسو ہی ایک ایسی دولت ہے جو ہر شخص کے پاس پائی جاتی ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب بوڑھا ہو یا بچّہ۔ ایک غریب اور مسافر کسی کو ہیروں کا تحفہ نہیں دے سکتا لیکن اپنے آنسوؤں کا تحفہ تو دے ہی سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے آنسوؤں پر پورا ادھیکار ہوتا ہے وہ کبھی

ہنستے بھی اپنا دامن بھگو سکتے ہیں اور روتے روتے بھی۔ جب ہم ہنستے ہیں اور اتنے خوش ہو کر ہنستے ہیں کہ ہم اپنی خوشی کو کسی صورت سنبھال نہیں پاتے تو یہی خوشی ہماری آنکھوں سے آنسو کی صورت ٹپکنے لگتی ہے۔
لیکن عام لوگ آنسو کے اس پاک نام پر ایک بہت بڑا کلنک اور دھبا لگا رہے ہیں اکثر لوگ آنسو صرف دکھاوے کے لیے آنکھوں میں لاتے ہیں۔ محض ہمدردی کا احساس کرانے کے لیے۔ ایسے انمول رتن کو بے مول لٹا دیتے ہیں۔ کیسے ہیں یہ لوگ جو سچائی کو نہیں فریب کو پوجتے ہیں۔ ●●

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۳ر جون ۱۹۸۵ء	# پیامی ادبی مُعمّا نمبر 40 150 روپے کے نقد انعامات	تمیں داخلہ کچھ نہیں۔ آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر ۵ روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اسے ہی نمبروار لکھیے

حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان ـــــ سے پوچھا کہ تم کیوں واپس آئے ہو۔ مجاہدین/منافقین/مفسدین

ـــــ اتنا ہوتا ہے کہ مالک کے گھر پر بھوکا مرنا پسند کرے گا لیکن... وفادار/غیور/غیرت مند

وہاں پہنچ کر اس نے کسی اچھے ـــــ کا پتا دریافت کیا۔ حکیم/ڈاکٹر/طبیب/وید

لیکن ـــــ کوئی نہ کر سکا کہ اس میں بے تکا کون تھا۔ فیصلہ/طے/

بابو ملک کے ایک حصے میں ـــــ کراتے تو کسی دوسری جگہ آگ بھڑک اٹھتی۔ امن/سکون/شانتی

اور وہی ہوا کہ غازیوں نے ایک ایک کو ـــــ اتار دیا۔ تلوار کے گھاٹ/موت کے گھاٹ

پھر مبارک باد دینے والوں کی گھر میں ایک ـــــ لگ جائے گی۔ بھیڑ سی/لائن سی/قطار سی

مزید ـــــ سے بچنے کے لیے دوسرے دوست نے بل کی ادائیگی کی۔ خجالت/ندامت/شرمندگی

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۵۸ اور ۶۰ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی ادبی معما: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معما کا کوپن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

کوپن
پیامی ادبی مُعمّا نمبر 40
میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔
نام ....
پتا ....

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی مُعمّا نمبر 40 ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
ہانے ترانے	4/50
ن کا دل	2/00
کہانیاں	2/50
ریا کی رانی	2/00
ہر شہزادی	3/00
ریہ شیرا	3/00
رانی	3/00
ہنا کی سفر	3/50
یزا گاندھی	4/50
لی کی چند تاریخی عمارتیں	4/00
نا جھرو	2/50
کی چار ٹانگیں	3/00
ت نرہارو	4/00
ے کھلا راز	3/00
نا صح	2/00
ں کے افسر	5/00
اڑ کی چوٹی پر	5/00
ول کی بستی	3/50
رخ جوتے	3/00
مہ و صمصامہ	4/50
بت	2/00
ت کے وو نکتے	1/50
ت کی الف بے	3/00
ندھی جی دکھنی افریقہ میں	2/00
پہیلیاں	6/00
را الڈا کی بیوی	2/50
فرشتہ	4/50
ا ہیرا	4/50
کی کھیتی	2/50
ے طالب علم کی کہانی	2/—
رکار کا دربار	4/50
یا کے جانور	2/50

کتاب	قیمت
آؤ ڈراما کریں	2/00
اس نے کیا کرنا جانا	1/20
خرگوش کی چال	2/50
بھوتوں کا جہاز	6/00
جوہر قابل	3/00
خرگوش کا سپنا	5/00
موم کا محل	4/00
محمد شفیع الدین نیر	-/50
مسلمان بیبیاں	4/00
ہمارے رسولؐ	4/50
چار یار	4/50
رسول پاک کے اخلاق	3/
ہار کی تلاش	6/00
بچوں کی کہانیاں	1/50
بندر اور نائی	2/50
بی مینڈکی اور کوا	1/50
تاک دنا دن تا کے سے	1/50
پانچ بونے	1/50
ایک دیس ایک خون	3/0
جیت کس کی ہ	2/50
انعامی مقابلہ	3/25
جادو کا گھر	1/50
چیونٹی رانی	1/50
روٹی کس نے پکائی	1/50
لال مرغی	1/50
لومڑی کا گھر	1/50
مددو انا پردیس چلے	1/50
ہپو جیبو	1/50
بھیڑیے کے بچے	1/50
شیر خاں	1/50
لومڑی کے بچے	1/50
اردو خوشخطی اول	1/50
اردو خوشخطی دوم	2/50
اردو خوشخطی سوم	2/50
اردو خوشخطی چہارم	2/50

کتاب	قیمت
بیڈیونیپر	2/50
سرکس	1/50
گاندھی بابا کی کہانی	2/00
ہمارے محاورے	9/50
کہاوت اور کہانیاں	6/00
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	6/00
چوری کی عادت	2/00
چمپاوت کا آدم خور شیر	1/50
چنبیلی	1/20
چشالوں کی کہانی	2/50
بچوں کے اقبال (نظمیں)	4/50
دھنک (")	3/00
کھیل سنسار (")	4/50
شہزادہ اور ٹھگ	2/00
سندر چنار	1/50
گلابو چوہیا اور غبارے	1/50
گلابو چوہیا اور پری زاد	2/00
اچھی کہانیاں	2/50
میرا نیس	2/00
دادا نہرو	4/00
جلو مرغابی	2/00
خربوزہ ۵ شہزادے کا سر بن گیا	1/50
میاں ڈھینچوں کے بچے	1/50
ہرن کے بچے	1/50
بہادر	2/50
ایک کچھری تیل میں	1/50
تانبیل خاں	1/50
تین اناڑی	3/00
پہیلیاں	-/80
چھوٹا لڑکا	1/50
حسن حسن عبدالرحمٰن (اول، دوم) فی حصہ	2/50
چڑیاں	3/-
ہمارا دین اوّل	-/7
تیار رہو	1/50
تاریخ ہند کی کہانیاں اوّل	1/50

licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postage.
Regd. No. D(SE)-043
June, 1988
PAYAM-I-TALEEM Monthly
Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No.10537/...

بچّوں کی
کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت: ۲/۲۵
گاندھی باپا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت: ۴/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
قیمت: ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت: ۴/۰۰
کھیل سنسار سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت: ۴/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
گلو، بلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۳/-
ترجمہ قرۃ العین حیدر
جن حسن عبد الرحمٰن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی، لیکن اب تو اُس جن کا قصّہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصّہ اول ۲/۵۰، حصّہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرّہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت: ۴/۵۰
سرکس
تزئین کار: ڈین کیسیر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دلّی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۶ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۴۰۰۰۰۳ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی ۲۵-۱۱

اگست ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۸

بچوں سے باتیں

[illegible] کا پرچہ ہے۔ سب سے ۲۶ برس پہلے پیام تعلیم نے [illegible] یہ سفر شروع کیا تھا۔ یہ سفر اب بھی جاری ہے دعا کیجیے کہ اس کے قدم آگے ہی کی طرف بڑھتے رہیں اور جس مقصد کے لیے یہ جاری کیا گیا تھا اس مقصد کو سامنے رکھے۔

اگست کا مہینا بڑا مبارک مہینا ہوتا ہے اسی مہینے میں ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا۔ اسی لیے تو ۱۵ اگست ملک میں قومی تہوار کی طرح منایا جاتا ہے اور اس مرتبہ تو عیدالاضحیٰ نے اگست کے مہینے کی خوشی کو اور دوبالا کر دیا۔ آپ سب کو بھی مبارک باد۔

ایسا لگتا ہے کہ خطوط نمبر سے ہمارے پیارے بہت کم دلچسپی لے رہے ہیں۔ اب تک صرف چند خطوط ہی آئے ہیں۔ اسی لیے ہم قہقہہ نمبر اور انٹرویو نمبر کا اعلان بھی کیے دیتے ہیں جس نمبر کے مضامین پہلے آجائیں گے وہی نمبر پہلے شائع کر دیا جائے گا۔ قہقہہ نمبر میں لطیفے، مزاحیہ کہانیاں اور بدحواسیاں شامل ہوں گی اور انٹرویو نمبر میں صرف انٹرویو جو آپ اپنے دوست، والدین، استاد، دکاندار یا اور کسی سے بھی لے سکتے ہیں۔

"بچوں کی کوششیں" نمبر میں جن بیاپیوں نے اپنی بہترین تخلیقات پیش کیں ان کے ناموں کا اعلان صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ آخر میں پھر وہی پرانی درخواست، اس شمارے کے بارے میں اپنی رائے سے نوازیں اور پیام تعلیم کے خریدار بنا کر اس کا حلقہ اور وسیع کریں۔

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: 30/=
غیر ممالک سے 35 روپے
بذریعہ ہوائی جہاز: 200 روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار۔ دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ

پرنٹر و پبلشر سید کریم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برٹی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

آزادی کا دن

راجندر بہادر موج

آزادی کا دن آیا ہے
ساتھ اپنے خوشیاں لایا ہے

بچّے بوڑھے سارے خوش ہیں
دیش کے راج دلارے خوش ہیں

ہندو مسلم سکھ عیسائی
سب نے مل کر خوشی منائی

طوقِ غلامی ہم نے توڑا
انگریزوں نے بھارت چھوڑا

ملک ہے اپنا فوجیں اپنی
ساگر اپنا موجیں اپنی

دیش میں اپنے راج ہے اپنا
سارا کام اور کاج ہے اپنا

اونچ نیچ اب نہیں یہاں پر
قانوناً ہیں سبھی برابر

جمہوری اپنا شاسن ہے
سب سے اچھا اپنا وطن ہے

کاشمیر تا راس کماری
اپنی دھرتی پیاری پیاری

لیکن پیارے پیارے بچّو
آزادی کا مطلب سمجھو

آزادی قائم رکھنا ہے
یکجہتی قائم رکھنا ہے

اونچے اونچے کام کریں گے
دیش کا اونچا نام کریں گے

خوشیوں کا طوفان اٹھائیں
موج وطن کو سورگ بنائیں

موج روڈ۔ فتح گڑھ (یوپی)

محمد بدیع الزماں*

اقبالؔ کا ایک شعر ہے ؎

دُنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خُدا کا
ہم اُس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا

قرآن کی رُو سے، دُنیا کے بُت کدوں* میں خُدا کا پہلا گھر خانۂ کعبہ ہے۔ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکّہ میں واقع ہے۔ اِس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اِس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دُنیا والوں سے بے نیاز ہے۔" (سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۹۶۔۹۷)

* بُت کدہ کے لغوی معنی تو مندر یا شوالے کے ہیں جہاں بُتوں کی پرستش کی جاتی ہو

* بانو نگر کالونی۔ فرسٹ سیکٹر، پھلواری شریف پٹنہ

مگر اُردو شاعری میں یہ لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اُس سے مُراد وہ گھر لیا جاتا ہے جہاں خدائے واحد کی عبادت کی جاتی ہو۔ خانۂ کعبہ کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے جو دُنیا میں پہلے انسان تھے۔ چونکہ حضرت آدمؑ نے شیطان کے بہکاوے میں آکر، اس درخت کا پھل جنت میں کھالیا تھا جس کے لیے خدا نے منع کیا تھا اس لیے انھیں جنت سے اُتر کر زمین پر آنے کا حکم ملا۔ جب وہ زمین پر آئے تو وحشتِ تنہائی سے گھبرا کر انھوں نے خدا سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ بتا جہاں ہم مل کر عبادت کر سکیں۔ چنانچہ خدا کا حکم ہوا کہ ایک گھر بنا اور حضرت جبرئیلؑ نے انھیں گھر بنانے کی وہی جگہ بتائی جہاں آج خانۂ کعبہ واقع ہے۔ حضرت آدمؑ نے پتھر چُن چُن کر مکان تعمیر کیا اور اس میں سنگِ اسود نصب کیا جسے وہ زمین پر اُترتے وقت جنت سے ساتھ لائے تھے۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ کو حج اور کعبہ کے طواف کا طریقہ بھی سکھایا۔ اور ایک پہاڑی پر اُن سے حج بھی ادا کرایا۔ یہیں پہاڑ پر حضرت آدمؑ کی ملاقات حضرت حوّاؑ سے ہوئی جو جنت سے اُترتے وقت اُن سے بچھڑ گئی تھیں۔

حضرت آدمؑ کے بعد سب سے پہلے پیغمبر حضرت نوحؑ تھے۔ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک ۱۶۴۲ برس کا عرصہ ہے۔ حضرت نوحؑ کی گیارھویں پُشت میں اور حضرت عیسیٰؑ سے قریب دو ہزار سال پہلے، حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام تارح، لقب آزر تھا۔ جو بادشاہِ وقت نمرود کے دربار میں سب سے بڑے عہدہ دار تھے۔ وہ بُت بنا کر بیچا کرتے تھے۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے پیغمبر ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے بُت پرستی چھوڑ کر توحید یعنی ایک اللہ کی تبلیغ شروع کی اور اپنے باپ اور سماج سے عاجز آکر اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ کو لے کر گھر سے نکل گئے۔ حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے خدا کے حکم سے انھوں نے اِن دونوں کو خانۂ کعبہ کے پاس ایک بیابان جنگل میں لاکر چھوڑ دیا اور خود وہاں سے چلے گئے۔ یہ دونوں اس بیابان میں اکیلے رہا کرتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت ہاجرہؑ بغل کے صفا اور مروہ پہاڑوں کے

درمیان دوڑنے لگیں اور سات بار دوڑیں۔ اتنے میں اُنھوں نے دیکھا کہ جس جگہ حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑ کر گئی تھیں وہاں سے پانی پھوٹ نکلا۔ حضرت ہاجرہؑ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں پانی بھاگ نہ جائے اس لیے پانی کو کہا "زم زم" (ٹھہر ٹھہر)۔ اس لیے اس کا نام آج تک زم زم ہے اور یہ کنواں بالکل خانۂ کعبہ کے متصل ہے۔ اور اب یہ زیرِ زمین ہے اور کنویں کو شیشہ کی دیواروں سے گھیر دیا گیا ہے۔ اندر جانے کے دو راستے مردوں اور عورتوں کے الگ الگ ہیں۔ اندر سیکڑوں نل ہیں جن میں کنویں سے پانی آتا ہے۔ جہاں لوگ اس کا پانی پیتے اور منھ اور بدن پر چھڑکتے ہیں۔ مگر اس سے وضو کرنا منع ہے۔

طوفانِ نوحؑ میں خانۂ کعبہ بھی نہیں بچا۔ صرف ایک سرخ ٹیلا سا رہ گیا تھا۔ مگر نیک لوگ پھر بھی وہاں آکر عبادت و دعا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب تیسری بار مکّہ آئے تو وہاں ٹھہرے اور حضرت اسماعیلؑ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ خدا نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے اور تو میری مدد کر۔ خدا کے حکم سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور وہ ایک جگہ ٹھہر گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُسی کے برابر کعبہ بنایا۔ اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر قریب تیس سال تھی۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے جب بنیاد کھودی تو وہ اصل بنیاد نکل آئی جو حضرت آدمؑ نے رکھی تھی جب دیواریں اونچی ہونے لگیں تو اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ ایک پتھر لے آئے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ جیسے جیسے دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے مبارک قدم کے نشان اُبھر آئے تھے وہ پتھر آج تک موجود ہے اور کعبہ کے سامنے قریب چھے سات گز کے فاصلے سے تھوڑی اونچائی پر ایک شیشہ کے ہشت پہل کیس میں رکھا ہے اور اسی جگہ کو قرآن کی سورۂ آلِ عمران ۳ کے آیت ۹۶، ۹۷ کی مندرجہ بالا آیت میں "مقامِ ابراہیمؑ" (ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت) فرمایا گیا ہے۔ جب حضرت آدمؑ کی اصل بنیاد پر دونوں نے مل کر نو گز اونچا خانۂ کعبہ تعمیر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تھی رسول اللہؐ کو سورۂ الحج ۲۲ کی آیت ۲۵ کے ذریعہ اس گھر کی تعمیر کا مقصد یاد دلایا گیا ہے۔

"یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی۔ (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک

نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں اُن کے لیے رکھے گئے ہیں۔

خدا کی اس ہدایت کے باوجود کہ اس گھر (خانۂ کعبہ) میں "میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو"، وقت کے گزرنے کے ساتھ خانۂ کعبہ میں بُتوں کی پرستش کی جانے لگی۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دینِ اسلام کی طرف لوٹنے اور بتوں کی پرستش نہ کرنے کی تبلیغ شروع کی تو آپ اور آپ کے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) کو اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ آپ کو صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنی پڑی۔ ہجرت کے آٹھویں سال یعنی ۸ ھ میں رسول اللہؐ نے مکہ فتح کیا تو خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے جن میں "ہبل" بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا اور کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ ہبل انسان کی صورت کا تھا اور یاقوت احمر سے بنا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر لَا و نَعَمْ (نا اور ہاں) لکھے ہوئے تھے۔ عرب میں جب کوئی کام کرنا چاہتا تھا تو ان تیروں پر قرعہ ڈالا جاتا تھا اور ہاں یا نا، جو کچھ نکلتا اس پر وہ عمل کرتا۔ رسول اللہؐ نے ۲۰ رمضان المبارک ۸ ھ کو جب مکہ فتح کیا اور خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سارے بُت نکلوا دیے۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں بھی آویزاں تھیں جن کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ حضورؐ نے ان کو بھی نکلوا دیا۔ سن عیسوی کے حساب سے یہ فتح جنوری ۶۳۰ء میں ہوئی۔

شریعتِ محمدیہ میں حج ۹ ھ میں فرض ہوا۔ تاہم آنحضرتؐ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کیونکہ عرب لوگ ننگے ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج بنا کر تین سو صحابہؓ کو حج کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ کے مدینہ سے روانہ ہوتے ہی سورۃ التوبہ ۹ کی آیت ۲۸ نازل ہوئی جسے لے کر حضرت علیؓ مکہ گئے اور وہاں حضرت ابوبکرؓ نے حاجیوں کے مجمع عام میں اسے سنایا کہ:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مشرکین ناپاک ہیں، لہٰذا اس سال کے بعد یہ

مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔"

رسول اللہؐ نے ۱۰ھ میں حج ادا کیا جسے حجۃ الوداع اس لیے کہتے ہیں کہ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ آپ نے خانۂ کعبہ کا طواف بھی کیا اور "مقام ابراہیمؑ" پر دو رکعت نماز پڑھ کر سورۃ البقرہ ۲ کی درج ذیل آیت ۱۲۵ پڑھی:۔

"اور یہ کہ ہم نے اس گھر (خانۂ کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔"

حج کے بعد مکے سے مدینہ لوٹنے پر آپ کا وصال ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو ہوا اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں قبر مبارک بنی جو مدینہ میں مسجدِ نبوی کے اندر ہے۔

روزِ ازل سے ہی کعبہ مسلمانوں کا قبلہ رہا مگر حضرت موسیٰؑ کے ساڑھے چار سو برس بعد حضرت سلیمانؑ نے، جنھیں خدا نے سلطنت بھی عطا فرمائی تھی، بیت المقدس (یروشلم) تعمیر کیا اور یہی دعوتِ الی اللہ اور خدا پرستی کا قبلہ قرار پایا۔ رسول اللہؐ نے بھی بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رکھا مگر ۲ھ میں جب ایک صحابی کے یہاں جہاں آپ دعوت پر گئے ہوئے تھے، آپ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ تیسری رکعت میں یکایک وحی کے ذریعہ سورۃ البقرہ ۲ کی آیت ۱۴۴ نازل ہوئی کہ:۔

"اے نبیؐ، یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں ——— لو، ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام (جس میں خانۂ کعبہ واقع ہے) کی طرف رُخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو۔"

اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ اور آپ کے مقتدیوں نے اپنا رُخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ جگہ جہاں آپ نماز پڑھا رہے تھے مدینے

قریب چھے کلومیٹر ہے اور اسی مسجد کا نام "مسجد القبلتین" یعنی دو قبلہ والی مسجد ہے۔ مدینہ میں نماز دکھن رُخ ہوتی ہے چونکہ مکہ مدینہ سے دکھن کی جانب ہے۔ اور ہندستان میں پچھم کی رخ چونکہ مکہ یہاں سے پچھم کی جانب ہے۔

سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ خانۂ کعبہ کو قدیم ابراہیمی طور پر تعمیر کیا جائے مگر دوسرے ہی سال آپ کے وصال کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ ۶۴ھ میں جب عبداللہ بن عبدالرحمن بن زبیرؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حضور کی خواہش کے مطابق اسے ابراہیمی طور پر تعمیر کیا۔ لیکن حجاج بن یوسف نے حطیم (جو سامنے کی دیوار کی داہنی جانب ہے) کو شہید کر کے پھر قریش ہی کی بنیاد پر عمارت تمام کر دی۔ جب گیارھویں ہجری میں یہ عمارت بھی سیلاب سے خستہ ہو گئی تو سلطان مراد علیہ الرحمۃ نے ۱۰۴۰ھ میں اس کو از سر نو قریش والی بنیادوں پر تعمیر کیا جو آج تک اسی حالت میں ہے۔

حرم شریف (مکہ کی مسجد) کے بیچ میں ایک صحن تقریباً ۵۵۸ فٹ لمبا (مشرق و مغرب) اور ۴۹۳ فٹ چوڑا (شمال و جنوب) ہے جو بالکل کھلا ہوا ہے اور جسے مطاف (یعنی خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنے کی جگہ) کہتے ہیں۔ اسی مطاف کے بیچ میں چالیس فٹ لمبا (شمال و جنوب) چھتیس فٹ چوڑا (مشرق و مغرب) اور اُنچاس فٹ بلند خانۂ کعبہ ہے۔ جس پر پختہ چھت ہے۔ دیواریں بڑے بڑے پتھروں کی اور کھردری ہیں۔ اسی کے شمال میں حطیم ہے جس کی دیوار تین فٹ چوڑی گیارہ پہل ہر ایک چھے فٹ مطاف سے ساڑھے چار فٹ بلند ہے۔

خانۂ کعبہ کی کنجی ابتدا ہی سے شیبی خاندان میں رہی ہے۔ فتح مکہ کے دن حضرت عثمان بن طلحہؓ (جو شیبہ کے صاحبزادے تھے) سے کنجی لے کر رسول اللہ کعبہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے آپ سے کنجی کی درخواست کی تو فوراً سورۃ النساء ۴ کی مندرج ذیل آیت ۵۸ نازل ہوئی:۔

"مسلمانو، اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

حضورؐ نے فوراً کنجی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ یہ تمھارے

پاس رہے گی اور اس کا چھیننے والا ظالم ہوگا۔"

خانۂ کعبہ کو سال میں دو بار غسل دیا جاتا ہے۔ ایک بار موسم حج میں اور دوسری بار محرم میں، جب تمام حاجی اپنے وطن واپس ہو جاتے ہیں۔ یہ رواج حضورؐ کے زمانے سے ہی چلا آتا ہے اور آج سعودی عرب کے بادشاہ اور ارکان سلطنت کے مخصوص آدمی آکر خانۂ کعبہ کو آبِ زم زم، عمدہ عرق گلاب، مشک وعنبر اور دوسرے عطریات سے غسل دیتے ہیں۔

خانۂ کعبہ کو ہر سال ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو احرام باندھا جاتا ہے یعنی اس کے نچلے حصہ میں سفید چادر باندھی جاتی ہے۔ دسویں تاریخ کو نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا غلاف شیبی خاندان کو ملتا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں حکومت مصر اور سعودی حکومت کے درمیان اختلافات کی وجہ سے غلافِ کعبہ مصر والوں کو واپس کر دیا گیا۔ اور حکومت سعودیہ اب خود اس کا انتظام کرتی ہے حج کے زمانہ میں غلاف نیچے سے قریب پانچ فٹ اوپر باندھ دیا جاتا ہے تاکہ زائرین دیواروں کو بوسہ دے سکیں۔

خانۂ کعبہ کے سامنے کی دیوار (جس میں پہلا دروازہ نظر آتا ہے) جہاں بائیں طرف ختم ہوتی ہے اور بغل کی دیوار ملتی ہے وہاں پر سنگِ اسود نصب ہے۔ یہ بیضوی شکل کا ہے۔ فرش سے چار فٹ کی بلندی پر سیاہ پتھر کے تین چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چاندی کے فریم میں جڑے ہوئے ہیں اور اتنا ہی چوڑا ہے کہ اس میں صرف سر جا سکے۔ ۳۶۲ء میں ایک شخص نے طواف کے دوران اس پر پھاوڑے سے حملہ کیا۔ ۹۹۰ء میں ایک شخص نے خنجر سے اس پر حملہ کیا۔ سب سے بڑا حادثہ ۳۱۷ء میں ہوا جب ابو طاہر قرامطی نے خانۂ کعبہ میں قتل وخون کیا اور سنگِ اسود اٹھا کر اپنے وطن لے گیا اور بائیس سال اپنے پاس رکھا۔ پھر ۳۳۹ھ میں حجرِ اسود واپس لایا گیا۔ اور دوبارہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔

مسجدِ حرام (یعنی مکّہ کی مسجد جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے) میں نماز کے لیے کھلے ہوئے مطاف میں خانۂ کعبہ کے سامنے کی دیوار کے پاس امام کی جگہ متعین ہے جہاں لوگ دیوار سے ہٹ کر طواف کرتے ہیں مگر ہر نماز میں اذان کے پندرہ منٹ قبل جو سپاہی وہاں ڈیوٹی پر رہتے ہیں وہ تین طرف سے ہاتھ میں رسی پکڑ کر

کھڑے ہوجاتے ہیں اور طواف کرنے والے اب اس کے باہر سے اتنی دور سے طواف کرتے ہیں۔ قریب دس منٹ میں یہ جگہ دوا اور پانی سے مشین کے ذریعہ دھودی جاتی ہے اور مائیکرو فون لاکر رکھا جاتا ہے۔ اذان ہوتے ہی امام شہر سے آتے ہیں اور ان کے ساتھ قریب پندرہ بیس سپاہی نماز میں شامل ہوجاتے ہیں اور جگہ رہتے پر اس میں طواف کرنے والے بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ اذان ہوتے ہی طواف بند ہوجاتا ہے اور جو جہاں وہیں بیٹھ جاتا ہے اور پھر سات چکروں میں باقی چکر وہیں سے شروع کرتا ہے۔ موسم کوئی بھی ہو امام کی وہی جگہ ہے۔ فرض نماز ختم ہوتے ہی وہ چلے جاتے ہیں۔

خانۂ کعبہ کو دیکھتے رہنا بھی عبادت میں شامل ہے۔ مسجد حرام میں آٹھ ہزار چھت کے پنکھے لگے ہیں۔ ہزاروں بلب کی روشنی اور درجنوں سرچلائٹ میں خانۂ کعبہ کو مغرب کے بعد رات کو دیکھنا خصوصاً مسجد کی اوپر کی منزل سے خدا کے جلال کا وہ منظر پیش کرتا ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ خدا ہر مسلمان کو اس کی زیارت کی توفیق دے۔ آمین۔

آغا شیدا کاشمیری

گدھے کے کان

ایک روز جنگل کا بادشاہ شیر ببر اپنی رعایا سے کہنے لگا آج ہم سب کا الگ الگ نام رکھیں گے اور پھر اسی نام سے تمھیں پکارا کریں گے اس لیے تم میں کسی کو کبھی اپنا نام نہیں بھولنا چاہیے۔

سب سے پہلے اُس نے اپنا نام شیر ببر رکھا اور پھر رعایا کے نام رکھنے لگا۔

باری باری ہر جانور اُس کے سامنے سے گزرنے لگا۔ جوں ہی کوئی جانور اُس کے سامنے سے گزرتا اُسے اس کا نام بتا دیا جاتا جیسے ریچھ، بھیڑیا، گھوڑا، لنگور وغیرہ آخر جب شیر ببر تمام جانوروں کے نام رکھ چکا تو اس نے کہا "اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کس کس کو اپنا نام یاد ہے لہٰذا باری باری سامنے سے گزرو اور اپنا نام بولتے جاؤ۔"

سب سے پہلے چیتے کی باری آئی۔ اُس نے کہا "حضور میرا نام چیتا ہے" پھر ریچھ کی باری آئی اس نے کہا "سرکار میرا نام ریچھ ہے" اُس کے بعد بھیڑیا آیا اُس نے کہا "میرا نام بھیڑیا ہے" پھر گھوڑا آیا اُس نے کہا "بادشاہ سلامت میرا نام گھوڑا ہے" غرض سب جانور اپنا اپنا نام بتا چکے تو گدھے کی باری آئی وہ ناچتا کودتا دولتیاں جھاڑتا اور ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا آیا اور کہنے لگا میں اپنا نام تمام دنیا کو بتا کر چھوڑوں گا اس پر بادشاہ نے کہا "اچھا تمھارا نام کیا ہے" گدھا یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اپنا نام پوچھنے لگا وہ شیر کے آگے اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی کند ذہن شاگرد سبق سُناتے وقت بیٹھ جاتا ہے وہ درحقیقت اپنا نام بھول چکا تھا۔

"تمھارا نام کیا ہے" شیر نے کافی انتظار کرنے کے بعد غصے سے کہا گدھے نے گھبرا کر جواب دیا "بادشاہ سلامت میں اپنا نام بھول چکا ہوں" اس پر بادشاہ نے لال پیلی آنکھیں نکالتے ہوئے اسے دونوں کانوں سے پکڑ لیا اور جتنے زور سے وہ انھیں کھینچ سکتا تھا کھینچا یہاں تک کہ گدھے کے دونوں کان سر سے باہر نکل آئے پھر شیر نے کڑک کر کہا "تمھارا نام گدھا ہے گدھا! سمجھے! آیندہ اپنا نام کبھی نہ بھولنا" شاید یہی وجہ ہے کہ آج تک گدھے کے کان لمبے چلے آ رہے ہیں۔

کلثوم بانو

اندھی شہزادی

(پہلی قسط)

برسوں بعد جب شہزادی پیدا ہوئی تو بجائے خوشی کے پورے محل کے لوگوں پر افسردگی چھا گئی۔ بادشاہ اور ملکہ کا مارے غم کے بُرا حال تھا۔ وہ لوگ جو اس امید پر محل کے باہر جمع ہو گئے تھے کہ بچّے کی پیدائش پر بادشاہ سلامت اپنے خزانے کا مُنہ کھول دیں گے اور جب ان لوگوں کو اس بات کا پتا چلا کہ بادشاہ کے گھر اندھی شہزادی پیدا ہوئی ہے تو وہ نامُراد واپس لوٹنے لگے۔ بادشاہ نے تو شہزادی کی شکل تک نہیں دیکھی اور وہ دربار میں بھی افسردہ بیٹھا رہا۔ بچّی کی پیدائش سے پہلے بادشاہ نے جن نجومیوں کو بلایا تھا کہ وہ بچے کی پیدائش پر اور اس کے مستقبل کے بارے میں حساب لگا کر بتائیں اب وہ نجومی بھی واپس جانے لگے تھے۔ صرف ایک بوڑھا نجومی خاموش بیٹھا رہا۔ جب اس کے تمام ساتھی چلے گئے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بادشاہ کے سامنے نہایت ادب سے یوں گویا ہوا "بادشاہ سلامت آپ غمزدہ نہ ہوں۔ یہ ٹھیک ہے شہزادی اندھی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ اندھی نہیں رہے گی۔ میں نے تو شہزادی کی پیدائش سے پہلے

ہی حساب لگا کر معلوم کر لیا تھا۔ آپ یوں کریں شہزادی کو جنگل میں چھوڑ آئیں اور باقی سب کچھ خدا پر چھوڑ دیں۔

"کیا کہتے ہو سمقول! ایک تو وہ بے چاری اندھی پیدا ہوئی ہے اس پر اسے جنگل میں چھوڑ آؤں تاکہ درندے اُسے چیر پھاڑ کھائیں" بادشاہ نے نہایت غصّے میں کہا۔

"حضور! اگر آپ نے میرا کہنا نہ مانا تو نہ صرف شہزادی ہمیشہ کے لیے اندھی ہی رہے گی بلکہ آپ پر بھی زوال آئے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کو اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔" سمقول نجومی نے کہا۔

اب تو بادشاہ اور بھی پریشان ہوا اور سوچنے لگا "یہ ٹھیک ہے شہزادی اندھی ہے لیکن آخر ہے تو ان کی اولاد اور پھر ملکہ اس بات کے لیے کیسے تیار ہوگی؟ لیکن اسے اس بوڑھے نجومی کی باتوں کا بھی پورا یقین تھا کیونکہ آج تک کبھی اس کی بات جھوٹی ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر آخر ایک دن اس نے اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا اور شہزادی کو لے جا کر ایک گھنے جنگل میں جھیل کے کنارے زمین پر لٹا دیا۔ اب اس نے پہلی بار شہزادی کو دیکھا تو اسے اپنا دل ڈولتا ہوا نظر آیا۔ کیونکہ شہزادی نہایت حسین تھی۔ اس کے ماتھے پر ایک سنہرا تِل تھا۔ بادشاہ نے چاہا بچی کو دوبارہ اٹھا لے لیکن پھر نجومی کی بات یاد آگئی۔ اور وہ غمزدہ واپس لوٹ آیا۔ اس کے جاتے ہی ابھی کچھ گھڑیاں گزری تھیں کہ جھیل میں سے ایک بہت بڑا مگرمچھ نکلا اور شہزادی کو اپنے مُنہ میں لیے پانی میں اتر گیا اور پھر پانی کی تہ پر پہنچتے ہی وہ جل پری کے روپ میں آگیا۔ وہ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا بہت سی جل پریاں اس کے پیچھے پیچھے آنے لگیں اور پھر وہ موتیوں کے بنے ہوئے ایک محل میں داخل ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں پر شہزادی کو اٹھا رکھا تھا۔

جھیل کا بادشاہ، شاہِ جنّات، جو بڑی بے تابی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی خوشی کے مارے آگے بڑھا۔

"شاباش تاتو! تم شہزادی کو لے آئے؟" یہ کہتے ہوئے بادشاہ نے شہزادی کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور تیز تیز چلتا ہوا محل کے اندر گیا اور اسے اپنی ملکہ کے ساتھ لٹا دیا۔ ملکہ نے جب بچی کو دیکھا تو یہ سمجھتے ہوئے کہ اس بچی کو اس نے جنم دیا ہے بہت خوش ہوئی اور پیار کرنے لگی۔ شاہِ جنّات نے شہزادی کا نام مرجینا رکھا۔ شہزادی مرجینا بہت

نہایت ناز و نعم سے پرورش پانے لگی۔
ادھر بادشاہ اور ملکہ کا مارے غم کے بُرا حال تھا۔ ملکہ نے تو رو رو کر سارے محل کو رلا رکھا تھا۔ بادشاہ سے ملکہ کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ گھوڑے پر بیٹھ کر جنگل کی طرف چل دیا اور جہاں اس نے شہزادی کو چھوڑا تھا وہاں جا پہنچا لیکن وہاں تو شہزادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بادشاہ زمین کو غور سے دیکھنے لگا کہ اگر کوئی درندہ اٹھا کر اسے لے گیا ہے تو زمین پر خون کے نشان ہونے چاہییں۔

لیکن زمین پر کہیں خون کا ایک قطرہ تک نہ تھا وہ سوچنے لگا آخر شہزادی کو کون اٹھا کر لے گیا۔
وہ انہیں خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ ایک سمت سے قہقہوں کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اور اس طرف دیکھنے لگا ایک دیوانہ جس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے اور جس کا جسم زخموں سے چور تھا اسے دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا۔ بادشاہ یہ سوچ کر کہ یہ شخص دیوانہ ہے اس سے کیا بات کرتا اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تاکہ اس پر سوار ہو کر شہزادی کی تلاش میں چل پڑے کہ وہ دیوانہ بول پڑا اے بادشاہ تیری بیٹی تو بڑے ناز و نعم سے [illegible]

...ہے۔ اس کی خدمت کے لیے سیکڑوں کنیزیں اور غلام ہیں مگر مجھے دیکھو
ملک کا بادشاہ ہوں۔ عرصے بعد جب خدا نے مجھے چاند سا بیٹا دیا تو بگو لوجا
ذرا سی نافرمانی پر میرے اس بیٹے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ ابھی میرا بیٹا پانچ ہی برس کا ہے
وہ اس سے غلاموں کا سا سلوک کرتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر مارتا پیٹتا ہے اور میرے
غموں میں اضافہ کرنے کے لیے اپنے جادو کے زور سے میرے بیٹے کی حالت مجھے دکھا بھی دیتا
ہے تاکہ میں تڑپوں یہی وجہ ہے کہ میں اپنے بیٹے کے دکھوں کو دیکھ دیکھ کر اس حالت کو
پہنچا ہوں۔ میں نے اپنا تخت و تاج بھی چھوڑ دیا ہے اور دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں
"لیکن تمھیں یہ کیسے پتا چلا کہ میں اپنی بیٹی کے لیے پریشان ہوں" بادشاہ نے پوچھا۔
"اے بادشاہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمھارا نام خسرو ہے اور تم بلقان کے بادشاہ
ہو۔ دراصل ایک دن مجھے ایک بزرگ ملے تھے اور میری حالت پر ترس کھا کر مجھے یہ بتا
کہ اس جھیل پر ایک دن بلقان کا بادشاہ آئے گا۔ اس کا نام خسرو ہے وہ اپنی بیٹی
میں ہو گا۔ تم اس سے کہہ دینا کہ اس کی بیٹی شاہ جنات کے گھر نہایت نازو نعم سے پرورش
پا رہی ہے۔ وہ اندھی بھی نہیں ہے۔ جب بڑی ہو گی تو خود بخود اس سے آ ملے گی۔ اس
بزرگ نے ہی مجھے بتایا تھا کہ میرے بیٹے کو تمھاری بیٹی ہی اس جادوگر سے نجات دلائے گی
بلکہ جادوگر کو ہلاک بھی وہی کرے گی" دیوانہ بادشاہ کہتا چلا گیا۔
"اے شخص یہ جو تم کہہ رہے ہو اگر سچ ہوا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی
تمھارے بیٹے سے کروں گا" یہ کہتے ہوئے دونوں جدا ہوئے اور بلقان کا بادشاہ خسرو
گھوڑے پر سوار ہو کر واپس محل میں آ گیا اور اس نے یہ خوش خبری ملکہ کو سنائی جس
اس کے غم میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ اس طرح دن پر دن گزرتے گئے۔ وقت کا پہیہ
گردش کرتا رہا اور شہزادی مرجینا جوان ہو گئی۔ اب اسے وہ تمام علوم بھی حاصل ہو گئے
جو شاہ جنات کی اصلی بیٹی کو حاصل ہونا چاہیے تھے۔ وہ جب چاہتی دوسروں کی
نظروں سے چھپ جاتی اور جب جو روپ چاہتی دھار لیتی۔ بڑے سے بڑا جادوگر بھی
اس کے سامنے ایک چیونٹی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ پل بھر میں جہاں
... بہت سی جنات کنیزیں تھیں۔ لیکن ان میں سے صرف ایک خاص
... شہزادی مرجینا ... تم جنات سے نہیں ہو ...

ملاقات: احمد ولی اللہ ارباب

بزرگ پیامی حکیم محمد سعید سے ملاقات

آپ نے ہمدرد دواخانے کے روحِ رواں حکیم عبدالحمید صاحب کا نام تو ضرور سنا ہوگا اور آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ حکیم صاحب قبلہ تعلیمی کاموں کے لیے ہر قسم کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ انھیں حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں حکیم محمد سعید۔ آپ پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے بانی ہیں۔ بچوں کے لیے "نونہال" نام کا رسالہ نکالتے ہیں نہایت دلچسپ اور معلوماتی کتابیں شائع کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے بڑے بڑے پروگرام کرتے ہیں۔ بچے انھیں اپنا بزرگ دوست سمجھتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے کاموں میں دلچسپی لینا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ آئیے اب ان سے بات چیت کا سلسلہ شروع کریں، اور ہاں آیندہ ماہ حکیم صاحب کے تعلیمی کاموں کے مشیر اور "نونہال" کے مدیر اعلا مسعود احمد برکاتی سے ملاقات کا حال پڑھنا نہ بھولیے گا۔

سوال:۔ حکیم صاحب! آپ اپنے بچپن کے متعلق ہمیں کچھ بتائیں؟

جواب:۔ جب میں تین سال کا تھا تو محترم استانجی (جنھیں پورا محلہ

پیامِ تعلیم
چچی جان کہتا تھا ہے کے پاس ناظرہ قرآن پڑھنے بٹھادیا گیا۔ چچی جان اور ان کے شوہر الٰہی بخش نے میری تربیت میں بہت حصّہ لیا۔ میں نے محلہ رضیہ بیگم میں سیّد عمر دراز علی سے قرآن حفظ کیا۔

سوال:۔ آپ نے کتنے سال کی عمر اور کتنے عرصے میں قرآن حفظ کیا؟

جواب:۔ ۹ سال کی عمر تھی اور ڈھائی سال کا عرصہ لگا تھا۔

سوال:۔ آپ بچپن میں کونسی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

جواب:۔ بچپن میں "غنچہ" (بجنور) "پھول" (لاہور) اور "پیامِ تعلیم" نہایت شوق سے پڑھتا تھا۔ اس کے علاوہ خواجہ حسن نظامی کا منادی، ساربان (لاہور)، ساقی (دہلی) اور مولانا سالک کا اخبار "انقلاب" بھی میرے زیرِ مطالعہ رہتا تھا۔ مصنفوں میں شوکت تھانوی کی کتابیں مجھے بڑی پسند تھیں۔

سوال:۔ بچپن کے کسی شوق کے بارے میں بتائیں جو اب بھی جاری ہے؟۔

جواب:۔ کبوتر بازی میرا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کبوتر بازی کا ایک دلچسپ واقعہ میں بچوں کو بتانا چاہوں گا کہ ہماری ان چچی جان کے گھر میں کبوتر بہت تھے۔ ایک دن چچی جان دورے پر گئی ہوئی تھیں اور چچا جان ڈیوٹی پر۔ نہ جانے کیا دل میں آئی کہ سیڑھی لگا کر کبوتر کی کابک میں پہنچ گیا۔ اندر پہنچ کر سب سے موٹے اور خوبصورت کبوتر کو پیار کرنے لگا اور ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ وہ بڑا طاقت ور نکلا، زور مارا اور میرے ہاتھ سے نکل گیا اور دُم اس کی میرے ہاتھ میں رہ گئی۔ اس صورت حال نے تین کیفیتیں بیک وقت پیدا کر دیں۔ ایک کبوتر کی تکلیف کہ اس کی پوری سفید دم میرے ہاتھ میں رہ گئی۔ اور وہ بغیر دم کے اڑ گیا۔ دوسرے خوف کہ چچی جان اور چچا جان پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔ اس حادثے کے عینی گواہ پندرہ سولہ بچے تھے۔ تیسرے ناکامی کہ کبوتر ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے، اور اس سے میں نے تین نتائج بھی اخذ کر لیے تھے۔

سوال:۔ لیکن حکیم صاحب اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی تو آپ کو یاد ہو گا؟

جواب :۔ ہاں بھئی۔ صبح دوسرے دن میرے ماموں فضل استاذجی کے چھوڑنے آئے تو چچا اور چچی دونوں کبوتروں کو دانہ چگا رہے تھے ان میں بے دم والا، وہ کبوتر بھی تھا۔ اسے دیکھ کر ایک بار تو میرا دم ہی نکل گیا، اس پر چچا نے پوچھ لیا "سعید بیٹے! اِس کبوتر کی دُم کو آخر کیا ہوگیا ہے"۔ میں نے گہرا سانس لیا اور جو حقیقت گزری تھی وہ بیان کردی۔ میری سچائی پر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کبوتر کو تکلیف پہنچی لیکن یہ بُرا ہوا۔ پھر اس کے بعد میں نے گھر میں بھی کبوتر پال لیے۔ مزید شوق بڑھا تو کابلی، گولے، نشادرے، لقا، یاہو، شیرازی غرض کئی قسم کے کبوتروں سے گھر بھر گیا اور اب خیال یہ ہے کہ مدینۃ الحکمت میں بھی اچھے کبوتر ہونے چاہئیں۔

سوال :۔ ایسا بھی کوئی شوق ہے جو اب تک پورا نہ ہوسکا ہو؟

جواب :۔ ہوائی جہاز اڑانے کا شوق تھا۔ بس یہی ہے جو رہ گیا۔

سوال :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ دوبارہ بچے ہوجائیں تو پائلٹ بننا پسند کریں گے؟

جواب :۔ ہاں، لیکن سب سے پہلے تعلیمی خامیاں جو کہ بچپن میں رہ گئی تھیں وہ پوری کروں گا۔

سوال :۔ حکیم صاحب! کہتے ہیں کہ شوق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی آپ کوئی شوق بتائیں جو آپ کو مہنگا پڑا ہو؟

جواب :۔ میں ۱۳، ۱۴ سال کا تھا کہ موٹر سائکل چلانے کا شوق ہوا۔ ایک استاد کی خدمت حاصل کی اور دہلی میں جمنا کے کنارے بیلا روڈ پر موٹر سائکل چلانا سیکھی پہلے ڈھائی ہارس پاور کی بی ایس اے موٹر سائکل لی پھر پانچ ہارس پاور کی ایری ایل ریڈ ہنٹر، اور پھر دس ہارس پاور کی انڈین، بہت تیز دوڑاتا تھا، موٹر کاٹتے وقت کمال یہ تھا کہ دونوں پیڈل زمین سے ٹکراتے اور گھس جاتے تھے۔ پھر لانگ جمپ کا شوق ہوا تو مشق کرتے کرتے موٹر سائکل کو ۱۷۔۱۸ فٹ کی جمپ کرانے لگا اور پھر جب دہلی میں سرکس آیا تو موت کے کنویں میں بھی موٹر سائیکل چلانے سے باز نہ آیا۔ ایک بار میری پنڈلی بے قابو ہوکر دھواں نکلنے والے چمکدار اور گرم سائلنسر

سے چپک گئی اور پوری کھال پنڈلی سے اتر کر سائلنسر پر چپک گئی۔ میری پنڈلی پر یہ داغ آج بھی ہے۔

سوال:۔ آپ نے بچوں کے لیے بہت لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں آپ کے خیال میں بچوں کے لیے لکھنے والے کو کس بات کا خیال رکھنا چاہیے؟

جواب:۔ بچوں کے لیے لکھنے والے کو سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے ملک کے بچوں کو کس قسم کا بچہ بنانا چاہتے ہیں اُسے اپنی توجہ خاص طور سے بچے کی ذہنی تعمیر پر صرف کرنی چاہیے۔ ایسی زبان میں مقصد بیان کرے جو کہ آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ ایسا ماحول پیش کرے جو کہ ہماری تہذیب اور تمدن کا حصہ لگے۔ ایسی تحریر وجود میں لائے جس کی آسانی سے تصویر بن سکے کیونکہ تصویر کے بغیر بچے دلچسپی نہیں لیتے۔ مثلاً گلاب کے پھول کے بارے میں بتلاتے وقت بچے گلاب کے پھول کی تصویر دیکھنا پسند کریں گے۔

سوال:۔ آپ اپنے زمانے کے بچوں کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب:۔ ہمارے زمانے کا بچہ نہایت باادب ہوتا تھا۔ تعلیم کا ذوق تھا ہم خود اپنے بڑوں کے سامنے ننگے سر نہیں جا سکتے تھے۔ یہ چیزیں اب نہیں ہیں

سوال:۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ پہلے والدین کی توجہ بچوں پر ہوتی تھی آج کل نہیں۔ بچے کی تعمیر میں والدہ کا بہت دخل ہوتا ہے کتاب "مادر ہمدرد" میں خواجہ حسن نظامی نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا کی نامور شخصیات نے ماں کی تربیت سے ہی اونچا مقام حاصل کیا۔ ہماری والدہ شفیق بھی تھیں اور سخت بھی اپنا آرام چھوڑ کر ہمیں آرام پہنچاتی تھیں اور صرف زور سے بولنے پر بھی محاسبہ کرتی تھیں۔ آج کل والدین بچوں کا دوست بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قدرت نے انہیں دوست بہت اور والدین صرف ایک دیے ہیں۔

سوال:۔ بچوں کی فلاح اور تعلیم و تربیت کے بارے میں جو کچھ کیا جا رہا ہے کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟

جواب:۔ بالکل نہیں۔ ہمارے ہاں تعلیم تو کسی حد تک ہے لیکن تربیت تو

ہے ہی نہیں۔ ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں تربیت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔
سوال :۔ آپ نے بچوں کے لیے بہت کچھ کیا ہے یہ بتائیے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کس چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

جواب :۔ والدین خصوصاً والدہ کو بچوں پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ تمام کتب میں اخلاقیات کو اوّل مقام دینا چاہیے درسی کتب کو زیادہ سے زیادہ فطرت کے قریب لانا چاہیے کیوں کہ مشاہدہ فطرت سے بچوں کی تسکین ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی کو اپنے فرائض کے سلسلے میں زیادہ حسّاس ہونا چاہیے کیونکہ تربیت میں ٹی وی کے پروگرام زیادہ کردار ادا کرتے ہیں۔ میں جب مشیر طب تھا تو میں نے چیونگم منہ میں چبا کر غبارہ بنا کر پھر کھا لینے والے اشتہار کو رکوا دیا تھا اس اشتہار سے بچے زیادہ بے ادب ہونے لگے تھے۔ آج بھی ٹی وی پر بہت سے غلط الفاظ والے پروگرام پیش کیے جا رہے ہیں۔

سوال :۔ بچوں پر ٹی وی کے پروگرام زیادہ اثر ڈالتے ہیں، لہٰذا غلط پروگرام کی روک تھام اور اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے؟

جواب :۔ بورڈ آف ایڈیٹرز ہونا چاہیے جس میں ملک کے بچوں کے لیے کام کرنے والے لوگ اور اخبارات و رسائل میں بچوں کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد سے رائے لی جائے۔ اور مسودے کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے یہ میں کوئی انوکھی بات نہیں کہہ رہا بلکہ یہ تو حکام کا فرض اوّلین ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے وہی طریقے استعمال کریں جو آج تمام ملکوں میں رائج ہیں اور بچوں کے امور کے لیے سود مند ہیں۔

سوال :۔ بڑا آدمی بننے کے لیے آپ نے کیا محنت کی؟

جواب :۔ ارے بھائی میں بڑا آدمی کب سے ہو گیا ہوں؟

(اس سوال پر حکیم صاحب حیرت سے اپنے جسم کو دیکھنے لگے)

سوال :۔ دوسرے الفاظ میں کامیاب انسان بننے کے لیے بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب :۔ ہاں۔ یہ بتاتا ہوں۔ جب آپ تعلیم پا رہے ہیں تو سیاست سے

دور میں تعلیم کے بغیر تعمیر ممکن نہیں علم کے بغیر صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ تعلیم و تربیت کے بغیر اخلاقی قومیں بیدار نہیں ہوسکتیں۔ تعلیم کا مقصد آج کل والا نہ ہو۔ استاد کا احترام کیجیے بغیر تعلیم ذہن اور فکر پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ عمل اور مسلسل عمل محنت اور مسلسل محنت ہونی چاہیے۔

سوال:۔ ملت کے نوجوانوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام ؟۔

جواب:۔ وقت انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔ وقت کا صحیح استعمال دیانت ہے اور وقت کا غلط استعمال خیانت ہے۔ وقت کی قدر کیجیے اپنے ملک سے محبت کیجیے، اور اپنے خاندان کی نیک نامی اور ترقی کے لیے کام کیجیے۔

بچوں کی کوششیں نمبر میں انعام پانے والے پیامی

کہانی، قصے اور مضامین

درجہ	نام	کہانی کا نام	پتا
اوّل	ندیم ارشد	سچی زیارت	سرائے میر اعظم گڑھ (یوپی)
دوم	حسین شاہد	جادوئی گلدان	نور نگر، نئی دہلی ۲۵
سوم	منشار خورشید	شہید وطن	کارمل اسکول ہزاری باغ
خصوصی انعامات:	اظہر حسین انصاری	دی آئی پی	محلہ خدا نگر موتیہاری
"	نور الاسلام	میرا بہترین ساتھی	۱۴/۱۷، بٹلہ ہاؤس نئی دہلی
"	شیخ سمیع اللہ	میرا سفرنامہ	بھدرک کالج اڑیسہ
"	عشرت جہاں ناظم	میری امی، پیاری امی	درود، ضلع امراوتی

نظمیں:

درجہ	نام	نظم	پتا
اوّل	عرفان احمد معین الدین پٹیل	حمد	اورواڈ
دوم	نازیہ جبیں	میری بلی	فادر ایگنل اسکول گوتم نگر دہلی
دوم	شازیہ نسیمی	نئے سال کا بچوں کا ترانہ	" " " "
سوم	عنبری خاتون	لوری	اوگانواں، نالندہ
خصوصی انعام:	فارحہ رضوی	موسم	نئی دہلی

لطیفے اور دوسری چیزیں

درجہ	نام	عنوان	پتا
اوّل	نصیر الدین	کشتی نیمی	اسلام آباد، کٹک

آصف کمال

شہزادی ایلزبتھ

کسی زمانہ میں ایک نہایت خوبصورت شہزادہ تھا۔ وہ ایک بار شکار کھیلنے جنگل میں گیا۔ اچانک اس نے دو توتوں کی آواز سنی۔ اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بالآخر اس نے ان توتوں کو ایک درخت کی شاخ پر بیٹھے دیکھا۔ وہ ایک شہزادی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ دنیا میں شہزادی ایلزبتھ کی طرح کوئی شہزادی نہیں ہے۔ خوبصورتی کا عالم یہ ہے کہ اس کی آنکھیں تاروں کی طرح چمکیلی اور بدن دودھ کی طرح سفید شفاف ہے آواز کوئل کی طرح سریلی ہے۔ وہ بہت عمدہ گاتی ہے۔"

شہزادہ بغور توتوں کی گفتگو سنتا رہا۔ صبر نہ کر سکا اور پوچھ ہی بیٹھا کہ "اے خوبصورت پرندو! یہ شہزادی ایلزبتھ کون ہے؟ وہ کہاں رہتی ہے؟ جواب ملا "تم شہزادی ایلزبتھ کے ملک کو کبھی نہیں پا سکتے" اور یہ کہتے ہوئے وہ توتے اُڑ گئے۔

یہ سن کر شہزادہ بہت پریشان و حیران ہو گیا کہ اپنے گھر پہنچا۔ اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ ہی سویا۔ کئی دنوں تک وہ اسی طرح بستر پر لیٹا رہا۔ آخر ایک دن اس

(اے پی۔۳۰ سراج بھون، لکھنؤ (یوپی))

کی ماں نے سبب پوچھا تو بڑی مشکل سے اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ "وہ شہزادی ایلزبتھ کو دیکھنا چاہتا ہے۔" اس کی ماں نے کہا "شہزادی ایلزبتھ کا ملک یہاں سے بہت دور ہے۔ کوئی بھی اس کے ملک کا راستہ نہیں جانتا ہے" لیکن وہ شہزادہ بضد ہو گیا کہ "میں اس کے ملک کو تلاش کر کے رہوں گا۔ میں جا رہا ہوں" ماں نے کہا "ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ بیٹے! ہم تمھارے لیے ایک بہت خوبصورت شہزادی لادیں گے۔"
"دنیا میں شہزادی ایلزبتھ کی طرح کوئی شہزادی نہیں ہے۔" شہزادے نے کہا۔
"راستے میں بہت سے خطرات ہیں۔ تمھاری دیکھ بھال کون کرے گا؟" اس کی ماں نے کہا۔
"مت ڈرو ماں! میں شہزادی ایلزبتھ کو حاصل کر کے رہوں گا اور اپنے ساتھ لاؤں گا۔"
اب شہزادے نے سامان سفر تیار کیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر سفر پر روانہ ہوا اس کی ماں نے اسے مٹھائیوں کا ایک بڑا پیکٹ دیتے ہوئے کہا۔ "جب تم کو راستے میں بھوک ستائے اسے کھا لینا" اور یہ کہ کر اپنے بیٹے کو رخصت کیا۔
شہزادہ دن رات سفر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب سفر کی کئی منزلیں طے ہو گئیں تو وہ تھک گیا اور بھوک نے بھی ستایا۔ پھر اس نے درخت کے نیچے پناہ لی اور مٹھائی کا پیکٹ کھولا۔ لیکن اس نے اس پر ایک چیونٹی کو دیکھا۔ اس لیے اس مٹھائی کے ٹکڑے کو نہ کھایا۔ پھر اس نے مٹھائی کا دوسرا ٹکڑا نکالا۔ اس پر بھی اس نے ایک چیونٹی کو دیکھا۔ اس نے پوری مٹھائی میں چیونٹیوں کو پایا تو وہ بولا "میں ان مٹھائیوں کو نہیں کھاؤں گا۔ ان کو چیونٹیوں کے لیے چھوڑ دیا جائے" تبھی اس نے اپنے روبرو چیونٹیوں کے بادشاہ کو دیکھا۔ اس نے کہا "تم بہت رحم دل شہزادے ہو۔ ہم تم کو کبھی نہیں بھولیں گے۔"
شہزادہ پھر روانہ ہوا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے ایک چیتے کو دیکھا۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ شہزادہ چیتے کے پاس گیا اور کہا "میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" چیتے نے جواب دیا "میرے پیر میں ایک کانٹا چبھا ہوا ہے۔ برائے مہربانی اس کو باہر نکال دیجیے۔" شہزادے نے کانٹا

باہر نکال دیا۔ چیتے نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تم ایک رحم دل شہزادے ہو۔ میں تم کو کبھی نہیں بھولوں گا۔"

شہزادہ برابر سفر کرتا چلا جا رہا تھا۔ اب اسے راستے میں چار بہت عمر رسیدہ اشخاص ملے۔ وہ لوگ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ ان کے پاس ایک جادوئی تھیلا، ایک جادوئی بستر، ایک جادوئی جگ اور ایک جادو کی چھڑی تھی۔ ان میں سے ہر شخص یہ کہہ رہا تھا کہ "یہ چاروں میری ہیں اور ان کو میں لوں گا۔"

شہزادے نے دریافت کیا، "آپ لوگ کس لیے لڑ رہے ہیں؟" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ "یہ ایک جادوئی بستر ہے۔ یہ آپ کو کسی بھی جگہ لے جا سکتا ہے۔ یہ ایک جادوئی تھیلا ہے۔ یہ آپ کو کسی بھی وقت رقم دے سکتا ہے۔ یہ ایک جادوئی جگ ہے جو آپ کو کسی بھی وقت پانی دے سکتا ہے اور یہ ایک جادوئی چھڑی ہے جو آپ کے دشمن پر وار کرے گی۔ میں یہ ساری چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہی دوسرے ساتھی بھی چاہتے ہیں۔"

شہزادے نے کہا، "آپ لوگ جھگڑا نہ کیجیے۔ مجھے آپ کا فیصلہ کرنے دیجیے میں چار تیر چار سمتوں میں پھینکوں گا۔ آپ لوگوں میں سے جو کوئی بھی تیز دوڑ کر چاروں تیر اٹھا کر واپس لے آئے وہی پہلا شخص ان چاروں چیزوں کو حاصل کرے گا۔"

وہ لوگ اس بات پر رضامند ہو گئے۔ شہزادے نے شرط کے مطابق اپنے تیر پھینکے اور وہ چاروں آدمی یکے بعد دیگرے تیر اٹھانے کے لیے دوڑے۔ تبھی جلدی سے شہزادے نے تھیلا، چھڑی اور جگ بستر پر رکھ لیے۔ پھر اس بستر پر چڑھ کر کہا۔ "مجھے شہزادی ایلزبتھ کے ملک لے چلو۔" فوراً ہی بستر آسمان کی طرف اٹھا اور شہزادی ایلزبتھ کے ملک کی سمت روانہ ہو گیا۔

وہ بستر نیچے اترا اور شہر کے باہر ایک جھونپڑی کے قریب رک گیا۔ اب شہزادہ اس پر سے اتر آیا۔ شہزادے نے کچھ لکڑہاروں کو ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ان سے پوچھا۔ "یہ کون سا ملک ہے؟" ان لوگوں نے جواب دیا۔ "یہ شہزادی ایلزبتھ کا ملک ہے۔"

اب شام ہو گئی تھی اور آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ شہزادہ تھکن کی وجہ سے

ایک رات قیام کرنا چاہتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ ایک جھونپڑی کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں اس نے ایک بڑھیا کو دیکھا۔ شہزادے نے لجاجت سے کہا "کیا آپ مجھے اپنے یہاں ایک رات قیام کی اجازت دیں گی؟" بڑھیا نے اجازت دیتے ہوئے کہا "لیکن میرے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بہت غریب ہوں یہاں تک کہ میرے پاس کھانا خریدنے کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں۔"

شہزادے نے کہا "فکر نہ کیجیے۔ پھر اس نے جادوئی تھیلے سے رقم طلب کی۔ فوراً تھیلے سے ڈھیر ساری رقم برآمد ہوئی۔ شہزادے نے وہ رقم بڑھیا کو دے دی۔" وہ شہر گئی اور بازار سے بہت سا کھانا لے آئی۔ دونوں نے جی بھر کر کھانا کھایا۔ پھر شہزادے نے جگ سے پانی مانگا۔ تبھی جگ پانی سے بھر گیا۔ دونوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور گہری نیند سو گئے۔

اگلی صبح شہزادے نے بڑھیا سے پوچھا "شہزادی ایلز بتھ کا محل کہاں ہے؟" بوڑھی عورت نے جواب دیا۔ "وہ شہر کے بیچوں بیچ ایک محل میں رہتی ہے جو یہاں سے بہت دور ہے۔ تم محل کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہاں پہریدار تمھیں روکیں گے۔"

"میں اندر جانے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔" شہزادے نے کہا۔ اس کے بعد شہزادے نے بڑھیا سے رخصت چاہی۔ اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ محل کے سامنے تھا۔ محل کے پھاٹک پر اس نے ایک سو ایک سپاہیوں کو دیکھا۔ شہزادہ ان کے پاس گیا اور کہا "میں شہزادی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" یہ سن کر سپاہی ہنسنے لگے اور کہا کہ "یہ پاگل معلوم ہوتا ہے۔"

تبھی شہزادی ایلز بتھ نے اپنے کمرے کے دریچوں سے شہزادے کو دیکھ لیا۔ شہزادی نے سپاہیوں کو طلب کیا اور پوچھا "دروازے پر وہ جوان شخص کون ہے؟"

"ہم لوگ اسے نہیں جانتے۔ لیکن وہ آپ کو دیکھنا چاہتا ہے۔" سپاہیوں نے جواب دیا۔

"اس کو اندر آنے کی اجازت دی جائے اور میرے روبرو پیش کیا جائے۔" شہزادی نے حکم دیا۔

سپاہی نے ایک سپاہی شہزادے کو شہزادی کے پاس لے گیا۔ شہزادی نے دریافت کیا،
"اے نوجوان! تم کیا چاہتے ہو؟"
"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" شہزادے نے جواب دیا۔ شہزادی متعجب ہوئی۔ اس نے کہا، "تم بہت بہادر ہو۔"
"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" شہزادی نے پھر سوال کیا۔
"میں ایک شہزادہ ہوں اور دوسرے ملک سے آیا ہوں جو یہاں سے بہت دور ہے۔" شہزادے نے جواب دیا۔
شہزادی نے کہا، "میں تم سے شادی کروں گی، لیکن پہلے میرے ساتھ آؤ۔ میں تمھاری ہوشیاری کا امتحان لوں گی۔"
شہزادی اس کو ایک کمرے میں لے گئی اور اس کو رائی کا ایک بڑا ڈھیر دکھایا "اس ڈھیر کو کل صبح تک تیل میں بدل دینا۔" یہ کہتی ہوئی وہ چلی گئی۔
شہزادے نے رائی کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ اس نے سوچا، "میں ایک دن میں اسے تیل میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں شہزادی کے ساتھ شادی نہیں کر پاؤں گا۔" یہ سوچ کر وہ پریشان سا ہو گیا۔
تبھی چیونٹیوں کا بادشاہ اس کے سامنے نمودار ہوا اور کہا، "پریشان مت ہو شہزادے! میری چیونٹیاں تمھارے لیے یہ کام کریں گی اور کل صبح سے پہلے یہ کام ختم کر دیں گی۔ جاؤ اور سو جاؤ۔"
ہزاروں چیونٹیاں فرش کے چھوٹے چھوٹے چھیدوں اور دیواروں سے برآمد ہوئیں۔ ان چیونٹیوں نے ساری رات میں ان بیجوں کو تیل میں تبدیل کر دیا۔
صبح کے وقت شہزادی کمرے میں نمودار ہوئی اور رائی کے ڈھیر کو تیل کی شکل میں دیکھا۔ "تم بہت ہوشیار ہو۔" شہزادی نے داد دی۔ "اب میں تمھاری قوت کا امتحان لینا چاہتی ہوں۔"
"شہر کے سرے پر جنگل میں ایک شیر رہتا ہے۔ وہ بہت سے لوگوں کو لقمۂ اجل بنا چکا ہے۔ اس کو مار کر میرے سامنے اس کا سر پیش کرو۔" شہزادی نے حکم دیا۔
شہزادہ جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے پورے جنگل میں اس جانور کو تلاش

کیا۔ لیکن اسے نہ پا سکا۔ اس نے پھر سوچا " میں جانور کو نہیں پا سکتا۔ اس لیے میں شہزادی سے شادی نہیں کر پاؤں گا۔"

اس وقت شہزادے کا دوست چیتا اس کے سامنے نمودار ہوا اور کہا " میں ہوں کہ وہ شیر کہاں رہتا ہے؟ میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔" شہزادہ چیتے کے ساتھ شیر کی ماند کی پاس گیا۔ ماند کے سامنے کھڑے ہو کر چیتا دھاڑنے لگا۔ دھاڑ سن کر شیر باہر نکل آیا۔ فوراً ہی چیتا اس کے اوپر جھپٹ پڑا اور ایک خطرناک لڑائی شروع ہوگئی۔ وہ دونوں دو گھنٹے تک لڑتے رہے۔ بالآخر چیتے نے شیر کا کام تمام کر دیا۔

شہزادہ اس کا سر قلم کر کے نہایت خوشی کے ساتھ شہزادی کے روبرو حاضر ہوا۔ شہزادی شیر کے سر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ وہ شہزادے کو بادشاہ کے پاس لے گئی اور کہا " میں اس شہزادے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ بہت ہی ہوشیار اور طاقت ور ہے۔"

بادشاہ نے شہزادے سے کہا۔ " میں تمھاری شادی شہزادے کے ساتھ کر دوں گا" لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ آسمان میں ایک ڈھول ہے جو چاند کے پیچھے یہاں سے بہت دور ہے۔ میں اس کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" شہزادہ فوراً اپنی جادوئی چھڑی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، " آسمان کی جانب جاؤ اور ڈھول کو بجا کر لاؤ۔" چھڑی اڑتی ہوئی چاند کے پیچھے گئی اور ڈھول کو بجانا شروع کر دیا۔ جس سے بہت تیز آواز پیدا ہوئی۔ بادشاہ اور شہر کے سبھی لوگوں نے اس آواز کو سنا۔

بادشاہ اس کی عقل مندی پر بہت خوش ہوا اور اپنی بیٹی کی شادی اس شہزادے کے ساتھ کر دی۔ اب شہزادہ بہت خوش تھا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت لی۔ پھر اس نے شہزادی کو جادوئی بستر پر بٹھایا اور اپنا جادوئی تھیلا، جگ اور چھڑی اپنے ساتھ رکھ لی۔ پھر بستر سے کہا " مجھ کو میرے ملک کی طرف لے چلو۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ اپنے ملک پہنچ گئے۔ پھر شہزادہ اور شہزادی ہنسی خوشی رہنے لگے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

اشفاق نواب ریحانہ نواب

شیر اور لکڑہارا

(نیپال کی لوک کہانی)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لکڑہارا اپنی ماں کے ساتھ ایک گاؤں میں چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ روزانہ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ ایک دن لکڑہارا جنگل میں گیا تو سامنے سے شیر آتا ہوا نظر آیا لکڑہارا تھر تھر کانپنے لگا۔ لیکن شیر نے اسے کچھ نہیں کہا لکڑہارا ڈرتا ڈرتا شیر کے قریب آیا اس نے دیکھا کہ شیر کے پاؤں میں ایک کیل چبھی ہوئی ہے شیر درد سے کراہ رہا تھا لکڑہارے نے اس کی کیل نکالی اور شیر کی ساری تکلیف جاتی رہی۔ شیر نے لکڑہارے سے کہا کہ ڈرو نہیں میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا آج سے تم میرے دوست ہو اور جنگل میں جب چاہو آؤ اور جتنی لکڑیاں چاہو کاٹ کر لے جاؤ تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اب لکڑہارے اور شیر کی دوستی پکی ہو گئی۔

ایک دن لکڑہارے نے شیر سے کہا کہ میری شادی ہے اور تمھیں میری شادی میں ضرور شرکت کرنی ہوگی اور بارات کے ساتھ بھی جانا ہوگا شیر نے اسے کہا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ بارات کے ساتھ شیر آیا ہے نہیں نہیں میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ لکڑہارے نے بہت زیادہ اصرار کیا تو شیر بارات کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گیا۔

لکڑہارے کی بارات کسی دور کے شہر میں جانی تھی۔ اس لیے چلتے چلتے انھیں ایک جنگل میں رات ہو گئی۔ لکڑہارے نے وہیں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ سب لوگ سو گئے لیکن شیر جاگتا رہا جہاں شیر بیٹھا تھا وہاں اس کے ساتھ ہی ایک درخت کے

طوطا اور مینا بیٹھے تھے طوطے نے مینا
سے کہا مینا کوئی بات کرو۔"
مینا نے کہا "یہ جو بارات ہے اس کا
دولہا صحیح سلامت گاؤں تک نہیں پہنچے گا
وہ اس طرح کہ جب گاؤں میں داخل ہوں
گے تو گاؤں کے چودھری کی کتیا بھاگی ہوئی
آئے گی اور دولہا کو کاٹ لے گی۔ دولہا مر جائے گا۔
اگر دولہا وہاں سے بچ گیا تو آگے چل کر سب
گاؤں والے دولہا کے گلے میں ہار ڈالیں
گے حقیقت میں وہ پھول نہیں بلکہ سانپ
ہوں گے۔ اگر دولہا وہاں سے بچ گیا
تو جب باراتی دولہن کے گھر میں داخل
ہوں گے تو سب باراتی گزر جائیں گے مگر
جب دولہا گزرے گا تو گھر کی چھت گر
جائے گی اور دولہا مر جائے گا اگر وہاں
سے بچ گیا تو رات کو ایک سانپ آئے گا
جو دولہا کو ڈسے گا۔"

شیر یہ سب باتیں سن رہا تھا اس
نے ان باتوں کو ذہن نشین کر لیا بارات
گاؤں میں گئی تو چودھری کی کتیا بھاگتی
ہوئی آئی لیکن شیر نے کتیا کو راستے ہی
میں پکڑ کر مار دیا۔ یہاں سے دولہا
بچ گیا۔ بارات آگے گئی تو گاؤں کے لوگوں
نے دولہا کے گلے میں ہار ڈالنے چاہے لیکن
شیر نے پنجا مار کر ہار توڑ ڈالے جو ٹوٹتے
ہی چھوٹے چھوٹے سانپ بن گئے۔
لوگ شیر کی تعریف کرنے لگے۔
بارات دلہن کے گھر میں داخل ہوئی۔
آخر میں دولہا اندر جانے لگا تو شیر نے
گھر کی چھت گرا دی۔ رات کو دلہن گھر آ گئی
تو شیر کمرے کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ آدھی
رات کو ایک سانپ اندر جانے لگا تو شیر نے
اُسے بھی پکڑ کر مار دیا لیکن سانپ کے خون
کا ایک قطرہ دلہن کے منہ پر گر گیا جسے شیر
نے اس کے دوپٹے سے صاف کر دیا اسی
اثناء میں دلہن کی آنکھ کھل گئی اور شیر کی
طرف دیکھ کر غصے سے کہا "کیسے بُرے
ہُوے دوست ہیں میرے خاوند کے گیدڑ اور شیر۔"
شیر کو یہ بات بہت بُری لگی لیکن اس نے برداشت
کر لیا۔ شادی کے کچھ دن بعد جب لکڑ ہارا جنگل گیا
تو شیر نے اسے روک لیا اور کہا کہ یہ جو کلہاڑی
تمہارے ہاتھ میں ہے اِسے میرے سر پر
مارو تو لکڑ ہارے نے کہا کہ "تم میرے دوست
ہو میں تمہیں کیسے ماروں۔" شیر نے کہا اگر
تم نے مجھے نہ مارا تو میں تم سے بہت
ناراض ہو جاؤں گا۔ آخر کار لکڑ ہارے
کو اس کے سر پر کلہاڑی مارنی پڑی۔
لکڑ ہارے نے کلہاڑی ماردی تو شیر نے
کہا کہ اب تم چھ سات دن بعد آنا لکڑ ہارا
چھ سات دن بعد آیا تو شیر نے کہا

بیٹے سر کا زخم ٹھیک ہو گیا ہے لیکن تم نے جو بات کہی تھی اس کا زخم ابھی میرے دل میں تازہ ہے۔ پھر اس نے ساری بات لکڑہارے کو بتا دی اور کہنے لگا اب میری اور تمہاری دوستی ختم کیونکہ ہاتھ سے لگایا ہوا زخم تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن زبان کا زخم بہت مشکل سے ٹھیک ہوتا ہے۔ اب تم اس جنگل میں کبھی نہ آنا۔ اس کے بعد لکڑہارا کبھی جنگل میں نہ گیا۔

● یہ کہانی ہمارے بھائی جان نے نیپال سے بھیجی ہے جسے نیپال کی لوک کہانی کہتے ہیں۔ ***

ذھرا لطیف

نیک کام

ایک دن رسول اکرمؐ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا میں یا رسول اللہ فلاں کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا خیال آیا کہ اب کنویں کے قریب ایک کھونٹا ہونا چاہیے تاکہ لوگ اپنے مویشی باندھ سکیں۔ میں نے وہاں ایک کھونٹا گاڑ دیا۔ آپ نے فرمایا "تو نے اچھا کام کیا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے فلاں کنویں کے پاس ایک کھونٹا گڑا دیکھا تو اسے اکھاڑ دیا تاکہ کوئی شخص ٹھوکر سے گر نہ جائے آپ نے فرمایا تو نے نیک کام کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان دونوں نے متضاد کام کیے ہیں لیکن آپ نے دونوں کو پسند کیا۔ حضور نے فرمایا کہ دونوں کی نیت اچھی تھی اس لیے دونوں نے نیک کام کیا۔ ***

محمد یوسف طاہر

کرو آج کا کام تم آج بچو
یہی آج ہے کل کا سرتاج بچو!
کبھی آج کا کام چھوڑو نہ کل پر
زمانے میں پاؤ گے تم راج بچو!
گنوا کر یہ اصول اچھے سہانے
کرو زندگی کو نہ تاراج بچو
اگر آج سے تم نے کچھ فیض پایا
مسرت کا پاؤ گے تم تاج بچو
رکھو گے جو تم یاد طاہر کی باتیں
سعادت کے پاؤ گے تم تاج بچو!

قنبر رضوی
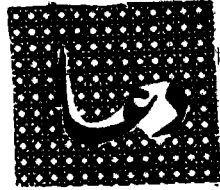
تمہا بندہ جو اس دنیا میں اے جاں آفریں آئے
زباں پر اس کی بس الحمد رب العلمین آئے
رہیں میں تری شک کیا ہے تو رحمٰن ہے یارب
وہ مومن ہے جسے روز قیامت پر یقیں آئے
صراط مستقیم ان کو ہدایت سے ملے تیری
مدد تجھ سے طلب کرنے جہاں میں متقی آئے
چلا اس راہ پر جس پر ہوئی ہیں نعمتیں نازل
وہ اک رستہ جہاں تیرا غضب بیشک نہیں آئے
دعا ہے جب شفاعت ہو گنہگاروں کی محشر میں
تو قنبر بھی ترا ہمراہ ختم المرسلین آئے

کے (دہلی) ۷ نور شکوہ آباد

مسعودہ حیات

گل دستہ

ہمارا ہند ہے پھولوں کا ایک گلدستہ
تمام رنگ جہاں، اس زمیں سے پیوستہ
انہیں گلوں سے تو زینت ہے اپنے گلشن کی
انہیں کے دم سے تو عظمت ہے اپنے گلشن کی
ہزار نسل و زباں، پھر بھی ساتھ پلتے ہیں
غذا، لباس الگ، پھر بھی ساتھ چلتے ہیں
یہاں کی آب و ہوا سب کو راس آتی ہے
یہ وہ زمیں ہے جو سب کو گلے لگاتی ہے
عجیب کیف لطافت ہے ان ہواؤں میں
گھلی گھلی کوئی نکہت ہے ان فضاؤں میں
ہنسی خوشی سے گزارے کی بات کرتا ہے
ہر ایک شخص اُجالے کی بات کرتا ہے
نگاہِ بد سے ہر ایک پھول کو بیدار رکھے
چمن یہ سب کا چمن ہے اسے خدا رکھے

۲۶/۶۱ گول مارکیٹ۔ نئی دہلی ۱

[illegible] سے زیادہ بھی تجارت جس کی [illegible] اپنا مال [illegible]
[illegible] کرتے ہو۔ دیتے کم ہو اور لیتے زیادہ ہو۔ یہ بات صریحاً زمین پر فساد پھیلانے والی ہے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام ابھی اسی قدر کہہ پائے تھے کہ ان کی قوم کے چند ذی مرتبہ لوگ بولے۔

"شعیب بن نوفل بن عیقان بن مدین! مانا کہ تم مدین کے علاقے کے سب سے بڑے عالم ہو، ہم تمھارے علم اور سحر بیانی کی قدر کرتے ہیں لیکن تم بھول گئے ہو کہ جس مال سے تجارت کرتے ہیں، ہم اس قدر آسودہ ہیں، وہ مال ہمارا ہے۔ ہم کم تولیں یا زیادہ تمھیں کیا مطلب؟ تم ہمارے سردار تو نہیں ہو؟"

حضرت شعیب علیہ السلام نے تحمل کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے تم سے مطلب ہے۔ اس لیے کہ میں تمھارا سردار تو نہیں ہوں لیکن خدا نے مجھے تمھاری ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ تاکہ میں تمھاری اس کی طرف رہنمائی کروں اور جو کچھ وہ فرمائے تمھیں ہدایت کروں اور اس نے یہی فرمایا کہ وہی قابل عبادت ہے۔ تم لوگ اس کی بندگی کرو اور ناپ تول میں تنگی مت کرو کیوں کہ وہ تم پر ایک طویل دن مسلط کرنے والا ہے جس دن ہر نفس کو اس کے روبرو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔"

"چلو مان لیا کہ بندگی کے قابل تمھارے خدا کی ذات ہے۔ کر لیں گے بندگی لیکن تمھارے خدا کو ہماری تجارت اور ناپ تول سے کیا غرض؟ ہم اپنی میزان ہلکی بنائیں یا وزنی خدا کی ذات پر کیا اثر پڑتا ہے؟"

یہ بات کسی ایک نے کہی اور مدین کے جتنے لوگ وہاں جمع تھے کھل کھلا کر ہنس دیے۔ اسی ہنسی اور ٹھٹھول میں مجمع منتشر ہوگیا۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام گھر کی جانب لوٹ گئے۔ اس دن مدین کے لوگ ایک دوسرے کو ان کے بارے میں بتاتے رہے۔ انھوں نے سنجیدگی سے اس بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا کہ عبادت اور طویل دن سے کیا مراد ہے۔ اور بندگی کسے کہتے ہیں۔

چند دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن تاجر لوگ اپنے اپنے مال کی ڈھیریاں لگائے ہوئے بیٹھے گاہکوں کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ آنے جانے والوں کو دیکھ کر آوازیں لگا رہے تھے اور [illegible] [illegible] رہے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تاجر تھا، وہ ہاتھ میں پکڑے آٹے کی طرف ڈالے [illegible] [illegible] سے جھگڑ رہا تھا۔ اس نے جھکے ہوئے پلڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم خود دیکھ لو کہ مال کے بوجھ سے ترازو کا پلڑا جھک گیا ہے۔ پھر بھی [illegible]"

"[illegible] جھکے ہوئے [illegible] دیکھیں یا اس میں پڑے ہوئے [illegible] [illegible] آدمی [illegible] نہیں کھائیں گے۔"

"تو زیادہ خرید لو" بوڑھا ڈھٹائی سے ہنسا۔ "جتنی رقم دوگی اتنا ہی آٹا ملے گا"

دونوں عورتیں بے بسی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ ایک بڑبڑائی۔ "عجیب بات

بیچتے وقت ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آتا اور خریدتے وقت سب کچھ دے دیتے ہیں"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں آٹے کی پوٹلی کے بدلے تمام رقم جھاڑ کر جا رہی تھیں ان کے

چہرے پر خوشی نہ تھی۔ یہ دونوں ماں بیٹیاں تھیں نو عمر والی نے بوڑھی سے کہا "اماں جان!

مزدوری آٹے میں خرچ ہو جاتی ہے پھر بھی پورا نہیں پڑتا ایسا کیوں ہے؟"

"بیٹی یہ لوگ تجارت میں بے ایمانی کرتے ہیں اور شہر کے باہر سے خرید کر لاؤ تو مسافروں سے

لیتے ہیں۔ تمھیں یاد ہے نا کہ تمھارے باپ اسی جھگڑے میں قتل ہو گئے تھے ایک بار وہ مدینے کے

باہر سے خورد و نوش کی اشیا خرید کر لانے گئے تو آدھی رقم بچ گئی تھی اور مال بھی بہت آگیا تھا وہ

دوبارہ خریداری کر کے لوٹ رہے تھے تو یہاں کے تاجروں نے پکڑ لیا۔ جھگڑا ہوا اس میں ان کی جان چلی

گئی۔ میں اسی لیے زیادہ احتیاط کرتی ہوں کہ تمھارے بھائی عثمان کو کچھ نہ ہو جائے۔ اب وہی

سہارا ہے چلو اچھا ہوا اسے کام مل گیا"

"ہاں بھائی نے ہی مجھے بتایا تھا کہ مدینے کے تاجر تول میں اتنی کمی کرتے ہیں کہ اصل سے

آدھا مال گاہک لے جاتا ہے ان کے مالک نے انھیں خود ہدایت کی ہے کہ جب وہ خود موجود نہ

ہوں تو ترازو جھکا کر تولنا اور رقم پوری لینا اور بھائی ایسا کرنے کے لیے مجبور ہے"

"ہاں بیٹی" بوڑھی عورت نے دکھ سے سانس لیا "عثمان اس لیے مجبور ہے کہ اس

کا گزر کہیں اور نہیں چلتا...

...

[illegible] انھوں نے کہا: "مدین کے معزز لوگو! اپنی میزان درست رکھو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ [illegible]ت نے کائنات بنانے سے پہلے میزان قائم کی تھی جو پورا پورا تولنے اور انصاف کرنے [illegible] ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب اسی میزان میں تم سب کی نیکی اور بدی تولی جائے گی پھر جس نے ذرہ [illegible] نیکی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔ اب خوب [illegible] اگر تم لوگ اپنی میزان درست نہ رکھو گے تو تمھیں شدید عذاب پہنچنے والا ہے۔ وہی عذاب جو [illegible] کی قوم پر آیا ہودؑ اور لوطؑ کی قوم پر نازل کیا گیا۔ پس تم پر لازم ہے کہ جو کچھ پہلے کر چکے ہو اس سے توبہ کرو [illegible] والا مہربان ہے۔"

اسی وقت کوئی منچلا کھڑا ہوا اور چلّا کر بولا "شعیب! بھلا یہ نوحؑ، ہود اور لوطؑ کون تھے؟"

"وہ سب اپنی قوموں کے سردار، اور خدا کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ وہ سب نبی برحق تھے اور ان کی قوموں میں سے جس نے ان کی نافرمانی کی عذاب کا شکار ہوئے۔"

"کیا ان کی قومیں بھی ناپ تول میں کمی کرتی تھیں جو عذاب آیا؟ وہی جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو؟" کسی نے پوچھا۔

"وہ لوگ نافرمان تھے، خدا کے احکامات سے انکار کرنے والے۔" حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا "اے میری قوم ان باتوں کو ہنسی میں مت اڑاؤ اور نہ میری مخالفت میں آکر خدا کے احکامات سے انکار کرو جیسا کہ پچھلی قومیں اپنے پیغمبروں کی ضد میں آکر منکرین میں شامل ہو گئیں انھیں بہت عبرت [illegible] گئی۔ تم ان سے عبرت سیکھو اور اپنے پروردگار کی جانب رجوع کرو۔ اسی سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگو بے شک وہ بہت مہربان اور بندوں سے محبت کرنے والا ہے۔"

یہ سنتے سنتے مدین کے کئی معززین آگے آئے اور بولے۔ "شعیب ابن نوفل! تمھاری لایعنی باتیں ہماری تو سمجھ میں نہیں آتیں۔ تم دیکھنے میں بھی ہم لوگوں سے کمزور نظر آتے ہو۔ ہمارے سردار بھی نہیں ہو۔ ہاں [illegible] کلام فرود ہو تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ہمیں کھلے عام نصیحت کرنے لگو۔ اور ہماری عادتوں پر برا [illegible] کرو۔ بھلا تمھیں کیا تکلیف ہے اگر ہم تھوڑا سا منافع کما لیتے ہیں؟"

"مجھے تکلیف نہیں لیکن میری قوم کے ہر نفس کو اس بات سے تکلیف ہے کہ تم انھیں کم تول کر دیتے ہو اور رقم پوری وصول کرتے ہو۔ اور خدا کو اپنے بندوں کی تکلیف گوارا نہیں ہوگی اسی لیے وہ تمھیں اس [illegible] سے روکتا ہے جو پوری قوم کو برباد کر دینے والی ہے۔"

اب تک بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے وہ بھی جو گزشتہ دن نہ تھے اور وہ بھی جو پہلی تقریر سن چکے تھے ان سب میں بچے بھی تھے، جوان اور بوڑھے بھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سب کو دیکھا اور فرمایا "اے میری قوم! خدا سے ڈرو، مجھے اس کی جانب سے آیا ہوا نبی تسلیم کرو، میرا ہر حکم بجا لاؤ۔ خدا کی عبادت اور میری اطاعت کرو اسی میں تمھاری نجات ہے۔"

یہ سن کر کچھ لوگ خاموش ہو گئے کچھ نے زور زور سے شور مچانے کے انداز میں کہا "شعیب! اگر تم ہمارے علاقے کے نہ ہوتے تو ہم تمھیں تمھاری اس جسارت پر سنگسار کر دیتے، بے شک ہمارے معاملات میں دخل اندازی بہت بڑا جرم ہے اب تم خود سوچ لو۔"

یہ کہتے ہوئے پہلے دن کی طرح سے ہجوم چھٹ گیا۔ اور چند لوگوں کے سوا سب ان کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف بڑھ گئے اور خود حضرت شعیب علیہ السلام بھی اپنے گھر کی طرف چلے۔ اس وقت انھیں محسوس ہوا کہ کوئی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ انھوں نے پلٹ کر دیکھا عیقان تھا۔ مدین کا ایک غریب جوان جو تاجروں کے پاس محنت مزدوری کر کے کچھ رقم کما لیتا تھا اس نے کہا "جناب! آپ کی ساری باتیں میرے دل کو لگیں لیکن ایک بات دریافت کرنی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" حضرت شعیبؑ بدستور چلتے ہوئے بولے۔

"جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں وہ خدا کے عذاب کے شکار ہوں گے لیکن جو بڑے لوگوں کے غلام ہیں، مجبور ہو کر برائی کرتے ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوگا؟" عیقان نے پوچھا۔

"جس میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ برائی سے بچنے کی آرزو کرے گا تو خدا [illegible] اس کی مدد فرمائے گا۔" حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تو عیقان کی آواز بھر آگئی اس نے کہا "میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کیونکہ اب مجھے [illegible] سے نفرت ہو [illegible]

[illegible] ہوں مگر خدا جانتا ہے کہ میں مزدوری کرتا ہوں اور ان لوگوں کے ہاتھوں مجبور ہوں اور خود نوکری [illegible] نہیں سکتا کیونکہ یہاں کے تاجروں کا اصول ہے کہ جو ملازم خود نوکری چھوڑتا ہے اس پر چوری کا [illegible] لگا کر لُٹ لوٹ لیتے ہیں میں خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت تو کر سکتا ہوں لیکن خود سے [illegible] نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تم ملازمت کو چھوڑنا چاہتے ہو تو خدا خود کوئی راستہ نکال دے گا۔" حضرت شعیب علیہ السلام [illegible] سنا دیا۔

اس طرح اہلِ مدین میں سب سے پہلے ایک غریب مزدور نے ان کی تائید کی اور واقعی خدا نے خود ہی اُسے [illegible] سے بچایا۔

ایک دن وہ تجارت کے لیے گیا تو اس کے مالک نے دریافت کیا۔

"کیا تو شعیب بن نوفل کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ تو اُس کے گھر گیا تھا؟"

"ہاں۔" حیقان نے جواب دیا "میرا دل کہتا ہے کہ شعیب بن نوفل نے جو کچھ فرمایا۔ درست ہے۔"
یہ سنتے ہی مالک غصے میں آ گیا۔ اس نے حیقان کے منہ پر ایک زوردار چانٹا مارا اور بولا "جا اُس دین میں داخل ہونے کا انعام میں تجھے یہ دیتا ہوں اور دوسرا انعام یہ ہے کہ تجھے کوئی تاجر مزدوری نہ دے گا۔ ہمارے کاروبار اور تجارت پر تنقید کرنے والے شعیب کا آدمی ہمارا غلام نہیں رہ سکتا۔"

حیقان نے مار کھائی اور اس دکان سے نکل گیا اس وقت اسے محسوس ہو رہا تھا کہ خدا نے اس بُرائی [illegible] والی جو وہ مجبوراً کرتا تھا اور اسی دن سے اُسے ایک نیا کام مل گیا۔ بکریاں چرانے کا۔ ایک تاجر نے اسے اپنے ریوڑ کی نگرانی کے لیے کہا تو جیسے باقی تردد بھی مٹ گیا۔ حیقان مسلمان ہوا تو اس کے گھر والے بھی راہِ حق پر آ گئے اور ان کے ساتھ کچھ اور بھی اس طرف متوجہ ہوئے تو حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت [illegible] اثر کرنے لگی اس طرح سے اہلِ مدین دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک جانب چند غریب لوگ [illegible] آہستہ حق کی طرف مائل ہو رہے تھے اور دوسری طرف قوم مدین کے جلیل القدر تاجر تھے جو مسلسل [illegible] رہے تھے۔ نہ بندگی کے لیے تیار تھے نہ ایمان داری کے لیے بلکہ لگتا تھا کہ ان کی سرکشی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ شدت کے ساتھ برائیاں کرتے تھے۔ مدین سے گزرنے والے مسافروں کو لُوٹ لیتے تھے۔ ناپ تول میں اس درجہ کمی کرتے کہ خریدار انھیں سب کچھ دے کر بھی [illegible]۔ اہلِ مدین خریداری [illegible] کے لیے مدین سے باہر جانا چاہتے تو قتل کر دیے جاتے۔ جو حضرت شعیب علیہ السلام پر

ایمان لاتا اسے یہ لوگ کوئی کام نہ دیتے اور کوئی ضرورت مند کام چاہتا تو مزدوری نہ دیتے۔ کام کرا کے دھکا دے کر دکانوں اور گھروں سے باہر کر دیتے تھے۔

اس طرح سے مسلمان بہت پریشانی کے عالم میں اپنا وقت گزار رہے تھے اور اہلِ مدین ضد پر قائم نہ صرف حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا رہے تھے، خدا سے انکار کر رہے تھے بلکہ طرح طرح سے ایمان لانے والوں کا مذاق بناتے اور انھیں ستاتے تھے۔ لیکن ان کے ہاتھوں ہر دکھ اٹھانے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام انھیں ہدایت دیتے۔ جہاں گاہک اور تاجر جمع ہوتے ہدایت دینے پہنچ جاتے اور منکرین بدتمیزی کرتے۔ اسی طرح برسوں گزر گئے منکرین کی اولادیں جوان ہو گئیں اور اپنے اسلاف سے بڑھ کر حق کو جھٹلانے اور برائی کو پھیلانے لگیں، تب حضرت شعیب علیہ السلام ان لوگوں سے مایوس ہو گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

"اے خدا تو سرکش اور منکرین سے زمین کو پاک کر دے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کے برسوں بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان سے کہا۔ "اے شعیب! اب وہ وقت قریب ہے جب اللہ تعالیٰ منکرین کو ان کے گناہوں کی سزا میں سخت عذاب سے دوچار کرنے والا ہے لہٰذا حکمِ خداوندی ہے کہ تم اہلِ ایمان کو لے کر مدین سے باہر چلے جاؤ۔" حضرت شعیب علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے جو ایمان لانے والوں کی تعداد ایک ہزار کچھ ہو گئی جب اتنے نفوس کا قافلہ [illegible]

لشکر روانہ ہوا تو اہلِ مدین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کسی نے کہا۔ "دیکھا شعیب کو یہاں کامیابی نہ ہوئی تو کہیں اور جا رہا ہے۔"

کسی نے ہنس کر کہا۔ "ارے بھئی! کیا کسی ملک کو فتح کرنے چلے ہو جو لشکر کا لشکر روانہ ہو گیا ہتھیار تو لے لو۔"

کسی نے قریب آ کر براہِ راست سوال کیا۔ "شعیب یہ کون سی افتاد آ پڑی جو اپنے وطن سے بھاگ رہے ہو؟"

اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے رُک کر اُنھیں پھر ہدایت کرنی چاہی جسے وہ سُننے کو تیار نہ تھے تب انھوں نے کہا۔ "اے اہلِ مدین! میرے لیے خدا کا حکم ہے کہ تمھیں چھوڑ کر علاقے سے باہر چلا جاؤں کیونکہ اب وہ وقت آگیا ہے جب خدا منکرین پر عذاب نازل کرے اور زمین کو پاک کر دے۔"

اتنا سُن کر مدین کے معزز تاجر مذاق اڑانے لگے ایک نے کہا۔ "اچھا بابا تم جاؤ، مگر اتنا تو بتاتے جاؤ کہ اس عذاب کی شکل کیسی ہوگی؟"

کوئی بولا "یہ ہر وقت کی ہائے توبہ سے تو عذاب ہی بہتر ہوگا۔ برسوں بیت گئے ایک ہی بات سُنتے سُنتے اب کچھ نئی بات تو ہو۔ اچھا اس عذاب کا وقت تو بتاتے جاؤ۔"

یہ بے ہُودہ گفتگو سنتے سنتے اور منکرین کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام مدین سے نکل گئے اور خدا کے حکم سے چند کوس کے فاصلے پر ٹھہر گئے۔ یہاں عین رات کے وقت جب اللہ کے نبی عبادت میں مصروف تھے اور اہلِ مدین ان کے چلے جانے سے مطمئن ہو کر آرام کی نیند سو رہے تھے تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ اسی صبح اہلِ مدین پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اور واقعی اس صبح ایک ہیبت ناک چنگھاڑ نے اہلِ مدین کو ہراساں کر دیا اس چنگھاڑ کی آواز کو سن کر ان کے پتے پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس وقت مدین کے اندر انسان اور جانور سب ہی ہم آغوشِ اجل ہو گئے کوئی ذی روح زندہ نہ بچا۔ اس چنگھاڑ کے فوراً بعد ہی آسمان سے ایک آگ نمودار ہوئی اور ان سب کو راکھ کر گئی اس طرح اہلِ مدین یا اصحابِ ایکہ پر عذاب نازل ہوا اور دیگر اقوام کے منکرین کی طرح وہ بھی فنا ہو گئے۔ چند دن قیام کرنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے گزارش کی۔ "خداوندِ عالم میرے لیے کیا حکم ہے؟"

ارشاد ہوا "تم اپنے وطن واپس جاؤ اور اسے دوبارہ آباد کرو۔"

مستند معلومات

دلچسپ علم ——— عطار آفتاب جی

ملک ہمارا ہے [illegible]

سیما احمد

بلال اور اسد دونوں بھائی قدم ملاتے ہوئے اسکول کی طرف جا رہے تھے آج ان کا اس نئے اسکول میں پہلا دن تھا۔ گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہوئے انھوں نے چوکیدار کو سلام کیا اور پھر اسکول کے اندر داخل ہوئے۔ انھیں یہ دیکھ کر سکون ملا کہ ابھی اسکول نہیں لگا تھا۔
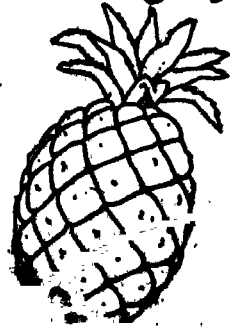
بلال آٹھویں اور اسد نویں کلاس میں تھا۔ دونوں بہت ہی ذہین اور تمیز دار بچے تھے۔ اس سے پہلے وہ دوسرے شہر میں بستے تھے۔ وہاں کا اسکول ان دونوں کو بہت پسند تھا کیوں کہ وہاں تمام بچے بہت ہی ہمدرد اور پر خلوص تھے۔ اس نئے اسکول اور نئے شہر میں آکر انھیں عجیب سا لگ رہا تھا۔ مگر ان کے ابو نے سمجھایا کہ بیٹے! یہ پورا ملک ہمارا ہے ہم جہاں بھی رہیں اُس جگہ کو اپنے عمل سے اچھے سے اچھا بنا سکتے ہیں۔ کوئی بھی چیز خراب یا بری نہیں ہوتی اگر تمھیں یہاں کوئی خرابی نظر آئے تو اس کو درست کرنے کی کوشش کرو کیوں کہ یہ ملک تمھارا اپنا ہے اور اپنی چیز کو اچھا بنانے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلال اور اسد نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی۔

اسکول آکر انھوں نے اپنے اپنے بیگ اپنی کلاس میں رکھے اور کوریڈور میں کھڑے ہو کر لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے رہے

"بھائی! ہمارا وہ اسکول تو بہت صاف ستھرا تھا یہاں تو بہت گندگی ہے۔" اسد نے بلال سے کہا۔

"ہاں یہاں تو واقعی بہت عجیب صورت حال ہے" گراؤنڈ میں جگہ جگہ کاغذ اور پلاسٹک کی تھیلیاں اڑ رہی تھیں بچے یونیفارم تو پہنے ہوئے تھے مگر وہ دھول اور مٹی کی وجہ سے انتہائی گندی ہو رہی تھیں وہ دونوں ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ گھنٹی بجی اور وہ اسمبلی کے لیے میدان میں لائن بنانے لگے تمام بچے ایک دوسرے کو دھکے دے رہے تھے، آخیر کار چند منٹ کے بعد لائن بن گئی۔ اسمبلی کے دوران بچے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے لیکن اُن کو اُس وقت بہت حیرت ہوئی جب بغیر ناخن، ہاتھ، کپڑے چیک کیے وہ کلاس میں داخل ہو گئے۔

پہلا پیریڈ شروع ہوا، ان کے ٹیچر نے پڑھایا، کام دیا، حساب کا پیریڈ لینے کے لیے ایک "مس" آئیں، اسد کو اپنی مس بہت اچھی لگیں۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے آنے سے پہلے کلاس کے مانیٹر نے چند لڑکوں کے ساتھ مل کر جلدی سے وہ تمام گندے کاغذ جو لڑکوں نے پھینکے تھے چُنے اور ڈسٹر، چاک اپنی جگہ پر رکھی۔ ان کی مس بہت اچھی تھیں انھوں نے خاص طور پر اسد کا نام اور مشغلہ پوچھا اور کلاس کے ایک لڑکے کو ہدایت کی کہ وہ پچھلے کام کے سلسلے میں اسد کی مدد کرے۔ اس طرح اسکول میں ان کا پہلا دن ختم ہوا۔

وہ دونوں اپنے اسکول سے نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے تو اسد کی مس ان کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے بلال سے بھی باتیں کیں اور کہا کہ اگر اس کو کسی مشق کے سمجھنے میں پریشانی ہو تو وہ اس کے گھر آجائے۔ اسد ان کی اس بات پر بہت خوش ہوا۔

ان کی مس کا نام مس صنوبر تھا اور وہ ان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہتی تھیں۔ بلال اور اسد مس سے باتیں کر کے بہت خوش تھے۔

گھر میں داخل ہو کر اسد نے امی کو سلام کیا اور اپنی مس کی تعریف شروع کر دی۔

"بلال کیا بات ہے تم بہت چپ ہو، کیا تم کو مس صنوبر نہیں پڑھائیں؟" امی نے پوچھا "نہیں امی یہ بات نہیں دراصل مجھے یہ اسکول اچھا نہیں لگا۔"

"اچھا نہیں لگا" امی نے حیرانی سے بلال کی طرف دیکھا۔

"ہاں اچھا تو مجھے بھی نہیں لگا" اسد نے کہا۔ "لیکن اسکول پسند نہ آنے کی وجہ؟" امی نے سوال کیا۔

"امی یہ اسکول ہمارے پہلے اسکول کے مقابلے

بھی ذرا بھی اچھا نہیں، کلاس میں سارے بچے گندگی پھیلاتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ دھکم پیل سے کھیلتے رہتے ہیں۔ صفائی کا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھتے اس اسکول کا پورا نظام بگڑا ہوا ہے" بلال نے جواب دیا۔

"دیکھو، تمھارے ابّو نے تمھیں سمجھایا تھا نا کہ کوئی جگہ بُری نہیں ہوتی انسان خود اچھا یا بُرا ہوتا ہے، اور پھر تم نے ابھی بتایا کہ اسد کی مِس بہت اچھی ہیں، جہاں ایسے لوگ موجود ہوں وہ جگہ بری کیسے ہو سکتی ہے" امّی نے دونوں کو سمجھایا اور پھر کہا کہ "تم لوگ شام کو اس بارے میں اپنے ابّو سے بات کرنا"

بلال اور اسد نے ابّو کو ساری بات بتا دی۔ ان کے ابّو نے انھیں سمجھایا "دیکھو اگر تم لوگ اس اسکول کو اچھا بنانا چاہتے ہو تو کسی سے کچھ کہنے کے بجائے خود ہی اچھے اچھے کام کرو اور اپنے اسکول کو ایک مثالی اسکول بنانے کے لیے کام کرو۔ اس لیے کہ اب وہ تمھارا اسکول ہے۔ فرض کرو اگر میں تم دونوں کو کسی دوسرے اچھے اسکول میں داخل کرا دوں تو اس طرح تو یہ ملک کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔ برائی کو دیکھ کر اُسے نظر انداز کر دینا بہت ہی غلط بات ہے"

بلال اور اسد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور وعدہ کیا کہ "اب ہم خود اپنے اسکول کو اچھا بنائیں گے"

پھر وقت گزرتا گیا اور ان کو اس اسکول میں ایک ہفتہ ہو گیا۔ اس دوران انھوں نے اسکول میں خوب دل لگا کر پڑھا اور دیا ہوا تمام کام مکمل کیا۔ اب ان کی توجّہ اسکول کی طرف تھی۔

ایک شام بلال اور اسد مِس صنوبر کے گھر گئے۔ مِس صنوبر بہت خوش ہوئیں اور انھوں نے آنے کی وجہ پوچھی۔ "مِس" بلال نے ہمت کر کے کہا "ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے" "میں تم لوگوں کی مدد کروں گی مگر کام تو پتہ چلے" مِس صنوبر نے کہا۔

"مِس ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اسکول کو ایک مثالی اسکول بنائیں ہمیں امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتی ہیں" بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

مِس صنوبر نے مسکراتے ہوئے بلال کی طرف دیکھا اور کہا "میں خود یہی چاہتی ہوں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم لوگوں نے یہ سوچا ہے اور بہت سے دوسرے ٹیچرز بھی یہی چاہتے ہیں مگر سب صرف باتوں کی حد تک۔ اب اگر سب مل کر کوشش کریں تو یقیناً ہمارا اسکول مثالی بن سکتا ہے"

بلال اسد اور مِس صنوبر نے مل کر کل کے لیے پروگرام بنایا۔ اور اس کے بعد وہ دونوں گھر آ گئے۔

اگلے دن بلال اور اسد وقت سے بہت پہلے ہی اسکول پہنچ گئے اندر آئے تو مِس صنوبر شاید

چار کا عدد

- جرمنی کا بادشاہ چارلس پنجم روزانہ چار بار کھانا کھاتا تھا۔
- اس کے چار محل تھے، ہر محل کے چار حصے تھے، ہر کمرے میں چار دروازے اور چار کھڑکیاں تھیں۔
- اس کے شاہی تاج میں چار ہیرے جڑے ہوئے تھے۔
- وہ چار زبانیں جانتا تھا۔
- وہ ہمیشہ چار رنگ کا لباس پہنتا تھا۔
- اس نے چار شادیاں کیں، اور چار بچے ہوئے۔
- ہر بچہ چار چار سال کے وقفے سے پیدا ہوا۔
- وہ جب مرا تو اس کے پلنگ کے گرد چار معالج تھے۔
- وہ چار بج کر چار منٹ پر انتقال کر گیا۔

مرسلہ: ریاض احمد ندیم۔

روم میں کھڑی نظر آئیں۔

ان تینوں نے مل کر جمعدار کے ساتھ صفائی کروائی، جمعدار بھی حیران تھا کہ آج کیا بات ہے شاید کوئی معاینہ کرنے آرہا ہے، بلال نے جمعدار کو ہدایت کی کہ وہ روز صبح سویرے اسکول آیا کرے گا پھر انھوں نے خود تمام کوڑا ڈالنے والی بالٹیاں ڈھونڈ کر کلاس کے باہر رکھیں بچے آنا شروع ہو چکے تھے سب اسکول کو دیکھ کر حیران تھے۔ بلال اور اسد فخر کے ساتھ ایک طرف کھڑے تھے اور اپنی کامیابی پر بہت خوش تھے

تمام بچے کھیل میں مصروف ہو گئے اور چھر ہر طرف کاغذوں اور دوسری بے کار چیزوں کا ڈھیر لگنا شروع ہو گیا۔ بلال اور اسد نے کچھ کہے بغیر کاغذوں اور کوڑے کے ڈھیر کو اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دیا۔ ان کی اس حرکت پر بچوں کو نہ صرف بہت حیرت ہوئی بلکہ وہ بے انتہا شرمندہ بھی ہوئے۔ پھر اسکول کی گھنٹی بجی اور سب بچے کلاسوں میں چلے گئے۔

مس صنوبر نے اپنے پیریڈ میں پوری کلاس سے کہا کہ: آج وہ نہیں پڑھائیں گی بچے کتابیں بند کر دیں۔ "وہ کیوں مس"۔ بچوں نے یک زبان ہو کر پوچھا "مجھے آج آپ لوگوں سے کچھ باتیں کرنا ہیں"۔ پوری کلاس ان کی بات غور سے سن رہی تھی۔ مس صنوبر نے کہا: "آپ کی کلاس میں ایک نیا بچہ آیا ہے جو آپ لوگوں کی طرح ہی ہے مگر تھوڑا سا مختلف ہے

[illegible] آپ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کے اسکول میں کھیلنے کے لیے گراؤنڈ ہو اور آپ کی کلاس صاف ستھری ہو آپ کے اسکول میں درخت اور پھول پودے ہوں اور آپ لوگوں کے اس اسکول میں کھیل اور دوسری تقریبات ہوں، اگر آپ یہ سب کچھ چاہتے ہیں تو اپنی رائے دیں۔"

"جی ہاں مس ہم لوگ یہ سب کچھ چاہتے ہیں مگر ایسا کس طرح ہوگا؟" بچوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"آپ لوگوں کو آج اسکول میں یقیناً کچھ تبدیلی محسوس ہوئی ہوگی؟" مس صنوبر نے پوچھا!

مانیٹر نے کھڑے ہو کر کہا: "مس آج اسکول پہلے کے مقابلے میں بہت صاف ستھرا ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے یہ کام کس نے کیا؟" مس صنوبر نے پوچھا۔

"نہیں مس" کلاس میں شور سا ہوا اور بچے آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"ایک منٹ خاموش ہو کر سنیں، میں بتاتی ہوں، یہ کام آپ کی کلاس کے نئے ساتھی اسد اور اس کے بھائی بلال نے کیا ہے۔"

اسد سب حیران ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگے کچھ لڑکوں کی آنکھوں میں رشک بھی تھا اور حیرت بھی کہ یہ نیا لڑکا ہے اور اسکول کی سب [illegible] پھر اس کی تعریف [illegible]

صنوبر نے اسد سے پوچھا: "کیا تم کلاس کے دوسرے لڑکوں سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں مس!" اسد نے کھڑے ہو کر جواب دیا: "میں آپ لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اسکول ہمارا ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم سب مل کر اس کو اتنا خوب صورت بنائیں کہ لوگ ہمارے اسکول کی مثالیں پیش کریں۔"

"مگر ہم کیوں کریں؟ یہ کام تو اسکول والوں کا ہے، ہم تو یہاں صرف پڑھنے آتے ہیں کام کرنے تو نہیں آتے۔" کلاس کے ایک تیز لڑکے نے کھڑے ہو کر اسد کی بات کاٹی۔

"میرے دوست کیا تم اپنے گھر کو صاف نہیں رکھتے، اپنے کمرے کا خیال نہیں رکھتے اور پھر آج اگر ہم کوئی اچھا کام کریں گے، کوئی پودا لگائیں گے تو بعد میں آنے والے ان کی چھاؤں میں بیٹھیں گے، ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں، تو کیا اس جگہ کا ہم پر کوئی حق نہیں جب کہ وہ ہمیں تعلیم کی شکل میں اتنی بڑی دولت دے رہی ہے۔ ہمیں اس جگہ کی عزت اور وقار کا خیال رکھنا چاہیے، ہم یہاں علم حاصل کر رہے ہیں، علم تو روشنی ہے اور اس روشنی نے ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ ہمیں ایسے کام کرنا چاہیے جو سب کو خوشی دیں اور..."

اسد کی بات ادھوری رہ گئی [illegible]

صاحب کلاس روم میں داخل ہوتے تھے وہ
دن میں ایک بار اسکول کا جائزہ ضرور لیتے تھے۔
اسد کی باتیں سن کر ان کو بہت خوشی ہوئی انھوں
نے اسد کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور
کہا کہ "ہم سب تمھارے ساتھ ہیں، کیوں بچو؟"
انھوں نے کلاس کی طرف دیکھا۔
"جی ہاں سر" سب نے چیخ کر کہا۔
آج اسد اور بلال کی خوشی کا دن تھا۔ مس
صنوبر نے بھی ان لوگوں کو خوب شاباش دی۔
"مس اگر آپ ہمارا ساتھ نہ دیتیں تو۔" بلال نے کہنا
چاہا لیکن اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی "بس جو
بھی ہوا اس میں تم لوگوں کی محنت شامل ہے،
اب کل سے اسکول کا کام شروع کرنا ہے۔"
اگلے دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے "ہفتہ صفائی منانے"
کا اعلان کیا۔ سب بچوں نے اسد بلال اور اپنی
کلاس ٹیچر کے ساتھ مل کر دیواروں کی صفائی کی اور
بلیک بورڈ پر کالا پینٹ کیا۔
اسد اور بلال کی دوسرے لڑکوں کے ساتھ
بہت دوستی ہو چکی تھی سب ان دونوں سے پوچھ
پوچھ کر کام کر رہے تھے۔ ان کے ڈرائنگ کے ٹیچر
نے اپنے پیریڈ میں بچوں میں تصویریں بنانے کا
مقابلہ کروایا اور کہا کہ تین اچھی تصویریں کلاس
میں لگائی جائیں گی۔ ہر کلاس چاہ رہی تھی کہ وہ
[illegible] سب سے اچھا بنائے۔ ایک ہفتے

ملک اور اُن کے پُرانے نام

[illegible]

— ایران کا پرانا نام فارس تھا
— انڈونیشیا کا پرانا نام ڈچ ایسٹ انڈیز تھا۔
— لیبیا کا پرانا نام ٹریپولی تھا۔
— ایتھوپیا کا پرانا نام حبشہ تھا۔
— شام کا پرانا نام دمشق و حلب تھا۔
— گنی بساؤ کا پرانا نام پرتگالی گنی تھا۔

میں اسکول کی تمام کلاسوں پر رنگ ہو چکا [illegible]
اور باتھ روم بھی صاف ہو چکے تھے۔ ان لوگوں
کے ساتھ چوکیدار، چپراسی، جمعدار اور دوسرے
اسٹاف نے بھی مل کر بہت کام کیا۔ اساتذہ
نے اپنے اسٹاف روم کی صفائی کی۔ غرض یہ کہ ان
لوگوں نے اسکول کی صورت ہی بدل کر رکھ دی۔
بلال اور اسد روزانہ اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ
اپنے ابو امی کو سناتے اور وہ لوگ بہت خوش ہوتے
کہ ان کے بچے ان کی باتوں پر عمل کر رہے ہیں۔
اگلے ہفتے بلال اور اسد نے ہاف ٹائم میں
بچوں کو جمع کیا اور کہا کہ ہم ابھی ایک کام [illegible]
کر چکے ہیں لیکن اب ہمیں کچھ اور [illegible]
دیتا ہے مثلاً اب [illegible]
پودے لگانا [illegible]

[illegible]

[illegible] گیا ہے [illegible] ہر کلاس
[illegible] کہ ہر کلاس کی باری لگائی
[illegible] پودوں کو پانی دے۔ اس بات
[illegible] پسند کیا اور پھر منصوبے پر بات
انھوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے بات کی اور یوں
[illegible] کا آغاز ہوا۔

بچوں نے بہت جوش اور ولولے سے گراؤنڈ
[illegible] کی اس [illegible] اور سب بچے اپنے
گھر سے ایک ایک پودا لائے۔ پورے میدان
کے کنارے پودے لگا کر کیاریاں بنائیں اور پھر
تمام کلاسوں کی باری لگائی گئی کہ وہ پانی دیں۔
بلال اور اسد بہت خوش تھے۔ انھیں اپنا
اسکول بہت پیارا لگ رہا تھا۔

اسکول میں پڑھائی کا آغاز ہو چکا تھا اور امتحان
قریب تھے۔ بچے اسکول کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ
پڑھائی کی طرف سے غافل نہیں تھے بلکہ
تمام بچے اب اور ذوق و شوق سے پڑھائی کر
رہے تھے کیوں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے وعدہ
[illegible]انات کے بعد ایک ہفتہ مقابلے
[illegible] کھیل، ڈرامے اور پروگرام ہوں گے
[illegible] اس کے علاوہ ہر کلاس
[illegible] والے طالب علم کو اس
[illegible]

تعلیمی میدان کے علاوہ دیگر سرگرمیوں [illegible]
ایک دن اچانک اسکول کے [illegible]
معائنے کے لیے آگئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کو کوئی
پریشانی نہیں تھی کیونکہ اب ان کا اسکول پہلے کی
طرح نہیں رہا تھا۔ معائنے کے بعد افسر
صاحب نے اسکول کی بے انتہا تعریف کی۔ ان کو بتایا
گیا کہ یہ سب کام بچوں کی کوششوں سے ہوا ہے
اور اپنی مدد آپ کے تحت سب نے مل کر اسکول
کو سنوارا ہے۔

امتحانات ختم ہونے کے بعد بچوں کو بے چینی
سے رزلٹ کا انتظار شروع ہو گیا۔ جب رزلٹ آیا
تو اسد نے اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن لی تھی۔ اس
نے خوشی خوشی یہ خبر امی ابو کو سنائی۔ اس کے امی
ابو بہت خوش تھے۔ انھوں نے اسد سے وعدہ کیا کہ بلال
کا رزلٹ آنے کے بعد جو اس سال بورڈ کا امتحان دے
رہا تھا ایک دعوت کریں گے۔

بلال کو اپنے رزلٹ کا شدت سے انتظار تھا۔
امتحانات کے بعد اسد نے اسکول کی ہاکی ٹیم میں شرکت
کر لی تھی اور اس سال ہونے والے مقابلے میں
حصہ لینے والی اسکول ٹیم میں اس کا [illegible]
تھا۔ جب بلال کا نتیجہ نکلا تو اس نے تمام [illegible]
میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ [illegible]
نے بلال کے والد کو مبارک باد [illegible]

سے بہترین طلبہ کے آغاز کا اعلان کر دیا گیا۔

بلال نے کھیل میں بھی بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور پھر جب آخری دن انعامات کا اعلان ہونا تھا تو اسکول میں میلے کا سا سماں تھا تمام والدین جمع تھے۔ بلال اور اسد کے ابو امی بھی آئے تھے۔ پھر انعامات کے اعلان ہوئے، بلال کی ہاکی ٹیم کو بھی انعام ملا اور اسد کو ملی نغمہ سنانے پہ انعام ملا، اب سب کو بے چینی سے سال کے بہترین طالب علم کے نام کا انتظار تھا۔

پھر ہیڈ ماسٹر صاحب نے مہمانِ خصوصی کی اجازت سے تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اسکول کی خوبصورتی اور دلکشی میں بہت سے لوگوں نے محنت کی ہے۔ خاص طور پر ہمارے اسکول کے بچوں نے ضروری نہیں کہ بڑے ہی یہ کام کریں، بعض اوقات بچے بھی بڑوں کو سبق دیتے ہیں۔ ہمارے اسکول نے اس سال بہترین طالب علم کے سلسلے میں طالبعلموں کے ناموں کا انتخاب کیا ہے یہ بچے وہ ہیں جنھوں نے اس اسکول کو ایک مثالی اسکول بنانے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اس فیصلے سے خوش ہوں گے کہ اس سال بلال اور اسد بہترین طالبعلم قرار دیے گئے ہیں۔ بلال اور اسد کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا انھوں نے مہمانِ خصوصی سے اپنا انعام اور سرٹیفکیٹ لیا۔ تمام لوگوں نے تالیاں بجا کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بلال سے کہا کہ اگر وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو مائیک پر آئیں۔

بلال نے مائیک کے قریب آکر سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا اور میرے ساتھیوں نے جس طرح میرا ساتھ دیا اس پر میں ان کا شکریہ ادا نہیں کروں گا کیونکہ وہ ان کا فرض تھا۔ مگر میں اپنے اساتذہ کا شکریہ ضرور ادا کروں گا جنھوں نے ہمارا ساتھ دیا۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ صرف اسکول ہی نہیں بلکہ پورا ملک ہماری توجہ کا طالب ہے اس کی صفائی اور خوبصورتی کا ہمیں خاص خیال رکھنا چاہیے۔ آئیے ہم سب مل کر عہد کریں کہ اپنے اسکول اپنے گھر، اپنے کمرے کی طرح اپنے ملک کی ایک ایک چیز ایک ایک ذرّے کی حفاظت کریں گے کیونکہ ہمیں یہ وطن اپنی جان سے بھی پیارا ہے۔" تمام لوگوں نے بلال کی اس بات پہ پُرجوش تالیاں بجائیں۔

انعام مل جانے کے بعد ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے، اور پھر انھوں نے خود سے عہد کیا کہ ابھی تو انھوں نے کامیابی کا صرف ایک ہی زینہ طے کیا ہے، ابھی تو بہت کام باقی ہیں جنھیں وہ اسی لگن اور جوش و جذبے کے ساتھ پورا کریں گے۔

منے! جنرل نالج کا سوال ہے، اگر تم نے بتا دیا تو میں سمجھوں گا کہ تمہارے ٹیوٹر آئے دن کی چھٹیاں کر کے بھی اچھا پڑھا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ جب خوب بادل آئیں تو ہمیں کیا توقع کرنی چاہیے؟
لمبی چھٹی کی۔
ڈرائیور! تم گاڑی نکالو، میں کپڑے تبدیل کر کے ابھی آتا ہوں۔ کتنا وقت ضائع کیا ہے تم نے میرا، تمہیں معلوم ہے اس وقت کیا بج رہا ہے؟
سر! اس وقت ریڈیو بج رہا ہے

شیکسپیر کے شہر میں

طاہر اثر

زندہ قومیں اپنی تہذیب اور روایات کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھتی ہیں، کیوں کہ انھی سے ان کی قومی پہچان اور آزادی ظاہر ہوتی ہے۔ انگریز اگرچہ اب ساری دنیا سے سکڑ کر صرف اپنے جزیرے تک محدود ہو گئے ہیں، لیکن انھوں نے اپنی تہذیب اور روایات کی ہر نشانی کو پوری آن بان سے قائم رکھا ہے۔ ہم نے لندن میں اپنی سیر کے دوران یہی دیکھا۔ پھر جب لندن سے انگریزی کے مشہور شاعر ولیم شیکسپیئر کے آبائی گاؤں اسٹریٹ فورڈ گئے تو وہاں بھی یہی شان اور رونق دیکھی۔ یہ جگہ پہلے یعنی شیکسپیئر کے زمانے میں ایک خوب صورت گاؤں تھی، لیکن اس عظیم شاعر کے عقیدت مندوں کی وجہ سے آج یہ ایک نہایت بارونق چھوٹا سا شہر بن گیا ہے۔ یہاں ساری دنیا کے سیّاح آتے ہیں اور اس عظیم شاعر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لندن سے اسٹریٹ فورڈ تک راستہ بہت خوب صورت ہے۔ اسٹریٹ فورڈ کا پورا نام اسٹریٹ فورڈ اَپون اَیون، یعنی دریائے ایون کے کنارے واقع اسٹریٹ فورڈ ہے۔ یہ راستہ برطانوی دیہات، سرسبز کھیتوں، باغوں اور پھولوں سے لدی ہوئی شاداب ڈھلانوں سے گزرتا ہے۔ ان ڈھلانوں پر بڑے خوب صورت مکانات ہیں، جن کے باہر پھولوں کی کیاریاں کثرت سے دیکھنے میں آئیں۔ کوئی میدان اور کوئی ڈھلوان سبزے اور پھولوں سے خالی نہ تھی۔

اسٹریٹ فورڈ اپون ایون پہنچنے سے پہلے تقریباً نصف راستے میں اوکسفرڈ کی مشہور علمی بستی اور یونی ورسٹی آتی ہے۔ اس یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ سائنس داں، ادیب، پروفیسر، ماہرینِ تعلیم اور سرکاری اہلِ کار برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ یہ بڑی پُرسکون اور اہم تعلیم گاہ ہے اور اس کی شہرت دنیا بھر میں ہے۔ یہاں بڑے بڑے کالج، ہاسٹل، لائبریریاں، سائنس کی تجربہ گاہیں، رسدگاہیں اور لیکچر ہال ہیں۔ چند چھوٹے بازار بھی ہیں، جن میں ضرورت کی تمام دکانیں اور بینک وغیرہ ہیں۔ ایک

چیز جو بڑی واضح نظر آئی وہ یہ تھی کہ انگریز اپنی تمام نادر چیزوں اور آثارِ قدیمہ کی بڑی عمدگی سے حفاظت اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ ہر دیہات، قصبے اور شہر میں کئی کئی گرجا گھر ہیں۔

شیکسپیئر کی بستی پہنچتے پہنچتے اس عظیم آفاقی شاعر کے کئی مشہور ڈراموں، مثلاً ہیملٹ، میکبیتھ اور انطونی اور قلو پطرہ کے اشعار یاد آنے لگے تھے۔ دریائے ایون کے کنارے پھولوں سے لدی ہوئی گھاٹیوں کے درمیان یہ حسین شہر یورپ، امریکا اور پاکستان، ہندوستان سے آئے ہوئے سیّاحوں کی وجہ سے اور زیادہ چمک رہا تھا۔ ہر طرف رنگینیاں اور بہاریں تھیں۔ بچے، جوان، بوڑھے، مرد، عورت سب شیکسپیئر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے اور دیکھنے کے مشتاق تھے۔ جگہ جگہ مختلف مقامات پر شیکسپیئر کے بارے میں خصوصی لیکچر بھی دیے جا رہے تھے، جن میں شیکسپیئر سے متعلق جگہ یا عمارت کی تمام معلومات اور تفصیلات بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی جا رہی تھیں۔ سیاحوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ کئی جگہ شیکسپیئر کی نادر چیزوں، عمارتوں، مکانات اور درس گاہ کے بارے میں ٹیلے وژن پر خصوصی فلمیں اور سلائڈز بھی دکھائے جا رہے تھے۔

انگریزوں نے ولیم شیکسپیئر کے متعلق عمارتوں، گلیوں اور بازاروں کو جہاں تک ہو سکا اصل اور قدیم حالت میں، لیکن نہایت صاف ستھرا رکھا ہے۔ اس عظیم شاعر کا وہ آبائی گھر بھی بالکل اصلی حالت میں رکھا گیا ہے جس میں وہ پیدا ہوا اور اس نے اپنا بچپن گزارا۔ یہاں کے در و دیوار سے انتہائی سادگی ٹپکتی تھی۔ شیکسپیئر کے مکان کی چھت، دیواریں، طاقچے اور تمام سامان بڑی حفاظت سے اصل حالت میں باقی رکھا گیا ہے۔ ہم نے اس عظیم شاعر کے مکان میں کوئی چیز شان و شوکت کی نہیں دیکھی، بلکہ اس کا بچپن کا پنگوڑہ یا پالنا، میز کرسیاں، چٹائی، آٹا پیسنے کی چکّی، اس کی والدہ کا باورچی خانہ، برتن، چولہے اور دیگر تمام سامان زبانِ حال سے سادگی کے گُن گا رہے ہیں۔ سادگی میں بھی ایک شان ہے۔ ہم نے اس عظیم شاعر کے بچپن کی کتابیں، قلم، دوات، کاپیاں اور کپڑے بھی دیکھے۔ وہ گرجا بھی دیکھا جہاں شیکسپیئر کی پیدایش کے بعد اس کا بپتسمہ یعنی نام رکھنے کی تقریب ہوئی تھی۔ اسی گرجا میں اس کی شادی بھی ہوئی۔ شادی کے تمام اندراجات اور ریکارڈ موجود ہیں۔ گرجا سے

قریب وہ اسکول ہے جہاں شیکسپیئر نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا کلاس روم، تختۂ سیاہ، میزیں، کرسیاں، کتابیں، اسکول کے تمام دفتری کاغذات، مثلاً حاضری رجسٹر یہاں صحیح وسالم محفوظ ہیں۔ یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس اسکول میں آج بھی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے اور لوگ بڑے فخر سے اپنے بچّوں کو یہاں داخل کراتے ہیں۔ کیوں نہ ہو انگریز بڑی روایت پرست قوم ہے۔

ہم نے گرجا اور اس سے ملحق قبرستان میں بھی جاکر عقیدت کے پھول چڑھائے۔ یہاں شیکسپیئر کی قبر کے علاوہ اس کے قریبی رشتے داروں اور عزیزوں کی قبریں بھی ہیں، مثلاً ماں باپ، بیوی اور بہن وغیرہ۔ اس شہر کے کئی بازار اور گلیاں بھی ان رشتے داروں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ کئی گلیاں شیکسپیئر کے استادوں کے نام سے موسوم کی گئی ہیں۔

دریائے ایون کے کنارے وہ قدیم تھیٹر بھی دیکھا جہاں شیکسپیئر کے زمانے میں اور اس کے بعد ناٹک یا ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ اس وقت جب ہم وہاں تھے اسی تھیٹر کے ایک جدید تعمیر شدہ ہال اور اسٹوڈیو میں شیکسپیئر کا ایک ڈراما کھیلا جارہا تھا اور یورپی سیاح بڑی تعداد میں چلے آرہے تھے۔ کچھ اداکار تھیٹر کے باہر قدیم لباس یا زرہ بکتر پہنے ہوئے اور میک اپ کیے ہوئے تلواریں ہاتھ میں لیے اندر بُلائے جانے کے انتظار میں تیار کھڑے تھے۔ ہم نے دریائے ایون میں بہت سی خوب صورت کشتیاں اور لانچیں تیرتی ہوئی دیکھیں، چناں چہ ایک لانچ پر ہم نے بھی سیر کی۔ اس لانچ پر بہت سے یورپی اور عرب سیاح بھی سوار تھے۔ قدیم موسیقی بج رہی تھی۔ دریا کے دونوں کناروں پر دُور دُور تک سرسبز لان، پھولوں کے تختے، خوب صورت ریستوران، کافی ہاؤس اور کلب وغیرہ ہیں۔ کئی عمدہ لائبریریاں اور کتابوں کی بڑی دُکانیں بھی ہیں جہاں شیکسپیئر پر تمام نئی اور پرانی کتابیں اور قلمی کتابوں کی فوٹو کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔ کئی دُکانیں شیکسپیئر سے متعلق نوادر اور آثارِ قدیمہ کے لیے مخصوص ہیں، جہاں اس کے ڈراموں اور تھیٹر کے نمونے، چہرے اور ہتھیار وغیرہ سامانِ زیبائش کے طور پر ملتے ہیں۔ یہ اصل چیزوں کی بڑی عمدہ تیار کی ہوئی نقلیں ہیں۔

ہم نے وہ کتابیں بھی دیکھیں جن کو شیکسپیئر بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر بھی دیکھی جس کا ہر لفظ بڑائی، سادگی، حسنِ بیان اور عظمت کی گواہی دے رہا تھا۔

سمندری ایڈونچر پڑھنے والوں کے لیے مصطفےٰ چاند کا خصوصی تحفہ

سامنے کا منظر اتنا بھیانک تھا کہ وہ چاروں لرز اٹھے
کنٹرول روم سے اترنے والی سیڑھیوں سے خون کے قطرے
ٹپکتے ہوئے فرش پر پھیل رہے تھے۔

قسط نمبر ۳

نسلی امتیازات پر لکھا جانے والا سلسلے وار ناول۔

مصطفےٰ چاند

Z

نیو یارک کی امریکی بندرگاہ سے "لارڈ برنگ" نامی جہاز لندن کے ساحل "لیورپول" کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں مختلف قومیتوں کے لوگوں کے ساتھ تین افریقی بھائی، نیر، کیتھو، اور گرینگ بھی سفر کر رہے تھے۔ جہاز کا عملہ سفید فام لوگوں پر مشتمل تھا جو تعصبانہ سوچ کے حامل تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سیاہ فاموں سے اپنے جہاز کو پاک کرلیں۔ سفر کے پہلے ہی دن اطلاع ملی کہ کک اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اسی رات دو بجے ایک سایہ کیبن میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تین نال کا جدید پستول تھا جو ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی کیبن میں سفید سا سفوف پھیلانے لگا۔

سائے نے یہی عمل ہر کیبن میں دہرایا اور واپس چلا گیا۔ جہاز کے تمام مسافروں کو سوتے میں بے ہوش کردیا گیا تھا۔ جس وقت وہ اٹھے سورج چڑھ چکا تھا اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کو بے ہوش کیا گیا ہے۔ سفر کے دوران کیتھو کی دوستی سیاہ فام بوڑھے ہیروڈ سے ہوگئی جو اپنے بچوں سے ملنے لندن جا رہا تھا۔ اسی رات بوڑھے ہیروڈ نے کیتھو سے ان کا میگزین لیا اور باہر آکر بیٹھ گیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے وہ پاگل ہوگیا ہو۔ رات تین بجے کیتھو پیاس کی وجہ سے اٹھا۔ اس نے بے خیالی میں کیبن کا دروازہ کھولا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ جہاز کے فرش پر خون میں ڈوبے ہوئے قدموں کے نشان دور تک پھیلے ہوئے تھے۔
اب آگے ملاحظہ کیجیے۔

کیتھو نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے ماتھے پر پھوٹنے والے پسینے کے بے شمار قطروں کو صاف کیا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوچکی تھی۔ چند لمحے وہ مبہوت کھڑا رہا۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا کیبن میں دیگر لوگ بڑی بے خبری سے سو رہے تھے۔ نیر اور گرینگ بھی آڑے ترچھے بے سدھ پڑے تھے۔

کیتھو کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ وہ بروقت فیصلہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ تذبذب کا شکار تھا۔ اس

کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سائے کا پیچھا کرے یا گرینگ کو جگا کر اُسے صورتِ حال سے باخبر کرے۔

اسی وقت ایک گھٹی گھٹی چیخ فضاؤں میں اُبھری۔ آواز مدھم تھی اور رات میں سمندر کے شور نے اُسے اور بھی دبا دیا تھا۔ کیتھو نے آواز کو اس لیے سُن لیا تھا کہ وہ اب تک لوہے کے بھاری دروازے سے لگا کھڑا تھا۔

مجھے فوراً گرینگ میں سے کسی کو اٹھا دینا چاہیے۔ اس نے سوچا اور دبے قدموں دروازہ چھوڑ کر گرینگ کی طرف لپکا۔

"گرینگ... گرینگ اٹھو" وہ گرینگ کے بازوؤں کو آہستہ آہستہ جھنجوڑ کر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد گرینگ نے آنکھیں کھول دیں اور اس سے پہلے کہ وہ حلق سے کوئی آواز نکالتا، کیتھو نے اس کی طرف خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ گرینگ نے پھرتی کے ساتھ بستر چھوڑا اور کیتھو کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں کیبن کے باہر کھڑے تھے۔

"کیا ہو گیا؟" گرینگ نے باہر نکلتے ہی مدھم آواز میں سوال کیا۔

"یہ... یہ... دیکھو...؟" اس نے خون میں ڈوبے ہوئے قدموں کے نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اُف خدایا...!" گرینگ لرز کر پیچھے ہٹا۔ راہداری پر جا بجا خون کے قطرے لوتھڑوں کی طرح جم گئے تھے۔ چاند کی زرد روشنی میں اُن کی رنگت سیاہی مائل ہو کر ہیبت ناک ہو چکی تھی۔ سمندر کی گونج اور سیاہ آسمان نے ماحول کو مزید بھیانک بنا دیا تھا۔

چند لمحوں تک گرینگ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دور تک پھیلے ہوئے قدموں کے نشان دیکھتا رہا اور پھر کیتھو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لگتا ہے کوئی شخص..." اس کا جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ کسی نے اس کے کندھے پر اپنا سرد ہاتھ رکھ دیا۔

ڈیوس اور پال تیزی سے میس کی جانب بڑھے۔ اُن کے چہرے پر پریشانی عیاں تھی۔ ٹمک کی موت اتنی اچانک اور غیر یقینی تھی کہ انھیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع تک نہ مل سکا۔

جس وقت وہ میس میں داخل ہوئے مختلف ٹیبلوں پر کھانے رکھ دیے گئے تھے اور لوگ کرسیوں کے گھیرے ڈالے کھانے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

وہ دونوں اس تیزی سے اندر داخل ہوئے کہ کھانا کھاتے لوگ چونک اُٹھے تھے۔ بعض کی نظروں نے ان کا

اس وقت تک پیچھا کیا جب تک وہ منظر سے اوجھل نہیں ہو گئے۔

ڈیوس نے اندر داخل ہوتے ہی البرٹ تھامس کو مخاطب کیا: "گوروف کی لاش کہاں ہے؟"

البرٹ تھامس چند لمحوں تک خاموش رہا۔ اس دوران اس نے اتنا ضرور کیا کہ کچن میں موجود ایک ایک فرد پر بھرپور نگاہ دوڑائی۔ لوئس دائیں جانب کھڑا جائے بنا رہا تھا۔ وہ ایک سیاہ فام تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سفید فام کھڑا برتن دھو رہا تھا۔ مسٹر ڈی بھی اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ یہی چھ افراد اس وقت کچن میں موجود تھے۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟" پال نے البرٹ تھامس کے جواب کا انتظار کیے بغیر قدرے سرد لہجے میں کہا۔

"سر!" البرٹ نے کہنا شروع کیا: "گوروف پر اچانک ہارٹ اٹیک ہوا۔ رات وہ کھانا گرم کر رہا تھا کہ مجھے برتنوں کے گرنے کی آواز آئی۔ اس وقت میس میں مسٹر ڈی اور لوئس میز صاف کر رہے تھے اور میں ڈیک پر کیپٹن وائٹ ہارڈ کو تازہ پانی پلا کر واپس آ رہا تھا۔ برتنوں کے گرنے کی آواز سن کر میں کچن میں داخل ہوا تو گوروف زمین پر چند لمحے مچلنے کے بعد ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ یہ ایک یقیناً اس وقت ہوا جب وہ ڈبے سے گھی نکال رہا تھا کیونکہ فرش پر جا بجا گھی بکھرا ہوا تھا۔ میں نے جب اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس وقت تک دھڑکنیں بالکل بند ہو چکی تھیں۔

البرٹ تھامس اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے غلط کہا ہے۔

پال شاید اب تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ڈیوس کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈیوس کو کچھ سمجھایا۔

ڈیوس کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا اور پھر البرٹ تھامس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے میس سے باہر لے آیا۔

"میں جانتا ہوں البرٹ کہ تم نے گوروف کی موت کی ایک فرضی کہانی سنائی ہے۔ میں تم سے اس کی موت کی حقیقی کہانی سننا زیادہ پسند کروں گا بصورتِ دیگر تمہیں گوروف تک پہنچانے میں مجھے کوئی خاص دشواری نہیں ہوگی۔" ڈیوس نے آخری جملے کے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر کہا۔

"سر!" البرٹ تھامس اب تک مطمئن تھا۔ ڈیوس کی دھمکی بھی اس کو خوف زدہ کر گئی تھی: "گزشتہ شب ہونے والی گفتگو گوروف نے سن لی تھی۔"

"کیا۔۔۔؟" ڈیوس حیرت سے چیخا۔ کل رات کا جو منصوبہ انھوں نے بنایا تھا۔ وہ ان کے خیال میں بہت پوشیدہ رکھا گیا تھا لیکن البرٹ کے انکشاف نے ڈیوس کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

"مگر یہ بات تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟" ڈیوس نے اُسے کریدنا شروع کیا۔

"سر! کل کی رات جب آپ سیاہ فام مسافروں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے وہ حرف بہ حرف گوروف نے سُن لی تھی۔ دراصل کل رات میں نے ہی اُسے آپ تک یہ کہنے کے لیے بھیجا تھا کہ انجن کے نلکے میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے جو باتیں سُنیں اس کا ذکر مجھ سے کیا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ میں ان امتیازات کو نہیں مانتا۔ سیاہ فاموں کو بھی جینے کا اتنا ہی حق ہے جتنا سفید فاموں کو۔"

"لیکن وہ خود بھی تو سفید فام تھا۔" ڈیوس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ہاں۔ لیکن وہ بڑے اُلٹے دماغ کا مالک تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کپتان وائٹ ہارڈ سے اس سلسلے میں کوئی بات کر کے آپ لوگوں کو پریشان کرتا۔ میں نے اُسے موت کا سرد جام پلا کر الجھنوں سے آزاد کر دیا۔" البرٹ تھامس نے یہ کہہ کر ڈیوس کی طرف دیکھا۔

"اوہ البرٹ! تم واقعی بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی ہو۔ لمحے بھر پہلے میں نے جن تلخ جملوں سے تمہیں مخاطب کیا تھا اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"نہیں سر! میں جانتا ہوں کم علمی میں ایسا ہوتا ہے کہ جسے ہم غلط سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ وہی درحقیقت درست ہوتا ہے۔"

ڈیوس نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا: "لاش کا مسئلہ کون حل کرے گا؟"

"لاش سمندر بُرد کر دی جائے گی سر!"

"لیکن یہ خیال رکھنا کہ کپتان وائٹ ہارڈ اس تمام واقعے سے لاتعلق رہے۔"

"جی ہاں۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ وائٹ ہارڈ ایک سخت اور اصول پسند کپتان ہے۔ مجھے آپ سے بھی یہی توقع ہو گی کہ گوروف کی موت سے آپ بھی لاعلم ہیں۔"

"ہاں ہاں، ضرور۔۔۔ لیکن مسٹر ڈی اور لوئس کی زبان کیسے بند کی جا سکے گی؟"

"جو زبانیں قید نہ ہو سکیں انھیں سرد کر دینا کیا بہتر نہ ہو گا؟" البرٹ تھامس کا لہجہ رفتہ رفتہ سفاکانہ ہوتا جا رہا تھا۔

"تم مجھے بہت نڈر اور مضبوط ارادوں کے مالک لگتے ہو۔ میں تمہارے اچھے مستقبل کے لیے ضرور کوشش کروں گا۔"

"سر! آپ مجھے ہر موقع پر اپنے خدمت گزاروں میں پائیں گے۔"

"اوکے البرٹ۔۔۔"

"اوکے سر۔۔۔" اور وہ دونوں مختلف دروازوں سے کیبن میں داخل ہو گئے۔

گریگ کو یوں لگا جیسے کسی مرئی قوت نے اس کے دل کو بھینچ ڈالا ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پلٹ کر دیکھا۔ فیر پیچھے کھڑا تھا۔

"تم کیوں اٹھ گئے؟" کیتھو نے قدرے ناگواری سے کہا۔ دراصل اس کی غیر متوقع آمد نے دونوں کو بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔

"تم دونوں جو نہیں تھے۔ مجھے اکیلے ڈر محسوس ہوا تو سامنے ہی تم نظر آ گئے اور میں یہاں آ گیا۔" فیر نے ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں کہا۔ پھر وہ ہاری کے فرش کو دیکھ کر اس کی بھی وہی حالت ہوئی جس سے کیتھو اور گریگ دوچار ہوئے تھے۔

"فیر! تم اور گریگ دوسری سمت سے جا کر ان نشانات کا کھوج لگاؤ۔ میں یہاں سے ان قدموں کا سراغ لگانا شروع کرتا ہوں، لیکن یہ خیال رہے یہ کام بہت ہوشیاری اور پھرتی کے ساتھ کرنا ہے۔ میں دس منٹ بعد اپنے کیبن میں تمہارا منتظر ہوں گا۔"

"لیکن اگر..." فیر کچھ کہنا چاہ رہا تھا کہ گریگ نے اس کو خاموش کر دیا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اچھا گریگ، میں چلتا ہوں۔" کیتھو یہ کہہ کر خون میں ڈوبے ہوئے نشانات پر ہولے ہولے قدم بڑھانے لگا۔ فیر اور گریگ بھی پچھلی سمت مڑ گئے۔

کنٹرول روم میں اس وقت قہقہے گونج رہے تھے۔ پال، چیمبر اور الفریڈ سگریٹ سلگائے ایک کونے میں بیٹھے تھے جبکہ جیوری "کنٹرول چیئر" پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

"بھئی پال! البرٹ تھامس تو بہت ہیرا آدمی ہے۔ ورنہ تو یہ معاملہ اب تک کپتان تک پہنچ چکا ہوتا۔" الفریڈ نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر کہا۔

"ہاں اور اب تک ہم بھی موت کے نرم پروں پر سو رہے ہوتے۔"

"لیکن موت اب بھی تمہیں اپنے مخملیں پروں پر سلانا چاہتی ہے۔"

اچانک وہ چاروں چونک اٹھے۔ چیمبر کی بات کا جواب دینے والا کوئی پانچواں شخص تھا۔ جیوری گھبرا کر کنٹرول روم چھوڑنا چاہتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ پال، چیمبر اور الفریڈ بھی خوف زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سامنے کا منظر اتنا بھیانک تھا کہ ایک لمحے کو وہ چاروں لرز اٹھے۔ "کنٹرول روم" میں اترنے والی سیڑھیوں سے خون کے قطرے ٹپکتے ہوئے فرش پر پھیل رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے ایک بھاری بھرکم وجود سیڑھیاں اتر کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کوئی پچاس ساٹھ سالہ بڈھا تھا۔ چہرے پر گھنی داڑھی تھی جس پر بہا بہا خون کے سرخ قطرے اٹک کر جم چکے تھے۔ دائیں ہاتھ میں گھونپا ہوا خون آلود خنجر تھا اور

دوسرے ہاتھ میں کٹا ہوا سر، جس کو اس نے بالوں سے پکڑ رکھا تھا۔

اس کے حلق سے قہقہے بلند ہو رہے تھے لیکن کبھی کبھی یوں لگتا تھا جیسے وہ رو رہا ہو۔ آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں لیکن ان میں نمی تیر رہی تھی۔

الفریڈ کو اُسے دیکھتے ہی ایک خوفناک کہانی یاد آگئی جس میں جنونی قاتل کئی لوگوں کو مار کر رات قبرستان میں ڈال آتا ہے۔ کہانی کا کردار بالکل اسی بوڑھے کی شکل کا تھا۔

الفریڈ نے سمٹ کر جیوری کے پیچھے چھپنا چاہا۔

موت کے قدموں کو کوئی نہیں روک سکتا، یہ آہنی دروازے، مضبوط دیواریں، کھلا سمندر، وسیع فضائیں سب اُسے راستہ دے دیتی ہیں۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ اس چھوٹے سے کمزور آدمی کے پیچھے چھپ کر اس خون آلود خنجر کے تڑپا دینے والے اثر سے محفوظ رہو گے۔" بوڑھے نے بہ دستور الفریڈ کی طرف دیکھا اور دوبارہ کہا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم میں سے کون سب سے پہلے موت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہونا پسند کرے گا؟"

پال جو بونوں کی طرح بوڑھے کی گفتگو سن رہا تھا۔ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹا۔ وہ چھوٹے پیروں والی کرسی کو اٹھا کر بوڑھے کے سر پر دے مارنا چاہتا تھا لیکن شاید اس بوڑھے میں ابھی اتنی سوجھ بوجھ باقی تھی کہ وہ اپنے دشمن کی ہر حرکت پر نگاہ رکھ سکے۔

پال کا ہاتھ ابھی کرسی کے اوپری حصے پر ہی تھا کہ بوڑھا شخص کسی زخمی درندے کی طرح دہاڑا اور اس کے ہاتھ میں لٹکی کھوپڑی لہراتی ہوئی پال کے جبڑے سے ٹکرائی۔ پال ایک چیخ مارتے ہوئے منہ تھام کر بیٹھتا چلا گیا۔ خون آلود سر ایک طرف لڑھک پڑا تھا۔ اچانک الفریڈ کھوپڑی کو دیکھ کر اچھلا۔ وہ البرٹ تھا۔ اس کا چہرہ تھا جس کی آنکھوں میں اب بھی زندگی کی طلب تھی۔ اس کے ہونٹ کا نچلا حصہ دانتوں کے درمیان پھنس کر کٹ چکا تھا۔

جیوری نے خوفزدہ سے انداز میں الفریڈ کی طرف دیکھا جو اپنا ہاتھ جیب میں ڈال رہا تھا۔

"آؤ میں تمہیں بتاؤں ..." بوڑھے نے خنجر کی انی سے اپنی کلائی پر چیرا لگاتے ہوئے کہا "میرے بدن میں بھی وہی لہو دوڑ رہا ہے جو تمہارے جسم میں زندگی کی حرارت پیدا کیے ہوئے ہے۔"

بوڑھے کی سیاہ کلائی سے سُرخ سُرخ خون ابل پڑا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اُسے تکلیف کی بجائے انوکھی سی راحت مل رہی ہو۔

اگلے ہی لمحے بوڑھے نے خنجر کی نوک کو اپنی طرف موڑ کر پھر اُسے پوری قوت کے ساتھ جیوری کی طرف پھینک دیا۔ خنجر لہراتا ہوا سیدھا جیوری کے پیٹ میں پیوست ہو گیا۔ جیوری اس غیر متوقع حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ وہ بھی فرش

ہوائی سائیکل

حال ہی میں کیلیفورنیا کے ایک ادارے کے رکن بل واش نے "سفید لینا" یادداشت ڈوارف نامی ایک فضائی غبارہ تیار کیا ہے جسے انسان پیڈل چلا کر اپنی طاقت کے بل بوتے پر اڑا سکتا ہے۔ اس کا وزن صرف ڈیڑھ سو پونڈ ہے۔ اس میں ہیلیم گیس بھری ہوئی ہے اور فضا میں اس کے سفر کرنے کے لیے ایک پروپیلر یا پنکھا نصب ہے جسے غبارہ اڑانے والا چونسٹھ انچ لمبی ایک زنجیر کی مدد سے چلاتا ہے۔ غبارے کا ڈرائیور اپنی نشست پر بیٹھا سائیکل کی طرح سے پیڈل مارتا رہتا ہے۔ زنجیر پروپیلر کو گھماتی رہتی ہے اور غبارہ فضا میں سفر کرتا رہتا ہے۔ یہ ہوائی غبارہ اڑتالیس فٹ لمبا اور ستائیس فٹ اونچا ہے جبکہ فضا میں اس کے تیرنے کی رفتار دس میل فی گھنٹہ ہے۔

بشکریہ سائنس ڈائجسٹ۔

پر خون میں مچلنے لگا۔ کنٹرول روم میں جا بجا خون کے دھبے بنتے جا رہے تھے۔

بوڑھا اب خالی ہاتھ تھا۔ جبھی چیمبر نے اس پر چھلانگ لگا دی لیکن اس نے دیر کر دی تھی۔ بوڑھا سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر اندھیروں میں گم ہو چکا تھا۔

اسی وقت کنٹرول چیئر کے سامنے لگا اسپیکر چلانے لگا۔

"ہیلو، ہیلو۔ جنٹل مین۔ ون ففٹین، ناٹ ساؤتھ۔"

پال، جیوری، چیمبر اور الفریڈ کنٹرول روم میں زخمی حالت میں پڑے تھے۔ کسی میں بھی اتنی سکت باقی نہ تھی کہ وہ آواز کا جواب دے سکے۔

"ہیلو، ہیلو، ہیلو جنٹل مین۔۔۔ ہیلو، چھوٹا اسپیکر بدستور چلا رہا تھا اور کمرے میں موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد چند ایک بھاگتے قدم کنٹرول روم میں اترتے گئے۔ اندر ہر سمت خون بکھرا ہوا تھا۔ جیوری زندگی ہار چکا تھا جبکہ باقی تینوں زخموں کی شدت سے بے ہوش ہو گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد جہاز میں ہنگامی سائرن بجا دیا گیا۔ تمام کیبنوں کے دروازے دھڑا دھڑ کھلنے لگے اور لوگ حیران و پریشان مختلف سمتوں میں نکل کر صورت حال کا جائزہ لینے لگے۔

جہازی عملے کے چند ایک آدمی فرش پر سے خون کے دھبے صاف کرنے لگے جبکہ مائیک پر اعلان ہو رہا تھا۔

"کوئی جنونی قاتل چار افراد کو قتل کر کے روپوش ہو چکا ہے۔ مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے اپنے کیبنز کا اچھی طرح جائزہ لیں اور ملزم کی گرفتاری میں عملے سے تعاون کریں۔"

اس اعلان نے جہاز کے تمام مسافروں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ لوگ ڈر کے مارے اپنے اپنے کیبنوں سے

فوراً باہر نکل آئے۔ کچھ عورتیں اپنے بچوں کو سینے سے چمٹائے مردوں کے گروہ میں اکھٹی ہو گئیں۔

اس وقت صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ کپتان کے حکم پر جہاز کی رفتار سست کر دی گئی تھی اور عملے کے مستعد افراد مسلح ہو کر قاتل کی تلاش میں ایک ایک کیبن کی تلاشی لے رہے تھے۔

فیز کیتھو اور گرینگ جس وقت واپس لوٹ رہے تھے۔ اسی وقت سائرن گو بجا تھا۔ خوف سے وہ تینوں فوراً اپنے کیبن میں جا گھسے۔ ان کی ممی فیری کالف اور ڈیڈی ہربرٹ اسپنسر سمیت تمام لوگ جاگ گئے تھے۔

فیز تو اعلان سن کر بری طرح خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اس نے بستر پر لیٹ کر سرہانے پڑا میگزین اٹھایا اور یونہی ورق پلٹنے لگا۔ اسی وقت ایک کاغذ لہراتا ہوا میگزین سے نکل کر نیچے بیٹھے کیتھو کی گود میں گرا۔

اس نے بے خیالی میں تہ کیا ہوا کاغذ کھولا۔ اچانک وہ چونکا۔ اس نے فوراً کمرے کا جائزہ لیا۔ بوڑھا ایرورڈ کمرے میں نہیں تھا کیتھو کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔

مائی ڈیئر سن!

کیا تم جانتے ہو کہ میرا سفر، سفر سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ الفورڈ میں اب میرے لیے صرف اندھیرا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے مائی سن کہ ہم خوشیوں کی تلاش میں نکلتے ہیں اور خوشیاں ہم سے روٹھ جاتی ہیں۔

برطانیہ کے اتنے بڑے شہر میں اتنے وحشی لوگ کیسے رہتے ہیں جنھیں دیکھ کر درندوں کا گمان ہوتا ہے۔ نسلی امتیازات کو ہم کب تک نوالے پیش کرتے رہیں گے۔ کیا سیاہ فام عمر بھر اتنے حقیر رہیں گے کہ انھیں موت کی نیند تھپک کر سلایا جاتا رہے گا۔ میرے دونوں بیٹے جو میرا آخری سہارا تھے اس سمت پرواز کر چکے ہیں جہاں مقدس روحوں کا بسیرا ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں جہاں میرے بیٹے میرے منتظر ہیں لیکن اس طویل سفر سے پہلے میں ان گورے جسموں کو اپنے ہاتھ سے ٹھنڈا کرنا پسند کروں گا جنھوں نے میرے اندر رنگ و نسل کی یہ آگ بھڑکائی ہے۔ انسانیت کے جس رشتے کو سفید فام بھلا چکے ہیں اسے میں کیوں یاد رکھوں۔

تم دیکھ لینا مائی ڈیئر! ان گورے جسموں کو بدروحیں نوچ کھائیں گی اور ہمارے سیاہ جسموں کو موت کے بعد مقدس پرندے اپنے براق پروں پر لیے لیے پھریں گے۔ بستی بستی، نگر نگر، پھر ہر گھر میں سیاہ درخت اگیں گے جن میں سفید پھول ہوں گے۔

میں اب جا رہا ہوں۔ صبح تک اس جہاز میں بہت سی کہانیاں ہوں گی جنھیں سنتے سناتے یقیناً سفر کٹ جائے گا۔

فقط ایرورڈو

کیتھو خط پڑھ کر رونے لگا۔ فیر اور گرینگ بھی نامعلوم کب اس کے اطراف بیٹھ کر خط پڑھ چکے تھے۔ کیتھو کو بوڑھے ہیرو ڈکی کل کی گفتگو یاد آرہی تھی: "میں باہر جانا چاہتا ہوں۔ کل تک میں تم سے زیادہ مسافت طے کر چکا ہوں گا۔ ہاں کل تک اس میگزین میں ایک کہانی کا اضافہ ہو چکا ہوگا۔"

اس میگزین کے دو صفحوں پر ہیروڈ کے بیٹوں کی تصویریں شائع ہوئی تھیں جنھیں نسلی فسادات میں قتل کیا گیا تھا۔ اور اب بوڑھے ہیروڈ کا انتہائی بھیانک منصوبہ یقیناً ایک نئی کہانی کا اضافہ کر چکا تھا۔

ممی فیری کالف اور ڈیڈی ہربرٹ اسپنسر بھی چند ہی لمحوں بعد ان سے ہیروڈ کے متعلق تمام باتیں سُن چکے تھے۔ ماحول افسردگی چھا گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ تینوں کیبن سے باہر نکل آئے۔ اجالا کافی حد تک پھیل چکا تھا۔ جہاز کے عرشے پر ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو بے حد مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

اسی وقت اعلان ہوا

"قاتل ایک بوڑھا شخص تھا جس نے قتل کے بعد بوائلر روم میں خودکشی کر لی۔ قتل ہونے والے افراد میں ایک مسافر کیتھن اور جہازی عملے کے تین افراد شامل تھے۔ ہم لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دوسرے مسافروں سے بھی معذرت خواہ ہیں کہ دورانِ سفر ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔"

کیتھو، گرینگ اور فیر کی آنکھوں میں بے شمار آنسو جھلملا رہے تھے۔ عملے کے چند افراد بوائلر روم سے جلی ہوئی لاش نکال رہے تھے۔ گوشت کے جلنے کی سڑاند اب تک اُٹھ رہی تھی۔

اسی وقت جان گیبر نے آکر کپتان کو بتایا: "مسٹر جیبر نے ایک بوڑھے کی لاش شناخت کر لی ہے جو کنٹرول روم کے برابر سے ملی ہے۔"

"کیا...؟" کپتان رائٹ ہارڈ حیرانگی سے چلایا۔

ہیروڈ کی لاش شناخت کر لی گئی تو بوائلر روم میں کس نے خودکشی کی؟

کروٹیں بدلتی کہانی "منزل"

کی آئندہ قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ بھی تصویریں بنا سکتے ہیں۔ کوشش کیجیے۔

آئرلینڈ کے دو تخریب کار ایک کار میں بم رکھے چلے جا رہے تھے کہ ایک نے سختی سے کہا "پیڈی! کار آہستہ چلاؤ ورنہ بم پھٹ جائے گا۔"

"گھبراؤ نہیں..." دوسرے نے کہا "میں نے اسی خطرے کے پیش نظر کار میں دو بم رکھ لیے تھے۔"

محمد سعید آفتاب

بچہ:۔ ابا جان! جب آپ فیل ہوتے تھے تو دادا جان نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟

باپ:۔ انھوں نے میری خوب پٹائی کی تھی۔

بچہ:۔ اور جب دادا جان فیل ہوتے تھے تو؟

باپ:۔ دادا جان نے اُن کا سر پھوڑ دیا تھا۔

بچہ:۔ میں بھی امتحان میں فیل ہو گیا ہوں لیکن اگر آپ مجھ سے تعاون کریں تو میں یہ خاندانی غنڈہ گردی ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتا ہوں۔

منظر حبیب

ایک آدمی کے گھر چوری ہو گئی اور چور گھر کے سامان کے علاوہ عید کے تمام کپڑے اور جوتے بھی لے گئے۔ گھر والے پریشان بیٹھے تھے کہ اسی وقت ڈاکیا ایک عید کارڈ دے کر چلا گیا۔

عید کارڈ پر تحریر تھا "عید مبارک قبول ہو۔ اللہ آپ کو ایسی ہزاروں عیدیں دیکھنا نصیب کرے۔"

ایم عارف

ایک آدمی نجومی کے پاس گیا اور کہا "میری ہتھیلی میں کھجلی ہو رہی ہے۔"

نجومی:۔ تم کو عنقریب دولت ملنے والی ہے۔

آدمی:۔ میرے پاؤں میں بھی کھجلی ہو رہی ہے۔

نجومی:۔ تم بہت بڑے رئیس اور ارب پتی ہو گے

آدمی:۔ میرے سر میں بھی کھجلی ہو رہی ہے۔

نجومی:۔ چلو بھاگو یہاں سے۔ تمھیں خارش کی بیماری معلوم ہوتی ہے۔

حافظ احسان شاہین

ایک شخص ڈاک خانے کا لیٹر بکس چرا کر بھاگا چلا جا

بھاگ کر اُسے راستے میں سپاہی نے پکڑ لیا اور پوچھا۔
"کیوں بھئی! یہ لیٹر بکس کہاں لے جا رہے ہو؟"
چور بولا۔ جناب! آپ نہیں جانتے کہ حکومت نے
آج سے محکمۂ ڈاک کا گشت کرنے والا لیٹر بکس شروع کر
دیا ہے۔

سپاہی نے جوتا اُتار کر چور پر برساتے ہوئے کہا۔
"کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محکمۂ ڈاک نے مہریں لگانے کا
کام میرے سپرد کیا ہے۔"

اظہر صادق ڈار

ایک محلّے میں زبردست آگ بھڑک اٹھی۔ کئی
ایک گھر جل کر بھسم ہو گئے۔ صرف آگ بجھانے والی
گاڑیاں بچ سکیں کیونکہ وہ ڈھائی گھنٹے کی تاخیر سے
پہنچی تھیں۔

نوید اعجاز

کارخانے کا ایک مزدور اپنا تمام کام ختم کر کے
ایک چھوٹے سے چھکڑے میں گھاس پھونس بھر کر
لے جا رہا تھا کہ محافظ نے روک کر چیزوں کی جانچ
پڑتال کی کہ کہیں کچھ چوری کر کے تو نہیں لے جا رہا۔ پھر یہ
روز کا معمول بن گیا۔

ایک ماہ بعد محافظ نے مزدور سے کہا: "یہاں
سے میری تبدیلی ہونے والی ہے سچ سچ بتاؤ تم ہر روز
یہاں سے کیا چیز چرا کر لے جاتے ہو۔ میں کسی کو نہیں
بتاؤں گا۔"

"میں روزانہ ایک چھکڑا یہاں سے چرا کر لے
جاتا ہوں۔" مزدور نے اطمینان سے جواب دیا۔

خلیل مجید

ایک تاجر کو نیم بے ہوشی کی حالت میں
اسپتال لایا گیا۔ نرس تھوڑے تھوڑے وقفے
کے بعد اس کا ٹمپریچر بتاتی جا رہی تھی۔
"ایک سو ایک، ایک سو دو۔"
تاجر یہ سُن کر فوراً بول اُٹھا: "ایک سو پانچ
میں سارا مال بیچ دو۔"

محمد نوید خالد

جج (ملزم سے) تم نے صاحب کی ہتھیلی پر جلتی
ہوئی سگریٹ کیوں رکھی؟

ملزم معصومیت سے۔ جناب! میں ان کے پاس
نوکری کے لیے گیا تو انھوں نے کہا کہ میری مٹھی گرم کر
دو۔ بس جناب میں نے سگریٹ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

رضوانہ یعقوب

ایک سائنس دان نے مکھی پر تحقیق شروع کی۔
اس نے مکھی کو مٹھی میں بند کیا اور مٹھی کھولتے ہی کہا۔
"اڑ جا۔" مکھی اڑ گئی۔ پھر ایک مکھی کو پکڑا اور اس کے
پَر نوچنے کے بعد کئی بار چیخ چیخ کر کہا: "اڑ جا۔" مگر
مکھی نہیں اڑی۔

سائنس دان نے کہا: "بس تحقیق سے ثابت
ہوا کہ مکھی کے پر نوچ دیے جائیں تو مکھی کی قوتِ
سماعت زائل ہو جاتی ہے۔"

جہاں زیب

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

آنکھوں میں تکلیف

س: میری آنکھوں میں تھوڑی پیلاہٹ (زردی) ہے۔ زیادہ پڑھنے اور زیادہ جاگنے سے یہ دکھتی بھی ہیں۔ آخر یہ کون سی بیماری ہے۔ کیا میں اپنی آنکھیں چیک کرواؤں؟

حمید رضا عابد

ج: آپ اپنی آنکھوں پر ٹھنڈے صاف تازہ پانی کے چھینٹے صبح اور رات کو ماریے۔ اس سے آنکھوں کو بڑا سکون حاصل ہوتا ہے اور بہت سی تکلیفیں رفع ہو جاتی ہیں۔ خالص گلاب کا عرق صبح اور رات کو آنکھوں میں ٹپکانا بھی اچھی تدبیر ہے۔ ویسے ماہرِ چشم کو دکھانا بہرحال مفید ہو گا۔

کم زور حافظہ

س: میرا حافظہ بہت کم زور ہے، قوی کرنا چاہتا ہوں، کوئی طریقہ بتادیں۔ میرا مزاج گرم ہے اور عمر ۲۶ سال ہے۔

موہن پرنس

ج: مغز بادام شیریں کو زمانۂ قدیم سے ماہرینِ طب حافظہ کو قوی کرنے والا کہتے رہے ہیں اور صحیح کہتے رہے ہیں۔ اب تو جرمنی میں تحقیقات نے بھی مغز بادام کو حافظے کے لیے بہترین قرار دیا ہے۔ گویا قدیم اور جدید ماہرین دونوں اس کی تائید کرتے ہیں۔ رات کو ۱۲ دانے مغز بادام شیریں بھگو دیجیے اور صبح چبا کر یا سل بٹے سے باریک پیس کر دودھ اور شکر ملا کر پینا شروع کر دیجیے۔

ٹائیفائڈ

س: تقریباً ایک سال قبل مجھ کو ٹائیفائڈ ہوا تھا وہ تو ٹھیک ہو گیا، مگر اس کے بعد ملیریا بخار نے آن گھیرا، پھر گلا خراب ہو گیا اور اب اس کے بعد میرا دل بہت تیزی سے دھڑکتا ہے۔ ای۔ سی۔ جی وغیرہ سب کرایا ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دل بالکل ٹھیک ہے۔ اب نہ تو میں بھاگ سکتا ہوں نہ کوئی بھاری چیز اٹھا سکتا ہوں۔ میری عمر ۱۵ سال ہے۔

محمد اقبال

ج: میری رائے یہی ہے کہ ٹائیفائڈ کے دوران عدم احتیاط کی وجہ سے آپ کے اعصاب پر اثر ہوا ہے۔ اس پر توجہ کرنی چاہیے۔ شاید خمیرہ ابریشم حکیم ارشد ۳ گرام روزانہ کھانے سے افاقہ ہو جائے، مگر ماہرانہ مشورہ بہرحال لینا چاہیے۔

بدبو دار پسینا

س: میرے بدن سے بدبُو دار پسینا خارج ہوتا ہے، نہانے کے صرف پانچ منٹ بعد ہی بدبُو شروع ہو جاتی ہے اور یہ بدبُو بہت تیز ہوتی ہے۔ میری عمر ۱۷ سال ہے۔

م۔ د

ج: بعض حالات میں نظام جسمانی میں عدم توازن سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، مگر بعض غذائیں اور اُن کا نظامِ ہضم میں صحیح جذب نہ ہونا بھی ایسی کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ آپ بہ کثرت لیموں کا شربت پینا شروع کر دیجیے۔ غذاؤں میں مچھلی ترک کر دیجیے اور گوشت کم سے کم کر دیجیے۔ روزانہ غسل کیجیے۔ ورزش ضرور کیجیے تاکہ پسینے کی گلٹیاں کام کریں اور ان کا میل کچیل صاف ہونا شروع ہو جائے۔

آنکھوں میں اندھیرا

س: میری آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ آنکھوں سے پانی بہتا ہے اور تھوڑی دیر بعد آنکھوں میں درد ہوتا ہے۔ عمر ۱۲ سال ہے۔

محمد سلیم

ج: آپ کی صحت بہ ظاہر خراب ہے۔ چکروں کا آنا اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آنکھوں میں بھی کوئی تکلیف ہو۔ آنکھوں کے لیے صبح اور رات کو صاف تازہ پانی کے چھپکے مارنا بہترین تدبیر ہے۔ عمدہ عرقِ گلاب آنکھوں میں صبح و شب ٹپکانا بھی مفید ہے۔ کم زوری کے لیے غذا کو بہتر کرنا چاہیے۔

پسینا

س: بعض لوگوں کی بغل سے پتا نہیں کیسا پسینا آتا ہے کہ اس سے کپڑوں میں زنگ کی طرح کا زنگ لگ جاتا ہے، جس سے کپڑے بھی خراب ہو جاتے ہیں اور پسینے میں بدبُو کی وجہ سے لوگ پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے، اس کا علاج کیا ہے؟
نسرین

ج: شاید کسی وجہ سے خون میں صفرا مل رہا ہے۔ جگر کی اصلاح پر توجہ کرنی چاہیے۔ غذا میں سے گھی تیل بے حد کم کر دیں، سبزیاں زیادہ کھائیں، آبِ لیموں تازہ کا شربت پینا شروع کر دیں۔ صفائی کریں، غسل کریں اور پانی زیادہ پیا کریں۔

چکّر

س: میری عمر ۱۴ سال ہے، پڑھتے وقت چکّر آتے ہیں، سَر میں درد رہتا ہے، چلتے وقت سَر میں درد ہو جاتا ہے؟
محمد آصف

ج: آپ مغز بادام شیریں ۱۲ دانے اور کشمش ۲۴ گرام کھانا شروع کر دیں، ان دونوں کو رات کو بھگو دیں، صبح صاف کر کے دودھ کے ساتھ کھائیں۔

کان میں پیپ

س: میری باجی کی عمر تقریباً ۱۶ برس ہے، پانچ سال سے ان کے کان میں سے پیپ بہتی ہے۔ بہت علاج کروایا، مگر فرق نہیں ہوا؟
معراج یاسین

ج: آپ کی باجی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی ماہرِ امراضِ گوش سے مشورہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے کان کی ہڈی خراب ہو رہی ہے۔ اس میں غفلت برتنی مناسب نہیں ہے۔

مِلک پاؤڈر

س: کیا مِلک پاؤڈر کا عارضی یا مستقل استعمال مضرِ صحت ہے یا نہیں؟
محسن رجب علی

ج: میں اسے غلط سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے ملک کے دودھ والے جانور کاٹ کاٹ کر کھا جائیں اور دودھ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دوسرے ملکوں سے بھیک مانگ کر مِلک پاؤڈر منگوائیں۔ یہ ہماری قومی غیرت کی توہین ہے۔ مِلک پاؤڈر بہرحال صحت کے لیے اصلی دودھ کی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔

بے اعتدالی

س: جب میں کوئی کام کر کے اٹھتا ہوں تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے اور مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ہارون بشیر

ج: اگر آپ بالغ ہیں تو اس پر غور کیجیے کہ آپ کوئی بے اعتدالی تو نہیں کر رہے ہیں۔ یہ بے اعتدالی بڑی تباہ کن ہوتی ہے۔ آپ کو یہ چکر اس کی وجہ سے بھی آسکتے ہیں۔ یاد رکھیے صحت بھی ایک ایسی چیز ہے کہ جسے خریدا نہیں جاسکتا، اس لیے اس کی حفاظت کیجیے۔

سرطان

س: کینسر (سرطان) کی بیماری آج کل بہت عام ہو رہی ہے۔ یہ کس وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟

سلطانہ طاہرہ

ج: یہ سوال بڑا ننھا سا ہے، مگر اس کا جواب بہت بڑا ہے، ہمدرد نونہال کے اگر ۱۰۔ ۱۲ اشوع بھی ہوں تو کافی نہیں، ساری دنیا کے ماہرین اس بات کو سمجھنے کی کوشش میں ہیں کہ انسانی جسم اور خلیاتِ جسم میں کیا فساد برپا ہوتا ہے کہ سرطان جنم لیتا ہے۔ ابھی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ بعض چیزوں کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے استعمال سے سرطان ہو جاتا ہے، جیسے تمباکو نوشی وغیرہ۔

تربوز سے ہیضہ

س: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تربوز نہیں کھانا چاہیے کیوں کہ اس سے ہیضہ ہو جاتا ہے۔ تربوز سے ہیضہ کیوں ہو جاتا ہے؟

ہارون مسعود

ج: تربوز سے ہیضہ ہو جاتا ہے۔ مشہور تو ہے، مگر کوئی زیادہ صحیح بات نہیں ہے۔ اعتدال سے نہ کھانے سے تو عام غذا سے بھی ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور ہیضہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ کھانے کے بعد تربوز نقصان دے سکتا ہے، مگر یہ محض عادت ہے۔ مصر وغیرہ میں تو تربوز کھانے کے بعد ہی تواضع کے طور پر دیا جاتا ہے۔ میں نے کھایا تو میرا ہاضمہ خراب ہو گیا، مگر کوئی مصری بیمار نہ ہوا۔ یہ مزاج اور عادت ہے۔

بچوں کی مذہبی کتابیں

حضرت ابوہریرہؓ	۲/:	سرکار دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیرالبحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۲/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	[illegible]/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۳/۵۰
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
〃 〃 دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۶/۵۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسول	۴/۵۰	مسلمان بیبیاں	۴/:

بچوں کے لیے

نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۶/-
ابو علی کا جوتا	۵/-
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/-
حبشیوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ذاکر صاحب	۶/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
[illegible] سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جیرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا نامہ	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰

کتاب	قیمت
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ظالم ڈاکو	۶/-
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
پھولوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
مہکتی کلیاں	۶/-
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۴/۵۰

کتاب	قیمت
ٹوٹے کھلونے	۴/-
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۲/-
پیارے رسول	۲/۵۰
بہادر سیاح	۳/-
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تاک سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی [illegible]	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو چپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰

بچوں کی کوششیں نمبر کا بڑا سخت انتظار تھا۔ خدا خدا کرکے وہ پیام تعلیم جس میں بچوں کی کوششیں تھیں، ملا۔ پورا پڑھ ڈالا بہت پسند آیا۔ جناب مسعود احمد برکاتی صاحب کا پیغام بے حد موثر تھا۔ ظ انصاری صاحب کا مضمون پڑھکر ایسا لگا کہ کوئی بزرگ نہیں بلکہ ہم ہی میں کا کوئی ساتھی ہے جو ہم سے باتیں کررہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ظ انصاری صاحب خطوط نمبر کے لیے کوئی مضمون ایسا ضرور لکھیں جس سے پیامی بچوں کو خط لکھنے کا بھی سلیقہ آئے۔ اس نمبر میں مجھے خاص طور پر جمیل الدین احمد کی کہانی "جابر کا انجام" اظہر حسین انصاری کا مضمون "وی۔ آئی" شبنم اوگانوی کی کہانی "پیار کی پیاس" [illegible] عائشہ کا مضمون "جان باز و جان نثار"۔ [illegible] سلیم کی کہانی "بادشاہ کی قیمت" سلمیٰ خاتون کا مضمون "اعتراف" خلیل الرحمن کا "سانپ" اور [illegible] منظر کا "ہوائی جہاز" بہت پسند آئے [illegible] تنویر عالم کی کہانی [illegible] کی کہانی۔ "دو بونے" لطیفے، اشعار اور نظمیں بھی سب ہی بہن بھائیوں کے خوب ہیں اگر سب پیامی بھائی بہنوں نے اسی طرح اپنی کوششیں جاری رکھیں تو انشاء اللہ آئندہ بہت اچھے ادیب بن سکتے ہیں۔

اسرار عزیز۔ حیدرآباد

عادل نے مجھے پیام تعلیم پڑھنے کی دعوت دی میں نے پڑھا تو ایسا لگا کہ یہ بچوں اور بڑوں کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ اتنا اچھا رسالہ کم قیمت میں نکال کر بچوں کے دل میں گھر کر رہے ہیں۔ ہاں وہ آپ کا بچوں کی کوششیں نمبر بھی میرے دل پر چھاپ چھوڑ گیا۔ میرے جتنے بھی دوست ہیں سب پیامی ایک پیامی برادری قائم کرنے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔ دشمشاد حسین قاسمی۔ علی روڈ گریڈیہ)

عزیزی احفاظ الرحمن کے نام پیام تعلیم پہنچ رہا ہے۔ بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ پچھلے دنوں گرما کی تعطیلات میں بہن کے بچے آگئے تھے۔ "پیام تعلیم" اس قدر پسند آیا کہ پرانے شمارے بھی لے کر چلے گئے۔ بھابی (فردوس جہاں بیگم) نے رسالہ کی فرمائش کی۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ بچی نے جوڑیوں کی جگہ اس بار "پیام تعلیم" جاری کروانے کے لیے کہا ہے۔ ابھی وقت [illegible] روپے منی آرڈر کردیا

[illegible]

★ انسپکٹر صاحب! مجھے جیل بھیج دیجیے۔ میں نے اپنی بیوی کو مار دیا ہے۔

"کیا وہ مر گئی؟"

یہی تو مصیبت ہے وہ بچ گئی ہے مجھے جلدی سے جیل بھیج دیجیے۔

★ باپ: بیٹے سے، تم اتنی دیر سے مرغا کیوں بنے ہو۔

بیٹا: ابا آپ ہی نے تو کہا تھا جو کام اسکول میں کرتے ہو اُسے گھر پر آکر دُہرایا کرو۔

شاہد اختر ریاض احمد۔ سمکیسر (مہاراشٹر)

★ ایک درخت کے نیچے بہت سے کاہل لڑکے جمع ہوئے تھے ایک صاحب نے ان لڑکوں سے جاکر کہا۔ "بتاؤ تم میں سے سب سے زیادہ کاہل کون ہے۔ میں اسے پانچ روپے انعام دوں گا"

سب لڑکوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا دیے لیکن ایک لڑکا چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اُن صاحب نے اس لڑکے سے کہا۔ "تم سب سے زیادہ کاہل معلوم ہوتے ہو۔ یہ لو تمھارا انعام" لڑکے نے آہستگی سے کہا۔ "براے کرم آپ خود آگے بڑھ کر میری جیب میں ڈال دیجیے!"

خالد اختر ریاض احمد۔ مالیگاؤں (مہاراشٹر)

★ ایک شخص راستے میں اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ اچانک اس کی بیوی بولی "سنو، رُکو میرے کیلے اور سنترے نیچے گر گئے ہیں اُن کو اٹھا لوں۔ اس پر شوہر نے کہا کہ نیچے گری ہوئی چیز نہیں اٹھانی چاہیے۔

آگے چل کر اچانک شوہر کا پیر پھسل گیا اور وہ ایک گہرے گڈھے میں گر گئے اور چلائے مجھے اُوپر اٹھاؤ اس پر بیوی بولی "آپ ہی نے تو کہا تھا کہ نیچے گری ہوئی چیز نہیں اٹھانا چاہیے"

ناہید جبین لاری۔ لکھنؤ

★ ایک شخص کی تین بیویاں تھیں۔ وہ تینوں تُتلاتی تھیں۔ اس شخص نے ان کو تاکید کر دی تھی کسی کے سامنے بولا نہ کریں۔ ایک دفعہ ان کے یہاں ایک مہمان آیا۔ اتفاق سے اسی وقت ایک چوہا دکھائی دیا۔ چوہے کو دیکھ کر پہلی بیوی بولی۔ توا۔ توا۔ توا۔ (یعنی چوہا چوہا چوہا) دوسری بولی تائیں۔ تائیں۔ تائیں۔ (یعنی کہاں ہے، کہاں ہے، کہاں ہے) تیسری نے کہا۔ اچھا ہوا میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں۔ اچھا ہوا میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں!

نور الجبین لاری (لکھنؤ)

محمد نوید مرزا

کیسی عید

عید کے دن نئے کپڑے پہن کر اور عید کی نماز سے فارغ ہو کر حبیب اپنے دوستوں سے ملنے کے لیے گھر سے نکلا اس کی جیب پیسوں سے بھری ہوئی تھی۔ گھر والوں سے اس نے کافی عیدی وصول کر لی تھی کیونکہ وہ گھر میں سب سے چھوٹا تھا حبیب سب سے پہلے اپنے کزن کاشف اور آصف کے گھر جانا چاہتا تھا مین روڈ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ہر طرف رونق ہے اور لوگ رنگ برنگ کے کپڑے پہن کر پھر رہے ہیں لیکن ایک کونے میں ایک لڑکا پھٹے پرانے لباس میں ملبوس کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں سوکھی ہوئی روٹی کے ٹکڑے ہیں جنھیں وہ چبانا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے چہرے سے مفلسی غریبی اور بھوک ٹپک رہی تھی شاید وہ کئی دنوں سے بھوکا تھا۔

ابھی حبیب اس کی مدد کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک لڑکے کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے تیزی سے بڑی سڑک کی طرف دوڑ لگا دی اور پھر ٹرک کے بریک چرچرائے۔ کوئی ٹرک کے نیچے آگیا تھا۔ لوگوں کی ایک بھیڑ لگ گئی اسی بھیڑ میں حبیب بھی تھا اس نے دیکھا کہ وہی غریب لڑکا خون میں لت پت پڑا ہے ہجوم میں سے کسی نے کہا ایک کار یہاں سے گزری اور اس میں سے کسی نے کچھ گلے سڑے پھل پھینکے تھے جسے دیکھ کر یہ غریب بھاگا تھا اور موت کی آغوش میں جا پہنچ گیا۔

حبیب کو بڑا صدمہ ہوا۔ عید کے دن اس نے اپنے ملک کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیا تھا اور وہ تھا افلاس نہ جانے کتنے ہی غریب بے روزگار روزی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اپنے عزیزوں کے گھر جانے کی بجائے حبیب اپنے گھر کی طرف چل پڑا اس کے دل میں ایک نیا عزم تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جو عیدی ملی ہے وہ محلے کے غریب لوگوں کو دے گا اور اس کے علاوہ ہر ماہ اپنی بچت میں سے غریبوں کی مدد کرے گا۔

بچوں کی کوششیں

لالچ کا انجام

عید کا دن تھا۔ میں فیروز اور شعیب بھائی عید کی نماز پڑھ کر اپنی عیدی لیے میلے میں پہنچ گئے۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ ہم نے ٹہلے تو کچھ الم غلم چیزیں کھائیں پھر نشانے بازی کی۔ میں نے پانچ میں چار غبارے پھوڑ ڈالے۔ پھر ہم تینوں جھولے پر جھولنے لگے۔ جب ہم جھولے کی اونچائی پر پہنچ گئے تو فیروز کو اوپر سے لاٹری والا نظر آیا۔ ہم جھولنے کے بعد نیچے آئے تو فیروز نے کہا کہ آؤ شعیب بھائی ایک دو لاٹری کھولتے ہیں شعیب بھائی نے منع کیا کہ ہم ناجائز کام نہیں کریں گے۔ لیکن فیروز پر تو جیسے لاٹری کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ اکیلے ہی لاٹری کھولنے چل دیے۔ پیچھے پیچھے میں اور شعیب بھائی بھی آ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک لاٹری تین روپے کی تھی۔ لاٹری والے نے فیروز کو لالچ دیا کہ اس میں پچاس اور سو سو روپے نکلیں گے۔ اس نے ایسے ہی ایک لاٹری کھول کر دکھائی تو اس میں سو روپے نکلے۔ فیروز نے سوچا کہ چلو لاٹری کھول ہی لیتے ہیں۔ فیروز نے لاٹری کھولی تو ایک میں پانچ پیسے نکلے دوسری میں دس پیسے نکلے۔ فیروز کو افسوس ہوا لیکن لالچ کم نہ ہوا۔ فیروز نے اسی طرح پچیس تیس روپے لاٹری میں خرچ کر ڈالے لیکن کچھ نہ نکلا۔ جب فیروز کی جیب خالی ہو گئی تو لاٹری والے نے ایک پچیس پیسے والی گیند فیروز کو تھمائی اور آگے بڑھ گیا۔ میں اور شعیب بھائی نے فیروز کا خوب مذاق اُڑایا۔ کہیں کوئی لاٹری والا ملتا تو فیروز کا پارا چڑھ جاتا۔ اب فیروز نے سوچا کہ کاش میں اپنے ساتھیوں کی بات مان لیتا۔ بہرحال فیروز نے آیندہ لاٹری نہ کھولنے کا عہد کر لیا۔ اور ہم لوگ اپنے اپنے گھروں کو آ گئے۔ لالچ کا انجام بُرا ہے۔

سلیمان اختر
معاون ابن پیامی برادری
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

اور آزادی مل گئی

ایک تھی چڑیا، بہت غریب اور بہت
دُکھی۔ وہ ابھی چھوٹی ہی تھی۔ اس کے ماں
باپ کی آپس میں لڑائی رہتی تھی۔ وہ
بے چاری یہ سب کچھ دیکھ کر بڑی پریشان
رہتی تھی۔ اپنی ماں سے اسے بہت پیار
تھا۔ مگر باپ بڑا ہی ظالم تھا۔ لڑائی تو
اس کی ماں سے ہوتی۔ مگر پٹائی اس ننھی
چڑیا کی ہوتی۔

بیٹی کی وجہ سے اس کی ماں بھی پریشان
رہنے لگی۔ آخر وہ اپنی بچی کو ظالم باپ سے
چھپا کر کہاں لے جائے؟ ایک دن تپتی
دوپہر تھی اور ننھی چڑیا کا باپ گھونسلے
میں موجود نہ تھا۔ ماں بیٹی کو موقع مل گیا
اور وہ دونوں فوراً گھر چھوڑ کر کہیں اور
چلی گئیں۔ اب ننھی چڑیا اپنی ماں کے پاس
بہت خوش تھی۔ کچھ وقت تو بہت آزادی
سے گزرا مگر وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔
ایک دن ننھی چڑیا کی ماں اس کے لیے دانے
لینے گئی۔ اور اسے کسی ظالم شکاری نے
مار ڈالا۔ ادھر ننھی چڑیا بہت پریشان
تھی کہ ابھی تک ماں نہیں آئی۔ بھوک
بھی لگ رہی تھی۔ مگر اس بچاری کو کیا معلوم
کہ آج میں بھوکی ہی رہوں گی۔ ماں اب کبھی
نہیں آئے گی۔ شام تک وہ اپنی ماں کا انتظار
کرتی رہی مگر ماں نہیں آئی اور وہ بھوکی ہی
سو گئی جب صبح ہوئی تو اس نے خود ہی کوشش
کی کہ ماں کو تلاش کرے کہ آخر وہ کہاں چلی
گئی؟ وہ اپنے ننھے منّے پروں سے اڑنے
کی کوشش کرنے لگی۔ آخر کار اسے اڑنا
آگیا۔ اڑتے ہوئے کبھی ایک درخت پر
بیٹھتی کبھی دوسرے پر۔ پہلے تو اس نے
اپنی بھوک بجھائی پھر اپنی ماں کو تلاش
کرنے لگی مگر ناکام رہی۔ وہ دن بھی ایسے
ہی گزر گیا۔ اس کی ماں تو اسے نہ ملی لیکن وہ
ظالم شکاری مل گیا۔ جو اسے غلیل سے زخمی
کر کے لے گیا تھا۔ شکاری نے اسے لے
جا کر پنجرے میں قید کر دیا۔ دو تین دن
بعد چڑیا ٹھیک ہو گئی۔ اور سوچنے لگی کہ
شکر ہے خدایا جان تو بچ گئی۔ مگر آزادی
بڑی نعمت ہوتی ہے۔ ننھی چڑیا کے دل
میں یہ بات رہتی کہ وہ کس طرح اس ظالم
سے آزادی حاصل کرے۔ آخر ایک دن
شکاری نے دانہ ڈالنے کی غرض سے
پنجرے کا دروازہ کھولا تو چڑیا موقع پا کر
پھر سے اڑ گئی۔ شکاری اسے دیکھتا رہ
گیا۔ اڑتے اڑتے وہ بہت دور جنگل میں

پہنچ گئی اور آزادی سے خوشی خوشی رہنے لگی۔

عزیز پیامیو! دیکھا آپ نے، پرندہ قید ہو کر کتنا پریشان رہتا ہے، ہم میں سے بہت سے بچے پرندوں کو قید کرنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ میری ان سب سے گزارش ہے کہ وہ ان سب کو آزاد کر دیں۔

اسی طرح انسان کی آزادی بھی ہوتی ہے۔ ہم لوگ آزاد ہیں اور ہمیں اپنے آزاد ہندوستان کی حفاظت کرنی ہے۔

فوزیہ نور۔ درجہ دہم
جامعہ ہائر سیکنڈری اسکول
جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵۔

آزمائش

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ملک شام میں ایک غریب آدمی تھا۔ وہ سب کی خدمت کرتا تھا اور عبادت بھی۔ ایک دن اس کے نصیب کھلے اس کے آنگن میں خزانہ ملا۔ اس نے تجارت شروع کی اور ایک مالدار تاجر بن گیا۔ بادشاہ تک اس کی رسائی ہوئی لیکن دولت مند ہونے پر اب وہ پہلے جیسا نہ تھا۔ اب شراب کی محفلیں جمنے لگیں۔ دوست اس کی خوب تعریفیں کرتے۔ دولت اور تعریف نے اسے گھمنڈی بنا دیا۔ تجارت میں بے ایمانی کرنے لگا۔ وہی گھر جو پہلے پاکیزہ تھا اب برائیوں کا اڈا بن گیا۔ ایک دن ایک غریب بڑھیا اپنے بیمار بیٹے کی دواؤں کے لیے مدد مانگنے آئی۔ لیکن اس نے مدد نہیں کی۔ اب اس کے دل میں فیاضی کی جگہ سنگدلی تھی۔

ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ قافلے کے قاصد نے خبر دی کہ بغداد جانے والے قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ لوگوں کو قتل کر دیا۔ تمام دولت لٹ گئی اب وہ ایک مفلس آدمی تھا۔ اسے اپنے دوستوں پر بڑا فخر تھا۔ لہٰذا وہ سب کے پاس مدد کے لیے گیا۔ لیکن سب نے اس کو ٹال دیا وہ بہت رنجیدہ ہوا۔ دوسرے دن وہی تاجر ملک شام کی شاہراہ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔

محمد شہاب الدین، پیپل گاؤں، بلڈانہ۔

ناگ کا گھمنڈ

ایک خوبصورت مرد اور عورت نے ناگ اور ناگن کا روپ لے لیا تھا۔ ناگ کے دو بچے تھے۔ دونوں بچوں کو لے کر ناگ سیر کو نکلتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دونوں بچے ہنسی خوشی کھیت میں جا رہے تھے وہ کسی آنے والے کی آہٹ سن کر اپنے بل میں چھپ گئے

وہاں سے انھوں نے ایک بین والے کو دیکھا جو ان کے گھر کی طرف بڑھتا چلا رہا تھا ناگ اسے ڈسنے کو بڑھا ہے ہی تیزی سے بڑھے بانسری والا بھاگنے لگا یہاں تک کہ اس کا گھر آگیا۔ اس نے دونوں بچوں کو پکڑ کر صحن میں بند کر دیا اور آرام سے سو گیا ادھر ناگ اور ناگن بچوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہیں پہنچ گئے۔ بچوں کو نکال لیا۔ اور گھر کی جانب چلے۔ ناگ کی بہن کا گھر راستے میں پڑا وہ اندر داخل ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ ناگ کی بہن بے ہوش پڑی ہے۔ مداری کو بلا کر اسے جگانے کے لیے کہا۔ ناگ کی بہن اتنی خوبصورت تھی کہ مداری اسے دل سے چاہنے لگا۔ اس کو ہوش میں لایا۔ وہ اپنی بھابی اور بھیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور بولی! کسی نے آکر میرے جسم پر کچھ پھونک دیا تھا۔ میں ناگن بن گئی ہوں اس آدمی کو یہاں سے فوراً بھگا دیا جائے۔ مداری کو ناگ نے بھگا دیا ایک دن وہ بانسری لے کر اس لڑکی کے گھر پہنچ گیا ناگ اپنی بیوی کے ساتھ سیر کو گیا تھا۔ اس نے بانسری بجانا شروع کی۔ ناگ کی بہن اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ مداری اسے اپنے گھر لے گیا۔ شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ناگ کی بہن شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ادھر ناگ اپنی بہن کو ڈھونڈتا ہوا مداری کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ مداری اسے مار رہا تھا۔ ناگ نے اپنی بہن کو گھر لاکر بہت ملا۔ وہ ناگ کو بتائے بغیر گھر چھوڑ کر چلی گئی

ناگن بیمار رہنے لگی۔ ادھر ناگ اپنی بہن کو ڈھونڈتا جنگل جنگل مارا مارا پھرنے لگا۔ ایک دن وہ تھک کر بیٹھا کہ جو میری بیوی کی سیوا کرے گا تو میں ایک بچہ انعام کے طور پر دوں گا۔ یا اسے اپنی بہن بنا کر رکھوں گا تھوڑی دیر بعد کسی کی آہٹ سنائی دی وہ چاروں طرف دیکھنے لگا اور پھر ایک سورج نمودار ہوا اس میں ایک عورت دکھائی دی وہ سوچنے لگا کہ میری بہن ایسی ہی تھی اتنے میں اپنی بہن کا ایسی ہی مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ اس نے کہا کہ تمہاری بھابی کو اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے تم اس کی مدد کر سکو گی۔ پھر وہ اپنی بہن کے ساتھ گھر پہنچا اور کہا "میری بہن اب تمہاری سیوا کرے گی۔" دونوں بچے اپنی پھوپی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

شاہنہ پروین رشیدی، بزم غالب کامٹی

بس اللہ ہی اللہ ہے

کوئی کام شروع کرو تو کہو :- بسم اللہ
چھینک آئے تو کہو :- الحمد للہ
کوئی اچھی خبر سنو تو کہو :- سبحان اللہ
سو کر اٹھو تو کہو :- لا الہ الا اللہ
کسی کی تعریف کرو تو کہو :- ماشاء اللہ

کچھ کرنے کا ارادہ ہو تو کہو۔ انشاء اللہ
شکریہ ادا کرنا ہو تو کہو۔ جزاک اللہ
جب خوشگواری ہو تو کہو۔ فتبارک اللہ
ناگواری ہو تو کہو۔ نعوذ باللہ
کوئی برائی دیکھو تو کہو۔ اعوذ باللہ
کوئی گناہ سرزد ہو تو کہو۔ استغفر اللہ
کوئی گستاخی سرزد ہو تو کہو۔ معاذ اللہ
کسی کو رخصت کرو تو کہو۔ فی امان اللہ
خدا کے نام پر دو تو کہو۔ فی سبیل اللہ
گھر سے باہر نکلتے وقت کہو۔ توکلت علی اللہ

نعیم احمد کپٹھال البرکاتی
قول پیٹھ، ہبلی ۲۸ ع

مشاہیر کے اقوال

(۱) غریب وہ ہے۔ جس کا کوئی دوست نہیں۔ (حضرت علیؓ)

(۲) اپنے کردار کو اتنا بلند کر لو۔ کہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں تمہیں متاثر نہ کر سکیں (کنفیوشش)

(۳) دشمن سے زیادہ خطرناک وہ ہے۔ جو دوست بن کر دھوکا دے۔ (ٹیپو سلطان)

(۴) دانا انسان وہ ہے۔ جو گردش ایام سے تنگ دل نہ ہو۔ (حکیم اقلیدس)

(۵) اتنا کھاؤ جتنا ہضم کر سکو اور اتنا پڑھو جتنا جذب کر سکو۔ (ابن سینا)

(۶) گیدڑ بن کر سو سال جینے سے شیر بن کر ایک دن جینا بہتر ہے۔ (ٹیپو سلطان)

(۷) ایماندار تاجر کا مرتبہ عابد کے مرتبے کے برابر ہے۔ (امام شافعیؒ)

(۸) عقل مند سوچ کر بولتا ہے۔ بیوقوف بول کر سوچتا ہے۔ (اویس قرنی)

محمد نعیم اکرمی، بھٹکل۔

عقلمند بونے

کسی زمانے میں علی خواجہ بادشاہ تھا۔ نیک دل اور رحمدل۔ شہزادہ

سلیم باپ کی طرح رحم دل تھا۔ لکھنا پڑھنا تلوار چلانا، تیر اندازی وغیرہ سب کچھ سیکھ چکا تھا۔

ایک دن شہزادہ اپنے ساتھیوں کو لے کر جنگل میں گیا وہاں شہزادے کو ایک خوبصورت گھوڑا نظر آیا۔ شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ "دیکھیے کتنا خوبصورت گھوڑا ہے"۔ اور اس کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔ گھوڑا برابر دوڑتا رہا۔ شہزادہ تھک ہار کر اپنے گھوڑے سے اترا پیاس بھی بہت لگی تھی۔ گھوڑے کو ایک طرف باندھ دیا اور پانی کی چھاگل کو منہ سے لگا لیا۔ ابھی پانی پی رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ہائے میں مر رہا ہوں "پیاس سے میری جان نکل رہی ہے"۔ جس طرف سے آواز آئی تھی وہ اس طرف چلا گیا۔ یہ آواز ایک جھاڑی سے نکلی تھی۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بونا اس جھاڑی میں پھنس گیا ہے جس کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ قد ایک بالشت سے کچھ کم تھا۔ شہزادے نے بونے کو جھاڑی سے باہر نکالا۔ ہاتھ پیر کھول دیے۔ فوراً پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد بونے کو ہوش آیا شہزادے کی طرف دیکھ کر بولا۔ خدا تمھاری عمر لمبی کرے، علم کی دولت دے، جو احسان تم نے مجھ پر کیا ہے اس کا بدلہ ضرور ملے گا"۔ "تمھیں اس جنگل میں کس نے پھنسایا ہے"۔ شہزادے نے پوچھا۔ بونا بولا "اس جنگل میں ایک جن رہتا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے تم فوراً چلے جاؤ اگر تمھیں وہ ظالم دیکھے گا تو نہیں چھوڑے گا"۔ شہزادے نے کہا۔ "کوئی یہاں ایسا شخص نہیں جو اسے سزا دے سکے"۔ بونے نے کہا۔ "وہ اتنا طاقت ور ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا"۔ شہزادے نے کہا کہ "میں اس کا مقابلہ ضرور کروں گا"۔ بونے نے کہا "شہزادے اس بات کو دل سے نکال دو۔ اور فوراً چلے جاؤ، اب تو میں اس وقت جاؤں گا جب جن کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اتنے میں پیچھے سے ہنسی کی آواز آئی مگر بہت ڈراونی تھی۔ بونے نے کہا شہزادے اب بھی موقع ہے فوراً یہاں سے بھاگ جائیے۔ وہ آ گیا ہے شہزادے نے چلا کر کہا۔ "آ گیا ہے تو آنے دو، میں اس کے دو ٹکڑے کردوں گا"۔ بونا بولا۔ "خیر کوئی مصیبت آئی تو میں مدد ضرور کروں گا۔ شہزادے نے دل میں ہنس کر کہا۔ یہ ننھا سا بونا بھلا میری

کیا مدد کرے گا۔ جن آدم کا۔ اس کے
سر پر دو سینگ اور منہ سے لمبے لمبے
دانت باہر نکلے تھے۔ رنگ کالا شہزادے
نے پوری طاقت سے اس کے سر پر تلوار
ماری لیکن تلوار الٹ گئی۔ جن بڑے
زور سے ہنسا شہزادے نے تلوار پھر چلانی
چاہی۔ جن نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ
لیا۔ اور قہقہہ لگاتا ہوا وہاں سے چلا
گیا۔ جن کو دیکھ کر بونا پیچھے ہٹ گیا۔
زہریلی جڑی بوٹیاں لایا۔ جن کی ہانڈی
میں گوشت رکھا تھا۔ گوشت میں زہر
ملا دیا۔ جن آیا کھانا کھایا اور زہر کے اثر
سے مر گیا۔ بونے اور اس کے ساتھیوں
نے شہزادے کو ڈھونڈا وہ مل گیا شہزادے
نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اے ننھے
دوست! تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔
اب ہم تمھاری جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔
بونے نے کہا ہماری تعریف کی کوئی ضرورت
نہیں۔ شہزادے نے کہا۔ نہیں ہم تم
سب کو محل میں لے جائیں گے۔ بونے نے
کہا ہم لوگ وہاں نہیں رہ سکتے ویسے
وعدہ کرتے ہیں کبھی کبھی محل میں آیا
کیا کریں گے اچھے کاموں میں آپ کی
مدد کیا کریں گا۔

سجاد حسین ضلع جھنگ

وزیر کی عقلمندی

ایک وزیر نہایت ایماندار اور نیک
خصلت تھا۔ اچانک اس نے بادشاہ
کا دربار چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں
مشغول ہو گیا۔

بادشاہ اس کے پاس گیا اور دربار
چھوڑنے کی وجہ پوچھی۔ وزیر نے جواب
دیا۔ پانچ باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ
تخت پر بیٹھے رہتے ہیں اور مجھے آپ کے
سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہنا پڑتا ہے۔
میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گنہگار ٹھہرتا ہوں
اب میں نے ایسا مالک پایا ہے جس کے
سامنے میں بیٹھ بھی سکتا ہوں میں اس کی
عبادت کرتا ہوں۔ دوم یہ کہ جب آپ
کا دستر خوان بچھتا ہے تو میں کھڑا منہ تکتا
ہوں۔ لیکن اب میں اپنے مالک کے سامنے
کھاتا ہوں وہ میرے سامنے نہیں کھاتا اور
مجھے عزت سے رزق دیتا ہے۔ سوم یہ کہ
جب آپ سوتے تو میں جاگا کرتا تھا اب
میں سوتا ہوں اور میرا مالک میری نگرانی
کرتا ہے۔ چہارم یہ کہ میں ہمیشہ ڈرتا تھا کہ
آپ اللہ کو پیارے ہو جائیں گے تو دشمن
مجھ سے بدلہ لیں گے۔ اب مجھے اس کے

سوا کسی سے ڈر نہیں ہے جو ہمیشہ سے
ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پنجم یہ کہ کوئی خطا ہو
جائے پر آپ معاف نہیں کرتے سزا دیتے
ہیں۔ لیکن میرا خدا میرے جرموں کو معاف
کر دیتا ہے۔

بادشاہ وزیر کے ان خیالات سے بہت
خوش ہوا اور انعام و اکرام سے نوازا۔
اس کے بعد بادشاہ نے دربار کے آداب
بدل دیے۔ رعایا، امیر، وزیر سب عزت
سے رہنے لگے۔ (ریحانہ خاتون کرانہ شاپ اکولہ)

ہمت والا لڑکا

قدیم زمانے میں یورپ کے
ایک چھوٹے سے ملک ہالینڈ میں پیٹر
نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ ایک دن وہ اسکول
سے گھر واپس آ رہا تھا۔ وہ گانا گاتا اپنی ہی
دھن میں ایک نہر کے کنارے سے گزر
رہا تھا۔ بارش کی وجہ سے اس نہر میں پانی
بڑھ گیا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور زور سے
ہوا چل رہی تھی وہ نہر کے بڑے بند کے
کنارے سے گزر رہا تھا کہ اسے پانی گرنے
کی آواز آنے لگی وہ گھبرا گیا اور ادھر ادھر دیکھنے
لگا۔ وہ بند پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دور جانے کے
بعد اسے ایک چھید دکھائی دیا۔ جس سے
پانی گر رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ مجھے بھاگ کر
گھر جانا چاہیے۔ اور مدد لانی چاہیے۔ مگر
اتنا وقت بھی نہیں۔ جب تک میں مدد
لاؤں گا چھید اور بڑا ہو جائے گا۔ پانی سے
سارا گاؤں ڈوب جائے گا۔ مجھے ابھی کچھ کرنا
چاہیے۔ اور پیٹر چھید سے اپنی پیٹھ لگا کر
بیٹھ گیا۔ وقت گزرنے لگا۔ اور معصوم پیٹر
سردی کی وجہ سے کانپنے لگا۔ لیکن اس نے
ہمت نہ ہاری۔ جب ہر طرف اندھیرا پھیل
گیا تو پیٹر کے والدین کو فکر ہوئی اور وہ اسے
ڈھونڈنے نکلے۔ جب وہ پیٹر کو ڈھونڈتے
ہوئے نہر کے پاس سے گزرے تو انھیں کراہنے کی
آواز آئی وہ اس آواز کی سمت چل پڑے
تھوڑی دور جانے کے بعد انھوں نے دیکھا
کہ پیٹر بند سے پیٹھ لگائے بیٹھا ہے اور
سردی کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔ جب وہ
پیٹر کے پاس پہنچے تو پیٹر نے انھیں سب
بات بتائی۔ انھوں نے پیٹر کو کمبل اڑھایا۔
پیٹر کی والدہ گاؤں سے مرمت کرنے والے
لوگ لے کر آئیں۔ انھیں تمام واقعہ سنایا تو
لوگ پیٹر کی تعریف کرنے لگے۔ تمام گاؤں
والوں نے مل کر پیٹر کی بہادری کو سراہا۔ ہمت افزائی
کی اسے انعام بھی دیا۔ پیٹر کے ماں باپ بہت خوش
ہوئے۔ گاؤں میں اس کی عزت ہونے لگی

عابد حسین سید بیجاپور (کرناٹک) (پانچویں)

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

(۱) بچے جنت کے پھول ہیں۔
(۲) جس گھر میں بچے نہیں برکت نہیں۔
(۳) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔
(۴) جس سے علم سیکھو اس کی عزت کرو۔
(۵) جنّت ماں کے قدموں تلے ہے۔
(۶) بُرے ساتھی سے اکیلا رہنا بہتر ہے
(۷) سلام کیا کرو اس سے محبّت بڑھتی ہے۔
(۹) مریض کے سامنے بیٹھ کر مت کھاؤ۔
(۱۰) جھوٹ سے آدمی کا منہ کالا ہوتا ہے۔
(۱۱) سچ بولو چاہے اپنا ہی نقصان ہو جائے۔
(۱۲) چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔
(۱۳) نماز ٹھیک وقت پر ادا کرو۔
(۱۴) نماز میں صفوں کو سیدھا کرو۔

عابدہ بیگم ہبلی، کرناٹک

کیا آپ جانتے ہیں؟

	پیدائش	وفات
امام ابو حنیفہؒ	۸۰ھ	۱۵۰ھ
امام شافعیؒ	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
امام حنبلؒ	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
امام دارمیؒ	۱۸۱ھ	۲۵۵ھ
امام بخاریؒ	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
امام مسلمؒ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
امام ابن ماجہؒ	۲۰۶ھ	۲۷۳ھ
امام ابو داؤدؒ	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
امام ترمذیؒ	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
امام نسائیؒ	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ
امام دار قطنیؒ	۳۰۵ھ	۳۸۵ھ
امام بیہقیؒ	۳۸۴ھ	۴۵۸ھ

محی الدین ہوڈگن ہبلی۔ (کرناٹک)

(بقیہ صفحہ ۲۲)

دوم . شکیل احمد ابن فطرت . راہ نجات بھٹکل
سوم . بشیر احمد عبد الغفور پرکار . ذرا بتائیے تو... . رتناگیر مہاراشٹر
خصوصی انعامات: حنا بلال . ہمارے اسکول میں گدا . جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
" انعام الرحمان شہاب . آئیے مسکرائیں . اعظم گڑھ یوپی
" ناہید جبیں لاری لطیفے گولہ گنج لکھنؤ

ایم شعیب انصاری، سکریٹری پیامی برادری نئی دہلی نے اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ اور پہیلی کو کئی بار پڑھنے کے بعد مندرجہ بالا پیامیوں کو انعام کا مستحق قرار دیا۔ انعام پانے والے پیامی اپنا پتا لکھ کر انعام طلب کر سکتے ہیں (اڈیٹر پیام تعلیم، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵)

کفیل احمد

وفادار شیر

ایک بادشاہ بہت رحم دل اور انصاف پسند تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک شہزادہ وحید اور دوسرا شہزادہ جاوید۔ شہزادہ وحید بڑا تھا۔ وہ مغرور تھا اور رعایا کو ستاتا تھا شہزادہ جاوید رحم دل اور رعایا سے محبت کرنے والا تھا۔ بادشاہ بھی چھوٹے شہزادہ سے محبت کرتا تھا۔ اس لیے بڑا شہزادہ چھوٹے شہزادے سے جلتا تھا۔

بادشاہ نے دونوں شہزادوں کو پڑھانے کے لیے ایک اُستاد رکھا۔ وہ استاد شہزادوں کو پڑھنا لکھنا، تلوار چلانا، تیر اندازی اور نیزہ بازی سکھاتے تھے۔ بڑا شہزادہ استاد کی نافرمانی کرتا تھا کچھ نہ سیکھتا تھا۔ اُستاد نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے جواب طلب کیا۔ "شہزدہ نے کہا" میں بادشاہ بنوں گا۔ اس لیے مجھے عیش و آرام سے رہنا چاہیے۔ ایک دن وہ گھنے جنگل میں گھومنے گیا۔ اچانک ایک ریچھ غراتا ہوا آیا اور شہزادے پر جھپٹا۔ شہزادہ وحید گھبرایا۔ ریچھ نے اسے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ کچھ دیر بعد سپاہی آئے اور ریچھ کو ختم کر دیا۔ بڑے شہزادے کو کافی زخم آئے تھے۔ اب شہزادہ وحید دل لگا کر ہنر سیکھنے لگا۔ ایک دن وہ شکار کو جا رہا تھا۔ جنگل میں اس نے ایک لنگڑی شیرنی دیکھی اس نے گولی مار دی۔ دوسرے دن شہزادہ جاوید شکار کو گیا اسے ایک شیرنی مری ہوئی دکھائی دی۔ اس کے چاروں طرف اس کا بچہ گھوم رہا تھا وہ بھوکا تھا۔ شہزادے نے شیرنی کے بچے کو اٹھا لیا اور محل میں

نے کر اُس کی پرورش کی۔ بادشاہ نے چھوٹے شہزادے کو بلایا اور کہا کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اِس لیے حکومت کا کاروبار سیکھنے کی کوشش کرو۔ میں تم کو ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ جب یہ خبر شہزادہ وحید کو معلوم ہوئی وہ ایک دن شہزادے کے کمرے میں گیا بڑے شہزادے نے شہزادہ جاوید کا نشانہ لیا یہ دیکھ کر شیر نے پنجرے کا دروازہ توڑ لیا اور بڑے شہزادے پر جھپٹا۔ شہزادہ بھاگ گیا۔ بادشاہ نے کہا تمھاری یہ حرکت! اُسے قتل کر دیا گیا۔ شیر کو بادشاہ اور شہزادہ جاوید نے پیار کیا۔ چھوٹے شہزادے کو ولی عہد بنا دیا گیا۔

تحریری مقابلہ

فکر تونسوی کی پہلی برسی کے موقع پر فکر میموریل سوسائٹی اردو زبان میں فکاہیہ مضامین کا ایک مقابلہ منعقد کر رہی ہے جس کے شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مقابلے میں صرف ۱۴ سے ۱۸ سال کے بچے حصہ لے سکتے ہیں۔

(۲) مضمون ایک ہزار الفاظ سے زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔

(۳) مضمون بہ ذیل عنوانات پر ہونا چاہیے۔

(۱) پیسا پیسا پیسا۔

(۲) میں ادیب بنا۔

(۳) ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے۔

اردو کے تین جانے پہچانے ادیب ان مضامین پر اپنا فیصلہ دیں گے۔ فیصلے کے مطابق اول، دوم اور سوم آنے والے مضامین کو انعام دیے جائیں گے۔ مضامین بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۵ر اگست ۸۸ء ہے۔ تقسیم انعامات کے لیے [illegible] کو دلی میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے گا۔ دلی کے باہر کے انعام یافتگان کو سفر خرچ دیا جائے گا۔

مزید تفصیلات کے لیے اس پتے پر لکھیں۔

سکریٹری۔ فکر میموریل سوسائٹی
ڈی۔۵۵۔ گل مہر پارک۔ نئی دلی ۴۹

پیامی ادبی معما نمبر 42

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۰ اگست ۱۹۸۹ء

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اسے ھی نمبر وار لکھیے

۱۔ آج اس کے ذہن میں ____ خیالات آرہے تھے۔ طرح طرح کے / عجیب عجیب

۲۔ شاید اسی لیے کہ ____ ایک ویسا ہی ہمارے گھر میں بھی ہے۔ ہو بہو / عین مین

۳۔ محمود شاہ نے اسے دیکھا اور حیرت سے اس کی آنکھیں ____ رہ گئیں۔ کھلی کی کھلی / پھٹی کی پھٹی

۴۔ یہ دیکھ کر آپ نے بڑی خوبصورتی اور ____ سے قصہ کو طے کیا۔ حکمت عملی / دانشمندی / ہوشیاری

۵۔ ہم اس کو لوگوں کے لیے ایک ____ بنائیں گے۔ نشانی / مثال

۶۔ اس ____ کو آپ کی وصیت پر مسجد بنا لیا گیا۔ جھونپڑی / مکان / عمارت

۷۔ آپ جیسے ____ اور کتے کو پیٹھ پر لادیں۔ بزرگ / نیک / پارسا / مہاتما

۸۔ ایک دن ایک شخص بہت ____ میں آیا۔ عجلت / جلدی / تیزی

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھ سوالوں کے جوابات صفحہ ۷۹ تا ۸۴ کی کہانیوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی ادبی معما: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معما کا کوپن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

PAYAMI ADBI MUAMMA NO. 42
"PAYAM-E-TALEEM" MONTHLY
JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معما نمبر 42 ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بچوں کے لیے

…ی اور دلچسپ کتابیں

- …رانے — ۴/۵۰
- …، دل — ۳/۰۰
- …ہانیاں — ۲/۵۰
- …کی رانی — ۲/۰۰
- …ہر شہزادی — ۳/۰۰
- …یر خیرا — ۳/۰۰
- …رانی — ۳/۰۰
- …ک سفر — ۳/۵۰
- …ا گاندھی — ۴/۵۰
- …کی چند تاریخی عمارتیں — ۴/۰۰
- …نہرو — ۲/۵۰
- …ی چار ٹانگیں — ۳/۰۰
- …نارو — ۴/۰۰
- …کھلا راز — ۳/۰۰
- …صبح — ۲/۰۰
- …ا کے افسر — ۵/۰۰
- …ی چوٹی پر — ۵/۰۰
- …ی کی بستی — ۳/۵۰
- …جوتے — ۳/۰۰
- …رو قصاصہ — ۴/۵۰
- …ت — ۲/۰۰
- …کے ۹۹ نکتے — ۱/۵۰
- …کی الف بے — ۳/۰۰
- …ی جی دکھنی افریقہ میں — ۲/۰۰
- …پہیلیاں — ۶/۰۰
- …داس کی بیوی — ۲/۵۰
- …رشتہ — ۴/۵۰
- …یرا — ۴/۵۰
- …لیفے — ۲/۵۰
- …لب علم کی کہانی — ۲/۰۰
- …کا دربار — ۴/۵۰
- …ے جانور — ۲/۵۰

- آؤ ڈراما کریں — ۲/۰۰
- اس نے کیا کر نہ جانا — ۱/۲۰
- خرگوش کی چال — ۲/۵۰
- بھوتوں کا جہاز — ۶/۰۰
- جوہر قابل — ۳/۰۰
- خرگوش کا سپنا — ۵/۰۰
- موم کا محل — ۴/۰۰
- محمد شفیع الدین نیر — ۷/۵۰
- سلمان بیبیاں — ۴/۰۰
- پیارے رسولؐ — ۴/۵۰
- چار یار — ۴/۵۰
- رسول پاک کے اخلاق — ۲/۰۰
- ہار کی تلاش — ۶/۰۰
- بچوں کی کہانیاں — ۱/۵۰
- بندر اور نائی — ۲/۵۰
- بی مینڈکی اور کوا — ۱/۵۰
- تاک دنا دن تا کے سے — ۱/۵۰
- پانچ لونے — ۱/۵۰
- ایک دیس ایک خون — ۲/۰۰
- جیت کس کی؟ — ۲/۵۰
- انعامی مقابلہ — ۳/۲۵
- جادو کا گھر — ۱/۵۰
- چیونٹی رانی — ۱/۵۰
- روٹی کس نے پکائی — ۱/۵۰
- لال مرغی — ۱/۵۰
- لومڑی کا گھر — ۱/۵۰
- مدورانا پردیس چلے — ۱/۵۰
- ہپو جیپو — ۱/۵۰
- بھیڑیے کے بچے — ۱/۵۰
- شیر خاں — ۱/۵۰
- لومڑی کے بچے — ۱/۵۰
- اردو خوشخطی اول — ۱/۵۰
- اردو خوشخطی دوم — ۲/۵۰
- اردو خوشخطی سوم — ۲/۵۰
- اردو خوشخطی چہارم — ۲/۵۰

- ریڈیو نیچر — ۲/۵۰
- سرکس — ۱/۵۰
- گاندھی بابا کی کہانی — ۴/۰۰
- ہمارے محاورے — ۸/۵۰
- کہاوت اور کہانیاں — ۶/۰۰
- ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ — ۶/۰۰
- چوری کی عادت — ۲/۰۰
- چمپاوت کا آدم خور شیر — ۱/۵۰
- چنبیلی — ۱/۲۰
- چٹانوں کی کہانی — ۲/۵۰
- بچوں کے اقبال (نظمیں) — ۴/۵
- دھنک (") — ۳/۰۰
- کھیل سنسار (") — ۴/۵۰
- شہزادہ اور ٹھگ — ۲/۰۰
- سندر چنار — ۱/۵۰
- کلابو چوہیا اور غبارے — ۱/۵۰
- کلابو چوہیا اور پری زاد — ۲/۰۰
- اچھی کہانیاں — ۲/۵۰
- میرانیس — ۲/۰۰
- دادا نہرو — ۴/۰۰
- جلوہ غالب — ۲/۰۰
- خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا — ۱/۵۰
- میاں ڈھینچوں کے بچے — ۱/۵۰
- ہرن کے بچے — ۱/۵۰
- بہادر — ۲/۵
- ایک کچوری تیل میں — ۱/۵۰
- تابیل خاں — ۱/۵۰
- تین اناڑی — ۳/۰۰
- پہیلیاں — ۰/۸۰
- جھوٹا لڑکا — ۱/۵۰
- جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ — ۲/۵۰
- چڑماں — ۳/۰۰
- ہمارا دین اوّل — ۷/۰۰
- تیار رہو — ۱/۵۰
- تاریخ ہند کی کہانیاں اوّل — ۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 August, 1988
PAYAM-I-TALEEM *Monthly*
Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No.10537/64

بچّوں سے باتیں

لیجیے ستمبر کا شمارہ حاضر ہے۔ اس شمارے میں آپ کو کئی ممتاز ادیبوں کی تحریریں پڑھنے کو ملیں گی۔ یہ ہیں جناب وجاہت علی سندیلوی، جناب محمد اکبر الدین صدیقی اور جناب مرزا حامد بیگ وغیرہم۔ ہم ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمیں آئندہ بھی ان حضرات کا قلمی تعاون حاصل رہے گا۔

جناب مسعود احمد برکاتی تو آپ کے جانے پہچانے ادیب ہیں۔ لیجیے اب ان سے ملاقات کیجیے۔ برکاتی صاحب "نونہال" کے اڈیٹر ہیں لیکن پیام تعلیم سے بھی انھیں دلی لگاؤ ہے۔

محترمہ رخسانہ سہام مرزا مدیرہ "اعلیٰ بچّوں کا رسالہ" کی عنایت سے ہم نے سلسلہ وار "منزل" شروع کیا ہے۔ ہمیں واقعی خوشی ہے کہ ہمارے پیامی اسے دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں۔ ہم اس کے لیے رخسانہ صاحبہ اور مصطفیٰ چاند کے شکر گزار ہیں۔

۳۰ ستمبر کو مکتبہ کا مالی سال ختم ہوتا ہے۔ اس لیے اکتوبر کا شمارہ بجائے ستمبر کے آخری ہفتے کے اکتوبر کے پہلے ہفتے میں پوسٹ ہو سکے گا۔ ایجنٹ حضرات اور پیامی بچّے نوٹ کر لیں۔

ستمبر ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۹

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: =/30

غیر ممالک سے: 85 روپے

بذریعہ ہوائی جہاز: 200 روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

جناب وجاہت علی سندیلوی ایڈوکیٹ

مکار بھیڑیا

ایک غریب لکڑہارا دن بھر جنگل میں سوکھی لکڑیاں کاٹتا اور شام کو شہر میں جاکر انھیں بیچتا۔ جو دام ملتے اُن سے اپنا اور اپنی بیوی اور دو بچّوں کا پیٹ پالتا۔

ایک روز لکڑہارا دن بھر کی محنت کے بعد لکڑیوں کا بوجھ سر پر اور کلھاڑی کاندھے پر رکھے شہر واپس جا رہا تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا اور دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ ایک دم سے راستے کی جھاڑیوں سے ایک بھیڑیا نکلا اور اُس کا راستا روک کر کھڑا ہوگیا۔ بیچارہ لکڑہارا بہت ڈر گیا۔ بھیڑیے نے اُسے للکارتے ہوئے کہا "اے لکڑہارے! تو ہمیں سلام کیوں نہیں کرتا؟"

لکڑہارے نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا "معاف کیجیے گا میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا۔ میں آپ کو اب سلام کرتا ہوں۔"

بھیڑیے نے غرور سے تن کر کہا "تجھے معلوم ہے کہ اس جنگل کے راجا ہم چُنے گئے ہیں اور جو ہمارا حکم نہیں مانتا ہے اُس کو بڑی سخت سزا دی جاتی ہے۔"

لکڑہارے نے ڈرتے ہوئے کہا "مجھے پہلے نہیں معلوم تھا لیکن اب معلوم ہوگیا ہے۔ راجا صاحب آپ مجھے جو بھی حکم دیں گے میں فوراً بجالاؤں گا۔"

بھیڑیے نے بناوٹی غصّے سے کہا "تو ہمارے جنگل کی لکڑیاں کیوں کاٹتا ہے؟"

"راجا صاحب! میں صرف سوکھی لکڑیاں کاٹتا ہوں۔ اس سے تو آپ کے

نصرت منزل، سندیلہ (یوپی)

پیڑ اور بڑھتے اور پھیلتے ہیں اور اُن میں نئی نئی شاخیں اور کونپلیں نکلتی ہیں۔" لکڑہارے نے جواب دیا۔

لکڑہارے کے نرم لہجے کا کوئی اثر بھیڑیے پر نہیں ہوا اور اُس نے خفا ہوکر کہا "لیکن تم لکڑیاں کاٹ کر اِس راستے سے نکلتے کیوں ہو؟ تم نہیں جانتے کہ ہم اِدھر کی جھاڑیوں میں آرام کرتے ہیں۔"

"میں تو اِس راستے سے بس آج نکلا ہوں کیونکہ مجھے آج کچھ دیر ہوگئی ہے۔ ورنہ میرا راستا تو دوسرا ہے۔ مجھے آپ کے آرام کرنے کے وقت کا پتا نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو میں آج بھی ادھر سے نہ نکلتا۔" لکڑہارے نے جواب دیا۔

"تم نے اپنی باتوں سے ہمارا بڑا وقت خراب کر دیا۔ ہمیں شکار پر جانے کی دیر ہوگئی ہے۔ ہم بھوکے ہیں۔ ہمارے لیے فوراً کسی شکار کا انتظام کرو ورنہ ہمیں مجبوراً تم ہی کو کھانا پڑے گا۔" بھیڑیے نے غرّاتے ہوئے کہا۔

لکڑہارا بھیڑیے کی مکاری سمجھ گیا کہ یہ کسی نہ کسی بہانے میری جان لینا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنے دل میں تو اپنے بچاؤ کا منصوبہ بنا لیا لیکن بڑی عاجزی سے کہا۔ "آپ مجھے اجازت دیں تو میں جنگل سے آپ کے شکار کے لیے کوئی ہرن یا بکری ہنکا لاؤں۔"

بھیڑیے نے مسکراتے ہوئے کہا "تم ہم کو دھوکا دے کر ہماری نظروں سے دُور ہو جانا چاہتے ہو۔ تم جنگل جاکر کوئی شکار ہمارے لیے ہنکا کر لاؤ گے تو اُس میں بہت دیر ہو جائے گی۔ پھر تم تھکے ہوئے بھی تو بہت ہو۔ بہتر یہی ہے کہ ہم تم ہی کو کھا جائیں۔" بھیڑیا خطرناک طور سے لکڑہارے کی طرف اور بڑھ آیا۔

لکڑہارے نے کہا "آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میری لکڑیوں اور کلھاڑی سمیت آپ کو مجھے کھانے میں تکلیف ہوگی۔ آپ اجازت دیں تو میں اِنھیں اتار کر زمین پر رکھ دوں۔"

"ہاں! ہاں! ہم اِس کی اجازت دیتے ہیں۔ تمھارا خیال اچھا ہے۔ بلکہ اگر تم اپنے کپڑے بھی اتار دو تو اور بہتر ہے۔ یہ میرے دانتوں اور جبڑوں میں ریشوں کی طرح اُلجھ جاتے ہیں۔" بھیڑیے نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

لکڑہارے نے بڑی پھرتی سے لکڑی کا گٹھر بھیڑیے کے سر پر دے مارا اور

جب وہ اُس اچانک حملے کی چوٹ سے بوکھلا کر گر پڑا تو اُس پر اپنی کلہاڑی سے وار کر دیا۔ بھیڑیا تڑپ کر بھاگ نکلا لیکن کلہاڑی کی دھار سے اُس کی آدھی دُم کٹ کر وہیں رہ گئی۔

لکڑہارے نے اپنی لکڑیاں اور کلہاڑی اُٹھائی، اور اپنی جان بچ جانے پر بہت خوش شہر چلا گیا۔

بھیڑیا اپنے دُم کٹنے کی تکلیف سے بدحواس ہو کر بھاگا تو بھاگتا ہی چلا گیا۔ وہ بہت ڈر گیا تھا۔ اُس کے بھاگنے سے زمین پر پڑی سوکھی پتّیوں سے جو کھڑکھڑاہٹ ہوتی اُس سے وہ سمجھتا کہ لکڑہارا اپنی کلہاڑی لیے اب بھی اُس کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ اور زیادہ تیزی سے بھاگنے کی کوشش کرتا۔

بھاگتے بھاگتے بھیڑیا جب بالکل ہی نڈھال ہو گیا تو اُسے ایک جھونپڑا دکھائی دیا جھونپڑے کے آگے ایک لڑکی بیٹھی کھانا پکا رہی تھی۔ اُس کے ماں باپ تھوڑے فاصلے پر بیٹھے چرخا کات رہے تھے۔ بھیڑیے نے جا کر ہانپتے ہوئے لڑکی سے کہا "بیٹی میرا ایک دشمن میرا پیچھا کر رہا ہے۔ مجھے کہیں چھپا لو ورنہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میری آدھی دُم وہ کاٹ بھی چکا ہے۔" لڑکی کو ترس آگیا۔ اُس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بھی رضامندی ظاہر کی۔ لڑکی نے بھیڑیے سے کہا۔" یہاں جھونپڑے میں تو بھیڑیے چچا! چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ میرے قریب یہ بورا پڑا ہے۔ آپ کو تکلیف نہ ہو تو اُس میں گھس جائیے۔ اِس کے اندر رہتے ہوئے آپ کو کوئی دیکھ نہیں پائے گا۔"

بھیڑیا بورے میں چُپ چاپ جلدی سے گھس گیا اور لڑکی نے بورے کا منہ ڈوری سے بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب بھیڑیے کے دَم میں دَم آیا تو اُسے نئی مکاری سوجھنے لگی۔ اب رات ہو چکی تھی اور ہر طرف سناٹا بھی چھا گیا تھا۔ بھیڑیے نے لڑکی سے کہا۔ "بیٹی مجھے بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ بورے کا منہ کھول دو تاکہ میں باہر نکل آؤں۔"

لڑکی نے بورے کا منہ کھول دیا اور بھیڑیا اُس کے باہر نکل آیا۔ لیکن

اُس نے نکلتے ہی لڑکی کو ڈانٹنا شروع کر دیا" تم بڑی شریر لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ تم نے مجھے بھوسی کے بورے میں بند کر دیا تھا۔ میرے سارے بدن میں بھوسی لگ گئی ہے کچھ آنکھوں میں چلی گئی ہے اور کچھ حلق میں۔ دیکھو میرے آنسو بھی نکل رہے ہیں اور کھانسی بھی آ رہی ہے۔"

لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا" ارے بھیڑیے چچا! جب تم بھاگ کر آئے تھے تب تو چھپنے کے لیے بہت بے چین تھے۔ میرے پاس یہی بورا پڑا تھا میں نے اسی میں تمھیں چھپا لیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اِس بورے میں پہلے بھوسی بھری تھی۔"

بھیڑیا لڑکی کے ہنسنے پر اور زیادہ خفا ہو گیا اور اُس نے غصّے سے کہا۔ " تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا تھا۔ تجھے شرارت کی سزا ملنی چاہیے۔ تیری اِس سازش میں تیرے ماں باپ بھی شریک معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے اِس وقت بڑی بھوک لگی ہے۔ تو بہت چھوٹی ہے تجھ سے تو میرا پیٹ بھرے گا نہیں۔ اب تو ہی بتا کہ میں تیری موٹی ماں کو کھاؤں یا تیرے لمبے باپ کو۔"

یہ کہہ کر بھیڑیا اپنے ہونٹوں پر اپنی زبان پھیرنے لگا۔ لڑکی ڈر گئی اور رونے لگی۔

لڑکی کے باپ نے آگے بڑھ کر کہا" دیکھو بھیڑیے بھائی! میری لڑکی نے تمھاری جان بچائی ہے۔ تم کم سے کم یہی کرو کہ اِس سے اور ہم لوگوں سے کچھ نہ بولو اور یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ!"

" میری جان کسی نے نہیں بچائی ہے۔ میرا پیچھا کون کر سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے؟ تم نے کسی کو میرے پیچھے آتے دیکھا؟ میرا تو تھوڑی دیر آرام کرنے کا جی چاہا تھا اور میں تمھارے یہاں چلا آیا تھا۔ تمھاری شریر لڑکی نے مجھے بورے میں گھس جانے کو کہا تھا۔ بورے میں بھوسی شاید تمھاری اِس موٹی عورت نے بھری تھی۔ میں اِس کا مزا اِسے ضرور چکھاؤں گا!" بھیڑیے نے چناؤ (؟) غصے سے کہا۔

لڑکی کی ماں نے بلبلاتے ہوئے کہا" اے دُم کٹے بھیڑیے تو مجھے موٹی کہتا

کہتا ہے۔ موٹی ہو گی تیری ماں، تیری نانی! جس نے تیری دُم کاٹی تو اس کا تو کچھ بنا پایا نہیں اور ہم لوگوں کو جنھوں نے تجھے پناہ دی تو کھا جانے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

بھیڑیا غصّے سے بیتاب ہو کر چیخا "بدزبان عورت چپ رہ! تو نے زبان کھول کر میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان کر دیا ہے کہ میں پہلے تیری ہی چربی دار بوٹیاں کھاؤں۔"

بھیڑیا آنکھیں پھاڑ اور منہ کھول کر غرّایا اور پینترا بدل کر لڑکی کی ماں کی طرف بڑھا۔ عورت بڑے زور سے چیخی اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن اُسی وقت ایک گدھا جھونپڑے کے سامنے آگیا اور وہ اُس سے ٹکرا کر بیٹھ گئی۔ گدھے نے چپکے سے عورت کے کان میں کہا "دیکھو میں ابھی سب ٹھیک کیے دیتا ہوں۔"

بھیڑیا عورت پر جھپٹنے والا ہی تھا کہ گدھا بیچ میں آگیا اور اُس نے بھیڑیے سے کہا "بھیڑیے ماموں آداب!"

بھیڑیے نے اُسے جھڑکتے ہوئے کہا "گدھے کے بچّے میں تیرا ماموں کیوں ہونے لگا؟ جا اپنا کام کر۔"

گدھے نے کہا "آپ کی شکل میرے ماموں سے ملتی ہے اسی لیے میں نے آپ کو ماموں کہا۔ میں تو آپ سے یہ کہنے کو آیا ہوں کہ جھونپڑے کے یہ تینوں لوگ بڑے شریر ہیں۔ یہ آپ کی بات کاٹتے ہیں۔ انھوں نے آپ کی بڑی بے عزّتی کی ہے آپ انھیں اس کی ضرور سزا دیجیے!"

بھیڑیا خوش ہو کر بولا۔ "تم بڑے سمجھدار بھانجے معلوم ہوتے ہو۔ مجھے اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ میں اب اس موٹی عورت کو کھانے میں دیر نہیں کرنا چاہتا!"

"ماموں آپ کا خیال بالکل درست ہے آپ اس عورت کو ضرور اور فوراً کھائیے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کٹی ہوئی دم پر زخم ہے جس سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ اس عورت کے پاس ایک ایسا مرہم ہے جس سے نہ صرف تکلیف دور ہو جاتی ہے بلکہ زخم بھی جلدی اچھا ہو جاتا ہے۔ آپ اس عورت کو

کھانے سے پہلے اسے حکم دیجیے کہ وہ آپ کے لیے مرہم لے آئے" گدھے نے کہا۔
بھیڑیے نے عورت سے کہا "جا فوراً مرہم لا" اور پھر خفا ہو کر چیخا "تیرے پاس ایسا مرہم تھا لیکن تو نے مجھے بتایا بھی نہیں؟ دیکھ میں تجھے ابھی کیسا نوچ نوچ کر کھاؤں گا۔"

گدھے نے بھیڑیے سے بہت ادب سے کہا "ماموں! آپ تکلیف کر کے بس پل بھر کے لیے بورے میں چلے جایئے صرف اپنی دم کو ذرا باہر رکھیے تاکہ میں اپنے سامنے بہت قاعدے سے اس پر مرہم لگوا دوں گا۔" پھر لڑکی سے مخاطب ہوا "اے شریر لڑکی جلدی سے بورے کا منہ کھول!"

لڑکی نے بورے کا منہ کھول دیا۔ اور بھیڑیا اس میں چلا گیا، صرف اپنی دم اس کے منہ سے باہر رکھی۔ گدھے کے اشارے پر لڑکی کے ماں باپ دوڑ پڑے اور انھوں نے بورے کا منہ رسی سے کس کر باندھ دیا۔ بھیڑیا بورے کے اندر بالکل ہی بے بس ہو گیا۔ سب سے پہلے گدھے نے بڑھ کر اس کے کئی دولتیاں ماریں۔ اور پھر لڑکی، اس کی ماں، اور اس کا باپ لکڑی ڈنڈے لے کر اس کو مارنے پر جٹ پڑے اور بہت مارا۔ بھیڑیے نے بورا پھاڑ کر نکلنے کے بہت سے جتن کیے لیکن وہ ایسا پھنسا ہوا تھا کہ کچھ بھی نہ کر سکا اور مجبوراً مار کھاتا رہا۔ ایک دفعہ اس نے چیخ کر کہا۔ "ہائے میرا بھانجا کہاں ہے؟" گدھے نے بڑے زور سے کئی دولتیاں مارتے ہوئے کہا "بھانجا آپ کا علاج کروا رہا ہے۔"

کافی دیر کے بعد بھیڑیا اپنے دانتوں اور پنجوں سے بورا پھاڑنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اتنی مار کھانے کے بعد وہ بالکل ہی نڈھال اور بے دم ہو چکا تھا۔ وہ کراہتا اور لنگڑاتا بھاگا اور کافی دور تک نکل جانے کے بعد بھی اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے کیونکہ گدھے کی ڈھینچوں ڈھینچوں کی آواز اب بھی اس کے کانوں میں آ رہی تھی ——— یہ دُم کٹا بھیڑیا پھر اس جنگل میں کبھی دکھائی نہیں دیا۔

جناب محمد اکبرالدین صدیقی

میں پانی بیچنا نہیں چاہتا

ہندستان ١٩٤٧ء میں انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔ اس وقت ملک میں چھے سو پچاس (٦٥٠) دیسی ریاستیں تھیں جہاں کے حاکم بادشاہ، مہاراجا، رئیس راجا، سلطان کہلاتے تھے۔ سب سے بڑی ریاست حیدرآباد کی تھی جہاں کے بادشاہ آصف جاہ کہلاتے تھے۔ آزادی کے وقت اعلاحضرت میر عثمان علی خاں ساتویں آصف جاہ تھے۔ ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے امیروں اور دولت مندوں میں پہلا مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے یہ دولت کیسے جمع کی اس کا جواب شاہد احمد دہلوی اڈیٹر ساقی نے اپنی کتاب "گنجینۂ گوہر" میں محمد عنایت اللہ فرزند منشی ذکاءاللہ دہلوی پر مضمون لکھتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

"اعلاحضرت نے اس زمانے میں یہ تخفگی بھی کر رکھی تھی کہ جس کسی کے ہاں سے تحفہ آتا اس کو کئی حصوں میں بانٹ کر عہدہ داروں کو بھیج دیتے اور عہدہ داروں کا فرض ہو جاتا کہ اگلے دن "دیوڑھی مبارک" پر حاضر ہوں اور باریاب ہو کر سرفرازی کی نذر گزاریں۔ جتنے تحفے حضور کے پاس آتے سب کا یہی حشر ہوتا۔ کسی جنگ دولہ نے اپنے باغ کے آم سرکار کو بھیج دیے تھے۔ اور سرکار نے پانچ پانچ دانوں کا توڑہ بنا کر اُمرا اور عہداروں میں تقسیم کر دیا تاکہ یہ سب اُمرا اور عہدہ دار ایک اشرفی اور چار روپے نذرانہ لے کر حاضر ہوں)

اس طرح کی جمع کی ہوئی رقم کروڑوں تک پہنچی اور اس طرح اعلاحضرت

[illegible] حیدرآباد

کا نام دنیا کے امیروں کی فہرست میں پہلی سطر میں تھا۔

حیدرآباد، ملک کی سب سے بڑی ترقی یافتہ ریاست تھی اور اس کی ترقی کا سب سے بڑا سبب اعلاحضرت کی ذات تھی۔ حضور نے اپنی ذات پر کبھی پیسا خرچ نہیں کیا۔ معمولی کپڑوں اور سادہ غذا پر زندگی گزاری۔ لہو ولعب سے احتراز کیا۔ تعلیم کو عام کرنے کے لیے اگر کسی نے ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے تو اس کو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے دیے۔

گرودیو رابندرناتھ ٹیگور کی یونی ورسٹی شانتی نکیتن، بنارس ہندو یونی ورسٹی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے لیے اعلاحضرت نے لاکھوں روپے دیے۔ حیدرآباد میں عثمانیہ یونی ورسٹی قائم کی اور اس کا ذریعہ تعلیم اردو رکھا۔ اور اتنی شاندار عمارت تعمیر کی کہ سارے ہندستان میں اس کا جواب نہیں۔ اعلاحضرت کے دورِ حکومت میں بڑے بڑے تالاب بنے۔ عثمان ساگر، حمایت ساگر، علی ساگر، نظام ساگر آج بھی آب پاشی اور آب رسانی کے کام آ رہے ہیں۔ ان کے دور میں جو بڑی بڑی عمارتیں بنیں ان میں عثمانیہ دواخانہ، ہائی کورٹ، سٹی کالج، کتب خانہ آصفیہ (سنٹرل لائبریری) دائرۃ المعارف، جوبلی ہال۔ عزاخانہ مشہور ہیں۔

شمالی ہند، عرب اور ترکستان میں سیکڑوں حضرات ایسے تھے جنھیں حضور نظام کی طرف سے وظیفے مقرر تھے۔ جو شعرا، ادیب اور اہل علم حیدرآباد آتے انھیں بھی نوازا جاتا۔

اعلاحضرت کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ شہر حیدرآباد میں جب پانی کے نل لگائے گئے تو محکمہ آبرسانی کی طرف سے عرض داشت پیش کی گئی۔ جن گھروں میں نل دیے گئے ہیں ان سے ایک آنہ ماہانہ بطور اجرت وصول کرنے کی منظوری دی جائے۔ عرض داشت پڑھنے کے بعد حضور نظام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ انھوں نے بڑے زور سے فائل دور پھینک دی اور کہا کہ میں اپنی رعایا سے پانی کی قیمت لینا نہیں چاہتا، میں پانی بیچنے والا بننا نہیں چاہتا۔

حضور نے اپنی زندگی ہی میں ۲۲، ۲۵ ٹرسٹ قائم کیے۔ ایک ٹرسٹ اپنے کلام کی اشاعت کے لیے، ایک اردو لائبریری کے لیے ایک اہل خاندان کے لیے

ایک خیرات کے لیے، بیواؤں کو وظائف دینے کے لیے، اُمور مذہبی کے لیے اس طرح اور بہت سے ٹرسٹ ہیں۔ انھیں انتقال کیے عرصہ ہوا مگر اُن کی دولت سے آج بھی لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کے پوتے نواب معظم جاہ ان ٹرسٹوں کے نگراں ہیں اور اُنھوں نے ان کی آمدنی سے کئی تعلیمی اور صنعتی ادارے قائم کردیے ہیں۔ تحفوں کے جواب میں نذرانوں کے طور پر آنے والی دولت حضور نظام کی شخصی دولت تھی جو آج عوام کو فیض پہنچا رہی ہے

اُمید — تحفے

مرسلہ: ساجدہ نورین

امید ترک کردینا گناہ ہے کیونکہ اُمید بذاتِ خود ایک بہت بڑی خوشی ہے بہت بڑا تحفہ ہے۔ امید سورج کی طرح ہے کہ جس طرف ہم چلیں تو ہمارے رنج والم سائے کی طرح پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس سے ہماری خوشیاں دُگنی اور غم آدھے رہ جاتے ہیں۔ مایوسی تو ایک جرم ہے، کیونکہ مایوس رہ کر تم دوسروں کو بھی مایوس کرتے ہو۔ ہم فانی انسان کے پاس سب سے بڑا سرمایہ اُمید ہی تو ہے۔

عقل مند شاگرد

مرسلہ: عرفان احمد

حضرت جنید بغدادیؒ پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کے بہت مُرید اور شاگرد تھے۔ ایک شاگرد ایسا تھا جس کے ساتھ وہ بہت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ دوسرے شاگردوں کو یہ بات پسند نہ تھی۔ انھوں نے ایک روز شکایت کی کہ آخر وہ بھی ہماری طرح فنا کردہ ہے۔ آپ اُن سے اتنا اچھا سلوک کیوں کرتے ہیں؟

جنید بغدادیؒ نے جواب دیا "یہ شاگرد عقل اور ادب میں تم سب سے بڑھا ہوا ہے۔ تمھاری تسلی کے لیے کسی روز اس کا امتحان بھی ہوجائے گا" چند دن بعد جنید بغدادیؒ نے اپنے تمام شاگردوں کو ایک ایک مُرغی اور چھری دی اور فرمایا "ان مرغیوں کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔"

سب شاگرد اپنی اپنی مرغیاں ذبح کرکے لے آئے مگر وہ شاگرد زندہ مرغی لے آیا حضرت جنید بغدادیؒ کے پوچھنے پر اس نے عرض کی، "مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی مجھے دیکھنے والا نہ ہو میں نے ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو موجود پایا۔" یہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے شاگردوں سے فرمایا:

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ جتنی عقل میرے اس شاگرد میں ہے اتنی تم میں نہیں۔ اس لیے میں اسے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔"

مرزا حامد بیگ
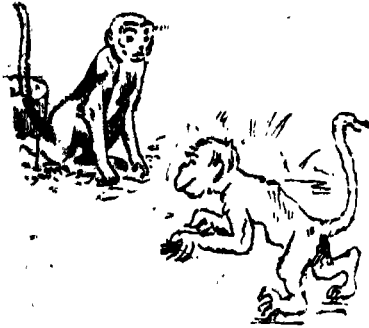
ایمنا اور میمنا

بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک بستی میں عجیب واقعہ ہوا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بندریا سر منڈھا کر بیٹھ گئی۔ اُس کے بھورے بال اس کے سامنے ننھی سی ٹوکری میں رکھے تھے، اور وہ ہر راہگیر کو عجیب نظروں سے دیکھتی تھی۔
لوگ اپنے بچوں کو ساتھ لیے رنگ برنگے کپڑے اور موتی چور کے لڈو خرید رہے تھے۔ اُس سے کسی نے بھی نہ پوچھا کہ وہ یوں سر منڈائے کیوں بیٹھی ہے۔

بہت دیر بعد گنے سے لدی ایک بیل گاڑی دُور سے آتی نظر آئی، لوگ راستہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور آتے آتے دونوں بیل اُس بندریا کے سامنے رُک گئے۔ گاڑی بان نے انھیں بہت ہانکا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، پھر گاڑی بان نیچے اُترا اور سر جھکا کر بندریا کے پاس بیٹھ گیا۔ بندریا نے اُسے دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ گاڑی بان نے نہایت دھیمے لہجے میں اس سے پوچھا:

"کیوں بی بندریا! یوں سر منڈائے بازار کے بیچوں بیچ کیوں بیٹھی ہو؟"

اس نے جواب دیا: "تھوڑے سے گنے دو تو بتاؤں گی۔"

گاڑی بان نے ایک گٹھا گنے اُس کے سامنے ڈال دیا اور بغیر پوچھے چلا گیا۔
بیلوں کی گھنٹیوں کی آواز آہستہ آہستہ دُور ہوتی گئی اور پھر بیل گاڑی کی دھول میں ایک بوڑھا سا آدمی آتا دکھائی دیا۔ وہ نزدیک آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ گھی کا کپّا اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے آتے ہی بندیلے پوچھا:

گورڈن کالج۔ راولپنڈی۔ پاکستان

"کیوں بی بندریا! یوں سر منڈائے بازار میں کیسے بیٹھی ہو؟"
اُس نے جواب دیا: "گھی کا ٹین ڈال جاؤ تو بتاؤں گی۔"
اور وہ بھی گھی کا ٹین رکھ کر چلا گیا۔
پھر چاولوں والا آیا۔ اُس نے ٹھیلے پر چاولوں کی بوریاں اُوپر تلے جما رکھی تھیں اور ٹھیلے کو ڈھکیلتا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اُس نے قریب آکر ماتھے کا پسینا پونچھا اور وہی سوال کیا:
"کیوں بی بندریا! یوں سر منڈائے کیوں بیٹھی ہو؟"
بندریا نے بے پروائی سے کہا: "چاولوں کی ایک بوری ڈال جاؤ تو بتاؤں گی۔" اور وہ بھی چاولوں کی بوری ڈال کر چلا گیا۔
پھر سب نے دیکھا کہ ایک گڑ والا آیا اور سوال جواب کے بعد ڈھیر سارا گڑ ڈال کر چلا گیا۔

شام کو بندریا نے اپنے بالوں کو پیار سے چوما اور اُٹھ کر انھیں ہوا میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا۔ پھر تمام چیزیں سمیٹ کر ایک سنسان جگہ کا رُخ کیا۔ وہاں اُس نے ایک چھوٹا سا مکان بنایا، گڑ سے دیواریں بنائیں اور گنّوں سے ان پر چھت ڈال دی، پھر گھی سے لیپا پوتی کر کے چاولوں سے گل کاریاں کیں۔
جب گھر تیار ہو گیا تو بیٹھ کر دو بچے دیے۔ بڑے کا نام رکھا ایمنا اور چھوٹے کا میمنا۔

وہ سارا دن روٹی کی تلاش میں گھر سے باہر رہتی اور جب بچّوں کو دودھ پلانے آتی تو باہر سے یوں صدا لگاتی:
"بچّہ ایمنا، بچّہ میمنا! دروازہ کھولو ___ دودھ پی لو۔"
دونوں بچّے کھیل چھوڑ کر دروازہ کھول دیتے۔
ایک روز کا ذکر ہے ایک بڑا سا بھیڑیا اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ جب بندریا بچّوں کو دودھ پلا کر چلی گئی تو وہ آیا اور اپنی بھدّی سی آواز میں پکارا:
"بچّہ ایمنا، بچّہ میمنا! دروازہ کھولو ___ دودھ پی لو۔"
چھوٹا بچّہ میمنا دوڑا کہ ماں آگئی ہے۔ ایمنا نے کہا دروازہ نہ کھولنا، یہ

آواز ماں کی نہیں۔ لیکن چھوٹا بہت ضدی اور جلد باز تھا۔ اُس نے بڑے بھائی کا کہا نہ مانا اور ضد کرکے دروازہ کھول دیا۔

بس پھر کیا تھا، بھیڑیا اندر آیا اور دونوں کو چٹ کر گیا۔ تھوڑی دیر بعد بندریا آئی تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ جب اُس نے آواز لگائی تو بھیڑیا جھٹ دروازہ کھول کر بھاگا۔ بندریا روتی روتی اُس کے پیچھے ہولی، لیکن وہ ہوا ہوگیا۔

بچاری بندریا کوکتی کوئل کے ساتھ مل کر روئی، اس نے ننھے توتوں سے پوچھا لیکن آج تک اُسے اپنا اور میمنا نہ ملے۔

دیکھا بڑے بھائی کا کہنا نہ ماننے کا انجام

بکھرے موتی

پھول اور کانٹے

مرسلہ: شعیب ربانی شاہین

لوگ بادشاہوں اور امیروں کے قصیدے اور مرثیے لکھتے ہیں۔ نامور اور مشہور لوگوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں۔ میں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں۔ اس خیال سے کہ شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دولت مندوں، امیروں اور بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لیے سبق آموز ہو سکتی ہے۔ اور انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں۔ (بابائے اردو مولوی عبدالحق)

وقت

مرسلہ: گوہر امین

ہم اکثر اوقات وقت کی پروا نہیں کرتے اور بے پروائی سے اسے کھو بیٹھتے ہیں کبھی مختصر سے لمحے کی یہ بے پروائی زندگی کا ایک طویل المیہ بن کر رہ جاتی ہے۔ زندگی بھر پچھتاتے رہتے ہیں، لیکن مختصر لمحے کے اس گھاؤ کو ماہ و سال کے طویل عرصے بھی نہیں بھر سکتے۔

نیکی

(مرسلہ) قرۃ العین

محبت سب سے کرو، اعتبار صرف چند ہستیوں کا اور بدی کسی کے ساتھ نہ کرو۔

— شیکسپیئر

...یس فاروقی
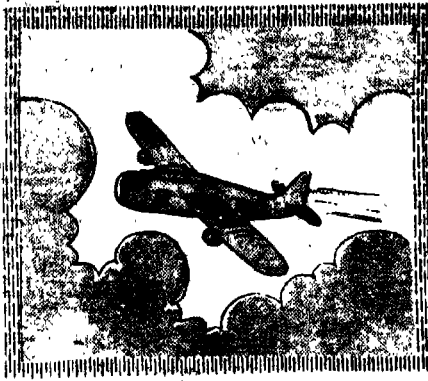
۲۴ جون ۱۹۸۷ء

صبح کے نو بج چکے ہیں۔ لاس اینجلس کے ایک چھوٹے سے ایئرپورٹ پر ہر طرف مانوس سی ہلکی ہلکی دھند پھیلی ہوئی ہے۔ ایئرپورٹ کے ایک کونے میں سیسنا۔ ۲۱۰ ایک چھوٹا سا جہاز کھڑا ہے۔ ایئرپورٹ کے اطراف میں لگی ہوئی ریلنگ کے ساتھ مقامی باشندے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لوگ بار بار بے چینی سے کبھی اپنے کلائیوں پر بندھی گھڑیوں اور کبھی ایئرپورٹ کے ایک کونے میں بنے ہوئے کیبن کی جانب دیکھتے ہیں اور پھر چپس کھاتے یا چیونگم چباتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مدھم مدھم گفتگو میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

یکایک بھیڑ میں ایک شور بلند ہوا اور سب لوگ تیزی کے ساتھ کھڑے ہو کر کیبن کی جانب دیکھنے لگے جہاں سے سرخ و سپید رنگت اور بھورے بالوں والا ایک گداز بچہ پائلٹ کا لباس پہنے اپنے انسٹرکٹر کے ساتھ نکل رہا تھا۔ ہجوم نے بچے کو دیکھ کر زوردار انداز میں تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ بچہ لوگوں کے استقبالیہ نعروں اور تالیوں کا ہاتھ ہلا کر جواب دیتے ہوئے جہاز میں جا کر بیٹھ گیا۔ لوگ خاموش ہو گئے اور تجسس بھری نظروں کے ساتھ ایئرپورٹ کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے چھوٹے سے جہاز کو دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹا سا جہاز گھڑگھڑا کر رن وے پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ اور یوں دنیا کی فضائی تاریخ میں ایک نئے ریکارڈ کا اضافہ ہوا۔

جہاز اڑانے والے اس بچے کا نام جان لیون مل ہے۔ اس کی عمر گیارہ برس ہے۔ اس اعتبار سے یہ دنیا کا کم عمر ترین پائلٹ ہے۔ کم عمری کے علاوہ جان کا ایک اور

کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اس جہاز کے ذریعے لاس اینجلس سے واشنگٹن ڈی سی تک ڈھائی ہزار میل کا سفر خود جہاز اُڑا کر طے کیا۔ جان سے پہلے چونکہ اتنے کم عمر بچے نے جہاز اُڑا کر اتنا طویل فاصلہ طے نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ جس شہر سے گزرا اس کا زبردست استقبال کیا گیا۔

جان کو جہاز اُڑانے کا شوق اُس وقت ہوا جب اُس نے اتفاقی طور پر نو برس کی عمر میں ۲۰ منٹ کی پہلی تعارفی فلائٹ لی۔ اس وقت بیس منٹ فضا میں رہنے کے بعد جب وہ دوبارہ زمین پر آیا تو اُس نے اپنے والد سے کہا کہ وہ باقاعدہ جہاز اُڑانا سیکھنا چاہتا ہے۔ جان کے شوق کو دیکھتے ہوئے اُس کے والد نے اُسے مقامی فلائنگ کلب کا ممبر بنوا دیا۔ یوں جان نے نو برس کی عمر سے جہاز اُڑانے کی تربیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ اپنے شوق کے باعث جان جلد ہی اُس منزل پر پہنچ گیا کہ وہ طویل سفر پر روانہ ہو سکے۔

گرچہ جان نے سات دنوں پر مشتمل ڈھائی ہزار میل کا یہ فضائی سفر خود جہاز اُڑا کر طے کیا لیکن اس سفر میں اُس کے ساتھ اُس کا انسٹرکٹر بھی مسلسل موجود رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کی سول ایوی ایشن اتھارٹی نے کسی حادثے کے امکان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جان کو تنہا جہاز اُڑانے کی اجازت نہیں دی۔

امریکہ میں تنہا جہاز اُڑانے کے لیے سولہ سال کی عمر ضروری ہے۔

سات دن کے اس طویل سفر کے دوران جان سارا دن جہاز اُڑانے کے بعد شام ڈھلے کسی ایئرپورٹ پر اُتر جاتا اور پھر رات گزار کر صبح پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا۔ سفر کے دوران گرچہ کئی بار موسم سخت خراب ہوا لیکن جان کا جہاز ہر بار کسی مصیبت کا شکار ہونے سے محفوظ رہا۔

سفر کے اختتام پر جب جان کا جہاز واشنگٹن کے نیشنل ایئرپورٹ پر اُترا تو وہاں موجود سیکڑوں افراد نے جان کا زبردست استقبال کیا۔

واشنگٹن میں جان نے اپنی پسندیدہ ترین شخصیت امریکہ کے صدر رونالڈ ریگن سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے جان نے صدر سے اپنی ملاقات کو شاندار قرار دیا۔

جان کو صحافیوں سے شکایت ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا ہے، صحافی حضرات سائے کی طرح وہیں پہنچ جاتے ہیں اور بقول جان اُس سے اتنے مشکل مشکل سوالات کرتے ہیں کہ وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

جان کو مچھلیوں کے شکار کا بہت شوق ہے، مگر اب جہاز اڑانے کی تربیت میں اس کا اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ اُسے مچھلیوں کے شکار کے لیے وقت نہیں ملتا۔ جان کو اس کا افسوس ہے۔

جان اب جہاز اُڑانے میں اتنا ماہر ہو گیا ہے کہ جہاز اُڑانے کو وہ کار چلانے کی طرح آسان قرار دیتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ جلد جہاز پر پوری دنیا کا سفر کرے۔ جان مستقبل میں خلاباز بن کر چاند پر جانا چاہتا ہے، جان کے شوق، محنت اور عزم کو دیکھتے ہوئے آپ کو ہمارا مشورہ ہے کہ جان کے نام کو یاد رکھیں۔ ممکن ہے دس بارہ سال بعد آپ سنیں کہ جان یون ہل نام کا ایک خلا باز چاند یا مریخ پر جانے والی شٹل کے چار خلابازوں میں شامل ہے ●●●

اچھّی بات

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ ہمارا ہم پر کتنا مہربان ہے جس نے ہمیں بولنے کو زبان دی تاکہ ہم اپنے مطلب کا اظہار کریں اور اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکیں۔ سو ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا شکر بجا لائیں اور زبان سے وہی بات کریں جو صاف اور سیدھی ہو۔ اس طرح اللہ ہمارے کام سنوارے گا اور ہمارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ اس نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم لوگوں سے اچھی بات کہیں جس میں اپنا اور لوگوں کا بھلا ہو۔ ہمارے حضورؐ نے فرمایا: "جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ نیک بات کہے یا چپ رہے۔" کتنی پیاری بات ارشاد فرمائی ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ ہم بات کریں تو اچھی کریں ورنہ خاموش رہیں۔ بُری اور بے ہُودہ بات کریں گے تو لڑائی جھگڑا ہوگا، آپس کے تعلقات خراب ہوں گے اور ہمارے درمیان دشمنی و عداوت بڑھے گی۔ ہمارے رَب نے اپنی پاکیزہ کتاب میں یوں فرمایا کہ نیک بات کہنی اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس سے کسی کا دِل دُکھے۔ گویا آپ مہربانی، نرمی اور دِل جُوئی سے بات کریں گے تو اس کا ثواب صدقہ کے برابر ہوگا۔ نبیِ اکرمؐ کا فرمان بھی یہ ہے کہ اچھی بات ایک صدقہ ہے۔

اچھی بات وہ ہے جو نرم اور ملائم ہو، اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، مناسب آواز کے ساتھ اچھے لہجے میں کی جائے اور سوچ کر کی جائے۔ بے موقع اور چیخ کر بات کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔ ہمارے اللہ نے ہمیں کہا ہے کہ اپنی آواز پست رکھو کہ سب آوازوں میں بُری آواز گدھوں کی ہے اور پھر سوچ کر بولو، اس لیے کہ انسان جو بات بھی مُنھ سے نکالتا ہے اس پر اللہ کا فرشتہ گواہ رہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ آدمی جو لفظ بھی بولتا ہے لیکن ایک نگراں اس پر حاضر ہوتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ بات نرمی سے ہو اور بُری بات کو بھی اچھے طریقے سے ادا کیا جائے۔ ہمارے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ہارون علیہ السّلام کو جب اپنا نبی بنایا تو انھیں حکم دیا کہ دونوں فرعون بادشاہ کے

دربار میں جائیں اس لیے کہ وہ سرکش ہوگیا ہے، مگر اس سے نرمی سے بات کریں،
ممکن ہے کہ اس طرح وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔

مسلم اور مومن کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ لغو اور بری باتوں سے پرہیز کرتا ہے،
یعنی ایسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا جو فضول ہو اور جس سے کوئی فائدہ حاصل
نہ ہوتا ہو۔ گویا وہ بات اتنی ہی کرتا ہے جتنی ضرورت ہو۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جو
لوگ فضول اور گندی باتیں کرتے ہیں وہ اُمّت کے بدترین افراد ہیں۔ یہ زبان جس
سے ہم باتیں کرتے ہیں اس سے اللہ کی رضا مندی بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی
ناراضی بھی ہاتھ آتی ہے۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ جو زبان پر قابو رکھے گا وہ جنّت
میں جائے گا۔

اچھی بات کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ صاف اور واضح ہو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم
جب کوئی بات کہتے تھے تو تین بار اس کو دُہراتے تھے تاکہ سُننے والا بات کو پُوری
طرح سمجھ لے۔ ایک دفعہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی تیزی
کے ساتھ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث بیان کر رہے تھے، اس پر حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرمؐ ایسی تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے، بلکہ اس
طرح ٹھیر ٹھیر کر باتیں کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ہم جب بھی کوئی بات کریں تو ہماری کوشش یہ ہو کہ وہ مختصر الفاظ میں ہو،
تاکہ سُننے والا پریشان نہ ہو۔ ایک بار ایک شخص نے بڑی لمبی گفتگو کی۔ حضرت عمرو
بن العاصؓ نے سُنا تو فرمایا کہ اگر وہ میانہ رَوی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مجھے حُکم دیا ہے کہ میں لمبی بات نہ کروں، کیوں کہ
مختصر اور چھوٹی سی بات کرنا بہتر ہے۔ لمبی لمبی اور چبا چبا کر باتیں کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ
وسلّم نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ایسے آدمی کو اللہ ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کو اس
طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر گھاس کھاتا ہے۔ آپؐ نے
فرمایا، "جو آدمی بنا بنا کر اس لیے باتیں کرتا ہے کہ لوگ اس پر فریفتہ ہو جائیں یعنی اُسے
پسند کرنے لگیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہیں کرے گا"۔

شمع راہ

قاضی کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ مسلمانوں کے خلیفہ خود مدعی تھے۔ ملزم ایک عیسائی تھا اور وہ مقدمہ ایک زرہ کی چوری کا تھا۔ زرہ کے معنی ڈھال کے ہیں جسے سپاہی تلوار سے بچاؤ کے لیے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ نے قاضی سے کہا: "سامنے یہ شخص جو زرہ لیے کھڑا ہے، یہ میری ہے۔ میں نے اسے فروخت نہیں کیا۔ اسے رہن نہیں رکھا۔ پھر میری چیز اس کے پاس کیسے پہنچی؟"

عیسائی بولا: "یہ میرے پاس اس طرح پہنچی کہ یہ میری ہے۔ تم اس کے مالک ہوتے تو یہ تمہارے پاس ہوتی۔"

قاضی نے حضرت علیؓ سے کہا: "اس زرہ کی ملکیت کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا: "کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے سوا کہ خدا شاہد ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

قاضی نے جواب میں کہا: "پھر میں یہ مقدمہ خارج کرتا ہوں۔"

حضرت علیؓ مسکراتے ہوئے قاضی کی عدالت سے باہر نکل آئے۔ وہ مسلمانوں کے خلیفہ اور اپنے وقت کے حاکم تھے۔ سب لوگ ان کو سچا جانتے تھے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ نے عدالت میں نہ تو اپنی خلافت کا رعب جمایا اور نہ یہ کہا کہ میرا دعویٰ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

ادھر عیسائی کو یقین تھا کہ قاضی وہی فیصلہ کرے گا جو حضرت علیؓ چاہیں گے لیکن حضرت علیؓ کو خاموشی سے سر جھکائے واپس جاتے دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا: "اے خلیفۃ المسلمین، ذرا ٹھہر جائیے۔ واقعی آپ سچے ہیں اور آپ کا دین سچا ہے، کیونکہ آپ کسی خوف اور مصلحت کے بغیر انصاف کرتے ہیں اور ہر آدمی کو برابر کی حیثیت دیتے ہیں۔ یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ مجھے راستے میں گری ہوئی ملی تھی، اس لیے اٹھا لی۔ اے خلیفۃ المسلمین! میں آپ کے دین کی صداقت پر ایمان لاتا ہوں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ لیجیے اپنی زرہ۔"

حضرت علیؓ نے اس شخص کو آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیا اور کہا: "تم میرے بھائی ہو گئے ہو تو پھر یہ زرہ بھی تمہاری ہے۔ مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں سے کچھ لیتے نہیں بلکہ دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب! پلیز بتائیں بے بی بچ جائے گی نا؟
محترمہ! یہ جاننے کے لیے آپ کو علیحدہ سے فیس دینی ہوگی۔
سنا ہے آپ کے وکیل دوست دریا میں ڈوب گئے!؟
ہاں بیگم! ان وکیلوں کو ہر چیز کی گہرائی میں جانے کا بہت شوق ہوتا ہے!!

سائنسی مشغلے

ڈاکٹر سہیل برکاتی

کیا خالی نظر آنے والی بوتل حقیقت میں خالی ہوتی ہے

ایک شیشے کی بوتل لو اور اس کا ڈھکن کھول کر الگ رکھ دو۔ ایک بڑے برتن میں پانی بھر کر خالی بوتل کا منھ پانی میں ڈبو دو۔ یہ خیال رہے کہ بوتل بالکل سیدھی رہے۔ اب غور سے دیکھو۔ پانی بوتل میں داخل ہونے کے بعد ایک خاص اونچائی تک جا کر رُک جائے گا۔ اب بوتل کو پانی میں اور زیادہ گہرائی تک لے جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ بوتل کے اندر پانی مزید نہیں چڑھا۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟
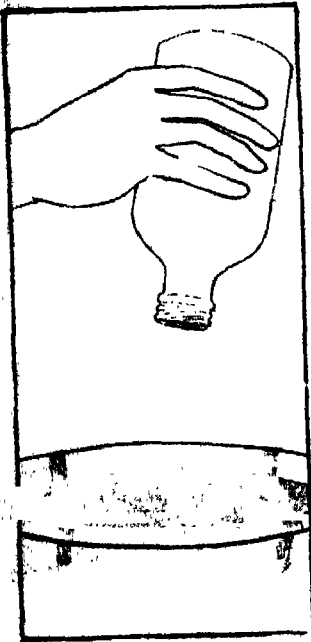
ضرور کوئی ایسی چیز موجود ہے جو پانی کو اندر داخل ہونے سے روک رہی ہے۔ یہ چیز دراصل "ہوا" ہے۔ اب ایک کام اور کرو۔ بوتل کو ایک طرف ذرا سا جھکاؤ۔ تم دیکھو گے کہ بوتل کے منھ سے بُلبلے نکلنے شروع ہوں گے جو پانی کی سطح پر پہنچ کر آواز کے ساتھ پھٹنے لگیں گے۔ یہ بُلبلے ہوا کے ہوتے ہیں۔ بوتل کو ایک طرف جھکانے کی وجہ سے وہ ہوا جو بند ہو گئی تھی موقع پا کر باہر نکلی اور اس کے نکلنے سے جو خلا پیدا ہوا اُس کو پُر کرنے کے لیے پانی بوتل میں چڑھنے لگا۔

کیا کاربن ڈائی اوکسائڈ آگ بجھانے میں مدد کرتی ہے؟

ایک تجربے کے ذریعہ سے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ

معلوم کریں کہ ہم کاربن ڈائی اوکسائڈ کس طرح تیار کر سکتے ہیں۔ دو گلاس یا پیالے لو، ایک میں تھوڑا سا سرکہ اور دوسرے میں کھانے کا سوڈا ڈال دو۔ ان میں سے ہر ایک
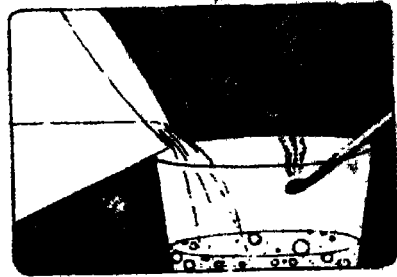
میں آدھی پیالی پانی ڈال دو۔ ایک جلتی ہوئی دیا سلائی ان برتنوں کے پاس لاؤ۔ تم دیکھو گے کہ دیا سلائی جلتی رہے گی۔ اب سرکے والے محلول کو سوڈے والے محلول میں ملا دو۔ تم دیکھو گے کہ جیسے ہی دونوں محلول ملتے ہیں، بے شمار بُلبلے اوپر اُٹھیں گے۔ یہ بُلبلے ہی دراصل کاربن ڈائی اوکسائڈ گیس ہے جو سوڈے کے سرکے کے ساتھ ملنے سے پیدا ہوئی ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ گیس آگ کو بجھاتی ہے یا نہیں۔ ایک جلتی ہوئی دیا سلائی سرکے اور سوڈے کے محلول پر لاؤ۔ دیا سلائی فوراً بجھ جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاربن ڈائی اوکسائڈ آگ بجھا دیتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کاربن ڈائی اوکسائڈ ہوا سے بھاری ہونے کی وجہ سے آگ کے شعلے کے چاروں طرف ایک دیوار سی بنا لیتی ہے جس کی وجہ سے اوکسی جن کو شعلے تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے اور چوں کہ اوکسی جن جلنے کے عمل کے لیے ضروری ہوتی ہے، اس لیے آگ بجھ جاتی ہے۔

آؤ دیکھیں ہمارے پھیپڑوں میں کتنی طاقت ہے

جو تجربہ ہم بیان کر رہے ہیں اس سے نہ صرف یہ کہ تمہارے پھیپڑوں کی طاقت کا اندازہ ہوگا بلکہ تمہارے نظامِ تنفس یعنی سانس لینے کے نظام کی ورزش بھی ہو
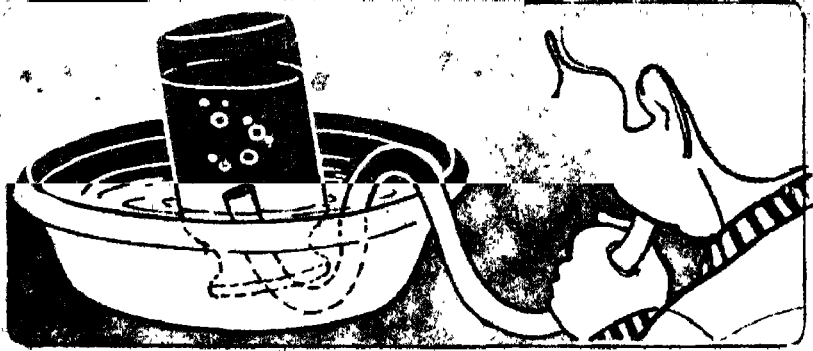
جائے گی۔

ایک بڑا اور گہرا پیالہ لو، اس میں تقریباً سات سینٹی میٹر کی اونچائی تک پانی بھر لو۔
ایک بڑے منھ کی بوتل لے کر اسے منھ تک پانی سے بھر لو اور ڈھکن اچھی طرح بند کر دو۔ اب بوتل کو اُلٹا کرو اور پیالے کے پانی میں ڈبو کر منھ پر سے ڈھکن ہٹا لو۔ بوتل میں جس مقام تک پانی کی سطح ہے وہاں ایک نشان لگا دو۔ پھر بوتل کو ایک طرف ذرا سا جُھکا دو۔ ایک ربر کی ٹیوب لے کر اس کا ایک سرا پانی میں اُلٹی ہوئی بوتل کے منھ میں ڈال دو اور دوسرا سرا پیالے کے باہر رکھو۔

اب اپنے پھیپھڑوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جتنی زیادہ سانس اپنے اندر کھینچ سکتے ہو کھینچو اور پھر ٹیوب کے باہر والے سرے کو منھ میں لے کر زور سے ہوا پھونکو۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھو کہ بوتل میں سے کتنا پانی نکل کر پیالے میں جاتا ہے اور اُس کی جگہ ہوا لیتی ہے۔ اب دوبارہ پانی کی سطح پر نشان لگاؤ۔ بوتل پر لگے ہوئے دونوں نشانوں کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ تمھارے پھیپھڑوں کی طاقت بتائے گا۔ اس بات کا خیال رہے کہ ٹیوب میں ہوا پھونکتے وقت نہ تو تمھاری سانس ٹوٹے اور نہ سانس اندر لو۔ چند دن کی مشق کے بعد تم دیکھو گے کہ دو نشانات کے درمیان فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ورزش سے تمھارے نظامِ تنفس کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

انگلیوں کے نشانات مجرموں کو پکڑنے میں کیسے مدد دیتے ہیں؟

تمہاری اُنگلیوں کی کھال کے اوپری حصّے پر بہت سی لکیریں ہوتی ہیں۔ ان لکیروں کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ چیزیں ہاتھ سے پھسل کر گرنے سے بچ جاتی ہیں۔ چوں کہ انگلیوں پر موجود لکیریں ہر انسان میں مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعہ سے مجرموں کو پکڑنے میں مدد لی جاتی ہے۔
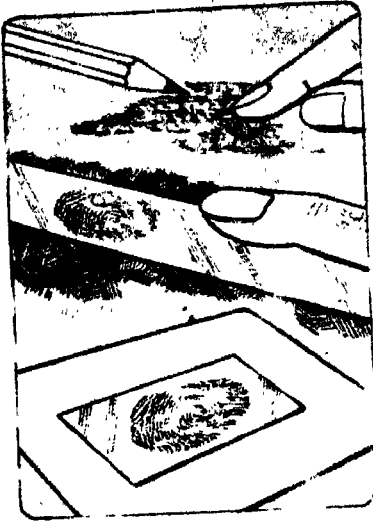
ایک سادہ کاغذ لو اور ٹو۔ بی یا تھری بی کی نرم پنسل لے کر کاغذ پر خوب گھسو۔ یہاں تک کہ کاغذ گہرے کالے رنگ کا ہو جائے۔ اب اپنی کسی ایک اُنگلی کو اس کالے کاغذ پر اچھی طرح گھسو تاکہ انگلی بھی کالے رنگ کی ہو جائے۔ ایک پانچ یا چھے انچ لمبا پلاسٹک کا ٹیپ لے کر اپنی انگلی کو ٹیپ کے چپکنے والی سطح پر اچھی طرح دباؤ۔ جب تم اپنی انگلی اُٹھاؤ گے تو ٹیپ پر انگلی کے نشانات رہ جائیں گے۔ اس ٹیپ کو سادہ کاغذ پر چپکا دو۔ اس طرح تمہاری انگلی کے نشانات محفوظ ہو جائیں گے۔ اس طرح اپنے خاندان کے دوسرے افراد اور دوستوں کی اُنگلیوں کے نشانات بھی محفوظ کر سکتے ہو۔ ہر کاغذ پر اس فرد کا نام ٹیپ کے ساتھ لکھنا نہ بھولنا جس کے وہ نشانات ہیں۔

ایک عدسے کے ذریعے جب ان نشانات کو غور سے دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یعنی کوئی سے بھی دو نشان ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ یہی وجہ ہے کہ پولس ان نشانات کی مدد سے چوری ڈکیتی کے واقعات میں مجرموں کا پتا چلا لیتی ہے۔ چوری کی جگہ سے انگلیوں کے نشانات کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور پھر تھانے کے ریکارڈ میں محفوظ مجرموں کے نشانات سے ان کو ملا کر دیکھا جاتا ہے۔

(قسط نمبر۲)
منزل
نسلی امتیازات پر لکھا جانے والا سلسلہ وار ناول
مصطفیٰ چاند

کپتان رائٹ ہارڈ کے اطراف کھڑے تمام لوگ دنگ رہ گئے۔ یہ انکشاف ایسا تھا جس نے سب کے چہروں پر پھیلی پریشانی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ لوگوں میں عجیب سی بے چینی پھیل گئی۔ بیٹھے ہوئے لوگ پہلو بدلنے لگے۔ جن کے ہاتھوں میں سلگتے ہوئے سگریٹ تھے انھوں نے اپنے سگریٹ بھاری قدموں تلے روند ڈالے۔ کچھ کے ماتھوں پر سمندر کی طرح ابھری ہوئی لہریں نمودار ہو گئیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...؟" کپتان رائٹ ہارڈ نے طویل توقف کے بعد کہا۔

"سر!" جان گیبر مزید چند قدم آگے آ کر کہنے لگا۔ "جیمبر نے خود یہ بات کہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہی وہ شخص تھا جو اتنے لوگوں کی پریشانی اور کچھ کی موت کا سبب بنا۔"

"جیمبر اس وقت کہاں ہے؟" رائٹ ہارڈ نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ نیچے تیسرے کمرے میں ڈاکٹر جیوا کے پاس ہے۔ اس کے زخموں پر پٹی باندھ دی گئی ہے اور اس وقت کمزوری کے باعث اُسے گلوکوز دیا جا رہا ہے۔"

"کیا وہ اب تک بے ہوش ہے؟" رائٹ ہارڈ نے دائیں جیب سے رومال نکال کر ماتھے کے پسینے کو جذب کیا۔

"یس سر! وہ چند لمحوں کے لیے ہوش میں آیا تھا پھر زخموں کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔ ڈاکٹر جیوا کا کہنا ہے کہ وہ جتنی دیر سوتا رہے اُس کے لیے بہتر ہے۔" جان گیبر نے وفادار ملازموں کی طرح انتہائی شائستگی سے تمام گفتگو کی۔

"ٹھیک ہے جان! تم جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔" کپتان رائٹ ہارڈ یہ کہہ کر تیزی سے ہجوم کو چیرتا دائیں جانب اتر گیا۔

❀

صبح کا ناشتا میس میں تقریباً دس بجے تیار ہوا لیکن سوائے چند چھوٹے بچوں کے کوئی بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہ بھر سکا۔

دوپہر کے کھانے میں بھی خلاف توقع دیر ہوئی۔ تین بجے لوگ میس کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ میزوں کے گرد کرسیوں کے حلقے ڈالے آج زیادہ تر لوگ خاموش بیٹھے تھے۔ کہیں اگر گفتگو ہو بھی رہی تھی تو اس کا موضوع رات کے دردانگیز واقعات تھے جنھوں نے جہاز کے

تقریباً تمام مسافروں کو ذہنی طور پر بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

ہربرٹ اسپنسر، فیری کالف اور فیر ایک ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے جب کہ کیتھو اور گرنیگ علیحدہ بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے رکھے بھاپ اڑاتے کھانے اب بالکل سرد ہو چکے تھے مگر دونوں میں سے کسی کو بھی ایک لقمہ کھانے کی طلب نہیں تھی۔ اُن کے چہرے بوڑھے ہیرولڈ کی موت اور دیگر واقعات کے دُکھوں سے بے حد اداس ہو چکے تھے۔

" کیتھو بیٹا! لو نا کھانا۔" ممی فیری کالف نے چند لقمے زبردستی کھانے کے بعد کیتھو اور گرنیگ کی میز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" نہیں ممی! مجھے بھوک نہیں ہے ...." کیتھو کے لہجے میں عجیب سا دُکھ بول رہا تھا۔ ممی نے انھی نظروں سے گرنیگ کو مخاطب کیا۔

" ممی میں نے کچھ دیر پہلے ہی تو ناشتا کیا تھا اب قطعی گنجایش نہیں ہے۔" حالانکہ کیتھو بھی یہ بات خوب جانتا تھا کہ گرنیگ نے ممی سے جھوٹ بولا ہے کیونکہ ناشتے کے وقت وہ دونوں عرشے پر تنہا کھڑے رہے تھے۔

میس میں بیٹھے دیگر لوگوں نے بھی بہ مشکل چند لقمے لیے اور اٹھ کر بوجھل بوجھل قدموں سے ریلنگ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

" بیٹا! جلدی آجانا ہم جا رہے ہیں۔" ڈیڈی ہربرٹ اسپنسر نے میز چھوڑتے ہوئے کہا اور تینوں چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

میس رفتہ رفتہ خالی ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ دونوں اکیلے رہ گئے۔

" کیتھو!" گرنیگ نے بہت دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ " کیا ہم لوگ بہت حقیر ہیں؟"

" کیا مطلب ... کیا مطلب؟" کیتھو اُس کے اچانک سوال سے گھبرا گیا۔

" رنگ و نسل کے یہ امتیازات اب تک نہ معلوم کتنے لوگوں کو موت کی گہرائیوں میں دھکیل چکے ہیں۔ لوگ ان دکھوں سے کیسے لڑتے ہوں گے کیتھو؟" گرنیگ کی آواز بھرا رہی تھی۔

" نہیں گرنیگ ... اندھیرے بہت تاریک ضرور ہوتے ہیں مگر ابدی نہیں۔ انھی اندھیروں میں ایک صبح نمودار ہوتی ہے۔ جس میں سب ایک سے اجلے دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں بھی اُس وقت تک

ان دکھوں سے لڑنا ہوگا جب تک یہ تاریکیاں چھٹ نہیں جاتیں۔ اندھیرے، اندھیروں میں دفن نہیں ہوجاتے"، کیتھو نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"لیکن ہمیں کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟" گرنیگ نے قدرے بے تابی سے کہا۔

"سچ اور حقیقت چھپائے نہیں چھپتی۔ ایک اچھے دن کے انتظار میں تو ہم بہت کچھ قربان کرسکتے ہیں۔ تن، من، دھن۔"

"بہ شرطیکہ ہمیں یقین ہو کہ انتظار رائے گاں نہیں جائے گا"، گرنیگ نے لقمہ دیا۔

"ہاں! درست کہا تم نے"، کیتھو نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "ہمیں بھی آخری لمحے تک جاگنا ہوگا"، پھر اُن کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ وہ دونوں چند لمحوں تک بُت بنے بیٹھے رہے کہ اچانک گگ ڈوڈنگ اُن کی طرف بڑھا۔

"معزز مہمانو! آپ کو زحمت ہوگی۔ ہمیں میس کی صفائی کرنا ہے۔"

"اوہ سوری! ہمیں خیال نہیں رہا تھا"، گرنیگ نے چونک کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ چاہیں تو آدھے گھنٹے کے بعد تشریف لاسکتے ہیں"، ڈوڈنگ نے دوبارہ مدھم لہجے میں گفتگو کی۔

"نہیں ... نہیں، ہم اب جانا ہی چاہتے تھے ..."، کیتھو بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے اور ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کیبن کی طرف مڑ گئے۔

❀

چیمبر، پال اور الفریڈ تیزی سے رو بہ صحت تھے۔ اس دوران "کنٹرول روم" میں تین دوسرے افراد کو متعین کیا گیا تھا۔ اُن کا شمار بھی جہازی عملے میں ہوتا تھا لیکن ان تینوں کا یہ پہلا طویل سفر تھا۔ اُن میں ایک تیس سالہ چن شی یانگ تھا جس کا تعلق چین سے تھا جب کہ دوسرے دونوں نوجوان پچیس سال کے لگ بھگ تھے اور افریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

اس وقت وہ تینوں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے بتا رہے تھے کہ وہ آج کے سفر سے بے حد خوش ہیں۔ درحقیقت انھیں آج پہلی بار عملی طور پر سفر کرنے کا موقع ملا تھا۔

کپتان رائٹ اِرڈ کے حکم پر جہاز کی رفتار خاص حد تک بڑھا دی گئی تھی۔ شاید وہ گزشتہ

دنوں کے واقعات کے بعد پھر سے صورتِ حال کو معمول پر لانا چاہتا تھا۔ دو دن مسلسل سُست رفتاری کے سفر کے بعد آج جہاز کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی۔

"اوڈبرنگ" کا اگلا حصہ لہروں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی سمت بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"چن شی یانگ! کبھی تمہیں زندگی اور موت کے درمیان جینے کا اتفاق ہوا؟" شیپرڈ نے بہت دیر کی خاموشی کو توڑا۔

"نہیں۔۔۔" اس نے مختصر سا جواب دیا پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا: "دراصل مجھے آج تک جینے کے لطف کا اندازہ ہوا ہے اور اب واقعی مجھے اپنی جان بہت پیاری لگنے لگی ہے۔"

"گویا اب تم موت سے ڈرنے لگے ہو۔" شیپرڈ نے طویل قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! شاید۔" چن نے بڑی سچائی سے اعتراف کیا۔

"کتنی عجیب بات ہے چن!" شیپرڈ نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا۔ "تمہاری نظر میں زندگی جتنی اہم ہو گئی ہے میری نظر میں اب وہ اتنی ہی غیر اہم ہو چکی ہے۔ ذرا سوچو تو موت کا لطف کیا ہوگا؟ کیا تم نے کبھی نہیں سوچا کہ مرنے کے بعد ہم کتنا اہم اور خوش گوار سفر کریں گے اُن آسمانوں کی طرف، جن کے نیچے ہم جہازوں پر سفر کرتے ہیں۔ اُن روحوں کی طرف جو ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔"

"تم نہ جانے کیسی باتیں کرتے ہو؟" چن نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ "میں تو کچھ بھی نہ جان سکا!"

"زندگی کو چاہنے والے ان باتوں کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ میں اتنی بار موت کے ہاتھوں میں رہا ہوں کہ مجھے اب موت بھی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ شاید تم یقین نہ کرو، گزشتہ سال اسی مہینے میں ہمارا جہاز امریکہ کے ساحل پورا گوئے کے قریب خراب ہو گیا۔ جہاز کو ٹھیک کرنے کا کام تیزی سے جاری تھا اور اس سے کہیں تیزی کے ساتھ خوراک ختم ہو رہی تھی پھر موت کے سائے جہاز پر اترنے لگے حتیٰ کہ آخری مکینک جو اپنے کام کے اختتامی مراحل میں تھا، بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑا۔ جہاز میں چند لاشیں پڑی تھیں کیونکہ جب تک زندگی تھی، لاشوں کو سمندر برد کیا جاتا رہا تھا لیکن جب موت طاری ہوئی تو لاشیں جہاز کے عرشے پر سڑنے لگیں۔ پورا گوئے کے دیوتا مست گِدھ جو زندہ انسانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں، ساری لاشیں چٹ کر گئے۔ پورے جہاز میں صرف ایک

زندگی تھی جو اب تک موت سے جنگ کر رہی تھی اور وہ میری زندگی تھی۔ سخت چھوٹوں اور مضبوط پنجوں والے گدھ میرے انتظار میں جہاز کی چمنی اور مرشتے پر یوں بیٹھے تھے جیسے انہیں کہیں اور جانا ہی نہیں ہے۔

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟" جون شی یانگ جو مبہوت بیٹھا تھا بے اختیار چلا اٹھا۔

"پھر یوں ہوا کہ۔۔۔" اس کا جملہ مکمل نہ ہوا کہ دائیں جانب لگا مائیک چیخنے لگا۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو جنٹل مین! پلیز کم ہیئر۔۔۔"

"او کے سر۔۔۔" شیپرڈ نے جواب میں کہا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا "برج" کی طرف دوڑا۔

جس وقت وہ واپس آیا جون اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ "پھر کیا ہوا شیپرڈ؟"

"اس کے بعد کا تمام منظر تم خود تصویروں کے ذریعے دیکھو جو ایک ہیلی کاپٹر کی مدد سے بنائی گئی تھیں۔" یہ کہہ کر شیپرڈ اٹھا اور دائیں طرف کی الماری طرف بڑھا پھر اسے خیال آیا کہ چابی تو وہ "ریڈر روم" میں ہی بھول آیا ہے۔ وہ تیزی سے "ریڈر روم" کی طرف لپکا۔ چابی اٹھا کر وہ نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک بدبو کا ایک تیز بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ اس کا سر گھوم کر رہ گیا: ایسی بدبو تو صرف۔۔۔، وہ کچھ سوچتے سوچتے رُک گیا۔

وہ تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ اوپر کے بیڈ پر کوئی آدمی سویا ہوا تھا۔ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔

شیپرڈ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے بیڈ پر قدم رکھا اور اوپر والے بیڈ پر پہنچ گیا اسی وقت اوپر لیٹا ہوا آدمی پتھر کی طرح اس کے کاندھوں پر گرا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ شیپرڈ چونک اٹھا اسے اپنی ٹانگ سہلانے کا بھی خیال نہیں رہا۔

پہلی بار اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے چادر ہٹا کر دیکھا۔ وہ گورڈف کی لاش تھی اور وہ اپنے لگ کے چہرے کو بہ آسانی شناخت کر سکتا تھا۔ اس کے سینے کے بائیں جانب گہرے زخم کا نشان تھا اور تمام کپڑے خون سے لتھڑ کر اکڑ چکے تھے۔

"او گورڈف۔" شیپرڈ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں امڈنے لگے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ "کنٹرول روم" میں کھڑا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟ بتاؤ نا!" مجّو نے بچوں کے سے انداز میں ضد کی۔

"پھر موت جیت گئی ..." اس نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے تم تو میرے سامنے موجود ہو بالکل زندہ"

"ہاں! لیکن ہمارے پاس ہی ہمارا عزیز دوست گورڈ ف ...!"

"کیا ہوا اسے! کہاں ہے وہ ...؟" ڈینزان تیزی سے اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

شیپرڈ کچھ نہ کہہ سکا۔ انھیں کچھ نہ بتا سکا لیکن اس کی آنکھوں سے ابلنے والے آنسو بن کہے بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

✱

"بوائلر روم" سے نکلنے والی انسانی ہڈیوں کا سراغ اگلے ہی دن مل گیا تھا۔ وہ ایک کیبن کا نابینا آدمی تھا جو رات میں کسی ضرورت کے تحت تنہا باہر نکلا تھا اور پھر راستہ بھٹک کر بوائلر روم کی ناقابلِ برداشت گرمی میں اتر گیا تھا۔ جہاں آگ نے اس کے جسم کو چند ہی لمحوں میں راکھ کے ڈھیر میں بدل دیا تھا۔ اس کی منزل لندن تھی جہاں وہ ایک قتل کے پرانے مقدمے میں اپنے بیٹے کا فیصلہ سننے جا رہا تھا۔ لیکن قدرت نے اس کی زندگی کا فیصلہ اس کے بیٹے سے بھی پہلے کر دیا تھا۔

جہاز کے مسافروں کو اس حقیقت کے معلوم ہونے کے بعد بوڑھے کی موت کا بے حد دکھ تھا لیکن کچھ کا خیال تھا کہ یہ اچھا ہی ہوا اور بوڑھا بیٹے کی موت کا صدمہ سہنے سے بچ گیا۔

✱

رات کا شاید دوسرا پہر تھا۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ بس پانی کے شور سے زندگی کا احساس ملتا تھا ورنہ ہر سمت خاموشی کا راج تھا۔ چاند کی زرد چاندنی سمندر کی لرزتی لہروں پر پڑ کر یوں چمک رہی تھی جیسے سیال سونے کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔

تمام کیبن میں یا تو اندھیرا تھا یا پھر مدھم روشنیاں جاگ رہی تھیں پھر کہیں کہیں سے خراٹوں کی اس قدر زور کی آوازیں آتیں کہ لگتا جیسے برسات میں جوہڑ کے کنارے بہت سے مینڈک ٹرا رہے ہوں۔

اپنے کیبن میں لیٹا فیسر اچانک اٹھ بیٹھا۔ اُس کی ممی فیری کالف کے سانس میں گرہ پڑ گئی تھی۔ وہ کھانستے ہوئے اٹھیں۔ اچانک درد کی ایک لہر اُن کی پسلیوں میں کوندی۔ وہ نڈھال سی ہو گئیں۔ آن کی آن میں کیتھو، گرینگ، ہربرٹ اسپنسر اور سامنے بیٹھی امریکی خاتون جاگ گئیں۔ فیری کالف کی حالت بگڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ درد کی ایک ایک ٹیس پر فیری کالف کی چیخیں امڈ رہی تھیں۔

"ڈیڈی! آپ جلدی سے ڈاکٹر کو بلائیے" کیتھو نے بے چینی سے کہا۔

"فیسر جلدی سے پانی لاؤ۔۔۔" گرینگ نے ممی فیری کالف کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں سہارا دیتے ہوئے کہا۔

چند ہی لمحوں میں پورا کیبن جاگ اٹھا۔ فیری کالف درد کی شدت سے بے ہوش ہو چکی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہربرٹ اسپنسر اپنے ہمراہ ڈاکٹر کو لیے اندر داخل ہوئے۔

"پلیز! آپ لوگ ذرا۔۔۔"

"جی جی! بالکل۔۔۔!" اگلے ہی لمحے کیبن میں ڈاکٹر، فیری کالف اور ہربرٹ اسپنسر تنہا تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکٹر چند دوائیں دے کر جا چکا تھا۔

اچانک امریکی خاتون اینڈریا نے انکشاف کیا۔ "یہ ڈاکٹر تو نہیں تھا۔۔۔!"

"کیا مطلب۔۔۔؟" سب ایک ساتھ چیخے۔

"ہاں! ڈاکٹر جیو اس کو میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ تو کوئی اور شخص تھا" اینڈریا وسن نے قدرے پریشانی سے کہا اور تیزی سے اندر لیٹی فیری کالف کی طرف بڑھی اور پھر اینڈریا کو خود یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی ہو۔ فیری کالف سو چکی تھی، ایک لمبی نیند جس کے بعد کوئی نہیں جاگتا۔

♥

فیری کالف کی موت کا ذمے دار کون تھا؟

فیسر، کیتھو، گرینگ اور اُس کے ڈیڈی پر کیا گزری؟

یہ سب جاننے کے لیے آئندہ شمارے کا انتظار کیجیے۔

ملاقات:- احمد ولی اللہ ارباب

اس دنیا میں ترقی اور ذاتی فائدوں کے لیے کام کرنا ایک عام رواج بن گیا ہے بہت کم لوگ ہوں گے جو اپنے بجائے دوسروں کے لیے کام کرتے ہوں اور اس سے بھی کم لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی قوم کے بچوں کے لیے کچھ کرنے کا عزم و حوصلہ رکھتے ہوں، ایسے ہی گنے چنے لوگوں میں ایک جناب مسعود احمد برکاتی بھی ہیں، برکاتی صاحب ہمدرد فاؤنڈیشن (کراچی) کے تحت حکیم محمد سعید صاحب کے ساتھ مل کر بچوں کا پسندیدہ رسالہ نکالتے ہیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے "بزم ہمدرد نونہال" کے ذریعے ہر سال کئی پروگرام ترتیب دیتے ہیں۔ جس میں ہزاروں بچے شریک ہوکر اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے ہٹ کر تحریری و تقریری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ کے پیام تعلیم کا مطالعہ بڑی پابندی سے کرتے ہیں یا وہ اکثر مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔

آج ہم آپ کی ملاقات پیامی بچوں کے جانے پہچانے ادیب و استاد اور عالمی شہرت یافتہ ادیب و شاعر محترم مسعود احمد برکاتی سے کرا رہے ہیں۔ قوم کے وہ بچے جو آج ادیب شاعر اور صحافی وغیرہ کی حیثیت سے وطن کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت میں

مسعود احمد برکاتی صاحب کی شخصیت نے منفرد اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ ادب سے آپکا آبائی رشتہ ہے۔ آپ کے والد محترم علامہ محمد احمد (مرحوم) بہت بڑے عالم و ادیب تھے۔ برکاتی صاحب نے ابتدائی تعلیم کے علاوہ عربی فارسی کی تمام تعلیم دارالعلوم خلیلیہ ٹونک میں حاصل کی جو کہ آپ کے دادا اور ممتاز عالم حکیم علامہ برکات احمد کا قائم کردہ تھا۔ دورانِ تعلیم بھی اُردو سے خاص لگاؤ رہا۔ ادبی ماحول کی وجہ سے کھیل کود سے بالکل دُور رہے۔ مسعود احمد برکاتی کے اخلاق و شفقت دیکھ کر بے اختیار ان کے استاد حافظ محمد شریف اور سید محمد مظفر کو دعائیں دینے کو جی چاہتا ہے۔ جن کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے آج ہمیں برکاتی صاحب جیسی شخصیت ملی۔

مسعود احمد برکاتی کے تعلیمی ذوق کا اندازہ آپ شاید اس بات سے لگائیں کہ دورانِ تعلیم ایک دن جغرافیہ کی نصابی کتاب پر اعتراض کر بیٹھے کہ اس کی اُردو غلط ہے۔ استاد نے پوچھا کہ معلوم ہے کہ یہ کتاب جس کی اردو پر آپ اعتراض کر رہے ہیں اس پر نظر ثانی کس نے کی تھی؟ پتہ چلا کہ رشید احمد صدیقی نے اصلاح کی تھی لیکن جو اعتراض کیا گیا تھا جب اسے سمجھ لیا گیا تو سب کو یقین آگیا کہ اعتراض واقعی دُرست تھا۔ برکاتی صاحب انتہائی کم عمری سے اس وقت کے صفِ اول کے رسائل کے قاری تھے۔ خاص طور سے "ادبی دنیا" "عالمگیر" "ادب لطیف" "نگار" "ساقی" اور الہلال جیسے اہم جرائد کا تو آپ پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔ آپ شاید یقین نہ کریں گے کہ برکاتی صاحب نے تیرہ، چودہ سال کی عمر میں ہی ایسی کتابیں پڑھ لی تھیں جو آج کے بی اے، ایم اے پاس طالب علم نے بھی شاید نہ پڑھی ہوں۔ خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "تذکرہ" مولانا الطاف حسین حالی کی کتاب "یادگارِ غالب"۔

برکاتی صاحب سے جب میں نے آپ کی بچپن کی پسندیدہ عادت کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ بچپن میں بہت شرمیلا تھا، کیونکہ خاندان میں اتفاق سے کوئی میرا ہم عمر ہی نہیں تھا۔ میں نے برکاتی صاحب کے بچپن کی سب سے بڑی خواہش معلوم کی تو وہ نہایت صاف گوئی اور ایمان داری سے کہنے لگے کہ "بیٹا شہرت حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے مزید وضاحت کے لیے پوچھا کہ کیا آپ کی خواہش پوری ہو گئی ہے تو بولے کہ بھی میرا خیال ہے بدنامی ہو چکی ہے اور میری ایک تمنا یہ بھی تھی کہ دنیا کی سیر و سیاحت کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری یہ خواہش بھی کسی حد تک پوری ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے انشاء اللہ وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ بچپن کی خاص عادت بتاتے ہوئے کہنے لگے کہ مجھے کتابیں خریدنے کا بہت شوق تھا۔ دادی جان جیبی

روزانہ ایک پیسہ دیا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر نماز پڑھنے کا بھی مجھے ایک پیسہ ملتا تھا۔ اس طرح چھ پیسے روزانہ ملتے تھے۔ بس ان پیسوں سے کتابیں خریدنے کی عادت پوری کر لیتا تھا۔ میں نے حیرانی سے برکاتی صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ وہ مسکرا کر بولے "بھائی کھانے پینے کی چیزیں تو نوکر لے آتے تھے نا، وہ حساب الگ تھا"۔ میں نے کچھ سوچ کر پوچھا کہ ادب کے اس مقام تک پہنچنے میں آپ کو کیا مشکل درپیش آئی؟ برکاتی صاحب کچھ دیر کے لیے تو خاموش رہے پھر بولے کہ میرے والد جاگیر دار تھے۔ میری تعلیم و ترقی کی راہ میں مالی مشکلات نہیں تھیں۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد میں مشکلات کے ایک طوفان میں پھنس گیا یہاں تک کہ میں چھ روپے ماہانہ پر ٹیوشن پڑھانے لگا۔ برکاتی صاحب کے چہرے پر دکھ و غم کے آثار دیکھ کر میں نے موضوع بدل کر سوال کیا کہ آج کے بچے کے کردار سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں یہ سن کر برکاتی صاحب بولے کہ آج کے بچے ہمارے وقت کے بچوں سے زیادہ ذہین ہیں آج کے بچوں میں پڑھنے کا شوق بھی زیادہ ہے۔ اور کچھ دیر رک کر بولے کہ آج کا بچہ شریر بھی زیادہ ہے۔ میں نے وضاحت کے لیے پوچھا کہ شرارت سے مراد بے ادبی ہے۔ تو وہ فوراً بولے کہ بے ادب ہرگز نہیں ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ با ادب ہیں۔ میں نے پہلو بدل کر پوچھا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں۔ چند لمحے رک کر بولے کہ آج تعلیم بے مقصد ہو گئی ہے اکثر والدین کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ان کے بچے وہ تعلیم حاصل کریں جس میں کمائی زیادہ ہو۔ علم کی قدر و قیمت گھٹتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے علمی و ادبی شخصیات کی اہمیت بھی گھٹتی جا رہی ہے۔ تعلیم کا مقصد اب حصول زر ہے جس کے لیے والدین اور اساتذہ دونوں اس کے ذمے دار ہیں۔ بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے والدین اور اساتذہ دونوں کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ بچپن کی زندگی اور آج کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ بچپن کی زندگی پُرسکون تھی۔ اب سکون نہیں ہے۔ اب بھی جدوجہد کی زندگی گزار رہا ہوں بہر حال میں اپنے بچپن سے بھی مطمئن تھا۔ اور آج کی زندگی سے بھی مطمئن ہوں۔ میں نے فوراً پوچھا کہ فرض کریں کہ آپ دوبارہ بچے بن گئے تو کیا محسوس کریں گے۔ برکاتی صاحب نے جواب دیا کہ بھائی میں نے بچپن میں کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا اب اگر دوبارہ بچہ بن گیا تو پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھیل بھی کھیلوں گا جو کہ صحت کے لیے ضروری بھی

میں نے برکاتی صاحب سے بچوں کی فلاح و بہبود کا حقیقی راز دریافت کیا تو کہنے لگے کہ والدین اپنی زندگی سے دورنگی ختم کردیں اور جو کہیں پہلے اس پر خود عمل کریں۔ اساتذہ کرام علم کی محبت صرف زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر پیدا کریں۔ اخلاقیات کو فروغ دیں۔ جو بچے مستحق اور نادار ہیں حکومت کو چاہیے کہ ان کے تمام تعلیمی اخراجات برداشت کرے تعلیم کے سلسلے میں سفارش کرنا اور قبول کرنا دونوں ترک کردیا جائے۔ باصلاحیت بچوں کی حوصلہ افزائی کا ہر طریقہ اختیار کیا جائے۔ میں نے برکاتی صاحب سے پوچھا کہ آپ کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے تو بولے کہ "دیوان غالب" مجھے بہت پسند ہے۔ بڑا آدمی بننے کا گر بتاتے ہوئے کہنے لگے کہ پہلے منزل متعین کرو اور پھر مسلسل جد و جہد کرو۔ میں نے پوچھا کہ آپ بڑے آدمی کیسے بن گئے تو بولے کہ یہ تو سوال ہی غلط ہے۔ میں بڑا آدمی ہوں ہی نہیں۔ مجھے ایک بات یاد آگئی تو میں نے پوچھا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں۔ برکاتی صاحب کہنے لگے کہ تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ میں نے سوال کیا کہ آپ نے بچوں کے لیے کیا لکھا ہے تو بولے کہ ہمدرد نونہال کے تقریباً تین سو پچھتر شمارے میری زیر ادارت شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ "جوہر قابل" "صحت کی الف بے" "ایک کھلا راز" اور "صحت کے ننانوے نکتے" شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے ہند و پاک میں کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ "آپ کے جسم میں کیا کیا ہے" کے نام سے ایک اور کتاب ہمدرد نونہال میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔ میں نے بچوں کے لیے یورپ کے ممالک کے بارے میں ایک سفرنامہ لکھا ہے، جو بچوں کا پہلا سفرنامہ ہے ایک اچھے لکھنے والے کی خوبیاں بتاتے ہوئے کہنے لگے کہ لکھنے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ بچے بن کر لکھیں۔ مشکل زبان استعمال نہ کریں۔ مطالعہ وسیع کریں اور ایک اہم بات یہ کہ لکھنے کے بعد کچھ عرصہ کے لیے اسے رکھ دیں۔ اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد خود پڑھیں تو کئی غلطیاں سمجھ میں بھی آجائیں گی۔ بچوں کے لیے پیغام دیتے ہوئے برکاتی صاحب نے کہا کہ "میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔" میں نے برکاتی صاحب سے پوچھا۔ بچوں کے رسائل اور اخبارات کے معیار سے آپ مطمئن ہیں؟ یہ سن کر وہ بولے کہ جو رسالے اور اخبارات بچوں کے لیے شائع ہوتے ہیں۔ وہ وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ بچوں کے لیے جس قدر کام کیا جائے وہ کم ہے۔ ہم اگر بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کام کریں گے تو اس سے ملک اور قوم کا ہی بھلا ہوگا، بچوں پر احسان نہیں کریں گے کیونکہ

ہماری نئی نسل کو ہی اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ میں نے ان سے بچوں کا جنگ کے لیے جب کوئی پیغام مانگا تو وہ بولے۔ "بچوں کا جنگ" میں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں اور اس میں شک نہیں کہ یہ صفحہ اور اس کے انچارج بھائی جان ساجد علی صدیقی بچوں کی جدید نفسیاتی خطوط پر تعلیم و تربیت کر رہے ہیں۔ بچوں کے لیے کوئی خدمت انجام دینا اس لیے دشوار ہے کہ بڑوں کو اپنی انا اور علمیت کو چھوڑ کر بچوں کی سطح پر آنا پڑتا ہے۔ اور جو شخص اس کام میں جتنا ماہر ہے وہ اتنا ہی بڑا قلم کار ہے، میری طرف سے مبارکباد دیجیے اور میرا پیغام یہی ہے کہ ؎

"ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کہ بہت یاد رہو"

پیامی ادبی معمہ ۱۴ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل: (۱) چھپ چھپ کے (۲) اجنبی (۳) تیرے پاس (۴) چونک کر (۵) حالت (۶) مارنے (۷) صفحۂ ہستی (۸) استاد

بالکل صحیح حل پر انعام پانے والے

دو خوش نصیب

فی کس ۵/- روپے تقسیم کیے گئے۔

۱۔ کے۔ ایف۔ زهرا: معرفت ہیڈ مدرس۔ مدرسہ اسلامیہ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد (بہار)

۲۔ ایس۔ ایم۔ عامر۔ مکان نمبر ۱۱۹۔ بازار مٹیا محل جامع مسجد دہلی

ایک غلطی پر انعام پانے والے دس خوش نصیب

فی کس پانچ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں

(۱) [illegible] (۲) [illegible] مہاراشٹر۔ (۳) مطلوب احمد بمبئی۔ (۴) ایم۔ ایس سلمان۔ بہار (۵) ایس۔ ایس جاوید بہار (۶) [illegible] بہار (۷) ایم غنی ساجد کلکتہ (۸) ارشد پٹنہ (۹) [illegible] احمد [illegible] (۱۰) [illegible] ضلع [illegible] (۱۱) محمد [illegible] ضلع آکولہ۔

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۴/-	سرکار دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۲/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم) مکمل	۱۲/-
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲/:	رسول پاکؐ کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۲/۵۰
نیک بیبیاں	۲/۵۰	منہاج القرآن	۲/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۳/-
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۲/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۳/:
″ ″ دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۴/-
پیارے رسولؐ	۲/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسولؐ	۵/-	مسلمان بیبیاں	۲/:

بہرام وزیر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہرام میں اس دن کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں نے ایک شخص سے وعدہ بھی کیا ہے کہ جب میری بیٹی میرے پاس آجائے گی تو میں اس کی شادی اس کے بیٹے سے ضرور کروں گا" بادشاہ نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بادشاہ حضور" وزیر بہرام نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں جن دنوں میں شہزادی کو اپنے نجومی کے کہنے پر اس کو جھیل پر چھوڑ آیا تھا اور بعد میں ملک کے حکم کو دیکھتے ہوئے دوبارہ وہاں گیا تھا تو میری ملاقات ایک نجومی قسم کے شخص سے ہوئی تھی۔ وہ بھی کسی ملک کا بادشاہ تھا اس کے بیٹے کو بگونوں جادوگر کسی بات پر ناراض ہو کر لے گیا تھا جو اس سے غلاموں کی طرح کام لیتا ہے۔ اس بادشاہ کو ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ میری بیٹی شاہِ جنات کے ہاں بہت اچھی طرح پرورش پا رہی ہے۔ تمام جن اسے شاہ جنات کی بیٹی ہی تصور کرتے ہیں سوائے چند خاص جنوں کے اور میری بیٹی ہی اس کے بیٹے کو بگونوں جادوگر کی قید سے رہائی دلوائے گی۔ اتنا اس بادشاہ سے

جاننے کے بعد میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس کے بیٹے سے کروں گا"
بادشاہ کہتا چلا گیا۔
یہ سن کر وزیر خوش ہو گیا اور بولا" بادشاہ سلامت خدا کرے وہ دن جلد دیکھنے نصیب ہوں"۔
ان لوگوں کی باتیں سن کر شہزادی مرجینا سخت حیران ہوئی۔ کیونکہ شاہ جنات کے گھر تو وہی اس کی بیٹی تھی اور کوئی لڑکی وہاں نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شاہ جنات کی بیٹی نہیں۔ اس بادشاہ کی بیٹی ہے یہ سوچ کر وہ اپنی خاص کنیز سے مخاطب ہوئی۔
"آصفہ میری سہیلی یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ کیا میں شاہ جنات کی بیٹی نہیں ہوں"۔
اس نے یہ لفظ بے قرار ہوتے ہوئے کہے تھے جنھیں اس کے باپ شاہ بلقان نے بھی سن لیے۔
"کون ہے یہاں سامنے کیوں نہیں آتا" شاہ بلقان نے کہا۔
"یہ سن کر شہزادی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ یہاں سے کچھ دور چلی گئی۔
"بولتی کیوں نہیں آصفہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے"۔ شہزادی نے اس کا کندھا زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔
شہزادی صاحبہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے۔ واقعی آپ اس کی بیٹی ہیں۔ شاہ جنات کو اپنے

استاد سے جب اس بات کا پتا چلا کہ ان کے ہاں مردہ بچی پیدا ہو گی اور ساری زندگی وہ اولاد سے محروم رہے گا تو اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ بلقان کے بادشاہ کے گھر ایک نہایت حسین شہزادی پیدا ہونے والی ہے۔ شاہ جنات نے اپنی ایک خاص کنیز جس کی میں بیٹی ہوں، کو یہاں بھیجا

کہ جیسے ہی بچی پیدا ہوا اس کی آنکھ میں ایک حرق ڈال دے اس سے بچی اندھی ہو جائے گی۔ اور سب ہی یہ سمجھیں گے کہ بچی اندھی پیدا ہوئی ہے اور پھر اپنے ایک اور خادم کو بجوگی کے روپ میں وہاں بھیجا تاکہ وہ شاہ بلقان کو اس بات پر مجبور کرے کہ اس بچی کو جنگل میں چھوڑ آنے سے ہی سب کا بھلا ہے۔ سو شہزادی، شاہ جنات نے اپنی ملکہ کو خوشی دلانے کے لیے تمہارے ماں باپ کو اتنے عرصے غموں میں رکھا۔ میرا خیال ہے تم اب اپنے اصل ماں باپ کے پاس چلی جاؤ۔" آصفہ کنیز نے کہا۔

"لیکن آصفہ میں ان لوگوں کو بھی کس طرح چھوڑ سکتی ہوں جنہوں نے مجھے اگر ان کی اپنی اولاد بھی ہوتی تو شاید اتنا پیار اسے بھی نہ دیتے جتنا مجھے دیا اور بقول تمہارے کہ ملکہ نے مجھے ہی اپنی بیٹی سمجھا۔ میرے جانے کے بعد انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ نہیں آصفہ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔" شہزادی نے کہا۔

"میں یہ کب کہتی ہوں۔ یہ بات تو شاہ جنات بھی جانتے ہیں کہ ایک دن ضرور تم اپنی قوم میں چلی جاؤ گی۔ جیسا کہ آپ سن ہی چکی ہیں کہ آپ کی شادی ایک آدم زاد شہزادے سے ہوگی جو کہ اس وقت ایک جادوگر کی قید میں ہے۔ جب آپ کی شادی اس شہزادے سے ہو جائے گی تو ہر لڑکی کی طرح آپ بھی اپنی سسرال چلی جائیں گی جو کہ ہر لڑکی کا اصلی گھر ہوتا ہے تو پھر آپ اپنے اصلی ماں باپ سے بھی ملتی رہیں۔" آصفہ کنیز نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں آصفہ تم سچ کہتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ پہلے ہمیں اس شہزادے کو اس جادوگر کی قید سے نکالنا ہوگا۔ بعد میں میں اپنے ماں باپ سے ملوں گی۔" شہزادی مہ جبینا نے کہا۔

"تو پھر ہمیں واپس چلنا چاہیے پہلے ہم اس جادوگر کا پتا چلا لیں کہ وہ کہاں ہے۔" آصفہ کنیز نے کہا۔

"اس کے لیے ہمیں بڑے استاد کے پاس چلنا ہوگا تاکہ ان سے معلوم کر سکیں کہ جادوگر کہاں ہے۔" شہزادی نے کہا۔ اور دونوں واپس چل پڑے۔ جب یہ بڑے استاد جن کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور بولا۔

"خوش آمدید شہزادی میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی آج کے دن آپ ضرور اس جادوگر کا پتا معلوم کرنے آئیں گی۔" بڑے استاد نے کہا۔

"تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں شاہ جنات کی بیٹی نہیں ہوں۔" شہزادی نے پوچھا۔
"ہاں بیٹی شاہ نے میرے کہنے پر ہی آپ کو آپ کے والدین سے جدا کیا۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہے لیکن اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہماری ملکہ کا بچنا بہت مشکل تھا۔ یہ سب کچھ اسی مجبوری کی وجہ سے ہوا اور اب میں یہ بھی جانتا ہوں آپ واپس اپنی قوم میں چلی جائیں گی۔ کیونکہ آپ جس شہزادے کو آزاد کرانا چاہتی ہیں۔ اس سے آپ کی شادی ہو گی۔ یہ سب مقدر میں لکھا جا چکا ہے اور بیٹی آپ فکر نہ کریں۔ شاہ جنات اور ملکہ آپ کی شادی میں ضرور شریک ہوں گے۔" بڑے استاد نے کہا
"تو پھر آپ بتا دیں کہ وہ خبیث جادوگر کہاں ہے۔" شہزادی نے پوچھا۔
"پیاری بیٹی وہ جادوگر بہت ظالم ہے اور اس کے پاس بڑی ہی پراسرار قوتیں ہیں۔ آپ اسے کمزور نہ سمجھیں۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے جادو سے آپ کو بھی نقصان پہنچا جائے اور آپ اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں۔" بڑے استاد نے کہا۔
"وہ کیسے؟ کیا ہمارا علم جو ہم نے آپ سے سیکھا ہے اس کے مقابلے میں کم ہے۔ کیا ہم اسے صفحۂ ہستی سے مٹا نہیں سکتیں۔" شہزادی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔
"بیٹی! یہ بات نہیں۔ تم چاہو تو اسے ایسا سبق سکھا سکتی ہو کہ وہ ہمیشہ یاد کرے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ وہ نہایت چالاک اور مکار ہے۔ ہو سکتا ہے اسے جب یہ پتا چلے کہ آپ اس شہزادے کی مدد کو آئی ہیں تو وہ شہزادے کو نقصان پہنچا دے۔ ویسے میرا علم تو یہ کہتا ہے شہزادہ ظہور نہایت بہادر اور ذہین ہے وہ اکیلا بھی اس جادوگر کا مقابلہ کر سکتا تھا لیکن بہادری جادو ٹونے کے سامنے کچھ نہیں کر سکتی۔" بڑے استاد نے کہا۔
"تو پھر آپ ہمیں بتا دیں کہ وہ جادوگر ہمیں کہاں ملے گا۔ باقی سب کچھ خدا پر چھوڑ دیں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" شہزادی نے کہا۔
"بیٹی تم مغرب کی سمت سفر کرو جہاں تمہیں سیاہ بادل دکھائی دیں سمجھ لینا یہی جگہ اس جادوگر کی رہائش گاہ ہے۔ ان بادلوں کے نیچے سیاہ قلعہ ہے۔ جس کے گرد ہر وقت سیاہ دھند چھائی رہتی ہے۔ جس سے لوگ اس قلعے تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن تمہارے لیے اس قلعے تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔" بڑے استاد نے بتایا۔
اب شہزادی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے ماں باپ یعنی شاہِ جنات اور ملکہ کے پاس

آئی۔ اس نے دیکھا اس کا باپ افسردہ بیٹھا ہے۔ وہ قریب گئی اور بولی "بابا کیا بات ہے آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں؟"

"بیٹی میں اس لیے پریشان اور فکر مند ہوں کہ اب تم سے بچھڑنے کا وقت آگیا ہے۔" شاہ جنات نے کہا۔

"بابا یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" شہزادی نے کہا۔

"بیٹی میں جانتا ہوں تم بڑے استاد سے مل کر آ رہی ہو اور اب کہاں جا رہی ہو۔" شاہ جنات نے کہا۔

"بابا اگر آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہے تو آپ خوشی خوشی اجازت دیں کہ جو مقدر کا لکھا ہے پورا ہو۔" شہزادی نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹی! جاؤ مجھے امید ہے تم اتنا علم حاصل کر چکی ہو کہ اس شیطان صفت جادوگر کو تباہ و برباد کر کے شہزادے کو چھڑا لاؤ گی۔ لیکن بیٹی جانے سے پہلے اپنی ماں سے ضرور مل لو تا کہ وہ تمہارے لیے پریشان نہ ہو۔ میں نے اسے پہلے ہی رضا مند کر لیا ہے کہ تمہاری شادی ایک آدم زاد سے کرنا ہے وہ رضا مند ہو گئی ہے لیکن بیٹی اسے کبھی بھی یہ معلوم نہ ہو کہ تم اس کی اپنی بیٹی نہیں ہو۔" شاہ جنات کہتا چلا گیا۔

"بابا میں وعدہ کرتی ہوں جو آپ چاہیں گے وہی ہو گا۔" شہزادی نے کہا اور ماں سے ملنے چلی گئی۔ وہاں بھی کچھ وقت گزار کر وہ اپنی مہم پر چل دی۔ اپنے ساتھ اس نے کسی کو بھی نہیں لیا اور پلک جھپکتے ہی ان سیاہ بادلوں پر پہنچ گئی اور پھر قلعے میں جا اتری۔ اس کے قدم قلعے کی زمین پر پڑتے ہی تھے کہ جادوگر کو خبر ہو گئی اور وہ بڑے غصے میں اس کے سامنے آ موجود ہوا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ اس کے سامنے ایک انسان لڑکی موجود ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ لڑکی جنوں کے شہنشاہ کی بیٹی کی طرح پلی بڑھی ہے اور ایسا علم جانتی ہے جس سے وہ اسے تباہ و برباد کر سکتی ہے۔

اور پھر شہزادی کو دیکھتے ہی اس نے کوئی منتر پڑھا وہ چاہتا تھا اتنی خوبصورت شہزادی کو وہ مینا بنا کر اپنے پاس رکھ لے اور بعد میں شادی کر لے لیکن اس کے منتر کا شہزادی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ بات اس کے لیے چونکا دینے سے کم نہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں کوئی شخص بھی اس کے مقابل نہیں آ سکتا۔ اب اس نے ایک اور منتر پڑھا اور شہزادی کو ہرنی بنا دینا چاہا لیکن شہزادی اب بھی اس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے خاص کمرے کی طرف بھاگا۔ جہاں اس کی وہ کتاب موجود تھی جس سے بہت سی باتوں کا علم ہو جاتا تھا اور اس میں بہت سے ایسے منتر بھی لکھے تھے

جن سے اس میں بہت قوت پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہونے لگا۔ اس کے سامنے ایک دیوار حائل ہو گئی۔ جس سے ٹکرا کر وہ نیچے گرا۔ لیکن جلدی اٹھ کھڑا ہوا۔

اب اس نے ایک منتر پڑھ کر اس دیوار پر پھونک ماری تو دیوار غائب ہو گئی۔ وہ جلدی سے کمرے میں داخل ہوا اور اس کتاب کو طاق میں سے اٹھا کر جیسے ہی اس پر نظر ڈالی وہ چونک پڑا اس پر لکھا تھا۔

"احمق جسے تم عام انسان سمجھ رہے ہو وہ ہے تو انسان۔ لیکن شاہِ جنات نے اسے اپنی بیٹی کی طرح علم سکھایا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ شہزادے ظہور کو لینے آئی ہے اور لے کر چلی جائے گی۔

اتنا پڑھنا تھا کہ جادوگر حیران رہ گیا لیکن شیطان خصلت تھا اس کمرے سے نکل کر سیدھا شہزادے کے پاس گیا اور اس پر ایک منتر پڑھ کر اسے جانور بنانا چاہتا تھا کہ اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ اب تو وہ اور گھبرایا اب وہ نہ تو کوئی منتر پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی یہاں سے بھاگ سکتا تھا۔ شہزادی نے اپنے علم کے زور سے اسے بے بس کر دیا تھا اور پھر شہزادی وہاں آ گئی اس کی پہلی نظر شہزادے پر پڑی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی اور پھر اس نے اپنے علم سے جادوگر کو گدھا بنا دیا اور اب وہ ڈھینچو ڈھینچو کرتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔

شہزادی، شہزادے کو ساتھ لے کر پہلے بڑے استاد کے پاس آئی اور اس سے التجا کی کہ وہ شہزادے کے باپ کا پتا بتا دے۔ بڑے استاد نے کہا کہ وہ شخص اب بھی اس جھیل کے کنارے بیٹھا اپنے بیٹے کی جدائی میں آنسو بہا رہا ہے۔ یہ جھیل جنات کی بستی کے کنارے واقع ہے۔

یہ معلوم کر کے شہزادی وہاں پہنچی تو اسے ایک شخص دیوانوں کی طرح حرکتیں کرتا نظر آیا لیکن اس شخص کی نظر جیسے ہی شہزادے پر پڑی وہ چونک پڑا۔ اس نے اپنے بیٹے کے ماتھے پر زخم کے ایک نشان سے اسے پہچان لیا۔

اب یہ لوگ ملک بلقان کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا دو فوجیں آپس میں برسرپیکار ہیں۔ ایک فوج جو شکست کھانے والی تھی، شہزادی کے باپ کی تھی یہ

دیکھ کر شہزادی اور شہزادہ اپنی تلواریں سونت کر دشمن پر پل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے پانسہ پلٹ گیا۔ اس طرح دشمن شکست کھا کر واپس لوٹ گیا۔

بادشاہ خسرو کو جب پتا چلا کہ اس کی مدد کرنے والی اس کی اپنی بیٹی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ وہ مجنوں بادشاہ کو بھی پہچان گیا اور پھر اس نے مجنوں بادشاہ اور اس کے بیٹے کو کئی دن مہمان رکھا اور ان کی خوب آؤ بھگت کی اور پھر ایک بڑی فوج دے کر انھیں ان کے ملک روانہ کیا جسے انھوں نے بہت جلد فتح کر لیا۔ مجنوں بادشاہ نے اپنے بیٹے کو تخت سونپ دیا اور پھر یہ لوگ بارات لے کر شہزادی کے ملک پہنچے جہاں جنوں کے بادشاہ اور ملکہ نے بھی ان کا استقبال کیا اور بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ اسی طرح شہزادہ اپنی بیوی کو لے کر واپس ہوا اور سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بچوں کے لیے
نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
ایک دہقانی لڑکے کی آپ بیتی	۶/-
ابو علی کا جوتا	۵/-
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۸/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ذاکر صاحب	۶/۰۰
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جمہورا	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا تاج	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰

کتاب	قیمت
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۶/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلام و صمصام	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۲/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ظالم ڈاکو	۴/-
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰
آؤ ڈراما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
مہکتی کلیاں	۴/-
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۴/۵۰

کتاب	قیمت
ٹوٹے کھلونے	۴/-
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/-
پیارے رسول	۴/۵۰
بہادر سیاح	۳/-
چار یار	۴/۵۰
رسول پاکؐ کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تاکے مے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
ننھا سراغ رساں	۵/-
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدو رانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہپو چپو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خان	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	

گُر کی باتیں

• جاڑوں میں گرم کپڑوں پر جمے ہوئے دھول مٹی کے ذرّات بہت بُرے لگتے ہیں۔ ان سے چھٹکارا پانے کے لیے عام طور پر برش کی مدد لی جاتی ہے۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ گیلے ہاتھ کپڑے پر پھیرے جائیں۔ ذرّات، ہتھیلی پر چپک جائیں گے اور کپڑے صاف ہو جائیں گے۔

• جب آپ اپنے کپڑے صابن وغیرہ سے دھولیں تو آخری بار جس صاف پانی میں انھیں کھنگالیں اس میں تھوڑا سا سرکہ بھی ملا دیں۔ سرکے سے صابن کے کھاری اثرات دُور ہو جائیں گے اور کپڑوں میں چمک آجائے گی۔

• ٹین، لوہے اور دوسری دھاتوں سے بنے ہوئے کوڑے دانوں میں اکثر اوقات بدبُو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بدبُو دور کرنے کے لیے خالی کوڑے دان میں تھوڑے سے ردّی کاغذ جلا لیجیے۔

• بیت الخلا کی بدبو دُور کرنے کی ایک آسان ترکیب یہ ہے کہ اس میں ایک یا دو دیا سلائیاں (ماچس کی تیلیاں) جلائی جائیں۔ ان کے مسالے کے دھوئیں سے بدبو دور ہو جائے گی۔

• نازک چیزیں خاص طور سے شیشے اور چینی کے برتن اور اسی طرح کے دوسرے آرائشی سامان کی صفائی کے لیے سوتی دستانے پہن کر انھیں بڑی آسانی سے صاف کیا جا سکتا ہے۔

• ٹماٹر کا چھلکا اتارنے کے لیے اسے فریزر میں رکھ دیجیے۔ جب سخت ہو جائے تو باہر نکال کر اسے گرم پانی سے دھار دیں۔ چھلکا فوراً اتر جائے گا۔

• بعض آلو آبلنے پر سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ انھیں اصل رنگ میں رکھنے کے لیے پانی میں

تھوڑا سا سرکا ملا دیجیے۔

• چاولوں میں ابلتے وقت اگر لیموں کا رس ملا دیا جائے تو یہ بہت اجلے پکیں گے اور اگر ایک چمچہ کھانے کا تیل ملا دیا جائے تو کھلے پکیں گے۔

• چاول دم ہونے کے بعد پتیلے پر کپڑا ڈھک دیجیے۔ تمام بھاپ اس میں جذب ہو جائے گی اور چاول کھلے رہیں گے۔

• کیک کی تیاری کے لیے اگر ایک آدھ انڈا کم ہو تو ایک انڈے کے برابر سرکہ شامل کر کے کیک دم دیجیے۔ لیکن کیک میں بیکنگ پاؤڈر کا ہونا ضروری ہے۔

• کیک کو زیادہ عرصے تک تازہ رکھنے کے لیے اسے ہوا بند ڈبے میں بند رکھیے اور اس میں ڈبل روٹی کا ایک توس ضرور رکھیے۔ توس سوکھ جائے تو اس کی جگہ دوسرا رکھ دیجیے۔ بعض لوگ اس کی جگہ سیب بھی رکھتے ہیں۔

• اپنی پالتو بلیوں کو کبھی بھی بالائی یعنی کریم کھانے کو نہ دیجیے۔ بلی کے چھوٹے بچے کو دودھ میں گرم پانی ملا کر دیجیے۔ اس طرح وہ بدہضمی سے بچا رہے گا۔

• آپ جس چیز کو کتے کے بچوں کے دانتوں سے بچانا چاہتے ہیں، اس پر یوکلپٹس یا لونگ کا تھوڑا سا تیل چپڑ دیجیے۔ وہ اسے منہ نہیں لگائیں گے۔

• لکڑی میں کیلیں یا اسکرو آسانی سے لگانے کے لیے پہلے ان کے سروں کو ویسلین یا گھی میں ڈبو دیجیے۔ اس کے بعد انھیں لگائیے یا کسیے۔

• کوئی کیل یا اسکرو ڈھیلا ہو جائے تو سوراخ میں ماچس کی تیلی رکھ کر کیل ٹھونک دیجیے یا اسکرو کس دیجیے۔ گرفت مضبوط ہو جائے گی۔

پرندوں سے جانوروں تک

شاہد عظیم

قسط: دوم

محمد رفیق زاہد

ہزار روپے کی بات

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عقلمند کسی سفر پر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک دوسرا شخص ملا۔ وہ بھی سفر پر جا رہا تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ کھانے کا وقت آ گیا۔ عقلمند کے پاس کھانے کا سامان نہ تھا۔ دوسرے شخص کے پاس روٹیاں تھیں۔ وہ خود کھانے لگا مگر عقلمند سے نہ پوچھا۔ آخر عقلمند نے بھوک سے مجبور ہو کر اس شخص سے کہا کہ مجھے ایک روٹی کتنے کی دو گے۔
اس نے بتایا پورے پچیس پیسے کی۔

عقلمند نے جواباً کہا۔ "اگر ایک روٹی دو گے تو میں پورے سو روپے کی ایک بات بتاؤں گا۔"
اس شخص نے کہا "ٹھیک ہے" اور روٹی اسے دیدی۔ روٹی کھا کر اس نے پوچھا "وہ کون سی بات ہے جس کی قیمت سو روپے ہے؟"
عقلمند نے بتایا۔ جب راستے میں کسی کے ساتھ جا رہے ہو تو اس کا نام پہلے پوچھا کرو۔"
وہ شخص ناراض ہو گیا، بولا "میں اتنی سی

بات۔ اس بات پر آپ نے مجھ سے ایک روٹی
لے لی یہ تو مجھے پہلے سے معلوم تھی۔"
چلتے چلتے کھانے کا وقت آ گیا تو اس نے
پھر اکیلے ہی کھانا شروع کر دیا۔
عقلمند نے کہا "اگر ایک روٹی اور دو گے
تو میں آپ کو پانچ سو روپے کی بات بتاؤں گا"
اس نے کہا "نہیں آپ فضول باتوں پر مجھ سے
روٹی لیتے ہیں۔ میں نہیں مانوں گا آپ کی بات"
پھر کچھ سوچ کر وہ راضی ہو گیا۔ روٹی کھانے کے
بعد اس نے پوچھا "اچھا وہ پانچ سو روپے والی
بات بتائیے۔"
عقلمند نے بتایا "جب لوگوں کے درمیان
بیٹھے ہو تو کوئی سارے افراد میں سے صرف
آپ ہی سے کوئی چیز مانگے تو آپ نہ دیں۔"
وہ آدمی پھر ناراض ہوا اور بولا "آپ نے
مجھ سے خواہ مخواہ دو روٹیاں لے لیں۔"
خیر سفر کرتے کرتے پھر کھانے کا وقت آ گیا
اور اس شخص نے اسی طرح سے کیا۔ عقلمند نے کہا
اگر پھر ایک روٹی دو گے تو میں آپ کو ہزار روپے
کی بات بتاؤں گا۔
اس نے پھر ایک روٹی دے دی۔
عقلمند نے کہا "یاد رکھو جو چیز آپ کے اپنے
قبضے میں نہ ہو اس پر کسی کے ساتھ شرط نہ لگانا۔"
وہ شخص بہت غصہ ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ میں
اس شخص کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ وہ اکیلا سفر

کرنے لگا۔ کچھ دور گیا تھا کہ اس کے گدھے نے
آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور زمین پر بیٹھ گیا
جب کسی طرح نہ اٹھا تو اس نے گھبرا کر عقلمند کو
آوازیں دینا شروع کیں کہ اے بھائی، او راستے والے
او عقلمند بھائی، بات سنو آپ سے کہہ رہا ہوں۔
عقلمند نے ایک نہ سنی۔ آخر وہ دوڑ کر
عقلمند کے پاس پہنچا اور کہنے لگا "اتنی آوازیں
دے رہا ہوں آپ نے کوئی جواب نہیں دیا"
عقلمند نے کہا "بھلا مجھے کیا پتا کہ آپ
مجھے پکار رہے ہیں؟ آپ تو عقلمند اور راستے
والے کو پکار رہے تھے۔ میرا نام کیوں نہ لیا؟"
یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور بولا...
"واقعی وہ بات سو روپے والی تھی۔ آپ میری
مدد کیجیے کہ میرا گدھا اٹھ جائے۔"
عقلمند نے اس کا گدھا کھڑا کرنے میں مدد
دی اور کہا "اگر کبھی مصیبت میں پھنس جاؤ تو
اس پتے پر آ جانا۔ پتہ لے کر وہ شخص چلا گیا اور عقلمند
نے بھی اپنا راستہ لیا۔
ایک دفعہ وہی شخص ایک افسر کے سامنے
بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے افسر کو ایک تربوز پیش کیا۔
اس نے کہا کہ اسے کھایا جائے۔ لہٰذا چاقو کی ضرورت
پڑی تو اس آدمی نے فوراً چاقو نکالتے ہوئے کہا
کہ یہ چاقو تو یہ ہے۔
چاقو سونے کا تھا افسر کو بہت پسند آیا۔ اس
کی نیت خراب ہو گئی۔ کہنے لگا کہ یہ چاقو تو میرا ہے

اسی لیے تو میں ہر شخص سے چاقو مانگتا ہوں کہ کبھی نہ کبھی ایک دن میرے چاقو کا پتہ چلے گا۔ چاقو آپ کے پاس نکلا۔ آپ تو چور ہیں۔ آپ کل عدالت میں پیش ہوں گے۔ آپ پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

وہ آدمی بہت گڑگڑایا لیکن افسر نے ایک نہ سنی۔ اس وقت اس آدمی کو وہی عقلمند یاد آگیا۔ وہ فوراً اس کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا۔

عقلمند نے کہا کہ میری بات یاد کرو جو میں نے آپ کو بتائی تھی۔ پھر عقلمند نے خاموشی سے کوئی بات اسے سمجھائی۔ وہ شخص خوشی خوشی گاؤں واپس آگیا۔ لوگ کہنے لگے کل کیا کرو گے؟ کوئی وکیل وغیرہ کا بندوبست کر لو۔

اس نے کہا: "مجھے وکیل کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود وکیل ہوں۔"

دوسرے دن عدالت میں جج نے کہا کہ آپ کا وکیل وغیرہ۔

اس نے کہا کہ مجھے وکیل کی ضرورت نہیں۔

اس آدمی نے افسر صاحب سے پوچھا کہ چاقو آپ کا ہے۔ افسر نے جواب دیا: "ہاں میرا ہے۔"

تین بار اقرار کر لینے کے بعد اس آدمی نے کہا کہ آپ یہ چاقو میرا ہے لکھ کر دستخط کر دیں۔

افسر نے لکھا اور دستخط بھی کر دیے۔ تو اس نے افسر سے پوچھا: "یہ چاقو آپ کے پاس سے کب چوری ہوگیا؟"

افسر نے کہا: "ایک سال پہلے۔"

اس آدمی نے فوراً جواب دیا: "ایک سال پہلے میرے والد سیر کرنے گئے تھے پھر وہ لاپتہ ہوگئے۔ میں نے والد صاحب کی لاش فلاں پہاڑ پر دیکھی۔ یہ چاقو ان کے سینے میں تھا۔ اس لیے میں ہر جگہ میں یہ چاقو نکالتا تھا کہ میرے والد کے قاتل کا پتہ چل جائے تو آپ ہی میرے والد کے قاتل ہیں۔"

اب تو افسر کا خون خشک ہوگیا۔ بات اگلی پیشی تک چلی گئی۔ اس دوران افسر نے اس آدمی سے مل کر کہا کہ اگر آپ یہ دعویٰ نہ کریں تو میں پانچ ہزار روپے دوں گا۔ اس نے کہا: "نہیں میں دس ہزار روپے لوں گا۔"

بہت بحث کے بعد افسر راضی ہوگیا اور دس ہزار روپے دے دیے۔ اس نے ایک گھر بنوایا اور اپنا کاروبار شروع کر دیا۔

ایک مرتبہ وہی شخص شکار کے لیے گیا۔ راستے میں اسے تربوز نظر آیا۔ سخت سردیوں میں تربوز؟ وہ حیران ہوگیا۔ پھر اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ تربوز ہی ہے، وہ گھر لوٹا اور بیوی سے اس کا ذکر کر کے بولا "لوگ یقین نہیں کریں گے تو میں شرط لگاؤں گا پھر شرط جیت کر امیر بھی ہو جاؤں گا۔"

بیوی بے وقوف تھی۔ اس نے فوراً یہ بات اپنی پڑوسن کو بتا دی۔ اس پڑوسن نے اپنے میاں کو۔ رات کو پڑوسی بیوی کو لے کر کسی بہانے گھر سے نکلا اور تربوز کی جگہ پر پہنچا اور تربوز کو چھپا کر

اقوالِ زریں

- ★ دینا چاہتے ہو تو محتاجوں کو دو۔
- ★ مانگنا چاہتے ہو تو خدا سے مانگو۔
- ★ بچنا چاہتے ہو تو بُرائی سے بچو۔
- ★ کھانا چاہتے ہو تو رزق حلال کھاؤ۔
- ★ پینا چاہتے ہو تو غُصّہ پیو۔

رائے منیر انجم عاجز۔ کمالیہ

پھینک دیا پھر بیوی سے بولا: "کل جب وہ تربوز کا ذکر کرے گا تو میں شرط لگاؤں گا کہ اگر شرط آپ نے جیت لی تو میرے گھر میں جس چیز کو بھی ہاتھ لگاؤ گے وہ آپ کی ہو گی اور اگر میں جیت گیا تو میں بھی آپ کی جس چیز کو ہاتھ لگاؤں گا، وہ میری ہو جائے گی۔ اس طرح، میں اس کے بیٹے پر ہاتھ رکھ دوں گا اور پھر بیٹے کے بدلے میں اس کا گھر لے لوں گا۔"

دوسرے دن اس آدمی نے لوگوں کو یہ بات بتائی کہ میں نے فلاں جگہ تربوز دیکھا ہے۔

لوگوں نے یقین نہیں کیا اور پڑوسی نے شرط لگائی اور درمیان میں گواہ بھی مقرر کر لیے گواہوں کی موجودگی میں کاغذات مکمل ہو گئے کہ جیتنے والا ہارنے والے کی جس چیز کو ہاتھ لگائے گا وہ اس کی ہو گی۔

پھر لوگ اس جگہ گئے تو وہاں تربوز کا نشان تک نہ تھا۔ شرط اس لالچی پڑوسی نے جیت لی۔ اب دن مقرر کیا گیا۔

بیوقوف آدمی بہت گھبرایا۔ فوراً اس عقلمند دوست کے پاس پہنچا اور سارا حال کہہ سنایا۔ عقلمند نے کہا کہ وہ آپ کا بیٹا لے جائے گا۔ مگر آپ فکر نہ کریں میں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ یہ بتاؤ تمہارے گھر میں سیڑھی ہے۔

اس نے کہا "ہاں ہے۔"

"لکڑی کی ہے یا پکی ہے۔"

"پکی ہے۔"

عقلمند نے بتایا کہ سیڑھی کو گرا دو اس کی جگہ لکڑی کی سیڑھی لگا کر اپنے بیٹے کو چھت پر بٹھا دو۔ جب وہ آئے گا اور آپ کے بیٹے تک پہنچنے کے لیے سیڑھی پر چڑھے گا تو ہاتھ ضرور سیڑھی پر رکھے گا۔ تم اس وقت کہہ دو کہ بس تم نے تو سیڑھی کو ہاتھ لگایا ہے۔

اس نے اسی طرح کیا۔ سب لوگ جمع تھے۔ پڑوسی نے سیڑھی کے ڈنڈے پر ہاتھ رکھا تو اس آدمی نے شور مچا دیا کہ سیڑھی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس طرح لالچی پڑوسی شرمندہ ہو گیا کہ شرط جیت کر ایک ڈنڈا ہاتھ آیا اور بے وقوف آدمی اپنے عقلمند دوست کی وجہ سے بہت بڑے نقصان سے بچ گیا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ عقلمند کی ایک بات ہزاروں روپوں سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

سعیدہ نازش

کایا پلٹ

پاگل ہے۔ پاگل ہے۔ گلی کے لڑکوں کی آواز پر خالد دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔

آؤ۔ خالد یار مزا آ جائے گا آج تو۔ آؤ ہم بھی پتھر ماریں۔ شان نے چٹخارہ لے کر کہا نہیں ہرگز نہیں۔ رُک جاؤ مت مارو اسے۔ خالد دوسرے لڑکوں کے سامنے آگیا۔

ابے چل بے خود بھی پاگل ہو گیا ہے لڑکے اس کا مذاق اڑانے لگے۔

مت مارو مت مارو۔ میں نے اسے نہیں مارا تھا۔ مت مارو۔ وہ پاگل خود میں سمٹ رہا تھا۔

میں کہتا ہوں رُک جاؤ تم لوگ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔

واہ بڑا آیا حمایتی ایک لڑکا بولا۔

ٹھہرو تو بھائیو۔ پاگل یہ ہے مگر کسی کو کچھ نہیں کہتا البتہ ہم اسے مار کر خود پاگل ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

اچھا تو پھر ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ۔ وہ لڑکا ہنس کر بولا۔

سنو تو سہی یہ پاگل کیوں ہوا میں بتاتا ہوں۔ میں اپنے ابو کے ساتھ مارکیٹ تک گیا تھا میں نے اسے وہاں دیکھا تھا اور بالکل تمہاری طرح اس کو چھیڑا تھا پھر میرے ابو نے مجھے اس کی کہانی سنائی تھی اور میں لرز کر رہ گیا تھا۔ وہ چپ ہو کر لڑکوں پر اپنی بات کا اثر دیکھنے لگا۔

لڑکے اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ ہاں پھر کیا بتایا تھا انہوں نے وہ اس سے پوچھ رہے تھے

میرے ابو نے بتایا تھا کہ یہ شخص پہلے اچھے بھلے دماغ کا مالک تھا۔ یہ بھی اس وقت ایک لڑکا ہی تھا۔

چونکہ اس [illegible] باپ نے اسے بڑے لاڈ پیار میں پالا تھا اس لیے اس کی شرارتوں پر کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ اس کی دوستی اپنی گلی کے بہت زیادہ شریر لڑکوں سے ہو گئی۔

ان لڑکوں کو ہر وقت ایک سے ایک نئی شرارت سوجھتی تھی اگر کوئی منع کرتا تو اس کے منہ کو آنے لگتے۔ جانوروں کو پریشان کر کے انہیں بہت مزا آتا کبھی کسی پرندے کو مارا کبھی اس کا گھونسلہ توڑ دیا کبھی بچے اٹھا لیے کبھی پرندوں کے انڈے توڑ ڈالے۔

پرندے بے بسی سے چیختے چلاتے ادھر سے اُدھر اڑتے مگر یہ ان کی بے بسی سے مزا اٹھاتے۔

کئی بار اس کی ماں جی نے بھی سمجھایا تھا کہ بیٹا پرندوں کو نہ ستایا کرو یہ بے چارے بے زبان جانور ہیں کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتے ان کی فریادیں اللہ کے پاس جمع ہوتی ہیں۔

تو اماں میں کب جانوروں کو تنگ کرتا ہوں یہ تو گلی کے بچے ہوتے ہیں۔ وہ بڑا معصوم بن کر کہتا تھا۔ اور ہاتھ جیب میں پڑے غلوں کو تھپتھپایا کرتا۔

دن یونہی ان کی حرکتوں میں گزرنے لگے۔ میرے ابو کہتے ہیں کہ شرارت اور ایذا میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ شرارت وہ ہوتی ہے جو جس کے ساتھ کی جائے اسے بھی اس میں لطف آئے اور ایذا وہ ہے جو کسی کا دل دکھا کر لطف اٹھائے۔ تو پتہ ہے ایسی شرارت سے باز رہنا چاہیے۔ خالد نے کہا۔

یار اس کا بتاؤ نا۔ اسی لڑکے نے کہا۔

ہاں بھئی سنو تو بتا رہا ہوں وہ ہی بتائے جا رہا ہوں۔

پھر کیا ہوا کہ یہ لوگ اکثر مل کر بوڑھے لوگوں کا مذاق بنایا کرتے۔ کوئی اونچا سنتا تو چاچا بہرا اللہ بہرے بڑے کے نام سے یاد کرتے۔

تو یار اسکے پاگل ہو جانے کا قصہ بتاؤ نا یہ ادھر اُدھر کی مت ہانکو۔ ایک لڑکا چڑ کر بولا یہ اِدھر اُدھر کی نہیں ہے میں اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ ہم بھی اپنے اعمال ان کے آئینے میں دیکھ سکیں۔

اپنی اردو کا رعب مت جھاڑو۔ بات بتانا ہے تو بتاؤ ورنہ چھوڑ دو اس بات کو۔

ہاں تو جناب ایک دن کیا ہوا کہ ان کے محلے میں کہیں سے ایک پاگل شخص آ نکلا۔ خالد ان کی باتوں پر ناراض ہوئے بغیر بولا۔

اس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے وہ شاید بھوکا پیاسا بھی تھا۔ یوں بھی کسی پاگل کی بھوک پیاس کی پروا کون کرتا ہے۔

کہیں کچرے کے ڈھیر پر سے کچھ کھالیا تو ٹھیک لوگ تو یہ بھی نہیں کرتے کہ دماغی ہسپتال پہنچادیں اس پاگل کو دیکھ کر ان لوگوں کی تین آئی۔

اب ایک نئی شرارت ان کے ہاتھ میں آگئی۔

کوئی اسے پیچھے کر بھاگ رہا تھا کوئی دھکا دیتا۔ کوئی اس کے چیتھڑا کپڑوں کو مزید کھینچ کر چیتھڑا بنا دیتا۔

راہ چلتے افراد میں سے کسی نے انہیں ڈانٹا تو بھاگ گئے ذرا دیر بعد پھر واپس آکر اسے ستانا شروع کر دیتے۔

پاگل کو ان سے بچاؤ کا راستہ نہ ملا تو اس نے بھی ان پر پتھر اٹھا اٹھا کر مارنا شروع کر دیے وہ ان کے پیچھے چیخ بھی رہا تھا۔ اور کبھی خود کو بچانے کا راستہ بھی ڈھونڈتا مگر انہوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور پتھر بھی برسانا شروع کر دیے ایک پتھر اس کے سر میں بڑی زور سے لگا۔ خون بہنے لگا تو یہ سب لوگ بھاگ نکلے۔

وہ پاگل بھوکا پیاسا تو تھا ہی۔ خون بہنے سے مزید کمزور ہوا مگر پھر بھی وہ گرتا پڑتا وہاں سے نکل گیا۔

اس واقعے کے تیسرے دن اس کی لاش ایک اسٹیشن کے پاس ملی۔

وہ مر گیا مگر اس شخص کو احساسِ جرم نے آگھیرا۔ کاش ہم اسے نہ ستاتے اور اگر ستایا ہی تھا تو پتھر نہ مارتے پتھر مارا تھا تو اس کے زخم کی مرہم پٹی کر دیتے۔

اب اگر راستے میں کوئی پاگل شخص مل جاتا تو یہ خوف کھاتے اور یہ خوف خوابوں میں آنے لگا۔

سوتے میں اچانک چیخ مار کر اٹھ بیٹھنا ان کا معمول بن گیا۔ ڈاکٹروں کو دکھایا تو وہ اعصاب پر دباؤ بتاتے۔ ان کا خوف بڑھتا رہا۔ احساسِ جرم تنگ کرتا رہا۔

اور اب یہ اکثر چیخ اٹھتے "میں نے اسے نہیں مارا وہ تو خود ہی مر گیا تھا سب ہی تھے میں اکیلا تو نہیں تھا۔ یوں یہ شخص بیس سال پہلے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

اور دوست آج ہم بھی اسے ماریں گے تو شاید کل کو ہم میں سے بھی کسی کا یہ ہی حال ہو۔ ہو سکتا ہے ہمیں اس کی بددعا لگ جائے۔ اس لیے میرے دوستو میں آپ لوگوں کو منع کر رہا ہوں کہ اسے مت چھیڑو۔ مت تنگ کرو اسے۔

تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔ یہ خطرناک پاگل نہیں ہے آؤ اسے صاف ستھرا کر کے کھانا کھلائیں۔ اس لڑکے نے کہا۔

ہاں ہاں سب بچوں نے ہاتھوں سے پتھر پھینکتے ہوئے جواب دیا۔ اور وہ سب اس کو سنبھالنے کے لیے آگے بڑھ گئے۔ اور خالد لڑکوں کی اس کایا پلٹ پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

انکل آئی کیو روبوٹ

سوالاً جواباً

س ۔ ایک انتہائی تیز رفتار جہاز سے پرندہ ٹکرا جاتا ہے تو جہاز کیوں تباہ ہوتا ہے؟ جبکہ پرندہ جہاز کے مقابلے پر بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔

ج ۔ پرندے کے جہاز سے ٹکرانے کے عمل کو نیوٹن کے تیسرے قانون کے مطابق ردِ عمل یا Reaction کہتے ہیں۔ یعنی جب سینکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محوِ پرواز جہاز سے پرندہ ٹکرائے گا۔ تو جہاز سے پرندے کے ٹکرانے کا ردِ عمل کئی گنا بڑھ جائے گا۔ ہوتا یہ ہے کہ جب قسمت کا مارا پرندہ جہاز سے ٹکراتا ہے تو آناً فاناً وہ جہاز کے انجن میں داخل ہو کر انجن کے تیزی سے چلتے ہوئے بلیڈ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ ریزے جہاز کے اندر پھنس کر اسے جام کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب جہاز کا انجن بند ہو جائے گا تو جہاز کی تباہی اور ہلاکت بھی یقینی ہو جائے گی۔ عموماً اسی لیے ہر ملک کے ہوائی اڈوں پر برڈ شوٹر مقرر کیے جاتے ہیں جو فائرنگ کر کے ہوائی اڈے کی حدود کو پرندوں سے محفوظ رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود کبھی کبھار ایسے خطرناک حادثے ہو ہی جاتے ہیں۔

● چاند پر کالے رنگ کے دھبے کس چیز کے ہوتے ہیں ؟

دراصل یہ دھبے نہیں ہیں بلکہ چاند کی سطح پر موجود بڑے بڑے گڑھے اور غار ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ دو لاکھ چالیس ہزار میل دُور سے یہ غار اور گڑھے محض دھبے نظر آئیں گے ۔

● زمین گھومتی ہے تو ہمیں محسوس کیوں نہیں ہوتا ؟

شکر کیجیے کہ ہمیں زمین کی گردش بالکل محسوس نہیں ہوتی ورنہ ہمیں اتنے چکر آتے کہ توبہ ہی بھلی۔ اس لیے کہ زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہی ہے ۔ پھر زمین کا قطر بھی اتنا بڑا ہے کہ اس کی یہ تیز گردش محسوس نہیں ہو پاتی ۔ البتہ خلا سے زمین چمکتی ہوئی اور گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے ۔

● کلوروفارم کیا ہے ؟ اس کے بارے میں تفصیل سے بتائیے ۔

یہ بے رنگ غیر آتش گیر اور بھاری مائع ہوتا ہے جو عموماً ڈاکٹر حضرات اپنے مریضوں کو بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی خوشبو کچھ کچھ ایتھر سے ملتی جلتی ہے ۔ کلوروفارم انتہائی تیز اثر ہے ۔ اس کو سُو نگھنے سے بے ہوشی طاری ہونے لگتی ہے ۔ اس کا حد سے زیادہ استعمال دل ، دورانِ خون ، جگر اور گُردوں پر بُرا اثر ڈالتا ہے ۔ اسے ۱۸۳۱ء میں ایک امریکی کیمسٹ اور فزیشن سیموئیل گیوتھری (SAMUEL GUTHRIE) ایک فرانسیسی ماہر دواسازی ۔ سوبیران (E. SOUBEIRAN) اور ایک جرمن کیمسٹ جسٹس وان لائبگ (JUSTUS VON LIEBIG) نے تیار کیا تھا ۔ اسکاٹ لینڈ کے ایک ڈاکٹر سر جیمز سمپسن نے اسے بے ہوش کرنے کے لیے ۱۸۴۸ء میں استعمال کیا ۔ ۱۸۵۳ء تک اس کا استعمال عموماً طب کے مختلف شعبوں میں ہونے لگا تھا ۔ اس کے علاوہ کلوروفارم مختلف ادویات میں بھی استعمال ہوتا ہے جن میں مرہم ، درد سے آرام دلانے والی دوائیں وغیرہ شامل ہیں ۔

● ہمارے جسم میں کون کون سی دھاتیں پائی جاتی ہیں ؟

ہمارے جسم میں یوں تو بہت سے اجزا پائے جاتے ہیں ۔ مثال کے طور پر فاسفورس ، کیلشیم ، پوٹاشیم وغیرہ ۔ مگر ان میں لفظ دھات کا اطلاق صرف آئرن یعنی فولاد پر ہوتا ہے ۔ ایک اندازے کے مطابق انسانی جسم میں اتنا فولاد ہوتا ہے جس سے چار بڑی کیلیں بنائی جا سکتی ہیں ۔

● نوری سال سے کیا مراد ہے :

آپ جانتے ہی ہوں گے کہ روشنی کی رفتار ایک کروڑ اسی لاکھ میل فی سیکنڈ ہے۔ اب اسی رفتار سے روشنی اگر ایک سال تک متواتر سفر کرے تو جو فاصلہ طے ہوگا اُسے نوری سال کہا جائے گا۔ یعنی ہم اُسے مروجہ میلوں میں نہیں ناپ سکتے۔ کیونکہ ہمارے اعداد اور گنتی ختم ہو جائیں گے۔ اس کو درج ذیل مساوات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے

۵۰۸۸ × ۱۰^۱۲ میل = ایک نوری سال

● مسلمان سائنس دانوں نے کیا خدمات انجام دی ہیں۔ کچھ اس کے متعلق بتایئے۔

مسلمان سائنس دانوں کے متعلق ان محدود صفحات میں سب کچھ بتانا ناممکن ہے۔ البتہ اتنا سمجھ لیں کہ آج دُنیا میں جتنی ترقی آپ کو نظر آ رہی ہے اس میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ابو سینا، الفارابی، جابر بن حیان، زکریا رازی، عمر خیام، ابن رشد، الخوارزمی اور بہت سے دوسرے سائنسدانوں نے طب، جراحت، فلسفہ، جغرافیہ، فلکیات، منطق، زراعت اور دیگر علوم پر بیش بہا کتابیں لکھیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ مامون الرشید نے ایک علمی ادارہ "بیت الحکمت" کے نام سے قائم کیا تھا جہاں بہت سے علما سائنس مختلف تجربات میں مصروف رہتے تھے۔ اسی زمانے میں زمین کا قطر اور مختلف سیاروں اور چاند کے بارے میں جو معلومات اکٹھی کی گئیں انہیں جدید سائنس نے کافی حد تک درست مانا ہے۔

مسکراتے رہو

● مالک نے نوکر کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ گھوڑے کو ساری رات مالش کرے۔ نوکر نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور اس کی جگہ ایک خرگوش باندھ دیا۔ صبح مالک آیا تو گھوڑا غائب تھا۔ مالک نے نوکر سے پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے؟

نوکر نے خرگوش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ بندھا ہوا ہے۔

مالک نے حیران ہو کر پوچھا، "یہ کیا تماشا ہے؟"

نوکر نے کہا، "جناب! میں ساری رات اس کی مالش کرتا رہا۔ یہ گھس گھس کر اتنا ہی بچا ہے۔"

مرسلہ: خالد محمود،

● ایک مریض خوشی خوشی ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا: اللہ کا شکر ہے کہ میں جلد صحت مند ہو گیا۔

ڈاکٹر: یہ سب میری دوا کا کرشمہ ہے۔

مریض: میں نے کبھی بوتل پر لکھی تحریر پر سختی سے عمل کیا۔ ڈاکٹر: وہ کیا؟

مریض: بوتل کو مضبوطی سے بند رکھیں۔

مرسلہ: مسعود احمد صدیقی

● ایک صاحب نے ایک نجومی کو ہاتھ دکھایا۔ تھوڑی دیر بعد نجومی نے انھیں بتایا کہ آپ چالیس سال کی عمر تک غریبی کی وجہ سے پریشان رہیں گے۔ وہ صاحب خوش ہو کر بولے، "پھر اس کے بعد؟"

نجومی نے جواب دیا، "اس کے بعد آپ کو عادت ہو جائے گی۔"

مرسلہ: ایم ایوب مخدوم

● کرکٹ کی دنیا میں ایک نیا فاسٹ بولر آیا جو ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک صاحب کچھ دیر بعد اسٹیڈیم پہنچے انھوں نے اپنے برابر والے صاحب سے پوچھا "کیوں صاحب! نیا بالر کیسا ہے؟

دوسرے صاحب: کم بخت نے آتے ہی تین وکٹ اور دو مریض حاصل کر لیے۔

مرسلہ: فراست خاں،

● کیا واقعی تمھارے پروفیسر کا دماغ ہر وقت غیر حاضر رہتا ہے؟

ہر وقت تو نہیں البتہ آج جب وہ اخبار پڑھ رہے تھے تو ان کی نظر اس غلط خبر پر پڑی جس میں ان کی بے وقت موت کا ذکر تھا۔ انھوں نے فوراً چھٹی کرا دی اور

نوٹس بورڈ پر لکھوا دیا کہ تمام طلبہ ایصالِ ثواب کے لیے مسجد میں جمع ہو جائیں۔

مرسلہ: سید محمد اطہر

● ایک صاحب کھانے کے بہت شوقین تھے۔ کسی دعوت میں اتنا کھا گئے کہ پیٹ میں درد ہو گیا۔

بیوی نے کہا "دوا کھا لو درد دور ہو جائے گا۔"
کہنے لگے "ارے پگلی! دوا کھانے کی گنجائش ہوتی تو ایک لقمہ اور نہ کھا لیتا۔"

● ایک دیہاتی جب تیسری دفعہ سینما کے ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر ٹکٹ لینے آیا تو کلرک نے کہا:
"بھئی تم پہلے بھی دو دفعہ ٹکٹ لے جا چکے ہو ان کا کیا ہوا؟"

دیہاتی: کیا بتاؤں جی! وہاں دروازے پر ایک پاگل شخص کھڑا ہے۔ جب میں اندر جانے لگتا ہوں تو وہ مجھ سے ٹکٹ لے کر پھاڑ دیتا ہے۔"

● جج (ملزم سے): تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟"

ملزم: جناب آم کھاؤں گا۔
جج: آموں کا موسم نہیں ہے۔
ملزم: جب تک انتظار کروں گا۔

مرسلہ: زرین ناز

● ایک عورت اپنے بچوں کو اپنے خاندان کی پرانی تصویریں دکھا رہی تھی۔ "امی یہ آپ کے ساتھ کون کھڑا ہے؟" ملکے کے برابر ایک خوب صورت نوجوان کی تصویر دیکھ کر چھوٹے بچے نے کہا۔

عورت بولی "بیٹے یہ تمھارے ابو ہیں۔"
بچے نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا "تو پھر وہ موٹی توند والا آدمی جو ہمارے ساتھ رہ رہا ہے وہ کون ہے؟"

مرسلہ: علی ذوالقرنین

● ایک آدمی کتے کی زنجیر پکڑے ریلوے کاؤنٹر پر پہنچا۔ آدمی نے اپنا چہرہ کھڑکی سے نکال کر کلرک سے پوچھا:

"جناب! کیا میں کتے کا ٹکٹ لے کر سفر کروں؟"

کلرک حیرانی سے بولا "نہیں جناب! ایسی کیا بات ہے۔ آپ انسانوں کے ٹکٹ پر سفر کریں۔"

مرسلہ: عامر زیدی

● ایک دوست: (دوسرے سے) کاش میں پرندہ ہوتا اور آزادی سے زندگی بسر کرتا۔

دوسرا دوست: اور کاش میں انسان کے بجائے شکاری کی بندوق ہوتا۔

مرسلہ: عظمیٰ ناہید

اُس پُراسرار جنگل میں ہر سمت خونی مخلوق کی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ نواب گنج کی اس مخلوق کے پیچھے اصل ہاتھ کون سے تھے؟

ظفر احمد خان کی پُر تجسس تحریر

نواب گنج کی مخلوق

محمود، بابر آج بہت خوش تھے کیونکہ وہ اپنی موسمِ گرما کی تعطیلات میں "قصبہ نواب گنج" جا رہے تھے۔ نواب گنج میں ان کے چچا رہتے تھے۔ اور وہاں ایک جنگل بھی تھا جہاں انہوں نے شکار کا پروگرام بنایا تھا ان کے والد انسپکٹر آفتاب احمد بھی کام کی زیادتی سے اکتا گئے تھے اور ذہن کو کچھ آرام دینا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے بچوں کی چھٹیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شکار کا پروگرام بنایا ان کے ہمراہ ماہر شکاری خان رانا بھی جا رہے تھے جو انسپکٹر آفتاب احمد کے گہرے دوست تھے۔

بہت تیاری کے بعد ایک جیپ پر مشتمل یہ قافلہ روانہ ہوا ان کی منزل قصبہ نواب گنج تھی۔ ایک دو گھنٹے بعد ان کی جیپ قصبہ نواب گنج میں داخل ہو چکی تھی۔ محمود، بابر تو خوشی کے مارے توتھ پیسٹ کا اشتہار بنے ہوئے تھے۔ بالآخر جیپ شاکر علی کی حویلی کے سامنے رکی جو انسپکٹر آفتاب احمد کے بڑے بھائی اور نواب گنج کے بڑے جاگیردار تھے۔ شاکر علی ان کی اچانک آمد پر کھل اٹھے اور گھر کی خیریت دریافت کرنے لگے لیکن ان کے ماتھے پر پریشانی کی لکیریں انسپکٹر آفتاب احمد سے چھپی نہ رہ سکیں۔ انہیں پریشان دیکھ کر انسپکٹر آفتاب احمد بھی بے چین ہو گئے آخر وہ ان کے بڑے بھائی تھے انہیں پریشان دیکھ کر ان کا بے چین ہونا فطری عمل تھا۔

"کیا بات ہے بھائی جان! آپ کچھ پریشان دکھائی

"دے رہے ہیں؟" بالآخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"کوئی خاص بات نہیں......" شاکر علی ٹالتے ہوئے بولے۔

"کوئی بات ضرور ہے آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" انسپکٹر آفتاب احمد نے اصرار کیا۔

"آفتاب! یہ پریشانی صرف میری ہی نہیں بلکہ پورے قصبے کی ہے۔ آج کل قصبے کا ہر شخص پریشان ہے۔" شاکر علی بولے۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر آفتاب نے چونک کر پوچھا۔

"دراصل ان دنوں قصبے میں ایک عجیب خونی مخلوق آئی ہوئی ہے۔ جس سے ہر شخص پریشانی کا شکار ہے۔" شاکر علی حیرت و خوف کے ملے جلے لہجے میں بولے۔

"خونی مخلوق؟" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"قصبے سے دو میل کے فاصلے پر ایک جنگل ہے۔ وہ مخلوق وہیں کہیں سے نمودار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے آج صبح بھی ہمارے قصبے کا ایک آدمی مارا گیا۔ وہ کل رات لکڑیاں کاٹنے کی غرض سے جنگل کی طرف جا رہا تھا لیکن صبح اس کی لاش جنگل کے باہر پائی گئی۔ دو آدمیوں نے تو اس مخلوق کو جنگل کی طرف بھاگتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ وہ بن مانس کی طرح عجیب و غریب مخلوق ہے۔" شاکر علی نے بتایا۔ سب حیرت کا بت بنے بیٹھے تھے۔

لیکن اس جنگل میں اس مخلوق کا ذکر پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا۔ یہاں تو صرف چھوٹے موٹے جانور پائے جاتے ہیں۔" خان رانا نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہو سکتا ہے یہ مخلوق کسی اور جنگل سے یہاں آ گئی ہو۔" انسپکٹر آفتاب احمد نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں یہ بھی ممکن ہے۔" خان رانا نے کہا۔

"چلو شکار کا بندوبست آتے ہی ہو گیا۔" بابر بیچ میں بول پڑا۔ "ہاں۔" سب نے ہنس کر کہا۔ ان کے آنے سے شاکر علی قدرے مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ پھر وہ سب کے لئے کھانے کا بندوبست کرنے چلے گئے۔

اگلے روز انہوں نے قصبے کے لوگوں سے مل کر مختلف معلومات اکٹھی کیں اور پھر شاکر علی کی حویلی میں آکر اپنے منصوبے کی مالا بننے لگے۔ ان کی معلومات کے مطابق وہ عجیب و غریب خونی مخلوق ٹھیک رات کے ایک بجے نمودار ہوتی ہے اور دن میں وہ جنگل ہی میں کہیں روپوش ہو جاتی ہے لہٰذا انہوں نے دن میں ہی جنگل میں انتظامات کرنے کا فیصلہ کیا اور شاکر علی کو حویلی میں چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ جنگل "قصبہ نواب گنج" کے مشرقی حصے میں دو میل کے فاصلے پر تھا۔ اس جنگل کے قریب سے ایک کچی سڑک شہر کو جاتی تھی۔ انہوں نے جیپ جنگل سے باہر روک لی اور حسبِ ضرورت سامان لے کر جنگل کی طرف بڑھے۔ جنگل میں گھنے درختوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا جس کے باعث جنگل میں اندھیرا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ شاید ادھر بہت ہی کم لوگ آتے تھے۔

وہ سب جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔ چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے اندازے سے ایک اونچے درخت کا انتخاب کیا۔ یہ درخت مچان بنانے کے لئے مناسب تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھ لایا ہوا سامان نکالا اور مچان بنانے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ مچان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے جنگل پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ حدِ نگاہ انہیں درخت ہی درخت دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی جانور کے چیخنے کی آواز سناٹے میں ہیجان سا برپا کر دیتی اور پھر وہی سکوت طاری ہو جاتا۔ ابھی کافی دن باقی تھا لہٰذا وہ واپس شاکر علی کی حویلی میں آ گئے۔

تقریباً رات کے گیارہ بجے وہ دوبارہ جنگل کی جانب روانہ ہوئے۔ اب وہ مکمل تیاری کر کے چلے تھے۔ انسپکٹر آفتاب احمد اور خان رانا کے پاس شکار کی خاص بندوقیں

تھیں۔ جب کہ محمود، بابر کے پاس چھوٹی شاٹ گنیں تھیں۔ ان کی جیپ جنگل کی جانب رواں دواں تھی..... جنگل کے قریب پہنچنے میں انہیں پندرہ منٹ لگے...... جیپ کو انہوں نے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا کر دیا اور ضرورت کا تمام سامان لے کر وہ اسی درخت کے قریب آئے جس پر ان کا "مچان" تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے "مچان" پر چڑھ گئے۔ مچان پر بیٹھ کر انہوں نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ ابھی انہیں ایک بجے تک یونہی مچان پر بیٹھنا تھا..... گو موسم گرمی کا تھا لیکن ان پر کپکپی طاری تھی شاید یہ درختوں کی ٹھنڈی ہواؤں کا اثر تھا یا خوف کی وجہ تھی۔

"ارے بابر تم تو کپکپا رہے ہو۔" محمود نے شرارت سے کہا۔

"ہاں اور شاید تم تو بڑے بہادر ہو ایسا لگ رہا ہے جیسے تم بجلی کی ننگی تار پکڑے بیٹھے ہو۔" بابر نے قدرے جھینپ مٹانے کے لئے کہا انہی باتوں میں وقت گزرتا رہا اور تقریباً دو گھنٹے گزر گئے لیکن ابھی تک اس مخلوق کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ اب قدرے مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔ ابھی وہ باتوں میں مشغول تھے کہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ وہ ایک دم چوکس ہو گئے اور ان کی نظریں بیس قدم کے فاصلے پر جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گئیں۔ تھوڑی دیر تک جھاڑیوں میں ہل چل رہی۔ دوسرے لمحے ایک لمبا چوڑا قد آور سایہ انہیں نظر آنے لگا اس کے منہ سے ایک ہولناک غراہٹ کی آواز نکلی جس نے پورے جنگل کے ماحول پر لرزہ طاری کر دیا..... یہ وہی مخلوق تھی جس نے پورے "نواب گنج" میں تہلکہ مچا رکھا تھا اور قصبے کا ایک آدمی بھی ان کی بھینٹ چڑھ چکا تھا......

وہ مخلوق آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اس کے قدموں کی پراسرار دھمک زمین میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

انہوں نے اپنی اپنی بندوقیں سیدھی کر لیں۔ مخلوق اب ان کے قریب آتی جا رہی تھی ایک بار پھر مخلوق کی خوفناک چنگھاڑ نے پورے جنگل میں ہیجان برپا کر دیا۔ اندھیرے میں اس کے خوفناک لمبے دانت اور آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔ خونی مخلوق اور ان کے درمیان دس قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

تب ہی انسپکٹر آفتاب احمد کی آواز آئی۔ "فائر!"..... اور مچان پر سے گولیوں کی باڑھ ماری گئی۔ سب کی بندوقوں میں سے شعلے لپکنے لگے...... فضا گولیوں اور مخلوق کی چنگھاڑ سے گونج اٹھی اور دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے...... مخلوق پر گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ سب پریشان ہو گئے۔

"یہ..... یہ کیا!" کیا یہ مخلوق بلٹ پروف ہے؟" بابر کے منہ سے حیرت و خوف سے نکلا......

"نہیں..... یہ مجھے اور ہی کوئی چکر لگتا ہے..... اب ہمیں کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔" انسپکٹر آفتاب احمد فکرمندانہ لہجے میں بولے اور درخت پر سے لکڑی کی ایک شاخ توڑ کر پوری قوت سے مخلوق کی دوسری جانب پھینکی...... شاخ جیسے ہی مخالف سمت کی جھاڑیوں میں گری...... مخلوق اس کی آہٹ سن کر پلٹ گئی..... اور یہی انسپکٹر آفتاب احمد چاہتے تھے...... مخلوق کی پیٹھ ان کی طرف ہو گئی..... انہوں نے دیکھا کہ مخلوق کی پیٹھ پر ایک مستطیل نشان صاف دکھائی دے رہا تھا..... انسپکٹر آفتاب نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مستطیل کا نشانہ لے کر کئی فائر جھونک دیئے۔ دوسرے لمحے مخلوق میں دھماکا ہوا اور ان کی نظروں کے سامنے مخلوق دھڑا دھڑ جلنے لگی.....

"ارے یہ کیا؟" خان رانا اور محمود، بابر کے منہ سے حیرت بھرے لہجے میں نکلا۔

"دراصل یہ مخلوق نہیں تھی بلکہ یہ ایک روبوٹ تھا۔"

"کیا؟" وہ سب حیران رہ گئے۔

"ہاں جب مخلوق پر گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو تشویش ہوئی تھی یہ دراصل ایک روبوٹ تھا جسے مخلوق

[illegible] ایک [illegible] لوگوں کو دور [illegible] کے لیے۔" انسپکٹر آفتاب کہتے چلے گئے۔ وہ سب حیرت سے اب بھی روبوٹ [illegible] کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

"اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہمیں آگے جا کر دیکھنا ہے کہ کیا گڑبڑ ہے؟" رات کے سناٹے میں سوکھے پتوں کے چرچرانے کی آواز آ رہی تھی جو ان کے پیروں کے تلے کچلے جا رہے تھے۔

انہیں چلتے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ ایک دم ٹھٹک گئے۔ کچھ فاصلے پر ایک سبز رنگ کی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ حیران تھے کہ اس جنگل میں عمارت کا کیا کام...... عمارت کے گرد خار دار تاریں لگی ہوئی تھیں۔

"اس عمارت میں ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ یہاں کوئی غلط کام ہوتا ہے۔" انسپکٹر آفتاب احمد نے خیال ظاہر کیا۔ چند لمحوں میں انہوں نے خار دار تاریں کاٹ کر اپنا راستہ بنا لیا...... اور وہ دبے قدموں عمارت کی طرف بڑھے ......

دروازہ حیرت انگیز طور پر کھلا ہوا تھا۔ وہ سب دبے قدموں اندر داخل ہوئے۔ نچلی منزل سنسان پڑی تھی اتنے میں انہیں ایک زینہ نظر آیا وہ سب زینے کے ذریعے دوسری منزل پر پہنچے...... یہاں انہیں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی...... یہ یقیناً کسی مشین کے چلنے کی آواز تھی...... جس کمرے سے مشین کے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے دروازے پر پہنچے انسپکٹر آفتاب احمد نے دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گئے وہ ایک بہت وسیع ہال تھا جہاں بہت ساری مشینوں پر جعلی نوٹ چھاپے جا رہے تھے۔ مشینوں پر بہت سے آدمی کام کر رہے تھے......

انسپکٹر آفتاب احمد فوراً وہاں سے ہٹ گئے اور انہیں مختصر لفظوں میں ساری بات سمجھائی اس کمرے کے سامنے بھی دو کمرے تھے...... انسپکٹر آفتاب نے پہلے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہاں کچھ برقی آلات نظر آئے جنہیں ایک آدمی استعمال کر رہا تھا...... وہ نہایت پھرتی سے محمود کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور جا کر اس آدمی کو قابو کر لیا...... دوسرے کمرے کا آدمی فاروق کے بٹ کی ضرب سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ اتنی دیر میں محمود اسے باندھ چکے تھے۔

انسپکٹر آفتاب احمد نے یہاں سے متعلقہ پولیس اسٹیشن کے نمبر ملائے اور ساری بات مختصر لفظوں میں سمجھا دی۔ اس کے بعد وہ اس کمرے سے نکل آئے اور برابر والے کمرے کی طرف بڑھے...... اور بلا تامل کمرے میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اندر چند افراد بیٹھے تھے۔

"ہینڈز اپ۔" انسپکٹر آفتاب احمد نے پستول کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا...... انہیں اس طرح اچانک دیکھ کر وہ سب گھبرا گئے...... ان لوگوں میں چند غیر ملکی بھی تھے......

تھوڑی ہی دیر میں وہاں متعلقہ پولیس کا عملہ بھی پہنچ گیا۔ تلاشی کے دوران کروڑوں روپے کے غیر ملکی ڈالر وہاں سے برآمد ہوئے۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ قصبے کا ایک چودھری بھی اس کالے دھندے میں ملوث تھا۔ وہ غیر ملکیوں کے ساتھ مل کر جعلی کرنسی چھاپتا تھا۔ اس نے اپنا یہ اڈہ اس جنگل میں قائم کیا تھا اور جنگل میں ایک روبوٹ کو خونی مخلوق کی شکل دے کر یہ ڈر کھا تھا کہ لوگ جنگل کا رخ نہ کریں اور یہ لوگ بلا روک ٹوک اپنا کام جاری رکھیں۔

اس طرح انسپکٹر آفتاب احمد کے شکار کے پروگرام نے غیر ملکیوں کے پروگرام کا تیا پانچہ کرا دیا۔ اگلے روز کے اخبار میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ چھپی...... اور حکومت نے انسپکٹر آفتاب احمد کو ایک اعزازی تمغہ دینے کا اعلان کیا۔

اس سے اگلے روز وہ سب واقعی اس جنگل میں شکار کے لئے چلے گئے کیونکہ اب وہاں کسی خونی مخلوق کا وجود نہ تھا۔

بچوں کی کوششیں

روزِ محشر

روزِ محشر، اللہ رب العزت چار قسم کے لوگوں کو دوسرے چار قسم کے لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے پیش فرمائے گا۔

غریبوں کے مقابلے میں حضرت عیسیٰؑ کو پیش کیا جائے گا۔ غریب کہے گا "یا اللہ میں آپ کی عبادت کیسے کرتا۔ آپ نے مجھے غریب بنایا، اس غربت نے مجھے نہ دنیا کا رکھا نہ آخرت کا۔" اس سے کہا جائے گا تیرا عذر باطل ہے کیا تو ہمارے بندے عیسیٰ سے بھی زیادہ غریب تھا؟ انھوں نے غربت میں کیسے عبادت کی؟

مالداروں کے مقابلے میں حضرت سلیمانؑ ہوں گے۔ کوئی مالدار عذر پیش کرے گا کہ دنیا میں کاروباری مشاغل نے تیری عبادت کا موقع ہی نہ دیا۔ تو کہا جائے گا، تو جھوٹا ہے سلیمانؑ تو تجھ سے زیادہ مالدار تھے مگر ان کی دولت اور ذمہ داریوں نے انھیں عبادت سے نہ روکا۔

غلاموں کے مقابلے میں حضرت یوسفؑ کو لایا جائے گا۔ غلام کہے گا "یا اللہ! تو نے دنیا میں مجھے جس کا غلام بنایا تھا اس کی غلامی نے تیری عبادت نہ کرنے دی۔" اس سے کہا جائے گا۔ "تو غلط کہتا ہے، اگر غلامی مانع ہوتی تو حضرت یوسفؑ بھی مصر میں غلام تھے۔ ان کی غلامی مانع کہاں ہوئی۔"

مریضوں کے مقابلے میں حضرت ایوبؑ ہوں گے۔ مریض کہیں گے۔ یا اللہ! ہمیں اتنے امراض میں مبتلا کر دیا کہ ہم کچھ نہ کر سکے۔ تو کہا جائے گا۔ "تم بھی جھوٹے ہو۔ ذرا ایوبؑ کو دیکھو۔ کیا تمھارے امراض اس سے بھی سخت اور تکلیف دہ تھے۔ وہ تو انتہائی تکلیفوں میں بھی میری عبادت کرتے تھے۔" اس کے بعد سب خاموش ہو جائیں گے۔ چاروں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پیارے بچو! ذرا غور کرو! ہم تو ذرا ذرا عذر میں بھی اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمام پیارے جھوٹے عذر سے بچیں اور خدا کی عبادت کو اپنا فرض سمجھیں۔

محمد شعیب،
بٹلہ ہاؤس،
نئی دہلی ۲۵

یولی سز اور پالی فیمس

"بہت پرانے زمانے کی بات ہے یونان میں یولی سز نام کا ایک بہت مشہور جنگجو تھا۔ یونانیوں نے "ٹرائے" نامی شہر پر حملہ کیا۔ یہ لڑائی بارہ سال تک لگاتار چلتی رہی۔ اسی دوران یولی سز اور اس کے بہادر ساتھی "ٹرائے" سے چلے گئے۔ وہ اپنے گھر اتھاکا، جا رہا تھا۔ اچانک ایک بڑا طوفان ان کے جہاز کو دور سمندر میں لے گیا اور وہ راستہ بھی بھول گئے۔ کئی دنوں کے بعد وہ بہتے ہوئے ملک سالی کلوپ پہنچ گئے اور انھوں نے وہاں اپنا ڈیرہ اجما لیا۔

سائکلوپ میں بڑے بڑے دیو رہتے تھے۔ ہر ایک کے ماتھے کے بیچ میں صرف ایک آنکھ تھی۔ وہ غاروں میں رہتے تھے اور اور بھیڑ بکری پالتے تھے۔ ان کا صدر "پالی فیمس" تھا جو اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک بڑے غار میں رہتا تھا۔

یولیسز اور اس کے ساتھی اس ملک میں گھومتے رہے ایک دن وہ پالی فیمس کے غار کے سامنے جاکر بیٹھ گئے۔ پالی فیمس دوپہر سے قبل اپنی بھیڑیں لے کر آیا اور ان کو غار میں ہانک دیا۔ اچانک اس نے یولی سز اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا اور چلایا "تم کون ہو؟" یولی سز نے کہا "ہم یونانی ہیں اور ٹرائے سے آئے ہیں۔" دیو ہنسا اور غار میں چلنے کے لیے کہا۔ وہ دیو کے ساتھ غار میں چلے گئے۔ جب وہ اندر پہنچ گئے تو پالی فیمس نے غار کا دروازہ ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا۔ پالی فیمس نے یونانیوں میں سے دو کو مار ڈالا اور ان کا خون پی گیا۔ پالی فیمس ہر روز یونانیوں میں سے دو کو کھاتا تھا۔ یولی سز اور اس کے ساتھی بہت دکھی تھے۔

ایک شام یولی سز نے پالی فیمس کو پینے کے لیے شراب دی۔ پالی فیمس بہت خوش ہوا اور یولی سز سے اس کا نام پوچھا۔ یولی سز نے کہا۔ میرا نام "نومین" ہے۔ دیو یہ عجیب نام سن کر ہنسا۔ اس نے کہا "نومین! میں تم کو سب کے بعد میں کھاؤں گا" اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ اور جاکر سو گیا۔ یولی سز نے موقع کو غنیمت جانا۔ اور ایک لکڑی کے بڑے ٹکڑے کو لے کر اس کے سرے پر آگ لگا دی اور دیو کی آنکھ میں گھونپ دی وہ جاگ اٹھا اور درد سے چلایا۔ بہت سے دیو غاروں میں سے نکلے اور چلائے "کیا بات ہے پالی فیمس؟" "نومین مجھے زخمی کر رہا ہے" پالی فیمس نے جواب دیا۔ دیو سوچنے لگے کہ پالی فیمس شراب پیئے ہوئے ہے اس لیے کہہ رہا ہے کہ نومین یعنی کوئی آدمی نہیں مجھے زخمی کر رہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ وہ شراب کے نشے

میں ایسی بات کہہ رہا ہے چلے گئے۔

پالی فیمس اب اندھا ہو چکا تھا۔ وہ غار میں کسی بھی یونانی کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ وہ غار میں چھپ گئے۔ اور ہر ایک نے اپنے آپ کو بھیڑ کے پیٹ سے باندھ لیا۔ اگلی صبح پالی فیمس نے بھیڑیں غار سے باہر نکالیں۔ اور غار کے منہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے یولی سز اور اس کے ساتھیوں کا بہت انتظار کیا کہ وہ غار کا منہ کھلا دیکھ کر باہر نکل آئیں۔ جب وہ نہیں نکلے تو اس نے کہا "میں تم میں سے کسی کو نہیں ماروں گا" لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا کیوں کہ یونانی تو بھیڑوں کے ساتھ باہر آچکے تھے۔ اب وہ اتھاکا کی طرف جا چکے تھے۔

تو پیا میو! دیکھا آپ نے کہ کس طرح یولی سز پالی فیمس کے جال سے نکلا؟ آپ بھی ہمت نہ ہاریئے گا۔ اگر ہمت نہیں ہاریے تو آپ ہر پریشانی سے نکل سکتے ہیں۔ یہی اس کہانی سے سبق ملتا ہے۔

نور الاسلام، ۱۰۸، ذاکر نگر، نئی دہلی۔

مصیبت پر قہقہہ

آج سے کوئی تین سو برس پہلے کی بات ہے کہ خراسان میں ایک بادشاہ تھا اس کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے اور سونا چاندی کافی مقدار میں تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک چاند سا بیٹا عطا کیا۔ اس کا نام اس نے امیر رکھا تھا۔ اس کو سیاحت کا بہت شوق تھا جب بھی وہ سفر پر نکلتا تو اپنے ساتھ تین سو اونٹ لے کر چلتا اور ان اونٹوں پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہوتا تھا اتفاق سے ایک ملک سے گزرتے وقت خلیفہ اسماعیل نامی ایک دوسرے شہزادے سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی امیر اس مڈبھیڑ میں شکست کھا گیا۔ خلیفہ نے امیر کے اونٹ کھانے پینے کا سامان سب کچھ ضبط کر لیا اور امیر کو قیدی بنا لیا۔ دو دن امیر اسی طرح قید میں رہا تیسرے دن امیر بہت بھوکا تھا بھوک نے اس کو بدحال کر دیا تھا اسی اثنا میں اس نے اپنے باورچی ابو بکر کو بلوایا اور اس سے کہا کوئی کھانے کی چیز ہو تو حاضر کرو تو ابو بکر یہ کہہ کر چلا گیا کہ کچھ ہوا تو حاضر کرتا ہوں۔ جن ہانڈیوں میں کھانے کا سامان رکھا ہوا تھا وہ سب خلیفہ اسماعیل کے سپاہی کھا چکے تھے بہت تلاش کیا مگر کوئی چیز اس کے ہاتھ نہیں لگی۔ آخر تھک ہار کر ناامیدی کی حالت میں لوٹ ہی رہا تھا کہ اس کو ایک ہانڈی میں کچھ تھا ہوا محسوس ہوا اس نے خوش ہو کر جلدی سے اس ہانڈی کو الٹا کیا دیکھا کہ ایک چوہا ہانڈی میں سے نکل کر تیزی سے بھاگا پھر ایک بار ناامیدی کا سامنا کرنا پڑا پھر تھک سے گیا

گوشت کا ٹکڑا ہاتھ لگا اس نے گوشت کے ٹکڑے
کو ہانڈی میں رکھا اور سوچا کہ کچھ ترکاری (سبزی)
بھی اس کے ساتھ ملالی جائے تو اچھا ہوگا یہ سوچ
کر اس نے بازار کا رخ کیا تاکہ سبزی خرید سے۔
اسی اثنا میں ایک کتا ادھر آیا اور گوشت کے
ٹکڑے کو اڑا لے گیا امیر شہزادہ قریب ہی بیٹھا
تھا یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگا تو اس کے قیدی دوستوں
نے اس سے پوچھا اے امیر! ہم بھوکے ہیں یہ
کتا ہمارے منہ کی غذا چھین کرلے جارہا ہے
اور تم ہو کہ ہنس رہے ہو تو امیر نے جواب دیا
چند دنوں پہلے میں ایک شہزادہ تھا اس وقت
تین سو اونٹوں پر صرف میرے کھانے کا سامان
ہوتا تھا اور آج میں ایک قیدی ہوں ایک کتا
میری غذا کو لے بھاگ رہا ہے۔ اگر مصیبت تم
پر بھی آجائے تو قہقہہ لگایا کرو۔

حافظ عبدالوحید۔ عمرآباد۔

کیسے کیسے لوگ

حضرت حافظ ہشیم بن بشیر

اسلام میں اس شخص کو بڑا کہا گیا ہے جو علم
وفضل عبادت اور تقوا میں دوسروں سے بہتر ہو۔
پیارے ساتھیو! آج میں آپ کو ایک ایسے ہی عظیم بزرگ
حضرت ہشیم بن بشیر کا حال سناتا ہوں۔

اب سے ۱۲۰۰ سال پہلے شہر بخارا میں بشیر نام
کا ایک باورچی تھا۔ وہ شخص اپنے ہنر میں کامل
تھا۔ ہشیم اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اکلوتا ہونے کے
سبب ہشیم ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھا۔

بشیر چاہتا تھا کہ اس کا ہونہار بیٹا ہشیم بھی
باورچی کا کام سیکھے۔ لیکن ہشیم کو تعلیم سے دلچسپی
تھی۔ بشیر نے بیٹے کی خواہش پر دھیان نہیں
دیا اور کھانا پکانے کے کام پر لگا دیا۔

ہشیم میاں ماں باپ کے بڑے فرماں بردار
بیٹے تھے۔ انھوں نے کیا یہ کہ کھانا پکانے کا کام
سیکھنا شروع کر دیا۔ اور باقی وقت میں عالموں
سے قرآن وحدیث کا درس لینے لگے۔ اللہ تعالیٰ
نے انھیں ذہن بھی بہت اچھا دیا تھا جو چیز یاد
کر لیتے اسے وہ کبھی نہیں بھولتے تھے ہشیم میاں
کے بچپن میں بہت بڑے بڑے عالم گزرے
ہیں جنھوں نے صحابہ سے قرآن وحدیث کا علم حاصل
کیا تھا۔ ان میں ایک نامور عالم قاضی ابو شیبہؒ
تھے۔ انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ہشیم میاں
اس مدرسے میں تعلیم پانے لگے۔

ایک بار ہشیم میاں بیمار پڑ گئے۔ قاضی صاحب
اور دوسرے استادوں کو پتا چلا تو وہ سب ہشیم
میاں کے گھر پہنچے۔ اتنے بزرگوں کو اپنے گھر میں
دیکھ کر بشیر تو ہکا بکا رہ گیا۔ قاضی صاحب کا کسی
کے گھر پر جانا بہت بڑی اور عزت کی بات ہے۔
اب بشیر خوشی سے پھولا نہ سمایا آج اسے پتا چلا
کہ علم سے آدمی کتنا بڑا بن جاتا ہے اس کے بعد
بشیر نے ہشیم میاں کو مدرسے میں علم حاصل کرنے

کی پوری اجازت دے دی۔ ہشیم میاں کا حصول
علم کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ جہاں انھوں نے سنا کہ
کوئی بزرگ پیارے رسول اللہؐ کی کوئی حدیث
جانتے ہیں وہیں جا پہنچے یا ان سے حدیث سنی،
یاد کی اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا حصول علم کے
لیے انھوں نے دور دور کے سفر کیے، مکہ، مدینہ
بصرہ، کوفہ، بغداد اور نہ جانے کہاں کہاں گئے
بڑے بڑے عالموں اور اماموں سے فیض
پایا۔

اب وہ خود ایک بڑے عالم بن گئے اتنے
بڑے عالم کہ لوگ انھیں حافظ امام ہشیم بن بشیرؒ
کہنے لگے۔ انھوں نے بغداد میں درس دینا
شروع کر دیا۔ ان کے نامور اور معتبر شاگردوں
میں مندرجہ ذیل امام بھی شامل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ
امام احمد بن حنبلؒ۔ امام حمادؒ

حافظ امام ہشیم بن بشیرؒ ۱۰۴ھ میں پیدا
ہوئے اور ۱۸۳ھ میں وفات پائی ان پر اللہ کی
رحمت ہو۔

ہدایات قرآن پاک کی روشنی میں

• لوگوں سے بے رخی نہ کرو اور زمین پر اترا کر
نہ چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے شیخی خور کو
پسند نہیں کرتا۔

• جو شخص کسی لباس کو شہرت حاصل کرنے
یا امارت ظاہر کرنے کی غرض سے پہنے اللہ تعالیٰ اسے
ذلت کا لباس پہنائے گا۔

• جو ہماری ناراضگی لوگوں کی رضامندی کے مقابلے
میں خریدتا ہے ہم اس کو انھیں کے حوالے کر دیتے
ہیں۔

• جو شخص کسی غریب کو دولت دے اور اس غریب کے
دل پر اس دولت کا بوجھ ڈالے یعنی احسان جتائے
وہ خدا سے ڈرے بہت سے دولت و قوت رکھنے والے
بری طرح برباد ہو گئے۔ اور اقبال مندی نے
کئی غریبوں کو اونچا اٹھا دیا۔

• لوگو! جب تک وہ چیزیں خدا کی راہ میں خرچ
نہ کرو گے جو تم کو عزیز و پیاری ہوں نیکی کے درجے
کو کبھی نہ پہنچو گے یعنی خیر کامل اس وقت حاصل نہیں
ہو گا اور کوئی چیز بھی خرچ کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا
ہے۔ جس پر فاقہ ہو اور وہ دوسروں پر ظاہر کرے
یعنی بھیک مانگے اس کا فاقہ دور نہیں ہوتا اور
جو اپنا فاقہ خدا پر ظاہر کرے یعنی خدا سے مانگے
تو اسے بہت جلد ضرور رزق دیا جائے گا۔

• جس شخص کو اللہ کا ذکر سوال کرنے سے روکے
اللہ اس شخص کو سوال کرنے والے سے زیادہ
دیتا ہے۔

عظمیٰ عارف، کھیڈا، جالون

میرے پسندیدہ اشعار

بندگی کے جذبے ہیں بندہ ہوں میں گدا نہیں
[illegible]

یوں کی قدر کیجیے ورنہ یہ زندگی
یوں ہی گزر جائے کہیں دھوپ چھاؤں میں

دعرفان احمد معین الدین
پٹیل ۔ اوسواڑی)

اسلامی طریقہ

سلیم اور کامل بہت گہرے دوست تھے۔ یہ دونوں ساتھ اسکول جاتے اور ساتھ ہی واپس آتے۔ کامل اسلام کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا تھا مگر سلیم اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں لاپروائی کرتا تھا۔ اکثر سلیم ایک ہی سانس میں پانی پیتا تھا۔ کامل اسے سمجھاتا کہ پانی بیٹھ کر بسم اللہ پڑھ کر اور تین سانسوں میں پینا چاہیے۔ مگر سلیم اپنی حرکت سے باز نہ آتا۔ اس کلاس میں ایک عامر نامی لڑکا بھی پڑھتا تھا وہ ان دونوں کی دوستی سے بہت حسد رکھتا تھا۔

سنیچر کا دن تھا عامر ایک ریسٹورنیٹ میں بیٹھا سلیم اور کامل کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حسب معمول آج بھی سلیم اور کامل دونوں ضرور اس ریسٹورنیٹ میں چائے پینے آئیں گے۔ عامر نے سلیم اور کامل کو دور سے آتے دیکھا۔ انھیں دیکھتے ہی عامر نے ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاسوں میں کچھ ملا دیا اور باہر نکل گیا۔ اتفاق سے سلیم اور کامل اسی میز پر آکر بیٹھے۔ چائے کا آرڈر دے کر پانی پینے لگے۔ کامل نے اسلامی طریقے کے مطابق پانی پہلے ایک گھونٹ پیا۔ اسے پانی کچھ کڑوا لگا کامل نے پانی کا گلاس میز پر رکھ کر سلیم سے کچھ کہنا چاہا لیکن سلیم کو ٹیبل پر بے ہوش پایا۔ سلیم کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ سلیم نے ایک ہی سانس میں پانی پی لیا تھا زہریلا اثر ہو گیا۔

سلیم نے خود کو ہسپتال میں پلنگ پر لیٹا پایا۔ کامل دکھائی پڑا اس نے بتایا۔ عامر نے ہمیں ستانے کے لیے پھر پانی میں کچھ ملا رکھا تھا۔ تم نے ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا تم پر برا اثر ہو گیا لیکن میں نے اسلامی طریقے کے مطابق ایک ایک گھونٹ پانی پیا۔ مجھے پانی کڑوا لگا، میں نے پانی رکھ دیا۔ اکثر تم کو پانی پینے کا اسلامی طریقہ بتاتا تھا لیکن تم نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ اگر آج تم اسلامی طریقہ اپناتے تو اتنا پریشان نہ ہوتے۔ اسلام کی بتائی ہوئی معمولی بات بھی انسان کو ایک نئی زندگی دے سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ کامل کی باتیں سن کر سلیم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور وہ اسلامی طریقے پر عمل کرنے لگا۔

شبیر احمد حبیب اللہ انصاری ۔ مہاراشٹر۔

ایک شعر

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ
(حالی)

س ۲ عقیل [illegible]

پیامی ادبی معمّا نمبر 43

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۵ء

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اسے ہی نمبر وار لکھیے

۱۔ اس کے بعد وہ ــــــ پر سوار ہو کر میلے کی جانب روانہ ہو گیا۔ (سائکل / موٹر / گھوڑے)

۲۔ اب جو انھوں نے دیکھا تو ــــــ نہیں چھٹتی تھی۔ (چوہا / گلہری / مکوڑا)

۳۔ اس کی ــــــ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ (رائے / باتوں / کہی)

۴۔ میں ــــــ گیا ہوں (آ / مجبور / دے)

۵۔ مگر وہ ــــــ باتیں کیے جا رہا تھا (بُری بُری / اچھی طرح)

۶۔ اس وقت اسے وہ تھوڑی بہت ــــــ استعمال کرنی پڑی۔ (دوا / غذا)

۷۔ اس طرح ــــــ خاصا وقت گزر گیا۔ (کھیلتے کھیلتے / ہنستے ہنساتے / دوڑتے دوڑتے)

۸۔ میرے ــــــ کتنے خوبصورت ہیں۔ (بال / سینگ / دانت / کپڑے)

صفحہ آخر کے ڈنڈے والوں کے لیے ذہن پر زور دیے بغیر پہلے سوالوں کے جوابات صفحہ ۲۴ اور ۲۶ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا کوپن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو [illegible] انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

PAYAM-E-TALEEM MONTHLY
JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معمّا نمبر ۴۳ ماہنامہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

جمہوریت، سماج واد، سیکولرازم
اتحاد اور سالمیت
امن وامان اور ترقی کے لئے
ہماری مضبوط بنیادیں ہیں۔

بچوں کے لیے
نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
سہانے ترانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/۰۰
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵۰
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جبرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا ناصح	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
گاندھی جی دکھنی افریقہ میں	۲/۰۰
[illegible]ید پہیلیاں	۶/-
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ایک طالب علم کی کہانی	۲/—
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵۰

کتاب	قیمت
آؤ وڈا ما کریں	۲/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
خرگوش کا سپنا	۵/۰۰
موم کا محل	۴/۰۰
محمد شفیع الدین نیر	۷/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/۰۰
پیارے رسولؐ	۴/۵۰
چار یار	۴.۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳:
ہار کی تلاش	۶/-
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنادن تا کے سے	۱/۵۰
پانچ پونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰
جیت کس کی ؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
ردلی کس نے پکائی	۱/۵۰
لال مرغی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہیو جیو	
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خاں	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵
اردو خوشخطی اول	۱/۵۰
اردو خوشخطی دوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی سوم	۲/۵۰
اردو خوشخطی چہارم	۲/۵۰

کتاب	قیمت
ریڈیو پیپر	۲/۵۰
سرکس	۱/۵۰
گاندھی بابا کی کہانی	۴/۰۰
ہمارے محاورے	۸/۵۰
کہاوتیں اور کہانیاں	۶/۰۰
ہمارا دین (دو حصے) فی حصہ	۶/۰۰
چوری کی عادت	۲/۰۰
چمپاوت کا آدم خور شیر	۱/۵۰
چنبیلی	۱/۲۰
چناتوں کی کہانی	۲/۵۰
بچوں کے اقبال (نظمیں)	۴/۵۰
دھنک (")	۳/۰۰
کھیل سنسار (")	۴/۵۰
شہزادہ اور ٹھگ	۲/۰۰
سندر چنار	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور غبارے	۱/۵۰
گلابو چوہیا اور پری زاد	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵
میر انیس	۲/۰۰
دادا نہرو	۴/۰۰
جلوہ غالب	۲/۰۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	۱/۵۰
میاں ڈھینپوں کے بچے	۱/۵۰
ہرن کے بچے	۱/۵۰
بہادر	۲/۵۰
ایک چھوری تیل میں	۱/۵۰
تانبیل خاں	۱/۵۰
تین اناڑی	۳/-
پہیلیاں	-/۸۰
جھوٹا لڑکا	۱/۵۰
جن حسن عبدالرحمن (اول، دوم) فی حصہ	۲/۵۰
چڑیا ماں	۳/-
ہمارا دین اول	۷/-
تیار رہو	۱/۵۰
تاریخ ہند کی کہانیاں اول	۱/۵۰

Licence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of posta
Regd. No. D(SE)-043 September, 1988

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025
Regd. with R.N.I. at No.10537/64

پیام تعلیم

ماہنامہ
پیامِ تعلیم
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اکتوبر ۸۸ء | جلد ۷۶ | شمارہ ۱۰

بچوں سے باتیں

... [illegible] رتناگری میں اردو اور پیام تعلیم کے ... پرستار ہیں۔ تاج الدین پرکار۔ ہماری خواہش پر تاج صاحب نے صرف چند دن کی دوڑ دھوپ سے پیامی لائبریری قائم کردی۔ اس کا افتتاح جماعت المسلمین کے صدر جناب محمد صاحب انتولے کے دست مبارک سے کروایا۔ مقامی اردو دوستوں نے نہ صرف تعاون کا وعدہ کیا بلکہ کتابیں بھی تحفے کے طور پر دیں۔ ضلع پریشد اردو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے وقتی طور پر اس نیک کام کے لیے اسکول کا ایک کمرہ بھی دیدیا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اردو اپنے ایسے ہی ہمدردوں کی وجہ سے زندہ ہے۔ ہم عزیزی تاج میاں کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اردو کے سلسلے میں اِن کا یہ جوش و خروش کبھی کم نہ ہو۔ آمین ــــ لیجیے تاج میاں کی تعریف میں ہم ایسے کھوئے کہ پیامی لائبریری کے سکریٹری کا نام بتانا ہی بھول گئے۔ سکریٹری صاحب کا نام ہے ــــ آصف ابراہیم پرکار۔ ان کی بہت سی کہانیاں آپ پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہیں۔ ان کے نائب ہیں ثنار اللہ بدر الدین پرکار۔ خازن صاحب ہیں، قطب الدین یوسف پرکار۔ نائب خازن کا نام ہے۔ حسین میاں عبد الغفور پرکار۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ چار ذمے دار پیامی، پیامی لائبریری میں چار چاند لگادیں گے۔

دیگر مستقل کالم

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: 30/=
غیر ممالک سے: 85 روپے
بذریعہ ہوائی جہاز: ۲۰۰ روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار۔ دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ ۱

پرنٹر و پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

تتلیاں

نسیم فاروقی

کرنوں کے سایے سایے نہاتی ہیں تتلیاں
سارے چمن میں رنگ اُڑاتی ہیں تتلیاں

نُقطے سے دائرے سے لکیریں سی حرف سے!
پھُولوں کے کتنے رُوپ چُراتی ہیں تتلیاں

پھُلواریوں میں دیکھیے کچھ پہلے شام سے
جب ریشمی پَروں سے لُبھاتی ہیں تتلیاں

پَر کھولے بیٹھتی ہیں جو پھُولوں کے اردگِرد
اکثر پَرِی کی یاد دلاتی ہیں تتلیاں

کوئی شریر بچّہ لپک کر پکڑ نہ لے
پھُولوں میں چھُپ کے خود کو بچاتی ہیں تتلیاں

وہ جارہے ہیں کیسے دَبے پاؤں گھاس میں
عُرفی کو چُپکے چُپکے بلاتی ہیں تتلیاں

اس پھُول پر ٹکیں کبھی اس پھُول سے اُڑیں
ابّی کو اُنگلیوں پہ نچاتی ہیں تتلیاں

اُڑتے ہوئے یہ پھول ہیں خُوشبو بھی ان کو دے
یارب چمن کی شان بڑھاتی ہیں تتلیاں

تلسی داس مارگ لکھنؤ

گرمی!

عطاء الرحمٰن طارق

سب کو سُورج کا پَرنام
بندہ حاضر ہے بے دام

توبہ توبہ ہائے رے ہائے
گرمی بولے میرا کام!

بیٹھ مُسافر چھاؤں تلے
کرے پل دو پل آرام

موسم کھٹا میٹھا سا!
کچّی کیری، پکّے آم

چھینٹے دو انگنائی میں
بدلے میں لو گُڑ انعام!

دُھوپ الف ہے سارے میں
گھر میں بیٹھو کر لو کام!

آؤ طارق دیکھ کے آئیں
بیچ ندی میں ڈوبے شام

فاطمہ بنگلہ، کے کے روڈ۔ جیکب سرکل بمبئی
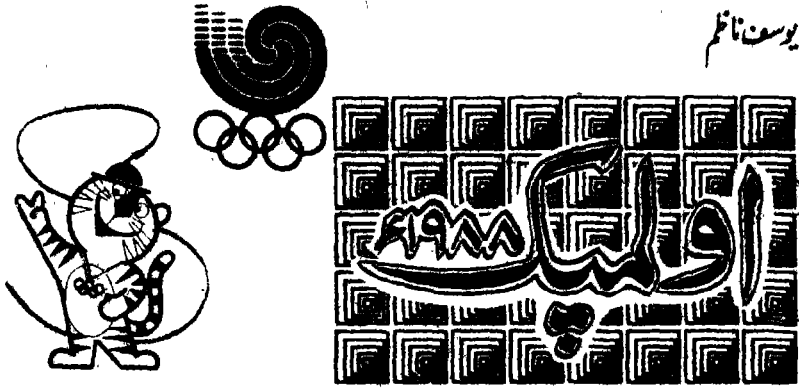
پڑھنا اور اچھا پڑھنا تو ضروری ہے ہی لیکن کھیلوں میں حصہ لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پڑھنا۔ یہ بات غلط ہے کہ کھیلوگے کودوگے تو ہوگے خراب۔ کھیلنا تو اب ایک پیشہ ہوگیا ہے لیکن ہر شخص یہ پیشہ نہیں اختیار کرسکتا۔ قدرت کی طرف سے بھی مدد ہونی چاہیے۔ جیسے کہ ڈاکٹر تو بہت ہوتے ہیں اور کامیاب بھی ہوتے ہیں لیکن کچھ ڈاکٹروں کے ہاتھ میں شفا ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت ہم یہ باتیں کیوں کریں کہ دستِ شفا کیا چیز ہے اور علم کیا چیز ہم تو یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ اس زمانے میں کھیلوں کی کیا اہمیت ہے۔ اہمیت نہ ہوتی تو کیا ہر ۴ سال کے بعد اولمپک کھیل ہوتے۔ یہ آخر کیوں ہوتے ہیں اور کیسے ہوتے ہیں ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو تم جانتے ہو لیکن اس سال یعنی ۱۹۸۸ء میں یہ کھیل کہاں ہوں گے اور ان کھیلوں کے لیے کیا کیا انتظامات کیے گئے ہیں ان کی تفصیل بھی تو تمہیں جاننا چاہیے، یہی مہینا یعنی ستمبر کا مہینا ان معلومات کے لیے بہترین مہینا ہے کیونکہ ۱۹۸۸ء کے کھیل ستمبر میں ہونے والے ہیں اور دو ہفتوں تک وہ ہنگامہ رہے گا کہ اگلے ۴ سال تک اس کی گونج رہے گی۔ ۱۷ ستمبر کی تاریخ یاد رکھنا اور اس دن دوردرشن پر ان کھیلوں کی افتتاحی تقریب دیکھنا نہ بھولنا۔

یہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا کہ ۱۹۸۴ء کے اولمپک کھیل لاس اینجلس میں ہوئے تھے اور یہ لاس اینجلس امریکہ میں ہے۔ امریکہ میں دولت کی کمی نہیں وہاں کے لوگ تو کھیل کود کے دیوانے میں بے تحاشا روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن صرف روپیہ خرچ کرنے سے کیا ہوتا ہے سلیقہ بھی چاہیے کیوں کہ اولمپک کھیل کے انتظام کے لیے صرف روپیہ نہیں، سوجھ بوجھ دانشمندی، دوراندیشی سارے لوگوں کی مدد، محنت اور لگن بھی درکار ہے۔ کوریا بہت زیادہ مال دار ملک نہیں ہے لیکن بڑے باہمت

اور شوقین لوگوں کا ملک ہے جبھی تو اس سال کے اولمپک کھیلوں کے میزبان کی حیثیت سے انھیں چُنا گیا ہے۔

اب چلو سیول (SEOUL) چلیں جہاں ان کھیلوں کے لیے ایک شہر آباد ہوا ہے۔ جب تک ایک نیا شہر تعمیر نہ کیا جائے۔ یہ کھیل نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کھیلوں میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کی تعداد بھی کوئی تیرہ ہزار ہے۔ پھر ان کے ساتھی۔ اور پھر خود میزبان شہری ایک لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کے لیے تو اسٹیڈیم ہی میں جگہ رکھی گئی ہے۔ جہاں یہ اسٹیڈیم اور نیا شہر چاہیے وہ جگہ کوریا کے صدر مقام سیول سے ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس اسٹیڈیم کے بنانے پر جو رقم خرچ کی گئی ہے سچ پوچھو تو ہم وہ رقم تمھیں بتانا نہیں چاہتے کیونکہ ہم خود نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کتنے روپے ہیں۔ امریکی ڈالر کا جو شاید ہمارے ۱۸ روپوں کے برابر ہوتا ہے کا حساب کیا جائے تو اس اسٹیڈیم پر ۱۰۵ ملین ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ اب تم پوچھو گے یہ ۱۰۵ ملین ڈالر کے کتنے روپے ہوئے تو ہم جھینپ کر چپ ہو جائیں گے۔ اپنے شہر میں بینک منیجر سے پوچھ لینا۔ (ریاضی کے استاد سے بھی مت پوچھنا)۔

اسٹیڈیم ایک لاکھ ۳۲ ہزار دو سو گز مربع گز زمین پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ خود ایک بڑا شہر ہو گیا۔ اب رہے لوگوں کے ٹھہرنے کے لیے مکانات، سڑکیں، باغ اور خدا معلوم کیا کیا۔ ظاہر ہے بڑے بڑے ہوٹل بھی ہوں گے۔ سینما ہال بھی ہوں گے۔ (بس وہاں نہیں ہوں گے تو ہم نہیں ہوں گے)۔ اس اسٹیڈیم میں داخل ہونے کے لیے ۵۲ دروازے ہیں اور منتظمین کا خیال ہے کہ اگر ایک لاکھ تماشبین بھی ایک ہی وقت میں وہاں پہنچیں تو انہیں اپنی اپنی جگہ پر پہنچنے کے لیے ۱۵ منٹ سے زیادہ کا وقت درکار نہیں ہوگا۔ حد ہو گئی۔ اسٹیڈیم میں جو کرسیاں رکھی گئی ہیں وہ اپنی جگہ سے ہلائی نہیں جا سکتیں اس لیے کسی بے ترتیبی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان کے درمیان میں بھی اتنی جگہ رکھی گئی ہے کہ کسی کو تکلیف دیئے بغیر اپنی کرسی پر پہنچ جاؤ اور مزے سے کھیل دیکھو۔

اس ۱۰۵ ملین ڈالر کے اسٹیڈیم میں برقی روشنی کے جو بلب لگائے گئے ہیں ان کی تعداد ۷۸۴ ہے۔ (۲۱۶ بلب اور لگا دیتے تو ایک ہزار کی گنتی پوری ہو جاتی) اس میں لاؤڈ اسپیکر بھی لگے ہیں۔ یہ البتہ زیادہ فیاضی کے ساتھ لگائے گئے ہیں اور تعداد میں ۲ ہزار ہیں۔ ایک ایک لفظ صاف سنائی دے گا۔ لاؤڈ اسپیکر بھی اعلیٰ درجے کے ہوں گے۔ ایسے نہیں جو ہمارے جلسوں میں لگائے جاتے ہیں۔ سنائی سب کچھ دیتا ہے لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ ہمارے لاؤڈ اسپیکر

کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور ہوائی جہاز کے مسافر بھی اس کی آواز سن سکتے ہیں۔
شہر کی سڑکوں اور ساری عمارتوں کو خوبصورت بنانے کا کام بھی بڑے پیمانے پر جاری ہے سڑکیں تو رنگی جا رہی ہیں۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ اولمپک کھیلوں کی میزبانی کا اعزاز ایک ایسے ملک کو حاصل ہو رہا ہے جو ابھی ترقی کی پوری منزلیں طے نہیں کر پایا ہے۔

اولمپک کھیل آج سے پورے ۹۲ سال پہلے شروع ہوئے تھے یعنی ۱۸۹۶ء میں اور ۸ سال بعد یعنی ۲۶ ویں اولمپک کھیل جب ہوں گے تو اس کا ۱۰۰ سالہ جشن بھی ساتھ ہوگا اس ۲۴ ویں مقابلے میں ۱۶۰ ملکوں کی ٹیمیں اور کھلاڑی حصہ لیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ان مقابلوں میں کرکٹ اور ٹینس وغیرہ کے سوا بھی کھیل شامل ہیں۔ تیراکی کے تو ایسے ایسے کرتب اور کمالات دیکھنے میں آئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے کم عمر کھلاڑیوں نے کیسے یہ کرتب سیکھ لیے۔ جمنازیم کے کرتب بھی دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ دنگ رہ جانا کسے کہتے ہیں تمہیں معلوم ہے۔ اس میں آدمی کچھ بولتا نہیں ہے بس خاموشی سے دیکھتا ہی رہتا ہے۔ آنکھیں تو کھلی رہتی ہیں، منہ بھی کھل جاتا ہے۔

لمبی لمبی دوڑیں، سو میٹر کی دوڑ، لانگ جمپ، ہائی جمپ، اور ہاکی اور فٹ بال کے مقابلے کھلاڑی تو تمغے حاصل کرنے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ہندستان کی ہاکی ٹیم نے کئی سال اولمپک میں سنہری تمغے حاصل کیے ہیں۔ اب کیا ہو گیا ہے پتہ نہیں، ورنہ ہاکی کا کھیل صرف ہندستان اور پاکستان کے کھلاڑیوں کا کھیل سمجھا جاتا تھا۔ اب تو روس، برطانیہ، جرمنی، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے کھلاڑی اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ ہمیں ناکوں چنے چبوا دیتے ہیں۔ وہ کھلاڑی کھاتے پیتے بھی خوب رہتے ہیں جسے دیکھو پہلوان نظر آتا ہے اور اس کے باوجود اتنا پھرتیلا ہوتا ہے کہ پلک جھپکنے میں یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ فٹ بال کے کھلاڑی تو ایسے دھکے دیتے ہیں کہ دوسرا کھلاڑی ہم، ۵ قلابازیاں کھا جاتا ہے۔ فٹ بال میں ہم لوگ یوں بھی بہت پیچھے ہیں۔ یہ اونچے قد کے لوگوں کا کھیل ہے۔ برازیل، ارجنٹائنا اور دوسرے ملک کسی کو آگے ہی نہیں بڑھنے دیتے۔

ابھی کھیل شروع ہونے میں کتنے دن پڑے ہیں لیکن سیول میں جون ہی کے مہینے سے چہل پہل شروع ہو چکی ہے۔ جتنے بھی ملکوں کی ٹیمیں وہاں پہنچنے والی ہیں ان ملکوں کے قومی پرچم عمارتوں پر لہرا دیئے گئے ہیں۔

سیول کے نوجوان، بوڑھے سبھی ہر ملک کی زبان سیکھ رہے ہیں۔ ٹیکسی گاڑیاں چلانے

والوں نے تو انگریزی سیکھ بھی لی ہے۔ جب دنیا کے کونے کونے سے کھلاڑی وہاں پہنچیں گے تو اپنے آپ کو بے زبان نہیں محسوس کریں گے۔ ٹھہرو ہمتیں ہم اُردو کے سب سے بڑے شاعر کا ایک شعر سناتے ہیں۔ غالبؔ کا۔ اتفاق سے یہ شعر زیادہ مشکل نہیں ہے (جبھی تو ہماری سمجھ میں آیا)۔ شعر ہے

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

غالبؔ صاحب کے زمانے میں دنیا میں شاید ایسی کوئی جگہ ہوتی ہو لیکن اب دنیا کے ہر کونے میں ایک دوسرے کی زبان جاننے والے اور ایک دوسرے کو سمجھنے والے موجود ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو کوشش کرکے دوسرے کی زبان سیکھ لیتے ہیں۔ کھیلوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے جس پر کسی نے اب تک غور ہی نہیں کیا تھا۔

دیکھنا ہے کہ اس سال ہمارے حصے میں کتنے تمغے آتے ہیں۔ مقابلوں کی تعداد ۲۳ ہے۔ اور سونے کے تمغے ۲۳ ہیں۔ چاندی اور کانسے کے تمغے الگ ہیں۔ کانسے اور چاندی کے تمغوں کی بھی کافی اہمیت ہوتی ہے۔ ہر کسی کو سونے کا تمغہ تھوڑے ہی مل جاتا ہے۔ دوڑوں میں دو تین تمغے تو ہندوستان آئیں گے ہی۔ اولمپک کھیلوں کا کمال یہ ہے کہ ہر سال پچھلے سال کے ۴، ۵ ریکارڈ تو ٹوٹتے ہی ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں کسی نے سو میٹر کی دوڑ ۲ منٹ میں دوڑی تھی تو ۱۹۸۴ء میں ۲ منٹ سے بھی کم وقت میں دوڑ کر کسی نے پچھلا ریکارڈ توڑ دیا۔ یہ تو ہونا ہی چاہیے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں۔ تعلیم کا معیار گر رہا ہے اور کھیلوں کا بڑھ رہا ہے تو ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہی کہتے ہوں لیکن تعلیم کے معیار کو جانچنے کے لیے کوئی گھڑی بنی کہاں ہے۔

اب سیول پہنچنے کا وقت رہا نہیں ہے اور اب وہاں جاکر کوئی کرے گا بھی کیا۔ ٹھہرنے کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔ لوگ وہاں پہنچے نہیں ہیں لیکن جانے والوں کی جگہ تو محفوظ ہو ہی چکی ہے۔ خیر ۱۹۹۲ء میں دیکھا جائے گا۔

مجیب الرحمن آگرو

اسلام کے مشہور سپہ سالار

خالد بن ولیدؓ

خالد بن ولیدؓ قبیلہ قریش کے عظیم فرزند تھے۔ آپ کو ابتدا سے عرب کے قاعدہ کے مطابق فوجی تربیت ملی تھی۔ غزوۂ اُحد کے وقت آپ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف بڑے جوش سے لڑے، بلکہ آپ ہی کی شجاعت سے کافروں کے قدم دوبارہ جمے تھے۔ فتح مکّہ سے کچھ دن پہلے اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہوئے اور قبول اسلام کے بعد مدینے کو اپنا وطن بنا لیا۔ کئی غزوات میں شریک رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ غزوات ان اسلامی جنگوں یا جہادوں کو کہتے ہیں جن میں رسول اللہ بذاتِ خود شریک ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں نبوّت کے مدّعیوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں آپ نے وہ شاندار اور یادگار خدمت سرانجام دی جسے اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مُسَیلمہ کذاب کی بے پناہ قوّت کو توڑنا آپ ہی کے دست و بازو کی قوّت کا لاثانی کرشمہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں کچھ مسلمان اسلام سے پھرنے لگے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔ اس کو فتنۂ ارتداد کہتے ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ فتنۂ ارتداد کے طوفان میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ خالد بن ولیدؓ وغیرہ کا کارنامہ ہے: اس فتنے کو ختم کر کے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے آپ عراق کی طرف بڑھے۔ بڑی بڑی خونریز جنگیں لڑیں اور عراقی مہمات میں کامیاب ہوئے اور محاذ شام پر پہنچے اور پہنچتے ہی جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

بہت سی مشہور جنگیں لڑیں اور دشمنوں کو تباہ کن شکست دے کر عالم گیر شہرت حاصل کی۔ اگر خالد بن ولیدؓ ایک غیر مسلم مغربی فاتح ہوتے تو یورپی مورخ آج ان کو سکندرِ اعظم سے بڑا سپہ سالار ثابت کرتے۔

۱۷ھ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ کو معزول کر دیا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ جو کام چاہتے تھے اپنی مرضی سے کر گزرتے تھے۔ شاعروں کو بڑے بڑے انعام دے ڈالتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عام مسلمانوں میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کے دست و بازو پر ہے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اطلاع پہنچی کہ آپ نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار کی بڑی رقم یکمشت انعام میں دے دی، تو انھوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کیجیے کہ انھوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا۔ بیت المال سے دیا تو خیانت کی اور اپنی جیب سے دیا تو اسراف ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ اس جواب میں دنیا کے اس نامور اور بہترین جرنیل نے کہا تو صرف یہ کہا: "میں نے فرمان سنا۔" عین میدانِ جنگ میں حکم پہنچا اور وہیں آپ کو فرمان سُنا کر علامتِ معزولی کے طور پر آپ کے سر سے کُلاہ اُتار کر عمامہ گلے میں ڈال دیا گیا۔ البتہ مدینہ منوّرہ آکر عرض کیا کہ "آپ نے میرے معاملے میں زیادتی کی۔" فاروق اعظمؓ نے پوچھا: "تمھارے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی؟" فرمایا، "مالِ غنیمت کے حصول سے میرے ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو بے تکلّف آپ لے لیں۔" حساب پر بیس ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں داخل کر لیے گئے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا، "خالدؓ! اب بھی میرے دل میں تمھاری وہی عزّت و محبّت ہے۔" ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ خالدؓ کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں ہوئے بلکہ انھیں اس لیے ہٹایا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ فتوحات کا دارومدار خالدؓ کی قوّت پر نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے برحق ہونے پر ہے۔ اس کے بعد بھی آپ رضاکارانہ طور پر جہاد میں شامل ہوتے رہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ بڑے جوہر شناس تھے۔ کچھ ہی مدّت بعد آپ کو ایک علاقے کا گورنر مقرّر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد آپ نے استعفیٰ دے دیا۔

مسلم اور غیر مسلم سبھی کے نزدیک جنگی میدان میں آپ کا آج تک کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ وقت پر ایسی جنگی چال چل جاتے کہ دشمن دیکھتا ہی رہ جاتا۔ "جنگ موتہ" میں تین ہزار

کو ایک لاکھ سے لڑا کر سلامت نکال لائے۔ ترتیب ہر بار ایسی مقرر کرتے کہ آپ کا لشکر دشمن کے لشکر سے دوگنا اور چوگنا نظر آتا تھا۔ مخالفوں کو ہر بار دھوکے میں ڈال دینا آپ کا ایک ادنا کرشمہ تھا۔ بہادری اور جنگی تدبیروں میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ ترقی یافتہ اور تجربے کار ایرانیوں اور رومیوں نے انتہائی چالاکیوں اور شجاعت سے کام لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

آپ نے کم و بیش سوا سو جنگیں لڑیں۔ ہر جنگ میں کامیاب ہوئے اور دشمن کو حیران و پریشان کر دیا۔ جسم کا بالشت بھر ٹکڑا بھی ایسا نہ تھا جو تلواروں اور تیروں کے زخموں سے چھلنی ہونے سے محفوظ رہا ہو۔ جب آخری وقت آیا تو فرمایا "افسوس ساری زندگی میدانِ جنگ میں گزری۔ اب بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہا ہوں" اکثر فرمایا کرتے تھے:

"میدانِ جنگ کی سخت رات مجھے شادی کی رات سے بھی زیادہ مرغوب و محبوب ہے۔"

مدینہ میں بیمار ہوئے اور ۲۲ ہجری میں عالمِ بقا کو تشریف لے گئے۔ مدینہ میں عام طور پر اور بنی عندہ میں خاص طور پر بہت ماتم ہوا۔ کہرام مچ گیا۔ آپ نے کئی صاحبزادے چھوڑے، جو بڑے شیر دل تھے۔ حضرت خالدؓ اسلام کے نامور ترین جرنیل ہیں۔ دنیا آج تک ایسا عظیم جرنیل اور نامور سپہ سالار پیدا نہیں کر سکی۔

عبداللہ ولی بخش قادری

نئے ہند کے معمار

موہن داس کرم چند گاندھی

اب سے ۱۱۸ سال پہلے ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو کاٹھیاوار کے علاقے میں پوربند کے مقام پر ایک عزت دار بنیا خاندان میں ایک بچے کا جنم ہوا۔ اُس کے ایک بہن اور دو بھائی پہلے سے موجود تھے۔ وہ سب سے چھوٹا ٹھہرا۔ یوں بھی اس میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو اُس پر کوئی خاص توجہ دی جاتی۔ سات سال کی عمر میں وہ اپنے والد کے ساتھ راج کوٹ گیا جہاں اُسے ایک ابتدائی مدرسے میں داخل کیا گیا۔ وہاں سے بارہ سال کی عمر میں وہ اپنے اسکول میں پہنچا۔ اب تک اس کی پڑھائی کے بارے میں کوئی خاص بات سننے میں نہیں آئی۔ لہٰذا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی سا طالبِ علم تھا۔ البتہ اس میں ایک خاص بات ضرور تھی کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ اس کو اُس اچھی عادت کی بدولت ہائی اسکول میں پہلے ہی سال امتحان کے موقعے پر اس کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ انسپکٹر مدارس معائنے کے لیے آئے تھے۔ انھوں نے ہجّے جاننے کے لیے چند الفاظ لکھوائے۔ اس بچّے نے ایک لفظ کے ہجّے غلط لکھے۔ اس کے استاد نے چپکے سے جوتے کی نوک سے ٹھکرا کر اُسے چوکنا کرنا چاہا مگر وہ بالکل بے خبر ہی رہا کیونکہ وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ استاد اُسے اپنے برابر والے ساتھی کی نقل کرنے کے لیے اُکسا سکتا تھا۔ اس بنا پر اُس کے علاوہ سب لڑکوں کے یہاں ہر لفظ کے ہجّے صحیح نکلے۔ بعد میں استاد نے اُس کی اس نادانی اور بیوقوفی کو سمجھانا چاہا۔ مگر اُس نے پھر بھی استاد کی یہ بات قبول نہ کی اور اُسے نقل کی عقل کبھی نہ آئی۔

۴۴۔۱ے اوکھلا نئی دہلی ۲۵

یہ کس بچّے کی بات ہے؟ یہ وہی بچّہ ہے جو بڑا ہو کر 'بابائے قوم' یا 'راشٹر پِتا' کہلایا، جسے اُس کے وطن والوں نے 'باپو' کے نام سے پکارا اور جس نے سارے جہاں میں مہاتما گاندھی کے نام سے شہرت اور عزّت پائی۔ یوں اس کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا۔

گاندھی جی نے اپنی زندگی کے حالات اور تجربات کو اپنی آپ بیتی میں جُوں کا تُوں بیان کر دیا ہے، نہ کچھ چھپایا ہے اور نہ بڑھایا ہے۔ اس کے انگریزی نام کے معنی ہی یہ نکلتے ہیں کہ اُن تجربوں کی کہانی جو میں نے تلاشِ حق میں کیے۔ اور اردو میں اس کا نام 'تلاشِ حق' ہی رکھا گیا ہے۔ یہ آپ بیتی خود ایک ٹھوس ثبوت ہے کہ گاندھی جی کتنے سچّے اور پکّے انسان تھے۔ اُنھوں نے اپنے اسکول کے زمانے کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنھیں ورزش اور کھیل سے کوئی لگاؤ نہیں تھا اور وہ اس سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے لیکن انھوں نے پھر جتا دیا ہے کہ "اب مجھ پر روشن ہو گیا ہے کہ نصابِ تعلیم میں جسمانی تربیت کا بھی اُتنا ہی حصّہ ہونا چاہیے جتنا دماغی تربیت کا۔" مگر اس لڑکپن کے زمانے میں بھی اُنھوں نے کھلی ہوا میں ٹہلنے کی عادت ڈال لی تھی جو آخر دم تک برقرار رہی۔ گاندھی جی کو شروع میں اُقلیدس یعنی جامیٹری بڑی مشکل معلوم ہوتی تھی جیسا کہ ہم بھی مانتے ہیں اور غالباً آپ بھی۔ لیکن ہماری طرح اُنھوں نے ہمّت نہیں ہاری اور برابر اس میں لگے رہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ "آخر جب بڑی کوششوں سے میں اقلیدس کی تیرھویں شکل تک پہنچا تو مجھ پر یک بیک یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ مضمون بالکل سہل اور سادہ ہے۔ جس مضمون میں انسان کو محض اپنی سمجھ سے کام لینا ہو، وہ ہرگز مشکل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے بعد سے ہمیشہ اقلیدس مجھے سہل بھی معلوم ہوئی اور دلچسپ بھی۔" گاندھی جی کی یہ بات، ہر سمجھ دار بچّے کا حوصلہ بڑھاتی ہے، البتہ ناسمجھ کے بارے میں ہم کیوں کچھ کہیں۔ اسی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ وہ شام کو کھیل کے وقت دیر سے اسکول پہنچے کیونکہ اس وقت وہ اپنے بیمار باپ کی خدمت میں مصروف تھے، ان کے پاس گھڑی نہیں تھی اور بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس لیے انھیں وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن دوسرے روز ہیڈ ماسٹر صاحب نے جواب طلب کر لیا۔ انھوں نے سچ سچ بتا دیا لیکن لڑکوں کی بہانہ بازیاں سننے کے عادی ہیڈ ماسٹر صاحب بھلا کاہے کو یقین کرتے۔ انھیں گاندھی جی کا سچ بھی جھوٹ ہی لگا۔ لہٰذا اُن پر ایک آنہ یا دو آنے جرمانہ ٹھونک دیا۔ گاندھی جی اس بات پر بے حد دکھی ہوئے۔ یوں تو آخر کار گاندھی جی سچّے بھی ثابت ہو گئے اور ان کا جرمانہ بھی معاف کر دیا گیا لیکن اس چھوٹے

سے واقعے سے بھی انھوں نے یہ سبق سیکھا کہ "بچے کو چوکس بھی رہنا چاہیے" اسکول میں ان کی غفلت کی یہ پہلی مثال تھی اور یہی آخری بھی ثابت ہوئی۔ البتہ اپنے بچپن کی ایک کوتاہی کا غم انھیں تمام زندگی رہا۔ وہ بدخط تھے اور ان کے دماغ میں یہ خیال سما گیا تھا کہ خط اچھا ہونا تعلیم کا کوئی ضروری جزو نہیں ہے۔ لیکن اسکول کی تعلیم ختم کرتے کرتے انھیں اپنی غفلت کا احساس ہو گیا اگرچہ وہ اپنی اس کمی کو، دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ اچھا خط، تعلیم کا لازمی حصّہ ہے۔

گاندھی جی نے اٹھارہ سال کی عمر میں دسواں درجہ پاس کیا۔ اس کے بعد بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے لیے انھیں انگلستان بھیجا گیا۔ ان کی والدہ بہت مذہبی اور نیک دل واقع ہوئی تھیں۔ انھوں نے سُن رکھا تھا کہ انگلستان جا کر نوجوان بگڑ جاتے ہیں۔ لہذا وہ بہت گھبرائیں اور انھوں نے گاندھی جی سے قسم کھلوائی اور عہد لیا کہ وہ انگلستان میں نہ شراب اور گوشت کو ہاتھ لگائیں گے اور نہ بد چلنی میں پڑیں گے۔ گاندھی جی نے اپنے عہد کو نہ صرف انگلستان میں پورے طور پر نبھایا بلکہ ہمیشہ کے لیے اسے اپنی زندگی کا چلن بنالیا ان کے ارادے کی مضبوطی پر یہ جان کر اور حیرت ہوتی ہے کہ تیرہ سال کی کم عمری میں ان کی شادی بھی ہو چکی تھی، انگلستان آتے وقت وہ ایک بچّے کے باپ بھی بن چکے تھے۔ اور ان کے سر سے باپ کا سایہ بھی اٹھ چکا تھا۔ پھر بھی انھوں نے کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا بلکہ ان کے مزاج میں برابر سادگی گھر کرتی گئی اور ان کے دل و دماغ پر مذہب اور اخلاق کا اثر گہرا ہوتا چلا گیا۔ انگلستان سے تین سال بعد بیرسٹر بن کر واپس آئے۔ یہاں ان کی بیرسٹری بالکل نہیں چلی لیکن دو سال بعد ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں جنوبی افریقہ جانے کا موقع ملا۔ وہاں بھی ہندستان کی طرح انگریزوں کا راج تھا۔ وہ وہاں پر بسے ہوئے ہندستانیوں کے ساتھ بے عزتی اور ناانصافی کا برتاؤ کرتے تھے۔ وہاں انھوں سارے ہندستانیوں کو جوڑنے اور ان کی حالت سدھارنے کا کام کیا اور انگریزوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ انھوں نے وہاں بیس بائیس سال گزارے اور ہندستان لوٹ کر پھر اسی طرح انگریزوں کے خلاف ڈٹ گئے۔ ان کی رہنمائی میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جب تک انگریز ہندستان کو آزاد نہ کریں گے، ان کے خلاف ستیہ گرہ کی جائے گی۔ یہ وہی ہتھیار تھا جسے گاندھی جی جنوبی افریقہ میں آزما چکے تھے۔ اِس کا مطلب ہوتا ہے کہ سب کچھ برداشت

کرکے سچائی کے راستے پر چلا جائے، اپنا مقصد پائیں یا جان گنوائیں مگر کسی پر خود ہاتھ نہ اٹھائیں
انھوں نے کہا کہ حکومت سے مل کر کوئی کام نہ کرو۔ اس کی نوکری اس کی تعلیم، اس کی تجارت
کسی چیز سے سروکار نہ رکھو۔ ہر بدیسی چیز کا بائیکاٹ کرو، ولایتی کپڑا چھوڑ دو اور کھدر پہنو۔ انھوں
نے چھوت چھات کی لعنت کو ختم کرنے کی کوشش کی اور جو لوگ اچھوت کہلاتے تھے انھیں
'ہریجن'، یعنی 'اللہ کا بندہ'، کہہ کر پکارا۔ وہ ذات پات کے فرق اور مذہب، زبان یا علاقے
کے نام پر اپنے آپ کو بانٹ لینے کے بھی سخت خلاف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایکتا، یک جہتی
اور وطن دوستی کے بندھن میں جڑ کر ہی ہم مضبوط ہو سکتے ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی
بخوبی اندازہ تھا کہ کسی قوم کو اوپر اٹھنے اور ترقی کرنے کے لیے ذہنوں کی صفائی اور علم کی
روشنی بھی ضروری ہے۔ اس غرض سے انھوں نے ملک کے سامنے 'بیسک ایجوکیشن' یعنی
'بنیادی تعلیم'، کا خیال پیش کیا۔ انھوں نے اپنی ذاتی ضرورتوں کو بہت کم کر دیا، بار بار جیل
کاٹی اور برت رکھے۔ آخر کار انگریزوں کو ہمارا ملک چھوڑ کے جانا پڑا اور پندرہ اگست
۱۹۴۷ء کو ہم آزاد ہو گئے۔ لیکن گاندھی جی کے لیے آرام اور اطمینان کا وقت اب بھی نہیں آیا۔
ہمیں آزادی تو ضرور مل گئی تھی لیکن ملک کے بٹوارے کے بعد جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ جگہ
جگہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ گاندھی جی نے مرن برت رکھ کر اس آگ پر بہت کچھ
قابو حاصل کیا لیکن ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ایک جنونی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ آج ساری دنیا
میں سچائی اور اچھائی، پیار اور امن چاہنے والے ان کا نام بڑی عزت اور محبت کے ساتھ
لیتے ہیں۔ نیکی کے راستے پر چلنے والے ہمیشہ ان کی زندگی سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔
دہلی میں ان کی سمادھی 'راج گھاٹ'، ایک قومی یادگار، ایک مقدس مقام کی حیثیت رکھتی ہے
جہاں دیس بدیس کے لوگ اپنی محبت اور عقیدت کے پھول چڑھانے برابر آتے رہتے ہیں۔

اطہر اقبال اطہر

ایجادیں کیسے ہوئیں

کیا آپ جانتے ہیں کہ ایجاد کی "ایجاد" کس طرح ہوئی؟ ایجادات کے متعلق چند دلچسپ حقیقتیں۔

یہ بات تو سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ موجودہ دور سائنسی، ایٹمی بلکہ ایجاداتی دور ہے۔ ہم لوگ روزانہ ہی اخبارات میں کسی نہ کسی نئی ایجاد کا تذکرہ پڑھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ایجادات شروع کیسے ہوئیں؟

آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہر کام کی طرح کسی چیز کی ایجاد یا دریافت میں بھی علم، ارادے تحقیق اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ درختوں سے تو پھل ٹپکا ہی کرتے ہیں اور ہم میں سے کسی نہ کسی نے سیب یا کسی بھی دوسرے پھل کو درخت پر سے زمین پر گرتے ہوئے ضرور دیکھا بھی ہوگا! لیکن ہم لوگوں کا کبھی اس طرف دھیان نہیں جاتا مگر بعض عجیب و غریب باتیں اس طرح یکایک دریافت ہو جاتی ہیں کہ پہلے سے ان کے متعلق کچھ وہم و گمان تک نہیں ہوتا لیکن ان کو سمجھنا، اِن سے کام لینا اور اِن کے ذریعے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا بغیر علم، عقل اور تجربے کے ممکن نہیں۔

انگلستان کا ایک بہت بڑا سائنس داں "سر آئزک نیوٹن" اپنے باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک سامنے درخت میں سے ایک سیب ٹوٹ کر زمین پر آگرا؟ آسمان پر یا ادھر اُدھر کیوں نہیں چلا گیا؟ ضرور زمین میں کوئی ایسی طاقت ہے جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ سوچتے سوچتے بہت سے تجربات کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ زمین کے علاوہ چاند، سورج اور ستارے سب اسی آپس کی "کھینچ تان" (کشش ثقل) کی بدولت اپنا اپنا کام سر انجام دے رہے ہیں۔ جس دن ان سے کھینچنے کی طاقت چھین لی گئی اسی دن ساری دنیا تباہ و برباد

ہو جائے گی۔

کبھی کبھی آپ لوگوں نے کوئی تارہ ٹوٹ کر گرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اِس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اُس کے کھنچنے کی قوت کمزور پڑ گئی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر زمین کی طرف آ ٹپکا۔

شیشے اور کانچ کے ہزارہا اقسام کے برتنوں جھاڑ فانوس وغیرہ کا کچھ دنوں پہلے تک کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات "اہل فونیشیا" کے ایک قافلے نے جنگل میں پڑاؤ کیا۔ کھانے پکانے اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ جلائی۔ صُبح کو چلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس جگہ پر انھوں نے آگ جلائی تھی وہاں زمین پر بڑے بڑے کانچ کے ٹکڑے سُورج کی روشنی میں پڑے ہوئے چمک رہے تھے۔ وہ لوگ ان ٹکڑوں کو تحفہ سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے اور اسی دن سے دنیا کانچ یا شیشے کے نام سے واقف ہوگئی۔ پھر آہستہ آہستہ ہر جگہ شیش محلوں میں آئینہ بندی ہونے لگی اور ہزاروں قسم کی چیزیں اور دوسری آرائشوں کا سامان تیار ہونے لگا۔

ایک اور سائنس داں "جارج اسٹیفن سن" بھی ایک رات اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھتے ہوئے چائے کے لیے پانی گرم کر رہے تھے۔ اتفاقاً پانی ضرورت سے زیادہ کھول گیا اور کیتلی کا ڈھکنا بھاپ کے زور سے اچھل اچھل کر اوپر ہوا میں ناچنے لگا۔ پہلے پہل تو وہ گھبرائے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی کہ یہ صرف بھاپ کی طاقت کا کرشمہ ہے۔ اب تو جارج اسٹیفن سن نے بھاپ کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے تجربات کیے اور انھوں نے ۱۸۱۴ء میں نہ صرف ریلوے انجن بنا کر کھڑا کر دیا بلکہ ۱۸۸۰ء میں میلوں تک ریل بھی دوڑا دی۔ اِسی بھاپ کے ذریعے بڑے بڑے بحری جہاز چلنے لگے اور خشکی پر دوسری مشینیں رواں دواں ہوگئیں۔

امریکہ کے "تھامس ایڈیسن" دنیا کے سب سے بڑے موجد شمار کیے جاتے ہیں انھوں نے بجلی اور بجلی سے متعلق بہت سی ایجادات کی تھیں اور بجلی کے دیو کو قبضے میں لانے کا خیال بھی اتفاقاً پیدا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ کوئی صاحب بہت لمبی پتنگ اُڑا رہے تھے۔ یکایک ان کی پتنگ بادلوں میں پھنس گئی اور انھیں اپنے ہاتھ کے پاس دو تین مرتبہ ڈور پر بجلی دوڑتی محسوس ہوئی۔ [illegible] گیا تھا بجلی کی روشنی، بجلی کے پنکھے، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، وائرلیس، ریڈیو، فوٹو گرافی اور سینما وغیرہ وغیرہ جیسی مشہور و معروف ایجادات ایڈیسن کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں۔

"ٹڈے" کو دیکھ کر ساؤنڈ بکس اور گراموفون کی ایجاد کا خیال بھی اُسی بیدار مغز شخص

کا کام تھا۔ بچو! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ "لٹرہ" کیا چیز ہے؟ "لٹرہ" اس جیلی منڈھے ہوئے کھلونے کو کہتے ہیں کہ جس میں تانت باندھ کر دوسرا سرا کنڈے پر گھمانے پر مینڈک کے ٹرّانے کی سی آواز نکلتی ہے۔ اور بعد میں لاؤڈ اسپیکر بھی اسی اُصول کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے۔

اُنیسویں صدی کی سب سے بڑی اور سب سے مفید ایجاد بھی ایک اتفاقی واقعہ سے ہوئی۔ جرمنی کا ایک سائنس داں "رانجن لیھن" چمکنے والی دھاتوں کے متعلق کچھ تجربات کر رہا تھا۔ اس نے ایک روز تجربہ کرتے کرتے ایک دھات کو سیاہ کپڑے سے ڈھانک دیا اور کسی کام میں مصروف ہو گیا۔ اسی میز پر فوٹو گرافی کی ایک پلیٹ اور اس کے قریب چھوٹی سی ایک صلیب پڑی ہوئی تھی۔ رانجن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ سیاہ کپڑے میں سے کچھ شعاعیں نکل کر فوٹو گرافی کی پلیٹ پر اثر کر رہی تھی اور اس پلیٹ پر صلیب کی تصویر بھی آگئی ہے۔ رانجن نے اسی تحقیقات کے سلسلے کو چھوڑ کر ان حیرت انگیز شعاعوں کی اصلیت معلوم کرنا شروع کر دی چونکہ اِس قسم کی شعاعوں کا پہلے کوئی علم نہ تھا اِس لیے اِن کا نام اس نے "ایکسرے" رکھا۔ اِن شعاعوں کی خاصیت ایک یہ بھی معلوم ہوئی کہ یہ اکثر غیر شفاف چیزوں میں سے گزر جاتی ہیں اور ایک زندہ انسان کی اندر کی ہڈیوں کا فوٹو ان ہی شعاعوں کی مدد سے لیا جاتا ہے۔

ایجادوں کا کام یورپ اور امریکہ والوں ہی پر ختم نہیں۔ کسی زمانے میں برصغیر پاک و ہند اور عرب کے لوگوں نے بھی بہت سی ایجادیں کی تھیں۔ "بارود" عربوں کی ایجاد ہے۔ اس سے وہ پہاڑوں اور سرنگوں کو اُڑانے میں مدد لیتے تھے۔ اِسی طرح ہمارے ہاں بھی اکثر ایجادیں ہوئیں بھلا نورجہاں بیگم کا نام کون نہ جانتا ہوگا؟ یہ اکبر بادشاہ کے بیٹے نورالدین جہانگیر کی چہیتی ملکہ تھیں۔ گلاب کا عطران ہی کی ایجاد ہے۔ بات یہ تھی کہ شاہی حمام میں خوشبو کے لیے گلاب کے پھولوں سے حوض کو بھر کر گرم پانی ڈالا جاتا تھا۔ ایک روز ملکہ کو اتفاقاً حوض کے پانی پر ایک قسم کی چکنائی تیرتی ہوئی نظر آئی۔ سونگھ کر دیکھا تو اس میں گلاب کے پھولوں کی خوشبو مہک رہی تھی ملکہ نے اسی وقت حکم دیا کہ آج سے ہمارے لیے گلاب کے پھولوں کا عطر کشید کیا جائے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں "حکیم علی" مشہور طبیب اور ریاضی داں تھے۔ اُنھوں نے ایک عجیب و غریب حوض بنوایا تھا۔ حوض کے پہلو میں ایک کمرہ تھا۔ کمرے میں جانے کا راستہ حوض کے پانی کے اندر سے تھا۔ لیکن کچھ اس طرح بنایا گیا تھا کہ حوض کا پانی کمرے میں داخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

اکبر ہی کے زمانے میں ایک کل کی چکی تھی جو پانی یا ہوا کے زور سے نہیں بلکہ خود بخود چلتی تھی۔

یہ مختصراً تفصیل تھی کہ "ایجادیں" کیسے ہوئیں؟
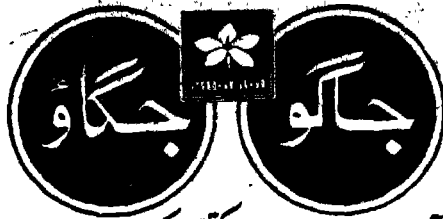
تجارت کتنی اچھی چیز ہے۔ اس میں کتنی برکت ہے۔ دولت بڑھتی ہے، روزی میں وسعت پیدا ہوتی ہے، آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن تجارت کسے کہتے ہیں؟ کیا اس کو کہ ایک رُپے کی چیز دو رُپے میں بیچی جائے؟ یا اس کو کہ خراب مال کو اچھا مال کہہ کر بیچا جائے؟ یا اس کو کہ سستے کے نام پر مہنگا مال بیچا جائے؟ نہیں، اس کو تجارت نہیں کہتے!

تجارت کہتے ہیں مناسب نفع پر چیزیں فروخت کرنے کو۔ تجارت کہتے ہیں جیسا مال ہو ویسا ہی بتا کر گاہک کو دینے کو۔ تجارت کہتے ہیں پورا تول کر اور پورا ناپ کر اپنا مال بیچنے کو۔ اگر تم نے حد سے زیادہ نفع لیا تو یہ نفع نہ ہوا، دھوکا ہوا، یہ تجارت نہیں ہوئی لوٹ ہوئی۔

اگر تم نے ملاوٹ کی یعنی اچھی چیز میں خراب چیز ملائی تو گناہ کیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس لیے اگر ملاوٹ کریں گے تو ہم حضورؐ کی اُمّت میں سے کب رہیں گے؟ اور پھر حضورؐ کی شفاعت (سفارش) سے محروم ہو جائیں گے۔ کیا تھوڑے سے فائدے کے لیے اپنا اتنا بڑا نقصان کرنا عقل مندی ہے؟

جھوٹ بول کر، مبالغہ کر کے، گھٹیا مال کو بڑھیا بتا کر بیچنے والے اور دام زیادہ لینے والے نہ اپنے دوست ہیں نہ ہمارے دوست۔ ان کو سیدھا راستہ دکھاؤ۔ ان کو سمجھاؤ۔ ان کو سچ بولنے، مال کی اصلیت بتانے اور تھوڑا منافع لینے پر آمادہ کرو۔

آج جو لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے، مہنگائی ہے، پریشانی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جلدی سے مال دار ہو جانا چاہتا ہے۔ اسی سے ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ بے شک منافع کماؤ، مگر محنت کر کے، صبر کر کے، ایمان داری سے۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد حکیم محمد سعید

مجاہدین کا امتحان

محبوب الٰہی مخمور

اسکندریہ کی ہولناک جنگ انتہائی شدّت کے ساتھ ہورہی تھی۔ طرفین اپنا پورا پورا زور صرف کر رہے تھے۔ شاہِ اسکندریہ نے زر و جواہر کا لالچ دے کر اسلامی لشکر کے سپاہیوں کی حمایت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اس نے حکم دیا کہ ایک خچر پر جواہر و یاقوت کی مرصّع زین رکھیں سونے کی لگام لگائیں اور اس کی گردن میں موتیوں کی مالا لٹکادیں۔ رات کے وقت اس کو اسلامی لشکر کی طرف چھوڑ دیا جائے۔ جن مسلمان سپاہیوں کے ہاتھ یہ بے اندازہ دولت آئے گی وہ جنگ و جدال کے مقابلے میں اپنے گھروں کی واپسی پر مائل ہوں گے اور ان میں باہمی نفاق رونما ہو جائے گا۔

حکمِ شاہی کے مطابق زر و جواہر سے آراستہ خچّر اسلامی لشکر کے قریب چھوڑ دیا۔ اس طرف شرجیل بن حسنہ نگرانی پر تھے جب یہ خچّر اسلامی فوج کے قریب پہنچا تو رات کے اندھیرے میں زرق برق مالا اور طلائی لگام دور سے چمکنے لگی۔ ان کی اس پر نظر پڑی اس کی زیب و زینت دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا "خدا کے دشمن مسلمانوں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان کی طرح مال و زر کے غلام ہوں گے وہ اس لالچ میں آجائیں گے انھیں معلوم نہیں کہ یہاں کوئی مسلمان فانی چیزوں کی طرف متوجہ ہونے والا نہیں ملے گا وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں اور کوئی دوسرا جذبہ نہیں رکھتے۔" انھوں نے خچّر کی لگام پکڑ کر اس کا رُخ شاہِ اسکندریہ کے لشکر کی طرف کر دیا۔

جب شاہِ اسکندریہ کو یہ معلوم ہوا کہ خچّر واپس آگیا ہے تو وہ ششدر رہ گیا۔ اس کو یہ امیّد ہرگز نہ تھی کہ مسلمان اتنے بلند حوصلہ ہوں گے۔ اپنے دل میں کہا کہ ان کی فتوحات اور کامیابی کا یہی راز ہے کہ انھوں نے حرص و طمع کے دروازے خود پر بند کر لیے ہیں۔ ایسی قوم کس طرح سرنگوں ہو سکتی ہے جو زر و جواہر کو نگاہ میں نہ لائے۔

دادا ابا کی اٹھارویں سالگرہ

محمد شاہد رفیع

"ارے یہ امجد کہاں ہے؟ بڑی دیر سے نظر نہیں آیا۔" امی نے سوئٹر بنتے بنتے چونک کر پوچھا۔

"بھائی جان تو آج اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جب سے وہ وہیں ہیں"۔ سعدیہ نے بتایا۔

"ہیں!.... اس کا مطلب ہے، وہ کئی گھنٹوں سے اپنے کمرے میں بند ہے۔ ذرا دیکھوں تو۔" یہ کہتی ہوئی وہ امجد کے کمرے کی طرف چلیں "کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہوگئی اس کی!" تشویش سے بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے دروازے کو دھکا دیا تو وہ اندر سے بند تھا۔

"امجد! امجد!" انہوں نے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے آواز دی۔

"جی امی!" اندر سے امجد کی آواز آئی۔

"اندر کیا کر رہے ہو؟ یہ دروازہ کیوں بند کیا ہوا ہے؟"

"بس ابھی کھولتا ہوں امی!"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" امی کو تشویش ہوگئی۔

"جی امی! بالکل ٹھیک ہوں اللہ کا شکر ہے" یہ کہتے ہوئے امجد نے دروازہ کھول دیا۔

"ہیں یہ کیا؟ اس قدر پسینے میں شرابور ہو رہے ہو۔ کیا کر رہے تھے تم؟" امی بیک وقت حیرت اور پریشانی سے بولیں۔
"آپ اندر تو آئیے۔"

"ارے یہ کیا! یہ کمرہ کس خوشی میں سجایا گیا ہے۔؟" امی نے کمرہ سجا ہوا دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ امجد شرارت بھرے انداز میں مسکراتا رہا۔

"آج پھر کوئی انوکھا مذاق سوجھا ہوگا۔" امی مسکرانے لگیں۔ امجد کو نت نئی شرارتیں کرنے میں مزا آتا تھا۔ امجد ہی کیا، یہ تو ہر بچے کی فطرت ہوتی ہے۔ لیکن امجد کی شرارتیں اس کی ذہانت کی عکاس ہوتی تھیں۔ وہ ایسی شرارتیں نہیں کرتا تھا جس سے کسی کو تکلیف ہو۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس کی شرارتوں اور مذاق میں بھی جھوٹ شامل نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے امی ابو یا دادا اُسے شرارتوں پر ڈانٹتے ڈپٹتے بھی نہیں تھے۔

"بس امی! ...... میں نے کچھ دوستوں کو آج شام گھر بلایا ہے۔" امجد نے کہا "تو میں نے سوچا، کمرے کی صفائی وغیرہ کر دوں۔"

"ہاں ہاں! اتنے بھولے ہو نا تم ..... کچھ نہ کچھ چکر ہے ضرور ....خیر .... پتا چل ہی جائے گا۔" امی نے کہا "تو کب آئیں گے تمہارے دوست؟ کتنے ہوں گے؟ گھر میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا ہے یا نہیں؟"

"مغرب کے بعد بلایا ہے۔ میں نے سوچا، کمرہ ٹھیک کر لوں پھر بتا دوں گا۔" امجد نے کہا۔
"کچھ پتا بھی ہے۔ مغرب میں تو چند منٹ ہی رہ گئے ہیں" امی نے بتایا۔
"اچھا مجھے تو وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ میں پھر نماز پڑھ آتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسجد چلا گیا۔
عدنان اور محمود تو باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔ وہ امجد کے ساتھ ہی مسجد سے آگئے۔ باقی دوست بھی ایک ایک کر کے آنا شروع ہو گئے تھے۔ امجد نے کل ہی سب کو بتایا تھا کہ کل میرے گھر سالگرہ کی دعوت ہے، تم سب کو آنا ہے۔ اسی لیے سب اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی تحفے کر آ رہے تھے۔ ابھی دو ایک دوستوں کا انتظار تھا۔ سب آپس میں چہک چہک کر باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں موٹا ببلو بھی آگیا۔ وہ ایک بڑا سا غبارہ لے کر آیا تھا۔ شبیر نے اسے دیکھ کر ہانک لگائی "ارے یہ دو غبارے کہاں سے چلے آ رہے ہیں۔؟" اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔ ببلو بھی ہنستا ہوا ان کی محفل میں شریک ہو گیا۔

"بھئی امجد! عدنان نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ جیسے اچانک اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ "تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں یہ کون سی سالگرہ ہے۔؟"

"ہاں یار، یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا۔" شبیر بولا۔
"آج دراصل اٹھارویں سالگرہ ہے۔" امجد نے کہا۔
"اٹھارویں؟" نعمان اور سب لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کورس کے انداز میں بولے۔
"بیوقوفو! یہ مذاق کر رہا ہے اور تم لوگوں نے یقین بھی کر لیا" شبیر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔
"نہیں، میں مذاق نہیں کر رہا۔ آج واقعی اٹھارویں سالگرہ ہے" امجد نے سنجیدگی سے کہا۔
"ہم مان ہی نہیں سکتے" عدنان بولا "ہم سب آپس میں ہم عمر ہیں اور تم زیادہ سے زیادہ بارہ سال کے ہو گے۔"
"ہاں اور بہت ہوئے تو تیرہ کے ہو گے۔ اس سے زیادہ کے ہو ہی نہیں سکتے۔" محمود نے بھی عدنان کی تائید کی باقی سب کے سر بھی اثبات میں ہل رہے تھے۔
"ارے عقلمندو! میں نے کب کہا کہ یہ میری سالگرہ ہے" امجد نے وضاحت کی۔ سب ایک بار پھر حیرت زدہ رہ گئے۔ "ہاں یار، یہ تو اس نے نہیں کہا کہ یہ اس کی سالگرہ ہے" نعمان نے کہا۔
"لیکن تمہارا تو کوئی بڑا بھائی یا بہن ہے نہیں" محمود نے کہا "پھر یہ کس کی سالگرہ ہے۔؟" سب کی متحیر نگاہیں امجد پر مرکوز تھیں۔ امجد ان کی حیرانی سے محظوظ ہونے کے لیے کچھ دیر خاموش رہا، پھر بولا "اچھا میں اپنے دادا کو بلا کر لاتا ہوں، وہ بتائیں گے کہ اصل بات کیا ہے۔؟"
امجد دوڑا دوڑا دادا کے پاس گیا۔ "دادا ابو! دادا ابو میرے کچھ دوست آئے ہیں، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"ہیں یہ کیا بات ہوئی؟ دوست تمہارے ہیں، ملنا مجھ سے چاہتے ہیں۔ کچھ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"
"ارے دادا ابا آپ چلیے تو! بات خود ہی سمجھ میں آ جائے گی" امجد، دادا کی کلائی پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔ امجد جب انہیں اس طرح کھینچتا تھا تو دادا سمجھ جاتے تھے کہ اب یہ اپنی بات منوائے بغیر نہیں مانے گا لہٰذا وہ اس کے ساتھ چپ چاپ چل دیے۔ دادا کو آتے دیکھ کر لڑکے خاموش ہو گئے اور ان کے آنے پر ادب سے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔ جیو خوش رہو۔ میرے بچو! بیٹھو بیٹھو۔" دادا انہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر وہ منتظر رہے کہ شاید لڑکے بات شروع کریں گے لیکن انہیں خاموش پا کر وہ خود ہی بولے "ہاں تو برخوردارو! کس لیے بلایا گیا ہے، مجھے ؟"
لڑکے اب بھی خاموش تھے۔ شاید وہ ایک دوسرے کے بولنے کے منتظر تھے۔

"کوئی خاص بات ہے کیا؟" دادا نے پھر پوچھا۔

"نہیں دادا جان! کوئی خاص بات تو نہیں یہ امجد خود ہی آپ کو بُلا کر لایا ہے"۔ عدنان نے کہا۔

"ہیں! ... تم خود بلا کر لائے ہو اور کہہ رہے تھے کہ میرے دوست ملنا چاہتے ہیں۔ چکر کیا ہے۔ یہ سب؟" دادا نے حیران ہوتے ہوئے امجد سے پوچھا۔

امجد نے لڑکوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم لوگ پوچھ رہے تھے نا کہ یہ کس کی سالگرہ ہے"؟

"ہاں پوچھ تو رہے تھے" شبیر نے کہا "لیکن دادا کو تو بلانے کے لیے نہیں کہا تھا" اس پر امجد نے گانے کے انداز میں کہا "آج میرے دادا کی سالگرہ ہے"۔

"کیا ....؟" سب لڑکے حیرت کے مارے ایک ساتھ بول اُٹھے اور دادا تو کچھ بول ہی نہ پائے ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سب آنکھیں پھاڑے امجد کو دیکھ رہے تھے۔

"بھئی کیا مذاق ہے یہ امجد؟ نہ تمہاری اٹھارویں سالگرہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی تمہارے دادا کی۔ یہ کیا چکر چلایا ہے .... تم نے؟" محمود بولا۔

"ہاں بھائی! اب سچ بات بتا ہی دو، ورنہ کہیں حیرت کے مارے ہم سب لوٹ پوٹ ہی نہ جائے" شبیر نے کہا سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔ لیکن حیرانگی کے آثار ان کے چہروں پر بدستور قائم تھے

"میں نے کوئی بات جھوٹ یا غلط نہیں کی ہے"۔ امجد اب بھی اپنی بات پر مُصر تھا۔

"تو تُو نے ان کو میری سالگرہ پر بلایا ہے۔ اور وہ بھی اٹھارویں"؟ دادا بات کو سمجھ کر امجد کو کان سے پکڑتے ہوئے بولے

"ہاں تو اور کیا دادا" امجد نے کہا "آج آپ کی اٹھارویں سالگرہ نہیں تو پھر کون سی ہے۔ اب آپ یاد نہ رکھیں تو آپ کا فرماں بردار پوتا تو آپ کی سالگرہ نہیں بھول سکتا۔ کبھی کبھی تو آپ کی سالگرہ آتی ہے"۔

اب دادا کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ انہوں نے لڑکوں کو سمجھانا شروع کیا۔ "بچو! امجد ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ آج میں بہتّر سال کا ہو گیا ہوں۔ لیکن تم لوگوں کو معلوم ہے کہ آج ۲۹ فروری ہے۔ میں آج سے بہتّر سال پہلے ۲۹ فروری کو پیدا ہوا تھا اور یہ تاریخ تو چار سال میں ایک دفعہ ہی آتی ہے۔ اس لحاظ سے آج میری واقعی اٹھارویں سالگرہ ہے۔ اس شریر نے خود ہی سوچ سمجھ کر چپ چاپ ہی میری اٹھارویں سالگرہ کر ڈالی"۔

بچوں کی سمجھ میں بھی سارا معاملہ اب آیا اور دادا سمیت سب نے دل کھول کر قہقہہ ہی نہیں لگایا، امجد کی ذہانت اور شرارت کی داد بھی دی۔ پھر بچوں نے امجد کی آواز میں آواز ملا کر کہا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو دادا!"

سمندری ایڈونچر پڑھنے والوں کے لیے مصطفےٰ چاند کا خصوصی تحفہ

قسط نمبر ۵

منزل

نسلی امتیازات پر لکھا جانے والا سلسلہ وار ناول

مصطفےٰ چاند

اینڈریالوسن پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اُس کے آنسوؤں نے فیر، کیتھو اور گریگ کو دہلا دیا۔ تینوں تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ فیری کالف کا وجود سرد پڑ چکا تھا اور آنکھوں کے کناروں سے بہنے والے چند آنسو خشک ہو کر گرد آلود سا نشان بنا چکے تھے۔

"ممّی... ! ممّی اٹھیے نا!" فیر ممّی کے سرہانے دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ گریگ اور کیتھو کی حالت بھی اُس سے مختلف نہ تھی۔

"ممّی... ممّی مجھ سے بات کریں نا! آپ چُپ کیوں ہیں ممّی۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گا۔ بالکل نہیں جانے دوں گا۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں گی، لندن کے ساحل تک... ممّی ممّی... ! فیر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ کیتھو اپنے چھوٹے بھائی کو سینے سے چمٹائے سسکیاں بھر رہا تھا۔ اُس کے بابا بھی گریگ کو اپنے بازوؤں میں بھینچے بلک بلک کر رو رہے تھے۔

چند ہی لمحوں میں آہ و بکا کے شور نے سوئے ہوئے مسافروں کو اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ کیبنوں میں روشنیاں بیدار ہونے لگیں اور لوگ انگارہ آنکھیں لیے ڈولتے قدموں سے اسی کیبن کی طرف آنے لگے۔

امریکی خاتون اینڈریالوسن بار بار کیتھو کو حوصلہ دے رہی تھی۔ اُس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔ مگر یوں لگتا تھا آج تمام سمندر فیری کی آنکھوں سے اُمڈ پڑے گا۔ پھر فیری بے جان سا ہو کر گر گیا۔ صدمے کی شدت نے اُس کو بے ہوش کر دیا تھا۔

"بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب تر ہوتی جارہی تھیں۔ اچانک ایک بھاری آواز اُبھری۔ "کیا خاتون کی موت بیماری کی وجہ سے واقع ہوئی"۔ وہ جہاز کا کپتان رائٹ ہارڈ تھا۔

"جی ہاں سر! انھیں غالباً دل کا دورہ پڑا ہے . . ." لوگوں کے ہجوم میں سے کسی کی آواز ابھری۔

اینڈریالوسن نے ہجوم پر نگاہ دوڑائی اسے یہ جملہ کہنے والا چہرہ نظر نہ آسکا۔ اُس نے آنسوؤں کو رومال سے صاف کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "جی نہیں"۔

سب لوگ اُس کی آواز پر دم بخود رہ گئے۔

"پھر کیا ہوا . . .؟"

"موت کیسے واقع ہوئی؟"

"کیا پھر کوئی . . .؟" ہجوم میں بھنبھناہٹ ہونے لگی۔ کپتان رائٹ ہارڈ بھی چند قدم آگے بڑھ کر ہجوم سے نمایاں ہو گیا۔

"خاتون کیا آپ کوئی اہم انکشاف کرنا چاہتی ہیں"۔ رائٹ ہارڈ نے بڑے مدہم لہجے میں کہا۔

"جی ہاں!" اینڈریالوسن نے اپنے پھڑکتے ہوئے ہونٹوں کو دانتوں تلے داب لیا۔ "فیری کالف کی موت اتفاقیہ نہیں ہے انھیں غلط انجکشن لگا کر موت کی نیند سلایا گیا ہے"۔

"کیا . . .؟" بہت ساری حیرت میں ڈوبی ہوئی آوازیں ابھریں۔ ان میں کپتان کی آواز سب سے بلند تھی۔

"جی ہاں! یہ حقیقت ہے کہ ان سے زندگی کو زبردستی چھینا گیا ہے"۔

"خاتون! میرے خیال میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ڈاکٹر جیرا اس گوشتہ

سترہ سالوں سے میرے ساتھ ہیں، اُن کے تجربے اور ... !"

"مجھے اُن سے کوئی شکایت نہیں" اینڈریالوسن نے کپتان رائٹ ہارڈ کا جملے ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا "ڈاکٹر جیواس کے متعلق میں بھی بہت کچھ جانتی ہوں مگر جس شخص نے فیری کالف کو انجکشن لگایا تھا وہ ڈاکٹر جیواس نہیں تھا۔

"پھر ...؟" رائٹ ہارڈ ساکت رہ گیا۔

"وہ کوئی اور تھا جس نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھایا اور ... اور .....!" اینڈریالوسن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سب لوگ ششدر کھڑے تھے۔ چند دنوں کے پل پل بدلتے واقعات نے اُن کا ذہنی سکون اُن سے چھین لیا تھا۔ رائٹ ہارڈ پریشانی کے عالم میں اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن چبانے لگا۔ اُس کے لیے بھی یہ بات حیرت انگیز تھی۔ گیارہویں دن کے سفر تک بہت سی زندگیاں موت کے آہنی شکنجوں میں دم توڑ چکی تھیں۔ یہ کیسا سفر تھا جو لمحہ بہ لمحہ بھیانک ہوتا جارہا تھا۔

رائٹ ہارڈ آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے لیے واپس پلٹ گیا۔ اُسے پہلی بار اس بات کا احساس ہوا تھا کہ بھارتی جوتشی نے اُس کے سفر سے قبل بالکل درست پیش گوئی کی تھی۔ اُسے ایک ایک پل نئے صدمے سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔

صبح تک فیری کالف کی موت تمام مسافروں کو افسردہ کرچکی تھی اور کپتان رائٹ ہارڈ نے اِس حادثے کے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کو اپنی رپورٹ جلد پیش کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

☐

اس واقعے کے تیسرے روز تک تمام حالات پھر سے پُرسکون ہو چکے تھے۔ البتہ اینڈریالوسن کو اُس چہرے کی تلاش تھی جس نے ڈاکٹر جیواس کا روپ بھرا تھا۔ وہ کوئی سُرخ و سفید چہرے والا امریکی تھا جو رات میں اچانک فیری کالف کو موت سے ہمکنار کر گیا تھا۔ اِس ایمرجینسی میں کوئی بھی اُس کے چہرے کو غور سے نہ دیکھ سکا تھا سوائے اینڈریالوسن کے۔

☐

فیر، کیتھو اور گریننگ اس وقت عرشے پر کھڑے تھے۔ جوں ہی شام کی تاریکیاں پھیلنے

لگیں وہ تینوں کیبنوں سے باہر نکل آئے تھے۔ اب ان کا کیبن میں دل نہیں لگ رہا تھا انہیں ہر آن ممی کی آوازیں سنائی دیتیں۔

"دیکھو! اب تک ممی تو بہت دور جا چکی ہوں گی" پیفر نے معصومیت سے کہا۔

"ہاں! اتنی دور جتنا یہ آسمان ہے یا شاید اس سے بھی دور" گریگ نے سیاہ آسمان کو گھورتے ہوئے کہا۔ وہ مزید چند منٹ وہاں کھڑے رہے اور پھر واپس اپنے کیبن میں آ گئے۔

بہت دیر تک ان میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آئی وہ اپنے بستروں پر کروٹیں بدلتے رہے اور پھر رفتہ رفتہ نیند ان پر طاری ہوتی چلی گئی۔

کیتھو اور گریگ تو سو گئے مگر پیفر اب تک جاگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ممی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ پھر اچانک اسے اپنے بستر پر دباؤ کا احساس ہوا۔ پیفر کو یوں لگا جیسے کوئی اس کے پاس ہی آرام سے بیٹھ گیا ہو۔

"فیر! تم اب تک جاگ رہے ہو؟" ممّی فیری کالف کی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی
وہ اپنے بستر سے اُٹھ بیٹھا۔ ممّی اُس کے سامنے بیٹھی تھیں۔ مقدّس روحوں کا لباس
اُن کے بدن پر تھا۔

"ممّی آپ!؟" اُس نے غیر یقینی کے عالم میں کہا۔ فیری کالف نے اُس کو شانوں
سے پکڑ کر پھر سے لٹا دیا۔

"ممّی! آپ بھی میرے ساتھ سو جائیں۔۔۔"

"نہیں کیتھو! مجھے اب جاگنا ہے۔ میں سو گئی تو تم میری آنکھوں سے اوجھل ہو
جاؤ گے۔"

"لیکن ممّی آپ مجھے چھوڑ کر کیوں گئیں؟ اور اگر میں سو گیا تو آپ پھر چلی جائیں گی؟"
کیتھو نے ممّی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا۔

"بیٹا! میں تمہیں سلانے آئی ہوں، بس اب جلدی سے سو جاؤ۔۔۔" ممّی نے اُس کے
بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

فیر خاموش لیٹ گیا۔ اُس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور کانوں میں ممّی کی لوری
اُسے عجیب سی تسکین پہنچا رہی تھی۔

صبح جب وہ بیدار ہوا تو بستر خالی تھا۔

☐

شیپرڈ نے آنسوؤں کو صاف کیا اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔ اُس کے قدم ڈیک
پر بیٹھے کپتان رائٹ ہارڈ کی جانب تھے۔ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا وہ شیشے کے
کمرے کے عین سامنے کھڑا ہو گیا۔ رائٹ ہارڈ نے شیپرڈ کے سراپا کا جائزہ لیا اور
تیزی سے ڈیک سے باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے شیپرڈ، تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

"یس سر!" شیپرڈ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا کوئی۔۔۔؟" کپتان رائٹ ہارڈ کا جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ شیپرڈ نے کپکپاتی ہوئی آواز
میں کہا۔ "سر پیٹر روم سے گوروف کی لاش ملی ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" رائٹ ہارڈ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"یس سر!" شیپرڈ نے تصدیق کرنے والے لہجے میں کہا۔ رائٹ ہارڈ نے مزید کچھ نہ کہا اور شیپرڈ کو لیے ہوئے تیزی سے نیچے اُترتا چلا گیا۔

چیمبر اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے ایک دم یوں اچھلا جیسے اُسے کرنٹ لگا ہو۔

"کیا ہوا تمھیں۔۔۔؟" پال نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"تمھیں یاد ہے ریڈر روم میں گوروف کی لاش کو آج پانچواں دن ہے اُسے فوراً سے پیشتر سمندر بدر کر دینا چاہیئے ورنہ کہیں۔۔۔!" چیمبر نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں! اُسے تو میں بھول گیا تھا۔ میرے خیال میں الفریڈ یہ کام بہتر طور پر کر سکتا ہے میرے زخم ابھی کچے ہیں۔" پال نے پٹیوں سے جکڑے ہوئے اپنے بدن کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں یہ کام آج رات کر دوں گا۔" الفریڈ نے بستر پر لیٹے لیٹے میگزین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا

"لیکن اس سے پہلے گوروف کی لاش کو اپنی دسترس میں کرنا ہوگا۔" پال نے چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔

"تو پھر۔۔۔؟" الفریڈ نے میگزین دائیں جانب پھینک کر کہا۔

"تمھیں گوروف کی لاش آج ہی کہیں محفوظ مقام تک پہنچانی ہوگی۔"

الفریڈ کچھ دیر تک میز کو گھورتا رہا پھر وہ خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ چیمبر نے پال کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا اور خود سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا۔

اینڈریا لوسن کسی جاسوس کی طرح ہر ایک چہرے کو غور سے دیکھتی اور گزر جاتی۔ اُسے نقلی ڈاکٹر جیوا اس کی تلاش تھی۔ وہ نہ جانے کتنے کیبنوں کا جائزہ لے چکی تھی مگر اب تک اُسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اُس روز میس میں کھانے کے دوران اچانک اُسے اپنا مطلوبہ چہرہ نظر آ گیا۔ اینڈریا فوراً کھانا چھوڑ کر باہر کی جانب لپکی مگر وہ ہیولا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا

نہ معلوم کن سیڑھیوں سے نیچے اُتر گیا۔ وہ بہت دیر تک فولادی سیڑھیوں پر اوپر نیچے بھاگتی رہی۔ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے پیچھے دبے قدموں چلا آرہا ہو۔ اینڈریا لوسن نے پلٹ کر دیکھا۔ اُسے مدھم روشنی میں کوئی بھی نظر نہ آسکا، وہ بدستور آگے بڑھتی رہی۔ اب وہ اُن راستوں پر آچکی تھی جہاں جہاز کے بڑے بڑے سفید پائپ خم کھاتے ہوئے اندر ہی اندر دور تک پھیلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جس دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی اُس راستے سے روشنی کی لکیر اُس کے ساتھ بہت دور تک آئی تھی۔ پھر اچانک اُسے یوں لگا جیسے روشنی کی لکیر دم توڑ گئی ہو۔ اینڈریا لوسن تیزی سے پلٹی۔ تمام راستہ تاریک ہو چکا تھا۔ انجانا سا خوف اُس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔

اندھیرے کے باعث اُسے واپسی میں خاصی دشواری ہو رہی تھی وہ بار بار راستے میں ابھرے ہوئے مقامات سے اُلجھ کر گرتی اور پھر چلنے لگتی۔ بھاری بھرکم سفید پائپ اُسے کسی دیو کے بازو لگ رہے تھے جو ختم ہونے ہی میں نہ آتے تھے۔ جو فاصلہ اس نے صرف دس منٹ میں طے کیا تھا اب اُسی راستے میں وہ بیس منٹ سے بھٹک رہی تھی۔ خوف پسینہ بن کر اس کے جسم سے پھوٹنے لگا۔ اینڈریا نے پسینے کے بے شمار قطرے اپنے رومال میں جذب کیے۔ اچانک اس کے ہاتھ میں دروازے کا ہینڈل آگیا۔ اس نے دروازے کو اپنی جانب دھکیلا مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ دروازہ باہر سے بند کیا جا چکا تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اینڈریا لوسن دروازے کو بُری طرح پیٹنے لگی لیکن سوائے ایک بے ہنگم شور کے اور کچھ بھی نہ ہوا۔

اُس کی نگاہوں کے سامنے موت ناچنے لگی۔ وہی تلخ موت، جس سے فیری کالف دوچار ہوئی تھی۔

جس وقت کپتان رائٹ ہارڈ اور شیپرڈ "ریڈر روم" میں داخل ہوئے دونوں کی مدھم چیخیں فضاؤں میں ابھریں۔ ریڈر روم خالی تھا اور گوروف کی لاش غائب تھی۔

"اف ...!" شیپرڈ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"کیا تمھیں یقین ہے شیپرڈ کہ لاش تم یہیں چھوڑ کر گئے تھے" کپتان رائٹ ہارڈ نے

حیرانی سے کہا۔

"یس سر! بس میں صرف آپ کو بتانے کے لیے ڈیک تک گیا اور اتنی دیر میں

...!" اُس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے آج میں...." کپتان رائٹ ہارڈ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ "تم جاؤ شیپرڈ

مجرم ضرور بے نقاب ہوگا..." رائٹ ہارڈ یہ کہتا ہوا باہر نکل آیا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں

پھلانگتا ہوا اوپر چلا گیا۔

رات کے تقریباً دو بج رہے تھے، ہر طرف خاموشی کا راج تھا، صرف سمندری لہریں اُٹھ کر

ٹکراتیں اور فضا میں عجیب سا شور اُبھر کر پھر سے دب جاتا۔

اُسی وقت دائیں جانب کا بھاری دروازہ کھلا اور ایک سایہ دبے قدموں باہر نکلا۔ اُس نے

پورے جہاز کا طواف کیا اور واپس اندر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر باہر آیا۔ اب اُس کے چہرے

پر پلاسٹک کا ہیبت ناک ماسک چڑھا ہوا تھا اور کندھے پر کوئی بے جان لاش۔

پھر وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ ہر قدم اُٹھانے کے بعد وہ پیچھے پلٹ کر دیکھتا

اور پھر سے آگے بڑھنے لگتا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ جہاز کے آخری حصّے پر ریلنگ کے ساتھ کھڑا تھا۔ سائے نے آخری بار

پورے جہاز کا جائزہ لیا اور اپنے کندھے پر رکھی لاش ریلنگ کے کنارے سے سمندر کے حوالے کر دی۔

ایک تیز چھپاکا ہوا اور لاش گہرے پانیوں میں اُترنے لگی۔

اُسی وقت ایک آہٹ ہوئی۔ سائے کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کپتان رائٹ ہارڈ تیزی سے اُس کی طرف آ رہا تھا۔

کیا کپتان نے سائے کو پکڑ لیا؟

کیا اینڈریا زندگی ہار بیٹھی؟

یہ سب باتیں جاننے کے لیے آئندہ شمارے کا انتظار کیجیے۔

اے بھیا! مجھے نہیں چاہیے کوئی سینڈل
میں اپنے بچے کی تلاش میں آئی تھی، تم نے سینڈل دکھانا
شروع کر دیے اور میں دیکھنے بیٹھ گئی۔
مائی! تو پھر یہ آخری ڈبا بھی
دیکھتی جاؤ۔ شاید تمھارا بچہ اس میں ہو۔
SHOES
میں ہارا تم جیتے اور میں دیوالیہ
ہوگیا مگر یہ بتاؤ تم اتنا سستا سامان
کہاں سے لاکر فروخت کرتے ہو؟
بھیا! میں تمھاری طرح فروخت
نہیں کرتا صرف بینر لگاتا ہوں!
100% رعایتی سیل
100% رعایتی سیل
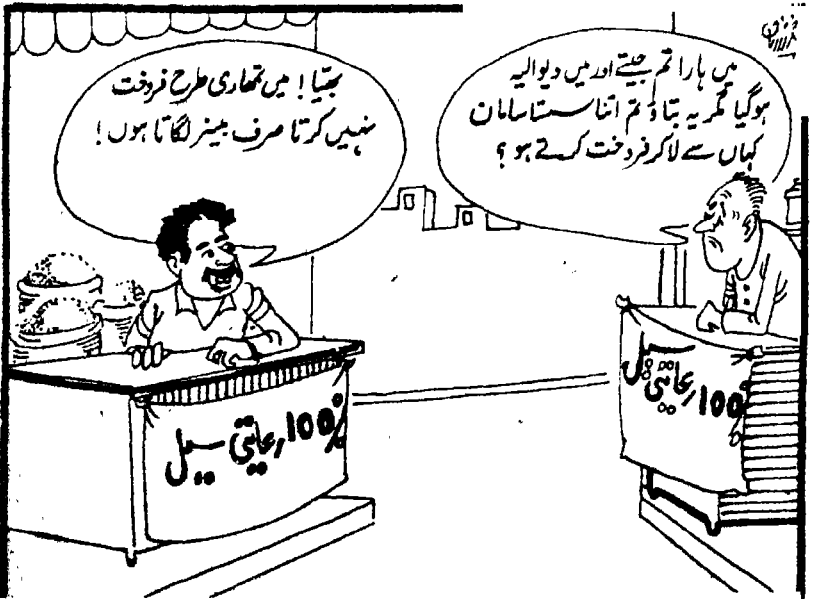
علّامہ دانش کے سفرنامے

سفید شیر کا بھُوت

معراج

علّامہ دانش بہت دیر سے اخبار کے مطالعے میں معروف تھے۔ مرشد نے کہا "کوئی خاص خبر؟"

علّامہ بڑبڑائے "سفید شیر کا بھوت۔"

میں نے حیرانی سے کہا "سفید شیر کا بھوت؟ یہ کوئی ناول ہے یا فلم؟"

علّامہ نے کہا "ارے بھئی! یہ سچ مچ کا بھوت ہے۔ چیختا چنگھاڑتا ہوا بھوت۔ اس کے جسم سے شرارے نکل رہے تھے۔"

مرشد بے یقینی سے بولا "مجھے تو یہ گپ معلوم دیتی ہے۔"

علامہ نے اخبار کا تراشہ اُٹھایا اور اونچی آواز میں پڑھنے لگے: "نائیجیریا کے گاؤں گالا ڈومبا میں ایک سفید رنگ کا شیر دیکھا گیا ہے۔ رات کے اندھیرے میں شیر چمک رہا تھا اور اس کے جسم سے شرارے نکل رہے تھے۔ اطلاع کے مطابق، گالا ڈومبا میں مویشیوں کے فارم کی افتتاحی تقریب ہو رہی تھی۔ اچانک ایک شخص چیختا چلاّتا ہوا وہاں سے گزرا۔ ایک شیر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں شیر چمک رہا تھا۔ اس واقعے کو کمشنر صاحب کے علاوہ بہت سے مقامی باشندوں نے خود دیکھا ہے۔"

"میں نے سوال کیا، "کیا شیر سفید رنگ کا بھی ہو سکتا ہے؟"

علامہ بولے، "کیوں نہیں؟ دنیا میں ہزاروں قسم کے سفید حیوان ملتے ہیں۔ مثلاً قطب شمالی میں سفید کتّے ملتے ہیں۔ برفانی ریچھ کا رنگ سفید ہوتا ہے، لیکن ان کا رنگ رات کے وقت چمکتا نہیں ہے۔"

مرشد بولا، "اس شیر سے کیا تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کیا یہ آدم خور ہے؟"

علامہ بولے، "ہمیں ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔"

مرشد بولا، "تو پھر اس شیر نے کیا گڑبڑ مچائی ہے؟"

علامہ آزرونا کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے، "یہ افریقی لوگ بھی بے حد وہمی اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔"

آزرونا نے بالکل بُرا نہیں مانا بلکہ مسکرا کر سر جھکا دیا۔ اگر یہی بات میں یا مرشد کہتے تو وہ غصّے سے چلاّنے لگتا۔ علامہ نے پھر کہا، "یہ افریقی لوگ شیر اور چیتوں سے بالکل نہیں ڈرتے لیکن جن بھوت اور جُوجُو (جادو) سے ان کی جان نکلتی ہے۔ مقامی لوگ سفید شیر سے بہت دہشت زدہ ہوئے اور علاقہ خالی کر کے بھاگ گئے۔"

مرشد بولا، "کاش یہ سفید شیر ہمارے ہاتھ آجائے اور ہم اسے کسی چڑیا گھر کے ہاتھ منہ مانگے داموں پر فروخت کریں۔"

علامہ دانش نے مسکرا کر کہا، "خوش ہو جاؤ۔ قدرت نے تمھیں یہ موقع دے دیا ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور بولے، "یہ حکومت نائیجیریا

کا دعوت نامہ ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا ہے۔"
آزونا بہت خوش ہوا۔ وہ بہت مدّت بعد اپنے وطن جا رہا تھا۔
اگلے دن ہم نائیجیریا کی طرف پرواز کر رہے تھے۔
راستے میں مرشد بولا" علامہ صاحب! وہ آپ کیا فرما رہے تھے کہ سب افریقی بےحد بُزدل اور وہمی ہوتے ہیں۔"
مرشد آزونا کو چھیڑ رہا تھا۔ علامہ ہنس کر بولے" وہ تو میں اب بھی کہتا ہوں کہ سب افریقی ..... آزونا کے علاوہ سب افریقی بزدل اور وہمی ہوتے ہیں۔ جب میں آزونا کے ساتھ ہوتا ہوں تو یہ موت کے منھ میں جانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔"
آزونا کا سینہ فخر سے تن گیا۔ یہ اس کی سچّی تعریف تھی۔ مصیبت کے وقت وہ ہمیشہ علامہ دانش کی ڈھال بنا رہا۔ ویسے افریقیوں کی طرح وہ بھی جنوں اور بھوتوں سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ ہوائی اڈّے پر ہمارے استقبال کے لیے کمشنر صاحب خود موجود تھے۔ وہ ہمیں اپنے بنگلے پر لے گئے۔ وہاں کچھ اور ملاقاتی بھی موجود تھے۔ علامہ نے کہا "آپ لوگوں نے ہمیں کس لیے بُلوایا ہے؟"
کمشنر نے کہا" میں تفصیل سے آپ کو پوری بات سُناتا ہوں۔ ہمارے ہاں جانور کم ہیں۔ یہاں پر گوشت کی جتنی پیداوار ہے، لوگ اس سے کہیں زیادہ گوشت کھاجاتے ہیں۔ چناں چہ ہر ماہ ہزاروں ڈالر کا گوشت درآمد کرنا پڑتا ہے۔ پچھلے دِنوں جنوبی امریکا نے گوشت کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ مجبور ہو کر حکومت نائیجیریا نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا فارم قائم کرے۔ بد قسمتی سے افریقہ کی ہوا خراب ہے، جس کی وجہ سے جانور زیادہ عرصے زندہ نہیں رہتے۔ ہم نے بہت تحقیق کے بعد ایک جگہ تلاش کی جہاں آب و ہوا اچھی ہے۔ یہ گاؤں کالا ڈومبا ہے۔ ہم نے وہاں چرا گاہ بنائی۔ اوسٹریلیا اور جنوبی امریکا سے بہترین جانور منگوائے، انھیں بیماری سے بچاؤ کے ٹیکے لگوائے۔ ابھی تک سب ٹھیک ٹھاک تھا کہ ....."
علامہ جھٹ سے بولے" کہ شیر آ ٹپکا۔"
کمشنر بولا" بالکل یہی ہوا۔ اس شیر نے سارا پروگرام چوپٹ کر کے رکھ دیا۔ افریقہ

کہ لوگ شیروں سے نہیں ڈرتے لیکن اس شیر سے لوگ اتنے زیادہ دہشت زدہ ہوئے کہ علاقہ خالی ہونے لگا۔ لوگ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ہم نے انہیں ہر قسم کا لالچ دیا لیکن وہ کام پر واپس آنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ہمارا سب منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔"

میں نے پوچھا" ان جانوروں کا کیا ہوا؟"

کمشنر نے کہا" سب جانور ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔"

مرشد نے کہا" سنا ہے کہ آپ نے بھی سفید شیر کو دیکھا ہے۔"

کمشنر سر ہلا کر بولا" یہ بالکل ٹھیک ہے۔ عین اس روز جب فارم کا افتتاح ہوا سب لوگ فارم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ ذرا دیر بعد فارم کا مینیجر مسٹر کربی دوڑتا ہوا ہمارے پاس سے گزرا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ سفید رنگ کا شیر تھا۔ اس کے جسم سے روشنی خارج ہو رہی تھی۔ مقامی لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کوئی بھوت ہے۔"

آزونا میرے کان میں آہستہ سے بولا" سرکار، میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ ضرور کوئی پلید روح یا چھلاوا ہے۔ میرے دادا بتاتے تھے کہ ...."

میں نے دبی آواز میں ڈانٹا" چپ۔ خاموش!"

حاضرین میں سے ایک صاحب بولے" میرا ہی نام کربی ہے۔ میں فارم کا مینیجر ہوں۔ اس رات وہ شیر کا بھوت میرا پیچھا کر رہا تھا۔ کچھ دور چل کر میں نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھوت .... یعنی میرا مطلب ہے کہ شیر اچانک ہی غائب ہو گیا۔"

میں نے آزونا کی طرف مڑ کر دیکھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ابھی کسی طرف سے شیر نمودار ہو گا اور آزونا کو اپنے جبڑوں میں دبا کر غائب ہو جائے گا۔

مرشد نے پوچھا، کیا کسی اور نے اس بھوت کو قریب سے دیکھا؟"

ایک شخص جو شکل و صورت سے امریکی معلوم ہو رہا تھا بولا" میں پیریرا ہوں۔ میں جنگلی جڑی بوٹیاں اور چھوٹے موٹے جانور پکڑ کر بازار میں فروخت کرتا ہوں۔ اس شیر سے میری بھی ملاقات ہو چکی ہے۔ ہوا یوں کہ میں جانوروں کی تلاش میں پھر رہا تھا

کہ اچانک میرا سامنا اس شیر سے ہوگیا۔ اتفاق سے میرے پاس پستول تھا۔ میں نے نشانہ باندھ کر ایک دو نہیں بلکہ پوری چھے گولیاں داغ دیں۔ میں نے بہت قریب سے گولی چلائی تھی اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ گولیاں اس کے سر میں لگیں لیکن اس کا بال بیکانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر میں بدحواس ہو کر بھاگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ شیر نے میرا پیچھا نہیں کیا۔ وہ غراتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ اس بات سے میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ مقامی لوگ شیر کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ صحیح ہے۔"

آزونا بولا، "سرکار، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کوئی بدروح یا جن بھوت ہے۔ میرے دادا ابا کہتے تھے کہ گولیاں بھوتوں پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔"

علامہ صاحب بولے، "کیا کسی نے اس بھوت کو پکڑنے کی کوشش کی؟"

کمشنر نے کہا، "ہم نے شیر کا شکار کرنے کے لیے شکاری پارٹیاں بلوائیں۔ یہ شکاری دن رات جنگل میں گھومتے رہتے لیکن شیر تو ایسا غائب ہوا کہ جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ جب انھوں نے جستجو چھوڑ دی تو شیر پھر نمودار ہو گیا۔ شکاریوں نے پھر تلاش شروع کر دی۔ زہریلا گوشت پھینکا، پھندے لگائے، گھات لگا لگا کر بیٹھے رہے لیکن شیر پھر غائب ہو گیا۔ جوں ہی تلاش ختم ہوئی، شیر پھر نمودار ہو گیا۔ اس بات سے مقامی لوگوں میں یہ یقین پکا ہو گیا کہ یہ شیر کوئی بھوت ہے۔ جب تک یہ شیر موجود ہے ہماری اسکیم کام یاب نہیں ہو سکتی۔"

آزونا بولا، "سرکار، یہ کوئی بدروح ہے۔ اسے پکڑنے کے لیے جوجو بابا (جادوگر) کی ضرورت ہے۔ آپ کسی عامل کو طلب کرنے۔"

علامہ نے اسے آہستہ سے ڈانٹا، "ہشت۔ بے وقوف، چپ رہ۔"

مرشد نے کہا، "جب اس شیر کو پکڑنے میں شکاری ناکام رہے تو آپ نے ہمیں کیوں زحمت دی؟"

کمشنر بولا، "میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی کہ آپ کو جن بھوتوں سے دل چسپی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے پاس ہوائی جہاز ہے۔ آپ پورے علاقے پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے ہی شیر کو دیکھیں اُسے گولی مار دیں تاکہ میں عوام کو

دکھا سکوں کہ اب شیر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہم کافی دیر تک کمشنر کے بنگلے میں رہے۔ شام کے وقت ہم فارم کی طرف چلے۔ دُور دُور تک خشک گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں درخت تھے۔ گڑھوں میں پانی جمع تھا۔ ان کے ارد گرد سرکنڈے اُگ آئے تھے۔ ان کے نزدیک ہی کچھ مویشی گھاس چرتے پھر رہے تھے۔ شاید یہ فارم کے مویشی تھے۔

علامہ نے کہا، "نائیجریا میں دو موسم ہوتے ہیں۔ ایک خشک جو نومبر سے مارچ تک رہتا ہے۔ دوسرا موسم برسات کا ہے جو اپریل سے اکتوبر تک رہتا ہے۔ آج کل خشک موسم ہے۔ جب برسات ہوگی تو دھواں دھار بارش ہوگی اور ہر طرف جل تھل ہو جائے گا۔"

جس بنگلے میں ہمیں ٹھیرایا گیا وہ لکڑی کا جھونپڑا سا تھا جس میں صرف دو کمرے تھے۔ بنگلے سے کچھ فاصلے پر آبادی تھی۔ سرکنڈے سے بنائے ہوئے جھونپڑے ان پر گارے کا پلستر کیا ہوا تھا۔ یہ مکان قیف کی شکل کے تھے اور ایک دائرے کی شکل میں بنے ہوئے تھے۔ یہ جھونپڑیاں بھی ویران تھیں۔

کھانا کھا کر ہم بستروں پر لیٹ گئے۔ علامہ بولے، "سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ شیر نے کسی کو اپنا لقمہ نہیں بنایا۔"

مرشد ہنس کر بولا، "کیوں بھئی آزونا، یہ بھوت آدم خور بھی ہوتے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ آدمیوں کو سالم سموچا نگل جاتے ہیں یا یوں ہی ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیتے ہیں۔"

آزونا بولا، "دادا ابا بتاتے تھے کہ بھوت انسانوں کو نہیں کھاتے، بس انھیں دہشت زدہ کر کے مار ڈالتے ہیں۔"

مرشد ہنس کر بولا، "میں ایسے بھوت سے ضرور ملوں گا جو لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا ہو۔ اگر میرے سامنے آ گیا تو اسے مزہ چکھا دوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ ۳۰۳ کی گولی کا اس پر کوئی اثر ہوتا ہے یا نہیں؟"

آزونا بہت اعتماد سے بولا، "بھوت کے اوپر گولیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دادا ابا بتاتے تھے کہ..."

آزونا نے کوئی لمبی کہانی چھیڑ دی

اچانک جانوروں کا ایک ریوڑ دوڑتا ہوا ہمارے پاس سے گزرا۔
مرشد بولا "یہ جانور خوب پہچانتے ہیں کہ اب خطرے کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اب اس وقت وہی سفید شیر یا کوئی اور شیر شکار کو نکلتا ہے۔"
عین اسی وقت دور کہیں سے شیر کے غرّانے کی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ ہر کوئی اُدھر دیکھ رہا تھا جدھر سے آواز آئی تھی۔
علامہ نقشہ دیکھ کر بولے "اوہو، اِدھر تو پریرا رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیر اس کے مکان کے آس پاس ہی کہیں گھوم پھر رہا ہے۔"
میں نے کہا "کیوں نہ ہم اس کے گھر چلیں اور اس کی خیریت دریافت کریں۔"
مرشد بستر پر لیٹتے ہوئے بولا "رات کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے پھرنا شریفوں کا شیوہ نہیں ہے۔ آزونا، تم دو بندوقیں میز پر رکھ دینا۔ اچھا دوستوں! اللہ حافظ۔"
اس کے ساتھ ہی وہ بستر پر دراز ہو گیا اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔ رات کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے مجھے بھی نیند آنے لگی اور نہ جانے کس وقت میں سو گیا۔
رات کے پچھلے پہر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ شاید کوئی مجھے آواز سنائی دی تھی یا پھر کوئی آس پاس چل پھر رہا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے خرّاٹے لے رہے تھے۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا کھڑکی تک پہنچا اور میں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ میری نظروں کے سامنے چند فیٹ کے فاصلے پر سفید رنگ کا شیر کھڑا تھا۔ اس کے جسم سے روشنی نکل رہی تھی۔ شیر کو دیکھ کر میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ جھنجھنا رہا تھا۔ میں نے چیخنا چاہا، مگر میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ بس میں صرف دیکھ سکتا تھا۔ میری نظر شیر پہ جمی ہوئی تھی۔ شیر نے منہ کھولا اور غرّایا اور واپس جانے کے لیے مُڑا۔ اچانک مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے ایک زوردار چیخ ماری: "شیر.... شیر...."
سب لوگ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔
"کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" سب ایک آواز ہو کر بولے۔
میں نے کہا "وہاں، اُدھر، ابھی ابھی باہر تھا۔"

سب نے باہر جھانک کر دیکھا۔ آزونا نے ٹارچ کی روشنی باہر ڈالی۔ لیکن شیر کا
دُور دُور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ دُور سے ایک غراہٹ کی آواز سنائی دی اور بس۔ مرشد
نے کہا، "تم نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟"

میں نے سخت غصّے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا، "میں قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں
کہ وہ شیر ہی تھا۔ وہ وہاں کھڑا ہوا تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔"

آزونا نے لیمپ کی بتی اونچی کی۔ میں نے کہا، "مجھے ایک بات اور بھی یاد آگئی۔ میں
نے ایک سیٹی کی آواز بھی سُنی ہے۔"

علامہ بولے، "زیبرا بھی سیٹی کی آواز نکال سکتا ہے۔ بعض قسم کے اُلو، پہاڑی کوّے
اور توتے بھی سیٹی بجا سکتے ہیں۔"

مرشد بولا، "خیر یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ یہاں شیر آیا تھا اور تم نے اس کے درشن بھی
کر لیے۔ اب تم سو جاؤ۔ صبح ملاقات ہو گی۔"

اچانک جانوروں کا ایک ریوڑ وہاں سے دوڑتا ہوا گزرا۔ مرشد بولا، "یہ ایک اور ثبوت
ہے کہ شیر آس پاس گھوم رہا ہے۔"

میں نے کہا، "میرا خیال ہے کہ اب شیر دوبارہ اِدھر نہیں آئے گا۔"

مرشد بولا، "اور میرا خیال ہے کہ آپ لوگ اپنے اپنے بستروں پر لیٹ کر بے فکری سے
سو جائیے۔"

اگلے دن ہم نے بنگلے کے آس پاس کی جگہ کا معائنہ کیا۔ روندی ہوئی گھاس سے یہ
بات صاف ظاہر تھی کہ شیر یہاں آیا تھا۔ ہم شیر کی تلاش میں دن بھر جگہ جگہ پھرتے رہے۔
ہم نے جنگل کا چپّا چپّا چھان مارا لیکن شیر کا کوئی سراغ ملنا تھا نہ ملا۔

رات کے وقت پھر شیر کی غراہٹ سُنائی دی۔ علامہ فکر مند لہجے میں بولے، "یہ آواز
پریرا کے گھر کی طرف سے آ رہی ہے۔"

میں اور مرشد بندوقیں ہاتھ میں لیے ہوئے پریرا کے گھر کی طرف چلے۔ ہمیں دُور میدان
میں ایک شعلہ سا نظر آیا۔ میں نے آہستہ سے کہا، "مرشد، یہ تو مجھے پریرا دکھائی دیتا ہے لیکن
وہ رات کے وقت یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

مرشد بولا، "آؤ واپس چلیں، صبح اس سے دریافت کر لیں گے۔"
ہم شیر کے انتظار میں دیر تک جاگتے رہے۔ رات کے کوئی چار بجے کا وقت تھا جب شیر کی غراہٹ سنائی دی۔ ہم سب دبے پاؤں چلتے ہوئے کھڑکی تک پہنچے۔ سفید شیر کھڑکی سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے جسم سے دودھیا سفید رنگ کی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ علامہ دانش اور مرشد حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس عجیب مخلوق کو دیکھ رہے تھے۔ آزونا شاید بے ہوش ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے جھنجوڑا اور کہا، "اللہ کے بندے، ذرا ہوش میں رہو۔"
مرشد کو جیسے اچانک ہی ہوش آگیا۔ وہ جلدی سے پیچھے مڑا۔ اس نے بندوق اٹھائی اور کھڑکی کی طرف لپکا۔ اس کی نظر آزونا کی تسبیح پر پڑی۔ وہ چونک کر بولا، "یہ... یہ کیا ہے؟ علامہ! ذرا ادھر دیکھیے۔"
علامہ دانش نے مڑ کر دیکھا۔ آزونا کی تسبیح اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ وہ بڑبڑائے، "اوہو۔ ضرور یہی بات ہوگی۔ بے شک یہی بات ہے۔"
باہر شیر نے منھ کھول کر غراہٹ کی آواز نکالی اور بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر چلا گیا۔
میں نے جھنجلا کر پوچھا، "آخر آپ نے اسے گولی کیوں نہیں مار دی؟"
مرشد بولا، "شیر بالکل بے ضرر اور معصوم ہے۔ اسے مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"
علامہ بولے، "کوئی شخص اس شیر کو دہشت پھیلانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یہ شیر کسی کا پالتو ہے اور فاسفورس کا مرکب روغن میں ملا کر اس کے اوپر لگا دیا گیا ہے۔ فاسفورس رات کے اندھیرے میں چمکتا ہے، اسی لیے یہ شیر رات کے وقت چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہمی لوگ اسے بھوت سمجھنے لگے۔"
میں نے پوچھا، "اس شیر کی کہانی پھیلانے سے کسی کو کیا ملے گا؟"
مرشد بولا، "روپیہ! حکومت نائیجیریا اس جگہ گایوں اور بھینسوں کا فارم قائم کرنا چاہتی ہے۔ جو کمپنی نائیجیریا کو گوشت فراہم کرتی تھی، اسے بے حد نقصان پہنچا۔ اس کمپنی نے حکومت نائیجیریا کی اسکیم کو ناکام بنانے کے لیے یہ چال چلی۔ اس کمپنی نے ایک شخص کی

صفات حاصل کیں۔"

میں نے کہا، "تمہیں کس پر شبہ ہے مسٹر کربی پر جو فارم کا مینیجر ہے یا پریرا پر؟"

مرشد بولا "ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اگلی صبح ہم شیر کی تلاش میں نکلے۔ مرشد بولا، "ہمیں سب سے پہلے پریرا کے پاس چلنا چاہیے۔ پچاس میل کے علاقے میں وہی ایک شخص باقی رہ گیا ہے۔ باقی سب لوگ تو شیر کے ڈر سے فرار ہو چکے ہیں۔"

علامہ بولے، "اپنی بندوقیں بھی ساتھ لیتے چلو۔ ہمیں شیر سے زیادہ شیر والے سے خطرہ ہے۔" علامہ کے مشورے کو سب نے پسند کیا۔ آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد ہم پریرا کے مکان پر پہنچ گئے۔ راستے میں ہم نے گائے کا ڈھانچہ پڑا ہوا دیکھا۔

علامہ بولے، "شاید اسے سفید شیر نے ہلاک کیا ہے۔"

آزونا بولا، "نہیں آقا، اسے شیر نے نہیں مارا ہے۔ اسے کسی انسان نے مارا ہے۔ اس کی ہڈیوں پر چھری کے نشانات ہیں۔"

علامہ بولے "معلوم ہوتا ہے کہ یہ پریرا کی کارستانی ہے۔"

جب ہم پریرا کے مکان پر پہنچے تو وہاں تالا پڑا ہوا تھا۔ آزونا زمین پر اوندھا لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ ہم حیرانی سے اس کی حرکتیں دیکھتے رہے۔ وہ آہستہ سے بولا، "شیر یہیں کہیں موجود ہے۔"

وہ زمین سونگھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گیا اور بولا، "اس دیوار کے پیچھے شیر موجود ہے۔"

آزونا نے دیوار میں لگی ہوئی کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک چیخ ماری، "شیر۔"

میں نے بھی کھڑکی سے دیکھا۔ میرے سامنے وہی شیر کھڑا تھا جسے میں دو بار پہلے دیکھ چکا تھا۔ اس کے پنجوں میں گوشت کا بڑا سا ٹکڑا دبا ہوا تھا۔ اس نے بہت معصوم نظروں سے میری طرف دیکھا۔ علامہ اور مرشد نے بھی شیر کو دیکھا۔ علامہ بولے، "یہ شیر پالتو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ شیر اب بوڑھا ہو گیا ہے، اس لیے

وہ شکار کرنے سے قاصر ہے۔ پریرا بچھڑوں کا گوشت اسے کھلاتا ہے۔"
علامہ نے سیٹی بجائی۔ شیر کھڑا ہو گیا اور دُم ہلانے لگا۔
علامہ بولے، "جب شیر کو بُلانا ہوتا ہے تو پریرا سیٹی بجاتا ہے اور یہ ایک وفادار کتّے کی طرح اس کی تعمیل کرتا ہے۔"
مرشد ہنس کر آرزو نا سے بولا، "جب تم اپنے دادا سے ملو تو اسے کہنا یہ بھوت پریت کچھ نہیں ہوتے۔ سب سے بڑا بھوت انسان خود ہوتا ہے۔"
کچھ دیر بعد پریرا بھی آ گیا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے بہت بُرا سا منھ بنایا۔ جب ہم نے اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس کی شکل اور زیادہ بگڑ گئی۔ وہ چیخ کر بولا، "میں کسی شیر کے متعلق نہیں جانتا۔ تم لوگ مجھے زیادہ پریشان نہ کرو۔"
مرشد کھڑا ہو گیا اور اس کا بازو پکڑ کر بولا، "مسٹر، تمھارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ تم اپنے جرم کا اقرار کر لو تو بہتر ہے۔"
پریرا بولا، "جرم؟ کیسا جرم؟ افریقہ میں شیر پالنا کوئی جرم نہیں ہے۔"
علامہ غصّے سے بولے، "تم کیا بکتے ہو؟ میں افریقہ کے قانون سے اچھی طرح واقف ہوں۔ افریقہ میں شیر پالنا سخت جرم ہے۔"
مرشد بولا، "تم ابھی میرے ساتھ چلو اور جو شیر پچھلے کمرے میں بند ہے اسے گولی مار دو۔"
پریرا کی ہمّت جواب دے گئی۔ وہ کرسی پر گر پڑا اور روتے ہوئے کہنے لگا، "اللہ کے لیے میرے شیر کو کچھ مت کہنا۔ سرکس میں ہم دونوں بہت عرصے تک کام کرتے رہے ہیں۔ اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں اس کے منھ میں اپنا سر رکھ دیتا تھا۔ اس نے کبھی مجھے نہیں کاٹا۔ اس کے نہ تو دانت ہیں اور نہ پنجے۔ وہ تو شکار بھی نہیں کر سکتا۔"
پریرا نے اپنی داستان سُنانی شروع کی:
"میں جنوبی امریکا میں ایک سرکس میں کام کرتا تھا۔ میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی۔ اس نے مجھے ایک بڑی رقم کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ میں یہ سب کام اس کی مرضی کے مطابق کرنے پر رضا مند ہو گیا۔ وہ مجھے ایک خاص جہاز میں شیر کے ساتھ اُڑا کر یہاں لایا۔ شیر بہت بوڑھا تھا۔ میں اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا

رات کے وقت شیر کو گھومنے پھرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتا۔ جب میں سیٹی بجاتا تو شیر فوراً واپس آجاتا۔ دن کے وقت میں اسے کمرے میں بند رکھتا، کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ کوئی اسے مار نہ ڈالے۔ میرا کام یہ تھا کہ میں مقامی لوگوں کو ڈرا کر یہاں سے بھگا دوں۔ ان لوگوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جوں ہی کام پورا ہو جائے گا وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اب تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ وہ مجھے لینے کے لیے نہیں آئے۔"

مرشد بولا، "اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ جو لوگ دوسروں سے دھوکا کرتے ہیں وہ خود بھی دھوکا کھاتے ہیں۔"

میں نے کہا، "جب تمھاری کہانی اخباروں میں چھپے گی تو لوگ خوب مزے لے لے کر پڑھیں گے۔"

پریرا منت سماجت کرنے لگا۔ وہ بولا، "اللہ کے لیے تم لوگ مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جانا۔ میں اکیلا رہتے رہتے تنگ آچکا ہوں۔"

مرشد بولا، "نہیں، نہیں، ہم تمھیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

آزونا بولا، "شیر کا ساتھ جانا زیادہ ضروری ہے تاکہ ہم لوگوں کو سفید بھوت دکھا سکیں۔"

علامہ بولے، "میں بھی آزونا کی بات سے متفق ہوں۔ شیر کا کوئی قصور نہیں۔ سب قصور ان ذلیلوں کا ہے جو لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان لوگوں سے زیادہ شریف تو یہ شیر ہے جس نے کسی کا خون نہیں بہایا۔"

ہم پریرا اور شیر دونوں کو نائیجیریا کے دارالحکومت لاگوس لے گئے۔ شیر چڑیا گھر میں ہے اور پریرا جیل میں بند ہے۔ یوں سفید شیر کے بھوت کا ڈراما ختم ہوا۔

سوال و جواب

حکیم محمد سعید

طب کی روشنی میں

ہلکی آواز

س: عمر ۱۷ سال ہے۔ میری آواز بولنے میں عام لوگوں کی طرح ہے۔ لیکن بہت ہلکی ہے۔ اگر مجھے کسی کو تھوڑی دور سے بلانا ہو تو اس تک میری آواز نہیں پہنچتی۔ اس وجہ سے اسکول میں میری حاضری بھی رہ جاتی ہے۔ حاضریاں ۷۵ فی صد سے کم ہونے کی صورت میں کالج والے ایڈمٹ کارڈ نہیں دیتے۔ میری آواز شروع ہی سے ایسی ہے مجھے ہر وقت نزلہ رہتا ہے اور گلا بھی خراب رہتا ہے۔

عابد،

ج: عجیب مسئلہ ہے یہ۔ کیا حاضری لینے والے بزرگ آنکھیں بند کر کے حاضریاں لیتے ہیں بعض لوگوں کی آواز فطری طور پر نرم ہوتی ہیں۔ اب اسے گرم کرنا تو اچھی بات نہیں ہوتی۔ اپنے استاد محترم کو یہ بات بتا دیجیے تاکہ وہ آپ کی صورت دیکھ کر حاضری لگا دیا کریں۔ آپ شاید شرمیلے بھی ہیں، دوستوں، ساتھیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا کیجیے۔ دھیرے دھیرے شرمیلا پن دور ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں آواز بھی بہتر ہو جائے گی۔

گلے کی خرابی عموماً نمک کے نیم گرم پانی سے غرارے کرتے رہنے سے دور ہو جایا کرتی ہے۔

چہرے، کمر اور پیٹھ پر دانے

س: عمر ۲۲ سال ہے۔ میں ایک محنت کش ہوں۔ جب میری عمر تقریباً دس سال تھی اس وقت میرے چہرے پر دانے نکل آئے تھے۔ یہ دانے ابھی تک ہیں اور چہرے کے ساتھ کمر اور پیٹھ پر بھی نکل آئے ہیں۔ بہت علاج کروایا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ دانے پیپ دار ہیں، پیشاب بھی جلن کے ساتھ آتا ہے۔ ازراہ کرم علاج تجویز فرمائیے۔

مولا بخش

ج: صبح کو قرص رسوت ایک عدد۔ تازہ پانی کے ساتھ کھانا شروع کر دیں۔ رات کو سوتے وقت قرص کیلہ ایک عدد کھائیے۔ مہینہ بھر تک یہ علاج جاری رکھیے۔

آنکھوں تلے اندھیرا

س: عمر ۱۵ سال ہے۔ سو کر اٹھتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ آپ کوئی ایسا علاج بتائیں جس سے میری آنکھوں میں اندھیرا نہ آئے۔ انوارالحق انصاری، ٹنڈو آدم

ج: بات واضح نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ سو کر اٹھنے پر اندھیرا آنکھوں تلے کیوں آتا ہے۔ آپ کو کسی اچھے مقامی معالج سے مشورہ کر لینا چاہیے۔

ادرک ہاضم ہے

س: ازراہِ کرم یہ بتائیے کہ کیا واقعی ادرک بادی کو گھٹاتی ہے۔ اگر یہ کھائی جائے تو کوئی نقصان تو نہیں ہوتا؟
محمد معین

ج: ہاں ہاں، ادرک واقعی ریاح کو تحلیل کرتی ہے۔ ادرک ضرور کھانی چاہیے۔ کوئی نقصان نہیں۔ ہاضم ہے، پاچک ہے۔ ہاں زیادتی تو ہر چیز کی بُری ہوا کرتی ہے۔

چہرے پر دانے

س: عمر ۱۶ سال ہے۔ میرے چہرے پر دو سال سے دانے ہیں جو سخت ہیں اور لال رنگ کے ہیں۔ ہر جگہ سے علاج کرا کر اور مایوس ہو کر آپ سے درخواست کر رہی ہوں۔ آپ ازراہ کرم اس مرض کا علاج تجویز فرمائیں۔
ریحانہ پروین محمد اشرف

ج: ہمدرد سے دو چیزیں لے لیں اور استعمال کریں:
صبح: قرصِ رسوت ایک عدد۔ پانی کے ساتھ
شام: صافی دو چمچے چائے کے برابر
۱۵-۲۰ دن استعمال کریں۔ لگانے کے لیے کلونجی لے لیں۔ ذرا سی کلونجی پیس کر پانی میں ملا کر رات کو ان دانوں پر لگائیں۔

چکّر آتے ہیں

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ میں جب بھی پاؤں کے بل بیٹھتا ہوں اور کچھ دیر بعد کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے چکّر آتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ ازراہِ کرم اس کا علاج بتائیے۔
محمد رفیع بابر

ج: ایسا لگتا ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہیں۔ یہ چکّر خون کی کمی اور

خون کے دماغ تک زیادہ نہ جانے کی علامت ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی غذا ناکافی ہو۔
علاج یہی ہے کہ اپنی صحت اور قوت کی حفاظت کریں۔

بالوں کا جھڑنا

س: میری بہن کے بال لمبے ہیں لیکن ایک سال سے مسلسل جھڑ رہے ہیں۔ میری بہن اپنے بالوں کو ریٹھے آملہ اور سکاکائی سے دھوتی ہیں۔ از راہِ کرم کوئی حل بتائیے۔

اشرف حسین

ج: آپ کی بہن کے سر میں اگر خشکی (ڈینڈرف) پیدا ہوگئی ہے تو یہ بال اس کی وجہ سے گرتے ہیں۔ ان کو اپنے سر کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ سر میں لگانے کے لیے ان کو حسبِ ذیل تیل بنالینا چاہیے۔

دوائے خارش سفید ۱ تولہ
روغنِ کمیلہ ۱۰ تولہ

ہمدرد سے حاصل کریں۔ دونوں کو ملا کر رکھ لیں۔ رات یہ تیل لگائیں صبح سر دھولیں۔

حق نمائی کی شان سر سید
حق پرستی کی آن سر سید

دشت و صحرا اگر زمانہ تھا
منزلوں کا نشان سر سید

ظلمتِ شب سے ہم نکل آئے
ہم نے سُن لی اذانِ سر سید

اس نے باطل کو بڑھ کے للکارا
قوم کی تھا کمان سر سید

جہل کی طاقتوں سے لڑتا رہا
علم کا کاروان سر سید

وقت کی تیرگی مٹانے کو
پڑھ رہا تھا قرآن سر سید

اس کی زندہ صدا علی گڑھ ہے
قوم کی آن بان سر سید

لوگ تھے بے زبان جب احمر
بن گیا ترجمان سر سید

[illegible] مرگیا۔ ہائے میں مرگیا۔"
ایک راہگیر نے پوچھا: "کیا ہوا بھائی، کیوں اتنا چلا رہے ہو؟"
زخمی شخص بولا: "ہائے کیا بتاؤں، ایک ویگن ٹکر مار گئی ہے۔ جان تو بچ گئی مگر ہائے۔" اس نے پھر رونا شروع کر دیا۔
راہگیر نے پوچھا: "مگر ہوا کیا؟"
زخمی شخص نے جواب دیا: "جب میں نے جاتی ہوئی ویگن کو مڑ کر دیکھا تو پیچھے لکھا ہوا تھا "پھر ملیں گے"۔"

محبوب عالم شاہین

مریض: ڈاکٹر صاحب! مجھے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جس سے میری سستی دور ہو جائے، میں چاق و چوبند ہو جاؤں، لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ کیا آپ نے میرے نسخے میں کوئی ایسی دوا شامل کر دی ہے؟
ڈاکٹر: وہ چیز نسخے میں نہیں، بل میں شامل کر دوں گا۔

[illegible]

ایک مقامی میچ کے دوران کپتان نے اپنی ٹیم کے ساتھیوں کو بلا کر کہا: "دیکھو! میرے پاس سو کا نوٹ ہے۔ نئی گیند خریدو یا کچھ بھی کرو جس سے ہم یہ میچ جیت جائیں۔"
میچ شروع ہوا اور کپتان کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی پرانی گیند استعمال کی جا رہی ہے۔ اس نے ساتھیوں کو بلا کر پوچھا: "تم نے میرے سو کے نوٹ کا کیا کیا؟"
"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اس سے کوئی ایسا کام کرو جس سے یہ میچ جیت جائیں۔"
"پھر؟" کپتان نے پوچھا۔
"ہم نے وہ نوٹ امپائر کو دے دیا ہے۔" کھلاڑیوں نے جواب دیا۔

سید خرم شیرازی

جنرل شرمن کے اعزاز میں تقریب ہو رہی تھی۔ جنرل نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "اگر میں جہنم اور ٹیکساس دونوں کا مالک ہوتا تو ٹیکساس کو کرائے پر دے دیتا اور جہنم میں رہنا پسند کرتا۔"
"بالکل درست فرمایا۔" ٹیکساس کے ایک باشندے نے کہا، "ہر شخص اپنے وطن میں رہنا پسند کرتا ہے۔"

عرشانہ سکندر علی

سائیکل سوار نے ایک آدمی کو ٹکر مار دی۔ وہ آدمی اٹھا اور سائیکل سوار کو ایک روپیہ دیا۔ سائیکل سوار حیران ہو کر بولا: "بھائی صاحب، پٹائی کے بجائے ایک روپیہ؟"
"اس لیے کہ میں اندھوں کو ایک روپیہ ضرور دیتا ہوں۔" اس آدمی نے اطمینان سے جواب دیا۔

محمد ایوب

ہمدرد انسائکلو پیڈیا

س: ہم ٹیلے فون پر کس طرح بات کرتے ہیں؟ یہ کس عمل کے تحت کام کرتا ہے؟

عبداللطیف حاجی موسیٰ

ج: ٹیلے فون بجلی اور آواز کے باہمی تعلق پر کام کرتا ہے۔ اگر قدرتی طور پر بجلی اور آواز میں یہ تعلق نہ پایا جاتا تو یہ ایجاد بھی ممکن نہ ہوتی۔ ٹیلے فون لائن عام بجلی کے تاروں سے الگ ہوتی ہے، کیوں کہ ٹیلے فون کا وولٹیج کم ہوتا ہے۔ جب آپ ٹیلے فون میں بولتے ہیں تو آپ کی آواز برقی ارتعاشات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ ارتعاشات تاروں کے ذریعے سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں اور وہاں ایک اور پُرزے کی جھلی کو حرکت میں لا کر پھر وہی آواز یا الفاظ پیدا کر دیتے ہیں اور یوں ہم دوسری طرف بولنے والے کی بات سُن لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ٹیلے فون کے دو حصے ہوتے ہیں ایک ہم اپنے مُنھ کے قریب رکھتے ہیں اور دوسرا اپنے کان پر۔ دونوں کی بناوٹ بھی مختلف ہوتی ہے۔ ایک بولنے کے لیے ہوتا ہے اور دوسرا سُننے کے لیے۔

س: آگ ٹھوس ہے، مائع ہے یا گیس؟ شاہ نواز احمد

ج: آگ ٹھوس یا مائع تو ہے نہیں۔ البتہ اُسے چند گیس کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔

س: ہمیں بجلی سے جھٹکا کیوں لگتا ہے جب کہ پرندے بجلی کے تاروں پر بیٹھتے ہیں لیکن ان پر برقی رو اثر نہیں کرتی۔

محمد اشرف ناز

ج: بجلی ہر وقت زمین میں اُترنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ لیکن وہ ایسا اسی وقت کر سکتی ہے جب اسے کوئی واسطہ یعنی کنڈکٹر مل جائے۔ بجلی جن چیزوں میں سے گزر سکتی ہے انھیں کنڈکٹر کہتے ہیں۔ خود ہمارا جسم بجلی کا بہت اچھا کنڈکٹر یا موصل ہے۔ جب ہم زمین پر کھڑے ہو کر بجلی کے ننگے تار کو چھوتے ہیں تو بجلی اس تار سے ہمارے جسم کے ذریعے سے زمین میں جانے کی کوشش کرتی ہے اور بیچ درمیان میں ہم کو جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ پرندوں کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ صرف ایک تار پر بیٹھتے ہیں۔ زمین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لیے وہ محفوظ رہتے ہیں۔

س: اولے کس طرح پڑتے ہیں اور کیوں پڑتے ہیں؟

ج: یہ تو آپ جانتی ہیں کہ ہم زمین سے جیسے جیسے اوپر جاتے ہیں درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے اور خنکی بڑھتی جاتی ہے۔ بادلوں میں جو نمی موجود ہوتی ہے وہ اس خنکی کی وجہ سے منجمد ہو کر اولوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جب یہ اولے اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ فضا میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں تو وہ زمین کی کشش کی وجہ سے نیچے گر پڑتے ہیں اور ہم کہتے ہیں اولے گر رہے ہیں۔ بعض اوقات بہت بڑے بڑے اولے بھی گرتے ہیں۔

س: آنکھ اور کیمرا کس اصول پر کام کرتے ہیں؟

دل عزیز احمد صدیقی

ج: آنکھ اور کیمرا اپنی بناوٹ میں ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے کیمرا بنانے میں آنکھ سے مدد لی ہے۔ دونوں اس اصول پر کام کرتے ہیں کہ دونوں میں ایک عدسے کے ذریعے سے روشنی داخل ہوتی ہے اور ایک پردے پر سامنے کی چیز کا عکس بناتی ہے۔ آنکھ میں یہ پردہ قدرتی ہے، جس کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ کیمرے میں پردے کی جگہ فلم استعمال کی جاتی ہے جس پر ایک حساس مادہ چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ روشنی کی کرنیں عدسے سے گزر کر اس فلم پر عکس ترتیب دیتی ہیں جسے بعد میں دھو کر ہم نگیٹو تیار کر لیتے ہیں۔ پھر اس نگیٹو سے پازیٹیو یا اصل تصویر بن جاتی ہے۔

س: کھانا پکانے کے برتن (نیچے) تلے کی طرف سے کالے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس کالک کو سائنس میں کیا کہتے ہیں؟

جاوید عبدالکریم

ج: کھانا پکانے کے برتنوں کے نیچے جب لکڑی یا آگ جلتی ہے تو ان پر ایندھن کی سیاہی جم جاتی ہے۔ یہ سیاہی ایندھن کا حصہ ہوتی ہے، جلانے پر باہر نکل آتی ہے اور برتنوں کی نچلی سطح پر جم جاتی ہے۔ سائنس میں اسے کاربن کہتے ہیں۔

س: گدگدیاں کرنے سے ہنسی کیوں آجاتی ہے؟

عرشیہ ناز

ج: ہمارے جسم کے بعض حصے ایسے ہیں، مثلاً پیروں کے تلوے اور ہماری بغلیں، جہاں کی جلد حساس واقع ہوتی ہیں۔ اگر ان حصوں کو گدگدایا جائے تو ہمیں ایک قسم کی ناگواری کا احساس ہوتا ہے اور ہم خود بخود بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں اس عمل پر ہنسی بھی آجاتی ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے اور ہم بچپن سے اس کے عادی ہو تے ہیں۔ چھوٹے سے بچے کی گردن پر تھوڑی

کے نیچے یا تلووں کو سہلایا جائے تو وہ بھی ہنس پڑتا ہے اور اس کا جسم حرکت میں آجاتا ہے، کیونکہ جسم کے یہ حصے نسبتاً زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں۔

س: اڑتا ہوا جہاز چھوٹا کیوں نظر آتا ہے؟

امجد حسین،

ج: دُور کی ہر چیز چھوٹی نظر آتی ہے خواہ آپ اسے زمین پر دیکھیں یا آسمان پر۔ اُڑتا ہوا ہوائی جہاز آپ سے پچیس تیس ہزار فیٹ یا اس سے بھی زیادہ اونچائی پر ہوتا ہے، اس لیے چھوٹا نظر آتا ہے لیکن جب نیچے اُترتا ہے اور ایئرپورٹ پر ٹھہرنے کے لیے چکر کاٹتا ہے تو وہی جہاز بڑا معلوم ہونے لگتا ہے، کیونکہ آپ سے اس کا فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔ چاند تارے چھوٹے اسی لیے نظر آتے ہیں کہ وہ آپ سے بہت دُور ہیں، ورنہ ان کا قطر سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں میل ہے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک چمک دار نقطہ معلوم ہوتے ہیں اور بس۔

س: طوفان جو بڑی تیزی سے آتے ہیں یا آگے بڑھتے ہیں وہ اپنا رُخ کس طرح موڑ لیتے ہیں؟

محمد عامر عزیز

ج: طوفانوں کی سمت پریشر یا ہوائی دباؤ کے فرق سے طے ہوتی ہے۔ جب کسی جگہ ہوا کا دباؤ زیادہ اور کسی جگہ کم ہو جاتا ہے تو زیادہ دباؤ والے مقامات سے کم دباؤ والے مقامات کی طرف ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ دباؤ کا فرق جتنا زیادہ ہوگا ان ہواؤں کی رفتار اُتنی ہی زیادہ ہوگی۔ جب طوفان کسی سمت چلا رہا ہے اور آگے جا کر یکایک دائیں یا بائیں طرف اسے اور کم دباؤ والا علاقہ مل جاتا ہے تو وہ خود بخود اپنا رُخ اس جانب موڑ لیتا ہے۔ آندھی ہو یا طوفان، خشکی کے طوفان ہوں یا سمندر کے، سب کا دارومدار دباؤ کے فرق پر ہوتا ہے۔

س: سردیوں میں صبح کے وقت جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہمارے مُنہ سے دھواں سا کیوں نکلتا ہے؟

طارق علی

ج: سردیوں میں باہر کا درجۂ حرارت کافی کم ہوتا ہے لیکن ہمارے جسم کے اندر حرارت موجود ہوتی ہے اور ہمارا جسمانی درجۂ حرارت باہر کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں یا مُنہ سے بھاپ نکالتے ہیں تو درجہ حرارت کے فرق کی وجہ سے ہمارے سانس (بھاپ) کے ذرات کی نمی تقریباً جم جاتی ہے۔ ان کے بھاری ہو جانے کی وجہ سے وہ نظر آنے لگتے ہیں اور بھاپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جسے آپ نے دھواں کہا ہے۔ وہ دھواں نہیں ہوتا بھاپ ہوتی ہے اور اس کی وجہ باہر کی خنکی ہے۔

حیرت انگیز دلچسپ اور عجیب

بادشاہوں کا قبرستان

جزیرہ آئیونا میں سینٹ اورن کا گرجا گھر بنا ہوا ہے۔ اس گرجا گھر میں اسکاٹ لینڈ کے ۴۸ بادشاہوں، نار وے کے ۸ بادشاہوں، آئرلینڈ کے چار اور فرانس کے چار بادشاہوں کی قبریں موجود ہیں۔ دنیا میں اور کوئی قبرستان یا گرجا گھر ایسا نہیں جہاں اتنی تعداد میں بادشاہ دفن ہوں۔

مرسلہ: ساجدہ شمع نور

عجیب اتفاق

ترکی کے ایک گاؤں میں مصطفیٰ شبیل نامی ۴۲ آدمی رہتے ہیں۔ اس گاؤں کے چودھری نے جس کا نام بھی مصطفیٰ شبیل ہے بتایا ہے کہ جب کبھی اس نام کا خط گاؤں میں آتا ہے تو اس خط کو ایک خاص میدان میں زور سے پڑھا جاتا ہے تاکہ اصل آدمی کو خط کا پتا لگ جائے اور جب ٹیلیفون آتا ہے تو ۴۲ ہم نام آدمیوں کو تلاش کر کے لائن لگانی پڑتی ہے۔

گدھے کے سر پر سینگ

لندن کے چڑیا گھر میں گدھے کی شکل کا ایسا جانور موجود ہے جس کے سر پر سینگ ہیں۔ اس جانور کا نام "میکا لاگوما" ہے۔ اس کا پورا جسم گدھے جیسا ہے۔ اگر اس کے سر پر سینگ نہ ہوتے تو وہ گدھا ہی سمجھا جاتا۔

مرسلہ: عامر محی الدین،

رنگین ٹوپیاں

ہالینڈ کی گرونگن یونی ورسٹی کے طلبہ مختلف رنگوں کی ٹوپیاں پہنتے ہیں۔ ہر رنگ کسی مضمون کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اس طرح ٹوپی کے رنگ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس مضمون کے طلبہ ہیں۔

مرسلہ: محمد سعید گلاب

ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی

برتر کون؟ (مکالمہ)

منے میاں علی الصبح بیدار ہوئے تو بستر سے اٹھ کر لان میں ٹہلنے چلے گئے۔ ابھی وہ دو چار قدم چلے تھے کہ انھیں سرگوشیاں سی سنائی دیں۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ اتنی صبح آس پاس کون باتیں کر رہا ہوگا۔ انھوں نے لان سے لگے باغ میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو انھیں اندازہ ہوا کہ یہ آوازیں گلاب کے پودے سے اٹھ رہی ہیں۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھ کر چنبیلی کی اوٹ میں ہوگئے کہ معلوم تو ہو ماجرا کیا ہے؟ وہاں پھول اور کانٹے میں ٹھنی ہوئی تھی۔

پھول (حقارت آمیز لہجے میں) "تیری اوقات ہی کیا ہے؟ تو ایک کانٹا ہے۔ کالا کلوٹا بدہیئت کانٹا سب تجھ سے نفرت کرتے ہیں تیرا کوئی رنگ ہے نہ روپ۔ خوشبو تجھ میں نہیں نزاکت اور نفاست سے تیرا کوئی واسطہ نہیں۔ تیرے لیے سب دن ایک سے ہیں۔ بہار ہو یا خزاں تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تیری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اب تیرے عیب کہاں تک گنواؤں۔ کون سا عیب ہے جو تجھ میں نہیں۔ تیرا اور میرا کیا مقابلہ"

کانٹا (انکساری اور عاجزی سے) میں نے کب تم سے برابری یا برتری کا دعوا کیا ہے تمھارا اور میرا کیا مقابلہ۔ موازنہ تو دو یکساں چیزوں میں ہوتا ہے پھول کا موازنہ پھول سے ہوگا۔ کانٹے سے نہیں۔ میں تمھاری خوبیوں کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں احساسِ کمتری کا شکار ہوں"

پھول (تمسخر آمیز لہجہ) "کیا تجھ میں کوئی خوبی بھی ہے!!"

کانٹا "اللہ رب العزت نے ہر چیز میں جہاں کچھ خامیاں، خرابیاں یا کمیاں رکھی ہیں

دہیں کچھ خصوصیات بھی عطا کی ہیں۔ تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ بہار ہو یا خزاں میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ کیا اس بات کو اس طرح نہیں کہا جا سکتا کہ میں سدا بہار ہوں۔ شادابی کا محتاج نہیں، خزاں کا مجھے ڈر نہیں، یا یہ کہ میں نے تم سے زیادہ عمر پائی ہے۔ تمہارا اعتراض کہ میں خوشبو سے عاری ہوں۔ لغو اور بے بنیاد ہے۔ کانٹوں میں خوشبو ہوتی ہی نہیں، مجھ میں کہاں سے آتی! رہا سوال میری بدصورتی کا تو نہایت ادب سے عرض ہے کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ کائنات کی کسی چیز کو عیب دار کہنا اللہ کی صناعی میں عیب نکالنا ہے، اور یہ گناہ ہے۔"

پھول (تیز لہجے میں) "باتیں تو تم اچھے دار کرتے ہو۔ مگر منہ زوری کی بنا پر اپنے عیبوں پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ تم کتنے کار آمد واقع ہوئے ہو۔ کسی چیز کی اہمیت اور افادیت اس پر انحصار کرتی ہے کہ وہ کس قدر کار آمد ہے۔ اس لحاظ سے میں تمہیں بالکل ناکارہ پاتا ہوں تم کسی کام کے نہیں۔ تم مجھے دیکھو اللہ نے مجھے دل کش روپ عطا کیا ہے۔ میں نزاکت و نفاست کی علامت ہوں۔ نفاست پسند لوگ مجھے سر چڑھاتے ہیں۔ تتلی اور بھونرے مجھ سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ میری خوشبو دماغ کو معطر کرتی ہے۔ گل قند اور دوسری چیزیں مجھ سے تیار کی جاتی ہیں۔ خوشی کی ہر محفل میں میری موجودگی لازمی ہے۔ مرحومین کے تئیں عقیدت اور محبت کے لیے مجھی ہی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ خوب صورت اور معصوم بچوں کو مجھ سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔

کانٹا "لیکن اپنے کام میں میں بھی طاق ہوں۔ مجھے پھولوں کی حفاظت کا کام سونپا گیا ہے۔ تم اس پر نازاں ہو کہ تمہیں مختلف رنگ روپ عطا ہوئے۔ ہم سب کانٹے ایک سے ہوتے ہیں۔ یہی یکسانیت ہمارے اتفاق و اتحاد کی بنیاد ہے۔ تمہارا یہ الزام کہ کانٹے کشش نہیں رکھتے۔ صحیح نہیں، آرٹسٹوں سے پوچھو۔ اب تو گھر سجاوٹ کی بہت سی چیزیں کانٹوں کی جھاڑیوں سے بھی تیار ہونے لگی ہیں۔ کانٹے کی یہ باتیں سن کر پھول نے جھلا کر کہا، مگر اپنی چبھنے والی فطرت کے بارے میں تم کیا کہو گے۔

کانٹا (خود اعتمادی سے) "میں لہولہان کرتا ہوں ان ہاتھوں کو جو تمہاری طرف بڑھتے ہیں۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ میرا ردعمل صحیح ہے غلط!

پھول "

کانٹا "خاموش کیوں ہو گئے؟"

کہ ہم میں افضل کون ہے؟

"کانٹا "لیکن اگر تم فیصلہ کرانا ہی چاہتے ہیں

پھول: کیا ہم شبنم کو جج بنا دیں؟"

کانٹا "شبنم ہمارے ساتھ رہتی ہی کتنی دیر ہے۔ وہ ہمارا انصاف کیا خاک کرے گی؟"

پھول "کیا تتلی یا بھونرے کو یہ ذمہ داری سونپ دیں۔؟

کانٹا "وہ تمھارا رس پیتے ہیں اُن کا فیصلہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔"

پھول "تو تم ہی بتاؤ کہ ہمارا انصاف کون کرے گا؟"

"میں کروں گا تمھارا انصاف اگر تم لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو؟" مالی بابا نے سامنے آکر کہا، جو اب تک کنیر کے پیڑ کے پیچھے چھپے پھول اور کانٹے کی باتیں سن رہے تھے۔

نہیں نہیں ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پھول اور کانٹے نے ایک آواز ہو کر کہا۔
تب تو ٹھیک ہے مالی بابا نے کہا۔ کارخانۂ قدرت میں کوئی کمتر نہیں، اپنے مقام پر ہر چیز ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کمتر اور بدتر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سُن کر پھول اور کانٹا ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ منّے میاں نے یہ جو منظر دیکھا تو خوشی کے مارے تالیاں بجانے لگے۔

عبدالاول نعمانی

غار والوں کا قصہ

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے ایک حیرت انگیز اور دلچسپ قصّے کو بیان فرمایا ہے اس قصّے میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کو "اصحاب کہف" (غار والے) کے نام سے یاد کرتے ہیں،

"اصحاب کہف" خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے تھے، وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے کہ اے لوگو! تم نے خدا کے علاوہ جو معبود بنا رکھے ہیں ذرا ان کا ثبوت تو لاؤ۔ اور اگر تم نے اپنی طرف سے گڑھ رکھا ہے تو اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں۔

یہ بات دھیرے دھیرے اس زمانے کے مشرک بادشاہ تک پہنچی۔، اور اس نے ان لوگوں پر سختی اور ظلم کرنا شروع کر دیا، آخرکار جب وہ لوگ بادشاہ اور دنیا والوں کے ظلم سے تنگ آگئے تو ایک دن یہ پروگرام بنایا کہ یہاں سے بھاگ چلیں۔ چنانچہ یہ لوگ ایک رات شہر سے باہر جنگل کی طرف چل پڑے، راستے میں ایک کتّا ملا اس کتّے کو اللہ تعالیٰ نے گویائی کی قوّت عطا فرما دی۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے سارا ماجرا سُنا دیا، تو اس کتّے نے کہا کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلو۔" پہلے تو ان لوگوں نے کافی انکار کیا۔ لیکن جب کتّا نہ مانا تو ان لوگوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔

رات بھر چلنے کے بعد جب صبح ہونے کو آئی تو ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم کو کہیں چھپ جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ لوگ ایک پہاڑ کی کھوہ میں چلے گئے۔ کتّا بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا، ان لوگوں نے پہاڑ کی کھوہ میں پہنچنے کے بعد اللہ سے دعا کی کہ "اے اللہ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے کام سنوار دے"۔ پھر ان لوگوں کو نیند آگئی۔ اور سب کے سب وہیں سو گئے۔ یہاں تک کہ غار کے دروازے پر بیٹھا ہوا کتّا بھی سو گیا۔

وہ جس شان سے خواب استراحت میں رہے اسی شان سے اللہ نے اُن کو جگایا۔ اور انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ بھائی ہم کتنے عرصہ سے یہاں ہیں۔ چونکہ ان میں کسی کو ٹھیک [illegible] [illegible] اندازہ نہ تھا کہ [illegible]

اور نہ ہو سکتا تھا لہٰذا وہ یہی کہتے تھے کہ کوئی ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ یہاں رہے ہونگے۔ اب وہ جب نیند سے بیدار ہوئے تو ہر ایک نے بھوک محسوس کی، فیصلہ کیا کہ ایک شخص باہر جائے اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں خرید لائے مگر اس قدر چوکنا اور ہوشیار ہو کر جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

چنانچہ جب اُنکا فرستادہ روپیا لے کر بازار میں سودا سلف خریدنے کے لیے گیا تو شہر اور اہلیانِ شہر کو بالکل تبدیل شدہ پاکر حیران رہ گیا، اور جب ایک دوکان دار کو روپیا دے کر اس سے اشیا طلب کیں تو وہ دوکان دار اس کو اور اس کے روپیے دیکھ کر متعجب سا ہو گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ لوگوں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ یہ روپیا کس زمانے کا ہے اور کہاں سے ملا ہے"۔ بلکہ دو ایک نے یہاں تک کہا کہ ضرور کوئی خزینہ تمھارے ہاتھ لگا ہے یا تم نے کہیں چوری کی ہے۔ اس معاملے نے اتنا طول کھینچا کہ بادشاہ تک خبر پہنچی، اور بالآخر لوگ اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ جہاں اسے تمام واقعہ سنانا پڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم فکر نہ کرو۔ وہ ظالم بادشاہ جس کے زمانے میں تم کو پریشان کیا گیا تھا مرچکا ہے اور وہ لوگ جو بت پرستی پر ضد کرتے تھے وہ بھی اب نہیں رہے تم آج سے تین سو نو (۳۰۹) سال پہلے کی بات کر رہے ہو۔ اب خدا کے فضل سے میں بادشاہ ہوں اور عقیدتاً تمہارے موافق اور رعایا بھی بت پرستی سے تمہاری طرح سخت متنفر ہے۔ تم فکر نہ کرو اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملاقات کراؤ۔ یہ تمام واقعات سن کر وہ تو حیران و پریشان رہ گیا۔ لیکن اس کو بھی اب یقین ہونے لگا کیونکہ ان لوگوں کے بال اور ناخن وغیرہ اتنے لمبے ہو چکے تھے کہ ان کو دیکھ کر خوف طاری ہو جاتا تھا۔

اب وہ بادشاہ کو اور ارکانِ حکومت کو لے کر غار تک گیا۔ مگر ان کو دروازے پر کھڑا کر کے خود اندر چلا گیا۔ بعد ازاں وہ لوگ بھی اندر داخل ہو گئے مگر ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس جگہ ان کی یاد میں ایک عبادت خانہ بنوا دو تاکہ لوگ ان پاک ہستیوں کے روپوش ہونے کی جگہ پر اللہؐ کی عبادت کریں۔

پھر اس کے بعد لوگوں نے قیاس آرائی سے کام لینا شروع کر دیا کسی نے کہا کہ وہ پانچ تھے چھٹا کتا کسی نے کہا کہ چار تھے پانچواں ان کا کتا۔ اور بعضوں نے کہا کہ آٹھ تھے تو اب ان کا کتا۔ بہر حال وہ جتنے بھی رہے ہوں اس کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

قرآن کریم کا یہ دلچسپ قصّہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے قائم ہونے کا بیّن ثبوت ہے [illegible] فرمائے۔

"ماحصل کلام ہم نے انھیں بھی اور ان کے علاوہ زمانے کے لوگوں کو بھی دکھلا دیا کہ ہم نے انسانوں کو مار کر دوبارہ زندہ کرنے کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ اسی طرح پورا ہوگا۔ اس واقعہ سے تمہیں یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ قیامت کے آنے میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ اصحاب کہف کے واقعہ میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کے قائم ہونے کی پوری تفصیل دکھلائی گئی ہے"

پیامی ادبی معمّا نمبر ۴۲ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل:- (۱) عجیب عجیب (۲) عین مین (۳) پیٹی کی پیٹی (۴) دانشمندی (۵) نشانی (۶) عمارت (۷) مہاتما (۸) عجلت

بالکل صحیح حل پر پہلا انعام پانے والے ۴ خوش نصیب
فی کس -/۲۵ روپے تقسیم کیے گئے۔

(۱) جمال احمد انصاری ۳۴۳ باچھی بھیجی بارہ ہندراو دہلی (۲) افشاں پروین ولد شہزاد علی۔ جی ۲۰۶ ۲ سی شیام لال لین جی۔ ار۔ روڈ کلکتہ (۳) الیس خلیل احمد۔ ۹۵۔ این سیکٹر IV ڈی۔ آئی۔ نیڈ ایریا بابا کھڑک سنگھ مارگ نئی دہلی۔ (۴) تبسم عثمان ۲۷ محلہ خیلدار مسلم کالج کے سامنے فتح پور (یوپی)

ایک غلطی پر دوسرا انعام پانے والے ۱۰ خوش نصیب
فی کس -/۵ روپے کی کتابیں تقسیم کی گئیں۔

(۱) شائستہ خلیل نئی دہلی (۲) عشرت فاطمہ نئی دہلی۔ (۳) نور فاطمہ زہرا بہار (۴) عشرت جہاں مرادی مہاراشٹر (۵) شریعت حسین بوڈھانہ (۶) ظفر اقبال بمبئی (۷) نعیم کرناٹک (۸) سید عرشیا جبیں راچور (۹) پرویز شفیع بمبئی (۱۰) ماسٹر نوید احمد حیدرآباد۔

کردار :-

منشی جی : گدھے کے مالک — ساجد : ایک عقلمند لڑکا
بیوپاری : ایک بیوپاری — اور ایک گدھا ۔
لالا جی : ایک لالچی آدمی
راہ گیر : ایک دو راہ گیر

[منظر ۔ ایک بازار کا منظر ۔ منشی جی اپنے گدھے کے ساتھ کھڑے ہیں اور بیوپاری گدھے کے آگے ہاتھ جوڑے درخواست کر رہا ہے]

بیوپاری :- اے میرے برادر ۔ اے میرے پدر ۔ اے میرے پسر ! اے میرے سب کچھ جو ہیرا تو کھا گیا ہے بھگوان کے لیے اُگل دے ۔ خدا کے لیے اُگل دے گاڈ کے لیے اُگل دے ۔

منشی جی :- ارے تم ہاتھ دھو کر میرے گدھے کے پیچھے کیوں لگے ہو ۔ مجھے گھر جانے دو ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے ۔

بیوپاری :- بھائی کیوں جان کر انجان بن رہے ہو تم نے اچھی طرح دیکھا ہے کہ تمہارا گدھا میرا لاکھوں روپے کا ہیرا کھا گیا ہے ۔

[لوگ آکر جمع ہو جاتے ہیں ان میں لالہ جی بھی ہیں]

منشی جی :- بھائیو ! ذرا اس آدمی کو سمجھائیے ۔ یہ میرے گدھے کے پیچھے پڑ گیا ہے

میرا اور میرے گدھے کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا ہے۔ مجھے گھر جانے ہی نہیں دیتا۔
لالہ جی:۔ کیوں بھائی۔ اس آدمی اور گدھے کو گھر جانے کیوں نہیں دیتے۔ ہٹو راستہ چھوڑو۔
بیوپاری:۔ کس طرح راستہ چھوڑوں مہربان! یہ گدھا تو میری ساری زندگی بھر کی کمائی کھا گیا ہے۔
لالہ جی:۔ (حیرت سے) زندگی بھر کی کمائی؟ کیسی باتیں کر رہے ہو۔
بیوپاری:۔ ہاں صاحب زندگی بھر کی کمائی (سسکتے ہوئے) میرے پاس ایک لاکھوں روپے کا ہیرا تھا میں اسے ہاتھ میں لیے اُسے فروخت کرنے جا رہا تھا۔ راستے میں یہ گدھا گھاس کھا رہا تھا۔ اچانک ہیرا میرے ہاتھوں سے گر کر گھاس میں جا گرا اور یہ گدھا جھٹ گھاس کے ساتھ میرا ہیرا بھی کھا گیا۔
[سب ہنستے ہیں]
لالہ جی:۔ (منشی جی سے) کیوں بھائی! کیا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے۔
منشی جی:۔ (سر کھجاتے ہوئے) ہاں بات تو سچ ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہیرا اس کے ہاتھ سے گرا اور یہ کمبخت گھاس کے ساتھ ہیرا بھی چٹ کر گیا۔
بیوپاری:۔ اسی لیے میں اس آدمی اور اس گدھے کا راستہ روکے کھڑا ہوں اور اس گدھے سے درخواست کر رہا ہوں کہ یہ میرا ہیرا اُگل دے۔
لالہ جی:۔ اس طرح تو یہ ہیرا اُگلنے سے رہا۔ یہ جانور ہے انسان تھوڑی ہے جو انسانوں کی زبان سمجھے۔
بیوپاری:۔ تو جناب آپ ہی کوئی راستہ بتائیے کہ میں اس گدھے کے پیٹ سے کس طرح ہیرا نکالوں۔
ایک راہ گیر:۔ اس گدھے کے پیٹ سے ہیرا نکالنے کا ایک ہی راستہ ہے اس گدھے کو ذبح کر دو اور اس کے پیٹ سے ہیرا نکال دو۔
منشی جی:۔ (بھڑک کر) کیا۔ تم میرے گدھے کی جان لینا چاہتے ہو۔ نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ خبردار جو میرے گدھے کو چھوا بھی تو۔
لالہ جی:۔ بھئی ایسا کرو۔ اس گدھے کے مالک کو گدھے کی قیمت دے دو۔
بیوپاری:۔ میرے پاس ایک پیسا نہیں ہے تو کہاں سے اس آدمی کو اس کے گدھے

کی قیمت دوں
لالہ جی :۔ پھر تو مشکل ہے (گدھے کے مالک سے) کیوں بھائی کیا تم اس گدھے کو فروخت کرنا چاہتے ہو۔
منشی جی :۔ فروخت کرنے کے لیے ہی تو اسے گھر سے لایا ہوں۔
لالہ جی :۔ تو ٹھیک ہے میں اسے خرید لیتا ہوں۔ بولو کیا قیمت ہے۔
منشی جی :۔ پانچ سو روپے۔
بیوپاری :۔ ہائیں۔ تم اسے فروخت کر رہے ہو میرے اس ہیرے کا کیا ہو گا جو یہ نگل گیا ہے۔
لالہ جی :۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے تو یہ گدھا خریدنا ہے۔
بیوپاری :۔ میں تمھاری چالاکی خوب سمجھتا ہوں۔ تم پانچ سو روپے میں یہ گدھا خرید کر اس کے پیٹ سے میرا لاکھوں کا ہیرا مفت میں حاصل کرنا چاہتے ہو۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ دیکھو تم اپنا گدھا نہیں بیچ سکتے۔
منشی جی :۔ تم کون ہوتے ہو جی مجھے اپنا گدھا فروخت کرنے سے روکنے والے۔ میری چیز ہے میں اس کا جو چاہوں گا کروں گا یا واپس گھر لے کر چلا جاؤں گا۔
بیوپاری :۔ مگر میرے ہیرے کا کیا ہو گا؟
منشی جی :۔ تمھارا ہیرا گیا جہنم میں۔ تم نے اس کی حفاظت نہیں کی تو میں کیا کروں؟ لائیے صاحب۔ پانچ سو روپے دیجیے اور یہ گدھا لے جائیے۔
بیوپاری :۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اس گدھے کے پیٹ میں میرا ہیرا ہے۔
ایک راہ گیر :۔ ٹھہریے صاحب! آپ اس گدھے کو صرف پانچ سو روپے میں کیوں فروخت کر رہے ہیں۔ میں اس کی قیمت ایک ہزار روپے دیتا ہوں۔
بیوپاری :۔ کیا؟ ایک گدھے کی قیمت ایک ہزار روپے۔ میں تمھاری چالاکی خوب سمجھتا ہوں۔ تم لوگ میرے ہیرے کے لالچ میں اس گدھے کو خرید رہے ہو مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔
لالہ جی :۔ منشی جی! اب تو آپ کا گدھا میں ہی خریدوں گا چاہے مجھے کچھ ہی قیمت دینا پڑے۔ مجھے یہ گدھا پسند آگیا ہے۔ ٹھیک ہے میں اس کی قیمت بارہ سو

روپیا دینے کو تیار ہوں۔

راہگیر:۔ تب میں اس گدھے کی قیمت پندرہ سو روپیا لگاتا ہوں۔

بیوپاری:۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ یہ اس گدھے کی نہیں میرے اس ہیرے کی قیمت لگائی جا رہی ہے جو یہ کم بخت کھا گیا ہے۔ ٹھیک ہے تم لگاؤ قیمت مگر میں بغیر اپنے ہیرے کو لیے اس گدھے کو جانے نہیں دوں گا۔

منشی جی:۔ دیکھو بھائی کیوں فضول جھگڑا کرتے ہو۔ تمھارا ہیرا یہ گدھا نگل گیا ہے۔ اس لیے وہ تمھارا لاکھوں کا ہیرا اب تو کوڑیوں کے مول ہو گیا اس لیے ایسا کرتے ہیں سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ میرے گدھے کی قیمت تو پندرہ سو روپے لگ گئی ہے۔ اب جو شخص ہیرے کی قیمت دے گا میں یہ گدھا اس کو فروخت کر دوں گا۔

لالہ جی:۔ ٹھیک ہے ہیرے کی قیمت پانچ سو روپے دیتے ہوئے دو ہزار روپے میں گدھا خریدنے کو تیار ہوں۔

بیوپاری:۔ کیا میرے ہیرے کی قیمت پانچ سو روپے اور اس گدھے کی قیمت ۱۵سو نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔

منشی جی:۔ بیوپاری بھائی سمجھ لو تمھارا ہیرا تم سے کھو گیا ہے۔ جو قیمت مل رہی ہے اسے غنیمت سمجھ کر لے لو۔

لالہ جی:۔ ہاں ہاں میں دو ہزار روپے دے رہا ہوں۔ تم آپس میں سمجھوتہ کر لو تمھیں اپنا گدھا دینا ہے یا نہیں۔

[ساجد آتا ہے]

ساجد:۔ کیوں بھائی کیا معاملہ ہے؟

راہگیر:۔ اس بیوپاری کا ہیرا ان صاحب کا گدھا نگل گیا ہے۔ اور یہ صاحب اپنا گدھا فروخت کر رہے ہیں۔ لالہ جی نے دو ہزار روپے گدھے کی قیمت لگائی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لالہ جی اس گدھے کے پیٹ میں جو ہیرا ہے وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

لالہ جی:۔ کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ بھگوان جھوٹ نہ بلوائے مجھے اس ہیرے

سے کیا لینا ہے۔ مجھے تو یہ گدھا پسند آگیا ہے اور میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔

ساجد: ۔ گدھا ہیرا کھا جائے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور ہی کوئی چال ہے۔ تم دونوں مل کر لالہ جی کو لوٹ رہے ہو۔ گدھے کے پیٹ میں ہیرا ہے یہ لالچ دے کر۔

بیوپاری: ۔ اب تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو میاں۔ میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں یہ گدھا میرا ہیرا کھا گیا ہے۔

منشی جی: ۔ ہاں بات تو سچ ہے۔ میں نے بھی دیکھا ہے کہ یہ گدھا ان صاحب کا ہیرا کھا گیا ہے۔

ساجد: ۔ بات کیا ہے۔ اصلیت جاننے کے لیے کوئی ترکیب نکالنا پڑے گی۔ (کچھ دیر سوچتا ہے۔ پھر چٹکی بجاتا ہے)

ساجد: ۔ لالہ جی ادھر آیئے۔

(لالہ جی کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ لالہ جی منشی کو ایک کونے میں لے جاکر کوئی بات کہتے ہیں پھر بیوپاری کو ایک کونے میں لے جا کر کچھ پوچھتے ہیں پھر آکر ساجد سے کہتے ہیں)

لالہ جی: ۔ تم سچ کہتے ہو بیٹے۔ یہ دونوں ٹھگ ہیں اور چالاکی سے لالچ دے کر مجھے لوٹنا چاہتے رہیں۔ تمہارا شک سچ نکلا۔ میں نے منشی سے پوچھا کہ ہیرے کا رنگ کیسا تھا تو وہ بولا لال اور یہ کہتا ہے کہ ہرا۔ جب دونوں الگ الگ رنگ بتا رہے ہیں اس سے ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ یہ مجھے لوٹنا چاہتے ہیں۔

ساجد: ۔ ایسے ٹھگوں کو تو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ ٹھہرے۔ پولیس پولیس۔

منشی: ۔ ارے باپ رے۔

بیوپاری: ۔ پولیس۔ بھاگو۔

[گدھے کے ساتھ دونوں بھاگ جاتے ہیں]

لالہ جی: ۔ تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹے۔ تم نے اپنی چالاکی سے مجھے لٹنے سے بچا لیا۔ ●●

بچوں کے لیے
نئی اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۶/-
ابو علی کا جوتا	۵/-
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/-
بچوں کے ڈاکٹر صاحب	۶/۰۰
سہانے افسانے	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/۰۰
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/۰۰
گوہر شہزادی	۳/-
شریر شیرا	۳/۰۰
پری رانی	۳/۰۰
خطرناک سفر	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۴/۵
دہلی کی چند تاریخی عمارتیں	۴/۰۰
ننھا جمہرو	۲/۵۰
مرغی کی چار ٹانگیں	۳/۰۰
پلک نہ مارو	۴/۰۰
ایک کھلا راز	۳/۰۰
بابا ناچ	۲/۰۰
بچوں کے افسر	۵/۰۰
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۴/۰۰
پہاڑ کی چوٹی پر	۵/۰۰
رنگوں کی بستی	۳/۵۰
سرخ جوتے	۳/۰۰
سلامہ و صمصامہ	۴/۵۰
شرارت	۲/۰۰
صحت کے ۹۹ نکتے	۱/۵۰
صحت کی الف بے	۳/۰۰
جدید پہیلیاں	۶/۰۰
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ننھا فرشتہ	۴/۵۰
نیلا ہیرا	۴/۵۰
ماں کی کھیتی	۲/۵۰
ظالم ڈاکو	۴/-
سرکار کا دربار	۴/۵۰
دنیا کے جانور	۲/۵
آؤ ڈراما کریں	۳/۰۰
اس نے کیا کر نہ جانا	۱/۲۰
خرگوش کی چال	۲/۵
بھوتوں کا جہاز	۶/۰۰
جوہر قابل	۳/۰۰
مہکتی کلیاں	۹/-
پرندوں سے جانوروں تک	۲/۵۰
محمد شفیع الدین نیر	۴/۵۰
ٹوٹے کھلونے	۹/-
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
مسلمان بیبیاں	۴/-
پیارے رسول	۴/۵۰
سیاح اور سیاح	۲/-
چار یار	۴/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	۳/۰۰
ہار کی تلاش	۶/۰۰
بچوں کی کہانیاں	۱/۵۰
بندر اور نائی	۲/۵۰
بی مینڈکی اور کوا	۱/۵۰
تاک دنا دن تلک سے	۱/۵۰
پانچ بونے	۱/۵۰
ایک دیس ایک خون	۳/۰۰
جیت کس کی؟	۲/۵۰
انعامی مقابلہ	۳/۲۵
جادو کا گھر	۱/۵۰
چیونٹی رانی	۱/۵۰
روٹی کس نے پکائی	۱/۵۰
ننھا سراغ رساں	۵/-
لومڑی کا گھر	۱/۵۰
مدورانا پردیس چلے	۱/۵۰
ہوچھو	۱/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۱/۵۰
شیر خان	۱/۵۰
لومڑی کے بچے	۱/۵۰

▲ مظہر: کوئلے کی کان سے کیا نکلتا ہے؟

نو: (حیرت سے) کوئلہ، اور کیا؟

مظہر: اور لوہے کی کان سے؟

نوشاد: لوہا، بیوقوف۔ تمھیں اتنی بھی عقل نہیں کہ جس چیز کی کان ہوگی وہی نکلے گی۔

مظہر: (غصہ میں) تب انسانوں کے کان سے انسان کیوں نہیں نکلتے؟

▲ خورشید: بتاؤ کیسا پرچہ رہا؟

اسلم: خالی کاپی دے آیا ہوں، اچھا تم سناؤ تمھارا کیسا رہا؟

خورشید: میں بھی خالی کاپی دے آیا ہوں۔

اسلم: ارے پھر تو غضب ہو گیا۔

خورشید: کیا ہوا؟

اسلم: وہ سمجھیں گے کہ ہم دونوں نے نقل کی ہے۔

محمد ذکی انور۔ گولا پور۔ رفیع گنج اورنگ آباد بہار

استاد۔ (شاگرد سے) تم آج بھی گھر کا کام کرکے نہیں لائے۔ پہلے مار کھانے کو تیار ہو جاؤ۔

شاگرد: جناب میں تو پہلے ہی ہاتھ دھو کر آیا تھا۔

استاد: کیوں؟

شاگرد: جناب میری ماں نے کہا تھا کہ ہر چیز کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لیا کرو۔

(انیس احمد جلیل احمد مالیگاؤں)

▲ ایک بوڑھا آدمی جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ سائکل پر سوار تھے۔ راستے میں اچانک ایک بڑھیا سے ٹکرا گئے۔ بڑھیا جھنجھلا کر بولی۔ اتنی لمبی داڑھی رکھ لی اور سائکل روک نہیں سکتے۔

بوڑھے نے جواب دیا۔ غور سے دیکھیے یہ داڑھی ہے کوئی بریک نہیں۔

▲ استاد شاگرد سے بتاؤ بادشاہ بابر نے پہلی لڑائی کس سے لڑی۔

شاگرد: تلوار سے۔

(ذکی نقشبندی خانقاہ شریف۔ لاپور (بہار))

▲ دو شخص جنت کے دروازے پر پہنچے۔ دربان نے انھیں روک کر ایک سے پوچھا تمھاری شادی ہوئی تھی۔ اس شخص نے روتی آواز میں سر جھکا کر کہا "ہاں" دربان نے اسے اندر جانے دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے شخص نے کہا میری تو دو دو شادیاں ہوئی ہیں۔ دربان نے اسے ڈانٹ کر کہا "بھاگ جاؤ" یہاں پاگلوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(محمد جمیل برہان پوری [illegible])

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۴/-	سرکار دو عالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۲/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵۰	سرکار کا دربار	۴/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۷/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیر البحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۲/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲/:	رسول پاک کے اخلاق	۳/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲/:	تحسین القرآن	۴/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	۴/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۳/:	عقائدِ اسلام	۳/-
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۲/:
" " دوم	۶/:	خلفائے اربعہ	۷/-
پیارے رسولؐ	۲/۵۰	نبیوں کے قصے	۵/:
ہمارے رسولؐ	۵/-	مسلمان بیبیاں	۴/:

پیامی برادری کے ممبران

حسین شاہد، نسیم شاہد، محمد شعیب (سکریٹری) سلیمان اختر، زبیر مصطفٰے، شہباز عالم، ثمرہ اسلم، عمرانہ آصف، ندا اسلم، حنا بلال، سحر آصف، سمیرہ جہاں، غیاث الاسلام اور محمد احمد۔

نئی دلی ۱۳ جولائی پیامی برادری کا افتتاح جناب غلام حیدر صاحب کے دست مبارک سے ۳۰ مئی [illegible]ء کو ہوا تھا۔ آج اس جولائی [illegible]ء کو پیامی برادری کا دوسرا جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز پیامی برادری کے ممبر برادر سید محمد مصطفٰے کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ تلاوتِ قرآن کے بعد بہن حسین شاہد نے تقریر کی۔ انھوں نے فرمایا کہ "پیام تعلیم" ہمارا اپنا رسالہ ہے۔ اس کی ترقی کے لیے ہمیں اچھے سے اچھا مواد فراہم کرنا چاہیے۔ پیام تعلیم ایک گلدستہ ہے اس میں رنگ برنگے پھول لگانا ہمارا کام ہے۔ ہمیں خود لکھنا چاہیے۔ اور اپنے دوستوں کو اس کا خریدار بنانا چاہیے۔ جیسے جیسے خریداروں کی تعداد بڑھے گی پیام تعلیم مزید خوبصورت ہوتا جائے گا۔ بہن حسین شاہد نے پیامی برادری کے بانی اور پیام تعلیم کے مدیر جناب شاہد علی خان صاحب کی بہت تعریف کی کہ "ہم جو چیز شائع کرانے بھیجتے ہیں ہمارے شاہد صاحب فوراً شائع فرما دیتے ہیں۔"

تقریر کے بعد بہن حنا بلال نے "ہمارے اسکول میں کوا" پڑھ کر سنایا۔ اور بتایا کہ آج کل کے کوے بھی سائنس داں ہونے لگے ہیں۔

حنا بلال کے بعد جادو کی گھڑیاں بہن حسین شاہد نے پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں مہمان خصوصی جناب محمد شاہد خاں صاحب نے تقریر کی اور اپنی تقریر میں پیامی برادری کے ممبران کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ میں انجینئرنگ کے طالب علم ہیں آخر میں جناب شاہد حسین خاں صاحب کے دست مبارک سے بہن حسین شاہد، بہن حنا بلال اور برادر نور الاسلام کو انعامات دیے گئے۔ پروگرام کے بعد پیامی برادری کی ترقی کے لیے سبھی ممبران نے مشورہ دیے اور نئے نئے پلان بنائے۔ (نامہ نگار)

محمد توحید دلکش

آپ بیتی

سیلاب

میرا اصل نام رحمت اللہ ہے کیونکہ مجھے خدا نے دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میں سمندر کا بیٹا اور بحر اعظم کا پوتا ہوں۔ ندی نالے میرے اپنے خاص بیٹے ہیں۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں بحسن خوبی انجام دیتا ہوں۔

میرے ہی دم سے کھیت لہلہاتے ہوئے سرسبز دکھائی دیتے ہیں۔ ہر چیز کی نشو ونما میں میرا حق سب سے زیادہ ہے۔ خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، پیڑ ہوں یا پودے سب مجھ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جب کوئی میری فضول خرچی کرنے لگتا ہے تو خدا کی طرف سے مجھے حکم ہوتا ہے کہ "جاؤ ان سبھوں کو غرق کردو" خبر سنتے ہی میں جوش میں آجاتا ہوں اور ان علاقوں کو غرق کر دیتا ہوں۔ جہاں کے لوگ میرا غلط استعمال کرتے ہیں۔

زندگی ہنستی کھیلتی جھومتی رہتی ہے یا اچانک ٹھٹک کر اپنی جگہ ساکت کھڑی ہو جاتی ہے۔ سورج کی کرنیں تیکھی پڑ جاتی ہیں اور ابر کے ٹکڑوں سے آنکھ مچولی کھیلنے لگتی ہیں۔ ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کا کہیں پر ٹھہرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور میں بوندوں کی شکل میں جھم جھم گرنے لگتا ہوں اور موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لیتا ہوں اور پھر موسلا دھار بارش سے ایک بھیانک سیلاب کی شکل میں رونما ہوتا ہوں اور تیزی سے ناگ کی طرح بل کھاتا ہوا سارے علاقے کو اپنے نفس کا شکار بنا لیتا ہوں۔ لوگوں کا ایک جگہ سے دوسرے جگہ آنا جانا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت مجھے نہ کسی کی ہنسی سے سروکار ہوتا ہے۔ اور نہ کسی کے رونے کی پرواہ چند گھنٹوں میں سارے علاقے کو جزیرہ کی شکل میں تبدیل کر لیتا ہوں۔ ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہو جاتا ہے۔ ایک ہاہاکار اور

(مشتہ صالح لین کلکتہ)

جان لیوا ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے زندگی کا سارا منظر سسکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ میں اپنی ایک مثال آپ کو دیتا ہوں وہ ہے،،، "شمالی بہار کا سیلاب" میری خوبیوں کو آپ نے اخباروں، رسالوں، ریڈیو اور ٹی وی پروگراموں میں دیکھا اور سنا ہوگا۔ مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔ لوگ مجھے قیامت صغریٰ سے مشابہت دے رہے تھے۔" اللہ اللہ ایسا غضبناک اور بھیانک سیلاب میری سات پشتوں نے بھی نہیں دیکھا تھا اور نہ سنا تھا کیونکہ سارے علاقے سمندر کے مانند دکھائی دے رہے تھے۔ کسی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔"

کتنے بدنصیب پناہ کی تلاش کرتے کرتے موت کے منہ میں چلے گئے۔ میں چھوٹے چھوٹے مکانوں اور جھونپڑیوں کو غرق کرتا ہوا پکے مکانوں کی چھتوں پر سیر کرنے لگا۔

کتنے بدنصیب تو زندگی کو خیرباد کر چکے، کتنے والدین نے اپنے جگر پاروں کو روتا بلکتا دیکھا۔ کوئی اپنی ماں کے ساتھ، کوئی ماں اپنے بچوں کے ساتھ، کوئی اپنے بیل کے دم کا سہارا لیے، موذی کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو اور دوسرے جانوروں کو میں پہلے ہی ہڑپ کر چکا تھا، ہر ایک کی زبان پر بس ایک جملہ تھا" بادلو بس کرو، زمین رو رو کر کہہ رہی ہے۔ یہ تم نے کیا ستم ڈھایا — ! بستیاں اجڑ گئیں آبادیاں ویران ہو گئیں۔ تیری ہی وجہ سے کتنی ماؤں کی گود سونی ہو گئی۔ کتنی لڑکیوں کی شادی مصیبت کا پہاڑ بن گئی، کتنے باپ اپنے ارمانوں کی نذر ہو گئے، کتنے ہنستے کھیلتے، کودتے اچھلتے بچے تجھ پر نچھاور ہو گئے۔"

اُس وقت تو میں ریلیف والوں کو بھی ہڑپ کر گیا تھا لیکن جب جوش ٹھنڈا پڑا اور دوسرے ریلیف والے آئے۔ اس وقت تک سب چیزیں برباد ہو چکی تھیں۔ پھر بھی ریلیف والوں نے بچے ہوئے لوگوں کو فوری امداد پہنچائی کچھ جان میں جان آئی۔

ذرا آپ لوگوں کو میرے طرف سے یہ پیغام پہنچا دیں کہ میں پانی ہوں لوگوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں سبھوں کے لیے رحمت بننا چاہتا ہوں اس لیے مجھے بے دردی سے نہ بہائیں۔ لوگوں کو تباہ کرنا مجھے بالکل پسند نہیں، میں تو سب کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہوں مجھے فضول خرچ مت کریں ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی میرے بارے میں حشر کے میدان میں بھی حساب لیا جائے گا۔ اچھا اب چلیں۔ خدا حافظ

پیامیوں کے لیے خوشخبری

اب ہر ماہ — "بچوں کی کوششیں" کے صفحات میں مضمون نگار کا فوٹو بھی شائع ہوتا ہے۔ اپنے مضمون کے ساتھ اپنا پاسپورٹ سائز فوٹو بھی بھیجیے۔

میں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ پڑھنے میں زیادہ تیز نہیں تھا۔ میری ہی کلاس میں ماجد پڑھتا تھا۔ وہ بڑا ذہین تھا۔ وہ زیادہ پڑھتا بھی نہ تھا۔ مگر ہر چیز بہت جلد یاد کر لیا کرتا تھا۔ وہ اچھا دوست بھی تھا۔ میں سوچتا اللہ میاں میں تو اتنی محنت کرتا ہوں تب بھی اچھے نمبروں سے پاس نہیں ہوتا۔ ماجد کہتا ہے کہ بھائی ہم تو صرف امتحان کی رات کو پڑھ کر ہی اچھے پیپر دے آتے ہیں ایسے دیوانوں کی طرح پندرہ بیس دن پہلے کیا پڑھیں۔ نہیں بھائی ہم نے گھاس نہیں چری۔ غرض ہر طریقے سے وہ مجھے جلاتا۔ میرے دل پہ ماجد کی باتوں سے بھی چوٹ لگتی۔ میں ہر نماز میں خدا سے دعائیں مانگتا کہ اللہ میاں اب کی بار تو مجھے میری محنت کا پھل دے ہی دے۔

امتحان کا ایک ہی دن رہ گیا تھا۔ اب ماجد بھی پڑھنے بیٹھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے اچھے پیپر ہوں گے۔ لیکن اللہ میاں نے میری دعا سن لی۔ مجھے سب مضمون یاد ہو گئے۔ جغرافیہ جیسا سخت مضمون بھی آسانی سے یاد ہو چکا تھا۔ انگلش کا پیپر تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے نگاہ ڈالی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ کیوں کہ جو بھی یاد کیا تھا۔ وہ میرے سامنے تھا۔ جب میں پیپر دے کر آیا تو ماجد مجھے مل گیا۔

ماجد! پیپر کیسا ہوا۔ بہت اچھا۔ اس نے کہا۔ تمہارا بھی اچھا ہوا ہوگا بہت دنوں

سے محنت کر رہے ہو اس نے طنز کیا۔ میں نے کہا بہت ہی اچھا ہوا۔ ماجد نے چونک کر مجھ کو دیکھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی اپنے پیپر کو اچھا نہیں کہا تھا۔ اچھا ہوتا ہی نہ تھا۔ آخر امتحان ختم ہو گیا۔ آج رزلٹ نکلنے والا تھا۔ ہمارے کلاس ٹیچر رزلٹ سنانے آئے۔ محمد ہارون فرسٹ آئے۔ میں ایک دم چونک پڑا یہ تو میرا ہی نام تھا۔ ٹیچر نے کہا۔ یہ لڑکا کلاس میں سب سے زیادہ اچھے نمبروں سے پاس ہوا ہے اور ماجد کا دوسرا نمبر۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن اچانک ڈر لگنے لگا۔ ماجد میرے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرے گا۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے آکر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا میں نے دیکھا وہ ماجد تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ مجھے معاف کر دو۔ دیکھو مجھے اپنی ذہانت پر کتنا غرور تھا۔ اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ خدا نے میرے غرور کو توڑ دیا۔

محمد ظہیر

خدا نے دو فرشتوں کو حکم دیا "تم دنیا میں جاکر میری پسند کا تحفہ لاؤ۔ فرشتے بہت خوش ہوئے۔ تحفہ کا انتخاب کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ تحفہ کا انتخاب کرلیں گے اور پوری دنیا کی سیر بھی۔ وہ چل دیے اور آزادی سے گھومتے پھرے۔ بڑی تلاش کے بعد آخر دونوں فرشتوں نے اپنا اپنا تحفہ منتخب کرلیا اور خوشی خوشی اللہ تعالےٰ کے حضور واپس آئے۔ اللہ تعالےٰ نے پوچھا تم آگئے کہو کیا لائے ہو؟ دونوں فرشتے ایک ایک قدم آگے بڑھے اور ادب سے بولے۔ ہاں اے دونوں جہاں کے مالک! ہم تیرا حکم بجا لائے۔"

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتے سے سوال کیا "تم کون سا تحفہ لائے ہو؟ فرشتے نے بیان کیا میں پھرتا پھراتا ہوا ایک مسجد میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نمازی نورانی صورت، ماتھے پر چاند سا نشان تیری عبادت کر رہا ہے اور نماز میں ایسا مشغول ہے کہ اسے دنیا کی خبر نہیں۔ تیری اطاعت میں محو تھا وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ میں اس شخص کی نماز تیرے لیے تحفہ لایا ہوں۔

لیکن تم کو معلوم ہے نماز کیا ہے؟ وہ نماز جو حضورِ قلب سے ادا کی جائے۔ وہ شخص نماز میں اپنے بھائی کو قتل کرنے کی تدبیر سوچ رہا تھا تاکہ اس کے خون سے ہاتھ رنگے اور اس کی تمام جائداد کا اکیلا مالک بن جائے۔ اسے میرے

نیک فرشتے اب تو ہی بتا کیا ایسی نماز میری بارگاہ میں قبول ہو سکتی ہے؟
نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ یا غفور الرحیم! فرشتے نے ڈرتے ہوئے جواب دیا" میں بڑے دھوکے میں تھا۔ میرا انتخاب غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے فرشتے سے پوچھا۔ تم کیا تحفہ انتخاب کر کے لائے ہو۔ دوسرے فرشتے نے ایک خالی تھیلی اللہ تعالےٰ کے سامنے رکھ دی۔ اس میں صرف پانی کی چند بوندیں تھیں اس نے کہا اے میرے رب! تو سب کچھ جانتا ہے تیرے حضور ایک نا چیز تحفہ لایا ہوں۔ ایک نوجوان نے باپ کے ورثہ میں بہت بڑی جائیداد پائی۔ جوانی کی امنگ، دولت کی ترنگ میں سب کچھ بھول گیا۔ اس کی ساری دولت لٹ گئی۔ روٹی کو محتاج ہو گیا۔ جب میں اس کے گھر کے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے زار زار رو رہا تھا اور تیری رحمت کا آسرا لگائے بیٹھا تھا اس کی ندامت کے آنسوؤں کی بوندیں اس تھیلی میں لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے ان آنسوؤں کی بوندوں کو پسند کیا۔

ریحانہ بانو محمد ہارون۔ مقام مانا ضلع آکولہ مہاراشٹر

گڑیا کی رخصتی

جا رہی بہنیاں پی کی نگریا — بابل کے گھر سے اپنے بدا ہو
چاند سی چمکے ساری عمریا — آنکھ کا آنسو تجھ کو دعا ہو
ہنس کر یہ سب کچھ باتیں سہے گی — جس حال میں ہو خوش ہی رہے گی
سارے ہی گھر کی سیوا کرے گی — دن رات دم اک پی کا بھرے گی
ٹکڑے کو دل کے جس نے لیا ہے — احسان اس نے ہم پر کیا ہے
جا رہی، بہنیاں پی کی نگریا — خوشیوں میں کھیلے ساری عمریا

بچوں کی کوششیں

اور ضمیر جاگ اُٹھا

زیبا بہت شریر لڑکی تھی۔ اس کی ساری سہیلیاں اس سے پریشان رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ اسکول کے ٹیچر بھی پریشان رہتے تھے۔ لیکن زیبا پڑھنے میں بہت ہوشیار تھی اس لیے اکثر لوگ اس کی شرارتوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔

ایک دن فزکس کا پیریڈ تھا۔ ٹیچر بتا رہے تھے کہ زمین سورج کے چاروں طرف چکّر لگاتی ہے۔ تو زیبا ایک دم بول اٹھی کہ "سر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ سورج زمین کے چاروں طرف چکّر لگانے لگے"؟ بیچارے ٹیچر کیا جواب دیں۔ انھوں نے تو کہہ دیا کہ یہ قدرتی نظام ہے، اب اگر تم یہ پوچھو کہ پہلے مرغی آئی یا پہلے انڈا آیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ لیکن زیبا کو تو شرارت سوجھی تھی۔ اس نے سوچا کہ سورج کو زمین کے چاروں طرف چکّر لگانا چاہیے۔ اب ہم زمین سے چکّر نہیں لگوائیں گے۔ بیچاری تھک گئی ہوگی۔

اسکول کی چھٹی ہو گئی اور زیبا اپنی سہیلیوں کے ساتھ اتنی تیزی سے باہر بھاگی جیسے جیل خانے کا دروازہ کھول دیا ہو۔ اب وہ اپنے گھر جا رہی تھی۔ اس کے ذہن سے سورج کے گھومنے والی بات نکل گئی تھی۔ ایک نئی شرارت جنم لے چکی تھی۔ راستے میں جتنے بھی گھر پڑ رہے تھے، ہر ایک کی گھنٹی بجاتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔ اس کی سہیلیوں نے منع بھی کیا لیکن وہ نہیں مانی۔ اب اس نے ایک گھر کی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ اسے بجانے ہی والی تھی کہ وہ بے ہوش ہو کر دور جا گری۔ زیبا کی تمام سہیلیاں بھاگ کر اس کے پاس آئیں اور رکشے کے ذریعہ اس کے گھر لے گئیں اس کی امی یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائیں اور فوراً ڈاکٹر کو بلوایا۔ ڈاکٹر صاحب آئے اور دوا دے کر چلے گئے۔ زیبا کو ہوش آیا۔ سہیلیاں پاس ہی بیٹھی تھیں۔ زیبا کی ایک سہیلی نے زیبا سے کہا کہ اب تو ایسا نہیں کروگی اور کسی کی گھنٹی نہیں بجاؤگی، زیبا یہ سن کر شرما گئی اور اپنی سہیلیوں سے وعدہ کیا کہ وہ کبھی بھی کسی کی گھنٹی نہیں بجائے گی۔ دراصل زیبا کو بہت زبردست کرنٹ لگ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

پیارو! شرارت اسے کہتے ہیں جس سے لوگ خوش ہوں یا تعجب کریں۔ جس شرارت سے دوسروں کا یا اپنا نقصان ہو وہ شرارت نہیں۔

ایم شعیب ۔ ۴۳ [illegible] ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

اکتوبر —— تاریخ کے آئینے میں

• یکم اکتوبر ۱۸۵۴ء کو ہندستان میں پہلا ڈاک ٹکٹ جاری ہوا۔
• ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو گاندھی جی پیدا ہوئے۔
• ۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو سابق وزیر دفاع کرشنا مینن کا انتقال ہوا۔
• ۱۲ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو کولمبس جنوبی امریکہ گیونا ہانی پہنچا۔
• ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو سابق امریکی صدر آئزن ہاور پیدا ہوئے۔
• ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو سر سید احمد خاں پیدا ہوئے۔
• ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو شہرۂ آفاق سائنس داں ایڈیسن کی موت واقع ہوئی۔
• ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو انگریزوں نے بکسر کے مقام پر میر قاسم شجاع الدولہ اور شاہ عالم کو شکست دی۔
• ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو ڈاکٹر ہومی بھابھا کی پیدائش ہوئی۔
• ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۵ء کو سردار ولبھ بھائی پٹیل پیدا ہوئے۔

شبیر احمد حبیب اللہ انصاری
نظام پورہ بھونڈی (مہاراشٹر)

اقوال زرّیں

• بھلائی یا برائی جو چاہے کر، بدلہ ضرور ملے گا۔ (قرآن کریم)
• ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا بدنصیب ہے (حضورؐ)
• جو شخص جس قوم کی شکل و صورت بناتا ہے وہ قیامت کے دن اسی قوم میں شمار ہوگا۔ (سرور کائناتؐ)
• "نماز" میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (محمد عربیؐ)

فیاض ابراہیم بیرکار، رتناگیری (مہاراشٹر)

حضرت محمدؐ کے زمانے میں لڑی گئی جنگیں

جنگیں	شریک صحابیوں کی تعداد
جنگ بدر	۳۱۳
جنگ احد	۷۰۰
جنگ خندق	۳۰۰۰
جنگ خیبر	۱۶۰۰
جنگ موتہ	۳۰۰
جنگ بحران (فتح مکہ)	۱۰۰۰
جنگ حنین	۱۲۰۰۰
جنگ تبوک	۳۰۰۰۰

عبدالغفار، ہنگاپور (لکشیشور)

چوری کا انجام برا ہے

اک دن میں نے کیلا چرا کر — کھایا کمرے میں بے جا کر
اتنے میں موقع پہ جا کر — پکڑا میری بہن نے آکر
جھٹ پٹ میں نے چھپایا چھلکا — چھپ نہ سکا وہ سامنے آیا
میں نے کتنی بات بنائی — چل نہ سکی پر میری دہائی
اگلے دن پھر قلم چرا کر — "نور" میں بھیجی موقع پا کر
نور میں جس دن چھپ کر آئی — کیا ہی مسرت میں نے پائی
کہنے لگے پھر بہن اور بھائی — قلم کے چور تمہیں بدھائی
ساری خوشیاں خاک ہوئیں تب — ایسا ہم کو خطاب ملا جب
اس دن میں نے دل میں سوچا — چور قلم کے تم نے کیا کیا
تب سے میں نے گرہ میں باندھا — آج تو کر لو سچا وعدہ
چوری کرنا کام برا ہے — چوری کا انجام برا ہے

وسیم اقبال، محلہ قاضی سرائے
(نگینہ)

سالِ نو

آؤ کھیلیں خوشی منائیں
ناچیں گائیں دھوم مچائیں
سالِ نو ہو سب کو مبارک
چھٹی ہے پکنک پر جائیں

چڑیا گھر میں ہم سب جاکر
رنگ برنگی چڑیاں پائیں
ہاتھ سے کرکے ہلکا اشارہ
اپنی جانب ان کو بلائیں

چیتا، ہاتھی، گینڈا چیتل
طرح طرح سے دل کو لبھائیں
تھک جائیں جب چلتے چلتے
پھر سب مل کر کھانا کھائیں

خوشیوں میں دن یوں ہی بتائیں
شام کو جنگل سے گھر آئیں
سالِ نو ہو امن کا ضامن
سب کے لب پر یہ ہی دعائیں

آؤ بچو، خوشی منائیں
ناچیں گائیں دھوم مچائیں

قطب کامران ۔ برہم پور
(گنجام) (اڑیسہ)

مختلف ممالک کے یوم آزادی

ناروے ________ ۱۷ر مئی
سیام ________ ۲۴ر جون
امریکہ ________ ۴ر جولائی
روس ________ ۷ر نومبر
فرانس ________ ۱۴ر جولائی
چین ________ ۱۰ر اکتوبر
ترکی ________ یکم نومبر
بلجیم ________ ۴ر اکتوبر
اسپین ________ ۱۴ر اپریل
بھارت ________ ۱۵ر اگست
پاکستان ________ ۱۴ر اگست
افغانستان ________ ۲۷ر مئی
آسٹریلیا ________ ۲۶ر جنوری
برما ________ ۴ر جنوری
لنکا ________ ۴ر فروری
جاپان ________ ۲۷ر اپریل

شبنم اوگانوی ۔ اوگانواں

چور کی چھڑی

ایک آدمی کے پاس کئی نوکر تھے۔ ایک دن کسی نوکر نے اس آدمی کی سونے کی انگوٹھی چرالی۔

وہ آدمی بہت عقلمند تھا اس نے اپنے سب نوکروں کو بلایا اور انھیں ایک ایک چھڑی دے کر کہا دیکھو! یہ سب چھڑیاں برابر کی ہیں، یہ جادو کی چھڑیاں ہیں۔ جس آدمی نے میری انگوٹھی چرائی ہے اس کی چھڑی کل تک بڑھ جائے گی۔ کل میں تم لوگوں کی چھڑیاں دیکھوں گا۔ جس نوکر نے انگوٹھی چرائی تھی اس نے سوچا کہ

میری چھڑی کل بڑھ جائے گی اس لیے میں اسے کاٹ دوں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی چھڑی کچھ کاٹ ڈالی۔ دوسرے دن اس آدمی نے سب نوکروں کو بلایا اور ان کی چھڑیاں دیکھیں جس نوکر کی چھڑی کٹی تھی اس نوکر سے کہا تم نے میری انگوٹھی چرائی ہے۔ اس طرح چور کو پکڑ لیا۔

اسرار اکبر عزیز۔ حیدر آباد

راجا کا غصہ

ایک راجا تھا اس کے دو بیٹے تھے اور دونوں ذہین تھے۔ ایک دن راجا نے اپنے بیٹوں سے کہا فرض کرو میں نے ایک شخص پر بھروسا کیا کہ وہ میری عزت اور زندگی کی حفاظت کرے گا۔ لیکن وہ بے وفا نکلا۔ ایسے شخص کو کیا سزا دینا چاہیے؟

ایک بیٹے نے کہا ایسے شخص کو موت کی سزا ملنی چاہیے۔ دوسرے بیٹے نے ہوشمندی سے کہا کہ ایسے شخص کو سزا دینے سے پہلے اس کا جرم ثابت کرنا چاہیے۔

اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے شہزادہ نے راجا کو یہ کہانی سنائی۔

وو ربھ کے راجا کے کئی پالتو جانور تھے۔ جس میں پتنگ نام کا ایک توتا بھی تھا۔ یہ توتا بہت دانش مند تھا اور کئی زبانیں بول سکتا تھا اس لیے راجا اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ اس لیے وزیر اعظم ہمیشہ اس سے نفرت کرتا تھا۔

ایک دن توتا راجا سے اجازت لے کر جنگل میں اپنے والدین سے ملنے گیا۔ جب وہ واپس آنے لگا تو اس کے باپ نے پیار سے ایک خوبصورت سنہری پھل لاکر دیا۔ باپ نے بیٹے سے کہا یہ پھل بادشاہ کو تحفے کے طور پر دے دینا۔ جو شخص یہ پھل کھائے گا وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ یہ ابدی زندگی کا پھل ہے۔

توتا محل کی طرف چلنے لگا راستے میں رات ہو گئی۔ توتے نے ایک درخت پر رات گزار لی۔ ایک درخت کے سوراخ میں وہ پھل رکھ دیا اور قریب بیٹھ گیا۔ اس سوراخ میں ایک زہریلا سانپ رہتا تھا۔ سانپ نے اس پھل کو کھانے کے لیے منہ مارا لیکن اس کا ذائقہ پسند نہ آنے پر اسے چھوڑ دیا۔ لیکن سانپ کے کاٹنے سے پھل زہریلا ہو چکا تھا۔

صبح توتے نے پھل اٹھایا اور محل کی طرف اڑا۔ محل میں پہنچ کر راجا کو وہ پھل پیش کر دیا۔ راجا نے درباریوں کو اس پھل کی خصوصیات بتائیں۔ وہ کھانا ہی چاہتا تھا کہ وزیر اعظم نے روک دیا۔

عالی جاہ! اس پھل کو کھانے سے پیشتر بہتر ہوگا کہ اسے پہلے کسی جانور پر آزمایا جائے۔

راجا کو یہ تجویز پسند آئی۔ پھل کا ایک حصہ کاٹ کر کوّے کو کھلا دیا۔ کوّا اسے کھاتے ہی مر گیا وزیر اعظم کو توتے کے خلاف بولنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا، یہ ابدی زندگی کا نہیں بلکہ موت کا پھل ہے توتا آپ کو زہر دینا چاہتا تھا اس لیے اس نے آپ کو یہ پھل دیا۔

راجا کو بہت غصہ آیا اس نے توتے کو تلوار سے قتل کر دیا۔ پھل کو شہر کے باہر ایک گہرے سوراخ میں دفن کر دیا

گیا۔ لیکن اس کا بیج بڑھنے لگا۔ چند ہی برسوں میں بیج پھل کر درخت بن گیا اور اس پر خوبصورت سنہری پھل آنے لگے۔

بادشاہ نے جب درخت اور اس کے پھل کے بارے میں سُنا تو اسے بہت تعجب ہوا۔ اس نے وہاں پہرہ لگا دیا تاکہ کوئی شخص درخت کے قریب نہ جانے پائے۔

اس شہر میں بہت ہی غریب بوڑھے میاں بیوی رہتے تھے۔ وہ اپنی زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ بوڑھے نے ایک رات اس درخت کا پھل چرایا اور دونوں اسے کھا کر سو گئے۔ صبح اٹھ کر حیران تھے۔ وہ زندہ رہے اور جسم میں طاقت آگئی۔

راجا اس پھل کے اثرات کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ توتے کا دیا ہوا پھل سچ مچ ابدی زندگی کا پھل تھا۔ توتے کو قتل کر کے بہت دکھ ہوا اسی لیے غصہ کو دشمن کہا گیا ہے۔

محمد الیاس ۔ منگرول پیر

بے وقوف کی دوستی اچھی نہیں

ایک آدمی نے بندر پال رکھا تھا اور اس سے بہت کام لیتا تھا۔

ایک دن وہ آدمی جھاڑ کے پاس سو گیا۔ بندر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک مکھی اس آدمی کی ناک پر آ بیٹھی یہ دیکھ کر بندر کو بہت غصہ آیا اس نے ایک پتھر اٹھایا اور مکھی پر دے مارا مکھی تو اڑ گئی مگر اس آدمی کی ناک زخمی ہو گئی اور خون بہنے لگا اس آدمی نے یہ کہہ کر بندر کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ بے وقوف کی دوستی اچھی نہیں۔

اسرار عزیز ۔ حیدرآباد۔

پہیلیاں

(۱) گول مول چھوٹا موٹا۔ ہر دم وہ تو زمین پر لوٹا
خسرو کہے یہ نہیں ہے جھوٹا۔ جو نا بوجھے عقل کا کھوٹا

(۲) ایک تھال موتیوں سے بھرا۔ سب کے سر پر اوندھا پڑا
چاروں اور وہ تھال پھرے۔ موتی اس سے ایک نہ گرے

(۳) ایک کہانی میں کہوں تو سن لے میرے پوت
بنا پروں وہ اڑ گیا ۔ باندھ گلے میں سوت

(۴) بیسوں کا سر کاٹ لیا
نہ مارا نہ خون کیا

(۵) کاٹھ کا ایک گھر بنایا جل میں دیا اتار
سب کو اپنے دل میں بٹھا کے کر دیا اس پار۔

جوابات:۔ لوٹا، آسمان، پتنگ، ناخن، ناؤ۔

شبنم جبیں کریم گنج ۔ گیا۔ (بہار)

محمد نصیر ہزاروی

اچانک کسی نے ہمارے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ہم ہاتھ کا بوجھ محسوس کرتے ہی ایڑی کے بل گھومے۔ "ارے بھئی ارشد کیا حال ہے؟؟"

"دیکھیے صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ہمارا نام ارشد نہیں۔ محمد نصیر ہزاروی ہے۔" ہم نے جھلا کر جواب دیا۔

"ارے واہ بھئی اپنا نام بھی تبدیل کر لیا۔ ارے بھئی مجھے نہیں پہچانے؟؟" وہ حیرت سے بولے۔

"جی کیا آپ کی پیشانی پر آپ کا نام لکھا ہے جو ہم آپ کو پہچان جائیں۔" ہم جلدی سے بولے۔

"ارے میں حفیظ ہوں تمہارا پرانا کلاس فیلو۔" وہ جلدی سے بولے۔

"دیکھیے حفیظ صاحب! ہم کسی حفیظ وفیظ کو نہیں جانتے اور نہ ہی کوئی ہمارا کلاس فیلو حفیظ تھا۔" ہم نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"ارے یار بڑے بے مروت ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"اور آپ تو اتنے مروت والے ہیں کہ راہ چلتے راہگیروں کو روک کر ان سے اپنی رشتہ داری

جتاتے ہیں۔" ہم نے جلے کٹے لہجہ میں کہا۔

"ارے یار ناراض کیوں ہوتے ہو۔" وہ مناتے ہوئے بولے۔

"جی نہیں ہم تو خوشی میں آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔" ہم نے جل کر جواب دیا۔ "ارے سچ!" وہ لپک کر ہماری طرف بڑھا اور ہم اچھل کر الگ کھڑے ہو گئے۔

"ارے یار گلے نہیں ملو گے۔" وہ بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔ "جی نہیں، گلا دباؤں گا۔" ہم غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ "ارے ایک دفعہ گلے مل لینے میں کیا حرج ہے۔" وہ بولا۔

ہم سوچنے لگے واقعی کوئی حرج نہیں۔ اچھا ہے جان چھوٹ جائے گی اور اگلے ہی لمحے ہم گلے مل رہے تھے وہ صاحب گلے ملنے کے بعد چلتے بنے اور ہم خریدی ہوئی سبزی لے کر گھر آ گئے۔ امی جان نے سبزی لینے کے بعد بقایا پیسوں کا مطالبہ کیا تو ہم نے جلدی سے ہاتھ جیب میں ڈالا۔ چھکے چھوٹ گئے بلکہ چوکے بھی (آخر قاسم عمر کے مداح جو تھے) دراصل محترم حفیظ صاحب ہماری جیب کا پوسٹ مارٹم کر چکے تھے اور.... امی جان کے تیور بدل رہے تھے۔

علم

• علم ایک ایسا پودا ہے جسے دل و دماغ کی سرزمین میں لگانے سے عقل کے پھول کھلتے ہیں۔

- علم آدمی کا مددگار ہے۔
- علم بے بہا خزانہ ہے۔
- علم عقل کا چراغ ہے اور معرفت دل کا نور ہے
- علم کی خوبی اِس کے عمل کرنے میں ہے۔
- علم ہی تمام نیکیوں کی اصل اور ایمان کا پھل ہے۔
- علم ہی نیک کاموں کی رہنمائی کرتا ہے۔
- علم انسان کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔
- پیغمبروں کی میراث ہے۔
- علم لازوال دولت ہے۔

صلاح الدین۔ بھساول۔

عورت کا درجہ اسلام کی روشنی میں

- عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ (قرآن حکیم)
- عورت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مرد اُس سے تسکین حاصل کرے۔ (قرآن حکیم)
- ماں کے قدموں تلے جنّت ہے۔ (محمدؐ)
- یہ عورتیں آبگینے ہیں اُنھیں ٹھیس نہ لگاؤ۔ (محمدؐ)
- ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ دنیا میں کوئی نعمت نہیں۔ (فاروق اعظمؓ)

فیاض۔ ابراہیم پرکار

(ضلع رتناگیری، مہاراشٹر)

قرآن کیا ہے

- یہ حضور پاکؐ کی زندگی کا پیغام ہے
- یہ ایک شمع ہدایت ہے
- یہ ایک مجموعہ کلام ہے
- یہ ایک نسخۂ کیمیا ہے۔
- یہ اسلام و مذہب کی بنیاد ہے۔
- یہ قیامت تک کے لیے آخری کتاب ہے۔
- یہ جنت کا راستہ دکھاتا ہے۔
- یہ حیات و موت کی تصویر ہے۔

شبانہ آعظمی ۔ ویشالی، (بہار)

آٹھ آنے ....

دن بھر کی محنت کے بعد بیوہ عورت کے ہاتھ میں سیٹھ رتن لال نے دو روپے کا نوٹ تھما دیا۔ وہ سیٹھ رتن لال سے کہہ رہی تھی ..."بابوجی ..... بابوجی ..... دو روپے بہت کم ہے بابوجی۔ آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں بابوجی۔ ایک روپے اور دے دو حُجور۔ بس! ایک روپیا اور بابوجی"... وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ سیٹھ رتن لال نے گرجدار آواز میں کہا "بکواس بند کر ذلیل عورت تو نے جتنا کام کیا ہے تجھے بھرپور اُجرت مل چکی ہے۔ ہاں! اگر تو دو گھنٹے اور کام کرے تو تجھے اور "آٹھ آنے" مل سکتے ہیں۔ عورت نے آٹھ آنے "ہی کو غنیمت جانا اور کام ؟

کرنے پر راضی ہو گئی۔ دو گھنٹے میں اس نے بابوجی کا مکان صاف، ان کے کپڑے دھو دیے۔ تب کہیں جاکر بابوجی نے اس کے سامنے آٹھ آنے کا ایک سکّہ پھینکا اس نے سکّے کو جلدی سے اٹھایا اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اپنے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ سوچ رہی تھی۔ "آج بچے کو پیٹ بھر دودھ پلاؤں گی، ایک روپیا کا دودھ لاؤں گی آٹھ آنے کی شکر، اور آٹھ آنے کی لکڑیاں لوں گی۔ آٹھ آنے بچیں گے وہ کل کے لیے کافی ہوں گے۔" وہ آج بہت خوش تھی کیوں کہ اسے آٹھ آنے زیادہ مل گئے تھے۔ وہ جلد ہی گھر پہنچ گئی، دیکھا کہ بچہ سو رہا ہے۔ اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ روزانہ اس کا بچہ بھوک سے بلبلاتا ہوا نظر آتا ہے لیکن آج سویا ہوا ہے۔ اس نے جلدی جلدی چولھا سلگا کر دودھ کی ہانڈی اس پہ رکھ دی۔ دودھ گرم ہونے کے بعد وہ اسے لے کر بچّے کے پاس آئی تاکہ اسے دودھ پلا سکے۔ اس نے بچے کو زمین سے اٹھا کر بٹھا دیا۔ مگر اکڑا ہوا بے سہارا جسم دوبارہ زمین پر گر گیا۔ گھبراہٹ کے عالم میں اس نے بچّے کی نبض دیکھی۔ دل کی حرکت سُنیں لیکن سب بے سُود۔ بچے کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی وہ بچّے کے جسم پر جھکی زار وقطار رو رہی تھی۔

"کاش، وہ جلدی آجاتی۔"

آصف ابراہیم پرکار، رتناگیر، مہاراشٹر

بجلی کی بچت
بجلی کی پیداوار میں معاون ہے
ٹیوب لائٹ کا استعمال کریں
یہ کم بجلی صرف کرتی اور زیادہ روشنی دیتی ہے۔
آئی ایس آئی مارک والے بجلی کے سازوسامان کا استعمال کریں۔
ISI
ٹیوب اور بلب کو دھول سے محفوظ رکھیں۔
استعمال کے فوراً بعد ریفریجریٹر کا دروازہ بند کر دیں۔
جب ضرورت نہ ہو بجلی مصنوعات کے تمام سوئچ بند کر دیں۔
جب آپ کمرہ سے باہر جائیں روشنی، پنکھے اور ایئرکنڈیشنر کے سوئچ بند کر دیں۔
جاری کردہ:
محکمۂ بجلی
وزارتِ توانائی، بھارت سرکار
نئی دہلی ۔ 110001
davp 88/204
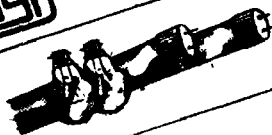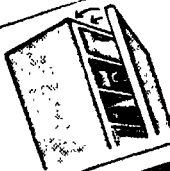
سچی کسوٹی
گاندھی جی نے کہا تھا "جب کبھی
آپ کسی شک کی حالت میں ہوں....
تو کسی ایسے کنگال ترین اور انتہائی
بے بس انسان کے چہرے کی کیفیت
یاد کیجئے، جسے آپ نے دیکھا ہو،
اور پھر خود سے سوال کیجئے کہ جو کام
آپ کرنے کی سوچ رہے ہیں، کیا اس سے
اسے کوئی فائدہ پہنچے گا؟ کیا اس کی
بدولت اس کی اپنی زندگی اور تقدیر
پھر سے اس کے اختیار میں ہو جائے گی؟"
گاندھی جی کے رائے میں فقط
یہی کسوٹی ہمارے منصوبوں اور
پروگراموں کو با مقصد
بنا سکتی ہے۔
یہ محض ایک سوچ نہیں ہے۔ بلکہ
نہ صرف ہمارے وقتوں کے لئے
بلکہ
ہمیشہ کے لئے
davp 87/
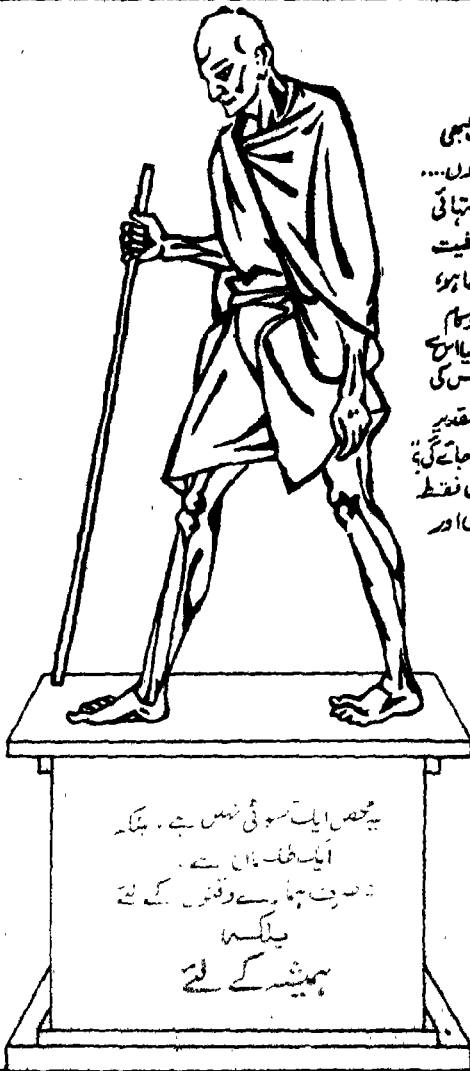
پیامِ تعلیم

پیامی اَدَبی مُعمّا نمبر 44

دفتر پیامِ تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء

150 روپے کے نقد انعامات

فیس داخلہ کچھ نہیں، آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام: ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اُسے ہی نمبر وار لکھیے

(۱) اور جب تیرے ______ نے فرشتوں سے کہا۔ خدا / اللہ / پروردگار۔
(۲) فلسطین سے ملاہوا ______ کا ملک ہے۔ ایران / افغانستان / شام
(۳) ایک سیاسی ______ کی حیثیت سے ان کا احترام کیا جانے لگا۔ مدبر / رہنما / لیڈر
(۴) ہاں وہ ہمارے ______ ہیں۔ دوست / چچا / راجا / بھائی۔
(۵) میں آپ کو صرف ______ کرنے کے لیے نہیں آیا۔ آگاہ / متنبہ / قائل۔
(۶) اچھا تو بتائیے کہ ہم لوگ اس ______ تک آخر پہنچے کس طرح؟ کنویں / جزیرے / تالاب
(۷) مجھے ______ کڑوا لگا۔ پانی / سالن / حلوہ۔
(۸) پھر یہ ______ کی صورت اختیار کر گیا۔ پھول / زخم / پیڑ۔

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور دیجیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات منو ۹۸ اور ۷۰ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی اَدَبی مُعمّا:

(۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معما کا کوپن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابل قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا انعام کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابل قبول ہوگا۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی اَدَبی مُعمّا نمبر ۴۴ ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی

PAYAMI ADBI MUAMMA NO 44
"PAYAM-E-TALEEM MONTHLY
JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

اس پتے کو کاٹ کر پوسٹ کارڈ پر چسپاں کیجیے
بھیجنے والے کا پتہ

بچوں کی کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دلچسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت: ۲/۲۵
گاندھی باباکی کہانی
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
اردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا۔
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دلچسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
کھیل سنسار
سطوت رسول
تین اناڑی
عصمت چغتائی
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الٰہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہوگئی لیکن اب اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
سرکس
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۶ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳ ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

:ence No. U(SE)-21 to post without pre-payment of post

Regd. No. D(SE)-043 October, 1988

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025

Regd. with R.N.I. at No.10537/64

۱۲
پیام تعلیم

دسمبر ۱۹۸۸ء جلد ۲۶ شمارہ ۱۲

بچوں سے باتیں

لیجیے ۱۹۸۸ء کا آخری شمارہ حاضر ہے۔

آئیے پہلے ہم ۱۹۸۸ء کے بارہ شماروں پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا پیام تعلیم جس مقصد سے شائع کیا جا رہا ہے وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ پیام تعلیم پیامیوں میں لکھنے پڑھنے سے دلچسپی پیدا کر سکا یا نہیں؟ ۱۹۸۸ء میں اس نے اپنے پڑھنے والوں کو کتنی اہم معلومات بہم پہنچائیں۔ کتنے ایسے بچّوں میں اردو سے دلچسپی پیدا کی جو پہلے اردو کے رسائل پڑھنے کے بجائے اپنا وقت کھیل کود میں صرف کرنا زیادہ اچھا سمجھتے تھے۔ تو ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ پیام تعلیم اپنے مقصد میں خاصی حد تک کامیاب رہا۔ اس کا ثبوت ہے پیام تعلیم کی اشاعت اور اس کے لکھنے والے پیامیوں کی تعداد میں زبردست اضافہ۔ ابتدا میں پیام تعلیم ۴۶ صفحات کا ہوتا تھا اور "بچوں کی کوششوں" کے لیے صرف ۶ صفحات مقرر تھے۔ اب پیام تعلیم ۸۸ صفحات کا ہوگیا۔ "بچّوں کی کوششوں" کے صفحات ۲۴ ہوگئے لیکن یہ صفحات بھی کم پڑ رہے ہیں۔ اگر آپ کی دلچسپیاں اسی طرح بڑھتی رہیں تو ان شاء اللہ پیام تعلیم کے صفحات میں اور اضافہ ہوگا۔

قیمت فی پرچہ: 3/50 سالانہ: =/30
غیر ممالک سے ۸۵ روپے
بذریعہ ہوائی جہاز: ۲۰۰ روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

پرنٹر پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

عبداللہ ولی بخش قادری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

اب سے ۱۴۱۷ سال پہلے رسول اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ 'مصطفےٰ' لفظ کے معنیٰ ہوتے ہیں مقبول، برائیوں سے پاک اور 'صلی اللہ علیہ وسلم' کا مطلب ہے 'اُن پر خدا کی رحمت اور سلام'۔ اسی لیے رسول پاک کے مبارک نام محمدؐ کے آگے مصطفےٰ لگا کر بولتے اور لکھتے ہیں اور اسی وجہ سے صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھتے ہیں۔ اسی کا خلاصہ صلعم ہے۔ نام کے ساتھ حرف صلعم بولنے یا لکھنے کا مطلب بھی وہی ہوتا ہے۔ نام کے اُوپر خالی چھوٹا سا صاد حرف کا سر (ؐ) بنا دینے سے بھی یہی مراد ہوتی ہے۔ خود لفظ محمدؐ کے معنیٰ ہوتے ہیں 'بہت تعریف کیا گیا'۔ نام سے پہلے 'حضور' یا حضرت کا لفظ بھی تعظیم کے لیے لگا دیا جاتا ہے رسولؐ پاک کی ولادت ۹ ربیع الاوّل یعنی ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی کو پیر کے دن ہوئی۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام بی بی آمنہ تھا۔ رسولؐ اللہ نے ۶۳ برس کی عمر میں پیر ہی کے دن ۶۳۲ عیسوی میں وفات ہوئی۔ اس روز ربیع الاوّل کی ۱۲ تاریخ تھی۔ پیدائش اور وفات دونوں کا ایک ہی مہینہ اور ایک ہی دن ہونے کی وجہ سے ۱۲ ربیع الاوّل کو ہی عید میلاد النبی یعنی 'نبی کریم کی پیدائش کی خوشی' منائی جاتی ہے۔ رسولؐ اللہ نے ترپّن برس کی عمر میں خدا کے حکم سے مکّہ کو چھوڑا

۴۴، اے او کھلا، نئی دہلی ۲۵

اور مدینہ تشریف لے گئے۔ اُسے ہجرت کہتے ہیں۔ تب سے ہی ہجری سنہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ۱۴۰۹ ہجری ہے۔ آپؐ کا روضۂ پاک مدینہ میں ہے۔ وہ بھی مکّہ کی طرح عرب کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اِن دونوں شہروں کو دنیا بھر کے مسلمان بڑی عزّت اور محبّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مکّہ ہی میں خانۂ کعبہ ہے جہاں حج ہوتا ہے۔ یہیں پر چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد صلعم نے اللہ کے آخری رسول کی حیثیت سے دنیا کو پیغامِ حق سُنانا شروع کیا اور آپؐ پر وحی آنے کی ابتدا ہوئی۔ گویا خدا کا پیغام آنے لگا اور اس طور قرآن پاک آپؐ پر اُترنا شروع ہوا۔ قرآن شریف میں خدا کی بتائی ہوئی اچھی اچھی باتیں موجود ہیں اور رسول اللہؐ کی زندگی اُن سب کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ بس ایک خدا کو مانو، وہی عبادت کے لائق ہے اور اسلام کے اصولوں پر چلنے کی تاکید فرمائی۔ آپؐ کی بات اور آپؐ کے کام میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اچھی بات کہتے تھے اور اچھے کام کرتے تھے۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور سب کو سچ بولنے کے لیے فرماتے تھے۔

رسول اللہؐ نے ماں باپ کے ساتھ نرمی برتنے اور ان کی خدمت کرنے کی طرف بے حد توجّہ دلائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تاکہ تمھاری اولاد بھی تمھارے ساتھ نیکی سے پیش آئے۔ حضورؐ پاک نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "وہ آدمی ذلیل ہو جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر اُن کی خدمت کرکے جنّت میں داخل نہ ہوا"۔ یعنی جو اپنے ماں باپ کی اُن کے بڑھاپے میں خدمت کرتا ہے، وہ جنّت پاتا ہے۔

رسول اللہؐ نے یتیم پر رحم کرنے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یتیم اس بچّے کو کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو۔ حضورؐ کا وعدہ ہے کہ "جو آدمی کسی یتیم بچّے یا بچّی کے ساتھ نیکی یا بھلائی سے پیش آتا ہو، تو میں اور وہ دونوں جنّت میں پاس پاس ہوں گے"۔ گویا یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے نہ صرف جنّت ملے گی بلکہ رسول اللہؐ کے پاس ملے گی۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے"۔ اس بات سے تعلیم ملتی ہے کہ یتیم اور بے سہارا بچّوں کو اپنے گھر میں رکھنا اور پیار و محبّت کے ساتھ اُن کی پرورش کرنا نہایت اچھا اور نیک کام ہے۔

رسول اللہ صلعم نے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاو کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ آپ نے کسی اچھی بات بیان فرمائی ہے کہ کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے ہمسایے کے لیے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ ذرا غور کیجیے۔ یہاں صرف ہمسایہ کہا گیا ہے۔ اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ وہ کون ہے، کیا کرتا ہے، کہاں کا رہنے والا ہے، اس کی زبان کیا ہے، مذہب کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم سب اس بات پر سچے دل سے عمل کریں تو ہمارے پڑوس، محلے، شہر یا ملک سے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا سے لڑائی جھگڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، ہر جگہ امن و شانتی کا بول بالا ہو اور سب انسان آپس میں میل ملاپ کے ساتھ رہتے ہوں۔ گویا یہ دنیا ہی جنت کا نمونہ ہو جائے۔
آپؐ نے اس بات کو روزانہ زندگی کے معاملات کی مثالوں سے یوں سمجھایا ہے کہ پڑوسی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پُرسی کرے، اگر وہ اُدھار مانگے تو اس کو قرض دے، اگر وہ ننگا ہے تو اس کو کپڑے پہنائے، اگر کوئی خوشی اُس کو حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دے، اگر اس پر کوئی مصیبت آن پڑے تو اُس کو تسلی دے، اپنے مکان کو اُس کے مکان سے اونچا نہ کرے تاکہ وہ ہوا سے محروم نہ رہے اور اپنے چولھے کے دھوئیں سے اُس کو ایذا نہ پہنچائے۔ مراد یہ ہے کہ پڑوسی کے دکھ سکھ میں شریک ہونا چاہیے اور اپنی ذات سے اُس کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا چاہیے۔
حضورؐ پاک نے چغلیاں کھانے اور دوستوں میں جدائی کرانے والے کو سب سے بُرا شخص بتلایا ہے۔ اُنھوں نے ایسی چھیڑ چھاڑ اور دِل لگی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جو آپس میں دل توڑنے کا سبب بنے اور اس کی تاکید فرمائی ہے کہ دوستوں سے کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کرسکو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صرف پڑوسیوں یا دوستوں ہی کے ساتھ اچھا برتاو کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی ہے بلکہ آپؐ نے تمام انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کو کہا ہے آپؐ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا یعنی کہ جو لوگ، دوسروں پر ترس نہیں کھاتے اور جن کے دلوں میں دوسروں کے لیے رحم نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ پاک نے جانوروں کے حق کی طرف بھی دھیان دلایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس جانور کو بھوک پیاس کی

تکلیف ہوتی ہو، اس کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے یعنی یہ کام ایسے اچھے کاموں میں سے ہے جن کا نیک بدلہ قیامت میں ملے گا۔

رسول اللہ صلعم اپنے گھر آنے والے مہمان کی خود خاطر داری فرماتے تھے۔ کھانا کھلاتے وقت بار بار فرماتے کہ "اور کھائیے، اور کھائیے"۔ حضورؐ نے اپنے مہمان کی عزت اور خدمت کرنے کو کہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مہمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اُسے تنگ دل اور پریشان کر دے۔ آپؐ کی مہمان کو یہ بھی ہدایت ہے کہ جس کے یہاں جائے اور کھائے پیے تو اس کے حق میں دعا کرے کہ اس کو خیر و برکت نصیب ہو۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچے بلکہ بڑے بھی دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں یا کوئی دیوانہ سا غریب شخص جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو اس کو پریشان کرتے ہیں بلکہ کنکر پتھر تک مار دیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ایسی باتوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ آپؐ نے آگاہ کیا ہے کہ اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو، ورنہ اللہ تجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔

رسولؐ اللہ نے نیکی کرنے والے، احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے کو کہا ہے۔ آپؐ کا قول ہے کہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ حضورؐ پاک نے اس معاملے میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو کہ اگر لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کروگے اور اگر لوگ بُرا سلوک کریں تب بھی تم بُرائی کا رویّہ نہ اختیار کروگے بلکہ احسان ہی کروگے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے ہمیں نرم مزاجی کی تعلیم دی ہے اور اکڑ، غرور، اِترانا، شیخی، بڑے بول جیسے طور طریقوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں ابھی آپ نے سنیں، یہ سب حدیث ہیں۔ حدیث کے عام معنی بات یا خبر کے ہیں لیکن اپنے خاص معنوں میں اس لفظ سے رسولؐ اللہ کی بات یا قول سے مُراد ہوتی ہے۔

اب آخر میں ایک اور مشہور حدیث سن لیجیے۔ یہ حدیث ہمیں علم کی اہمیت اور بڑائی کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس حدیث میں رسول پاکؐ نے علم حاصل کرنے کے لیے چین تک

جانے کو کہا ہے۔ چین کا ملک عرب سے بہت دور ہے۔ ایسا فرمانے کا اشارہ یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی دور جانا پڑے اور پریشانی اٹھانی ہو مگر علم کی تلاش میں کوئی کمی یا کسر نہیں رہنا چاہیے۔ جہاں سے اور جس سے علم حاصل ہو، اُسے حاصل کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی تمام باتوں کو اپنی زندگی میں برتنے کی تعلیم اور ترغیب دی ہے جن سے صحیح معنوں میں انسان، انسان بنتا ہے۔ پیارے نبیؐ پر ہزاروں بار درود اور سلام۔

(بشکریہ اردو سروس۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی)
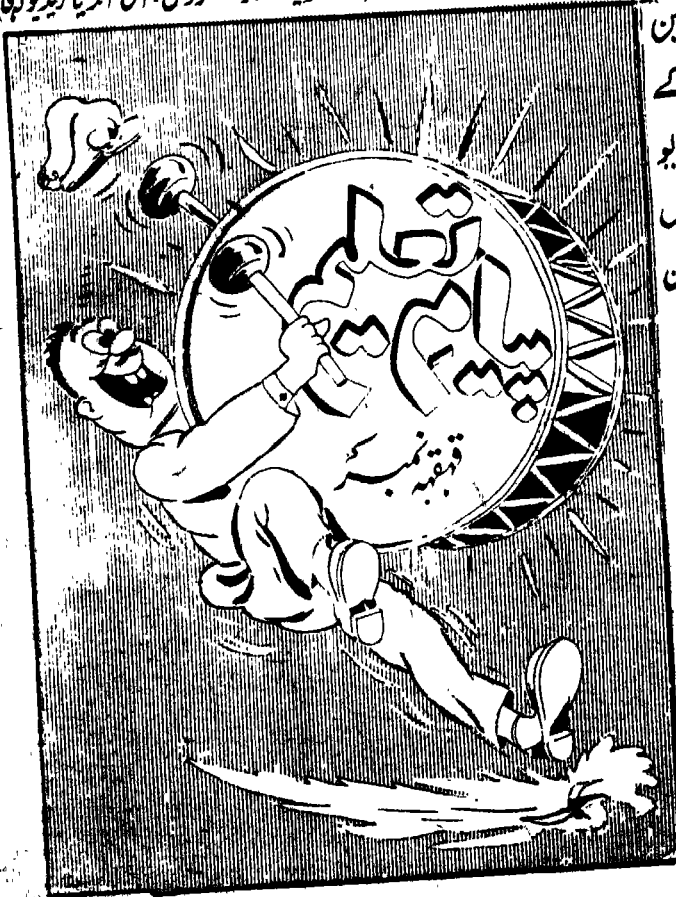
مصنف: ڈاہیا بھائی دیسائی
مترجم: محمد یوسف کھتری

لالچی کسان

(گجراتی سے آزاد ترجمہ)

بیس پچیس گھروں کا ایک چھوٹا سا گانو تھا ـــ وہاں ایک کسان کا گھر تھا۔ کسان کھیتی
باڑی کرتا۔ اور اس کی بیوی اس کا ہاتھ بٹاتی ـ اس کے بعد ترکاریاں فروخت کرنے کے
لیے بازار جاتی ـ اس طرح وہ دونوں اپنی زندگی بسر کرتے تھے ـ ان کے کھیت میں ایک
چیکو کا درخت بھی تھا۔ اس درخت میں پھل آئے تھے اور وہ پک کر تیار ہو گئے تھے ـ
کسان کی بیوی نے وہ پکے ہوئے چیکو توڑے اور ٹوکری میں جمع کیے ـــ انھیں بیچنے کے
لیے وہ بازار روانہ ہوئی ـــ

بازار کا راستا ایک پہاڑی سے ہو کر جاتا تھا ـــ اس پہاڑی پر ایک جادوگر رہتا
تھا۔ لوگ اُسے "ڈھینگو جی" کے نام سے یاد کرتے تھے ـــ کسان کی بیوی جب وہاں سے
گزری تو اس پہاڑی سے ڈھینگو جی نکلے ـ ان کی لمبی داڑھی اور قد بہت چھوٹا ـــ اس
عجیب آدمی کو دیکھ کر کسان کی بیوی ڈر گئی ـ اس کی چیخ نکل گئی ـــ ڈھینگو جی نے اس کی
چیخ سنی۔ دیکھا تو کسان کی بیوی سہمی کانپ رہی ہے اور پسینا پسینا ہو گئی ہے ـــ ڈھینگو جی
نے بڑی نرمی سے کسان کی بیوی کو اپنے قریب بلایا ـــ وہ ڈرتے ڈرتے اس کے قریب
گئی ـــ ڈھینگو جی نے نہایت ہی اخلاق اور نرمی سے کہا! "بہن! تم کیوں گھبرا رہی ہو ـ میں کوئی
نقصان نہیں پہنچاؤں گا ـ ڈرو مت بہن! کہو اتنے اچھے اور تازے پھل کہاں لے جا رہی
ہو؟" ـــ

محب بک ڈپو، پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۱۶- بمبئی

ڈھینگو جی کے اخلاق اور پیار بھرے الفاظ سُن کر کسان کی بیوی کو اطمینان ہوا اور اس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "بھائی میں یہ بازار میں بیچنے لے جارہی ہوں۔"

ڈھینگو جی نے کہا "بہن! یہ تازہ پھل مجھے دے دو ۔۔۔ اور میں اس کے بدلے میں تمھیں ایک بڑا خوبصورت اور تازہ جام پھل دوں گا۔"

کسان کی بیوی ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی ۔۔۔ اسے تو چیکو بیچ کر پیسے لانے تھے ۔۔۔ لیکن ڈھینگو جی کے ڈر کی وجہ سے اس نے یہ شرط مان لی ۔۔۔ اور کہا "ہاں بھائی! مجھے یہ منظور ہے۔"

ڈھینگو جی نے اپنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرا ۔۔۔ ہاتھ پھیرنا تھا کہ اس میں سے ایک موٹا اور خوبصورت جام پھل نمودار ہوا ۔۔۔ اس نے وہ جام پھل کسان کی بیوی کی طرف بڑھادیا اور کہا "بہن! یہ جام پھل لو۔" ۔۔۔ وہ جام پھل دے کر چیکو کا ٹوکرا اٹھا اور غائب ہوگیا۔ کسان کی بیوی دیکھتی ہی رہ گئی ۔۔۔

جام پھل لے کر کسان کی بیوی گھر آئی ۔۔۔ اور وہ اپنے شوہر کو دیا ۔۔۔ شوہر نے کہا "یہ جام پھل ...... ؟ اور چیکو کیا ہوئے؟"

تب بیوی نے اسے تمام ماجرا سنایا کہ کس طرح چیکو گئے اور جام پھل ملا۔ اس نے جام پھل کو صندوق میں رکھ دیا۔

اس واقعے کے بہت دن بعد کسان کو خیال آیا کہ میں نے جام پھل کو صندوق میں رکھ دیا ہے ۔۔۔ اس نے صندوق سے جام پھل نکال کر کاٹا ۔۔۔ کاٹتے ہی اس میں سے ایک چمکدار ہیرا نکلا ۔۔۔ ہیرے کو دیکھ کر کسان خوشی سے جھوم اُٹھا ۔۔۔ دوسری صبح وہ شہر کی طرف روانہ ہوا ۔۔۔

شہر میں وہ ایک جوہری کے ہاں گیا ۔۔۔ کسان نے جوہری کو ہیرا بتایا ۔۔۔ ہیرے کو دیکھ کر جوہری کے منہ میں پانی بھر آیا ۔۔۔ ہیرا تھا بہت قیمتی ۔۔۔ جوہری نے ہیرے کو اچھی طرح پرکھ لیا ۔۔۔ تو اس کی نیت خراب ہوگئی ۔۔۔ اس نے کسان کے بھولے پن اور بے وقوفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ہیرا صرف ڈھائی سو روپے میں خرید لیا۔

ڈھائی سو روپے جیسی بھاری رقم اس بیچارے غریب کسان نے کبھی نہیں دیکھی تھی ۔۔۔ وہ یہ رقم پاکر خوشی سے پھولا نہ سمایا اور خوشی خوشی رقم لے کر گھر آیا ۔۔۔ وہ رقم بیوی کو بتائی ۔۔۔

اتنی بڑی رقم اس کی بیوی نے بھی نہیں دیکھی تھی ــــ رقم دیکھ کر دونوں بہت ہی خوش تھے ــــ

تھوڑے عرصے بعد جوہری اس ہیرے کو لے کر راجا کے دربار میں گیا ــ راجا کو ہیرا بہت بھایا ــ اور جوہری کو خوشی سے اس کی قیمت ایک لاکھ روپے دی۔

یہ بات اُڑتے اُڑتے اس غریب کسان کے کان تک پہنچی ــــ کہنے لگا ــــ جوہری کی نیت خراب ہوگئی ــــ اسے ٹھگ لیا۔

اس حادثے کے بعد کسان لالچی بن گیا ــ اور ساتھ ہی کنجوس بھی ــ ہر وقت وہ سوچتا رہتا تھا کہ ایک لاکھ کی رقم کیسے ملے۔

پھر اس نے اپنی بیوی کو ڈھینگو جی کے پاس جانے کے لیے مجبور کیا ــ کھیت میں چیکو کے درخت سے بڑے بڑے تازے چیکو توڑے اور ان کو ایک ٹوکری میں رکھا ــ اور دوسری صبح ہی روانہ ہوا۔ پہاڑی کے قریب جاکر بیٹھ گیا ــ جہاں اس کی بیوی بیٹھی تھی ــــ اور لگا انتظار کرنے ڈھینگو جی کا ــــ پہلے تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا ــ وہ بے چین اور پریشان ہوگیا ــ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ اسے دور ڈھینگو جی اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا ــــ ڈھینگو جی قریب آئے اور کہا " بھائی! یہ چیکو مجھے دے دو ــ میں اس کے بدلے تم کو ایک امرود دوں گا "۔ کسان نے ہیرے کی لالچ میں ہاں کر دی ــــ ڈھینگو جی نے اسے امرود دیا اور چیکو لے کر غائب ہوگیا ــ کسان وہ امرود لے کر خوشی خوشی گھر کی طرف چلنے لگا ــ اس نے سوچنا شروع کیا ــ کہ گھر جاکر اسے کاٹوں گا اور اس میں سے ہیرا نکلے گا ــ وہ لے کر میں خود راجا کے پاس جاؤں گا۔ راجا مجھے ایک لاکھ روپیا دے گا ــــ

ڈھینگو جی دراصل ایک جادوگر تھا ــ اس کو کسان کے لالچ کا اندازہ ہوگیا تھا ــ اور ہیرے کے سودے کی خبر اس کو ہوگئی تھی۔

کسان نے گھر آتے ہی بے صبری سے اس امرود کو کاٹا ــــ وہ جادوئی امرود تھا ــــ

ارے یہ کیا ...... ؟ امرود کے کٹتے ہی صندوق خود بخود کھل گیا ــــ اور اس میں رکھے ہوئے ڈھائی سو روپے اُڑے اور امرود میں سما گئے ــــ اور امرود پھر سے جڑ گیا جیسے پہلے تھا ــــ اور سخت ــــ کسان نے پھر کاٹنا چاہا لیکن وہ نہیں کٹا ــــ

کسان یہ منظر دیکھ کر بدحواس ہوگیا ـــ اور پچھتانے لگا ـ اپنے سر پر ہاتھ مار کر رونے لگا ـــ ہائے میں نے یہ کیا کیا ـ لالچ نے مجھے اندھا کر دیا ـ لالچ نے میرے دو سو روپے بھی گنوا دیے ......

(بشکریہ "بمبئی سماچار" بمبئی)

رشید الدین

محنت کی کمائی

بہت زمانہ پہلے ایک ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بڑا رحمدل، خدا ترس اور انسان دوست تھا۔ عام طور پر بادشاہوں میں جو کمزوریاں ہوتی ہیں وہ اس میں نہیں تھیں مثلاً وہ نہ تو عیش و عشرت کا عادی تھا اور نہ شراب و کباب کا۔ نہ ناچ گانے کا رسیا تھا اور نہ فضول خرچ۔ نہ وہ مغرور تھا اور نہ ظالم۔ وہ سرکاری خزانہ کو رعایا کی امانت سمجھتا تھا اور اس میں سے بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا تھا۔ اس کے درباری کبھی اس کی ان عادتوں کو دیکھ کر اسے کوئی غلط سلط مشورے نہیں دیتے تھے اور نہ اس کے افرادِ خاندان اپنی حد سے گزرتے تھے۔

بادشاہ کو رات دن اپنی رعایا کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ ان کی اچھائی اور بھلائی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اس کی حکومت میں کبھی کوئی بھوکا نہ سوئے، ننگا نہ رہے، مفلس اور لاچار نہ رہے، تنگ دست اور بیمار نہ رہے، بس یہی اس کی کوشش ہوتی تھی۔ اس کی حکومت بہت بڑی تھی اور دور دراز کے مقامات سے وہ اپنے ہرکاروں کے ذریعہ اپنی رعایا کی کیفیت معلوم کرتا رہتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ذاتی طور پر کبھی اپنی رعایا کی دیکھ بھال کرتا رہتا تھا اور بھیس بدل کر بستیوں میں گھوما کرتا تھا تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ اس کی رعایا کو کس چیز کی ضرورت ہے۔

ایک بار بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا کہ بستیوں میں جا کر تو وہ اپنی رعایا کا حال معلوم کرتا

۱۹۱/۸-۳-۱۰- ہمایوں نگر، حیدرآباد

رہتا ہے لیکن اس نے جنگلوں میں جا کر کبھی نہیں دیکھا کہ وہاں کیا حال ہے۔ وہاں بھی تو لوگ رہتے ہیں۔ کم سہی لیکن آخر وہ بھی تو انسان ہیں۔ انھیں بھی تو مسائل درپیش ہوتے ہیں اور وہ بھی تو اس کی رعایا میں شامل ہیں۔ ان کی دیکھ ریکھ بھی تو آخر اس کے ذمے ہے بلکہ ان کا اس پر زیادہ حق ہے کیونکہ وہ بے یار و مددگار جنگلوں میں زندگی گزارتے ہیں جہاں ان کی مشکلات بانٹنے کے لیے کوئی دوسرے انسان بھی نہیں ہوتے۔

یہی سب کچھ سوچ کر ایک دن وہ بھیس بدل کر گھوڑے پر نکل پڑا اور اپنے مستقر سے بہت دور نکل گیا۔ جب گھنا جنگل شروع ہو گیا تو اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار دھیمی کر دی۔ کیوں کہ اس طرح سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے وہ کچھ بھی تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کسی کا بھی حال نہیں جان سکتا تھا۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ گھوڑا بڑھانے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی آنے لگی کہ وہ اتنی دور نکل آیا ہے لیکن اس سے اب تک کسی انسان کا واسطہ نہیں پڑا۔ البتہ جنگلی جانور اطمینان سے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ اسے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ آخر وہ بھی تو اس کی حکومت میں تھے اور آرام کے ساتھ تھے۔ کوئی شکاری اپنے شوق اور مطلب کے لیے ان کا شکار کر کے انھیں موت کے گھاٹ نہیں اتار رہا تھا۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے بادشاہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا کہ گھنی جھاڑیوں میں سے ایک پہاڑ کے اندر سے ایک چٹان کچھ کھسکی ہوئی معلوم ہوئی اور اس کے اندر سے کچھ سامان رکھا نظر آیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر اس چٹان کے بالکل قریب آگیا اور اندر جھانک کر دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس چٹان کے اندر ایک بہت بڑی خالی جگہ تھی جس پر ایک خزانہ رکھا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے زیورات و قیمتی برتن اس میں شامل تھے۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ اس گھنے جنگل میں بھی اتنا قیمتی خزانہ ہو سکتا ہے؟

اس کے دل میں آئی کہ وہ یہ سب خزانہ اپنے محل میں منتقل کرے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ یہ صحیح ہے کہ یہ خزانہ اس کی حدود میں واقع ہے لیکن آخر ہے کس کا؟ اس کا مالک کون ہے؟ اسے کس نے کمایا تھا اور کیوں کمایا تھا؟ اس کا صحیح حقدار اور سچا وارث کون ہے؟ وہ اسے اس طرح اپنے تصرف میں کس طرح لے سکتا ہے۔ یہ سب سوچ کر اس نے چٹان جو کچھ کھسک گئی تھی اس طرح ٹھیک کر دیا کہ وہ خزانہ اب باہر سے نظر نہیں

آرہا تھا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ گیا۔ اسے اطمینان ہوگیا کہ اس نے ایک غلط خیال کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔

پہاڑ کے نیچے ایک میدان تھا جہاں ایک بوڑھا آدمی بکریاں چرا رہا تھا۔ بادشاہ جنگل میں پہلی بار اس آدمی کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا اور اسے سلام کیا۔ چرواہے نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اس گھنے جنگل میں کس طرح آیا۔ بادشاہ نے اسے جواب دیا کہ وہ ایک مسافر ہے اور راستہ بھول گیا ہے۔ چرواہے نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آگے ہی ایک چھوٹا سا گانو ہے جہاں سے اسے آگے جانے کا راستہ مل جائے گا۔

بادشاہ ایک درخت کے نیچے اس چرواہے کے پاس بیٹھ گیا۔ چرواہے نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کچھ کھائے گا چاہیے گا کیونکہ اس کے پاس تھوڑی سی سوکھی روٹی ہے اور پانی وافر مقدار میں پاس کے نالے میں بہہ رہا ہے۔ بادشاہ نے اس پیش کش پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ اسے خواہش نہیں ہے۔ پھر بادشاہ نے حسب عادت اس کے حال چال پوچھنے شروع کیے۔

چرواہے نے اسے بتایا کہ وہ پاس ہی کے گانو میں رہتا ہے اور بہت غریب ہے۔ یہ بکریاں بھی اس کی نہیں ہیں بلکہ گانو کے لوگوں کی ہیں جو اسے انھیں چرانے کے عوض کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ اس کی ایک بوڑھی بیوی اور ادھیڑ عمر کی لڑکی ہے۔ اس کا شوہر مر چکا ہے۔ وہ تینوں کسی طرح روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ گانو کے کچھ اچھے اور کھاتے پیتے لوگ اسے یوں ہی بطور امداد کچھ دینا چاہتے ہیں لیکن وہ کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ اس کی لڑکی بھی قریب کے کھیتوں میں کام کرکے کچھ نہ کچھ کما لیتی ہے۔ اس طرح ان کی گزر بسر ہو ہی جاتی ہے۔

بادشاہ کو چرواہے کی یہ بات سن کر بہت رحم آیا۔ اس نے کہا "اگر میں تمھیں خوب مالامال کردوں تو؟" چرواہے نے جواب دیا "وہ کس طرح؟" بادشاہ نے کہا "اگر میں تمھیں اس علاقے میں ایک خزانے کا پتا بتا دوں تو!" چرواہے نے کہا "کیا تم اس خزانے کی بات کر رہے ہو جو ادھر کے پہاڑ میں ہے۔" بادشاہ نے جواب دیا "ہاں ہاں! میں اسی خزانے کی بات کر رہا ہوں۔" چرواہے نے جواب دیا "میں تو اسے روز دیکھتا ہوں۔"

بادشاہ اس کا جواب سن کر حیران ہوا "ایں! یہ کیا؟ تم وہ خزانہ روز دیکھتے ہو؟ چرواہے نے کہا "کہ نو دیا روز دیکھتا ہوں۔" بادشاہ نے اسی حیرانی سے پوچھا "جب تم روز خزانہ دیکھتے ہو تو پھر اس میں سے کچھ لیتے کیوں نہیں؟ ایسی زندگی کیوں بسر کرتے ہو؟" چرواہے نے جواب دیا "میں اس میں سے کس طرح کچھ لے سکتا ہوں۔ وہ خزانہ میرا تو نہیں"! بادشاہ نے جواب دیا "لیکن اس کا کوئی وارث بھی تو نہیں۔" چرواہے نے جواب دیا۔ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو ہوگا جس نے اتنی دولت کمائی ہے اور اسے اس طرح محفوظ کیا ہے۔"

بادشاہ کو چرواہے کی یہ بات سن کر بڑا تعجب ہوا بلکہ دل ہی دل میں اس نے اس کے کردار کی عظمت کا بھی اعتراف کر لیا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھ کر بادشاہ نے جو اپنے آپ کو ایک مسافر ظاہر کر رہا تھا اس سے پوچھا:

"اچھا اگر میں تمھیں کچھ دے دوں تو۔ میرے پاس بہت دولت ہے۔" چرواہے نے بغیر پس و پیش کے جواب دیا "آپ کی دولت میرے کس کام کی۔ میں تو محنت کی کمائی پر یقین رکھتا ہوں۔" بادشاہ کو چرواہے کی منطق سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ پھر بولا "لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے؟ چرواہے نے پھر بلا تامل جواب دیا "حرج کیوں نہیں۔ جو دولت میں نے کمائی نہیں وہ میں کس طرح اپنے تصرف میں لا سکتا ہوں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "اگر کوئی اپنی کمائی ہوئی دولت تمھیں خوشی سے دے تو" چرواہے نے جواب دیا۔ "تب بھی وہ میرے کام کی نہیں ہوگی۔"

چرواہے نے اتنا کہا اور اپنی لاٹھی لے کر بکریوں کو ہانکنے کے لیے ایک طرف چل دیا۔ بادشاہ خاموش کھڑا اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا۔" اور سوچنے لگا: "اصل بادشاہ میں ہوں یا وہ ـــ!" ●●●
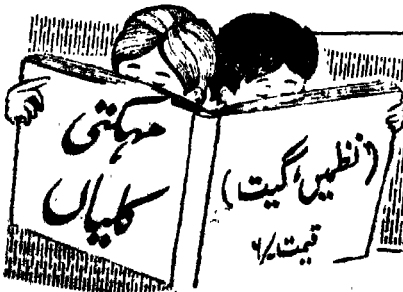
وقت کا ہے نقصان بہت

فہمیدہ بیگم

کچھ کر جائیں اس دنیا میں دل کو تھا ارمان بہت
اس کوشش میں کر جاتے تھے پٹنے کا سامان بہت
ٹیڑھے میڑھے رستوں پر ہم بن دیکھے بڑھ جاتے تھے
بچپن میں تھی وید اور ڈاکٹر دونوں سے پہچان بہت
گلی کے آوارہ کتوں کی جنگ بہت ہی بھاتی تھی
ہڈی پھینک کے لڑواتے تھے کہلاتے شیطان بہت
گلی ڈنڈا کھیل الوکھا دل کو بے حد بھاتا تھا
شرما انکل کے شیشوں کا کرتے تھے نقصان بہت
پڑھنے لکھنے سے ہوتا تھا درد ہماری آنکھوں میں
مار پیٹ کر ہمیں پڑھاتے بھیا ہیں نادان بہت
اچھے بن جانے کی دھن میں بھول گئے مریادا بھی
ان رستوں پر جا نکلے ہم جن سے تھے انجان بہت
گاؤں کے نکڑ پر اک دن یہ فہمیدہ باجی نے کہا
پیارے بچو کھیل کود میں تم نہ لگانا دھیان بہت
وقت نہیں ہے اس کا جس نے وقت کی قدر نہیں جانی
تھام لو وقت کی انگلی بچو مل جائے گا گیان بہت

۲/۶۸ خنک پورہ عزت خاں۔ فرخ آباد (یو۔پی)

ساغر ملک
تلوی - پڈگھا - تھانے (مہاراشٹر)

امن کے گیت

آؤ پیارے بچّو! آؤ
امن کے میٹھے گیت سناؤ

یہ ہندو ہے وہ مسلم ہے
دل سے یہ تفریق مٹاؤ

تم ہو دیس کی شان اے بچّو!
اپنی شان کو اور بڑھاؤ

دور کرو غفلت کے اندھیرے
علم و ہنر کے دیپ جلاؤ

علم کا چرچا گھر گھر کر دو
خود سیکھو اور سب کو سکھاؤ

ساغر کا ایمان یہی ہے
سب کے دکھ سکھ میں کام آؤ

سرور شفیع
جوہو بمبئی ۴۹ ۵

ترنگا جھنڈا

یہ بھارت کا جھنڈا ہے
یہ ترنگا جھنڈا ہے
اس کو تم سب پہچان لو
اس کو تم سب جان لو
اس کو تم سب مان لو
یہ ترنگا جھنڈا ہے
جنتا کا ارمان ہے اس میں
بھارت کا مان ہے اس میں
باپو کی شان ہے اس میں
یہ ترنگا جھنڈا ہے
یہ بھارت کی توقیر ہے
یہ بھارت کی تصویر ہے
یہ بھارت کی تقدیر ہے
یہ ترنگا جھنڈا ہے
اس کو لو اور قدم اٹھاؤ
نفرت کو دور بھگاؤ
آزادی کے گیت گاؤ
یہ ترنگا جھنڈا ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ

سید احمر نعمان

حضرت داتا گنج بخشؒ بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ گزرے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں کچھ واقعات لکھے ہیں جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہیں۔ آج انھیں واقعات میں سے چند کا انتخاب پیشِ خدمت ہے۔

یہ واقعہ حضرت داتا گنج بخشؒ کو نہیں بلکہ اس زمانے کے ایک بڑے بزرگ احمد سرخسیؒ کو پیش آیا تھا۔ سرخسیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں عام طور پر اپنی روٹی دوسروں کو بانٹ دیا کرتا تھا اور یہ سمجھتا کہ بہت بڑا کام کرتا ہوں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا۔ میرے قریب ایک اونٹ بھی تھا۔ اچانک ایک شیر نے اُس اونٹ کو دیکھ لیا۔ فوراً آیا اور آتے ہی اونٹ کو مار ڈالا۔ اونٹ مر چکا تھا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اُسے چیر پھاڑ کر کھانا شروع کر دیتا لیکن اُس نے اونٹ کے گوشت سے اپنا مُنہ ہٹا لیا اور ایک ایسی سمت دیکھنے لگا جہاں ایک پہاڑ کھڑا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ شیر کیا کر رہا ہے۔ اُسے کس کا انتظار ہے؟ ہو نہ ہو اپنی شیرنی یا اپنے بچّوں کا منتظر ہے۔ اِتنے میں شیر پہاڑ کے اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر چڑھتا گیا یہاں تک کہ اُس کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے دہاڑنا شروع کر دیا۔

عجیب تماشا تھا کہ اونٹ نیچے مرا پڑا ہے اور مارنے والا خود پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دہاڑ رہا ہے۔ ابھی وہ دو تین مرتبہ ہی دہاڑا ہوگا کہ جنگلی درندے دوڑتے ہوئے اُونٹ کی لاش کی طرف آنے لگے۔ وہ لاش پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُونٹ کی لاش کا کافی حصّہ ختم ہو گیا جب وہ سیر ہو گئے تو وہاں سے ہٹ گئے اور واپس جانے لگے۔

اُوپر سے شیر برابر انھیں دیکھ رہا تھا۔ اَب لاش کے قریب کوئی درندہ موجود نہیں تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ شیر نیچے اتر رہا ہے اور اِدھر آ رہا ہے۔ وہ پہاڑ سے نیچے اتر آیا مگر اُس میں اور اونٹ کے گوشت میں ابھی کچھ فاصلہ تھا۔ اچانک ایک طرف سے ایک لنگڑی لومڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ گھسٹ گھسٹ کر چل رہی تھی۔ شیر نے جب اُسے دیکھا تو جہاں تھا وہیں رک گیا۔ لومڑی آگے آئی۔ اُس نے بڑے اطمینان سے گوشت کھایا اور واپس جانے لگی۔ جب تک وہ نظروں سے غائب نہیں ہو گئی، شیر ایک قدم بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اُس کے جانے کے بعد وہ اونٹ کے قریب آیا اور اُس نے گوشت کھانا شروع کیا۔

اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مَیں جو روٹی کی قربانی کرتا ہوں

دریادلی

ایک دفعہ ملتان میں سخت قحط پڑا۔ حاکم ملتان کو غلّے کی ضرورت ہوئی۔ خواجہ بہاؤالدین ذکریاؒ نے غلّے کی ایک بہت بڑی مقدار قحط زدہ لوگوں کی امداد کے لیے بھیجی۔ جب غلّے کی بوریوں کو اُلٹا گیا تو اس میں سے چاندی کے سکّوں سے بھرے ہوئے چار برتن بھی نکلے۔ حاکم ملتان نے حضرتؒ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ ہم نے یہ سکّے خود ہی غلّے میں رکھوائے تھے۔ غلّے کے ساتھ ہم نے یہ بھی اللہ کی راہ میں دیے ہیں۔ تم ان کو قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کر دو۔

تو یہ تو کوئی خاص قربانی نہیں۔ ایسی قربانی تو گوشت خور درندہ بھی کرسکتا ہے۔ میں ایک انسان ہوں، مجھے اس سے بڑی قربانی کرنا چاہیے۔ اور یہ سوچ کر میں نے انسانوں کی خدمت کے لیے اپنا تن مَن دَھن وقف کر دیا۔

❁

حضرت شفیق بلخ کے ایک نامی گرامی بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بلخ میں بڑا سخت قحط پڑا۔ ایسا قحط اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ بلخ کے باشندے سخت پریشان تھے اور پیٹ بھرنے کے لیے درختوں کے پتّے تک کھانے لگے تھے۔

حضرت شفیقؒ فرماتے ہیں کہ میں بہت آزردہ تھا اور حیران تھا کہ اپنا اور اپنے بچّوں کا پیٹ کس طرح بھروں گا۔ ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا، دیکھا کہ ایک غلام خوش خوش چلا جا رہا ہے۔ میں نے اُس سے پُوچھا: "یہاں اتنا قحط پڑا ہے۔ سب لوگ پریشان ہیں۔ تو کیوں خوش ہے؟" غلام بولا: "جناب مجھے کوئی فکر نہیں۔ میرے مالک کا گودام بھرا ہوا ہے۔" یہ سُن کر میں سخت شرمندہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص اس لیے خوش ہے کہ اُس کے مالک کا گودام بھرا ہوا ہے اور میں، کہ میرا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جس کے قبضے میں ساری دنیا کے خزانے ہیں، پریشان ہو رہا ہوں۔ حضرت شفیق فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور چند روز بعد قحط ختم ہو گیا۔

❁

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوحمزہ خراسانی کسی جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ اُنھیں اِس بات کا خیال ہی نہ رہا کہ کہاں ہیں اور کدھر اُن کا رُخ ہے۔ وہ اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ سامنے کنواں تھا اور کنواں بھی بڑا گہرا۔ وہ تو اپنے خیالوں میں غرق تھے ہی، بے خیالی میں قدم جو بڑھایا تو کنوئیں میں جا گرے۔ اَب اُن کے بچاؤ کی صرف ایک ہی صُورت تھی کہ کوئی قافلہ ادھر سے گزرے، لوگ پانی پینے کے لیے رُکیں، کنوئیں میں ڈول ڈالیں اور معلوم ہو جائے کہ کنوئیں میں کوئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا صُورت ہو سکتی تھی! اتّفاق سے چند آدمی ادھر آ نکلے، مگر انھوں نے کنوئیں میں ڈول ڈالنے کی بجائے اُس کا مُنہ ہی بند کر دیا۔ مُنہ اِس لیے بند کر دیا کہ آندھی سے مٹّی اُڑ کر اُس کے اندر نہ جائے اور پانی گدلا نہ ہو جائے۔ کنوئیں میں اندھیرا ہو گیا۔ حضرت ابوحمزہؒ اس پر بھی

اسلام میں جہاد کا حکم اس وقت نازل ہوا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور چونکہ اس وقت کفارِ قریش نے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا تھا چنانچہ ان کے مقابلے اور شر کے خاتمے کے لیے اللہ تعالےٰ نے جہاد کا حکم دیا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جہاد کے متعلق کئی جگہ حکم دیا گیا ہے۔ "اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کرنے کا حکم ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

"اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچائے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔"

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے۔ اُن کے دل کو پورا پورا یقین تھا کہ جس خدا نے انھیں پیدا کیا ہے، اُن کی ڈیوٹی کا انتظام کیا ہے، وہ اِس بڑے عالم میں ان کی نجات کا بندوبست بھی ضرور کرے گا۔

رات ہو گئی۔ اَب اُس جنگل میں سے کسی کے گزرنے کی بھی توقع نہیں تھی۔ ویران مقام تھا۔

کوئی اور ہوتا تو بالکل نااُمید ہو کر موت کا انتظار کرنے لگتا مگر جس شخص کو اللہ کی رحمت پر پورا اعتماد ہو وہ موت کا نہیں رحمت کے فرشتے کا منتظر ہوتا ہے۔ یکایک کنوئیں میں روشنی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ کنوئیں کے مُنہ پر جو کچھ پھیلا ہوا تھا وہ ہٹا دیا گیا ہے۔ پھر یوں ہوا کہ کوئی سیاہ سی چیز لٹکتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔

حضرت ابوحمزہؒ نے سمجھ لیا کہ رحمت کا فرشتہ آیا ہے اور اُس نے رسّی لٹکا دی ہے۔ اُنھوں نے مضبوطی سے رسّی کو پکڑ لیا۔ رسّی اوپر اُٹھنے لگی۔ اوپر پہنچے تو چاند کی روشنی میں اُنھوں نے دیکھا کہ جس چیز کو وہ رسّی سمجھ رہے تھے وہ اژدہے کی دُم تھی۔

❁

دُوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا بُری بات ہے۔ ہاتھ صرف اللہ ہی کے سامنے پھیلانا چاہیے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ کسی حاکم نے اُنھیں قید خانے میں بند کر دیا۔ وہ بزرگ بالکل بے گناہ تھے۔ جب حاکم پر اَصل معاملہ کھُلا اور اُسے یقین ہو گیا کہ اس نے بے گناہ شخص کو قید کر رکھا ہے تو آدھی رات ہی کو قید خانے میں آیا اور بزرگ سے معافی مانگ کر پوچھا "مانگیے! مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟" بزرگ نے جواب دیا "جس خدا نے تجھے آدھی رات کو حکم دیا ہے کہ مجھے قید سے رہا کرے میں اس سے کیوں نہ مانگوں۔ تجھ سے کیوں مانگوں" یہ سن کر حاکم سخت شرمندہ ہوا اور چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

پیارے ساتھیو! حضرت داتا گنج بخش کے بیان کیے ہوئے ان واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دوسروں کے لیے ایثار کریں۔ لوگوں سے محبت اور ہمدردی سے پیش آئیں۔ اللہ پر مکمل بھروسا کریں اور اس کے سوا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ خدا ہم سب کو نیک بننے کی توفیق دے۔ آمین۔

اچانک "کھٹ" کی آواز کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلا۔ اندر داخل ہونے والا کوئی اور شخص نہیں، ڈاکٹر شمراط کا ملازم تھا۔ جیسے ہی اس نے ڈرائنگ روم سے متصل، سائنس روم کا پردہ ہٹایا۔ اس کی نظروں کے سامنے نو کرسیاں بالکل خالی تھیں اور دسویں کرسی پر جو ہولناک منظر اس نے دیکھا، وہ اس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ چیخ مار کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

ملازم کو دیکھتے ہی ڈاکٹر شمراط کے قہقہے ایک دم رک گئے۔ انگارے برساتی آنکھوں کے ساتھ اس کا سنہرا و سفید چہرہ مارے غصے کے مزید سرخ ہوگیا، کیونکہ ملازم بغیر اجازت کے اندر آیا تھا۔
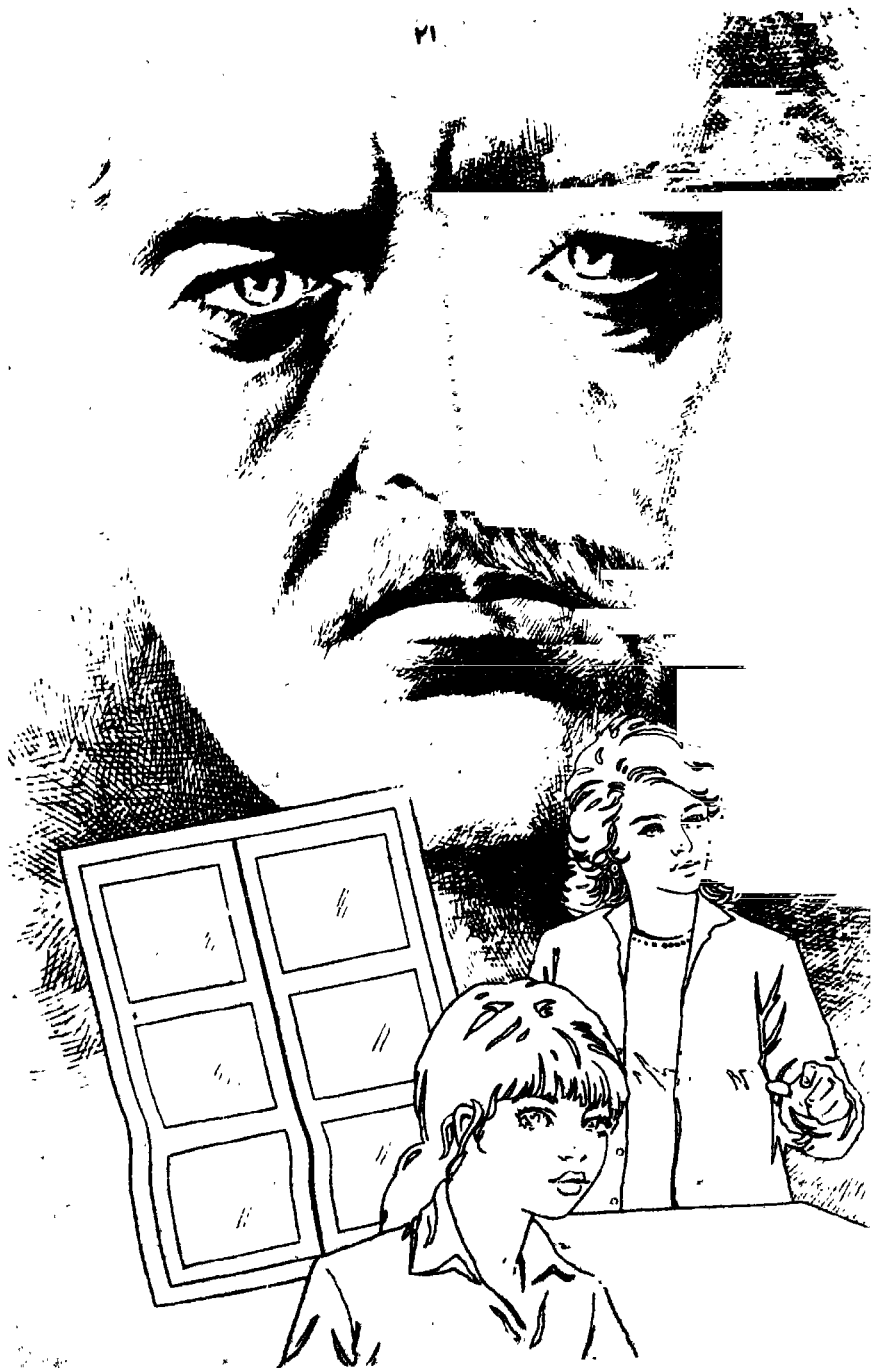
کئی گھنٹے بعد ملازم ہوش میں آیا تو اس نے خود کو آرام دہ بستر پر پایا۔ ڈاکٹر شمراط اس کے سرہانے کھڑا تھا۔ وہ بے چارہ تھر تھر کانپتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ صبح والا سارا واقعہ اُسے یاد آ گیا۔ اس کے چہرے پر موت کی سی زردی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے اُسے یقین ہو گیا ہو کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔

اُسے ہوش میں آتے دیکھ کر ڈاکٹر شمراط اس کے قریب بستر پر بیٹھ گیا۔ اُسے پُرسکون رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا "گھبراؤ نہیں۔ میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم میرے پرانے ملازم ہو اس لیے سزا بھی نہیں دوں گا۔"

ملازم کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"اب جب کہ تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ اس لیے تم سے چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ! میں تمھیں تفصیل سے سب کچھ بتا دیتا ہوں، تاکہ تم بھی میرے راز میں شریک ہو جاؤ۔"

شمراط نے جھک کر میز پر رکھی ہوئی ٹرے میں سے جام کی شیشی اٹھالی۔ ملازم کی آنکھیں اب تک خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اپنے آقا کے اس عجیب رویے کو دیکھ کر وہ کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی جاں بخشی پر خوشیاں منائے یا پھر... ڈاکٹر شمراط کا یہ سراسر مختلف انداز، آنے والے کسی طوفان کا پیش خیمہ تھا۔

"کیا تمھیں یہ بات جان کر خوشی نہیں ہوئی کہ تمھارا آقا اب دنیا کا طاقت ور ترین انسان بن چکا ہے!... ہاں! میں جسے چاہوں آن کی آن میں فنا کر سکتا ہوں۔" ڈاکٹر شمراط کے شیطانی قہقہے کمرے کی سوگوار فضا میں بلند ہو گئے: "یقیناً تم اس بوتل میں بند جیلی کے کمالات کے بارے میں جاننا چاہو گے!... کیوں ٹھیک کہا نا میں نے؟"

ملازم نے شمراط کی طرف دیکھا اور ڈرتے ڈرتے بہ مشکل ہولے سے سر ہلا دیا۔

"کتنے مزے کی بات ہے کہ ساری دنیا ملک کے مایۂ ناز سائنس دانوں کے اچانک گُم ہو جانے پر حیران رہ جائے گی، لیکن میں اس کا راز جانتا ہوں... صرف میں! بے شک کوئی اتنی عجیب و غریب چیز ایجاد کرنا ہی نہیں سکتا بلکہ اس ایجاد کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ یہ دیکھو! ایک عام سی اسٹرابیری جام کی شیشی! لیکن اس میں ایک خطرناک دوا ملی ہوئی ہے۔ اس دوا کے انسانی جسم میں داخل ہوتے ہی جسم کے اندر مخصوص قسم کے خلیے بننا شروع ہو جاتے ہیں... پھر جب یہ خلیے جسم میں موجود خلیوں سے ملتے ہیں تو اُن کی شکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ مادے سے بنے ہوئے جسم کو توانائی میں تبدیل کر دیتے ہیں اور یوں انسانی جسم گھٹتے گھٹتے بالآخر انرجی کی صورت اختیار کر کے فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے... ہا ہا ہا...!"

ملازم خوف سے آنکھیں پھاڑے سب کچھ سُن رہا تھا۔

اچانک شمراط کا چہرہ بگڑ گیا: "ارے!... مگر میں یہ سب کچھ تمھیں کیوں بتا رہا ہوں... تم ان سائنسی باتوں کو نہیں

سمجھ سکتے۔۔۔بے وقوف ہونا!" اس نے حقارت سے کہا۔ "لیکن ہاں! تم اندازہ نہیں کر سکتے، وہ نظارہ کتنا دل کش تھا جب میں عظیم سائنسدانوں کو بے بسی سے تھوڑا تھوڑا قسطوں میں غائب ہوتے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اُف کتنا جادوئی منظر تھا۔۔۔ اب میں ہر ایک کو زیر کر سکتا ہوں۔۔۔ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔" اس سے اپنی شیطانی ایجاد کی کامیابی کی خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

ذرا دیر بعد وہ پھر بولا: "آؤ میرے ساتھ ناشتا کر لو۔" یہ کہہ کر وہ ٹرے میں موجود توس پر جام لگانے لگا۔

"لو بھئی! اب جلدی سے یہ توس کھا لو!" اس نے عجیب سے پُراسرار لہجے میں کہا

"م۔۔۔ م مگر۔۔۔ مگر کیوں؟" الفاظ ملازم کے حلق میں اٹکنے لگے۔

"کیوں؟ بہت خوب۔۔۔ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کیوں؟" ڈاکٹر شمراط کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بس میرا جی چاہ رہا ہے کہ تمھیں اپنے ہاتھوں سے بہترین ناشتا کراؤں۔۔۔ تم میرے وفادار ملازم ہو نا۔۔۔"

خوف کے مارے اس کا رُواں رُواں کانپ اٹھا: "نہیں آقا!۔۔۔ خدا کے لیے نہیں!" وہ ہکلاتے ہوئے بہ مشکل بول سکا۔

"تم میرے حکم سے انکار کر رہے ہو۔۔۔ جانتے ہو اس کا انجام؟" شمراط کا لہجہ یکایک کرخت ہو گیا۔

ملازم لرزتا ہوا پیچھے کی طرف ہٹنے لگا تو شمراط کا ہاتھ میز کی دراز کی طرف بڑھا۔ پھر ملازم تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا تو ایک ہوائی فائر ہوا اور ملازم وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"بھئی کیوں خوامخواہ نخرے کر رہے تھے۔۔۔ میں اتنے پیار سے تمھیں ناشتا کروانا چاہتا تھا اور تم ہو کہ بوکھلاہٹ سے مرے جا رہے تھے۔" ڈاکٹر شمراط کے لہجے میں شوخی عود کر آئی: "اب میں تمھیں کہاں ٹھکانے لگاؤں۔۔"

شمراط بدستور ملازم کی لاش سے باتیں کیے جا رہا تھا۔ لاش کو پہاڑی سے نیچے لڑھکانے کی بجائے شمراط کو یہ طریقہ زیادہ آسان اور بہتر معلوم ہوا کہ دوا کا ایک انجکشن لگا کر اسے غائب کر دے۔

چند لمحوں کے بعد اس کا آدھے سے زیادہ جسم غائب ہو چکا تھا اور نچلا دھڑ بھی تیزی سے نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً پانچ سیکنڈ کے بعد ملازم کا جسم قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔

♛

شام سے رات اور رات کے بعد نئی صبح طلوع ہو گئی۔ ممتاز سائنسدانوں کے یوں غائب ہو جانے پر ملک بھر میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ پولیس فورس اور انٹیلی جنس کا عملہ چوکس ہو چکا تھا۔ سراغ رساں ادارے حرکت میں آ چکے تھے۔ تمام علاقوں کی ناکہ بندی کی جا چکی تھی اور پولیس مستعدی سے ان کی تلاش میں مصروف تھی۔

عوامی اور سائنسی حلقوں میں عجیب افراتفری اور کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ملک کے دس معروف ترین سائنسدانوں کی گمشدگی کے متعلق لوگ مختلف قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اس معاملے میں پریس کا رویہ بہت سخت تھا۔ حکومت کی جانب سے بھی سائنسدانوں کی بازیابی کے لیے سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔

انھیں گم ہوئے دوسرا دن بھی بیت گیا۔ مشکل یہ تھی کہ انھوں نے اس میٹنگ کے متعلق کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر شمراط کی طرف سے انھیں فون پر اطلاع دے کر یہ بات سب سے خفیہ رکھنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ان سائنسدانوں کے بیوی بچوں اور رشتے داروں کی حالت سخت خراب تھی۔ کسی کو ان کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔

صرف ڈاکٹر جیمز نے اپنی چہیتی بیوی جولیا کو میٹنگ کے بارے میں بتایا تھا۔ دونوں کافی دیر تک غور کرتے رہے تھے۔ کہ آخر ڈاکٹر شمراط نے انھیں کس سلسلے میں بلایا ہے لیکن وہ کوئی خاطر خواہ اندازہ نہ لگا سکے۔

ڈاکٹر شمراط کے نام کے ساتھ ہی جولیا کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ اس نے ڈاکٹر جیمز کو میٹنگ میں شرکت سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ ڈاکٹر جیمز صاف دل اور کھلے ذہن کے مالک تھے۔ وہ ماضی کی تلخیوں کو حال کی خوشیوں اور مستقبل کی آرزوؤں پر حاوی نہیں دیکھنا چاہتے تھے لیکن جولیا پچھلی باتیں نہیں بھولی تھی۔ گو کہ سنی سنائی باتیں تھیں لیکن اب ڈاکٹر جیمز کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے ہر امر کا براہِ راست اس کی اپنی زندگی سے بھی تعلق بن چکا تھا۔

یہ انھی دنوں کی بات ہے جب ڈاکٹر شمراط کے حالات نے پلٹا کھایا تھا۔ انیس برس قبل کے انھی ایام میں ڈاکٹر جیمز کے والد ڈاکٹر البرٹ جانسن کے ساتھ ڈاکٹر شمراط کی چپقلش اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جیمز نے ان دنوں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس دوران شمراط شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن ڈاکٹر جانسن کو پھر بھی اس کے دھمکی آمیز خطوط موصول ہوتے رہے۔ شمراط نے جیمز کو اغوا کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں قدرت نے ڈاکٹر جانسن کو سانسوں کی ڈور سے آزاد کر دیا۔ کم عمر اور ناتجربے کار جیمز کے ساتھ شمراط نے دشمنی روا نہ رکھی۔ ڈاکٹر جیمز نے بھی پچھلی باتیں اپنے ذہن سے بھلا دی تھیں۔

کچھ بھی ہو، پھر بھی جولیا کا اندیشہ اپنی جگہ درست تھا۔ ڈاکٹر جیمز اور ان کے ساتھی سائنسدانوں کے خلاف شمراط کے ذہن کے لاشعوری حصے میں سلگتی ہوئی نفرت کی ننھی سی چنگاری کا کسی بھی وقت شعلہ بن جانا کوئی ان ہونی بات نہ تھی۔

جولیا نے نم آنکھوں کے ساتھ ڈاکٹر جیمز کی دراز میں سے "شون پیلس" تک پہنچنے کا نقشہ نکالا جو اس رات ڈاکٹر جیمز نے راستہ اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر یہی خیال ابھر رہا تھا کہ ہو نہ ہو، ڈاکٹر شمراط نے تمام سائنسدانوں کو مصیبت میں پھنسا رکھا ہے۔

مغلیہ خاندان کا چوتھا بادشاہ جہانگیر ایک عالم و فاضل شخص تھا۔ تخت پر بیٹھنے سے پہلے اُس کی طبیعت میں بے پروائی تھی۔ وہ چنداں مستقل مزاج معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن تخت پر قدم رکھتے ہی اُس کے طور طریق بدل گئے۔ وہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے اُمورِ سلطنت انجام دینے لگا۔ جنگ کے محصول میں جو نقائص تھے اُس نے وہ سب دُور کیے اور بہت سے محصول ختم کر دیے۔

اِس سے پہلے بعض جُرموں میں مجرموں کے کان ناک وغیرہ کاٹ دیے جاتے تھے۔ اُس نے اس وحشیانہ سزا کو منسوخ کر دیا۔

جہانگیر نرم دل، انسان شناس اور مسائل پر گہری نظر رکھنے والا شخص تھا۔ اُس کا عدل و انصاف اِس قدر مشہور تھا کہ اُس نے اپنے محل کی دیوار کے ساتھ ایک سونے کی زنجیر لٹکا رکھی تھی اور حکم دے رکھا تھا کہ جس شخص کو کوئی شکایت ہو، اور ہم سے ملنا چاہتا ہو، وہ رات کے وقت بھی اس زنجیر کو ہلا کر ہمارے کانوں تک اپنی فریاد پہنچا سکتا ہے۔

اُس کا دورِ حکومت رعایا کے لیے امن و خوش حالی کا دور تھا۔

جولیا نے سوچا کہ پولیس کو اطلاع دینے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ کبھی یقین نہیں کرے گی کہ ڈاکٹر شمراط نے سائنسدانوں کو دعوت دی تھی۔ حکومت بھی شمراط سے سخت خوف زدہ اور دبی ہوئی تھی اس لیے اُسے گرفتار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے ایک بیگ میں ضرورت کی چند چیزیں ڈالیں۔ اپنی چند ماہ کی ننھی منی بچی کو اٹھایا اور ایک نئے عزم اور ہمت کے جذبے کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کر کے روانہ ہو گئی۔

حسین و جمیل جولیا ایک نڈر اور باہمت عورت تھی جو اس ویران اور طویل سفر پر تنہا جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ "شون پیلس" کا نقشہ جولیا کے سامنے کھلا پڑا تھا اور گاڑی اونچی نیچی ناہموار اور پتھریلی راہوں پر تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

جولیا نے گاڑی شون پیلس کے بڑے دروازے کے مقابل روک دی۔ وہ غصّے کے مارے سُرخ ہو رہی تھی۔ کال بیل کے بٹن پر اس کی انگلی مضبوطی سے دب گئی۔ گھنٹی کافی دیر تک چیختی رہی۔ تب کہیں جاکر ڈاکٹر شمراط نے دروازہ کھولا۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ بھلا اس ویرانے میں ایک عورت اور ایک چھوٹی سی بچی کا کیا کام!

جولیا اُسے دھکیل کر جلدی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ شمراط تعجب سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

"بتا شیطان! کہاں ہیں ڈاکٹر جیمز اور ان کے ساتھی؟" جولیا ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

ڈاکٹر شمراط کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی: "اچھا تو تم ان سائنسدانوں کی تلاش میں یہاں آئی ہو۔ آؤ تمھیں بھی اُن تک پہنچا دوں۔"

جولیا بچی کو کونے میں لٹا چکی تھی۔ اس نے پھرتی سے جیب سے پستول نکال کر شمراط پر تان لیا اور بولی: "وہ سب لگ

کہاں ہیں؟ یاد رکھو اگر انھیں کچھ ہوگیا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی؛ جولیا کی نیلی آنکھیں انگارے کے مانند دہک رہی تھیں۔

"میں سے کہتا ہوں میرے ساتھ آؤ۔ میں تمھیں ان لوگوں کے پاس لے چلتا ہوں؛"

"اگر تم نے کسی قسم کا فراڈ کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا!" جولیا دہاڑی۔

"معزز خاتون، میں تمھیں تکلیف پہنچانے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ ویسے بھی اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے؛" شمراط کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

جُولیا نے پستول کی نال اس کے جسم سے لگا دی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ڈاکٹر شمراط نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے ہوئے تھے۔

زمین پر لیٹی ہوئی ننھی بچی اپنی ماں کو نہ پاکر رونے اور ہاتھ پیر زمین پر پٹخنے لگی۔ اس طرح بچی نے جولیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ شمراط کے لیے اتنا موقع کافی تھا۔ اس نے بجلی کی سی سُرعت سے ہاتھ مار کر جولیا کے ہاتھ سے پستول گرا دیا اور اگلے ہی لمحے وہی پستول شمراط کے ہاتھ میں تھا۔

جولیا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی۔ عین اسی وقت ایک فائر ہوا اور جولیا کراہتی ہوئی زمین پر آرہی۔ چند لمحے فضا میں مکمل سکوت طاری رہا پھر اچانک شمراط کو جیسے ہوش آگیا۔ اس نے جولیا کی نبض دیکھی جس کی حرکت بتا رہی تھی کہ جولیا کا ابھی زندگی سے رشتہ منقطع نہیں ہوا۔

"اب اس کا کیا کیا جائے؟" شمراط نے بے ہوش جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

اچانک اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ تیزی سے اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں جام کی شیشی اور دوا کی ایک چھوٹی سی بوتل تھی۔

پھر کیا ہوا؟
کیا جولیا بچ گئی؟
شمراط نے اس کی بچی کو بھی مار ڈالا؟
یہ جاننے کے لیے آیندہ قسط کا انتظار کیجیے۔

وہ کون تھا؟

میرزا ادیب
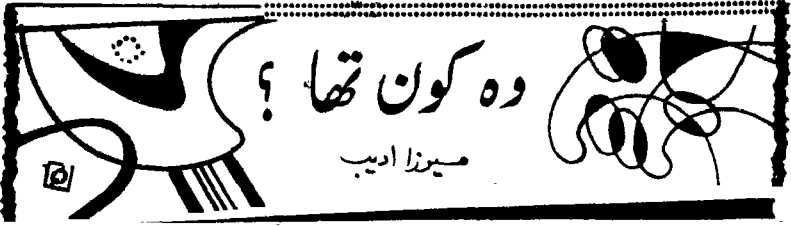
ایک زمانے میں وہ تالاب پانی سے لبالب بھرا رہتا تھا۔ لوگ اس میں نہاتے تھے، اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے تھے، عورتیں اس کے کنارے بیٹھ کر دن بھر کپڑے دھویا کرتی تھیں، مگر جب چند ماہ سے تالاب اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں بارش کا ایک قطرہ تک نہ گرا تو کھیت سوکھ گئے۔ زمین داروں نے تو ٹیوب ویل لگوا کر یا نہر سے پانی فراہم کرنے کا انتظام کر لیا اس لیے فصلوں پر اس خشک سالی کا کوئی خاص اثر نہ ہوا، البتہ تالاب سوکھا کا سوکھا ہی رہا۔

اس علاقے کے رہنے والے جو کام تالاب سے لیتے تھے وہ انھوں نے نہر سے لینا شروع

کر دیا اور تالاب یوں دکھائی دینے لگا جیسے وہاں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ اپنے قصبے سے شہر میں جانے کے لیے جو بھی اِدھر سے گزرتا تھا وہ بڑی آسانی سے اس جگہ پر سے گزر جاتا تھا۔ جہاں کبھی تالاب واقع تھا۔ آدمیوں کے علاوہ وہاں ہر روز مویشی بھی آجایا کرتے تھے۔ ان کے پاؤں مٹی ہی پر پڑتے تھے۔

اتوار کا پچھلا پہر تھا۔ دو لڑکے عامر اور اکبر شہر میں گھوم پھر کر واپس آرہے تھے۔ اُس وقت سماں بڑا سہانا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان ابر آلود تھا۔ گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بڑا لطف دیتے تھے۔

اکبر دُور پہاڑوں کے اوپر سورج کی ٹکیا کو شفق میں آہستہ آہستہ غائب ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ منظر اُسے اتنا پیارا لگا کہ وہ وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ عامر بھی اس کی دیکھا دیکھی زمین پر نیم دراز ہوگیا۔

دونوں چپ چاپ ماحول سے لطف اُٹھاتے رہے۔ یکایک اکبر کے دل میں ایک خیال آگیا۔ عامر کو مخاطب کرکے کہنے لگا "عامر، جانتے ہو ہم کہاں بیٹھے ہیں؟"

"نہیں، میں نہیں جانتا، شاید یہاں کبھی تالاب ہوتا تھا۔" عامر نے جواب دیا۔

"بالکل یہی بات ہے۔ ہم اس کے کنارے بیٹھے ہیں۔ سوچو ذرا اگر یہاں تالاب رہتا تو کیا ہوتا؟"

"کیا ہوتا؟ کچھ بھی نہ ہوتا۔ میں نے کئی بار اسے پار کیا تھا۔ میں نہر اور دریا میں بھی تو تیر سکتا ہوں۔" عامر جب یہ الفاظ کہہ رہا تھا تو اس کی چھاتی فخر سے پھول گئی تھی۔

وہ سارے قصبے میں سب سے تیز دوڑنے والا اور بڑا اچھا تیراک سمجھا جاتا تھا۔ دوڑ اور تیراکی میں جب بھی مقابلہ ہوتا تھا وہ عام طور پر اول ہی آتا تھا۔

"عامر" اکبر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہ سکا۔

"کیا بات ہے اکبر" عامر نے پوچھا۔

اکبر نے ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد کہا "میں نے سُنا ہے کہ خشک دریا اور پہاڑ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" عامر نے قہقہہ لگایا۔

"کیا خطرناک ہوتے ہیں۔ میں ہر جگہ بھاگ سکتا ہوں اور ایک منٹ کے اندر کہیں سے کہیں

پہنچ سکتا ہوں۔"

اکبر کو اس کا قہقہہ اچھا نہ لگا۔ تاہم اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

ابھی شام کا اندھیرا پھیلا نہیں تھا۔ دُور اور نزدیک اِکّا دکّا آدمی نظر آجاتا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو اکبر نے واپسی کے لیے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ واپس چلتے ہیں۔"

"تو اٹھو چلو۔" اکبر نے کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"یوں نہیں۔" عامر نے مسکرا کر کہا۔

"یوں نہیں تو پھر کس طرح؟" اکبر نے پوچھا۔

"دوڑ کر۔"

اکبر کو عامر کی یہ تجویز نامعقول لگی۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ اس وقت اندھیرے میں دوڑنے بھاگنے کی کیا تُک ہے؟"

"دیکھنا مزہ آجائے گا۔"

"خاک مزہ آئے گا۔"

اکبر نے ہر چند انکار کیا مگر عامر ضد پر اُتر آیا۔ آخر اکبر مان گیا۔ دونوں پیچھے چلے گئے۔ اب شام کی سیاہی نے فضا کو اپنے پردے میں چھپا لیا تھا۔ وہ ایک جگہ رُک گئے۔

"جب میں ایک دو تین کہوں تو ہم دوڑ پڑیں گے۔" عامر نے کہا۔

"مگر دوست، تم تو بہت تیز دوڑنے والے ہو، میرا تمہارا کیا مقابلہ۔" اکبر بولا۔

"ہم مقابلہ تھوڑی کریں گے۔ یونہی بھاگیں گے۔" دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے کھڑے تھے۔ عامر نے گنتی شروع کی۔

"ایک.... دو.... تین...." وہ دوڑنے لگے۔

عامر چند منٹ ہی میں آگے نکل گیا۔ اکبر بھاگ رہا تھا کہ اچانک اس نے عامر کی آواز سنی۔ "اکبر بچاؤ۔"

اکبر کو اندھیرے میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے زور سے پکارا، "عامر کہاں ہو؟" عامر کی آواز تو آئی، لیکن وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے عامر کا نام لے

کر دو تین بار پکارا، تیزی سے آگے بڑھا، مگر اندھیرے میں وہ عامر کو کہیں بھی نہ دیکھ سکا۔

"اب میں کیا کروں؟"

وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بھاگ کر عامر کے گھر پہنچا اور جو کچھ ہوا تھا عامر کے باپ کو سُنا دیا۔

عامر کے سارے گھر والے گھبرا گئے۔ جلدی جلدی انھوں نے لالٹینوں کا بندوبست کیا اور سوکھے تالاب کی طرف جانے لگے۔

"کون سی جگہ ہے جہاں سے عامر نے تمھیں مدد کے لیے پکارا تھا؟" عامر کے چچا نے پوچھا۔

اکبر صرف یہی بتا سکا کہ وہ جہاں بھاگ رہا تھا اس سے کچھ دُور اس نے عامر کی آواز سُنی تھی۔ وہ اپنے اندازے کے مطابق ہی وہ جگہ بتا سکتا تھا اور اس نے وہ جگہ بتا دی۔

سب کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں اور ان کی روشنی میں زمین صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایک جگہ ایک گڑھا سا پڑا تھا۔

"یہ جگہ غور سے دیکھو۔" عامر کے بڑے بھائی بولے۔

"ہاں، یہ دَل دَلی جگہ ہے۔ خدانخواستہ عامر اسی جگہ دھنس گیا ہوگا۔" عامر کے چچا نے کہا۔ لالٹینوں کی روشنی گڑھے میں پڑی تو وہاں عامر کا ایک چپّل نظر آ گیا۔

"یہ رہا چپّل۔" عامر کے بڑے بھائی نے گڑھے سے وہ چپّل نکال لیا۔ عامر کے چچا کہنے لگے،

"عامر یہاں دھنسا ضرور تھا، مگر زیادہ دھنسا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خود نکل گیا ہو یا کسی نے اسے نکال لیا ہو۔"

کئی منٹ گزر گئے اور وہ سب گڑھے کے اوپر بیٹھے اس معمے پر غور کرتے رہے۔

"چلو چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھتے ہیں۔"

یہ رائے عامر کے والد کی تھی اور وہ اس کے مطابق ایک دوسرے سے الگ ہو کر عامر کو ڈھونڈنے لگے۔ وہ تالاب پر اور تالاب کے ارد گرد لالٹین اُٹھائے گھوم رہے تھے۔

"اِدھر آؤ۔" یہ آواز عامر کے والد کی تھی۔

سب اُدھر جانے لگے۔ وہاں ایک جھونپڑی کے سامنے عامر زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔

یہ جھونپڑی ایک ایسے درویش کی تھی جسے بہت ہی کم لوگوں نے جھونپڑی میں جاتے ہوئے یا جھونپڑی میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ عام رائے یہ تھی کہ درویش جھونپڑی چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔

اکبر اور تمام لوگ عامر کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد عامر کو ہوش آگیا۔

"ہوا کیا تھا عامر" اکبر نے اسے ہوش میں آتے دیکھ کر کہا۔

عامر پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک دہشت زدہ تھا اور اس کے مُنہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ کئی منٹ تک عامر کی یہی حالت رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا:

"اُس جگہ دَل دَل تھی، میں نیچے ہی نیچے جا رہا تھا۔ اچانک اندھیرے میں کسی نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی طرف کھینچنے لگا۔ مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یکایک ایک آواز میرے کان میں آئی: "مت کرو تکبّر۔ یہ تکبّر اللہ کو پسند نہیں۔" یہ آواز بند ہوگئی اور مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ بے ہوش ہوگیا۔" یہ کہہ کر عامر چپ ہوگیا۔ سب کے سب بڑے ڈر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ کون تھا عامر؟" اس کے باپ کا سوال تھا۔ عامر خاموش رہا۔

"تم نے اسے پہچانا نہیں تھا؟" یہ سوال اس کے بھائی کا تھا۔

عامر اب کے بھی خاموش تھا اور سامنے جھونپڑی کو دیکھ رہا تھا۔

● ●

کیوں بھئی، میں آپ کو پچھلے ڈاکٹر سے
اچھا کیوں لگتا ہوں؟
ڈاکٹر صاحب، اس لیے کہ مجھے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم ہی میں سے ہیں۔
پاگل خانہ
وارڈ نمبر 3

ہوا کی آپ بیتی

سید فتح علی انوری

میرا نام ہوا ہے۔

میرے مزاج کے مطابق لوگوں نے میرے اور بھی بہت سارے نام رکھ چھوڑے ہیں۔ میرے ہلکے پھلکے جھونکے جب صبح کو پھولوں اور پتّوں سے اٹکھیلیاں کرتے ہیں تو مجھے نسیمِ سحر، اور بادِ صبا کہا جاتا ہے۔ جب سورج کی تمازت مجھ میں سما جاتی ہے تو مجھے لُو اور بادِ سَموم کہتے ہیں۔ جب پھُولوں کی خوش بُو مجھے مہکا دیتی ہے تو مجھے بادِ شمیم کہا جاتا ہے اور جب میں برفیلے علاقوں سے گزر کر سرد ہو جاتی ہوں تو مجھے ہوائے برفانی ہوا کہا جاتا ہے۔ جب میں دھول اُڑاتی ہوئی جھکڑوں کی صورت میں
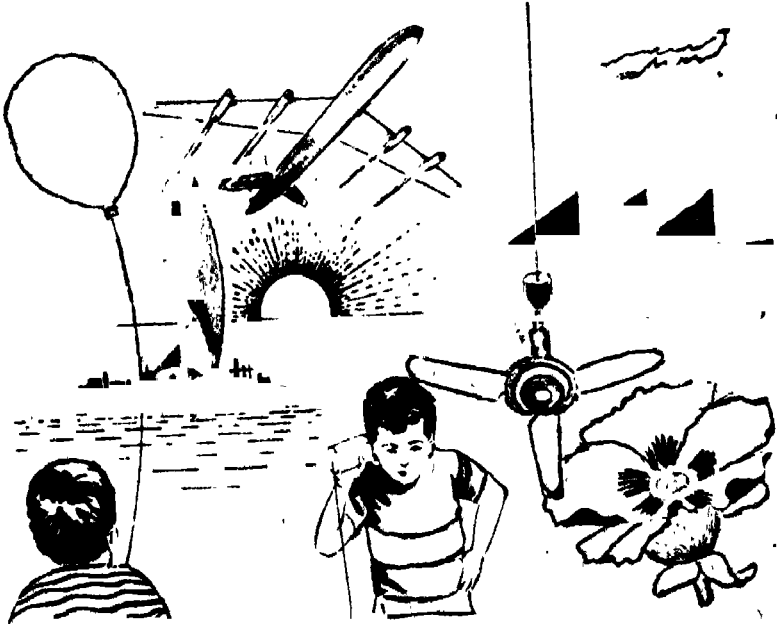
چلتی ہوں تو مجھے آندھی کہتے ہیں۔

پانی کی طرح میرا وجود بھی زندگی کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے میں ہر جگہ موجود ہوں۔ تم مجھے محسوس تو کر سکتے ہو، مگر دیکھ نہیں سکتے۔ میں اس قدر مرنجا مرنج ہوں کہ بچے مجھے پھونک کے ذریعے سے غباروں میں بند کر لیتے ہیں۔ پمپ کے ذریعے سے مجھے موٹروں اور سائکلوں کی ٹیوب میں قید کر لیتے ہیں، مگر میں فطرتاً آزاد ہوں اور موقع ملتے ہی ہوا ہو جاتی ہوں۔

جب میں ٹھہر جاتی ہوں تو تمھیں گرمی ستانے لگتی ہے، اس لیے مجھے پنکھوں سے جُنبش دی جاتی ہے۔ جب مجھے غصّہ آتا ہے تو بڑے بڑے درخت میری رفتار کی تاب نہیں لا سکتے، مکانوں کی چھتیں اُڑ جاتی ہیں اور سمندر میں طوفان برپا ہونے لگتا ہے۔

میں چمنیوں کا دُھواں اُڑا کر دُور لے جاتی ہوں تا کہ تمھیں سانس لینے میں دُشواری نہ ہو۔ بادبانوں میں بیٹھ کر میں بھاری بھاری کشتیاں چلاتی ہوں۔ بڑے بڑے ہوائی جہاز کئی کئی ٹن بوجھ لے کر میرے شانوں پر سوار ہو کر فضاؤں میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ میں چکیاں چلاتی ہوں اور ضرورت ہو تو بجلی پیدا کرنے میں بھی مدد کرتی ہوں۔ گلیوں بازاروں میں جھاڑو دیتی ہوں۔ پرندے مجھے اپنے پَروں میں سمیٹ کر اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں۔ میں لاکھوں ٹن وزنی پانی کے بُخارات کو بادلوں کی شکل میں یہاں سے وہاں لے جاتی ہوں۔ تمھاری پتنگ بھی میری وجہ سے بُلند ہوتی ہے۔ میری مناسب مقدار آگ جلانے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ تمھاری آواز میری لہروں پر سوار ہو کر سفر کرتی ہے۔

تم میرے متعلق کچھ دل چسپ حقیقتیں جاننا چاہو گے؟

اگر تم میرا تجزیہ کرو تو خشک ہوا میں تم ۷۸۰۰۸ فی صد نائٹروجن، ۲۰۹۴ فی صد اوکسی جن اور باقی دوسری گیسیں پاؤ گے۔ مجھ میں پانی کے بُخارات بھی شامل ہوتے ہیں۔ زمین کی گردش سے میرا وجود عمل میں آتا ہے۔ مجھے اگر مناسب وزن سے دبایا جائے تو میں سیّال بن جاتی ہوں۔ سطحِ سمندر پر میری کثافت سب سے زیادہ
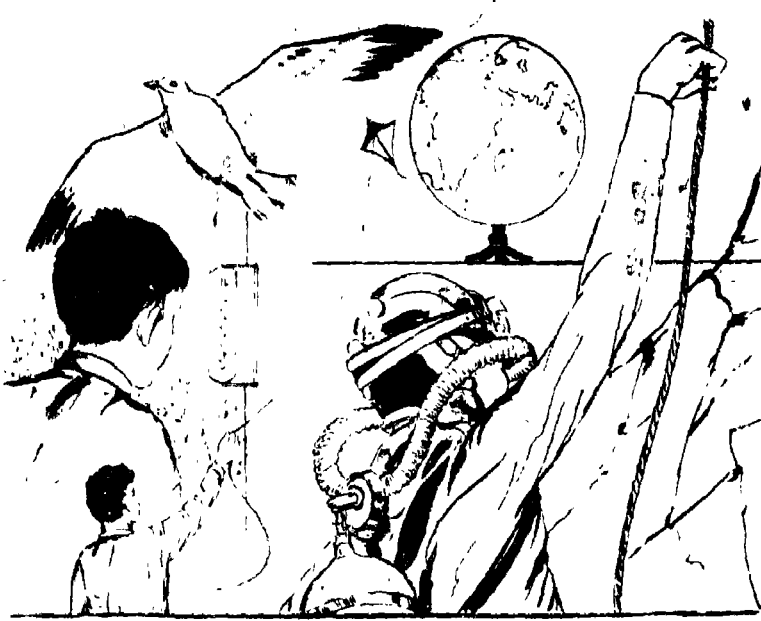
ہوتی ہے اور بلندی کے ساتھ ساتھ مجھ میں اسی قدر لطافت آجاتی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ بہت اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرنے والے لوگ اپنے ساتھ آکسیجن کے سلنڈر لے جاتے ہیں، کیوں کہ زیادہ بلندی پر مجھ میں موجود آکسیجن کی مقدار کم ہونے لگتی ہے۔ کرۂ ہوائی زمین کے اوپر کئی سو کلو میٹر تک ہے۔ اس کے بعد میں وہاں موجود نہیں ہوتی ہوں اور خلا شروع ہو جاتا ہے۔ خلائی جہاز اپنے خلا نوردوں کے سانس لینے کے لیے بھاری مقدار میں آکسیجن ساتھ لے جاتے ہیں۔

سطح زمین پر مختلف علاقوں میں میرا رُخ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی میں مشرق کی طرف چلتی ہوں تو کبھی مغرب کی طرف۔ موسم کی تبدیلیوں سے بعض علاقوں میں ہوا کا دباؤ چوں کہ کم ہو جاتا ہے لہٰذا یہ دباؤ برابر کرتے رہنے کے لیے میرا رُخ بدل جاتا ہے۔

تمام زندہ چیزوں کو سانس لینے کے لیے ہر لمحے میری ضرورت ہوتی ہے اور ہوا جس قدر صاف اور گندگی سے پاک ہو اتنی ہی اچھی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو اپنا ماحول صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور گھر ہوا دار بنانے چاہییں، تاکہ تمام

گھر میں میرا گزر بہ آسانی ہوتا رہے۔ جب ہوا کمروں میں نہیں آتی اور گندگی کی وجہ سے ہوا میں تعفن پیدا ہونے لگتا ہے تو تمھیں ہی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لیے صبح کی سیر یا ہوا خوری صحت کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے، چوں کہ صبح کی ہوا میں اوکسی جن ہوتی ہے اور جب یہ تازہ ہوا پھیپڑوں میں جاتی ہے تو اس سے خون صاف ہوتا اور صحت اچھی رہتی ہے۔

آدمی کو ہر چیز ناپنے تولنے کا شوق ہے اور یہ شوق ہمیشہ بہت کام آیا ہے۔ صحیح ناپ تول سائنس کی پہلی سیڑھی ہے۔ چناں چہ آدمی نے میری رفتار کا پیمانہ بھی بنا ڈالا ہے، جس کو بوفرٹ اسکیل (BEAUFORT SCALE) کہتے ہیں۔ جہاز رانی میں میری رفتار بہت اہمیت رکھتی ہے اور عام زندگی میں بھی میری رفتار سے واقفیت کارآمد ہوتی ہے۔ میری رفتار کا پیمانہ مندرجہ ذیل ہے:۔

قوت	رفتار میل فی گھنٹا	نام	اثرات
۰ (صفر) نمبر	صفر۔ ۱	تھمی ہوئی ہوا۔	دھواں ہوا میں سیدھا اُٹھتا ہے
۱ نمبر	۱ ۔ ۳	ہلکی ہوا	دھواں اِدھر اُدھر اُٹھتا ہے۔
۲ نمبر	۴ ۔ ۷	دھیمی ہوا	درختوں کے پتّے ہلتے ہیں۔
۳ نمبر	۸ ۔ ۱۲	سرسراتی ہوئی ہوا	پتّے اور چھوٹی ٹہنیاں ہلتی ہیں۔
۴ نمبر	۱۳ ۔ ۱۸	درمیانی قوت کی ہوا	چھوٹی شاخیں جھومتی ہیں۔
۵ نمبر	۱۹ ۔ ۲۴	تازہ ہوا	چھوٹے درخت جھومنے لگتے ہیں۔
۶ نمبر	۲۵ ۔ ۳۱	تُند ہوا	بڑی بڑی شاخیں جھومنے لگتی ہیں۔
۷ نمبر	۳۲ ۔ ۳۸	ہلکی آندھی	پورے پورے درخت ہلنے لگتے ہیں۔
۸ نمبر	۳۹ ۔ ۴۶	جھکّڑ	ٹہنیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔
۹ نمبر	۴۷ ۔ ۵۴	تیز آندھی	بڑی شاخیں ٹوٹنے لگتی ہیں۔
۱۰ نمبر	۵۵ ۔ ۶۳	بڑی آندھی	درخت ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔
۱۱ نمبر	۶۴ ۔ ۷۵	طوفانی آندھی	تباہی مچ جاتی ہے۔
۱۲ نمبر	۷۵ سے زیادہ	ہری کین،	قیامت خیز تباہی۔

منزل

مصطفےٰ چاند

نسلی امتیازات پر لکھا جانے والا سلسلہ وار ناول

سمندری ایڈونچر پڑھنے والوں کے لیے

قسط نمبر ۲

اینڈریا دروازہ بند کر کے جوں ہی پلٹی، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے پیچھے ایک "سفید فام" ہاتھ میں ننھا سا چمک دار پستول لیے اس کا منتظر تھا۔

"تم اتنے آرام سے یہاں سے جا نہیں سکتیں۔" سفید فام نے سیاہ پستول اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔ "جن دروازوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بند کیا ہے انھیں تمہارے ہی ہاتھ کھولیں گے۔"

اینڈریا لوسن نے اس کے لہجے کی سختی ایک ایک لفظ پر محسوس کی۔ اس کی نگاہیں پستول کے دہانے پر تھیں جس کا رخ عین اس کے سینے کی جانب تھا۔

"میں ان کھلونوں سے دہل جانے والی نہیں۔" اینڈریا لوسن نے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

"جسے تم کھلونا کہہ رہی ہو وہ تمہاری اس گڑیا جیسی جان کو نگلنے کا حوصلہ رکھتا ہے "۔ سفید فام نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ " آرام سے دروازہ کھول دو۔ ورنہ مجھے صرف ٹرائیگر دبانے کی زحمت ہوگی اور بس! " اسی لمحے پستول کی نال اس کی دائیں کنپٹی پر آکر ٹھہر گئی۔ اینڈریا لوسن نے اس بات کو محسوس کیا کہ سفید فام جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کر گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے۔ پستول کی سرد نال اس کی رگ و پے میں خوف کی لہر بن کر سرایت کر گئی۔ اینڈریا لوسن نے بالکل مشینی انداز میں گھوم کر کیبن کا بھاری دروازہ کھول دیا۔ دوسرا سفید فام تیزی سے باہر نکلا اسی وقت ایک نے پوری قوت کے ساتھ اینڈریا لوسن کو اندر دھکا دے دیا۔ اینڈریا لڑکھڑاتی ہوئی میز کے کونے سے ٹکرائی۔ دونوں سفید فام اب اندر آکر دروازہ بند کر چکے تھے۔

"جو اپنی کھال سے باہر آنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے لیے کھال بھی تنگ ہو جاتی ہے خاتون! " سفید فام نے منہ سے کف اڑاتے ہوئے کہا۔

"اس دن قسمت نے تمہارا ساتھ دے دیا، لیکن آج نہیں۔ " دوسرے نے اینڈریا کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

" تم باہر دیکھو، کیا لوگ اب تک کھانا کھا رہے ہیں؟ " پستول والے نے دوسرے سفید فام کو مخاطب کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ باہر کا چکر لگا کر واپس آ چکا تھا۔

" ہاں الفریڈ! لوگ کھانے میں مصروف ہیں۔ "

" ٹھیک ہے "۔ یہ کہتے ہی اس نے جیب سے کوئی بھاری شے نکال کر اینڈریا لوسن کے سر پر قوت سے ضرب لگائی۔ اینڈریا لوسن ایک لمحے کو ساکت کھڑی رہی پھر بے جان ہو کر فرش پر گر پڑی۔ اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اینڈریا لوسن کو اپنے کندھوں پر بوری کی طرح اٹھائے انجن روم کی طرف اتر گئے۔

× ×

کپتان رائٹ بارڈ کا حکم سنتے ہی سب دنگ رہ گئے۔ جن لوگوں نے انگلیوں میں لقمے تھام رکھے تھے انہوں نے ہاتھوں کو یوں جھٹکا جیسے ان کے ہاتھ میں زہریلے سانپ آ گئے ہوں۔

کپتان رائٹ بارڈ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر وہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔ " یہ تمام کھانا سمندر میں پھینک دو۔ " حکم ملتے ہی دونوں کک کھانے کے بڑے بڑے پتیلے اٹھائے دائیں جانب نکل گئے اور تمام کھانا سمندر کے حوالے کر دیا۔ میس میں آئے ہوئے تمام لوگ بھی ان کے پیچھے اٹھ آئے تھے۔ سمندر کی بل کھاتی لہروں پر روٹیاں اور سالن تیرنے لگا۔ آناً فاناً ہی سمندری پرندے کھانے پر جھپٹ پڑے، لیکن اس وقت تمام لوگوں کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں جب سمندری پرندے تڑپ تڑپ کر جان دینے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہاں ایک بھی پرندہ زندہ نہ بچا تھا۔ جہاز اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا اور یہ منظر دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"اگر یہ کھانا ہم کھا لیتے تو ... ؟ " ہجوم میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔

"اف خدایا!" کئی بوڑھے خوف کے مارے کانپ گئے۔
کپتان رائٹ ہارڈ نے اسی وقت ایک کک کی گردن دبوچ لی۔ "یہ ہے آپ کا مجرم۔"
"کیا..... ؟" کئی چیخیں حیرانی میں ڈوبی ہوئی ابھریں۔
"نہیں سر! میں..... نہیں..... میں..... تو..... " کک پریشان ہو کر ہکلانے لگا۔
"میں نے تمہیں خود دیکھا ہے اور میری آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھاتیں مسٹر!" کپتان رائٹ ہارڈ دہاڑا۔
"مگر سر!..... آپ..... میری..... بات!" کک نے خوف میں ڈوبی آواز میں کہا۔
"میں تمہاری ہر بات سنوں گا مگر یہاں نہیں' وہاں' جہاں میں بھی تم سے بہت سی باتیں کر سکوں' آؤ میرے ساتھ.....!" کپتان رائٹ ہارڈ یہ کہتے ہی کک کو اپنے پستول کی زد پر رکھتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا لیکن اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ واپس اوپر آیا اور لوگوں سے مخاطب ہوا۔ "میرے خیال میں آپ لوگوں کو بہت بھوک لگ رہی ہوگی۔ پہلے اگر تازہ کھانا بنا لیا جائے تو میں سمجھتا ہوں یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ کیوں ؟"
"ہاں بالکل.....! لیکن اپنی نگرانی میں..... " ۔ ایک چینی بوڑھے نے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے کہا۔
"ضرور.....!" کپتان دھیرے سے مسکرایا اور کک کو لے کر دوبارہ کچن میں داخل ہو گیا۔ تقریباً پچپن منٹ میں کھانا دوبارہ تیار ہو چکا تھا۔
جس وقت کھانا میزوں پر لگایا گیا تو لوگ ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھ رہے تھے شاید انہیں اب بھی کھانے سے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اسی وقت کپتان باری باری تمام میزوں کی جانب بڑھا اور ایک ایک لقمہ اٹھا کر کھانے لگا۔ "شاید آپ لوگ خوف زدہ ہیں لیکن اب ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کھانا نہ صرف میں نے اپنی نگرانی میں بنوایا ہے بلکہ تجربے کے طور پر بھی میں ہی اسے چکھ رہا ہوں"
رائٹ ہارڈ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ لوگ جو سہمے ہوئے بیٹھے تھے ایک بار پھر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ اسی اثنا میں رائٹ ہارڈ کک کو لیے ایک سیڑھی سے نیچے اتر گیا۔

x x

الفریڈ نے کندھے پر پڑی بے ہوش ایڈریالوسن کو پال کے بستر پر یوں پٹخا جیسے وہ روئی کی گٹھری ہو۔
"ارے! یہ کیا..... ؟ پال خوف سے اچھل پڑا"۔
"وہی چوہیا جو میری قید سے بھاگ نکلی تھی"۔ چیمبر نے قہقہہ لگا کر چھرے نے پیروں والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"لیکن اب ہمیں اس کو طویل سفر پر بھیجنے کے لیے قطعی دیر نہیں کرنا چاہیے"۔
ہاں پھر کہیں واقعات پلٹ جائیں اور..... !" پال نے خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"یوں بھی گوروف کی لاش پھینکتے ہوئے کپتان نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی ورنہ آج ہم سب بے نقاب ہو چکے ہوتے"۔ الفریڈ نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے کہا۔
اسی وقت ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ "سر! سائمن کو کپتان نے کھانے میں زہر ملاتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ نیچے اپنے کمرے میں اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہے"۔

تلافی

مرسلہ
نگہت اکبر

ایک شخص کی کار کی زد میں ایک خاتون کی بلی آکر مر گئی۔ اس نے اس خاتون سے معذرت کرنا اپنا اخلاقی فریضہ جانا اور اس خاتون کے گھر جاکر کہنے لگا۔ "خاتون! میری کار کی زد میں آکر آپ کی بلی کچلی گئی ہے۔ اس نقصان کی تلافی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"
"اچھا!" خاتون نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا آپ چوہے پکڑ سکتے ہیں؟"

"اف!" پال دل تھام کر بیٹھ گیا۔ "اب ہمیں بے نقاب ہونے میں کوئی دیر نہیں لگے گی"۔

"کیا مطلب......؟" الفریڈ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ......!" پال نے پہلے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر دوبارہ بولا۔ "سائمن ایک ڈرپوک انسان ہے پستول کی خالی نال بھی اس سے بہت کچھ اگلوا دے گی۔ تم لوگ اگر اسے موت سے ہمکنار نہ کر سکے تو یقیناً وہ ہمیں موت کے قریب کر دے گا"۔

"لیکن ابھی تو ....!" جیمبر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"مگر اس کا کیا کریں......؟" الفریڈ نے بے ہوش اینڈریالوسن کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اس وقت اتنی اہم نہیں ہے جتنا اہم سائمن کا مرنا"۔ پال نے سخت لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" جیمبر نے ماتھے پر پریشانی سے شکنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اگر ممکن نہیں ہے تو ممکن بنانا پڑے گا۔ شاید تم لوگ اس واقع کو بہت معمولی سمجھ رہے ہو ورنہ یہ ہم سب کی زندگیوں کا سوال ہے"۔ پال نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مگر کیا ہم یہ توقع رکھیں کہ کپتان ہمیں اس سے ملنے کا موقع دے گا؟" الفریڈ نے نیا سوال داغ دیا۔

"الفریڈ! تم سمجھتے کیوں نہیں ہمیں کپتان سے کوئی توقع نہیں رکھنی، جو کچھ کرنا ہے ہمیں خود کرنا ہے"۔ پال نے جھلا کر کہا۔ اسی وقت اینڈریالوسن کسمسائی تینوں اس بات سے بے خبر تھے۔ اینڈریا نے ایک نظر تینوں کے چہروں پر ڈالی اور پھر سے آنکھیں بند کرلیں اب وہ ہوش میں آچکی تھی اور ان تینوں کی باتیں سن رہی تھی۔

"ٹھیک ہے پال!" الفریڈ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میں اس کا بندوبست کرتا ہوں تم سائمن کا صفایا کرو"۔ یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر اینڈریالوسن کو اٹھایا اور پلنگ کے نیچے لڑھکا دیا۔

.... × .... × .... × ....

فیر، گریگ اور کیتھو جب واپس اپنے کمرے میں آئے تو پاپا، ہربرٹ اسپنسر پہلے ہی ان کے منتظر تھے۔

"بیٹا!" پاپا نے فیر کو اپنی گود میں بٹھا کر کہا۔ "آپ نے اینڈریا آنٹی سے اچھی بات نہیں کی"۔

"لیکن پاپا، کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ میں اپنی نفرت کا اظہار کرسکوں"۔ فیر نے ناگواری سے کہا۔ "مجھے ان سفید چہروں سے نفرت ہے، نفرت ہے، نفرت ہے"۔

"لیکن تمہیں اور بھی تو کئی چیزوں سے نفرت ہے اس کا اظہار کیوں نہیں کرتے"۔ گریگ نے غصے سے کہا۔

جواب میں فیر خاموش رہا۔

میں بھی ان چہروں سے نفرت کرتا تھا"۔ کیتھو کہنے لگا۔ "مگر اس سفر نے مجھے کئی تجربے دیے۔ انسان
اپنے اندر سے پہچانا جاتا ہے۔ چہرے صرف ہماری شناخت کے لیے ہوتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ سفید فام ہم سیاہ
فاموں کو حقیر سمجھتے ہیں ہم سے نفرت کرتے ہیں مگر سب لوگ ایسے نہیں ہوتے۔ شاید تمہارے علم میں یہ بات نہ ہو
کہ اینڈریالوسن، ممی کے قاتل کی تلاش میں تمام دن کیبنوں کی کھوج میں لگی رہتی ہیں۔ کیا تم اس کی ذات سے نفرت
کر سکتے ہو جو تمہاری ممی سے محبت کرتی ہو"۔

کیتھو کی بات پر فیر ایک دم چونکا۔ شاید اسے غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔

"بیٹا!" پاپا نے طویل خاموشی کے بعد کہا۔ "ہم چہروں سے نہیں انسانیت سے پیار کرنے والے ہیں۔
رنگ و نسل کی اس تفریق کو ہم نہیں مانتے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ انسان کیا ہے اور کیسا ہے۔ رنگ بھلا کردار کو تراش
سکتا ہے۔ ہرگز نہیں"۔

فیر اب بھی خاموش رہا۔ "اینڈریالوسن نے تمہاری وجہ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ جاؤ انہیں تلاش کرو۔ ان سے
معافی مانگو اور انہیں کھانا کھانے پر مجبور کرو"۔ گریگ کا لہجہ اب بالکل نرم ہو چکا تھا۔

"سوری پاپا!" فیر یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

x ..... x x

"اے لڑکے!" ایک سفید فام شخص نے فیر کو گھور کے دیکھا۔ "کیا کر رہے ہو ادھر چلو بھاگو یہاں سے .....!"

فیر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اسے یہ اجنبی نہ معلوم کیوں خطرناک محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس
نے پلٹ کر دیکھا۔ کیبن کا دروازہ بند ہو چکا تھا وہ دوبارہ عرشے پر آ گیا۔ اینڈریالوسن اسے باوجود کوشش کے نہ مل
سکی۔ عرشے پر کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد فیر ایک بار پھر نیچے اتر گیا۔ اسے نہ معلوم کیوں وہی اجنبی مشکوک لگا تھا۔
چند قدم چلنے کے بعد وہ دوبارہ اسی دروازے کے سامنے تھا جہاں سے سفید فام اجنبی نے اسے ہٹ جانے کا حکم دیا تھا۔
فیر نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو غیر معمولی حد تک بڑھتے ہوئے محسوس کیا اور چند لمحوں کے تذبذب کے بعد اس نے
دروازے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ دروازہ بغیر آواز کے پیچھے سرک گیا۔ فیر نے اس عمل کے بعد چند لمحے انتظار کیا۔
جب کوئی ردِّ عمل نہ ہوا تو اس نے ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی، اسے کوئی ذی روح
دکھائی نہ دیا۔ فیر نے دھیرے سے اندر قدم رکھا اور لائٹ آن کر دی۔ پورا کمرہ خالی تھا۔ اس کمرے میں اس کے
لیے اب کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اچانک فرش پر پڑے ہوئے سرخ ٹاپس نے اس کو چونکا
دیا۔

"ارے یہ تو.....!" وہ خود ہی بڑبڑایا۔ اینڈریالوسن کے کانوں میں اس نے یہ ٹاپس دیکھے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ اینڈریا یہاں سے آ کر جا چکی ہیں....."۔ اس نے زیرِ لب کہا۔ خطرہ اسے پل پل پھیلتا
ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر باہر نکلنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی نظریں پلنگ کے نیچے جم کر رہ
گئیں۔ اس نے جھک کر پلنگ کے نیچے سے ایک مڑا تڑا کاغذ نکالا اور پڑھنے ہی والا تھا کہ تیز تیز قدموں کی آواز اسے

اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔ فیر نے جلدی سے مڑا ہوا کاغذ جوتے میں چھپالیا۔ ابھی وہ یہاں سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گدّی پکڑلی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو.....؟" کرخت آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جی.....جی.....میں.....تو سیر کرنے نکلا تھا.....راستہ بھول گیا ہوں....." فیر نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔ "بس آپ مجھے یہاں سے نکال دیں۔ میں اپنا کمرہ پہچان لوں گا....." فیر نے دیکھ لیا تھا کہ یہ سفید فام وہ نہیں تھا جس سے وہ چند لمحے پہلے مل چکا تھا۔ "دوبارہ ادھر نہ آنا' ورنہ سمندر میں پھینک دوں گا' سمجھے!" سفید فام نے غصے سے کہا اور اسے کمرے سے باہر نکال کر اوپر جانے کا راستہ بتا دیا۔

فیر جیسے ہی اوپر آیا' اس کی جان میں جان آگئی۔ اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کیبن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں تھا اس وقت دوپہر ڈھل رہی تھی مگر اس کے کیبن کے تمام لوگ سو رہے تھے۔ فیر نے اطمینان سے دروازہ بند کیا اور مڑا تڑا کاغذ جوتے سے نکال کر پڑھنے لگا۔

"میں اس وقت ان دو سفید فاموں کی قید میں ہوں جو ریڈر روم کے برابر والے کیبن میں ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں بھی اسی حادثے سے دوچار ہونے والی ہوں جس سے بوڑھا ہیرو' فیری کالف اور دیگر لوگ دوچار ہو چکے ہیں۔ مجھے موت کا اتنا خوف نہیں مگر کیا باقی لوگ بھی اسی ظلم کا شکار ہوتے رہیں گے۔ دونوں اجنبی مجھے نامعلوم مقام کی طرف لے جانے والے ہیں۔ میرا نیا سفر شروع ہونے ہی والا ہے' وہ سفر جس کی منزل موت ہے' بھیانک اور خوف ناک موت!"

فقط

ایجنز یالوسن

خط پڑھ کر فیر کا پورا وجود کانپ اٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے! بس اب یہی ایک صورت بچی تھی کہ وہ کیتھو اور گریگ کو بیدار کر کے تمام حالات سے باخبر کرے۔ فیر نے جوں ہی کیتھو کے اوپر سے چادر کھینچی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ کیتھو کی چادر سے دو تکیے لڑھک کر نیچے جا گرے۔ یہی حال گریگ کے بستر پر بھی تھا۔ دونوں اپنے کمروں سے غائب تھے۔

سائمن نے خوف زدہ سی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ لمحہ بھر پہلے ہی کپتان رانٹ مارڈا اسے اس نیم تاریک کمرے میں چھوڑ کر خود نہ معلوم کہاں چلا گیا تھا۔

کپتان کے جاتے ہی سائمن نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کمرے میں مدھم سے بلب نے تھوڑی سی روشنی کر

نھنے منے بچوں
کے
لیے
دلچسپ
اور
باتصویر کہانیاں
چاند کی بیٹی
4/50
شیر اور بکری
بھیڑیے کا گانا
6/-
چالاک بلی
6/-
کوے کا خواب
6/50
دم کٹی لومڑی
6/-
مکتبہ پیام تعلیم کی ایک نہایت دلچسپ کتاب
حاجی بغلول
صاحب طرز ادیب جناب ظ انصاری کے قلم سے
چلے تھے حج کرنے، راستے میں اٹک گئے۔ آدمی خوش مزاج تھے ہنسنے بولنے میں دن کاٹ دیے اور خود کو حاجی بغلول (بمبئی تک کے حاجی) کہلاتے، دھوم مچاتے واپس آئے۔ بڑے میاں نے کیا کیا بچکانہ حرکتیں کیں، کیا گلچھرے اڑائے، کیسے کیسے خاکے اڑائے۔ یہ تو حاجی بغلول کی ڈائری پڑھنے سے معلوم ہوگا۔
قیمت: 6/50
مکتبہ پیام تعلیم، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
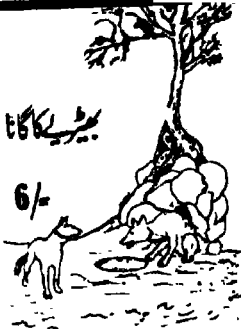
رکھی تھی۔ اسی روشنی نے کمرے کی تقریباً ہر شے کو عیاں کر دیا تھا۔ سائمن نے اسپرنگ کا نرم بستر چھوڑتے ہی' پہلے دروازے کو دھکیلا' لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس احساس نے سائمن کے ڈولتے ہوئے حواسوں کو مزید ہلا کر رکھ دیا۔ اس کی سماعتوں میں کپتان کا کھردرا لہجہ گونجنے لگا۔

" سائمن ! جس موت کو تم نے اتنے بہت سے لوگوں کے لیے منتخب کیا' کیا یہ عجب نہیں ہو گا کہ اسے صرف تمہارا اپنا وجود پسند آ جائے"۔

"اف مقدس خدا!" سائمن خوف سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ "میں..... میں..... کپتان کو سب کچھ بتا دوں گا..... سب کچھ!" موت کے بھیانک احساس نے اس کے اندر کے سچ کو زبان کے راستے اگلنے کا موقع دے دیا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو نہ پا سکا۔

اسی وقت سیڑھیوں سے اترتے ہوئے قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ سائمن کو ہر قدم کا بوجھ اپنے سینے پر محسوس ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن لحہ بہ لحہ بڑھتی چلی گئی۔ سائمن تھک کر دوبارہ نرم بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور لوہے کا دروازہ اندر کی طرف کھل گیا۔ سائمن دم سادھے پڑا رہا۔ اسی وقت دو پانژ بالترتیب اندر داخل ہوئے۔ سائمن نے اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے قدموں کو گھورا۔ اچانک ہی وہ اٹھ بیٹھا۔ یہ وہ پیر نہیں تھے جن کا اسے انتظار تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس کے مردہ چہرے پر زندگی کی تمام رونقیں لوٹ آئیں۔

"شاید موت ایک بار پھر راستہ بھول چکی ہے....." وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اس کے سامنے کپتان رائٹ ہارڈ کی جگہ کیتھو کا معصوم چہرہ حیرانی سے لوہے کی بھاری دیوار سے ٹکا ہوا تھا۔

" تھینک یو ڈیئر.....!" سائمن یہ کہتے ہی تیزی سے نکل گیا۔ کیتھو کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اس نے تھک کر دروازہ دوبارہ بند کیا اور ایک سمت نکل گیا۔

گرینگ کافی دیر تک ایک تنگ سی راہداری میں کھڑا کیتھو کا انتظار کرتا رہا مگر جب کیتھو واپس نہ آیا تو وہ خود بھی اس راستے پر ہو لیا جس پر تھوڑی ہی دیر پہلے کیتھو روانہ ہوا تھا۔

چند قدم چلنے کے بعد گرینگ دائیں جانب مڑا ہی تھا کہ کوئی شخص تیزی سے اس سے ٹکراتا ہوا نکل گیا۔

"ارے یہ کون ہے.....؟" گرینگ آپ ہی بڑبڑایا۔ اندھیرے کے باعث گو وہ ٹکرانے والے شخص کو صحیح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے قد' کاٹھ اور جسامت نے گرینگ کے ذہن میں آشنائی کا احساس بیدار کر دیا تھا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے.....؟" اس نے رکتے ہی سوچا اور اگلے ہی لمحے اس نے فیصلہ کر لیا۔ گرینگ تیزی سے مڑا اور اجنبی کے پیچھے چل دیا جس وقت علیہ دائیں جانب کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا اس وقت گرینگ نے اپنے قدم روک لیے تھے۔ جوں ہی سایہ آخری سیڑھی پر پہنچا گرینگ بھی دبے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

تعاقب بدستور جاری تھا۔ اجنبی نے ایک لمحے کے لیے بھی پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے

جلد از جلد کسی محفوظ مقام کی تلاش ہو۔

اگلے موڑ پر جوں ہی سایہ غائب ہوا۔ گریگ نے بھی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ قدم موڑ لیے۔ اسی لمحے کسی نے اس کی گدی پکڑلی۔ گریگ کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔

فیر نے احتیاط سے خط کو دوبارہ اپنے موزے میں رکھا اور دونوں تکیوں کو پھر سے چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کام سے فراغت کے بعد اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ پوری آہنی راہداری پر سناٹا برس رہا تھا اور دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

" کیتھو اور گریگ آخر کہاں گئے...... ؟ " اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

چند لمحوں تک وہ خاموش کھڑا رہا۔ آخری بار اس نے کمرے کی ایک ایک چیز پر نظر دوڑائی اور پھر دبے قدموں باہر نکل گیا۔ اس کا رخ انجن روم کی طرف تھا۔ اسے یقین تھا کہ کیتھو اور گریگ اسی طرف نکلے ہوں گے۔

چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک دروازے سے اندر داخل ہوا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ اسی وقت ایک سایے کو اس نے بائیں جانب چلتے ہوئے دیکھا۔ فیر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

یہ کون ہو سکتا ہے...... ؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا مگر وہ بر وقت کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ بس اس نے سیڑھیوں سے اترتے ہی سایے کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

سایے نے اپنے پیچھے کسی کو آتے دیکھا تو اس کے قدموں کی رفتار خاصی حد تک بڑھ گئی۔ فیر نے سایے کو خوف زدہ دیکھا تو اس کا بھی حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔

پندرہ منٹ تک یہی کھیل جاری رہا۔ بالآخر سایہ تھک گیا۔ شاید آگے جانے والا راستہ بند ہو چکا تھا جب ہی وہ دیوار سے لگ کر ہانپنے لگا۔

" تم نے مجھے خاصا پریشان کیا اجنبی...... ! " فیر نے بھرپور جرات سے کہا۔

" اسی وقت سایہ سیدھا کھڑا ہو کر فیر کو گھورنے لگا۔ " فیر...... ! "

فیر بھی اپنا نام سن کر چونک گیا۔

" کیتھو تم...... ؟ " دونوں نے آگے بڑھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا۔

" ہاں...... میں...... مگر تم یہاں کہاں ؟ " کیتھو نے قدرے دھیمے مگر حیران لہجے میں سوال کیا۔

" میں اینڈریا آنٹی کی تلاش میں نکلا تھا مگر وہ ملی ہی نہیں۔ تب میں واپس اپنے کمرے میں گیا مگر وہاں تم دونوں بھی نہیں تھے " ۔

" ہاں...... ! " کیتھو کہنے لگا۔ " دراصل اینڈریا لوسن خاصی دیر تک نہیں آئیں تو ہم پریشان ہو گئے۔ میں اور گریگ ان کو مختلف کیبنوں میں تلاش کرتے رہے پھر ہم الگ الگ سمتوں میں گئے۔ بس اسی میں گریگ مجھ سے الگ ہو گیا۔ پھر یوں تم سے اچانک...... ! "

کیتھو نے اپنا جملہ وہیں روک لیا۔ دور کہیں قدموں اور گفتگو کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ آوازیں جوں ہی دور ہوئی۔ کیتھو اپنا جملہ مکمل کرنے لگا مگر فیر نے اس کی گفتگو کی کوئی پروا نہیں کی۔ وہ تیزی سے جھکا موزے سے خط نکال رہا تھا۔

"یہ کیا ہے......؟" مڑے تڑے کاغذ کو دیکھ کر کیتھو پریشان سا ہو گیا۔

"یہ بھی ایک کمرے سے ملا تھا۔ اسی کمرے سے مجھے اینڈریا آنٹی کا یہ سرخ ٹاپس بھی ملا تھا"۔ فیر نے جلدی جلدی دونوں چیزوں کی تفصیلات بتائیں۔

"ارے......!" کیتھو خط پڑھ کر یوں اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ اس نے خط کی سطور پر کئی بار نظر دوڑائی۔

"فیر! اینڈریا لوسن کی جان خطرے میں ہے......" کیتھو نے پریشانی سے کہا۔

"ہاں! یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں، مگر انھیں کہاں تلاش کیا جائے جب کہ میں نے تقریباً تمام ہی کیبن دیکھ لئے ہیں"۔ فیر نے دھیمے لہجے میں بات کی۔

جواب میں کیتھو خاموش رہا۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔ آنے والا ایک ایک پل اسے خطرے میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"فیر......!" کیتھو نے طویل خاموشی کے بعد کہا۔ رات اب خاصی ہو چکی ہے اب تم جاؤ اور جا کر سو جاؤ۔ میں اینڈریا لوسن کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

"نہیں، کیتھو! مجھے اکیلے نیند نہیں آئے گی میں بھی تمھارے ساتھ ہوں"۔ فیر نے دبے انداز میں ضد کی۔

"جیسی تمھاری مرضی"۔ کیتھو نے بھی مزید اصرار ضروری نہیں سمجھا۔

"اچھا اب کیا، کیا جائے؟ فیر نے پریشانی سے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں سب سے پہلے یہ خط کپتان رائٹ ہارڈ تک پہنچانا چاہیے"۔ کیتھو نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں......! یہ مناسب رہے گا" ۔ فیر نے اس کی تائید کی۔
"ٹھہر آؤ......!" کیتھو منیر کا ہاتھ تھام کر تیزی سے تھکے اداری کو عبور کرنے لگا۔

سٹے گنگ جیفن روڈل نے "فریج روم" کا بھاری دروازہ اندر دھکیلا۔ صبح کے لیے نیر اور دیگر اشیاء کی طلب تھی۔ اس سے پہلے جب سائمن کچن کا انچارج تھا تو اسے کبھی کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس سفر کے دوران پہلی مرتبہ اسے "فریج روم" کھولنے کا موقع ملا تھا۔ سائمن نے اسے بتا دیا تھا کہ سفر اختتام کے قریب ہے اور غذا ابھی ختم ہونے کو ہے لہٰذا اب ذرا ہاتھ کھینچ کر خرچ کرنا پڑے گا' مگر اندر داخل ہو کر اس نے فریج روم کا ٹمپریچر کم کرنے کے بعد سوچا۔ ابھی تو اتنی خوراک موجود ہے کہ مہینا بھی گزر سکتا ہے۔ ایک جانب سبزیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ دوسری طرف مچھلیوں کے اکڑے ہوئے وجود پڑے تھے جن پر پانی کے پگھلنے والے قطرے وہیں پر جم چکے تھے۔ اسی طرح دائیں جانب گوشت کا انبار لگا ہوا تھا۔

جیفن روڈل نے مطلوبہ مقدار میں گوشت نکالنے کے بعد جوں ہی ہاتھ کھینچا' اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ اس کی نگاہوں کے عین سامنے کتھئی رنگ کی بوری میں کوئی انسانی وجود بند حا پڑا تھا۔

"اف......!" جیفن روڈل چیخ مار کر گرا اور ٹھنڈے فرش پر بے ہوش ہو گیا۔ "فریج روم" کھلا ہوا تھا اور گیس نکل کر اطراف کے ماحول کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔

کپتان رائٹ ہارڈ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا نچلے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ جلد از جلد کمرے میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے عجلت میں پڑتے قدم بعض اوقات لڑکھڑا جاتے مگر وہ جلد ہی خود کو متوازن کر لیتا۔

تقریباً تین منٹ کے بعد وہ ڈیک سے اپنے مطلوبہ کمرے کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل نیچے کی جانب دبا کر جوں ہی دروازہ دھکیلا...... اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سائمن کمرے سے غائب تھا۔

کپتان رائٹ ہارڈ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ جاتے ہوئے وہ دروازے کو تالا لگانا بھول گیا تھا۔ یوں بھی بغیر اجازت اس کے کمرے میں کوئی بھی جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا لیکن اب تو بازی پلٹ چکی تھی۔ اس کا مجرم اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

"تم جن قدموں سے گئے ہو سائمن! ان ہی قدموں سے اس کمرے میں آؤ گے" ۔ کپتان نے کرخت لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

گریگ نے سر اٹھا کر دیکھا اس کے سامنے سایا کھڑا تھا سائمن کا سایا!
"بہت دیر سے میرے پیچھے تھے"...... "سائمن نے کھردرے لہجے میں کہا۔
"نن...... نن نہیں تو...... میں...... تو...... اپنے بھائی...... کو......" گریگ کا جملہ مکمل نہیں ہوا۔ سائمن نے اپنا ،

دنیا کی سب سے لمبی سُرنگ ۸۵ میل لمبی ہے، مگر اس کو آمد و رفت کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ دراصل پانی کی سرنگ ہے جو امریکہ کے شہر نیویارک میں ہے۔

الٹا ہاتھ پوری قوت سے گریگ کے جبڑوں پر مارا
"بکواس کرتا ہے!"
سائمن منہ سے کف اڑانے لگا۔ گریگ کو یوں لگا جیسے کوئی آہنی دیوار اس کے جبڑوں کو ہلا گئی ہو اس نے ہونٹ سے رستے ہوئے خون کو پہلے چوسا اور پھر تھوک دیا۔ لہو کے نمکین ذائقے نے اس کے منہ کو کڑوا کر دیا تھا۔
"بول کالے انسان! کیوں تھا میرے پیچھے......؟" سائمن نے نفرت سے اس کی گردن کو اپنے مضبوط ہاتھوں کے شکنجے میں کس لیا۔
"کھی...... کھی...... آ...... کھوں......!" گریگ کا سانس پھیپھڑوں میں اٹکنے لگا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر آنے لگیں۔
"سیاہ بندر...... کالے کتے' میں تجھ سے تیرا اگلا سانس چھین کر اس دنیا کو مزید غلیظ ہونے سے یقیناً بچالوں گا......" یہ کہتے ہی سائمن نے ہاتھوں کا آہنی شکنجوں کو کسنا شروع کر دیا۔
"لیکن میں تمہارے پاپی وجود کو بھی زندگی کی صفوں سے خارج کر دوں گا سائمن!"
آواز سنتے ہی سائمن کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اسی کے سامنے کپتان رائٹ ہارڈ ہاتھ میں ننھا سیاہ پستول لیے اس کو گھور رہا تھا۔ سائمن کی گریگ کے وجود پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے مضبوط ہاتھ پہلے یوں ڈھلکے جیسے ان سے تمام طاقت نکال لی گئی ہو لیکن اگلے ہی لمحے اس کے دونوں ہاتھ سر سے بھی بلند ہو گئے۔ "آؤ سائمن!" کپتان رائٹ ہارڈ نے سائمن کو آگے کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں کہ زندگیاں' چھیننے اور بانٹنے والے نے تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے......"
سائمن خاموشی سے آگے چلنے لگا۔ "ہاں ڈیئر! تم کیسے ہو؟" کپتان رائٹ ہارڈ نے رک کر گریگ کے گال تھپتھپائے۔
"میں! اب تو یقیناً ٹھیک ہوں سر!" گریگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اب تم آرام کرو' تم سے صبح بات ہو گی"۔ یہ کہتے ہی کپتان سائمن کو لیے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔
"سر! آپ یقین کریں وہ وہاں نہیں تھا' جب کہ کپتان بھی ڈیک پر تھا"۔ ملازم نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ کپتان' سائمن کو کہیں اور لے گیا ہو"۔ جیمبر نے نیا خیال ظاہر کیا۔
"اوہ......!' پال چونک کر رہ گیا۔ "تم نے یہ نکتہ بالکل درست اٹھایا ہے"۔
"کیونکہ کپتان خاصا محتاط آدمی ہے"۔ الفریڈ نے بھی گفتگو میں حصہ لینا ضروری سمجھا۔
"پھر مجھے دیر نہیں کرنا چاہیے۔ سائمن ایک ہی جھٹکے میں وہ سب کچھ اگل دے گا' جو ہم برسوں سے اس کے

اندر بھر رہے ہیں۔ لمحے بھر کی بھی دیر ہم سب کو طوم سے محروم بنا دے گی۔" پال جلدی جلدی تیار ہوتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... اگر تیار ہو کر جانا۔ سائمن کی موت اتنی ہی ضروری ہے جتنی ہماری زندگی"۔ جمیبر نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں"۔ پال ریوالور لوڈ کرتے ہوئے بولا۔ "میں اس کے علاوہ "خاموش موت" بھی ہمراہ رکھتا ہوں"۔

"خاموش موت"؟ الفریڈ نے چونکتے ہوئے کہا۔ پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ اچھا اچھا......!"

پال نے مزید نہ کچھ کہا نہ سنا بس تیزی سے باہر نکل گیا۔

"ہاں سائمن اب یہاں بیٹھ جاؤ!" کپتان رائٹ ہارڈ نے اسے عرشے کے سامنے ہی ایک تختے پر بیٹھنے کا حکم دیا۔

سائمن خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"مجھے ایک ایک بات کا سراغ چاہیے"۔ تم نے جہاں الفاظ کی ہیر پھیر کی یا کچھ چھپانے کی کوشش کی میں اسی وقت ٹرائیگر پر دباؤ بڑھا دوں گا۔ تم جانتے ہو یہ بے جان ہتھیار کسی پر چلنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ میری کنپٹی کو بھی اسی تکلیف سے اڑائیں گے جتنی کہ تمہاری، اور جن چیزوں کو کسی کی شناخت نہ ہو ان سے بہرحال ہر سمجھدار انسان کو ڈرنا چاہیے"۔

سائمن کو کپتان کا ایک ایک لفظ پتھر کا لگا۔

"کیا مجھے یہ امید رکھنا چاہیے کہ تمام حقیقتوں کو افشا کرنے کے بعد میں موت سے بچ جاؤں گا"۔ سائمن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ پستول نے اس کو زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یقیناً!" کپتان نے ایک ہی لفظ سے اس کی تسلی کر دی۔ "اچھا میں سوال کرتا ہوں۔ کیا سفر میں پیش آنے والے تمام حادثے ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں؟"

"ہاں......!" سائمن نے جلدی سے کہا۔

"کھانے میں زہر ملانے کا خیال کس نے پیش کیا تھا......؟" کپتان نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کھانے میں زہر، جے...... جے......" وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں اور وہ تختے پر سے کسی بے جان چیز کی طرح گرا اور ٹھنڈا پڑ گیا۔

سائمن اچانک کیسے مر گیا؟

کیا زہر کا راز 'راز' ہی رہا؟

کیا اینڈر یالوسن کا سراغ مل سکا؟

ان تمام باتوں کے جواب آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

■ سیاح: (ایک آدمی سے) یہاں کی آب و ہوا کیسی ہے؟

آدمی: آپ میری صحت سے اندازہ لگائیں پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو چل پھر نہیں سکتا تھا۔ لوگ مجھے گود میں لے چلتے تھے اور تکیے کے سہارے بٹھاتے تھے۔

سیاح: "یہ کتنے عرصے پہلے کی بات ہے؟"

آدمی: جب میں دو ماہ کا تھا۔

مرسلہ: فصیحہ جبیں

■ ایک کنوارے نے شادی شدہ دوست سے پوچھا، "تنہائی کی زندگی اور شادی شدہ زندگی میں کیا فرق ہے؟"

اس نے جواب دیا، "تنہائی کی زندگی میں تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور شادی شدہ زندگی میں بیوی!"

مرسلہ: سیف الاسلام

■ ایک مقامی بلیڈ کمپنی نے اپنے تیار کردہ بلیڈوں کی تشہیر کے لیے اخبارات میں کچھ یوں اشتہار دیا:

اس ماہ شہر میں جتنے بھی جیب کترے پکڑے گئے ان سب کے پاس سے ہماری کمپنی ہی کے تیار کردہ بلیڈ برآمد ہوئے۔ اس سے ہمارے تیار کردہ بلیڈوں کی اہمیت، مقبولیت اور کارکردگی کا اندازہ آپ بہ خوبی لگا سکتے ہیں۔

■ امی جان: (ناراض ہو کر) مرتضیٰ، تم تینوں آم کھا گئے حالانکہ میں نے ایک آم کھانے کو کہا تھا۔

مرتضیٰ: مگر امی، آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کون سا کھانا ہے۔ اس وجہ سے میں تینوں کھا گیا کہ آخر ان تینوں میں سے کوئی ایک تو میرا ہو گا۔

مرسلہ: مظفر احمد، حیدرآباد

■ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے پوچھا، "تمھارا نام کیا ہے؟"

پہلا: گگ.... گگ... گگ.... گھسیٹا۔

اب پہلے آدمی نے دوسرے سے پوچھا، "اور تمھارا نام کیا ہے؟"

دوسرا بولا، "گگ، گگ گھسیٹا، مگر اتنا نہیں گھسیٹا جتنا تم نے گھسیٹا۔"

مرسلہ: نامعلوم

■ ایک جنازہ جا رہا تھا۔ جنازے کے ساتھ ایک آدمی

کتّے کی زنجیر پکڑے ہوئے چل رہا تھا اور اس کے پیچھے آدمیوں کی ایک طویل قطار تھی۔ ایک صاحب نے جب یہ دیکھا تو کتّے والے صاحب سے پوچھا، "یہ کس کا جنازہ ہے؟"

انھوں نے جواب دیا، "میری بیوی کا۔" ان صاحب نے پوچھا، "کیا بیمار تھیں؟" کتّے والے صاحب نے کہا، "اس کتّے نے کاٹ لیا تھا۔"

ان صاحب نے فوراً کہا، "کیا آپ یہ کتا مجھے دے سکتے ہیں؟" کتّے والے صاحب نے انھیں بغور دیکھا اور کہا، "لائن میں لگ جاؤ۔"

■ پہلا دوست: اگر دنیا میں پانی نہ ہوتا تو؟

دوسرا دوست: ہم خالص دودھ پیا کرتے۔

مرسلہ: ندیم اقبال، حیدرآباد

■ استاد نے شاگرد سے پوچھا، "تم اتنے بدخط کیوں ہو؟" شاگرد نے کہا، "اس لیے کہ میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا۔"

مرسلہ: نائلہ یاسین آرائیں

■ ایک صاحب کی عادت تھی کہ بات کرنے سے پہلے ہمیشہ زمین پر زور سے لات مارتے تھے۔ ایک بار انھوں نے نوکر کو آواز دی، لیکن نوکر نے ان کی آواز نہیں سنی۔ انھوں نے غصے میں زور سے لات مار کر کہا، "گدھے! سنا نہیں ادھر آ۔"

نوکر ہاتھ جوڑ کر بولا، "جناب! لاتیں آپ چلاتے ہیں اور گدھا مجھے کہتے ہیں۔" مرسلہ: محمد نوشاد رمضان

■ ایک آدمی اپنے دوست سے کئی دنوں بعد ملا اور دوست سے پوچھنے لگا، "کہو بھائی، بال بچوں کا کیا حال ہے؟"

دوست نے جواب دیا، "میرا ایک بیٹا انجینیر، دوسرا ڈاکٹر اور تیسرا وکیل ہے۔"

"خوب، بہت خوب، لیکن تمھارا چوتھا بیٹا بھی تو تھا وہ کیا کرتا ہے؟"

"کیا بتاؤں بھئی، وہ پڑھ لکھ نہیں سکا اور حجام بن گیا۔"

"اچھا۔" اُس آدمی نے کہا، "پھر تم اُسے گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے؟"

"کیسے نکالوں! گھر کا تمام خرچ تو وہی چلاتا ہے۔"

مرسلہ: محمد علی

■ ساجدہ: اس مہینے میں نے لاکھوں روپوں کی بچت کی۔

رفعت: (حیرانی سے) وہ کس طرح؟

ساجدہ: میں نے ایک کار، وی سی آر اور ایک ریفریجریٹر نہیں خریدا۔ مرسلہ: اسما افضل

■ جج: (ملزم سے) مجھے یاد ہے کہ جب میں وکیل تھا تو تم نے مرغی چرائی، جب میں سرکاری وکیل تھا تو تم نے بکری چرائی تھی اور جب کہ میں آج جج ہوں تم نے بھینس چرائی۔ اس کی آخر کیا وجہ ہے؟

ملزم: جس طرح آپ ترقی کر رہے ہیں اسی طرح میں بھی ترقی کر رہا ہوں۔ مرسلہ: محمد علی جہانگیر

■ اخباری رپورٹر: جناب! کیا آپ اس حادثے پر روشنی ڈالیں گے۔

آدمی: تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہو، اگر روشنی ڈالنے کے لیے میرے پاس ٹارچ ہوتی تو میں اس مین ہول میں کیوں گرتا؟

مرسلہ: محمد شبیر ناز، شاہدرہ

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا ایک مقدس فریضہ ہے۔

حکیم محمد سعید

س: سُنا ہے کہ قدیم زمانے کا ایک جانور میگالونکس تھا۔ کیا آپ اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟ آئی۔آر۔قریشی

ج: امریکا کے ایک نائب صدر جیفرسن ۱۷۹۷ء میں فیلاڈلفیا آئے تو اُن کے ساتھ چند مزدور ایک بڑا صندوق اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس صندوق کو جیفرسن صاحب اپنے گھر مانٹی سیلو سے لائے تھے۔ اس صندوق میں کسی جانور کے پنجوں کی بڑی بڑی ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ ہڈیاں جیفرسن صاحب کو ان کے گاؤں کے قریب ایک غار میں ملی تھیں۔ فلاڈلفیا آنے کے دو سال بعد انھوں نے امریکا کی فلسفے کی انجمن سے خطاب کرتے ہوئے یقین دلانا چاہا کہ یہ ہڈیاں ایک بہت بڑے شیر ببر کی ہیں۔ ان کے خیال میں وہ شیر اُس وقت بھی مغربی امریکا کے جنگلوں میں پایا جاتا تھا۔ اس انجمن نے تحقیقات کے بعد ان ہڈیوں کو تاریخ سے پہلے زمانے کے جانور کی ہڈیاں قرار دیا اور اس جانور کا نام میگالونکس جیفرسونی (MEGALONYX JAFFERSONI) رکھا، تاکہ ہڈیاں دریافت کرنے والے یعنی جیفرسن صاحب کا نام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ یہ ایک بالوں والا بہت بڑا جانور تھا۔ تاریخ سے پہلے زمانے کے دوسرے جانوروں کی طرح اب اس کا وجود بھی مٹ گیا ہے۔

س: ہاتھی کے بعد دنیا کا سب سے بڑا جانور کون سا ہے اور کیا ہاتھی کھڑے کھڑے اپنی نیند پوری کر لیتا ہے؟ ملک عاشق حسین

ج: سائنس کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا جانور "وھیل" ہے جو کہنے کو تو مچھلی ہے، لیکن وہ اپنے

بچوں کو اپنا دودھ پلا کر پالتی ہے۔ اُس کی لمبائی ساٹھ فیٹ یا اس سے زیادہ ہوتی ہے اور وزن ٹنوں میں ہوتا ہے۔ شارک مچھلی اُسی کی ایک قسم ہے۔ نیلی شارک انسان کی دشمن ہوتی ہے اور موقع مل جائے تو پورے آدمی کو نگل جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ہاتھی کھڑے کھڑے اپنی نیند پوری کر لیتا ہے۔

س: کاسٹک کیا ہے؟ اس کا کیمیائی نام کیا ہے، اور یہ کس کس کام آتا ہے؟

سیف الرحمٰن

ج: کاسٹک سوڈے کا کیمیائی نام سوڈیم ہائیڈرو او کسائڈ ہے۔ یہ ایک کاٹ دینے والا کیمیائی محلول ہے جو بالعموم صابن بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ صابن میل کاٹتا ہے اور بہت ہی معمولی مقدار میں آنکھوں کے کُکرے جلانے کے کام بھی آتا ہے۔ قالین سازی میں بھی اس سے مدد لی جاتی ہے اور صنعتوں میں بھی یہ کام آتا ہے۔

س: دُم دار ستارہ کس وجہ سے آسمان پر نمودار ہوتا ہے؟

عبداللہ پاشا

ج: دراصل یہ ستارہ نہیں ہوتا بلکہ نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں کی طرح ایک سیارہ ہوتا ہے جو سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ وہ سورج کی روشنی سے ہی چمکتا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس پر کسی قسم کی کوئی آبادی نہیں ہوتی۔ ہماری زمین کے مقابلے میں سورج سے اُس کا فاصلہ کافی زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اُسے سورج کے چاروں طرف ایک بار گردش کرنے میں ہمارے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ لگتا ہے۔ اس گردش کے دوران وہ ایک خاص مدت کے بعد ہماری زمین سے بھی نظر آتا ہے۔ اُس کے پیچھے گیس کی ایک بڑی لمبی دھار ہوتی ہے۔ وہ بھی سورج کی روشنی سے دمک اُٹھتی ہے۔ اس لیے ہم اس گھومنے والے جسم کو دُم دار تارہ کہتے ہیں۔

س: آپ امریکی ایف ۱۶ اور ایف ۱۵ طیارے کے بارے میں کچھ تفصیل بتلائیے۔ ان میں کیا خوبی ہے؟

ذوالفقار علی خاں

ج: ایف ۱۶ اور ایسے ہی دوسرے طیارے اصل میں جنگی طیارے ہیں۔ اُن کی رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ بہت زیادہ بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں۔ ان میں تباہ کُن میزائل موجود ہوتے ہیں

جنہیں وہ میلوں دُور سے کسی بھی نشانے پر ٹھیک پھینک سکتے ہیں۔

س: ٹھنڈے پانی سے نہاتے وقت ہمیں سردی کیوں محسوس ہوتی ہے اور تھوڑی دیر بعد بدن میں گرمی کیوں آجاتی ہے؟
نعمت اللہ بلال

ج: ہمارے جسم کا درجۂ حرارت ۹۸ ڈگری فیرن ہائٹ کے قریب رہتا ہے، جب بھی اس ٹمپریچر سے کم یا زیادہ کی کوئی چیز ہمارے جسم کو لگتی ہے تو ہمیں اُس کا احساس ہوتا ہے۔ نہاتے وقت جب ہماری نیم گرم جلد پر ٹھنڈا پانی پڑتا ہے تو جھرجھری سی آتی ہے اور ہمیں سردی محسوس ہوتی ہے لیکن نہانے کے بعد جب ہم اپنا جسم تولیے سے خشک کرلیتے ہیں اور جسم دوبارہ اپنے اصلی ٹمپریچر پر آجاتا ہے تو خنکی کا احساس ختم ہوجاتا ہے اور ہمیں فرحت محسوس ہوتی ہے۔

س: زمین کا محیط، قطر اور رقبہ کتنا ہے؟
سید زاہد حسین بخاری

ج: زمین کا قطر آٹھ ہزار میل کے قریب اور محیط پچیس ہزار میل کے قریب ہے۔ اب رقبہ خود معلوم کرلیجیے۔

س: خون سُرخ کیوں ہوتا ہے؟

ج: ہمارے خون میں سرخ جسیموں یا خلیوں کی افراط اور بہتات ہوتی ہے۔ اُن کی وجہ سے ہمارا خون سرخ رہتا ہے۔

س: آسمان کا اصل رنگ کون سا ہے؟
حافظ احمد ولی اللہ ارباب

ج: زمین سے جب ہم آسمان پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں نیلا نظر آتا ہے کیوں کہ ہوا میں ہر وقت گرد کے جو ذرات معلق رہتے ہیں سورج کی شعاعیں اُن سے ٹکراتی رہتی ہیں اور اس طرح نیلے رنگ کی جو شعاعیں بکھرتی ہیں وہ زیادہ تر اُوپر کی طرف واپس چلی جاتی ہیں اور یوں ہمیں اپنے سَروں پر نیلی فضا چھائی نظر آتی ہے جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ اگر ہوا نہ ہو تو یہ نیلی چھت بھی نظر نہ آئے اور صبح شام کے خوب صورت آسمانی مناظر بھی دکھائی نہیں دیں۔ چناں چہ جو خلا باز چاند پر پہنچے

انھوں نے اوپر دیکھا تو آسمان سیاہ نظر آیا یعنی سیاہ خلا، کیوں کہ چاند پر ہوا موجود نہیں ہے لہٰذا آسمان کا اپنا کوئی رنگ نہیں۔ آپ جس کرّے پر کھڑے ہو کر اوپر دیکھیں گے وہاں کے مخصوص حالات کے مطابق ہی آپ کو اوپر کی فضا سیاہ یا کسی رنگ کی نظر آئے گی۔

س: حساس کیا ہے اور فوٹو فلم روشنی کے لیے حساس کیوں ضروری ہے؟

رخشندہ ممتاز تبسم

ج: آپ کا سوال واضح نہیں ہے۔ حساس ہر اُس چیز یا فرد کو کہتے ہیں جس میں احساس موجود ہو۔ جو گرد و پیش کے واقعات کو محسوس کر سکے۔ رہا فوٹو فلم کا معاملہ تو آپ نے کبھی بھی فلم کا ٹکڑا تو دیکھا ہو گا۔ اُس پر ایک قسم کا مسالا لگا ہوتا ہے جو چھونے سے محسوس تو نہیں ہوتا، لیکن اُس کی موجودگی ہی اُسے حساس فلم بناتی ہے۔ جب آپ تصویر لیتے ہیں اور کیمرے کا شٹر کھل کر تھوڑی سی روشنی اندر داخل ہونے دیتا ہے تو فلم پر سامنے کی چیز کا عکس پڑتا ہے اور اسی مسالے پر ایک طرح کا نقش مرتب کر دیتا ہے۔ فلم دھونے کے بعد یہ نقش اُبھر آتا ہے اور نگیٹو تیار ہو جاتا ہے۔ فلم روشنی کے لیے حساس ہوتی ہے۔

س: گیلے ہاتھ پر بہ نسبت سوکھے ہاتھ کے کرنٹ جلدی کیوں لگتی ہے؟

سہیل احمد ثاقب

ج: کرنٹ یا برقی رو کسی بھی گیلی یا نم دار چیز میں سے آسانی سے گزر جاتی ہے۔ سوکھی چیز اُس کے لیے حاجز ہوتی ہے یعنی اُس میں سے کرنٹ آسانی سے نہیں گزرتی۔ ہمارا جسم یوں بھی کرنٹ کا اچھا موصل ہوتا ہے، لیکن اگر ہم گیلے ہاتھ سے کرنٹ والی کوئی چیز چھو لیں تو کرنٹ ہمارے ہاتھ اور جسم میں سے ہوتی ہوئی زمین میں اُترنے کی کوشش کرتی ہے اور ہمیں زور کا جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ اگر کرنٹ زیادہ قوی ہو یا پیر ننگے ہوں تو موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

پیامیوں کے لیے خوشخبری

اب ہر ماہ "بچوں کی کوششیں" کے صفحات میں مضمون نگار کا فوٹو بھی شائع ہوتا ہے۔ اپنے مضمون کے ساتھ اپنا پاسپورٹ سائز فوٹو بھی بھیجیے۔
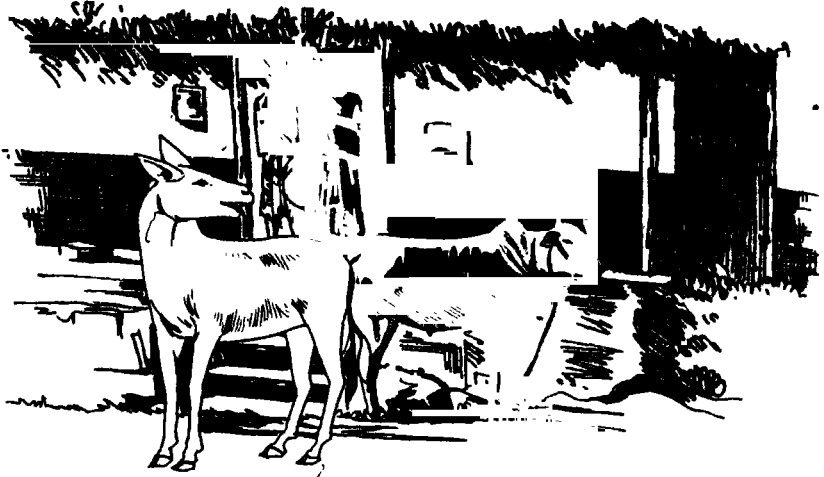
بیل اور گدھا

سید حسین احمد بخاری

کسی زمانے میں ایک گاؤں میں ایک زمیندار رہتا تھا۔ خدا نے اُسے بہت سی زمین اور باغ دیے تھے۔ گائے اور بھینسوں کے علاوہ اس کے پاس ایک اچھی قسم کا بیل اور عربی گدھا تھا۔ بیل سے کھیتوں میں ہل چلانے کا کام لیا جاتا اور گدھے پر سوار ہو کر زمیندار اِدھر اُدھر سیر کو نکل جاتا۔

ایک بار اس کے پاس ایک فقیر آیا۔ زمیندار ایک رحم دل آدمی تھا۔ اس نے فقیر کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کے کھانے پینے اور آرام سے رہنے کا بڑا اچھا انتظام کر دیا۔ دو چار روز بعد جب وہ فقیر وہاں سے جانے لگا تو اس نے زمیندار سے کہا، "چودھری! تم نے جو میری خاطر داری کی ہے میں اُسے کبھی نہ بھولوں گا۔ تم دیکھتے ہو

ہو کہ میں ایک فقیر ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہاری خدمت میں پیش کروں۔ ہاں میں جانوروں اور حیوانوں کی بولیاں سمجھ سکتا ہوں۔ تم چاہو تو یہ علم میں تمہیں سکھا سکتا ہوں لیکن تم کو مجھ سے یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تم یہ بھید کبھی کسی کو نہیں بتاؤ گے اور یہ بھی سن لو اگر تم نے یہ بھید کسی سے کہہ دیا تو پھر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔"

چودھری نے کہا۔" بابا! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ بھید کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گا اور تمہارا یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔"

خیر فقیر نے اسے جانوروں اور حیوانوں کی باتیں سکھا دیں اور اپنی راہ لی۔ زمیندار کے پاس جو بیل تھا وہ بے چارہ صبح سے پچھلے پہر تک ہل میں جُتا رہتا شام کو جب وہ گھر آتا تو اس کے کھانے کے لیے بھوسا ڈال دیا جاتا، لیکن گدھے کو سبز گھاس اور چنے کا دانہ کھانے کو ملتا۔ غریب بیل یہ سب کچھ دیکھتا اور چپ رہتا۔ وقت اسی طرح گزر رہا تھا۔

ایک دن جب بیل کھیتوں سے واپس آتے ہوئے گدھے کے قریب سے گزرا تو گدھے نے لنگڑاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔" بھائی بیل! آج تم لنگڑا لنگڑا کر کیوں چل رہے ہو؟"

بیل نے جواب دیا۔" گدھے بھائی آج مجھے بہت کام کرنا پڑا۔ میں جب تھک جاتا تو نوکر میری ٹانگوں اور پیٹھ پر زور زور سے لاٹھیاں مارتا میری ٹانگ میں چوٹ لگ گئی ہے۔ خیر اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔"

گدھا چپکا ہو رہا اور بیل وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جہاں بیل بندھا کرتا تھا وہاں زمیندار کو اپنے نوکر کے لیے گھر بنوانا تھا۔ کچھ دنوں بعد زمیندار نے بیل کے لیے بھی گدھے کے پاس ہی کھُرلی بنوا دی۔ اب جب دونوں کو وقت ملتا تو ایک دوسرے سے باتیں بھی کر لیتے۔

ایک روز بیل کو اداس اور خاموش دیکھ کر گدھے نے اس سے پوچھا۔" بیل بھائی! کیا بات ہے آج تم چُپ چُپ کیوں ہو کوئی بات ہی کرو؟"

بیل بولا۔" گدھے بھائی! کیا بات کروں آج بڑی لاٹھیاں پڑی ہیں۔"

گدھے نے کہا۔" بیل بھائی! سچ جانو تمہاری جو دُرگت بنتی ہے وہ دیکھ دیکھ کر مجھے بہت دُکھ ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ میں تمہارا دُکھ نہیں بانٹ سکتا۔"

بیل نے کہا۔" گدھے بھائی تم نے سچ کہا دُکھ تو کوئی کسی کا نہیں بانٹ سکتا، لیکن تم مشورہ دو کہ میری جان اس مصیبت سے چھوٹ جائے اور نہیں تو دو چار دن آرام ہی کر لوں۔"

گدھا بولا "ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے۔ اس پر چلوگے تو پانچ سات روز کے لیے تو بچ ہی جاؤگے۔ کہو تو بتاؤں۔"

بیل بولا "نیکی اور پوچھ پوچھ۔ بتاؤ کیا ترکیب ہے؟"

گدھا بولا "یہ کرو کہ جب ہل والا تمھیں ہل میں جوتنے کے لیے آئے، تو آنکھیں بند کر کے کھڑے ہو جانا، وہ تمھیں کھینچے تو دو قدم چلنا اور گردن ڈال کر ٹھہر جانا۔ پھر بھی اگر اسے رحم نہ آئے اور کھیت پر لے ہی جائے تو زبردستی زمین پر بیٹھ جانا کیسا ہی مارے پیٹے ہرگز نہ اُٹھنا۔ گر گر پڑنا۔ پھر وہ تمھیں گھر لے آئے گا۔ گھر لا کر وہ تمھیں چارا ڈالے گا تم چارا کھانا تو کیا اُسے سونگھنا تک نہیں۔ گھاس دانہ نہ کھانے سے کمزوری تو ضرور آئے گی مگر کچھ روز کے لیے آرام تو مل جائے گا، کیوں کہ بیمار جانور سے کوئی کام نہیں کرواتا۔ لو یہ مجھے ایک ترکیب سوجھی تھی، تمھیں بتا دی۔ اب تم کو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔"

اتفاق سے زمیندار جو ان کے پاس سے گزرا، تو اس نے ان دونوں کی باتیں سُن لیں اور مسکراتا ہوا اُدھر سے گزر گیا۔ چارے بھوسے کا وقت آگیا تھا۔ نوکر نے گدھے کے منہ پر بھی دانے کا توبڑا چڑھایا اور بیل کے آگے بھی چارا رکھا۔ بیل دو ایک منہ مار کر رہ گیا۔

اگلے دن ہل والا بیل کو لینے آیا تو دیکھا کہ بیل بیمار ہے۔ رات کو کچھ کھایا بھی نہیں۔ دوڑتا ہوا مالک کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ "نہ جانے بیل کو کیا ہوا نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور آج مجھے کھیت پورے کرنے ہیں۔ کہو تو باغ میں سے دوسرا بیل لے آؤں؟"

زمیندار تو بیل اور گدھے کی باتیں سُن چکا تھا۔ دل میں بہت ہنسا کہ گدھے نے خوب سبق پڑھایا۔ ہل والے سے بولا "دوسرا بیل لانے کی کیا ضرورت ہے۔ گدھے کو لے جاؤ۔ ہل میں لگا کر کام نکال لو۔"

گدھے پر مصیبت آگئی، یا تو دن بھر کھڑے کھڑے دانہ کھایا کرتا تھا اب جو صبح سے ہل میں جُتا تو شام تک سانس لینے کی مہلت نہ ملی۔

دُم بھی مروڑی گئی۔ ڈنڈے بھی پڑے۔

سورج ڈوبنے کے بعد جب گدھا لوٹ کر اپنے تھان پر آیا، تو بیل نے اس کا بہت سا شکریہ ادا کیا اور کہا "بھیا! تمھاری مہربانی سے آج مجھے ایسا سکھ ملا کہ ساری عمر کبھی نہیں ملا تھا۔ خدا تم کو خوش رکھے۔"

گدھا کچھ نہ بولا وہ اس سوچ میں تھا کہ اگر دو چار دن یہی حال رہا تو میری جان پر بن جائے گی۔ اچھی نیکی کی اپنے کو بلا وجہ پھنسا دیا۔

دوسرے دن پھر ہل والا گدھے کو لے گیا اور شام تک ہل میں لگائے رکھا۔ جب گدھا تھکا ہارا واپس آیا، تو بیل نے پھر اُس کا شکریہ ادا کیا اور خوشامد کی باتیں کرنی چاہیں، تو گدھا کہنے لگا "میاں ان باتوں کو رہنے دو۔ آج میں نے مالک کی زبان سے ایک ایسی بُری خبر سنی ہے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔"

بیل نے کان کھڑے کر کے پوچھا "گدھے بھائی! سناؤ تو میرا تو دل دھڑکنے لگا ہے۔"

گدھا بولا "کیا کیا سناؤں مالک ہل والے سے کہہ رہا تھا کہ بیل اگر زیادہ بیمار ہو گیا اور اٹھنے کے قابل نہیں رہا تو قصائی کو بلا کر اس پر چھری پھروا دو۔"

بیل قصائی کا نام سُن کر کانپنے لگا "پھر تم کیا صلاح دیتے ہو؟"

گدھا بولا "میں تو ہر حال میں تمھاری بھلائی چاہتا ہوں، اب میری صلاح یہ ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ۔ چارا بھوسا کھانے لگو اور صبح کو جب ہل والا آئے تو خوشی خوشی اس کے ہل میں جت جاؤ۔"

یہ باتیں بھی زمیندار چھپا ہوا سُن رہا تھا اور دونوں کی باتوں پر اسے دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ جان جانے کے ڈر سے بیل نے پھر گدھے کی صلاح پر عمل کیا۔ چارے کی ساری ناند صاف کر دی اور کلیلیں کرنے لگا۔ صبح ہوئی تو زمیندار اپنی بیوی کو ساتھ لیے بیل کے تھان پر پہنچا۔ بیل نے جو اپنے مالک کو دیکھا تو اچھلنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ہل والا بھی آ گیا۔ اس نے بیل کو بالکل تندرست پایا۔ کھول کر لے چلا، تو وہ اس طرح دم ہلاتا اور اکڑتا ہوا چلا کہ مالک کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ بیوی نے پوچھا۔ "تم کیوں ہنسے؟"

زمیندار نے کہا "ہنسی کی تو کوئی بات نہیں، بس ایک بھید کی بات ہے، جو میں نے سُنی اور دیکھی تو ہنس پڑا۔"

بیوی بولی "مجھے بھی وہ بات بتاؤ۔"

زمیندار نے کہا "وہ بات بتانے کی نہیں ہے اگر بتا دوں گا تو مر جاؤں گا۔"

عورت بولی "تم جھوٹ بولتے ہو تم ضرور

مجھ پر ہنسنے ہو گے۔"

زمیندار نے بہت سمجھایا کہ یہ نیک بخت تجھ پر ہنسنے کا کیا موقع تھا۔ تجھ کو تو وہم ہو گیا ہے اگر مرنے کا ڈر نہ ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔"

مگر وہ کب ماننے والی تھی بولی کہ "چاہے مرو، چاہے جیو میں پوچھ کر رہوں گی۔"

جب بیوی کسی طرح نہ مانی تو زمیندار نے سارے پڑوسیوں کو جمع کیا اور سارا قصہ سنایا کہ میری گھر والی ایک ایسی بات کے لیے ضد کر رہی ہے جسے ظاہر کرنے سے میں مر جاؤں گا۔

پڑوسیوں نے اس کی بیوی کو بڑا سمجھایا مگر وہ نہ مانی۔ تب سارے لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ زمیندار لاچار ہو کر وضو کرنے چلا گیا کہ بھید کھلنے سے پہلے دو نفل ہی پڑھ لے۔

زمیندار کے ہاں ایک مرغ، پچاس مرغیاں پلی ہوئی تھیں اور ایک کتا بھی تھا۔ زمیندار نے جاتے جاتے کتے اور مرغ کی باتیں سنیں کتا مرغ سے کہہ رہا تھا "ہمارے آقا کی تو جان جانے والی ہے۔"

مرغ نے پوچھا "کیوں بھائی! اس پر ایسی کیا بپتا پڑی جو ایکا ایکی مرنے کو تیار ہو گیا" کتے نے ساری کہانی سنا دی۔

مرغے نے جو یہ قصہ سنا تو بہت ہنسا اور کہنے لگا "ہمارا مالک بھی عجیب بے وقوف آدمی ہے۔ بیوی سے ایسا دبنا بھی کیا کہ مر جائے اور اس کی بات نہ ٹالے۔ مجھے دیکھو مجال ہے جو میری بیوی میرے سامنے سر اٹھائے۔ ایسا کیوں نہیں کرتا کہ گھر میں جو شہتوت کا درخت ہے، اس کی دو چار سیدھی سیدھی ٹہنیاں توڑے اور اس ضدی بیوی کو تہہ خانے میں لے جا کر اُن سے ایسا پیٹے کہ وہ توبہ کرے اور پھر ایسی حرکت نہ کرے۔"

زمیندار نے مرغ کی یہ بات سن کر شہتوت سے دو تین ٹہنیاں توڑیں اور انھیں تہہ خانے میں چھپا کر بیوی کے پاس آیا۔

وہ بولی "اب وضو بھی کر آئے اب بتاؤ۔"

اس پر زمیندار بولا "تہہ خانے میں چلی چلو، تاکہ بھید بھی کھول دوں اور کوئی دوسرا بھی نہ جانے اور میں وہیں مر جاؤں۔"

اس کی بیوی اس کے آگے آگے تہہ خانے میں چل پڑی۔ زمیندار نے کواڑ بند کر کے بیوی کو اتنا مارا کہ وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی "میری توبہ ہے، پھر کبھی میں ایسی ضد نہیں کروں گی۔"

اُس کے بعد دونوں باہر نکل آئے۔ کنبے رشتے والے جو پریشان تھے بہت خوش ہوئے اور مرتے دم تک زمیندار نے خوش و خرم زندگی گزاری اور بیل کو بھی سبز چارا ڈالنے لگا۔

اُف وہ لمحہ !

طیبہ خورشید

اللہ سب کچھ بنائے مگر چھوٹا نہ بنائے ایک لمحہ کیا ہر لمحہ مصیبت کھڑی رہتی ہے روز سویرے اسکول کے لیے اٹھتے ہیں اکثر ہماری بس جب آتی ہے تو اُس کی ہیڈ لائٹس جلتی ہوتی ہیں لہٰذا چھٹی کے دن تو ہم کو پورا حق ہے دیر تک سونے کا ۔

ہم گرم گرم لحاف میں دُبکے میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے کہ ایک چنگھاڑ سنائی دی ۔ "طیبہ اُٹھو" یہ ہماری پیاری باجی کی آواز تھی جس نے ہمارے کانوں میں زہر گھول دیا ۔ ہڑبڑا کر اٹھے ابھی بستر پر بیٹھے آنکھیں کھولنے کی جستجو کر رہے تھے کہ ایک اور چنگھاڑ سنائی دی " ذرا جلدی اُٹھو چائے بنا دو "

بغیر مُنہ ہاتھ دھوئے باورچی خانے میں گھس گئے اور دل ہی دل میں باجی کی دوست فوزیہ کو کوستے رہے جب دیکھو نازل ! گھر سے چائے پی کر کیوں نہیں آتیں ۔ خیر جیسے تیسے چائے بنائی اور ٹرے سامنے لے جاکر تقریباً پٹخ دی ۔ ابھی ٹرے رکھ کر سیدھے کھڑے ہوئے تھے کہ باجی نے ایک روپے کا نوٹ ہماری طرف بڑھایا کہ ذرا کسی سے دو میٹھے پان منگا دو ۔ یا اللہ اب دروازے پر کھڑے ہو کر گلی سے گزرتے بچوں کی خوشامد کریں کہ ہماری باجی کے لیے میٹھے پان لادو ، مگر یہاں نہیں کی تو گنجائش ہی نہیں تھی اس لیے کہ ہم چھوٹے ہیں پانچ منٹ دروازے پر کھڑے ہو گئے بڑی مشکل سے ایک بچہ ہاتھ آیا ۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ پان لے آیا تو ہمیں غصے نے جلا کر راکھ کر دیا کہ میٹھے کی بجائے وہ تمباکو کے پان لے آیا تھا ہم نے سوچا اب کیا کریں ۔ فوراً باورچی خانے کا رُخ کیا تھوڑا پسا ناریل اور چینی اُس میں بھر دی اور پھر پان باجی کے نذر کر دیے اور خود لحاف میں گھس گئے ۔ تھوڑی دیر میں شور مچ گیا کہ باجی چکرا کر گر پڑی ہیں اور ان کی دوست چکرا رہی ہیں ۔ سارے گھر میں بھگدڑ مچ گئی ، لیکن ہم لحاف میں دُبکے رہے خدا خدا کر کے جب دونوں سنبھل گئیں تو ہماری تلاش ہوئی اور جناب ہم کون سے دُور تھے لاکھ کہا پان والے کی غلطی ہے ، مگر ہماری کون سُنتا اور پھر جو لحاف کی پٹائی ہوئی وہ لمحہ شاید لحاف کبھی نہ بھولے ۔ ✿

عتیق الرحمٰن

چھٹی کا دن تھا ہم اپنے کمرے میں بیٹھے بوریت محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے دماغ نے مشورہ دیا کوئی شرارت کی جائے۔ اب سوچنا یہ تھا کہ کون سی شرارت کی جائے۔ اچانک ہماری کھوپڑی میں ایک شرارت سما گئی۔ ہم اچھل کر زمین پر گر پڑے۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی الماری کی دراز میں سے ربر کا سانپ نکالا جو ہمارے دوست رئیس احمد قدیر نے ہمیں تحفے کے طور پر دیا تھا۔

ہم ربر کا سانپ لیے کچن کی جانب چل پڑے۔ پہلے کچن کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ اندر ہماری ماسی برتن دھونے میں مصروف ہے۔ انھیں پتا بھی نہ چلا کہ ہم پیچھے کھڑے ہیں۔ پھر ہم نے چپکے سے ماسی کے پیچھے سانپ رکھ دیا اور دبے پاؤں اپنے کمرے میں آ بیٹھے۔ ابھی مشکل سے تھوڑی سی دیر ہوئی تھی کہ کچن میں سے ایک دل خراش چیخ اور ساتھ ہی برتن ٹوٹنے کی آواز آئی۔ ہم تو سمجھ گئے کہ یہ سانپ کی کرامت ہے۔ دکھاوے کے لیے ہم بھی کچن کی طرف بھاگے۔

"کیا ہوا؟" کچن کے قریب پہنچ کر سب گھر والوں نے ایک زبان ہو کر پوچھا۔

"سـ سـ... س... سانپ؟" ماسی کے منہ سے بڑی مشکل سے یہ الفاظ نکلے۔

ہم نے پوچھا "کہاں ہے؟"

ماسی نے انگلی کے اشارے سے دکھایا۔ پھر ابو جان نے ہمت کر کے پاس پڑا ہوا ڈنڈا اس کے دے مارا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ابو جان نے دو تین مرتبہ ایسا کیا لیکن سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔ اب تو ہم بہت گھبرائے۔ ابھی ہم نو دو گیارہ ہونے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ابو جان کی گرج دار آواز سنائی دی "عتیق الرحمٰن یہ تمھاری شرارت ہے!" ہم نے اپنی سوچوں سے نکل کر ابو جان کی طرف دیکھا۔ جو اب ربر کا سانپ ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔

"نن... نہیں تو!" ہم نے اپنی جان بچانے کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیا، لیکن ابو جان نے فیصلہ سنا دیا کہ سوائے تمھارے اور کوئی نہیں ہے۔ ڈھیر سارے برتنوں کا نقصان، ماسی کے ساتھ شرارت اور ان سب باتوں کے صلے میں جو ہم کو سزا ملی وہ ہم آپ کو نہیں بتائیں گے آپ لاکھ پوچھیں مگر نہیں!

❁

"جان بچی"

محمد نوید مرزا

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں صرف چھ برس کا تھا۔ بسنت کی آمد آمد تھی اور مجھے پتنگ بازی کا بھی شوق تھا اس لیے روزانہ چھت پر چڑھ کر پتنگیں اڑاتا تھا۔ ہماری چھت کی منڈیر نہیں تھی اس لیے ہر دم نیچے گرنے کا خطرہ رہتا تھا۔

ایک دن میں چھت پر پتنگ لوٹنے کے لیے کھڑا تھا کہ دُور سے ایک پتنگ کو اپنی طرف آتے دیکھا جو کہ کافی اونچائی پر تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کے ساتھ کافی لمبی ڈور بھی تھی۔ میں ڈور کو پکڑنے کے لیے اس تیزی سے بھاگا کہ میرا نیچے گرنا یقینی ہو گیا، لیکن میں جوں ہی چھت کے کنارے پر پہنچا میرے پاؤں چھت کے کنارے سے ایک انچ پیچھے رُک گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے نیچے گرنے سے پہلے پیچھے کھینچ لیا ہو۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس طرح میری جان بچی۔ بچپن کے اس خوف کی وجہ سے میں آج تک پھر چھت پر نہیں گیا۔

غلام مرتضےٰ شاد "..... دَم توڑ دیا"

ہمارے محلے میں کسی کی شادی تھی۔ محلے کے آس پاس خوب گہما گہمی تھی۔ شام کو بارات والے واپس جانے کے لیے بس میں بیٹھے، تو ڈرائیور نے بس چلا دی۔ اسی اثنا میں ہمارے محلے کے چند شرارتی لڑکے بس کے پیچھے لٹک گئے۔ جب بس کی رفتار تیز ہو گئی، تو سب لڑکے باری باری اُتر گئے۔ جب آخری لڑکے نے بس سے اُترنے کی کوشش کی تو وہ سر کے بل سڑک پر گر پڑا اور اُس کی شلوار کا پائنچہ بس کے کسی حصہ میں پھنس گیا۔ وہ لڑکا چلتی بس کے ساتھ سڑک پر گھسٹتا چلا گیا۔ وہ زور زور سے چیختا، چلاتا اور روتا رہا مگر بس کے چلنے کی آواز بہت تیز ہونے کی وجہ سے بس کا ڈرائیور اور کوئی مسافر اُس کی فریاد نہ سُن سکا۔ آخر جب بس ایک میل کے فاصلے پر پہنچی تو بس کے پیچھے آتے ہوئے ایک اسکوٹر سوار کی نظر اس دردناک منظر پر پڑ گئی۔ اُس نے فوراً ڈرائیور کو بس روکنے کا اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے بس روک دی۔ لڑکے کو اُٹھایا گیا۔ اُس کا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ کپڑے پھٹ چکے تھے اور جگہ جگہ سے جسم زخمی ہو گیا۔

اُس کو فوراً اسپتال لے جایا گیا، مگر اُس نے اسپتال کے دروازے پر ہی دَم توڑ دیا۔ مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے میری رُوح تک لرز جاتی ہے۔

لڑائی کا انجام

ایک چوہے اور مینڈک میں روٹی کے ایک ٹکڑے پر لڑائی ہو گئی۔ چوہا چاہتا تھا میں پورے ٹکڑا کھاؤں مینڈک کو کچھ نہ ملے۔ اور مینڈک چاہتا تھا میں پورا ٹکڑا چٹ کر جاؤں، چوہا بھوکا رہے۔

پاس ہی ایک بکری ہری گھاس چر رہی تھی۔ اس نے مینڈک اور چوہے سے کہا۔ تم دونوں آدمی آدمی لے لو آپس میں لڑنا نہیں۔ دونوں نے بکری کی بات نہ مانی اور لڑتے رہے۔ تھوڑی دیر میں ایک چیل اڑتی ہوئی آئی وہ بہت بھوکی تھی۔ وہ اپنے پنجوں میں چوہے اور مینڈک کو دبا کر اڑا لے گئی۔ روٹی کا ٹکڑا زمین پر پڑا رہ گیا۔ دیکھا! لڑائی کیسی بری چیز ہوتی ہے۔

اسرار عزیز، حیدرآباد۔

جیو اور جینے دو

ایک جنگل میں ایک گینڈا تمام گینڈوں سے مضبوط تھا۔ ایک دن وہ جنگل کے آس پاس پانی کا چشمہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ بہت پیاسا تھا۔ آخر کار وہ ایک جھیل کے پاس پہنچا۔ اسی جھیل کے پاس ایک شیر رہتا تھا۔ گرمی کا دن تھا اور شیر بھی بہت پیاسا تھا۔ جیسے ہی اس نے پانی کے چشمے کو غور سے دیکھا تھا۔ اس کی نظر گینڈے پر پڑی۔ وہ پانی پی رہا تھا۔ شیر بہت برہم ہوا۔ "یہاں سے جاؤ"، وہ چلایا "میں پیاسا ہوں اور میں پانی پینا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی پیاسا ہوں" گینڈا چلایا۔ "یہ چھوٹا سا چشمہ ہے تم انتظار کرو۔" گینڈے نے کہا۔

"انتظار"، شیر غرایا "میں انتظار نہیں کر سکتا میں جنگل کا بادشاہ ہوں"، "میں یہاں پہلے آیا ہوں" گینڈے نے جواب دیا۔ مہربانی کر کے انتظار کیجیے اس پر شیر بہت ناراض ہوا اور وہ گینڈے سے جھگڑنے لگا۔ شیر چاہتا تھا کہ گینڈے کو جان سے مار دوں اور گینڈا چاہتا تھا کہ وہ شیر کو ہلاک کر دے وہ آپس میں خوب لڑے۔ آخر دونوں تھک گئے۔ شیر کی گردن پر زخم آیا اور گینڈا بھی زخمی ہو گیا۔

اچانک شیر کو درخت پر پانچ گدھ دکھائی دیے۔ گدھ کو دیکھتے ہی شیر دہاڑا۔ گدھ گدھ اور لڑائی بند کر دی۔ گینڈے نے بھی گدھوں کو دیکھا اور لڑائی بند کر دی۔ شیر نے گینڈے سے کہا کہ تم مجھ کو مار دو گے۔ میں تم کو ہلاک کر دوں گا ہم دونوں مر جائیں گے اور یہ گدھ ہم دونوں کو کھا جائیں گے۔ ہم کو لڑائی بند کر دینی چاہیے گینڈے نے شیر سے کہا تم پانی پہلے پی لو [illegible] نے کہا پہلے پانی تم پی لو۔ اس طرح دونوں نے پانی پی لیا دونوں پانی پی کر خوش [illegible]

دوستو ہم کو آپس میں لڑائی نہیں کرنا چاہیے [illegible]

...ے واسطہ رکھتا ہو۔ "جیو اور جینے دو"
...ندگی کا اصول ہونا چاہیے۔

...ظہر حسین انصاری، فلاگر، موتیہاری (بہار)

کہانیوں کا بادشاہ

ملک فرانس کا واقعہ ہے۔ نوزوان نے ایک کہانی لکھی۔ اسے ایک اڈیٹر کے پاس لے گیا مگر اندر جانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس لیے دروازے پر کھڑا رہا۔ بہت دیر تک کھڑا رہا۔

ایک آدمی نے اندر سے آتے ہوئے پوچھا کیا چاہتے ہو۔ نوزوان نے کہا کہ اڈیٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔

اندر ہیں چلے جاؤ۔ یہ کہ کر وہ آدمی چلا گیا۔

نوزوان جھجکتا ہوا اندر گیا۔ چشمہ لگائے ہوئے صاحب اپنے کام میں مشغول تھے۔ نوزوان کی آہٹ سن کر اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ پوچھا کیا ہے؟

نوزوان۔ ایک کہانی لکھ کر لایا ہوں۔

اڈیٹر۔ رہنے دو کہانی، ہمارے یہاں ڈھیروں پڑی ہوئی ہیں کہانیاں

نوزوان۔ بہت محنت سے لکھی ہے۔ مہربانی ہوگی ایک بار پڑھ کر تو دیکھیے۔

اڈیٹر۔ پہلے کسی رسالے میں لکھا ہے۔

نوزوان۔ نہیں جناب۔

اڈیٹر۔ تو کچی رچنا قطعی نہیں لیں گے۔ ... وقت بھی نہیں ہے۔ اپنی رچنا جیب میں رکھ لو۔

نوزوان۔ "جناب جب آپ کو وقت پڑھ لیجیے گا" یہ کہ کر رچنا ان کی ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا۔

کچھ عرصے بعد اڈیٹر نوزوان کے گھر پہنچ گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

نوزوان نے دروازہ کھول کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

اڈیٹر۔ آپ کا پتا چلانے کے لیے اتنا گھوما کہ میں تنگ گیا۔

نوزوان۔ اتنی تکلیف کی کیا ضرورت تھی؟ آپ خبر کر دیتے میں خود آ کر اپنی رچنا واپس لے آتا۔

اڈیٹر۔ ایسی بات نہیں، یہ لو ایک ہزار کا چیک آپ کی رچنا کے لیے۔ اور کوئی کہانی لکھی ہو تو دے دو۔ ملک فرانس میں آپ جیسا لکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

بچو! اس دن کا وہ لیکھک کون ہے؟ جانتے ہو! ملک فرانس کا مشہور کہانی کار موپاساں اور وہ اڈیٹر مشہور رسالہ "ہیرالڈ" کا اڈیٹر۔

دنیا میں شارٹ اسٹوری لکھنے والوں میں موپاساں، سب سے مشہور ہے۔ اسی لیے وہ کہانیوں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔

(ترجمہ بنگلہ سے)

مترجم: ایچ دشنوئی، کے ایس مارگ [illegible]

قاضی کی خیانت اور اس کی سزا

ایک شخص نے دو ہزار روپے سربمہر تھیلی میں بند قاضی کے سپرد کیے اور سفر کو چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اپنی تھیلی اسی طرح قاضی سے سربمہر لی مگر جب تھیلی کو کھولا تو بجائے روپوں کے پیسے دیکھے تو قاضی سے مواخذہ کرنے لگا۔ قاضی نے کہا جا تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے مجھے دکھا کر تو روپے سپرد نہیں کیے تھے۔ تھیلی جیسی سربمہر تو نے مجھے دی تھی ویسی ہی میں نے تیرے سپرد کر دی۔ لوگوں نے قاضی کا اعتبار کیا مگر وہ شخص بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اپنا حال بیان کیا بادشاہ نے قدرے تامل فرما کر اس سے کہا اب تھیلی میرے پاس رکھ جاؤ میں غور کروں گا۔

دوسرے روز بادشاہ نے اپنی مسند جو کہ تخت پر تھی پھاڑ دی اور خود شکار کو چلا گیا اُس فراش نے کہ جس کو اس روز خدمت سپرد تھی۔ مسند کو پھٹا دیکھا بہت ڈر الرزہ براندام ہو گیا اور دوسرے فراش سے کہنے لگا کہ اگر بادشاہ مسند کو دیکھے گا مجھکو قتل کرا دے گا۔ اس نے کہا کہ تو نے کسی سے سنا ہے یا خود مسند کو دیکھ کر کہا ہے۔ اس نے کہا میں نے خود مسند کو دیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ خاطر جمع رکھ کہ اس شہر میں ایک رفوگر ہوشیار ہے اس کے پاس لے جا وہ اس طرح رفو کر دے گا کہ کوئی نہ پہچان سکے گا۔ فراش دکان پر گیا۔ اور کہا مجھ کو جو رقم چاہیے میں دے دوں گا لیکن ایسا رفو کر کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ رفوگر نے مسند کو دیکھا اور ایک دینار طلب کیا۔ فراش نے ایک دینار اس کو دے دیا۔ رفوگر نے ایک رات میں رفو کر کے مسند دے دی۔ فراش نے دوسرے روز کے لیے مسند مذکور تخت پر لگا دی جب بادشاہ نے مسند درست دیکھی تو فراش سے پوچھا کہ اس مسند پر کس نے رفو کیا ہے۔ فراش بغلیں جھانکنے لگا بادشاہ نے کہا خوف نہ کر میں نے خود مصلحتاً اس کو پھاڑا تھا۔ فراش نے اس رفوگر کا پتا بتا دیا۔ بادشاہ نے اس رفوگر کو بلا کر پوچھا کہ تو نے اس سال کے اندر کوئی تھیلی رفو کی ہے کہنے لگا جی ہاں۔ بادشاہ نے کہا اگر تو اس تھیلی کو دیکھے گا تو پہچان لے گا۔ رفوگر نے کہا "ہاں ضرور شناخت کر لوں گا"۔ بادشاہ نے وہ تھیلی اُس کو دکھائی۔ رفوگر نے وہ تھیلی پہچان لی اور کہنے لگا یہ تھیلی مجھ کو اس شہر کے قاضی نے رفو کرنے کو دی تھی۔ بادشاہ نے قاضی کو فوراً طلب کیا اور سختی سے کہا کہ تیری ذہانت داری پر میں پورا اعتماد رکھتا تھا۔ اس سبب سے تجھ کو میں نے قاضی کا منصب دیا تھا مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تو امانت میں خیانت کرتا ہے۔ تو نے اس شخص کی کیوں چوری کی۔ کہنے لگا اے جہاں پناہ کون کہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا خود [illegible] ہوں اور تھیلی دکھائی اور رفوگر کا [illegible]

قاضی سٹپٹایا اور بہت شرمندہ ہوا۔ بادشاہ نے قاضی کو قید خانہ بھیج دیا اور تھیلی کے مالک سے کہا کہ اپنی نقدی پہلے قاضی سے لے لے۔

قاضی نے مجبوراً دو ہزار روپے اس کو دے اور دوسرے دن بادشاہ نے اس قاضی کو سولی پر چڑھوا دیا۔

سید مجاہد میاں، بڑا بازار، جلیسر (ایٹہ)

کیا آپ جانتے ہیں؟

کس چیز کی بدہضمی کس چیز سے دور ہوتی ہے:۔

اخروٹ	انار کے عرق سے
انگور	سونف سے
کیلا	الائچی سے
آم	دودھ یا جامن سے
خربوزہ	شہد سے
جامن	نمک یا سونٹھ سے
پپیتا	شکر سے
کھجور	سونٹھ یا کالی مرچ سے
کھچڑی	نمک سے
تربوزہ	گڑ سے
چھوڑا	اجوائن سے
گھی	نمک یا دہی سے
چاول	دودھ سے
مولی	بھنے ہوئے چنے سے
بیر	گرم پانی یا نمک سے
دودھ کی کھیر	چھوٹی الائچی سے
بھینس کا دودھ	منقہ سے

محی الدین، ہواگن منی، سارواڑ۔

سیاروں کا سورج سے فاصلہ

سیارے کا نام	سورج سے فاصلہ
عطارد	۵/۸ کروڑ کلومیٹر
زہرہ	۱۰/۸ 〃 〃 〃
زمین	۱۵/۰ 〃 〃 〃
مریخ	۲۲/۸ 〃 〃 〃
مشتری	۷۷/۸ 〃 〃 〃
زحل	۱۳۸/۲ 〃 〃 〃
یورینس	۱۸۶/۸ 〃 〃 〃
نیپچون	۴۴۹/۷ 〃 〃 〃
پلوٹو	۵۹۵/۵ 〃 〃 〃

ایشیا کی کچھ اونچی پہاڑی چوٹیاں

پہاڑی کا نام	سطح سمندر سے اونچائی
ماؤنٹ ایورسٹ	۸۸۴۸ میٹر
کنچن جنگا	۸۵۹۸ 〃
ماؤنٹ میکالو	۸۴۸۱ 〃
دھولاگری	۸۱۷۲ 〃
ننگا پربت	۸۱۲۶ 〃
اینورنا	۸۰۷۸ 〃
نندا دیوی	۷۸۱۷ 〃

ستاس چوتی ۱۳۹۵، میٹر
فیض عام، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے

مولوی محمد اسماعیل میرٹھی نے بالکل سچ کہا ہے

صفائی عجب چیز دنیا میں ہے
صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے

واقعی صفائی بڑی گرانقدر چیز ہے۔ صفائی سے مُراد صرف کپڑوں کی صفائی ستھرائی نہیں ہے بلکہ صفائی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ صفائی سے مُراد ہے ذہن و قلب کی صفائی۔ خیالات کی صفائی تن کی صفائی۔ لباس کی صفائی اور اپنے رہنے کے مکان کی صفائی۔

بہت سے لوگ صرف تن کے اجلے ہوتے ہیں۔ من کی صفائی کا انھیں خیال نہیں رہتا۔ اس قسم کی صفائی بالکل بے سود اور لاحاصل ہے من کی صفائی سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا دل آئینے کی طرح صاف اور اُجلا ہو۔ اس میں حسد، کینہ اور کسی سے عداوت و کدورت کا میلاپن نہ ہو اسی طرح خیالات کی صفائی بھی بڑی اہمیت و افادیت کی حامل ہے۔ ہماری زندگی پر خیالات کا بڑا اثر ہوتا ہے ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ آدمی کا جیسا خیال ہوتا ہے۔ وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ مثلاً بہادری کے خیالات انسان کو بہادر اور اولوالعزم بنا دیتے ہیں۔ اور بزدلی کے خیالات انسان کو بزدل اور ڈرپوک بنا دیتے ہیں۔ صحت مند خیالات، انسان کو صحت و توانائی کے ضامن ہوتے ہیں۔ بلندی کے خیالات انسان کو بام عروج پر پہنچاتے ہیں۔ اور پستی کے خیالات انسان کو پستی کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔

خیالات کی صفائی کے بعد لباس کی پاکیزگی بے حد ضروری ہے۔ گندے لباس سے انسان اپنی وقعت کھو بیٹھتا ہے۔ صاف اور ستھرا لباس انسان کی ہر دلعزیزی کا ضامن ہوتا ہے۔ میلے کچیلے لباس سے آدمی احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور خودداری کے احساس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اسی طرح وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے لباس کی صفائی کے بعد مکان کی صفائی بھی ایک لازمی عنصر ہے۔ مکان کے اندر اور مکان کے باہر کوڑا کرکٹ ہرگز نظر نہ آئے۔ سال میں دو بار گھر کے رنگ و روغن کا اہتمام ہو۔ گھر میں فرنیچر قرینے سے رکھنا چاہیے۔ مکان کی کھڑکیاں کھلی رکھنی چاہیئے۔ تاکہ صاف ستھری ہوا کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے۔ اور سورج کی روشنی بھی مکان میں داخل ہو۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ جس مکان میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہوتا۔ وہاں ڈاکٹروں کا بہت گزر ہوتا ہے۔ یعنی روشنی کی کمی سے طرح طرح کی بیماریاں جنم لے کر ڈاکٹروں کو دعوت دیتی ہے۔

محمد نعیم ابن محی الدین اکرمی
بھٹکل

عجیب و غریب معلومات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مخلوق کی تقدیر کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار سال قبل ہی لکھ دیا تھا۔ (مسلم شریف)

سب سے پہلے کعبہ شریف کو رسولِ خدا نے غسل دیا۔ (تذکرہ خانہ کعبہ)

سب سے آخری ہدیہ کعبہ شریف کو پیش کیا وہ ملکہ بندر آشتی کا ہدیہ تھا۔ جو سونے کے پانچ قندیل تھے۔ یہ واقعہ سن ۱۰۹۴ھ کا ہے۔

مسجد حرام ابراہیم علیہ السلام نے بنائی۔ مسجد اقصیٰ سلیمان علیہ السلام نے بنائی اور مسجد نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ۶۰۰ سال کا فاصلہ ہے۔

(نسیم شاہد۔ نود نگر۔ نئی دہلی ۲۵)

شہزادی اور مینڈک

ایک راجا تھا اس کے سات بیٹیاں تھیں ان میں سے چھوٹی شہزادی بہت خوبصورت تھی۔ ایک دن وہ اپنی سنہری گیند کے ساتھ ندی کے پاس کھیل رہی تھی۔ اچانک گیند ندی میں چلی گئی۔ وہ بیٹھ کر رونے لگی۔ اسی وقت ندی سے ایک مینڈک نکلا اور اس نے شہزادی سے رونے کا سبب پوچھا۔ شہزادی نے کہا کہ اس کی گیند ندی میں چلی گئی ہے۔

مینڈک نے کہا کہ وہ گیند ایک شرط پر نکال سکتا ہے شہزادی نے کہا کہ "وہ شرط کیا ہے؟" مینڈک نے جواب دیا کہ اگر وہ اسے اپنے ساتھ کھانا کھلائے گی، اور اس کے ساتھ کھیلے گی تب وہ گیند نکال دے گا۔ شہزادی نے اسے مذاق سمجھ کر شرط منظور کر لی۔

مینڈک فوراً ندی میں کود ا اور گیند نکال کر شہزادی کو دے دی۔ جیسے ہی شہزادی کو گیند ملی وہ لے کر محل کی طرف بھاگ گئی اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہی تھی تب کسی نے دروازے پر دستک دی۔ جب چھوٹی شہزادی نے دروازہ کھولا، وہ ڈر گئی اور بھاگ کر کھانے کے میز پر پہنچ گئی جب راجا نے پوچھا کہ "کیا بات ہے؟ باہر کوئی بھوت ہے کیا؟"۔ شہزادی نے جواب دیا کہ "ابّو جان باہر کوئی بھوت، ووت نہیں ہے، بلکہ ایک گندا سا مینڈک کھڑا ہے۔" پھر راجا کے پوچھنے پر اس نے ساری بات تفصیل میں بتا دی۔ راجا نے کہا کہ بیٹی اپنا وعدہ پورا کرو۔

شہزادی نے اُداس چہرے سے مینڈک کو اندر لا کر اسے ایک کونے میں بیٹھا لیا جب صبح ہوئی تب اس نے کسی مینڈک کو نہیں بلکہ ایک شہزادہ کو اپنے قریب پایا۔ صبح جب شہزادہ اٹھا تو اس نے شہزادی سے کہا کہ جب وہ بہت

چھوٹا تھا تب ایک جادوگر نے اسے مینڈک بنا دیا تھا اور کہا تھا کہ جب وہ وہ کسی خوبصورت شہزادی کے ساتھ رہے گا تب وہ واپس ایک شہزادہ بن جائے گا۔

اتنے میں راجا اندر آ پہنچا اور اس نے ساری کہانی سنی راجا نے شہزادے سے پوچھا کہ وہ شہزادی سے شادی کرے گا۔ شہزادے کو اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے فوراً جی ہاں کہ دیا اور پھر شہزادے اور شہزادی کی شادی ہو گئی اور وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

نور الصبا۔ اے۔ جی چرچ اسکول آسنسول

اقوالِ زرّیں

۱۔ زمین روزانہ پکار کر کہتی ہے کہ اے انسان تو میرے سینے پر چلتا ہے۔ ایک دن میرے پیٹ میں جائے گا۔

۲۔ اے انسان تو میرے سینے پر طرح طرح کی چیزیں کھاتا ہے۔ اور میرے پیٹ میں تجھ کو کیڑے مکوڑے کھائیں گے۔

۳۔ اے انسان تو میرے سینے پر ہنستا ہے۔ عنقریب میرے پیٹ میں پہنچ کر روئے گا۔

۴۔ اے انسان تو میری سینے پر گناہ کرتا ہے۔ میرے پیٹ میں تجھ کو سزا دی جائے گی۔

حافظ بلال احمد، خداداد پور
سنجرپور اعظم گڑھ (یوپی)

سر چھوٹا اور داڑھی بڑی

ایک رات کو قاضی نے کسی کتاب میں پڑھا کہ جس کا سر چھوٹا اور داڑھی لمبی ہو وہ احمق ہوتا ہے۔ اتفاقاً قاضی صاحب کا سر چھوٹا تھا اور داڑھی لمبی۔ دل میں سوچا کہ سر تو بڑا ہونے سے رہا لیکن داڑھی چھوٹی کر سکتا ہوں تلاش کرنے سے قینچی نہ ملی۔ مجبوراً آدھی داڑھی ہاتھ میں پکڑ لی اور آدھی داڑھی کو چراغ کے قریب لے گئے جب بال جلنے لگے اور ہاتھ تک پہنچ گئی تو داڑھی کو چھوڑ دیا جس سے پوری داڑھی جل گئی۔ اب قاضی بہت شرمندہ ہوا کیوں کہ جو کچھ کتاب میں لکھا تھا اس کا امتحان ہو گیا۔

عبداللہ خان مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ

شہزادی فردوس

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی بیٹی شہزادی فردوس کو تصویر بنانے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اس نے ایک تصویر باغیچے کے بورڈ پر بنائی اور بادشاہ کے پاس لے گئی وہ سمجھ گیا کہ کوہ قاف کے جادوگر کا بیٹا ہے۔ بیگم نے بتایا کہ میں نے اس رات فردوس کو کہانی سنائی تھی۔ شاید فردوس یہ سوچ کر تصویر بنائی کہ میں اسے دیکھ سکوں۔ اور پھر شہزادی فردوس نے ماں سے پوچھا۔ ماں شہزادہ آفتاب کے باپ کس آفت میں گرفتار تھے۔ ماں نے بتایا کہ ایک رات وہ ندی کے کنارے ایک جھونپڑی میں تھے کسی راجا نے اس پر حملہ کیا۔ وہ زخمی ہو گئے دو دن تک

زندہ رہے ساری جائداد شہزادہ آفتاب کے نام کردی۔ اب شہزادہ آفتاب آرام سے اپنی ماں کے ساتھ جھونپڑی میں رہتا ہے۔ کوئی اس سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا۔ بادشاہ اور بیگم بوڑھے ہونے لگے۔ شہزادی فردوس نے جوانی کی منزل میں قدم رکھا۔ اس کو تاج و تخت کا مالک بنادیا گیا۔ کسی ملک کے شہزادے نے شہزادی فردوس کی سلطنت پر حملہ کردیا۔ اتفاق سے ایک شہزادہ ادھر سے گزر رہا تھا۔ وہ شہزادی فردوس سے ملنا چاہتا تھا۔ درباریوں سے اس نے کہا پہلے بتاؤ اس سلطنت کا وارث کون ہے، میں ملنا چاہتا ہوں۔ درباریوں نے اطلاع کی کہ ایک شہزادہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اجازت دی گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شہزادے نے دشمن کو ہرادیا۔ شہزادی فردوس بہت خوش تھی۔ اور اپنے ماں باپ سے ملانا چاہتی تھی۔ مگر شہزادہ غائب۔ وہ اس کی تلاش میں نکلی۔

شہزادی نے چاروں طرف نگاہ ڈالی اسے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ ہزار مصیبتیں جھیل کر جھونپڑی میں شہزادہ ملا۔ اس نے کہا

۔اب تم میرے ساتھ

چلو۔ میرے ماں باپ پریشان ہیں۔ وہ محل میں پہنچے دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ دونوں کی تقدیر چمک گئی۔

شاہینہ پروین رشیدی
معرفت ترنم غالب، کامٹی

بلاعنوان

"نانا جان آگئے" "نانا ابا آگئے۔ سب بچے نانا ابا کو دیکھتے ہی شور مچانے لگے۔ چوں کہ گلی کے بہت سے بچے گڈو کے گھر میں جمع تھے اس لیے سب بچوں نے نانا ابا کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ فوزیہ اور شاذیہ نے نانا ابا کا ہاتھ پکڑ لیا اور پلنگ پر بٹھادیا" نانا جان! جلدی سے کہانی سنائیے نا" گڈو بولا۔

"ہاں نانا جان! جلدی سے سنائیے"۔
سب بچے ایک ساتھ بولے۔

"بچو! آج میرے سر میں درد ہے اس لیے آج کی کہانی کل ہوگی۔ نانا ابا بولے۔ بچوں کے منہ یہ سن کر لٹک گئے۔ اتنے میں شاذیہ چہک کر بولی" نانا جان لائیے میں آپ کا سر دبادوں۔ فوزیہ اور گڈو بھی جلدی سے سر دبانے لگے۔ سلمان اور رعنا نے زبردستی پیر دبانے شروع کردیے۔ یہ دیکھ کر سلمہ اور اسماء نے ایک ایک ہاتھ اپنے حصے میں لے لیا۔ اللہ اللہ کرکے نانا ابا کا درد ٹھیک ہوگیا تو نانا ابا اٹھ بیٹھے اور بولے اچھے بچو! آج میں تم کو جو کہانی سناؤں گا وہ تم سے بھی اچھے بچوں کی کہانی ہے۔ اصل میں وہ کہانی نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ ہے جو میرے دوست نے مجھے سنایا۔ مگر ہے سچا!

بچے بولے "آپ جو بھی کہانی سنائیں ہمیں منظور ہے" نانا ابا نے کہنا شروع کیا۔

یوں تو ہمارا علاقہ ایک خوش حال علاقہ ہے اس میں سبھی طرح کے لوگ رہتے ہیں۔ یہاں کے بچے بھی بہت اچھے ہیں لیکن تم تو جانتے ہو کہ حامد اور ظفر ہمارے علاقے کے بہت شریر بچے ہیں۔ آج میں تم کو انھیں بچوں کی کہانی سناؤں گا۔

یہ ابھی پرسوں ہی کی تو بات ہے۔ یہ دونوں شام کے وقت اسٹریٹ لیمپ توڑتے توڑتے پارک میں نکل گئے۔ اور اُودھم مچانے لگے۔

اسے اتفاق کہیے کہ جیسے ہی انھوں نے پارک کے کھمبے کا بلب توڑا تو اسی بلب کا ٹکڑا اُن کی آنکھ میں آلگا۔ درد سے چیخ اٹھے اسی وقت باغ کے ایک کونے سے کچھ بچے بھاگ کر آئے اور دونوں کو سنبھال کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے دوا لگائی اور کہا جاؤ خدا کا شکر ادا کرو کہ آنکھ بچ گئی۔

اب تو یہ دونوں بڑے شرمندہ ہوئے۔ حامد نے ان بچوں سے پوچھا آپ کون! ایک بچے نے جواب دیا۔ ہم سب ایک برادری کے ممبر ہیں۔ مصیبت کے وقت ہر ایک کی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ہم لوگ جس طرح اپنے گھر کی ایک ایک چیز کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح اپنے علاقے اور وہاں کے رہنے والوں کی خدمت اور حفاظت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پچھلے کچھ دنوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہماری گلیوں کے بلب ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہم اس وقت اسی مسئلہ پر غور کر رہے تھے۔ کہ آپ کی چیخ سن کر ادھر آگئے۔ ہم کہہ رہے تھے کہ جو بھی یہ بلب توڑتا ہے ہمیں اسے نرمی سے سمجھانا چاہیے اور بتانا چاہیے کہ شرارت وہ اچھی ہوتی ہے جسے دیکھ کر اور سن کر لوگ ہنسیں۔ یہ تو ظلم ہے۔ اپنے اور اپنے علاقے کے لوگوں پر۔

ظفر یہ سن کر بہت متاثر ہوا اور اس نے ٹولی کے ذمّے دار سے کہا۔ ہمیں بھی اپنی ٹولی میں شامل کرلیجیے۔ ٹولی کے ذمّے دار نے کہا ضرور۔ سر آنکھوں پر پھر بولے دیکھیے بھئی! ہم لوگ ایک مہینے میں ایک جلسہ کرتے ہیں۔ جس میں ٹولی کے ممبران اپنے مضامین کہانیاں وغیرہ پڑھ کر سناتے ہیں۔ ہماری اس ٹولی کا نام "پیامی برادری" ہے۔ ہماری ایک لائبریری بھی ہے۔ "پیامی برادری" کا مقصد سماجی خدمت، لکھنے پڑھنے، بولنے کا جذبہ پیدا کرنا اور ساتھیوں کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور ہر قسم کی سیاست سے ہم اپنے آپ کو دور رکھنا ہے۔

یہ سن کر حامد بھی بہت متاثر ہوا اور دونوں پیامی برادری کے ممبر بن گئے۔ اور سنا ہے کہ آج کے جلسے میں انھوں نے ایسی عمدہ تقریریں کیں کہ سب دنگ رہ گئے۔

نانا ابا خاموش ہوئے تو گڈو بولا "نانا جان! اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پیامی برادری بہت اچھی تنظیم ہے"۔ بالکل! بہت اچھی تنظیم ہے، نانا ابا بولے۔ تو گڈو پھر بولا "تو کیا ہم بھی پیامی برادری کے ممبر بن سکتے ہیں؟" نانا ابا بولے "کیوں نہیں بن سکتے ہیں؟ ابھی جائیے اور شرائط معلوم کرکے

ممبر بن جائیے۔

یہ سنتے ہی تمام بچے اٹھے اور پیامی برادری کے ممبر بننے چل دیے۔

تو پیامیو! آئیے! آپ بھی پیامی برادری کے ممبر بنیے۔ اگر آپ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو وہاں پیامی برادری کی شاخ قائم کیجیے اور مرکزی پیامی برادری سے رابطہ قائم کرکے مکتبہ جامعہ سے زیادہ سے زیادہ رعایت لے کر کتابیں خرید کر ایک لائبریری کی بنیاد بھی ڈالیے اور اپنا مستقبل خود بنائیے۔

محمد شعیب،
سکریٹری پیامی برادری
۱۴/۷، رشیلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

محنت اور ایمانداری کا پھل

ارشد ایک غریب گھر کا لڑکا تھا اور وہ اپنے ماں باپ کا ایک ہی بیٹا تھا اس کے باپ ایک کارخانہ میں نوکری کرتے تھے ارشد کی عمر ابھی دس برس کی ہی تھی کہ اس کے والد ایک حادثہ کا شکار ہو گئے۔ ارشد کو بچپن سے محنت کرنی پڑی۔ اس نے اپنی ماں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ شہر جاکر کوئی کام دیکھوں۔ ماں سے اجازت لے کر وہ شہر کی طرف چل پڑا شہر پہنچ کر بہت سی دکانوں پر گیا تاکہ وہاں اس کو کوئی کام مل جائے مگر اس کے پھٹے ہوئے کپڑے دیکھ کر ہر ایک نے دھتکار دیا دو دن اس نے اسی طرح گزارے۔ بھوک نے بھیک مانگنے پر مجبور کردیا لیکن لوگوں نے بھیک دینے سے انکار کیا اور کہا محنت کرو۔ کام کرو۔ اتفاق سے ایک مالدار شخص کے سامنے بھی ہاتھ پھیلا دیا۔ خدا کے نام پر کچھ عطا کیجیے۔ اس مالدار شخص نے ارشد پر رحم کھاکر ایک روپیا ہاتھ میں تھما دیا ارشد نے اس کو دعا دی وہ اپنا پرس بند کرکے جیب میں رکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ نیچے گر گیا۔ مالک اس سے بے خبر تھا۔ ارشد نے پرس نیچے گرتے دیکھ لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور مالک کو پکارا یہ لیجیے اپنا پرس وہ شخص حیران رہ گیا کیوں کہ ارشد نے غریبی کے حالت میں بھی اپنی ایمانداری کا ثبوت دیا تھا۔ مالک خوش ہو گیا۔ ارشد کو اپنے کارخانے میں نوکر رکھ لیا۔ ارشد ایمانداری اور محنت سے کام کرنے لگا۔ ترقی کرکے وہ سپروائزر بن گیا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ آرام سے زندگی گزارنے لگا۔

محنت اور ایمانداری نے ارشد کو بڑا آدمی بنا دیا۔

حافظ عبدالواحد پڈنوی جامعہ دارالسلام عمرآباد

صحیح حل پیامی معمّا نمبر ۴۴

چند مجبوریوں کی وجہ سے پیامی معمّا نمبر ۴۴ کا حل شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔ تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

دو بگلے اور ایک کچھوا

دو بگلے اور ایک کچھوا آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے وہ ایک جھیل کے کنارے رہا کرتے تھے۔ جھیل مچھلیوں سے بھری تھی۔ وہ آسانی سے مچھلیوں کو پکڑ کر کھایا کرتے تھے۔ اور جھیل کا پانی پیا کرتے تھے۔

ہم لوگوں کو ساتھ رہنے کے لیے اس سے اچھی جگہ نہیں مل سکتی یہ جگہ ہم جیسے دوستوں کے لیے بہت اچھی ہے۔ دونوں نے آپس میں کہا۔

کئی برس بارش نہیں ہوئی جھیل سوکھ گئی۔ بگلوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ جھیل چھوڑ دیں مگر وہ اپنے دوست کچھوے کی وجہ سے مجبور تھے۔ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جب وہ دوسری صبح کچھوے سے ملے تو بہت اُداس نظر آ رہے تھے۔ کچھوے نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ اتنے اُداس کیوں ہو۔

پہلے بگلے نے کہا "ہم بہت اُداس ہیں کیونکہ ہم لوگ بہت جلد یہ جھیل چھوڑ دیں گے" دوسرے بگلے نے کہا "اب ہمارے لیے یہاں رہنا بہت مشکل ہے۔"

"لیکن کیوں" کچھوے نے حیرت سے پوچھا!

کیوں کہ جس جھیل کے کنارے ہم رہتے ہیں وہ الگ بھگ سوکھ چکی ہے۔" پہلے بگلے نے کہا "اور جھیل میں رہنے والی مچھلیاں مرنے لگی ہیں۔

دوسرے بگلے نے کہا "ہم لوگ دوسری جھیل پر جائیں گے جہاں پر بہت ساری مچھلیاں ملتی ہوں" دوسرے بگلے نے کہا۔

"تم کب جا رہے ہو" کچھوے نے پوچھا۔

"اب سے کچھ گھنٹے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔" کچھوا بولا "میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" "لیکن تم ساتھ کیسے جا سکتے ہو"؟

"تم اس لیے ساتھ نہیں جا سکتے کیونکہ تم اُڑ نہیں سکتے" پہلے بگلے نے کہا۔

"تم مجھے اٹھا کر لے چلو"، کچھوے نے کہا۔

اٹھا کر ؟ کیسے"؟ بگلے نے پھر پوچھا۔

"بولا کیا تم مجھے اپنی چونچ میں دبا کر نہیں لے جا سکتے ہو؟"

ایک مضبوط لکڑی لا کر دو میں اس لکڑی کے بیچ کا حصہ پکڑ لوں گا اور دونوں کناروں کا حصہ تم دونوں اپنے اپنے جبڑوں میں پکڑ لینا۔ اور اُڑنے لگنا۔

بگلے تیار ہو گئے اور کچھ دیر بعد ایک مضبوط لکڑی لے کر آئے۔ کچھوے نے اس لکڑی کے بیچ کا حصہ پکڑ لیا۔ بگلوں نے اس ڈنڈے کے دونوں کنارے پکڑ لیے اور اڑنے لگے۔

اڑنے سے پہلے بگلوں نے انھیں ہدایت کر دی کہ تم راستہ میں اپنا منہ مت کھولنا۔

کچھ دیر بعد آدمیوں کا جھنڈ شور کرتا ہوا نظر [illegible]

آیا۔ وہ یہ نظارہ دیکھ رہے تھے کہ کس طرح ایک کچھوا اُڑنے کا مزہ لے رہا ہے۔ کچھوے نے سوچا کہ یہ لوگ میری بُرائی کر رہے ہیں۔ کچھوے کو بہت غصہ آیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اس نے جیسے ہی منہ کھولا وہ نیچے گر پڑا اور مر گیا۔ غصہ کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔

(اصغر آصف انصاری
جامعہ مڈل اسکول)

دوش اور گُن

یہ ایک ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں غلطی نکالنا آسان ہے اس کو دُرست کرنا بہت مشکل ہے۔

کسی گانو میں ایک شخص رہتا تھا جو مصوری کے لیے بہت مشہور تھا۔ ایک دن اس نے سوچا کیوں نہ اپنی مصوری کا مظاہرہ کروں۔ ایک دن اس آدمی نے چوراہے پر بیٹھ کر بہت ہی دلکش تصویر بنائی اور اسے وہیں ایک لاٹ پر لٹکا دیا۔ راستے سے گزرتے ہوئے لوگ تصویر کو دیکھنے اور ٹھہر جاتے۔ اسی طرح ایک ایک کرکے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ ہر ایک آدمی بنانے والے کی بہت تعریف کرتا لیکن ہر ایک نقص ضرور نکالتا۔ یہ سن کر مصور نے کہا ہر کوئی عیب نکالتا ہے اس کو درست کرنے والا کوئی نہیں کوئی درست کرتا بھی کیسے کیوں کہ وہ تو صرف بولنا جانتے تھے کرنا تو کسی کو نہیں آتا تھا۔

نقص نکالنا بہت آسان ہے لیکن اس کا دُرست کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح لوگ ایک دوسرے کے عیوب پکڑ لیتے ہیں۔ اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پہلے خود صحیح راستے پر چلنے کی کوشش کریں تب کہیں ہم دوسروں کی غلطی کو دُرست کر سکتے ہیں۔

(عابدہ بیگم، ہیلی۔ گڈگ (کرناٹک))

عقل مند وزیر

ایک تھا بادشاہ، اس کا وزیر بڑا خیرخواہ اور وفادار تھا۔ دشمن یہ دیکھ کر وزیر سے حسد کرتے تھے اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ وزیر کی کوئی غلطی معلوم ہو تو نمک مرچ لگا کر بادشاہ کو سنائیں اور وزیر کو سزا دلوائیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے دشمنوں کو یہ پتا چلا کہ وزیر نے غریبوں کو کچھ روپے اس وعدے پر قرض دے رکھے ہیں کہ بادشاہ کے مرنے پر واپس لے لیے جائیں گے۔ یہ بات ان سب نے بادشاہ تک خوب نمک مرچ لگا کر پہنچائی۔

بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور پوچھا کہ میں جو کچھ سن رہا ہوں کیا وہ سچ ہے؟ وزیر نہایت ادب سے بولا۔ ہاں حضور، یہ سچ ہے؟ مگر اندھے حاسدوں کو یہ کبھی تمیز نہیں کہ یہ بات میں نے خیرخواہی سے کہی ہے، بدخواہی سے نہیں کہی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیسے؟

وزیر نے کہا میری غرض تو اس شرط سے خود بخود ظاہر ہو رہی ہے کہ بیچارے مقروض ہمیشہ آپ کی سلامتی کی دعا کرتے رہیں گے اور آپ کی موت کو اپنی موت سمجھیں گے۔

بادشاہ کو وزیر کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اس نے حاسدوں کو سزا دی اور وزیر کا رتبہ اس کی نظر میں اور بھی بڑھ گیا۔ دیکھا پیارے بھائیو حسد کرنا بہت بری بات ہے۔ حسد کرنے سے ہمیں ہی نقصان ہوتا ہے اوروں کو کو نہیں۔

(ایس۔ ایم۔ اطہر۔ دہلی گیٹ بڑا پل)

اقوال زریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں:۔

۱۔ ایسی خواہش کہ انسان اس کا تابع اور غلام بن کر رہ جائے۔

۲۔ ایسی حرص جس کو پیشوا مان کر اس کی پیروی کرنے لگے۔

۳۔ اور خود پسندی۔ اور یہ بیماری ان تینوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

ساحل ادگانوی
عالم منزل ادگانواں۔ نالندہ (بہار)

دنیا کی چند خاص زبانیں اور ان کے مشہور وعظیم شاعر

انگریزی ———— شیکسپیئر

اطالوی ———— دانتے

اردو ———— مرزا غالب

بنگلہ ———— رابندر ناتھ ٹیگور

یونانی ———— ہومر

ہندی ———— تلسی داس

فارسی ———— شیخ سعدی

جرمن ———— گیٹے

لاطینی ———— ورجل

(راشد فخر، محلہ نوھسنگھنہ، ہزاری باغ)

پیغام

ابھی کل ہی میں نے اقبال کا یہ شعر پڑھا کر

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

ویسے تو یہ شعر بارہا پڑھا مگر کل جو میں نے اس شعر پر غور کیا تو نئی باتیں معلوم ہوئیں۔

یہ ایک تلمیحی و تشبیہی شعر ہے دینِ حق کے پیغامبر حضرت ابراہیمؑ کو صرف اس بنا پر جلتی آگ میں جھونک دیا گیا تھا کہ وہ دینِ مبیں کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں زندہ جلنا گوارا کیا مگر دینِ مبین کی دعوت کے اہم فریضے سے گریزاں نہ ہوئے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شعر کے ذریعے علامہ نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی ہے کہ بے خوفی کے ساتھ دینِ حق کی تبلیغ کریں۔

ہر عہد میں آزمائش کا وقت آتا ہے۔ اس وقت مومن کی پہچان اس کے عمل سے ہوتی ہے۔

محمد عامر، ۱۱۱۳ مین بازار اوکھلا، نئی دہلی

نکاتِ زرّیں

- جو شخص ایمان داری پر یقین نہیں رکھتا وہ خود بے ایمان ہوتا ہے۔
- ہر شخص سچے دوست کا متلاشی ہوتا ہے لیکن خود سچا دوست بننے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔
- انسان کی بہترین خصلت حصولِ علم ہے۔
- خود اپنی مدد کرنے والے کا مددگار اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔
- اچھی تعلیم راحت کی بنیاد ہے۔
- آنکھ والا وہ ہے جو اپنے عیبوں کو دیکھتا ہے

سید عبدالحفیظ گنگل (اے پی)

ریل گاڑی کب سے چلنا شروع ہوئی؟

(۱) ہندستان	۱۸ر اپریل	۱۸۵۲ء
(۲) انگلینڈ	۲۷ر ستمبر	۱۸۲۵ء
(۳) فرانس	یکم اکتوبر	۱۸۲۵ء
(۴) آسٹریلیا	۳۰ر ستمبر	۱۸۲۸ء
(۵) امریکہ	۲۸ر ستمبر	۱۸۳۰ء
(۶) روس	۱۴ر اپریل	[illegible]
(۷) اٹلی	۴ر اپریل	[illegible]

(۸) ترکی ۲۴ ر اکتوبر ۱۸۵۰ء
(۹) سری لنکا ۲۸ ر جنوری ۱۸۴۵ء

ایم مبین الدین۔ پیپل گانوی

○

ذرا بتایئے تو!

س: آگ برسانے والا پودا کہاں ہے؟
ج: ملیشیا میں ہے۔
س: تیرہ طرح کا گلر کا پھل دینے والا پیڑ کہاں ہے؟
ج: یہ پیڑ ہری ٹوریا (جنوبی افریقہ) کے نائیسن جنگل میں پایا جاتا ہے اس کی شاخیں ہری رہتی ہیں۔
س: اٹھارہ مہینے کا سال کس ملک میں ہوتا ہے؟
ج: میکسیکو (امریکہ) بیس دن کا مہینا ہوتا ہے اور اٹھارہ مہینے کا سال
س: دنیا میں سب سے بڑی گھڑی کہاں ہے؟ اور وزن کیا ہے؟
ج: ماسکو میں ہے۔ اس کا وزن ۱۸۰ ٹن ہے
س: لال نمک کہاں پایا جاتا ہے؟
ج: روس کے کھدان میں۔
س: سورج زمین سے کتنی دور ہے؟
ج: نو کروڑ بیس لاکھ میل
س: دنیا میں کتنے ممالک ہیں؟
ج: ۲۰۶ ممالک ہیں۔
س: انسان کے جسم میں کتنی ہڈیاں ہیں؟
ج: ۲۰۸ ہڈیاں ہیں۔
س: سیڑھی سے لڑھک کر کون مغل بادشاہ کی موت ہوئی تھی؟
ج: ہمایوں
س: چاند پر سب سے پہلے کون گیا؟
ج: نیل آرمسٹرونگ (امریکہ)

محمد مظہر نعمانی۔ رفیع گنج اورنگ آباد (بہار)

○

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

(۱) وہ کون سا ملک ہے جسے دودھ اور شہد کی سرزمین کہتے ہیں؟
(۲) وہ کون سا ملک ہے جہاں بچے خود اپنا اخبار لکھتے ہیں؟
(۳) ٹیلی فون کس نے ایجاد کیا؟
(۴) سائیکل کا موجد کون ہے؟
(۵) فلپائن کا صدر مقام کون سا ہے؟
(۶) دیوار چین کس نے بنوائی؟

جوابات: (۱) فلسطین (۲) چین (۳) گراہم بیل (۴) میک میلن (۵) منیلا (۶) چین کے بادشاہ شی ہونگتی نے

شہاب الدین پیلگانوی رہڑ ضلع بلندانہ (بہار شریف)

○

بچوں کی مذہبی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
حضرت ابوہریرہؓ	۲/-	سرکارِ دوعالمؐ	۳/:
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳/:	اللہ کے صفی	۴/:
حضرت حمزہؓ	۳/:	حضرت نظام الدینؒ	۳/:
سب سے بڑے انسانؐ	۳/۵	سرکار کا دربار	۲/۵۰
حضرت محبوب الٰہیؒ	۳/:	ہمارا دین (اوّل، دوم، سوم) فی حصہ	۴/:
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	۲/:	اسلام کے مشہور سپہ سالار (اوّل، دوم) مکمل	۸/-
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۲/:	اسلام کے مشہور امیرالبحر	۴/۵۰
حضرت معین الدین چشتیؒ	۲/:	قرآن پاک کیا ہے؟	۳/:
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶/:	اسلام کیسے شروع ہوا؟	۶/۵۰
حضرت طلحہؓ	۳/:	رسول پاکؐ	۶/:
حضرت سلمان فارسیؓ	۳/:	اللہ کا گھر	۳/:
حضرت ابوذر غفاریؓ	۳/:	رسول پاک کے اخلاق	۲/:
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۳/:	اللہ کے خلیل	۲/:
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۳/:	تحسین القرآن	۳/۵۰
نیک بیٹیاں	۳/۵۰	منہاج القرآن	۳/۵۰
امیر خسروؒ	۳/:	ارکانِ اسلام	۲/۵۰
ہمارے نبیؐ	۲/:	عقائدِ اسلام	۲/-
دس جنتی	۴/۵۰	چار یار	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا اوّل	۷/۵۰	آں حضرتؐ	۲/:
؍؍ ؍؍ دوم	۹/:	خلفائے اربعہ	[illegible]
پیارے رسولؐ	۲/۵۰	نبیوں کے قصے	[illegible]
ہمارے رسولؐ	۵/-	مسلمان بیبیاں	[illegible]

● باپ (بیٹے سے) بیٹا تم کہاں جا رہے ہو؟
بیٹا۔ خودکشی کرنے۔
باپ۔ خبردار! اگر تم نے خودکشی کی تو میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔

ساجدانور خان، اکولہ (مہاراشٹر)

جج تم نے چوری کیوں کی؟ (ملزم خاموش رہتا ہے)
جج تم بولتے کیوں نہیں؟
ملزم جناب میں گونگا ہوں

کلرک: جناب میں یہ خط بالکل نہیں پڑھ سکتا۔ لکھنے والے کی تحریر بہت خراب ہے۔
افسر: کیا بات کرتے ہو بدھوسے بدھو آدمی بھی اسے پڑھ سکتا ہے۔ لاؤ ادھر میں پڑھ کر سناؤں۔

● ایک حاجی صاحب نے رات کے بارہ بجے سرائے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ حاجی بولے ــ حاجی الحرمین الشریفین حضرت ... حاجی ... الحاج ... تم دروازہ کھولو گے؟"

سرائے کے مالک نے جواب دیا۔ جلدی کہیں اور جگہ انتظام کر دو میرے پاس اتنے آدمیوں کی جگہ نہیں ہے

محمد شعیب، پیالی برادری۔ شملہ ہاؤس، نئی دہلی ۶

● ایک شخص کھانے کے لیے ہوٹل میں گیا۔ وہاں ایک تختی لگی تھی۔ آپ جتنا بھی کھائیں۔ بل آپ کے داماد ادا کریں گے۔ اس نے پلاؤ مرغ وغیرہ کھالیا۔ جب وہ جانے لگا تو بیرے نے بل لا کر دیا۔ اس نے کہا یہ کیا ہے؟ بیرا کہنے لگا کہ یہ بل آپ کا نہیں بلکہ آپ کے سسر کا ہے۔

نیّر ارشاد احمد، عالم گنج، پٹنہ (بہار)

● پادری بولا شراب تمہاری سب سے بڑی دشمن ہے۔ لیکن پادری صاحب کل رات کو تو آپ نے کہا تھا کہ ہمیں اپنے دشمنوں سے بھی پیار کرنا چاہیے۔ ٹھیک ہے مگر انھیں نگلنے کو تو نہیں کہا تھا۔

نسیم شاہد، نور نگر۔ نئی دہلی ۲۵

● ایک صاحب کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب کے آخری صفحے کی لائن پڑھ رہے تھے جس پر لکھا تھا شیر جیسا بہادر جانور ......
وہ صاحب ایک صفحہ الٹنے کے بجائے دو صفحے الٹ گئے پڑھنے لگے۔ انڈے سے نکلتا ہے۔

شہاب الدین، ضلع بلڈانہ

● میڈم۔ ایسی کون سی چیز ہے جو دیکھتے ہوئے بھی پکڑ نہیں سکتے۔
ایک بچہ۔ میڈم میں بتاؤں۔
میڈم۔ ہاں بتاؤ۔

پیام تعلیم کیلنڈر ۱۹۸۹ء

عبدالمجید انیکل					جنوری اکتوبر	فروری مارچ نومبر	اپریل جولائی	مئی	جون	اگست	ستمبر دسمبر
۲۹	۲۲	۱۵	۸	۱	اتوار	بدھ	ہفتہ	پیر	جمعرات	منگل	جمعہ
۳۰	۲۳	۱۶	۹	۲	پیر	جمعرات	اتوار	منگل	جمعہ	بدھ	ہفتہ
۳۱	۲۴	۱۷	۱۰	۳	منگل	جمعہ	پیر	بدھ	ہفتہ	جمعرات	اتوار
	۲۵	۱۸	۱۱	۴	بدھ	ہفتہ	منگل	جمعرات	اتوار	جمعہ	پیر
	۲۶	۱۹	۱۲	۵	جمعرات	اتوار	بدھ	جمعہ	پیر	ہفتہ	منگل
	۲۷	۲۰	۱۳	۶	جمعہ	پیر	جمعرات	ہفتہ	منگل	اتوار	بدھ
	۲۸	۲۱	۱۴	۷	ہفتہ	منگل	جمعہ	اتوار	بدھ	پیر	جمعرات

بچہ ۔ آپ کی زبان ۔

ریاض احمد ملا ۔ اتھنی ۔ بلگام (کرناٹک)

● ایک بڑھیا نے ایک توتا پالا تھا توتا ہر وقت یہی رٹ لگائے رہتا "یا اللہ بڑھیا مر جائے"، توتے کی اس سے بڑھیا عاجز آگئی اور اپنے پڑوس میں حاجی صاحب کے گھر دے آئی۔ حاجی صاحب کو چڑیا پالنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے گھر مینا پلی تھی۔ مینا صرف "آمین" کہنا جانتی تھی بہت دنوں کے بعد بڑھیا نے سوچا کہ چلوں توتے کو دیکھ آؤں بڑھیا حاجی صاحب کے گھر توتے کو دیکھنے گئی جیسے ہی توتے کی نظر پڑی وہ زور سے چلایا۔ یا اللہ بڑھیا مر جائے مینا بولی آمین

(عبداللہ خاں ۔ جائس پارہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ)

● ایک بے وقوف کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک ملاح بولا کشتی میں سوراخ ہو گیا ہے۔ پانی بھر رہا ہے بے وقوف جلدی سے بولا گھبرانے کی کیا بات ہے دوسرا سوراخ کر دو پانی نکل جائے گا۔

مرزا نہال احمد بیگ ، مرزا الاج ۔ مظفر پور (بہار)

نئی دہلی، ۱۴/ اکتوبر ۸۸ء۔ پیامی برادری کا انعامی مقابلہ "کوئز"، منعقد ہوا۔ یہ مقابلہ تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ اس مقابلہ میں ڈاکٹر صغریٰ مہدی (نئی دہلی) کی جانب سے شعبۂ طلباء کے لیے ڈاکٹر سید عابد حسین کپ اور شعبۂ طالبات کے لیے بیگم صالحہ عابد حسین کپ مقابلہ میں دیے گئے۔

پروگرام کنوینر تنظیم کے فائننشیر برادر فیض عالم تھے۔ انھوں نے جلسے کا آغاز اس طرح کیا "یہ ریڈیو پیامی برادری ہے۔ آپ ہماری آواز دفتر پیام تعلیم سے سُن رہے ہیں" یہ الفاظ نکلتے اچھے تھے کہ بچوں کی تالیوں سے مقام جلسہ گونج اٹھا۔ جلسہ کے شروع میں کنوینر نے پیامی برادری کا تعارف کرایا۔" اس کے بعد پروگرام کا آغاز برادر محمد شعیب کے درسِ قرآن سے ہوا۔ درسِ قرآن کے بعد بہن عفیف پروین نے پیام تعلیم کے "بچوں کی کوششیں" کالم سے برادر عرفان احمد معین الدین کی "حمد" سنائی۔ حمد کے بعد بہن عمرانہ آصف نے N.C.C کا ترانہ "ہم سب بھارتیہ ہیں" سنایا۔

اس کے بعد کوئیز کا مقابلہ شروع ہوا۔ کوئیز کے مقابلے کے لیے دو ٹیمیں بنائی گئیں۔ پہلی ٹیم کا نام "ڈاکٹر ذاکر حسین گروپ" اور دوسری ٹیم کا نام "مولانا محمد علی گروپ" رکھا گیا۔

کوئیز کے بعد برادر فیروز اشرف نے "پیامی برادری کی ترقی کیسے ہو" کے عنوان پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد خطبہ صدارت کے لیے برادر محمد شعیب تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہم ڈاکٹر صغرا مہدی کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے پیامی برادری کے اس انعامی مقابلہ کے لیے کپ کا اہتمام فرمایا اور ہم کو کچھ کتابیں بھی عنایت فرمائیں اور ہر دو مہینہ بعد انعامی مقابلہ کرانے اور اس کے انعامات کے لیے وعدہ بھی کیا۔"

خطبۂ صدارت کے بعد ڈاکٹر صغرا مہدی کے دستِ مبارک سے انعام جیتنے والوں کو

[illegible] تقسیم کیے گئے۔ انعامات میں "ڈاکٹر [illegible] عابد حسین کپ" برادر فیض عالم کو ملا۔ اور [illegible] طالبات کے لیے " بیگم صالحہ عابد حسین کپ" [illegible] ارم ناز کو دیا گیا۔ بقیہ انعامات پیام تعلیم کی طرف سے مندرجہ ذیل بچوں کو کتابی صورت میں تقسیم کیے گئے۔

[illegible] ذاکر حسین گروپ ـــــ مولانا محمد علی جوہر گروپ
دوم۔ فیصل اشرف ـــــ سید زبیر مصطفےٰ ندوی
دوم۔ محمد جاوید ـــــ اسد اللہ
سوم۔ فیروز اشرف ـــــ سیف عالم
خصوصی انعام۔ ظفر احسن ـــــ سید تبریز علی

تقسیم انعامات کے بعد دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ جلسہ میں شریک ممبران کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ محمد شعیب ۲۔ فیض عالم ۳۔ سلیمان اختر
۴۔ فیروز اشرف ۵۔ فیصل اشرف ۶۔ اسد اللہ
۷۔ سید تبریز علی ۸۔ زبیر مصطفےٰ ۹۔ محمد احمد خاں
۱۰۔ تسنیم احسن ۱۱۔ عبد التواب ۱۲۔ ظفر احسن
۱۳۔ سیف عالم ۱۴۔ ادیس عالم ۱۵۔ شاداں نور
۱۶۔ توقیر الاسلام ۱۷۔ فضلی شبلی ۱۸۔ عمران آصف
۱۹۔ ضیا آصف ۲۰۔ حسین شاہد ۲۱۔ نسیم شاہد
۲۲۔ عاقل شاہد ۲۳۔ غیاث الاسلام ۲۴۔ عاطف نثار
۲۵۔ محمد ساجد ۲۶۔ منیر قبول ۲۷۔ ارم ناز
۲۸۔ عادل حسین ۲۹۔ شمس الاسلام ۳۰۔ سحر کشف
[illegible] ۳۲۔ [illegible] عباس ۳۳۔ اسماء شبلی

پروگرام کے بعد چائے نوشی ہوئی۔ اور احتسابی میٹنگ کے دوران نئے نئے پلان بنائے گئے۔

فضیلت قل ہو اللہ

ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قل ہو اللہ، قرآن پاک کی تہائی برابر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اس کو نماز میں پڑھتا ہے وہ اللہ کا دوست ہے جو کوئی اس سے محبت رکھتا ہو وہ محبت اس کو جنت میں لے جائے گی۔ اور جو کوئی سوتے وقت سیدھی کروٹ پر لیٹ کر ۱۰۰ سو مرتبہ پڑھے گا وہ قیامت کے روز بہ حکم اللہ تعالیٰ اپنی سیدھی طرف سے جنّت میں داخل ہوگا۔

سیّد ظہیر الاسلام ذکی نقشبندی بالاپور

چاندی کا انڈا بنانے کا طریقہ: آئیے تجربہ کریں

سامان: موم بتی یا چراغ، کانچ کا ایک گلاس انڈا اور پانی

ایک انڈا لیں اور اسے جلتی ہوئے چراغ کی کالک میں پورا انڈا کالا کریں اور اب پانی سے بھرا ایک گلاس میں انڈا ڈال دیں اور پھر دیکھیں پورا انڈا چاندی کا جیسا لگنے لگے گا۔

(شیخ شمیم الدین۔ راجہ بازار (کلکتہ)

پیامی ادبی معمہ 4

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۶ دسمبر [illegible]

فیس داخلہ کچھ نہیں آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن آنا ضروری ہے۔

150 روپے کے نقد انعامات

پہلا انعام : صحیح حل پر مبلغ 100 — دوسرا انعام : ایک غلطی والے حل پر 50 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اسے ہی نمبروار لکھیے

۱۔ یہ کیا ــــ رہے ہو؟ کیا اپنی ــــ لکھ رہے ہو؟ کر۔ لکھ / نصیحت / وصیت

۲۔ کون نے کہا "ہمیں ــــ بننا چاہیے۔" بہادر / ایمان دار / نیک

۳۔ تم ہر وقت کس چیز سے ــــ رہتے ہو؟ ڈرے / گھرے / سہمے

۴۔ اگر ہمیں ــــ مل جائیں گے تو تمھیں خبر کردوں گا۔ موتی / ہیرے

۵۔ ــــ کو وہ آدمی واپس آگیا۔ دوپہر / سہ پہر / شام

۶۔ اس نے سب ــــ کو بھاری سزا کی دھمکی دی۔ جادوگروں / شہزادوں / سپاہیوں

۷۔ اس کے ــــ اس کے خلاف ہوگئے۔ رشتہ دار / دوست / عزیز

۸۔ مثلاً ہم لوگ ــــ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ علم / تعلیم / ہنر

صرف آخر کے دو سوالوں کے لیے ذہن پر زور ڈالیے بقیہ چھے سوالوں کے جوابات صفحہ ۴۲، ۸۰، ۸۴ کی کتابوں میں ملیں گے۔

شرائط پیامی ادبی معمہ : (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمہ کا کوپن آنا لازمی ہے (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی (۵) معمے سے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معمہ نمبر ۴۶ ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر نئی دہلی

PAYAMI ADBI MUAMMA NO 46
"PAYAM-E-TALEEM MONTHLY
JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

بچوں کی کتابیں
ریڈیو فیچر
(جگن ناتھ آزاد)
بچوں کی دل چسپی کے دو مزیدار ڈرامے۔ یہ دونوں ڈرامے ریڈیو سے نشر بھی ہو چکے ہیں۔
قیمت : ۲/۲۵
گاندھی بابا کی کہانی
(بیگم قدسیہ زیدی)
اس خوب صورت مصور کتاب میں مہاتما گاندھی کی زندگی نہایت آسان اور سبق آموز پیرایے میں لکھی گئی ہے۔
قیمت : ۲/۰۰
اُردو کیسے لکھیں
(رشید حسن خاں)
ہم سب اُردو لکھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن صحیح اُردو کیا ہے اور کس طرح لکھنا چاہیے، یہ اسی کتاب سے معلوم ہو سکے گا
قیمت ۷/۵۰
پلک نہ مارو
(یوسف ناظم)
دل چسپ مزاحیہ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ مزیدار کہانیوں والی ایسی کتاب جس کے پڑھتے وقت بچوں میں چھینا جھپٹی کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ بھی پڑھیے اور لطف لیجیے۔
قیمت : ۴/۰۰
کھیل سنسار سطوت رسول
بچوں کے لیے مترنم بحروں میں لکھے ہوئے دلچسپ گیتوں کا ایسا مجموعہ جسے بچے شوق سے پڑھتے ہیں
قیمت ۴/۵۰
تین اناڑی عصمت چغتائی
گگو، ببلو اور ٹیٹو۔ تین نٹ کھٹ لڑکوں کی شرارتوں پر مبنی ایک دلچسپ ناول جو آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔
قیمت ۳/۰۰
ترجمہ: قرۃ العین حیدر
جن حسن عبدالرحمٰن
الہ دین کے چراغ کی کہانی تو اب پرانی ہو گئی، لیکن اب تو اس جن کا قصہ تمام بچوں کی زبان پر ہے جسے حال ہی میں ایک سکنڈری اسکول کے بچے نے صراحی کی قید سے آزادی دلائی ہے۔
حصہ اول ۲/۵۰، حصہ دوم ۲/۵۰
(سیفی پریمی)
کہاوت اور کہانی
روزمرہ بولی جانے والی کہاوتوں اور کہانیوں کا دلکش مجموعہ جن کی وجہ سے کہاوتیں وجود میں آئیں۔
قیمت : ۴/۵۰
سرکس
ترجمہ کار: ڈین گیسپر
سرکس دیکھنا اور تصویروں میں رنگ بھرنا بچوں کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کتاب میں سرکس کی ڈھیر ساری تصویروں کے خاکے ملیں گے جن میں بچے شوق سے رنگ بھر سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰
صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دلی ۱۱۰۰۲۵
شاخیں
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۰۶ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۴۰۰۰۰۳ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

No. U(SE)-21 to post with

Regd. No. D(SE)-043 December, 1988

PAYAM-I-TALEEM *Monthly*

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025

Regd. with R.N.I. at No.10537/64